مَا آتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَہَاکُمْ عَنْہُ فَانْتَہُوْا

فلاح وبہبود

شرح اردو

ابوداؤد

از: حضرت مولانا محمد حنیف گنگوہی مدظلہ العالی

جس میں متن حدیث اور اس کا ترجمہ، حل لغات، فقہی مسائل پر مدلل بحث اور "قال ابوداؤد" کا بالاستیعاب شافی حل پیش کیا گیا ہے

مکتبہ امدادیہ ملتان (پاکستان)

ما آتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتہوا
فلاح وبہبود
شرح اردو
ابوداؤد
جلد اوّل
از حضرت مولانا محمد حنیف گنگوہی مدظلہ العالی
جس میں متن حدیث اور اس کا ترجمہ، حل لغات، فقہی مسائل پر
مدلل بحث اور "قال ابوداؤد" کا بالاستیعاب شافی حل پیش کیا گیا ہے
مکتبہ امدادیہ ملتان (پاکستان)

فہرست کتب جو بوقت شرح زیر مطالعہ رہیں

نمبر شمار	نام کتاب	تعداد جلد	مصنف	سن وفات
۱	بذل المجہود شرح ابوداؤد	۵ر	ابوابراہیم شیخ خلیل احمد بن شاہ مجید علی	۰
۲	عون المعبود ۔ ۔	۴ر	ابوعبدالرحمٰن محمد اشرف بن امیر عظیم آبادی	۰
۳	غایۃ المقصود ۔ ۔	۱ر	ابوالطیب محمد شمس الحق عظیم آبادی	۰
۴	انوار المحمود ۔ ۔	۲	مفتی محمد صدیق نجیب آبادی	۰
۵	مرقاۃ الصعود ۔ ۔	-	علامہ جلال الدین سیوطی	سنہ ۹۱۱ھ
۶	المجتبیٰ	۰	حافظ زکی الدین ابو محمد عبدالعظیم المنذری	سنہ ۶۵۶ھ
۷	تہذیب السنن	۰	حافظ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم	سنہ ۷۵۱ھ
۸	فتح الباری شرح صحیح البخاری	۱۳ر	حافظ ابن حجر عسقلانی	سنہ ۸۵۲ھ
۹	ارشاد الساری شرح صحیح البخاری	۱۰ر	حافظ شہاب الدین احمد بن محمد قسطلانی	سنہ ۹۲۳ھ
۱۰	مرقاۃ المفاتیح	۵ر	شیخ نورالدین علی بن سلطان محمد القاری	سنہ ۱۰۱۴ھ
۱۱	نیل الاوطار	۴ر	قاضی محمد بن علی شوکانی	سنہ ۱۲۵۰ھ
۱۲	نصب الرایہ	۴ر	شیخ جمال الدین یوسف الزیلعی	سنہ ۷۶۲ھ
۱۳	امانی الاحبار شرح معانی الآثار	۲ر	مولٰنا محمد یوسف بن محمد الیاس بن محمد اسماعیل کاندھلوی	[illegible]
۱۴	احکام القرآن	۳ر	ابوبکر احمد بن علی الجصاص	سنہ ۳۷۰ھ
۱۵	شروح اربعہ ترمذی	۲ر	ابن العربی، سیوطی، ابوالطیب فی مارج محمد	
۱۶	والہدی المحمود ترجمہ سنن ابی داؤد	۳ر	مولوی وحید الزمان بن مسیح الزمان لکھنوی	
۱۷	الجوہر النقی	۲ر	شیخ علاء الدین علی بن عثمان۔ ابن الترکمانی	سنہ ۷۴۵ھ
۱۸	کتاب الکنیٰ والاسماء	۲ر	شیخ ابوبشر محمد بن احمد بن حماد الدولابی	سنہ ۳۱۰ھ
۱۹	تقریب التہذیب	۱ر	حافظ ابن حجر عسقلانی	سنہ ۸۵۲ھ
۲۰	تہذیب التہذیب	۱۲ر	۔ ۔	۰
۲۱	کتاب الانساب	۲	حافظ ابوسعد عبدالکریم بن محمد مروزی	سنہ ۵۶۲ھ
۲۲	القاموس المحیط	۳	علامہ مجدالدین فیروز آبادی	سنہ ۸۱۷ھ

۲

ہدیۂ عقیدت

مرکز علم و عمل دارالعلوم دیوبند کی خدمت میں

جس کی صد سالہ تاریخ کلام الٰہی و سنت نبویہ

(علیٰ صاحبہا الف الف سلام و تحیۃ) کی تصحیح

خدمات سے معمور اور مَنْ اَحْیَا سُنَّتِیْ فَکَاَنَّمَا

اَحْیَانِیْ کا صحیح مصداق ہے۔

محمد حنیف گنگوہی (فاضل دیوبند)

۵ شعبان سنہ ۱۳۹۰ھ

فہرست مضامین مقدمہ کتاب فلاح وبہبود شرح ارتقال ابوداؤد

دیباچہ

إنّ أبهى حديقة طابت أثمارها وأينع الأحاديث والأخبار في النفوس ، وأزهى روضة تحلّت بزهرها كمال جمالها فلا تمدّ الأفكار وجنات الطروس ، حديث من تواترت صحائح الآلاء الكاملة ، واتصلت حسان تحائف الشاملة بسلسلات فيضه غير محدودة فلا تحدّ ولا توصف ، وتراسيل جوده غير محدودة فلا تعدّ ولا تعرف أفضل من أرسل بالحنفية السمحة البيضاء غير ذي عوج ، ودفع عنها جيش المرتابين ، فاستندت بها البراهين والحجج مرفوعة بالسند العالي آثار كمالها من غير إبهام ولا انقطاع ، ولا إنكار لشاهد فضله وإفضاله ولا نزاع ، الحقيقة الأسانيد على أنه عزيز الأمثال وغريب الأوصاف في أقواله وأفعاله وأحواله ؎

بلغ العلى بكماله ، كشف الدجى بجماله ، حسنت جميع خصاله ، صلوا عليه وآله

اللهم فصلّ وسلّم على نبيك محمد الذي اتصلت بإرسال أنوار الهدى بعد ما دجى الكفر وشاع ، وعلى آله وصحبه الذين حفظوا اتباعهم حتى استرشدهم السنن الشريفة من الضياع ، أمّا بعد

یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ دین کی اصل صرف دو چیزیں ہیں قرآن اور حدیث، اور ان دونوں میں جسم و روح اور چولی دامن کا رشتہ ہے کتاب اللہ اگر متن ہے تو حدیث اس کی شرح، قرآن اگر دل ہے تو حدیث وہ شہ رگ ہے جو اعضاء اسلام کو اس دل سے خون پہونچا کر سیراب کرتی ہے اس لئے مسلمانوں نے آغاز اسلام سے آجتک اس علم کو اپنے سینوں سے لگایا اور محنت و اخلاص کے ساتھ اس کی وہ خدمت کی کہ دنیا کی کوئی قوم اپنی قدیم روایات کی حفاظت میں اس کی مثال پیش نہیں کرسکتی۔

صحاح ستہ احادیث نبویہ کا وہ مقدس مجموعہ ہے جس کی صحت پر آجتک علماء اسلام اور ہر قرن کے مسلمان متفق ہیں جنمیں سے ایک سنن ابوداؤد بھی صحیح اور مستند کتاب تسلیم کی گئی ہے جسمیں ایک طرف فقہی مسائل کو پیش کیا گیا ہے تو دوسری طرف محدثانہ طرز پر حدیث کی صحت و سقم پر بھی کلام کیا گیا ہے، بالخصوص قال ابوداؤد کا جو وزن ہے اس سے اہل علم حضرات اچھی طرح واقف ہیں کہ اس کے حل میں کتنی دماغ سوزی سے کام لینا پڑتا ہے عربی شروحات بذل و عون وغیرہ میں گو اس کا بخوبی حل موجود ہے مگر ضرورت تھی اس امر کی کہ اردو زبان میں بھی اس کے مشکل مقامات کو حل کر دیا جائے۔ اس ضرورت کو ملحوظ رکھتے ہوئے پیش نظر کتاب "فلاح و بہبود شرح اردو قال ابوداؤد" ارباب ذوق و اصحاب شوق کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ امید ہے کہ ناظرین کرام میری اس محنت کو بنظر استحسان دیکھیں گے اور دعاء خیر کے ساتھ یاد فرمائیں گے :-

محمد حنیف گنگوہی غفرلہ ولوالدیہ

"مقدمہ"

(فی مبادی علم الحدیث واصولہ وامور نافعۃ مہمۃ التی ینتظم لفعھا)

حدیث، خبر، اثر، سنت

حدیث بقول علامہ سیوطی ضد قدیم کو کہتے ہیں اور خبر، ذکر، بات، اور بیان وغیرہ میں استعمال کرتے ہیں۔ عربی زبان میں اس کا وہی مفہوم ہوتا ہے جو ہم اردو میں گفتگو، کلام یا بات سے مراد لیتے ہیں۔ اصطلاح میں حدیث، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال کو کہتے ہیں اور افعال میں آپ کی تقریرات یعنی وہ واقعات بھی داخل ہیں جو آپ کے سامنے پیش آئے اور آپ ان کو دیکھ کر یا سن کر خاموش رہے کہ ان کو بھی جزء دین تصور کیا جائے گا اس واسطے کہ اگر وہ امور منشاء دین کے منافی ہوتے تو یقیناً آپ ان کی اصلاح کرتے یا منع فرما دیتے۔ اسی طرح افعال میں آپ کے اختیاری احوال بھی داخل ہیں البتہ غیر اختیاری احوال حلیہ وغیرہ اس میں داخل نہیں ان کا تعلق بیان علم سے متعلق ہے، مگر یہ تعریف علماء اصول فقہ کے یہاں ہے۔ محدثین کی اصطلاح میں حدیث کے تحت ہر وہ چیز داخل ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہو، اقوال وافعال، اور احوال ہوں یا تقریرات وصفات، بلکہ بعض حضرات نے صحابہ وتابعین کے اقوال وافعال کو بھی حدیث میں شامل مانا ہے۔

بہرکیف حدیث اس کو کہتے ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہو لہٰذا بوقت اطلاق اس سے مراد صرف مرفوع حدیث ہوگی نہ کہ موقوف، کیونکہ مرفوع اور موقوف دونوں پر خبر کا اطلاق ہوتا ہے نہ کہ حدیث کا۔ پس حدیث اور خبر کے درمیان عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہوئی یعنی ہر حدیث خبر ہے لیکن ہر خبر کا حدیث ہونا ضروری نہیں۔ مگر بعض علماء نے حدیث کا اطلاق بھی مرفوع وموقوف ہر دو پر کیا ہے اس لئے ان حضرات کے یہاں حدیث وخبر دونوں مترادف اور ہم معنی ہیں اور ایک قول یہ بھی ہے کہ جو۔ ۔ ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہو وہ حدیث ہے اور جو غیر سے مروی ہو وہ خبر ہے اسی لئے مورخ وقصہ گو کو اخباری اور خادم سنت کو محدث کہا جاتا ہے۔ اس تعریف پر حدیث وخبر کے درمیان مباینت ہوگی۔

اثر کا اطلاق بھی مرفوع وموقوف دونوں پر ہوتا ہے تو یہ مرادف خبر ہے لیکن فقہاء خراسان موقوف کو اثر سے اور مرفوع کو خبر سے تعبیر کرتے ہیں۔ رہا لفظ سنت سو یہ اکثر علماء اصول کے نزدیک مرادف حدیث ہے۔

علم حدیث

بقول شیخ عزالدین بن جماعہ ایسے قوانین کا جاننا ہے جن سے سند ومتن کے احوال باعتبار اتصال وانقطاع معلوم ہوں۔ چونکہ اس علم کے ذریعہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی باتیں اور ان کے طریق عمل کی سچی خبریں معلوم ہوتی ہیں اس لئے اس کا نام علم حدیث رکھا گیا۔ اور یہ کوئی خود ساختہ اصطلاح نہیں بلکہ قرآن کریم ہی سے مستنبط ہے۔ قرآن کریم میں حق تعالیٰ نے دین کو نعمت فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے۔ واذکروا نعمۃ اللہ علیکم وما انزل علیکم

من الکتب والحکمۃ یعظکم بہ"۔ دوسری جگہ ارشاد ہے :"الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی"۔ اور سورہ والضحیٰ میں آپ کو اسی نعمت کے بیان کرنے کا حکم ان الفاظ میں دیا ہے : "واما بنعمۃ ربک فحدث" پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی تحدیث نعمت کو حدیث کہتے ہیں۔

علامہ جزائری فرماتے ہیں کہ پھر محدثین نے علم حدیث کی دو قسمیں کی ہیں۔ علم روایۃ الحدیث اور علم درایۃ الحدیث۔ علامہ ابن الاکفانی نے ارشاد المقاصد میں لکھا ہے کہ علم روایۃ الحدیث وہ علم ہے جس سے بسماع متصل اور ضبط و تحریر کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کا منقول ہونا معلوم ہو اور علم درایۃ الحدیث وہ علم ہے جس سے انواع و احکام روایت، شروط رواۃ، اصناف مرویات اور ان کے معانی کا استخراج معلوم ہو۔

موضوع اور غرض و غایت

علم حدیث کا موضوع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے اقوال و افعال اور تقریرات ہیں اور باعتبار اتصال و انقطاع، سند احادیث کے اقسام، نقل و روایت کے آداب و احکام اور مقبول و غیر مقبول کو معلوم کرنا اس کی غایت ہے۔

قال الجلال السیوطی فی الفیتہ ؎

علم الحدیث ذو قوانین تحد ۔ یدری بہا احوال متن وسند
فذلک الموضوع ۔ والمقصود ۔ ان یعرف المقبول والمردود

کتابت حدیث

عرب کی قوم عام طور پر اُمّی یعنی بے پڑھی لکھی تھی اور ان میں کسی قسم کی مکتوبی یا زبانی تعلیم کا رواج نہ تھا چنانچہ قرآن پاک نے ان کو اُمیین ہی فرمایا ہے۔ مگر اہل عرب کا حافظہ نہایت ہی قوی تھا وہ جو کچھ سنتے تھے صفحہ حافظہ پر ثبت ہوجاتا تھا ادھر قرآن مجید کے جمع و کتابت کا اہتمام زیادہ ضروری تھا اس لئے ابتداء اسلام میں کتابت حدیث کی ضرورت نہیں سمجھی گئی بلکہ صرف زبانی روایت کا حکم دیا گیا۔

صحیح مسلم میں حضرت ابو سعید خدریؓ سے جو یہ روایت ہے۔ "لاتکتبوا عنی ومن کتب عنی غیر القرآن فلیمحہ"[۱] یہ روایت امام بخاری اور دیگر محدثین کے نزدیک معلول ہے۔ ان کی تحقیق میں یہ الفاظ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نہیں بلکہ ابو سعید خدری کے ہیں جن کو راوی نے غلطی سے مرفوعاً نقل کردیا۔ اور اگر روایت کو مرفوع ہی تسلیم کرلیا جائے تب بھی یہ ممانعت وقتی اور عارضی تھی جو اس زمانہ میں خاص طور سے حفاظت قرآن کو پیش نظر رکھ کر کی گئی تھی۔ چونکہ حق تعالیٰ نے آپ کو جوامع الکلم عطا فرمائے تھے اس لئے اندیشہ تھا کہ یہ نئے نئے لوگ جو ابھی ابھی قرآن سے آشنا ہورہے ہیں کہیں دونوں کو خلط ملط نہ کردیں۔ مگر جب قرآن سے اشتباہ کا خدشہ جاتا رہا تو کتابت حدیث کی اجازت دیدی گئی جس کا ثبوت جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، مسند دارمی، طبرانی کی معجم کبیر اور مستدرک حاکم کی روایات میں موجود ہے۔ بلکہ صحیح بخاری، جامع ترمذی اور سنن نسائی وغیرہ کی روایات سے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا متعدد مواقع پر ضروری احکام و ہدایات کو قلم بند کرانا ثابت ہے۔

---

[۱] مجھ سے کچھ مت لکھو اور جس نے مجھ سے قرآن کے علاوہ کچھ لکھ لیا ہے تو وہ اسے مٹادے ۱۲

عہد رسالت میں صحابہؓ کے بعض نوشتے

بلکہ روایات سے تو صحابہ کرام کے پاس لکھے ہوئے صحیفوں کا بھی پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص نے حدیث نبوی کی کتابت کا جو سلسلہ شروع کیا تھا اس سے ایک اچھی خاصی ضخیم کتاب تیار ہو گئی تھی جس کا نام انھوں نے صادقہ رکھا تھا۔ یہ کتاب انھیں اس قدر عزیز تھی کہ اکثر فرمایا کرتے تھے۔ "ما یرغبنی فی الحیٰوۃ الا الصادقۃ والوہط"۔

ان دونوں چیزوں کا تعارف خود آپ ہی نے ان الفاظ میں کرایا ہے۔ "فاما الصادقۃ فصحیفۃ کتبتہا من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واما الوہط فارض تصدق بہا عمرو بن العاص کان یقوم علیہا" (دارمی)

یہ صحیفہ حضرت عبداللہ بن عمرو کی وفات پر ان کے پوتے شعیب بن محمد بن عبداللہ کو ملا تھا (تہذیب التہذیب) اور شعیب سے اس نسخہ کو ان کے صاحبزادے عمرو روایت کرتے ہیں (ترمذی)

عہد رسالت کے تحریری نوشتوں میں سے ایک حضرت علی کا صحیفہ بھی تھا جس کے متعلق خود ان کا بیان ہے کہ "ما کتبنا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم الا القرآن وما فی ہذہ الصحیفۃ" (بخاری)

یہ صحیفہ چمڑے کے تھیلے میں تھا جس میں حضرت علی کی تلوار مع نیام رہتی تھی (مسلم)، اس میں زکوٰۃ کے علاوہ خوں بہا، اسیروں کی رہائی، کافر کے بدلے مسلمان کو قتل نہ کرنا، حرم مدینہ کے حدود، اس کی حرمت، غیر کی طرف انتساب کی ممانعت، نقض عہد کی برائی، غیر کے لئے ذبح کرنے پر وعید اور زمین کے نشانات مٹانے کی مذمت وغیرہ بہت سے احکام و مسائل درج تھے۔ حدیث کی اکثر کتابوں میں اس صحیفہ کی روایتیں موجود ہیں۔ اسی طرح حضرت ابو بکر صدیق، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت سمرہ بن جندب، حضرت ابو ہریرہ، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن مسعود کے صحیفوں کی روایتیں بھی کتب حدیث میں موجود ہیں۔

بہر کیف صحابہ کرام و کبار تابعین کے زمانہ میں تحریر حدیث کا ثبوت بلا ریب موجود ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اس عہد کے نوشتوں کو فنی حیثیت سے مستقل کتابیں نہیں کہہ سکتے۔

تدوین حدیث

جب صحابہ کرام روز بروز اس دنیا سے رخصت ہونے لگے اور ابھی صدی ختم نہ ہونے پائی تھی کہ بزم عالم ان کے مبارک وجود سے تقریباً خالی ہو چلی۔ چنانچہ بصرہ کے صحابہ میں سے سب سے آخر میں جس نے وفات پائی وہ حضرت انس ہیں۔ آپ کا انتقال ۹۳ھ یا ۹۵ھ میں ہوا ہے۔ یہ وہ وقت تھا کہ دوسرے اسلامی شہروں میں بھی دو چار کبیر السن صحابہ کے علاوہ

۱؎ مجھے زندگی کی یہی دو چیزیں خواہش دلاتی ہیں صادقہ اور وہط ۱۲ ۲؎ صادقہ تو صحیفہ ہے جس کو میں نے حضور صلعم سے سن کر لکھا ہے اور وہط وہ زمین ہے جس کو حضرت عمرو نے راہ خدا میں وقف کیا تھا اور وہ اس کی دیکھ بھال رکھتے تھے ۱۲ ۳؎ ہم نے حضور صلعم سے بجز قرآن کے اور جو کچھ اس صحیفہ میں درج ہے اور کچھ نہیں لکھا ۱۲

کہ جو جلد ہی فوت ہو گئے، خورشید نبوت سے براہ راست کسب نور کرنے والے تمام ستارے غروب ہو چکے تھے۔

ماہ صفر ۹۹ھ میں خلیفہ صالح عادل بنی مروان حضرت عمر بن عبد العزیز جو سریر آرائے خلافت ہوئے تو آپ نے دیکھا کہ صحابہ کے متبرک نفوس سے دنیا خالی ہو چکی۔ اکابر تابعین میں کچھ تو صحابہ کے ساتھ ہی چل بسے باقی جو ہیں ایک ایک کر کے سارے مقامات سے اٹھتے جا رہے ہیں اس لئے آپ کو اندیشہ ہوا کہ ان حفاظ اہل علم کے اٹھنے سے کہیں علوم شرعیہ نہ اٹھ جائیں اور حدیث پاک کی جو امانت ان کے سینوں میں محفوظ ہے وہ ان کے ساتھ ہی قبروں میں نہ چلی جائے۔ ادھر شیعہ، خوارج، قدریہ وغیرہ نئے نئے فرقے اسلام میں سر اٹھاتے جاتے تھے جو اپنے عقائد و خیالات کی ترویج میں پوری قوت سے کوشاں تھے اس لئے آپ نے فوراً تمام ممالک کے علماء کے نام فرمان بھیجا کہ حدیث نبوی کو تلاش کر کے جمع کر لیا جائے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں آپ نے مدینہ منورہ کے قاضی ابوبکر بن عمر بن حزم متوفی ۱۲۰ھ کو جو آپ کی طرف سے امیر بھی تھے فرمان بھیجا کہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اور سنت نیز حضرت عمر کی حدیثیں اور اسی قسم کی جو روایات مل سکیں ان سب کو تلاش کر کے مجھے لکھو کیونکہ مجھے علم کے مٹنے اور علماء کے فنا ہو جانے کا خوف ہے۔

(موطا امام محمد) قاضی موصوف اپنے وقت میں مدینہ طیبہ کے بہت بڑے فقیہ اور امارت و قضاء میں حضرت عمر بن عبد العزیز کے نائب تھے۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ ہمارے یہاں مدینہ میں جس قدر قضاء کے بارے میں ان کو علم تھا اتنا کسی کو نہ تھا۔ بڑے عابد شب بیدار تھے۔ ان کی اہلیہ کا بیان ہے کہ چالیس سال ہو گئے آپ ہیں یہ کبھی شب میں اپنے بستر پر دراز نہیں ہوتے۔

آپ نے امیر المومنین کے حسب الحکم حدیث میں متعدد کتابیں لکھیں لیکن افسوس ہے کہ جب قاضی صاحب کا یہ کارنامہ پایۂ تکمیل کو پہنچا تو حضرت عمر بن عبد العزیز وفات پا چکے تھے۔ آپ نے ۲۵ رجب ۱۰۱ھ کو انتقال کیا۔ مدت خلافت کل دو سال پانچ ماہ ہے۔ آپ نے امام زہری کو بھی خاص طور پر تدوین سنن پر مامور کیا تھا۔ چنانچہ حافظ ابن عبد البر جامع بیان العلم میں امام زہری کا بیان نقل کرتے ہیں کہ۔

ہم کو عمر بن عبد العزیز نے سنن کے جمع کرنے کا حکم دیا تو ہم نے دفتر کے دفتر لکھ ڈالے اور پھر انھوں نے ہر اس سرزمین پر کہ جہاں ان کی حکومت تھی ایک ایک دفتر بھیج دیا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے قاضی ابوبکر بن حزم سے پہلے اس فن کی تدوین کی ہے۔ چنانچہ امام مالک کی تصریح موجود ہے۔ اول من دون العلم ابن شہاب۔

ابن الندیم نے کتاب الفہرست میں فقیہ شام حضرت مکحول دمشقی کی تصنیفات کے سلسلہ میں کتاب السنن کا تذکرہ کیا ہے اغلب یہ ہے کہ اس کی تدوین بھی امر خلافت کی تعمیل ہی میں ہوئی ہو گی۔

علامۃ التابعین امام شعبی کے متعلق علامہ سیوطی تدریب الراوی میں حافظ ابن حجر عسقلانی سے ناقل ہیں کہ ایک موضوع کی حدیثوں کے جمع کرنے کا کام سب سے پہلے امام شعبی نے کیا۔ امام شعبی کتابت علم کے قائل نہ تھے اس لئے ظاہر ہے کہ احادیث کے جمع کرنے کا یہ کام انھوں نے محض خلیفہ عادل کے حکم کی تعمیل ہی میں کیا ہو گا۔

چونکہ تینوں ائمہ باہم معاصر ہیں اس لئے یقین کے ساتھ تو یہ فیصلہ کرنا سخت مشکل ہے کہ سب سے پہلے اس موضوع پر کس نے قلم اٹھایا تاہم حسب تصریح امام مالک و دراوردی اگر اس علم کے پہلے مدون امام زہری ہیں تو امام شعبی کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ احادیث نبوی کی تبویب سب سے پہلے انھوں نے کی ہے اس لئے تدوین حدیث کی اولیت کا سہرا اگر علماء اہل مدینہ کے سر ہے تو اس کی تبویب کی اولیت کا شرف یقیناً علماء اہل کوفہ کو حاصل ہے۔

دوسری صدی

پہلی صدی کے آخر میں خلیفہ راشد کے حکم سے کبار ائمہ تابعین نے جمع و تدوین حدیث کا دروازہ کھولا۔ امام شعبی، امام زہری، امام مکحول دمشقی اور قاضی ابوبکر بن حزم کی تصانیف اسی عہد عمری کی یادگار ہیں۔ دوسری صدی ہجری میں اس سلسلہ کو اتنی ترقی حاصل ہوئی کہ احادیث مرفوعہ ایک طرف صحابہ کے آثار اور تابعین کے فتاوے اور اقوال تک ایک ایک کرکے اس عہد کی تصانیف میں مرتب و مدون کر دئے گئے۔

فقیہ وقت حماد بن ابی سلیمان کی وفات کے بعد سنہ ۱۲۰ھ میں امام ابوحنیفہ جب جامع کوفہ کی اسی مشہور علمی درسگاہ میں مسند فقہ و علم پر جلوہ آرا ہوئے کہ جو حضرت عبداللہ بن مسعود کے زمانہ سے باقاعدہ طور پر چلی آرہی تھی تو آپ نے جہاں علم کلام کی بنیاد ڈالی۔ فقہ کا عظیم الشان فن مدون کیا وہیں علم حدیث کی یہ اہم ترین خدمت انجام دی کہ چالیس ہزار احادیث احکام میں سے صحیح اور معمول بہا روایات کا انتخاب فرما کر ایک مستقل تصنیف میں ان کو فقہی ابواب پر مرتب کیا جس کا نام کتاب الآثار ہے اور آج امت کے پاس احادیث صحیحہ کی سب سے قدیم ترین کتاب یہی ہے جو دوسری صدی کے ربع ثانی کی تالیف ہے۔

امام ابوحنیفہ سے پہلے حدیث نبوی کے جتنے صحیفے اور مجموعے لکھے گئے ان کی ترتیب فنی نہ تھی بلکہ ان کے جامعین نے کیف ما اتفق جو حدیثیں ان کو یاد تھیں انھیں قلمبند کر دیا تھا۔ امام شعبی نے بیشک بعض مضامین کی حدیثیں ایک ہی باب کے تحت لکھی تھیں لیکن وہ پہلی کوشش تھی جو غالباً چند ابواب سے آگے نہ بڑھ سکی۔ احادیث کو کتب و ابواب پر پوری طرح مرتب کرنے کا کام ابھی باقی تھا جس کو امام ابوحنیفہ نے کتاب الآثار تصنیف کرکے نہایت ہی خوش اسلوبی کے ساتھ مکمل فرمایا اور بعد کے ائمہ کے لئے ترتیب و تبویب کا ایک عمدہ نمونہ قائم کیا۔ پس کتاب الآثار قرآن پاک کے بعد کتب خانہ اسلام کی دوسری کتاب ہے جو ابواب پر مرتب و مدون ہوئی اور اس میں صرف انہی احادیث اور آثار و فتاوی نے جگہ پائی جن کی روایت ثقات اور اتقیاء امت میں برابر چلی آرہی تھی۔ امام اعظم نے اس کتاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری افعال و ہدایات کو مبنائے اول اور آثار و فتاوی صحابہ و تابعین کو مبنائے ثانی قرار دیا ہے۔

کتاب الآثار کے بعد حدیث کا دوسرا صحیح مجموعہ جو اس وقت امت کے ہاتھوں میں موجود ہے وہ امام مالک بن انس کی مشہور تصنیف مؤطا ہے جو اہل مدینہ کی روایات و فتاوی کا بہترین انتخاب ہے جس کی صحت کا محدثین کو اس درجہ یقین ہے کہ امام ابوزرعہ رازی فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اس بات پر طلاق کا حلف اٹھائے کہ مؤطا میں امام مالک کی جو حدیثیں ہیں وہ صحیح ہیں تو وہ حانث نہ ہوگا۔

اسی زمانہ میں امام سفیان نے "الجامع" ابو عبد الرحمن عبد اللہ بن المبارک بن واضح حنظلی مروزی متوفی سنہ ۱۸۱ھ نے "کتاب الزہد والرقائق" ابو عبد اللہ محمد بن الحسن بن فرقد شیبانی متوفی سنہ ۱۸۹ھ نے "موطا" ابو داؤد سلیمان بن داؤد بن الجارود طیالسی متوفی سنہ ۲۰۴ھ نے "المسند" ابوبکر عبد الرزاق بن ہمام بن نافع حمیری متوفی سنہ ۲۱۱ھ نے "مصنف" ابوبکر عبد اللہ بن زبیر قریشی حمیدی متوفی سنہ ۲۱۹ھ نے "المسند" ابوبکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ عبسی متوفی سنہ ۲۳۵ھ نے "مصنف" کو تصنیف کیا۔

تیسری صدی ہجری میں علم حدیث کو بڑی ترقی ہوئی اور اس فن کا ایک ایک شعبہ پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ محدثین اور ارباب روایت نے طلب حدیث میں بحر و بر کو پے سپر کیا اور دنیائے اسلام کا گوشہ گوشہ چھان مارا۔ ایک ایک شہر اور ایک ایک قریہ میں پہنچ کر تمام منتشر روایتوں کو یکجا کیا۔ مسند حدیثیں علیحدہ کی گئیں۔ صحت سند کا التزام کیا گیا۔ اسماء رجال کی تدوین ہوئی۔ جرح و تعدیل کا مستقل فن ایجاد ہوا۔

تدوین صحاح ستہ وغیرہ جب مسانید کی تالیف سے تمام منتشر روایتیں یکجا ہو گئیں تو پھر اس دور کے محدثین نے انتخاب و اختصار کا طریقہ اختیار کیا اور صحاح ستہ کی تدوین عمل میں آئی جن میں سے ایک سنن ابو داؤد شریف بھی ہے۔

ترجمہ امام ابو داؤد رحمہ اللہ

نام و نسب ابو داؤد کنیت، سلیمان نام اور والد کا نام گرامی اشعث ہے سلسلۂ نسب یوں ہے ابو داؤد سلیمان بن اشعث بن اسحاق بن بشیر بن شداد بن عمرو بن عمران الازدی السجستانی۔

تحقیق سجستان امام ابو داؤد سجستان کی طرف منسوب ہو کر سجستانی کہلاتے ہیں۔ لیکن سجستان کہاں ہے؟ اس کی تعیین میں قدرے اختلاف ہے۔ ابن خلکان کہتے ہیں کہ ان کی نسبت سجستان یا سجستانہ کی طرف ہے جو بصرہ کے اطراف میں ایک گاؤں کا نام ہے۔

حضرت شاہ عبد العزیز صاحب بستان المحدثین میں فرماتے ہیں کہ اس نسبت کی تحقیق میں ابن خلکان سے غلطی سرزد ہوئی ہے۔ حالانکہ ان کو تاریخ دانی اور تصحیح انساب میں کمال حاصل تھا چنانچہ شیخ تاج الدین سبکی ان کی عبارت نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں۔ "وہذا وہم والصواب انہ نسبۃ الی الاقلیم المعروف المتاخم لبلاد الہند" یعنی یہ ان کا وہم ہے صحیح یہ ہے کہ یہ نسبت اس اقلیم کی طرف ہے جو ہند کے پہلو میں واقع ہے۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں یعنی یہ سیستان کی طرف نسبت ہے جو سندھ اور ہرات کے درمیان مشہور شہر ہے اور قندھار سے متصل واقع ہے لیکن وہاں کے جغرافیہ میں اس نام کے شہر کا کہیں پتہ نہیں چلتا۔ یاقوت حموی نے لکھا ہے کہ یہ خراسان کے اطراف میں ہے جس کو سجز بھی کہتے ہیں اور یہی صحیح ہوسکتا ہے۔ حافظ منذری نے اس کو خراسان اور کرمان کے درمیان بتایا ہے۔ امام نووی کی تحقیق میں یہ کرمان سے تقریباً سو فرسخ ادھر ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ غزنی کے قریب ایک جگہ ہے۔ یہ بھی کہا گیا

ہے کہ سجستان کو آجکل بلوچستان کہتے ہیں۔

سنہ پیدائش امام ابوداؤد سیستان میں ۲۰۲ھ میں پیدا ہوئے لیکن آپ نے زندگی کا بڑا حصہ بغداد میں گذارا اور وہیں اپنی سنن کی تالیف کی اسی لئے ان سے روایت کرنے والوں کی ان اطراف میں کثرت ہے۔ پھر بعض وجوہ کی بناء پر ۲۷۱ھ میں بغداد کو خیرباد کہا اور زندگی کے آخری چار سال بصرے میں گذارے جو اس وقت علم و فن کے لحاظ سے مرکزی حیثیت رکھتا تھا۔

تحصیل علم آپ نے جس زمانہ میں آنکھیں کھولیں اس وقت علم حدیث کا حلقہ بہت وسیع ہو چکا تھا۔ آپ نے بلادِ اسلامیہ میں عموماً اور مصر، شام، حجاز، عراق، خراسان اور جزیرہ وغیرہا میں خصوصیت کے ساتھ کثرت سے گشت کرکے اس زمانہ کے تمام مشاہیر اساتذہ و شیوخ سے علم حاصل کیا اور عراقیین، خراسانیین، شامیین، مصریین، جزریین اور لغزیین وغیرہ سے احادیث لکھیں۔

اساتذہ و شیوخ امام ابوداؤد تحصیل علم کے لئے جن اکابر و شیوخ کی خدمت میں حاضر ہوئے انکا استقصار دشوار ہے۔ خطیب تبریزی فرماتے ہیں کہ انھوں نے بیشمار لوگوں کی احادیث حاصل کیں۔ آپ کے اساتذہ میں مشائخ بخاری و مسلم جیسے امام احمد حنبل، عثمان بن ابی شیبہ قتیبہ بن سعید اور قعنبی، ابوالولید طیالسی، مسلم بن ابراہیم اور یحییٰ بن معین جیسے ائمہ فن داخل ہیں انکی سنن اور دیگر کتابوں کو دیکھ کر حافظ ابن حجر کے اندازے کے مطابق ان کے شیوخ کی تعداد تین سو سے زائد ہے ہم نے سنن ابوداؤد سے آپ کے شیوخ کی فہرست مرتب کی ہے جو بترتیب حروف تہجی حسب ذیل ہے

فہرست اساتذہ و شیوخ امام ابوداؤد

نمبر	شیوخ	نمبر	شیوخ
	(الف)		
۱	ابواسحٰق ابراہیم بن حسن	۱۱	ابوعلی احمد بن ابراہیم بن احمد
۲	ابراہیم بن حمزہ بن محمد	۱۲	ابوعبداللہ احمد بن ابراہیم بن کثیر
۳	ابوثور ابراہیم بن خالد	۱۳	احمد بن ابی عقیل
۴	ابواسحٰق ابراہیم بن سعید الجوہری	۱۴	ابوعاصم احمد بن جناس
۵	ابواسحاق ابراہیم بن العلاء	۱۵	احمد بن حفص بن عبداللہ
۶	ابواسحٰق ابراہیم بن ابی معاویہ محار	۱۶	ابوجعفر احمد بن سعد
۷	ابراہیم بن مخلد الطالقانی	۱۷	ابوجعفر احمد بن سعید
۸	ابواسحاق ابراہیم بن المستمر	۱۸	ابوجعفر احمد بن سنان
۹	ابراہیم بن موسیٰ بن یزید	۱۹	ابوجعفر احمد بن صالح المصری
۱۰	ابراہیم بن مہدی المصیصی	۲۰	ابوجعفر احمد بن ابی سریج الصباح
		۲۱	ابوالحسن احمد بن عبداللہ بن ابی شعیب

[illegible]	[illegible]
۲۲	ابوالحسن احمد بن عبداللہ بن میمون
۲۳	احمد بن عبداللہ بن یونس
۲۴	احمد بن عبیداللہ بن سہل بن صخر الغدانی
۲۵	ابوعبداللہ احمد بن عبدہ
۲۶	احمد بن علی جاسویہ
۲۷	ابوالطاہر احمد بن عمرو بن عبداللہ
۲۸	ابوالعباس احمد بن عمرو بن عبیدہ
۲۹	ابومسعود احمد بن فرات
۳۰	ابوجعفر احمد بن محمد بن ایوب
۳۱	احمد بن محمد بن ثابت
۳۲	احمد بن محمد بن حنبل
۳۳	احمد بن محمد بن شبویہ
۳۴	احمد بن منیع
۳۵	ابوالحسن احمد بن یوسف
۳۶	اسحاق بن ابراہیم بن راہویہ
۳۷	اسحٰق بن اسمٰعیل الطالقانی
۳۸	اسحٰق بن ابی عیسیٰ بن اسمٰعیل البغدادی
۳۹	ابومعمر اسمٰعیل بن ابراہیم
۴۰	ابواسحٰق اسمٰعیل بن [illegible] الحارث الاسدی
۴۱	ابوبشر اسمٰعیل بن بشر بن منصور
۴۲	ابومحمد ایوب بن محمد
۴۳	ایوب بن منصور مکی
	(ب)
۴۴	بشر بن عمار
۴۵	ابومحمد بشر بن ہلال
	(ت)
۴۶	تمیم بن المنتصر
	(ج)
۴۷	ابوصالح جعفر بن [illegible]

[illegible]	[illegible]
	(ح)
۴۸	ابوعبداللہ حامد بن یحییٰ
۴۹	حجاج بن ابی یعقوب
۵۰	ابوعلی حسن بن حماد
۵۱	ابوعلی حسن بن الربیع
۵۲	ابوعلی حسن بن شوکر
۵۳	حسن بن عمرو السدوسی
۵۴	ابوعلی حسن بن علی
۵۵	حسن بن محمد الزعفرانی
۵۶	ابوعلی حسن بن یحییٰ
۵۷	حسین بن جنید الدامغانی
۵۸	حسین بن عبدالرحمٰن الجرجرائی
۵۹	ابوعبداللہ حسین بن علی
۶۰	ابوعلی حسین بن عیسیٰ
۶۱	حسین بن معاذ
۶۲	حسین بن یزید
۶۳	حفص بن عمرو بن الحارث
۶۴	ابوعمرو حکیم بن سیف
۶۵	ابوعبدالملک حمزہ بن نصیر
۶۶	ابواحمد حمید بن زنجویہ
۶۷	حمید بن مسعدہ بن المبارک
۶۸	ابوالعباس حیوہ بن شریح
	(خ)
۶۹	ابوعاصم خشیش
۷۰	خلف بن ہشام
	(د)
۷۱	داؤد بن امیہ
۷۲	ابوالفضل داؤد بن رشید
۷۳	ابوسلیمان داؤد بن شعیب

نمبر	شیوخ
٧٤	داؤد بن محمد
٧٥	داؤد بن معاذ
	(ر)
٧٦	ربیع بن سلیمان
٧٧	ابو توبہ ربیع بن نافع
٧٨	ابو محمد رجاء بن المرجی
	(ز)
٧٩	زہیر بن حرب
٨٠	ابو ہاشم زیاد بن ایوب
٨١	ابو الخطاب زیاد بن یحییٰ
٨٢	ابو طالب زید بن اخزم
	(س)
٨٣	ابو عثمان سعید بن عبد الجبار
٨٤	ابو عثمان سعید بن منصور
٨٥	ابو بکر سعید بن یعقوب
٨٦	ابو ایوب سلیمان بن حرب
٨٧	ابو الربیع سلیمان بن داؤد بن حماد
٨٨	سلیمان بن عبد الحمید
٨٩	ابو ایوب سلیمان بن عبد الرحمٰن
٩٠	ابو عمرو سہل بن تمام
٩١	ابو سعید سہل بن صالح
٩٢	ابو سعید سہل بن محمد
	(ش)
٩٣	ابو عبیدہ شاذ
٩٤	شجاع بن مخلد
٩٥	ابو محمد شیبان
	(ص)
٩٦	ابو احمد صالح
٩٧	ابو عبد الملک صفوان
	(ع)

نمبر	شیوخ
٩٨	ابو عمرو عاصم بن النضر
٩٩	ابو محمد عباد بن موسیٰ
١٠٠	عباس بن عبد العظیم
١٠١	ابو الفضل عباس بن محمد
١٠٢	عباس بن الولید
١٠٣	ابو یحییٰ عبد الاعلیٰ بن حماد بن نصر
١٠٤	ابو سعید عبد الرحمٰن بن ابراہیم بن عمرو
١٠٥	ابو محمد عبد الرحمٰن بن بشر
١٠٦	عبد الرحمٰن بن خالد بن یزید
١٠٧	ابو محمد عبد الرحمٰن بن عبید اللہ بن حکیم
١٠٨	ابو بکر عبد الرحمٰن بن المبارک بن عبد اللہ
١٠٩	عبد الرحمٰن بن محمد بن سلام
١١٠	ابو سفیان عبد الرحیم بن مطرف
١١١	عبد السلام بن عبد الرحمٰن
١١٢	ابو ہشام عبد السلام بن عتیق
١١٣	ابو ظفر عبد السلام بن مطہر
١١٤	عبد العزیز بن السری الناقط
١١٥	ابو الاصبغ عبد العزیز بن یحییٰ
١١٦	ابو الفضل عبد العظیم بن اسمٰعیل
١١٧	عبد اللہ بن ابی زیاد الحکم
١١٨	ابو عمرو عبد اللہ بن احمد بن بشیر
١١٩	ابو محمد عبد اللہ بن اسحٰق الجوہری
١٢٠	ابو محمد عبد اللہ بن الجراح
١٢١	ابو محمد عبد اللہ بن جعفر
١٢٢	ابو سعید عبد اللہ بن سعید الکندی
١٢٣	عبد اللہ بن الصباح بن عبد اللہ
١٢٤	ابو محمد عبد اللہ بن عامر
١٢٥	ابو عبد الرحمٰن عبد اللہ بن عمر بن محمد بن ابان
١٢٦	ابو عمر عبد اللہ بن عمرو بن ابی الحجاج
١٢٧	ابو عبد الرحمٰن عبد اللہ بن محمد بن اسحاق

نمبر	شیوخ
۱۲۸	ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی الاسود حمید
۱۲۹	ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ
۱۳۰	عبداللہ بن محمد بن عبدالرحمٰن
۱۳۱	عبداللہ بن محمد بن علی النفیلی
۱۳۲	ابوالعباس عبداللہ بن محمد بن عمرو بن الجراح
۱۳۳	ابومحمد عبداللہ بن محمد بن یحییٰ الطرسوسی
۱۳۴	عبداللہ بن مسلمہ بن قعنب
۱۳۵	ابوجعفر عبداللہ بن معاویہ بن موسیٰ
۱۳۶	ابوحصین عبداللہ بن یحییٰ بن سلیمان
۱۳۷	ابومروان عبدالملک بن حبیب البزار المصیصی
۱۳۸	عبدالملک بن شعیب بن اللیث بن سعد الفہمی
۱۳۹	عبدالملک بن مروان الاہوازی
۱۴۰	ابوبحر عبدالواحد بن غیاث المربدی البصری
۱۴۱	ابوعبداللہ عبدالوہاب بن عبدالرحیم
۱۴۲	ابوالحسن عبدالوہاب بن عبدالحکم
۱۴۳	ابومحمد عبدالوہاب بن نجدہ
۱۴۴	ابومحمد عبدہ بن سلیمان
۱۴۵	ابوسہل عبدہ بن عبداللہ
۱۴۶	عبیداللہ بن ابی الوزیر الحلبی
۱۴۷	ابوالفضل عبیداللہ بن سعد بن ابراہیم بن سعد
۱۴۸	عبیداللہ بن عمر بن میسرہ
۱۴۹	ابوعمرو عبیداللہ بن معاذ
۱۵۰	ابوالحسن عثمان بن محمد بن ابی شیبہ
۱۵۱	ابوعبدالملک عقبہ بن مکرم بن افلح
۱۵۲	علی بن بحر بن بری
۱۵۳	ابوالحسن علی بن محمد بن عبید
۱۵۴	علی بن حسین بن ابراہیم
۱۵۵	علی بن حسین بن مطر
۱۵۶	ابوالحسن علی بن سہل بن قادم
۱۵۷	ابوالحسن علی بن عبداللہ بن جعفر بن نجیح، ابن المدینی
۱۵۸	ابوالحسن علی بن نصر بن علی بن نصر بن علی بن صہبان
۱۵۹	ابوالحسن عمران بن میسرہ البصری الازدی
۱۶۰	ابوحفص عمرو بن یزید الصفار السیاری البصری
۱۶۱	عمر بن حفص بن عمر
۱۶۲	عمرو بن عثمان
۱۶۳	عمرو بن علی بن بحر الباہلی
۱۶۴	ابوعثمان عمرو بن عون بن اوس
۱۶۵	ابوعثمان عمرو بن محمد بن بکیر
۱۶۶	ابوعثمان عمرو بن مرزوق الباہلی
۱۶۷	ابوالنجم عیاش بن الولید بن الارزق البصری
۱۶۸	ابوموسیٰ عیسیٰ بن ابراہیم الغافقی المصری
۱۶۹	ابوموسیٰ عیسیٰ بن حماد بن مسلم
۱۷۰	عیسیٰ بن شاذان القطان البصری
	(ف)
۱۷۱	ابوالعباس فضل بن یعقوب
۱۷۲	ابوکامل فضیل بن حسین
	(ق)
۱۷۳	ابورجاء قتیبہ بن سعید
۱۷۴	قطن بن نسیر
	(ک)
۱۷۵	ابوالحسن کثیر بن عبید
	(م)
۱۷۶	ابوغسان مالک بن عبدالواحد
۱۷۷	ابوعلی مجاہد بن موسیٰ
۱۷۸	ابوصالح محبوب بن موسیٰ
۱۷۹	ابوعبداللہ محمد بن احمد
۱۸۰	محمد بن آدم بن سلیمان
۱۸۱	ابوبکر محمد بن اسحاق بن جعفر

نمبر	شیوخ
۱۸۲	ابو عبداللہ محمد بن اسحاق بن محمد
۱۸۳	محمد بن بشار بن عثمان
۱۸۴	ابو عبداللہ محمد بن بکار
۱۸۵	ابو عمران محمد بن جعفر بن زیاد
۱۸۶	محمد بن حاتم بن بزیع
۱۸۷	ابو جعفر محمد بن حاتم بن یونس الجرجرائی
۱۸۸	ابو عبداللہ محمد بن خراش
۱۸۹	ابو عبدالرحمٰن محمد بن حفص
۱۹۰	ابو بکر محمد بن خلاد الباہلی
۱۹۱	ابو عبداللہ محمد بن داؤد بن رزق
۱۹۲	محمد بن داؤد بن سفیان
۱۹۳	ابو عبداللہ محمد بن رافع
۱۹۴	محمد بن سفیان ابن ابی المزد
۱۹۵	ابو الحارث محمد سلمہ بن عبداللہ بن ابی فاطمہ
۱۹۶	ابو ہارون محمد بن سلیمان
۱۹۷	ابو جعفر محمد بن سوار بن راشد
۱۹۸	ابو جعفر محمد بن الصباح الزہد
۱۹۹	محمد بن صدران
۲۰۰	ابو جعفر محمد بن طریف
۲۰۱	ابو عبداللہ محمد بن عبدالرحمٰن بن عبدالصمد
۲۰۲	ابو یحییٰ محمد بن عبدالرحیم البزاز
۲۰۳	ابو عمرو محمد بن عبدالعزیز بن ابی رزمہ
۲۰۴	ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ بن عبدالرحیم
۲۰۵	ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ بن عثمان
۲۰۶	ابو جعفر محمد بن عبداللہ بن المبارک القرشی
۲۰۷	محمد بن عبداللہ بن نمیر
۲۰۸	ابو جعفر محمد بن عبدالملک بن مروان
۲۰۹	محمد بن عبید بن الحساب البصری الغبری
۲۱۰	ابو جعفر محمد بن عثمان بن کرامہ
۲۱۱	ابو الجماہر محمد بن عثمان الدمشقی التنوخی
۲۱۲	ابو عبداللہ محمد بن عثمان بن ابی صفوان الثقفی
۲۱۳	ابو کریب محمد بن العلاء بن کریب الہمدانی الکوفی
۲۱۴	محمد بن عمر بن علی المقدمی
۲۱۵	ابو غسان محمد بن عمرو بن بکر الرازی
۲۱۶	ابو جعفر محمد بن عمرو بن عباد
۲۱۷	ابو جعفر محمد بن عوف بن سفیان الطائی الحمصی
۲۱۸	ابو جعفر محمد بن عیسیٰ بن نجیح البغدادی
۲۱۹	ابو عبداللہ بن کثیر العبدی البصری
۲۲۰	ابو عبداللہ محمد بن قدامہ
۲۲۱	ابو عبداللہ محمد بن المتوکل
۲۲۲	محمد بن المثنیٰ بن عبید
۲۲۳	ابو عبداللہ محمد بن محبوب البنانی البصری
۲۲۴	ابو جعفر محمد بن مسعود
۲۲۵	محمد بن مصعب
۲۲۶	محمد بن مصطفےٰ
۲۲۷	محمد بن معاذ
۲۲۸	ابو حاتم محمد بن المنذر بن داؤد
۲۲۹	ابو جعفر محمد بن منصور بن داؤد
۲۳۰	ابو جعفر محمد بن المنہال
۲۳۱	ابو جعفر محمد بن مہران
۲۳۲	محمد بن نصر بن مساور
۲۳۳	ابو ہبیرہ محمد بن الولید بن ہبیرہ
۲۳۴	ابو عبداللہ محمد بن ہشام بن شبیب
۲۳۵	ابو عبداللہ محمد بن ہشام بن عیسیٰ
۲۳۶	محمد بن یحییٰ بن فارس الذہلی
۲۳۷	محمد بن یحییٰ بن فیاض البصری
۲۳۸	محمد بن یونس النسائی
۲۳۹	ابو علی محمود بن خالد بن ابی خالد
۲۴۰	ابو محمد مخلد بن خالد
۲۴۱	ابو الحسن مسدد بن مسرہد

نمبر شمار	شیوخ
۲۴۲	ابوعمرو مسلم بن ابراہیم البصری
۲۴۳	ابوحاتم مسلم بن حاتم الانصاری البصری
۲۴۴	ابوالقاسم مصرف بن عمرو
۲۴۵	ابوالعباس منذر بن الولید
۲۴۶	موسیٰ بن اسمٰعیل
۲۴۷	ابوعمران موسیٰ بن سہل
۲۴۸	ابوعامر موسیٰ بن عامر المری
۲۴۹	ابوسعید موسیٰ بن عبدالرحمٰن
۲۵۰	ابوعمران موسیٰ بن مروان
۲۵۱	ابواحمد مہدی بن حفص البغدادی
۲۵۲	ابوعبدالرحمٰن مؤمل بن اہاب
۲۵۳	ابوسعید مؤمل بن فضل
۲۵۴	ابوہشام مؤمل بن ہشام
	(ن)
۲۵۵	نصر بن عاصم الانطاکی
۲۵۶	ابوبکر نصر بن مہاجر
۲۵۷	ابومحمد نوح بن حبیب القومسی
	(و)
۲۵۸	ابومحمد وہب بن بقیہ
۲۵۹	وہب بن بیان
۲۶۰	ولید بن عتبہ الدمشقی
	(ہ)
۲۶۱	ابوموسیٰ ہارون بن زید
۲۶۲	ابوجعفر ہارون بن سعید
۲۶۳	ابوموسیٰ ہارون بن عباد
۲۶۴	ابوموسیٰ ہارون بن عبداللہ
۲۶۵	ہارون بن محمد بن بکار
۲۶۶	ابوعلی ہارون بن معروف
۲۶۷	ابوخالد ہدبہ بن خالد
۲۶۸	ابومحمد ہشام بن بہرام
۲۶۹	ابومروان ہشام بن خالد
۲۷۰	ابوالولید ہشام بن عبدالملک
۲۷۱	ابوتقی ہشام بن عبدالملک بن عمران
۲۷۲	ابوالولید ہشام بن عمار بن نصیر
۲۷۳	ابوالسری ہناد بن السری
۲۷۴	ابوالحسن ہیثم بن خالد
	(ی)
۲۷۵	ابوزکریا یحییٰ بن حبیب
۲۷۶	ابوسعید یحییٰ بن حکیم
۲۷۷	یحییٰ بن خلف
۲۷۸	یحییٰ بن فضل السجستانی
۲۷۹	ابوعبید یحییٰ بن محمد بن السکن
۲۸۰	ابوزکریا یحییٰ بن معین
۲۸۱	یحییٰ بن موسیٰ
۲۸۲	یزید بن خالد
۲۸۳	ابوجمل یزید بن قبیس
۲۸۴	یزید بن محمد
۲۸۵	ابویوسف یعقوب بن ابراہیم
۲۸۶	ابویوسف یعقوب بن کعب
۲۸۷	ابویعقوب یوسف بن موسیٰ

اصحاب و تلامذہ

امام ابوداؤد کے تلامذہ کا شمار بھی مشکل ہے کبھی کبھی آپ کے حلقۂ درس میں ہزاروں کا مجمع ہوتا تھا۔ علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ ان کے لئے سب سے زیادہ قابلِ فخر بات وہ یہ کہ امام ترمذی اور امام نسائی ان کے تلامذہ میں سے ہیں اور امام احمد بن حنبل نے بھی حدیث عتیرہ

اور ان سے سُنا ہے اور امام ابوداؤد اس پر فخر کیا کرتے تھے۔ ان کے علاوہ آپکے شاگردوں میں سے چند شخص جماعت محدثین کے سردار و پیشوا سمجھے جاتے ہیں۔ ابوبکر عبداللہ بن ابی داؤد آپ کے صاحبزادے، علامہ لؤلؤی، شیخ ابن الاعرابی اور حافظ ابن داسہ۔ نیز عبدالرحمن نیشاپوری، احمد بن محمد بن خلال، ابو عیسیٰ رملی اور ابوالحسن علی بن عبد وغیرہ بھی آپ کے تلامذہ میں داخل ہیں۔

فن حدیث میں کمال

ابو عمر محمد بن عبدالواحد الزاہد صاحب ابوالعباس احمد بن یحییٰ کہتے ہیں کہ ابراہیم حربی جو اپنے زمانہ کے مشہور محدثین میں سے ہیں انھوں نے جب سنن ابوداؤد کو دیکھا تو فرمایا کہ ابوداؤد کے لئے حق تعالیٰ نے علم حدیث ایسا نرم کر دیا ہے جیسے حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے لوہا نرم ہوا تھا۔ حافظ ابو طاہر سلفی نے اس مضمون کو پسند کر کے اس قطعہ میں نظم کیا ہے ؎

لان الحدیث وعلمہ بکمالہ ✽ لامام اہلیہ ابی داؤد[1]

مثل الذی لان الحدید وسبکہ ✽ لنبی اہل زمانہ داؤد

فقہی ذوق

اصحاب صحاح ستہ کی نسبت امام ابوداؤد پر فقہی ذوق زیادہ غالب تھا چنانچہ تمام ارباب صحاح ستہ میں صرف یہی ایک بزرگ ہیں جن کو علامہ شیخ ابواسحاق شیرازی نے طبقات الفقہاء میں جگہ دی ہے۔ امام ممدوح کے اسی فقہی ذوق کا نتیجہ ہے کہ انھوں نے اپنی کتاب کو صرف احادیث احکام کے لئے مختص فرمایا۔ فقہی احادیث کا جتنا بڑا ذخیرہ اس کتاب (سنن) میں موجود ہے صحاح ستہ میں سے کسی کتاب میں آپ کو نہیں ملے گا۔ چنانچہ حافظ ابوجعفر بن زبیر غرناطی متوفی ۷۰۸ھ صحاح ستہ کی خصوصیات پر تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں "اور احادیث فقہیہ کے حصر و استیعاب کے سلسلہ میں ابوداؤد کو جو بات حاصل ہے وہ دوسرے مصنفین صحاح ستہ کو حاصل نہیں"۔

زہد و تقویٰ

جس طرح آپ فقہ و حدیث کے زبردست امام تھے اسی طرح زہد و ورع میں بھی آپ کا مقام بہت بلند تھا۔ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ آپ کو عبادت و ریاضت، پاکدامنی اور صلاح و ورع میں سب سے اونچا مقام حاصل تھا۔ ابو حاتم فرماتے ہیں کہ امام موصوف حفظ حدیث، اتقان روایت، زہد و عبادت کے بہت اونچے مقام پر فائز تھے۔ ان کی زندگی کا مشہور واقعہ ہے کہ ان کے کرتہ کی ایک آستین تنگ تھی اور ایک کشادہ۔ جب اس کا راز دریافت کیا گیا تو بتایا کہ ایک آستین میں اپنے نوشتے رکھ لیتا ہوں اس لئے اس کو کشادہ بنا لیا ہے اور دوسری کو کشادہ کرنے کی ضرورت نہ تھی اور نہ اس میں کوئی فائدہ تھا اس لئے اس کو تنگ ہی رکھا ہے۔ آپ کے زہد و ورع سے متعلق بہت سے واقعات رجال و سیر کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

قدردانی اسلاف

امام ابوداؤد اپنے دور کے بعض تنگ نظر ارباب روایات کی طرح ائمہ اہل الرائے کے مخالف نہ تھے بلکہ فقہاء کرام کی مساعی جمیلہ کو نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھتے اور بڑے ادب و احترام سے ان کا ذکر خیر کرتے تھے۔ چنانچہ حافظ مغرب علامہ ابن

---

[1] حدیث اور علم حدیث اپنے کمال کے ساتھ نرم ہو گئی ابوداؤد کے لئے جو محدثین کے امام ہیں: جیسے لوہا اور اس کا گلانا سہل ہو گیا تھا داؤد علیہ السلام کے لئے جو اپنے زمانہ کے نبی تھے ۱۲

محمد الطاہر قرطبی بسند متصل ان سے ناقل ہیں کہ امام ابوداؤد کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ شافعی پر رحمت نازل فرمائے وہ امام تھے، اللہ تعالیٰ ابوحنیفہ پر رحمت فرمائے وہ امام تھے۔ اللہ تعالیٰ مالک پر رحمت نازل کرے وہ امام تھے۔

آپ کے فضل وکمال کا اعتراف

امام ابوداؤد کو علم وعمل میں جو امتیازی مقام حاصل تھا اس زمانہ کے علماء ومشائخ کو بھی اس کا پورا پورا اعتراف تھا۔ چنانچہ حافظ موسیٰ بن ہارون جو ان کے معاصر تھے فرماتے ہیں کہ۔ ابوداؤد دنیا میں حدیث کے لئے اور آخرت میں جنت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ میں نے ان سے افضل کسی کو نہیں دیکھا۔ امام حاکم فرماتے ہیں کہ امام ابوداؤد بلاشک وریب اپنے زمانہ میں محدثین کے امام تھے۔ ابوبکر خلال فرماتے ہیں کہ امام ابوداؤد اپنے زمانہ میں سب پر سبقت لے جانے والے امام تھے تخریج علوم کی معرفت اور اس کے مقامات کی بصیرت میں کوئی آپ کا ہمسر نہ تھا۔ احمد بن محمد یاسر ہروی کہتے ہیں کہ۔ آپ حفاظ اسلام، علوم حدیث اور علل واسناد کے حافظ اور حدیث کے شہسواروں میں سے ہیں۔ علامہ یافعی فرماتے ہیں کہ۔ آپ حدیث وفقہ دونوں کے سرخیل تھے:۔

سچی عقیدت

احمد بن محمد بن اللیث کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت سہل بن عبداللہ تستری، جو اس زمانہ کے اہل اللہ میں سے تھے آپ کی خدمت میں تشریف لائے اور فرمایا، امام صاحب! میں ایک ضرورت سے آیا ہوں اگر حسب امکان پوری کرنے کا وعدہ فرمائیں تو عرض کروں۔ آپ نے وعدہ کر لیا۔ انھوں نے فرمایا کہ جس مقدس زبان سے آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث روایت کرتے ہیں، اس کو بوسہ دینے کی آرزو رکھتا ہوں ذرا آپ اسے باہر نکالیں، چنانچہ آپ نے اپنی زبان باہر نکالی اور حضرت سہل نے اس کو بوسہ دیا:۔

امام ابوداؤد کا مسلک

شاہ صاحب نے بستان المحدثین میں تحریر فرمایا ہے کہ ان کے مسلک میں اختلاف ہے بعض نے کہا ہے کہ شافعی تھے اور بعض نے ان کو حنفی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ نواب صدیق حسن خان نے ان کو شافعی مانا ہے اور تاریخ ابن خلکان میں ہے کہ شیخ ابواسحاق شیرازی نے ان کو طبقات الفقہاء میں امام احمد بن حنبل کے اصحاب میں شمار کیا ہے۔ حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب نے بھی علامہ ابن تیمیہ کے حوالے سے ان کو حنبلی فرمایا ہے۔ اور یہ بات ان کی سنن کے مطالعہ سے بالکل آشکارا ہو جاتی ہے کہ آپ حنبلی المسلک ہی تھے کیونکہ آپ نے اپنی سنن میں بہت سے مقامات پر دوسری ثابت وعروف روایات کے مقابلہ میں ان احادیث کو ترجیح دی ہے جن سے امام احمد کے مسلک کی تائید ہوتی ہے مثلاً "باب کراہیۃ استقبال القبلۃ عند قضاء الحاجۃ"۔ ترجمہ قائم کرتے ہیں اور استدبار قبلہ کو ترجمۃ الباب میں ذکر نہیں کرتے۔ کیونکہ امام احمد کے نزدیک قضاء حاجت کے وقت استدبار قبلہ مطلقاً جائز ہے۔ مزید براں اس سے آگے "باب الرخصۃ فی ذلک" ترجمہ قائم کرکے استدبار قبلہ کا جواز ثابت کرتے ہیں۔ اسی طرح ایک ترجمہ ہے "باب البول قائما"۔ اس میں حضرت حذیفہ بن الیمان کی روایت "اتی سباطۃ قوم الخ" ذکر کرکے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی اجازت ثابت کی ہے جو امام احمد کا مسلک ہے، جمہور کے نزدیک بغیر عذر مکروہ ہے اب یہاں

دوسری مشہور حدیث ذکر نہیں فرمائی جس سے بیٹھ کر پیشاب کرنے کی تاکید نکلتی ہے بلکہ اس کو اپنی کتاب میں دوسری جگہ ذکر فرمایا ہے۔ اسی طرح ایک ترجمہ قائم کیا ہے "باب الوضوء بفضل طہور المرأة"، اس کے بعد ترجمہ قائم کیا ہے "باب النہی عن ذلک" ائمہ اربعہ میں سے یہ صرف امام احمد کا مذہب ہے کہ عورت کے غسل یا وضوء سے بچے ہوئے پانی کا استعمال مرد کے لئے ناجائز ہے۔ بہر کیف کتاب کے مطالعہ کے بعد آپ کا حنبلی ہونا متعین ہو جاتا ہے۔

امام ابوداؤد کے چشم دید عجائبات

امام ابوداؤد فقہ و حدیث اور زہد و ورع کے ساتھ ساتھ اشیاء کی تحقیقات اور نوادرات کی معلومات حاصل کرنے کو بھی خاصا ذوق رکھتے تھے چنانچہ "باب ما جاء فی بئر بضاعة" کے ذیل میں بیر بضاعہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ میں نے اس کو اپنی چادر سے بدست خود ناپ کر دیکھا تو اس کا عرض چھ ہاتھ نکلا پھر میں نے باغ والے سے مزید تحقیق کرتے ہوئے پوچھا: کیا اس کنویں کا حال پہلے کی نسبت کچھ بدل گیا ہے؟ اس نے کہا: نہیں، جیسا تھا ویسا ہی ہے۔ اس کے بعد میں نے اس کے پانی کو بغور دیکھا تو اس کا رنگ بدلا ہوا تھا کتاب الزکوٰۃ کے تحت "باب صدقة الزرع" کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ میں نے مصر میں تیرہ بالشت کی ایک لکڑی بچشم خود دیکھی ہے نیز اونٹ پر لدا ہوا ایک ترنج دیکھا ہے جس کو کاٹ کر دو ٹکڑے کر کے دو بوجھ کر دیے گئے تھے۔

اقامت بصرہ اور درس حدیث

امام صاحب کی جائے پیدائش اگرچہ سیستان ہے لیکن آپ کی زندگی کا اکثر حصہ بغداد میں گذرا اور وہیں آپ نے اپنی سنن کی تالیف کی۔ حافظ ابو سلیمان نے بواسطہ عبداللہ بن محمد مسکی، ابوبکر بن جابر خادم ابوداؤد سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں بغداد میں آپ کے ساتھ تھا۔ شام کا وقت ہوا تو ہم نے مغرب کی نماز ادا کی، جب ہم نماز سے فارغ ہوئے تو اچانک کسی نے دروازے پر دستک دی۔ دیکھا تو امیر ابو احمد الموفق تھے جو آنا چاہتے تھے۔ میں نے امام صاحب کو اطلاع کی کہ امیر صاحب اجازت چاہتے ہیں آپ نے فرمایا: ضرور، چنانچہ امیر موصوف تشریف لائے۔ امام صاحب نے دریافت کیا کہ اس وقت آپ نے کیسے تکلیف کی؟ امیر نے کہا: تین باتوں کے لئے حاضر ہوا ہوں اگر آپ منظور فرمالیں تو زہے قسمت۔ امام صاحب نے کہا: فرمائیے۔ امیر نے کہا: میں چاہتا ہوں کہ آپ بصرہ تشریف لے آئیں تاکہ وہاں بھی تشنگان علم آپ سے فیضیاب ہو سکیں۔ امام صاحب نے فرمایا: منظور ہے۔ امیر نے کہا کہ میری دوسری خواہش یہ ہے کہ آپ میری اولاد کو اپنی کتاب سنن پڑھا دیں۔ امام صاحب نے فرمایا: یہ بھی منظور ہے۔ امیر نے کہا: تیسری گذارش یہ ہے کہ ان کے لئے درس کی کوئی مخصوص مجلس مقرر فرما دیں جس میں دیگر عام طلبہ کی شرکت نہ ہو۔ آپ نے فرمایا: یہ نہیں ہو سکتا اس واسطے کہ تحصیل علم کے سلسلہ میں شریف و وضیع اور امراء و فقراء سب برابر ہیں۔ قال ابن جابر: فکانوا یحضرون ویسمعون مع العامة۔

وفات حسرت آیات | امام ابوداؤد نے تہتر سال کی عمر پاکر بروز جمعہ ۱۶ شوال ۲۷۵ھ میں دنیا فانی سے انتقال فرمایا اور بصرہ میں امام سفیان ثوری کے پہلو میں مدفون ہوئے۔

تصنیفات | امام ابوداؤد نے بہت سا علمی ذخیرہ یادگار چھوڑا ہے جس کی مجمل فہرست درج ذیل ہے۔

مراسیل۔ الرد علی القدریہ۔ الناسخ والمنسوخ۔ ما تفرد بہ اہل الامصار۔ فضائل الانصار۔ مسند مالک بن انس۔ المسائل۔ معرفۃ الاوقات۔ کتاب بدء الوحی۔ اور سنن یہ آپ کی تصانیف میں سب سے اہم ہے۔

سنن ابوداؤد | پانچ لاکھ احادیث نبویہ کا وہ بہترین انتخاب اور گرانبہا مجموعہ ہے جو علم دین میں اپنی نظیر نہیں رکھتا۔ علامہ خطابی اپنی مشہور کتاب معالم السنن میں فرماتے ہیں امام ابوداؤد کی کتاب السنن بلا شبہ ایسی عمدہ کتاب ہے کہ علم دین میں ایسی کوئی کتاب تصنیف نہیں ہوئی یہ کتاب علماء کے تمام فرقوں اور فقہاء کے سب طبقوں میں باوجود اختلاف مذاہب کے حکم مانی جاتی ہے۔ حافظ ابوطاہر سِلَفی نے اس کی مدح میں ایک عمدہ نظم لکھی ہے جو درج ذیل ہے ؎

اولیٰ کتاب لذی فقہ وذی نظر　　ومن یکون من الاوزار فی وزر
ما قد تولی ابوداؤد محتسبا　　تالیفہ فاق فی الاضواء کالقمر
لا یستطیع علیہ الطعن مبتدع　　ولو تقطع من ضغن ومن ضجر
فلیس یوجد فی الدنیا اصح ولا　　اقوی من السنۃ الغراء والاثر
وکل ما فیہ من قول النبی ومن　　قول الصحابۃ اہل العلم والبصر
یرویہ عن ثقۃ عن مثلہ ثقۃ　　عن مثلہ ثقۃ کالانجم الزہر
وکان فی نفسہ فیما احق ولا　　وشک فیہ اماما عالی الخطر
یدری الصحیح من الآثار یحفظہ　　ومن روی ذاک من انثی ومن ذکر
محققا صادقا فیما یجیئ بہ　　قد شاع فی البدو عنہ ذا وفی الحضر
والصدق للمرء فی الدارین منقبۃ　　ما فوقہا ابدا فخر لمفتخر

سنن ابوداؤد کی مقبولیت | امام ابوداؤد کے شاگرد حافظ محمد بن مخلد دوری متوفی ۳۳۱ھ کا بیان ہے کہ جب آپ نے کتاب السنن تصنیف کی اور اس کو لوگوں کے سامنے پڑھا تو محدثین کے لئے آپ کی کتاب قرآن کی طرح قابل اتباع بن گئی یحییٰ بن زکریا بن یحییٰ کہتے ہیں کہ اصل اسلام کتاب اللہ ہے اور فرمان اسلام سنن ابی داؤد۔ علامہ ابن حزم فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حافظ سعید بن السکن صاحب الصحیح متوفی ۳۵۳ھ کی خدمت میں اصحاب حدیث کی ایک جماعت حاضر ہوئی اور کہا کہ ہمارے سامنے حدیث کی بہت سی کتابیں آگئی ہیں اگر آپ اس سلسلہ میں چند ایسی کتابوں کی طرف ہم لوگوں کی رہنمائی فرمائیں جن پر ہم اکتفاء کر سکیں

تو بہتر ہو۔ حافظ ابن السکن نے کچھ جواب نہیں دیا بلکہ اٹھ کر سیدھے گھر میں تشریف لے گئے اور کتابوں کے چار بستے لا کر اوپر تلے رکھدئے پھر فرمانے لگے یہ اسلام کی بنیادیں ہیں کتاب مسلم، کتاب بخاری، کتاب ابی داؤد، کتاب نسائی :۔

بشارت اور غیبی تائید حافظ ابو طاہر نے بسند خود حسن بن محمد بن ابراہیم ازدی سے روایت کیا ہے کہ حسن بن محمد نے مجھ سے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا، آپ فرماتے ہیں کہ جو شخص سنت سے تمسک کرنا چاہے اس کو سنن ابو داؤد پڑھنی چاہیئے :۔

وجہ تالیف علامہ ابن قیم فرماتے ہیں کہ حفاظ حدیث کی ایک جماعت ایسی تھی جو ضبط و حفظ میں تو یوری پختہ رہی لیکن اس نے مسائل کے استنباط کی طرف توجہ کی اور نہ ان خزانوں سے احکام نکالنے کی کوشش کی جو اس نے محفوظ کر رکھا تھا۔ اس کے بالمقابل ایک جماعت ایسی تھی جس نے اپنی پوری توجہ استنباط مسائل اور اس میں غور و فکر کرنے پر ہی صرف کر ڈالی یہاں تک کہ ناقلین حدیث کی پہلی جماعت جو فتوی دینے سے بھی احتراز کرتی تھی ان کا مقصد صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو روایت کرنا تھا۔ اور وہ حضرات ائمہ مجتہدین کی فقہی باریکیوں سے ناواقف تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے متقدمین میں سے بعد کے کچھ لوگوں نے ائمہ پر نقد شروع کر دیا جیسے حمیدی نے امام ابو حنیفہ پر اور احمد بن عبد اللہ عجلی نے امام شافعی پر سخت تنقید کی اور کہا کہ یہ لوگ قابل اعتماد تو ہیں لیکن انہیں حدیث سے واقفیت نہیں۔ پس امام ابو داؤد نے ضرورت محسوس کی کہ فن حدیث میں ایک نئے انداز کی کتاب کی ضرورت ہے جس میں ان احادیث کا استیعاب ہو جن سے ائمہ نے اپنے مذہب پر استدلال کیا ہے۔ چنانچہ آپ نے اپنی اس کتاب میں فقہاء کے مستدلات ہی کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔ خود فرماتے ہیں کہ میری اس کتاب میں مالک، ثوری اور شافعی وغیرہ کے مذاہب کی بنیادیں موجود ہیں۔ اسی کے پیش نظر امام غزالی نے تصریح کی ہے کہ علم حدیث میں صرف یہی ایک کتاب مجتہد کے لئے کافی ہے :۔

زمانہ تالیف متعین طور پر تو یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ امام موصوف اپنی اس سنن کی تالیف سے کس سنہ میں فارغ ہوئے البتہ اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تکمیل اپنے عہد شباب ہی میں کر چکے تھے اور یہ وہ زمانہ تھا جبکہ آپ کے شیخ امام احمد بن حنبل زندہ تھے۔ جب آپ نے یہ کتاب امام ممدوح کی خدمت میں پیش کی تو انھوں نے اس کو بہت پسند فرمایا اور اس کی تحسین کی۔ امام احمد کا سنہ وفات (۲۴۱) ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ (۴۳) سال کی عمر میں اس کی تالیف سے فارغ ہو چکے تھے :۔

تعداد روایات امام ابو داؤد نے پانچ لاکھ احادیث کے مجموعہ میں سے صرف چار ہزار آٹھ سو احادیث کو منتخب کر کے اس سنن میں درج کیا ہے۔ مزید براں چھ سو مراسیل بھی ہیں تو کل تعداد (۵۳۰۰) ہوئی قال الامام ابو داؤد فی رسالتہ الی اہل مکۃ۔ ولعل عددہ

فی کتابی من الاحادیث قدر اربعۃ آلاف وثمانمائۃ حدیث ونحو ستمائۃ حدیث من المراسیل۔ بعض حضرات نے کل تعداد (۵۲۰۱) ذکر کی ہے والاقرب الی الصواب ہو الاول۔ عبدالغنی مقدسی کے نسخہ کے آخر میں ہے کہ امام ابوداؤد کی کتاب میں چھ ہزار احادیث ہیں جن میں سے چار ہزار اصل ہیں اور دو ہزار مکرر ہیں۔ والبصری یزید علی البغدادی ستمائۃ حدیث ونیفا وستین حدیثا والف کلمۃ ونیفا۔ جمہور کے یہاں مرسل حدیث قابل حجت ہے۔ امام ابوداؤد اور آپ کے استاد احمد بن حنبل کا بھی یہی مسلک ہے۔ امام شافعی اس کے خلاف ہیں۔ حدیث مرسل کی پوری بحث مقدمہ میں عنقریب آرہی ہے۔

ابوداؤد کی ثلاثیات

ثلاثیات وہ احادیث ہیں جن میں راوی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان صرف تین واسطے ہوں اور ثنائیات وہ ہیں جن میں صرف دو واسطے ہوں اور وحدانیات وہ ہیں جن میں صرف ایک واسطہ ہو۔ ائمہ اربعہ میں سے یہ شرف صرف امام ابوحنیفہ کو حاصل ہے کہ آپ کے پاس وحدانیات ہیں۔ وحدانیات کے بعد درجہ ثنائیات کا ہے اور ثنائیات کے بعد اگلا درجہ ثلاثیات کا ہے۔ بخاری شریف میں صرف (۲۲) ثلاثیات ہیں جو امام بخاری کا مایہ الافتخار ہیں اور ان میں سے (۲۰) حدیثیں حنفی شیوخ سے مروی ہیں۔ سنن ابن ماجہ میں پانچ ثلاثیات ہیں جو جبارہ بن مغلس سے بواسطہ کثیر بن سلیم حضرت انس سے مروی ہیں۔ اور یہ اگرچہ امام ابن ماجہ کے طبقہ کے لحاظ سے بہت عالی ہیں مگر سند کے لحاظ سے ان کا کوئی خاص وزن نہیں کیونکہ کثیر بن سلیم راوی پر محدثین عام طور سے جرح کرتے چلے آئے ہیں۔ جامع ترمذی میں صرف ایک روایت ثلاثی ہے جو کتاب الفتن میں "باب ما جاء فی النہی عن سب الریاح" کے چند ابواب کے بعد ایک باب کے ذیل میں بایں سند مروی ہے۔ "حدثنا اسماعیل بن موسیٰ الفزاری ابن ابنۃ السدی الکوفی نا عمر بن شاکر عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یاتی علی الناس زمان الصابر فیہم علی دینہ کالقابض علی الجمر" ملا علی قاری نے اس کو ثنائی کہا ہے مگر یہ موصوف کی لغزش ہے کیونکہ اسمٰعیل بن موسیٰ، عمر بن شاکر اور انس بن مالک تین واسطوں کی تصریح موجود ہے۔ نواب صدیق حسن خان نے الحطہ فی ذکر الصحاح الستہ میں اور مولانا تقی الدین صاحب نے محدثین عظام میں ذکر کیا ہے کہ سنن ابوداؤد میں ایک حدیث ثلاثی بھی ہے اور وہ یہ ہے۔ "حدثنا مسلم بن ابراہیم نا عبدالسلام یعنی ابن ابی حازم ابو طالوت قال شہدت ابا برزۃ دخل علی عبید اللہ بن زیاد فحدثنی فلان سماہ مسلم وکان فی السماط فلما رآہ عبید اللہ قال ان محمدیکم ہذا الدحداح اھ" لیکن اس حدیث کا ثلاثی ہونا محل بحث ہے۔ اس واسطے کہ عبدالسلام بن ابی حازم گو حضرت ابوبرزہ سے بلا واسطہ بھی روایت ... لکھتے ہیں لیکن یہ روایت بلا واسطہ نہیں بالواسطہ ہے کیونکہ انھوں نے خود تصریح کی ہے کہ حضرت ابوبرزہ عبید اللہ بن زیاد کے پاس تشریف لائے لیکن میں آپ کے ساتھ عبید اللہ بن زیاد کے پاس نہیں گیا اور نہ میں نے یہ حدیث بلا واسطہ سنی بلکہ حدثنی فلان مجھ سے یہ حدیث ایک فلاں شخص نے بیان کی جو اس جماعت میں موجود تھا جو عبید اللہ بن زیاد کے پاس تھی۔ اب یہ فلاں شخص کون ہے؟ صاحب ... امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ میرے شیخ مسلم بن ابراہیم نے اس کا نام ذکر کیا تھا مگر مجھے ... حافظ ابن

محمد تقریب میں لکھتے ہیں کہ عبدالسلام بن ابی حازم حدثنی فلان عن ابی برزۃؓ میں فلاں سے مراد ان کے چچا ہیں۔

امام احمد نے اپنے مسند میں حوض کوثر والی یہ حدیث عبدالسلام بن ابی حازم کے طریق سے روایت کی ہے اور فلاں کا نام عباس جریری بتایا ہے۔ روایت یوں ہے۔ "حدثنا عبداللہ حدثنی ابی ثنا عبدالصمد ثنا عبدالسلام ابو طالوت ثنا العباس الجریری ان عبیداللہ بن زیاد قال لابی برزۃ ہل سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذکرہ قط یعنی الحوض قال نعم لا مرۃ ولا مرتین فمن کذب بہ فلا سقاہ اللہ منہ" معلوم ہوا کہ یہ حدیث ثلاثی نہیں بلکہ عبدالسلام کے بعد عباس جریری کا واسطہ ہے۔

تنبیہ مولانا تقی الدین صاحب ندوی مظاہری نے یہاں تین غلطیاں کی ہیں۔ اول یہ کہ موصوف نے اس حدیث کو ثلاثی مانا ہے حالانکہ یہ ثلاثی نہیں ہے دوم یہ کہ موصوف نے اس کو حدیث ابن الدحداح سے تعبیر کیا ہے۔ حالانکہ اس میں کہیں ابن الدحداح نہیں ہے اس میں تو صرف یہ ہے "ان محمدکم ہذا الدحداح" کہ تمہارا محمدی یہ موٹا ٹھنگنا ہے۔ سوم یہ کہ انھوں نے کہا ہے کہ یہ حدیث کتاب الجنائز میں ہے حالانکہ یہ کتاب السنۃ کے تحت "باب فی الحوض" کے ذیل میں ہے نہ کہ کتاب الجنائز میں فسبحان ربی لا یضل ولا ینسی۔

سنن ابوداؤد کی طویل السند حدیث

محدثین کے یہاں اعلی اسناد کی بہت زیادہ اہمیت ہے کیونکہ علو اسناد اقرب الی الصحۃ اور تقلیل الخطاء ہوتی ہے بایں معنی کہ اسناد کے ہر راوی میں احتمال خطاء ہوتا ہے پس جس قدر رواۃ زائد ہوتے جائیں گے اسی قدر خطاء کے احتمالات زائد ہوتے جائیں گے اور جس قدر رواۃ کم ہوتے جائیں گے اسی قدر احتمالات خطاء بھی کم ہو جائیں گے اسی لئے محدثین کے یہاں ثنائی اور ثلاثی روایت کو اعلی اور ارفع سمجھا جاتا ہے اور جتنے وسائط زائد ہوں اتنا ہی اس کا درجہ علو اسناد کے اعتبار سے گر جاتا ہے۔ ۲۴

سنن نسائی میں "الفضل فی قراءۃ قل ہو اللہ احد" کے ذیل میں ایک عشاری (دس واسطوں والی) حدیث ہے اور وہ یہ ہے "اخبرنا محمد بن بشار حدثنا عبدالرحمن حدثنا زائدۃ عن منصور عن ہلال بن یساف عن ربیع بن خثیم عن عمرو بن میمون عن ابن ابی لیلی عن امرأۃ عن ابی ایوب عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال قل ہو اللہ احد ثلث القرآن" امام نسائی فرماتے ہیں۔ ما اعرف اسنادا اطول من ہذا۔

سنن ابوداؤد میں میری نظر سے ایک ثمانی حدیث گزری ہے جو تفریع استفتاح الصلوۃ کے تحت ایک خالی الترجمہ باب کے ذیل میں بایں سند مروی ہے "حدثنا الحسن بن علی ثنا سلیمان بن داؤد الہاشمی نا عبدالرحمن بن ابی الزناد عن موسی بن عقبۃ عن عبداللہ بن الفضل بن ربیعۃ بن الحارث بن عبدالمطلب عن عبدالرحمن الاعرج عن عبیداللہ بن ابی رافع عن علی بن ابی طالب عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان اذا قام الی الصلوۃ المکتوبۃ الحدیث"

سنن میں امام ابوداؤد کا طرز تخریج احادیث

(۱) علامہ خطابی اپنی مشہور کتاب معالم السنن میں تحریر فرماتے ہیں کہ امام ابوداؤد کی عادت یہ ہے کہ جب کسی مسئلہ میں احادیث متعارض ہوں تو آپ ایک باب میں احادیث

کی تخریج کے بعد دوسرے باب میں اس کے معارض احادیث کو لاتے ہیں لیکن "باب الامام یصلی من قعود" کے ذیل میں حضرت انس بن مالک، جابر بن عبداللہ، ابو ہریرہ اور حضرت عائشہ سے جو احادیث روایت کی ہیں وہ سب اوائل کی ہیں اور جمہور علماء کے نزدیک منسوخ ہیں۔ آپ کے مرض الموت سے متعلق حضرت عائشہ کی حدیث جس میں یہ ہے کہ "آپ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی اور صحابہ نے آپ کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھی" یہ حدیث ابوداؤد کے کسی نسخہ میں نہیں ملی نکتۃ اوری کیف اغفل ذکر ہذہ القصۃ وہی من امہات السنن (۳) امام ابوداؤد کبھی تو ایک سلسلہ سند میں مختلف اسانید کو بیان کردیتے ہیں اور کبھی ایک ہی متن میں مختلف متون کو اکٹھا کرنے کے بعد ہر حدیث کے الفاظ کو علیحدہ علیحدہ بیان کرتے ہیں مثلاً "باب کیف یستاک" کے ذیل میں شیخ مسدد اور سلیمان بن داؤد العتکی دونوں حماد بن زید سے راوی ہیں لیکن ان کے الفاظ میں اختلاف ہے اس لئے آپ نے "قال مسدد" اور "قال سلیمان" کہہ کر ہر ایک کی حدیث کے الفاظ کو علیحدہ علیحدہ بیان کردیا تاکہ الفاظ کا اختلاف ظاہر ہو جائے (۴) بقول حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی جب کسی راوی کے الفاظ میں کوئی زیادتی یا کمی یا تغیر ہو یا راوی کا کوئی وصف بیان کرنا ہو تو اس کو دوسری روایت سے علیحدہ کرکے بطور جملہ معترضہ اثناء سند یا اثناء متن یا آخر سند میں بیان کرتے ہیں جیسے باب کراہۃ استقبال القبلۃ عند قضاء الحاجۃ کے تحت آخر حدیث میں ابو زید کے متعلق فرماتے ہیں۔ "وابو زید ہو مولی بنی ثعلبۃ"

(۵) جب ایک راوی پر دو سندیں جمع ہوں اور ایک نے حدثنا کے ساتھ اور دوسرے نے عنعنہ سے روایت کیا ہو تو پہلے حدثنا والی روایت کو ذکر کرتے ہیں اس کے بعد عنعنہ کو جیسے "باب مقدار الرکوع والسجود" کے ذیل میں حضرت انس کی روایت کو صاحب کتاب نے احمد بن صالح اور محمد بن رافع نیشاپوری سے روایت کیا ہے اور شیخ محمد بن رافع کی روایت میں حضرت سعید بن جبیر اور حضرت انس سے سماع کی تصریح ہے اس لئے موصوف نے اس کو مقدم ذکر کرکے آخر میں کہا ہے "وہذا لفظ ابن رافع قال احمد عن سعید بن جبیر عن انس بن مالک"

(۶) جب آپ کسی باب میں دو یا تین حدیثیں لاتے ہیں تو ان کا مقصد کسی خاص چیز کو بیان کرنا ہوتا ہے جو پہلی روایت میں واضح نہیں ہوتی یا کسی روایت میں مزید کلام کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے متعدد احادیث لاتے ہیں ورنہ اختصار ہی سے کام لیتے ہیں۔ امام ابوداؤد نے اہل مکہ کے نام جو خط لکھا تھا اس میں اس کی تصریح موجود ہے حیث قال "واذا اعدت الحدیث فی الباب من وجہین وثلاثۃ فانما ہو من زیادۃ کلام فیہ وربما فیہ کلمۃ زائدۃ علی الاحادیث"

(۷) کبھی آپ ایک ترجمہ کے تحت مختلف روایات کو جمع کردیتے ہیں جیسے باب کراہۃ استقبال القبلۃ عند قضاء الحاجۃ میں استدبار عند الحاجہ کی روایت بھی لاتے ہیں (۸) کبھی طویل حدیث کو ایک باب کے تحت مختصر طور پر بیان کرتے ہیں کیونکہ ترجمۃ الباب حدیث کے ایک ٹکڑے سے مناسبت رکھتا ہے جیسے "باب النہی عن المتلاعنین" کے بعد "باب الرخصۃ فی ذلک" کے ذیل میں حضرت سہل بن حنظلہ کی حدیث کو مختصراً ذکر کیا ہے اور کتاب الجہاد میں "باب فضل الحرس فی سبیل اللہ" کے تحت اسے طویل روایت کیا ہے۔

(۸) کبھی ترجمہ باب اس طور پر قائم کرتے ہیں کہ خود ترجمہ کے الفاظ کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہوتا ہے کہ احادیث سے ثابت شدہ حکم کے اندر یہ جزء بھی شامل ہیں جیسے باب المواضع التی نہی عن البول فیہا" کے تحت حدیث میں کہیں بول کا تذکرہ نہیں ہے صرف براز کا ذکر ہے لیکن چونکہ دونوں لازم و ملزوم ہیں اس لئے ترجمہ کے الفاظ سے اشارہ کر دیا کہ علت مخالفت دونوں میں ایک ہے اور حکم براز میں بول بھی شامل ہے (۹) کبھی موصوف طویل حدیث کو صرف اس لئے مختصر طور پر بیان کرتے ہیں کہ اگر پوری حدیث ذکر کی جائے تو بعض سننے والے اس کی فقاہت کو سمجھ نہ سکیں گے موصوف نے اپنے رسالہ میں اس کی بھی تصریح کی ہے فرماتے ہیں: "وربما اختصرت الحدیث الطویل لانی لو کتبتہ بطولہ لم یعلم بعض من سمعہ ولا یفہم موضع الفقہ منہ فاختصرتہ لذلک"۔

روایت حدیث میں غایت احتیاط

امام ابوداؤد روایت حدیث میں بہت محتاط ہیں جس کی شہادت موصوف کی سنن میں جا بجا موجود ہے۔ مثال کے طور پر باب الامام یصلی من قعود کے ذیل میں سلیمان بن حرب والی روایت سے اس کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے جس کے متعلق موصوف نے تصریح کی ہے کہ میں نے یہ پوری حدیث شیخ سلیمان بن حرب کی زبانی سنی ہے بجز جملہ "اللہم ربنا لک الحمد" کے کہ اس کی خبر مجھے شیخ کے بعض اصحاب نے دی ہے یا یہ کہ شیخ نے یہ حدیث بیان کی تو میں موصوف سے اس لفظ کو نہیں سمجھ سکا بلکہ سماع حدیث میں جو رفقاء میرے ساتھ تھے انھوں نے مجھے سمجھایا۔ وہذا یدل علی کمال الاحتیاط والاتقان علی اداء لفظ الحدیث۔

صحت کے لحاظ سے صحاح ستہ میں سنن ابوداؤد کا مقام

یہ بات تو متفق علیہ ہے کہ صحت کے لحاظ سے صحیحین (بخاری و مسلم) کو سنن اربعہ پر تفضیلت حاصل ہے لیکن اس کے بعد کی ترتیب میں علماء کا اختلاف ہے بعض حضرات نے نسائی شریف کو تیسرا درجہ دیا ہے اور بعض نے جامع ترمذی کو، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے جہاں کتب حدیث کے طبقات بیان کئے ہیں وہاں سنن ابی داؤد کو دوسرے طبقے میں شمار کیا ہے لیکن صاحب مفتاح السعادہ نے لکھا ہے کہ سب سے اونچا درجہ بخاری شریف کا ہے اس کے بعد صحیح مسلم کا پھر سنن ابی داؤد کا۔ اور یہی ترتیب مناسب ہے۔ کیونکہ امام مسلم نے اپنی کتاب میں رجال کے تین طبقے قائم کئے تھے جس کے متعلق امام حاکم اور حافظ بیہقی نے لکھا ہے کہ انھوں نے اپنی کتاب میں صرف پہلے ہی طبقہ کی روایات کو جگہ دی ہے لیکن قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ انھوں نے طبقہ ثانیہ کی روایات کو بھی اپنی کتاب میں درج کیا ہے۔ علامہ نووی نے ان کے قول کی تحسین کی ہے۔ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی نے اپنی تقریر مسلم میں فرمایا ہے کہ بعض جگہ انھوں نے طبقہ ثالثہ کی روایات کو بھی متابعۃً و استشہاداً بیان کیا ہے۔

بہرکیف مسلم شریف میں طبقہ اولی و طبقہ ثانیہ کی روایات موجود ہیں اس پر ابن سید الناس نے لکھا ہے کہ امام ابوداؤد نے بھی ضعیف اور ناقابل اعتبار روایات سے گریز کیا ہے اور جہاں کہیں ضعف شدید ہے اس کی وجہ بیان کر دی ہے۔ نیز قسم اول و ثانی کی روایات بکثرت اپنی کتاب میں لائے ہیں معلوم ہوا کہ دونوں کے غرائب ایک ہیں یعنی مسلم شریف میں صحیح اور حسن دونوں طرح کی روایات ہیں۔ لیکن امام زین العراقی نے

اس کو تسلیم نہیں کیا کہ دونوں کے شرائط ایک ہیں کیونکہ امام مسلم نے اپنی کتاب میں صحت کا التزام کیا ہے ان کی کتاب کی کسی حدیث کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ ان کے نزدیک حسن ہے اس لئے کہ حدیث حسن کا درجہ صحیح سے کمتر ہے اور امام ابوداؤد کا مشہور قول ہے کہ "ما سکت عنہ فہو صالح" "جس حدیث میں سکوت اختیار کروں وہ قابل استدلال ہے" اس میں حسن و صحیح دونوں کا احتمال ہے۔ امام ابوداؤد سے یہ کہیں منقول نہیں کہ جس کو میں صالح کہوں وہ صحیح ہی ہے۔

علاوہ ازیں امام زہری کے تلامذہ کے پانچ طبقات ہیں۔ امام مسلم نے طبقہ ثانیہ کی روایات کو اصالۃً ذکر کیا ہے اور طبقہ ثالثہ کی روایات کو ضمناً اور امام ابوداؤد طبقہ ثالثہ کی روایات کو بھی اصالۃً لاتے ہیں۔ ان وجوہ کی بنا پر سنن ابی داؤد کا مقام صحیح مسلم کے بعد ہی رکھا جائے گا۔

ماسکت عنہ ابوداؤد کی حیثیت

حافظ ابن مندہ (ابوعبد اللہ محمد بن اسحاق) نے محمد بن سعد باوردی سے نقل کیا ہے کہ امام نسائی اور امام ابوداؤد کی شرط ایسے لوگوں کی روایات کی تخریج ہے جن کے ترک پر اجماع نہ ہو بشرطیکہ وہ حدیث باتصال سند بلا انقطاع و ارسال ثابت ہو۔ خود امام ابوداؤد اہل مکہ کے نام اپنے خط میں تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی سنن میں کوئی روایت متروک الحدیث راوی سے نہیں لی۔ اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ موصوف نے عمرو بن واقد دمشقی، محمد بن عبد الرحمن بیلمانی، ابوجناب کلبی، سلیمان بن ارقم اور اسحاق ابن عبد اللہ بن ابی فروہ جیسے رواۃ سے روایات کی تخریج کی ہے۔ معلوم ہوا کہ ابوداؤد کا قول مذکور اپنے عموم پر نہیں بلکہ اس سے اجماع خاص مراد ہے۔ چنانچہ حافظ ابن رجب نے شرح علل ترمذی میں تصریح کی ہے کہ مرادہ انہ لم یخرج لمتروک الحدیث عندہ علی ما ظہر لہ اولمتروک متفق علی ترکہ۔

پھر امام ابوداؤد نے اس خط میں یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ "اگر میری کتاب میں کہیں حدیث منکر ہے تو میں نے اس کو بیان کردیا ہے اسی طرح اگر کسی حدیث میں ضعف شدید ہے تو اس کی بھی وضاحت کردی ہے۔ علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ "اس کتاب میں حسن اور صحیح دونوں طرح کی روایات ہیں۔ رہی سقیم روایات سو اس کے متعدد طبقات ہیں جن میں سب سے برا طبقہ موضوع احادیث کا ہے پھر مقلوب کا اور اس سے کمتر درجہ مجہول کا ہے لیکن ابوداؤد کی کتاب ان سب سے خالی بلکہ ان کے وجود سے پاک ہے۔"

لیکن موصوف نے ابن لہیعہ، صالح مولی التوامہ، عبد اللہ بن محمد بن عقیل، موسی بن وردان، مسلمہ بن الفضل اور دلہم بن صالح وغیرہ ضعیف رواۃ سے بھی روایات کی تخریج کی ہے اور سکوت بھی اختیار کیا ہے تو اب اصولی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جن احادیث پر امام موصوف سکوت اختیار فرمائیں ان کی حیثیت کیا ہوگی؟ جبکہ امام ابوداؤد نے یہ بھی دعوی کیا ہے "مالم اذکر فیہ شیئا فہو صالح وبعضہا اصح من بعض" کہ جس کے متعلق میں سکوت اختیار کروں وہ صالح (قابل اعتبار یا قابل حجت) ہے اور انہیں سے بعض بعض کے مقابلہ میں اصح ہیں۔ سو علامہ نووی کا تو فیصلہ ہے کہ ان پر عمل کرنا جائز ہے بشرطیکہ قابل اعتماد محدثین نے بھی سکوت کیا ہو۔ قاضی شوکانی نے ابن الصلاح وغیرہ حفاظ سے بھی یہی نقل کیا ہے۔ البتہ امام نووی فرماتے ہیں کہ اگر کسی جگہ صحت و حسن کے خلاف کوئی چیز ملے گی تو پھر ہم اس پر عمل کو ترک کردیں گے اور شیخ ابن الصلاح کہتے ہیں کہ جو حدیث ہم ان کی کتاب میں بغیر فیصلہ کے پائیں اور ہمیں اس کی صحت

بھی معلوم نہ ہو تو ایسی صورت میں یہ سمجھا جائے گا کہ یہ امام ابوداؤد کے نزدیک حسن ہے کیونکہ جس حدیث کی بابت موصوف نے سکوت اختیار کیا ہے وہ ان کے نزدیک حسن و صحیح ہر دو کا احتمال رکھتی ہے۔

ابن مندہ کی رائے یہ ہے کہ امام ابوداؤد کو جب کسی باب میں ضعیف حدیث کے علاوہ اور کوئی روایت نہیں ملتی تو اسی کو لاتے ہیں۔ حافظ سخاوی نے الفیہ عراقی کی شرح میں لکھا ہے کہ موصوف نے اس سلسلہ میں اپنے شیخ امام احمد بن حنبل کی پیروی کی ہے کہ ان کے نزدیک قیاس سے زیادہ عزیز حدیث ہے۔ خواہ ضعیف ہی کیوں نہ ہو چنانچہ علامہ ابن الجوزی نے الموضوعات میں ذکر کیا ہے کہ امام احمد ضعیف حدیث کو قیاس پر مقدم کرتے تھے۔ بلکہ علامہ طوفی نے شیخ تقی الدین ابن تیمیہ سے نقل کیا ہے کہ میں نے پوری تفتیش کے بعد مسند احمد کو امام ابوداؤد کی شرط کے موافق پایا ہے۔

علامہ ابن القیم فرماتے ہیں کہ امام احمد کے نزدیک قیاس کے مقابلہ میں حدیث ضعیف کے عزیز ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ روایت باطل اور منکر نہ ہو اور [illegible] سے روایت جائز ہی نہیں اور فی الواقع ایسی ضعیف حدیث سے استدلال تو امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام شافعی بھی کرتے تھے۔ اسی لئے بعض لوگوں کی رائے ہے کہ امام ابوداؤد کے قول "ما سکت عنہ فہو صالح" کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ حدیث قابل اعتبار ہے اور اس کو دوسری حدیث کی تائید میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ پس اس صورت میں حدیث ضعیف بھی شامل ہو جائے گی۔ مگر حافظ ابن کثیر نے امام ابوداؤد کا صریح قول نقل کیا ہے "ما سکت عنہ فہو حسن" پس اگر اس کو صحیح مان لیا جائے تو پھر کوئی اشکال ہی باقی نہیں رہتا۔

قاضی شوکانی فرماتے ہیں کہ حافظ منذری نے ان احادیث کے نقد میں پوری توجہ صرف کی ہے جو سنن ابی داؤد میں مذکور ہیں اور بہت سی مسکوت عنہا احادیث کا ضعف بھی بیان کیا ہے۔ پس وہ احادیث اس سے خارج بھی ہو جائیں گی اور باقی پر عمل کیا جائے گا۔ درحقیقت جن پر یہ دونوں ہی سکوت اختیار کریں وہ بلاشبہ قابل استدلال ہوں گی۔ اسی طرح بعض احادیث پر علامہ ابن قیم نے بھی نقد کیا ہے۔ اس لئے بعض حضرات کا خیال ہے کہ سنن ابی داؤد کی وہ احادیث قابل استدلال ہوں گی جن پر منذری اور ابن القیم دونوں ہی نے سکوت کیا ہو۔

بعض [illegible] ایسی بھی ملتی ہیں جن پر ان سب حضرات نے سکوت اختیار کیا ہے اور فی الواقع وہ ضعاف ہیں مثلاً حدیث روایت ابن عمر اذا اخ راحلتہ الخ کے بارے میں امام ابوداؤد، منذری، ابن القیم نے اور محقق الجبیر میں حافظ ابن حجر نے سکوت اختیار کیا ہے۔ صرف فتح الباری میں ابن حجر نے اتنا کہا ہے کہ امام ابوداؤد اور حاکم نے اس کی تخریج سند حسن کے ساتھ کی ہے۔ حالانکہ اس کے راوی حسن بن ذکوان کی بہت سے محدثین نے تضعیف کی ہے چنانچہ یحییٰ بن سعید اور ابوحاتم نے اس کو ضعیف کہا ہے اور ابن ابی الدنیا اور امام نسائی کے نزدیک یہ قوی نہیں۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ اس کی حدیثیں باطل ہیں۔ معلوم ہوا کہ ان سب حضرات کے سکوت کے بعد بھی مزید تحقیق و جستجو کی ضرورت ہے اس کے بغیر فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔

سنن ابوداؤد پر ابن جوزی کی تنقید

علامہ ابن جوزی نے جامع ترمذی کی تیس، سنن نسائی کی دس اور سنن ابی داؤد کی نو احادیث کو موضوع قرار دیا ہے

لیکن اول تو ابن جوزی نقد روایات میں متشدد مانے گئے ہیں۔ چنانچہ علامہ نووی فرماتے ہیں کہ انھوں نے اپنی کتاب الموضوعات میں بہت سی ایسی حدیثوں کو موضوع کہہ دیا ہے جن کے موضوع ہونے پر کوئی دلیل نہیں بلکہ وہ صرف ضعیف ہیں۔ حافظ ذہبی نے بھی اپنا یہی نظریہ ظاہر کیا ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ نقد روایات میں ابن جوزی کے تشدد اور حاکم کے تساہل نے ان کتابوں کو استفادہ کو مشکل بنا دیا ہے پس ان دونوں سے نقل کے وقت ناقل کے لئے احتیاط ضروری ہے۔ دوسرے یہ کہ علامہ سیوطی نے چار روایات کا جواب القول الحسن فی الذب عن السنن میں اور باقی کا جواب التعقبات علی الموضوعات میں دے دیا ہے اس لئے ابن جوزی کا ہر حدیث کے متعلق وضع کا فیصلہ صحیح نہیں۔

ناقلین و رُواۃ اور سنن ابوداؤد کے نسخے

سنن ابوداؤد کے قلمی اور مطبوعہ نسخوں میں تقدیم و تاخیر اور کمی بیشی کے لحاظ سے بہت زیادہ اختلاف ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ امام ابوداؤد سے اس کتاب کو متعدد حضرات نے روایت کیا ہے۔ حافظ ابن جعفر بن الزبیر نے اپنی یادداشت میں لکھا ہے کہ امام ابوداؤد سے ان کی کتاب السنن ہم تک چار حضرات کی متصل اسناد سے پہنچی ہے اور انہی کے نسخے زیادہ مشہور ہیں۔

(۱) حافظ ابوبکر محمد بن بکر بن محمد بن عبد الرزاق التمار البصری متوفی ۳۴۶ھ جو ابن داسہ سے مشہور ہیں ان کی روایت اور روایتوں کی نسبت بہت مکمل اور جامع ہے اور بلاد مغرب میں زیادہ رائج ہے۔ حافظ ابوبکر جصاص حنفی صاحب احکام القرآن سنن ابی داؤد کو انہی سے روایت کرتے ہیں۔ انکی روایت میں کتاب الادب سے از "باب ما یقول اذا اصبح" تا "باب الرجل ینتمی الی غیر موالیہ" ساقط ہے ان سے شیخ ابوسلیمان خطابی نے بصرہ میں ۳۴۲ھ میں سنن ابوداؤد سنی ہے۔ ان کے علاوہ ابومحمد عبداللہ بن عبد المؤمن قرطبی (من قدماء شیوخ ابن عبد البر) ابوعلی حسن بن محمد روذباری، ابوعمر احمد بن سعید بن حزم، ابوحفص عمر بن عبد الملک خولانی اور ابوعلی حسن بن داؤد سمرقندی وغیرہ نے علم حاصل کیا ہے۔ وروی عنہ بالاجازۃ ابونعیم الاصبہانی۔

(۲) ابوعلی محمد بن احمد بن عمرو لؤلؤی بصری متوفی ۳۳۳ھ ان کا نسخہ ہند و عرب اور بلاد مشرق میں زیادہ مشہور ہے اور مصر و ہندوستان میں جو نسخے مطبوعہ ہیں وہ انہیں کی روایت سے ہیں۔ ان کے نسخے کو اس حیثیت سے بھی ترجیح حاصل ہے کہ انھوں نے کتاب السنن کا سماع محرم ۲۷۵ھ میں کیا ہے جبکہ امام ابوداؤد نے اس کا آخری املا کرایا تھا کیونکہ اسی سال بروز جمعہ ۱۶ شوال کو امام ممدوحؒ نے سفر آخرت اختیار کیا ہے۔ ابن داسہ اور لؤلؤی کے نسخوں میں ترتیب کے اعتبار سے تقدیم و تاخیر بھی ہے اور تعداد احادیث کے لحاظ سے کمی بیشی بھی ہے۔ نیز امام ابوداؤد نے احادیث پر جو کلام کیا ہے وہ بھی بعض نسخوں میں کم ہے اور بعض میں زائد۔ پھر بھی یہ نسخے قریب قریب ہیں کچھ زیادہ تفاوت نہیں ہے۔ ان سے ابوعمر

عہ قال صاحب الحطۃ بفتح السین وتخفیفہا، نص علیہ القاضی ابومحمد بن حوط اللہ والفقیہ ابی الفضل عیاض بن موسی الیحصبی المالکی من کتاب الغنیۃ مشددا وکذا وجدتہ فی بعضہا ما قیدتہ عن شیخنا ابی الحسن الانصاری شکلا من غیر تنصیص ۱۲

قاسم بن جعفر بن عبدالواحد ہاشمی اور عبداللہ الحسین بن بکر بن محمد الوراق معروف بہ ابن داسہ وغیرہ نے علم حاصل کیا ہے (۳) حافظ ابو عیسیٰ اسحاق بن موسیٰ بن سعید الرملی متوفی ۳۲۰ھ یہ امام ابوداؤد کے وراق اور کاتب تھے ان کا نسخہ ابن داسہ کے نسخے کے قریب قریب ہے لیکن کچھ زیادہ رائج نہیں ہے۔ ان سے حافظ ابو عمر احمد بن دحیم بن خلیل نے ۳۳۱ھ میں سماع کیا ہے (۴) حافظ ابو سعید احمد بن محمد بن زیاد بن بشر معروف بابن الاعرابی متوفی ۳۴۰ھ۔ ان کا نسخہ نہایت صغیر اور ابن داسہ و لؤلؤی کے نسخوں سے بہت کم ہے۔ چنانچہ اس میں کتاب الفتن، کتاب الملاحم، کتاب الحروف، کتاب الخاتم اور قریب نصف کتاب اللباس اور بہت سی احادیث متعلقہ وضوء و صلوٰۃ اور نکاح ندارد ہیں جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے المعجم المفہرس میں اور ابن طولونؒ نے الفہرس الاوسط میں ذکر کیا ہے۔ ان سے ابو اسحاق ابراہیم بن علی بن محمد بن غالب التمار، ابو عمر احمد بن سعید بن حزم اور ابو حفص عمر بن عبدالملک خولانی وغیرہ راوی ہیں اور ان سے علامہ خطابی نے مکہ میں سنن ابی داؤد سنی ہے۔ ان چار کے علاوہ کچھ اور حضرات کے نسخے بھی مروی ہیں جیسے۔

(۵) ابوالحسن علی بن الحسن بن العبد انصاری۔ ان کے نسخہ میں بعض ایسے امور زائد ہیں جو نقد احادیث کے سلسلہ میں بہت زیادہ نافع ہیں۔ عبدالغنی مقدسی کے نسخہ کے آخر میں ہے کہ انھوں نے امام ابوداؤد سے ان کی سنن چھ بار سنی ہے۔

(۶) ابوالطیب احمد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن اشنانی (۷) ابو عمرو احمد بن علی بن الحسن البصری (۸) ابو اسامہ محمد بن عبدالملک بن یزید الرواس (۹) ابو سالم محمد بن سعید الجلودی ؒ۔

سنن ابی داؤد کے حواشی و شروح

علامہ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ لوگوں نے صحیحین پر تو بہت کچھ لکھا ہے اور مطول و مختصر اور متوسط ہر قسم کی شروح لکھی ہیں لیکن سنن ابوداؤد کے ساتھ صحیحین جیسا اعتناء نہیں کیا۔ تاہم علماء نے اس کی متعدد شرحیں اور حواشی لکھے ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں۔

(۱) معالم السنن۔ از ابو سلیمان احمد بن محمد بن ابراہیم بن خطاب الخطابی البستی متوفی ۳۸۸ھ۔ سب سے عمدہ، نہایت معتبر، بہت نافع، بڑی مفید اور قدیم شرح ہے۔

(۲) مرقاۃ الصعود۔ از علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ نہایت لطیف شرح ہے جس کی تلخیص

(۳) درجات مرقاۃ الصعود۔ کے نام سے علامہ دمنتی نے کی ہے۔

(۴) المجتبیٰ۔ از حافظ زکی الدین ابو محمد عبدالعظیم بن عبدالقوی بن عبداللہ المنذری البصری متوفی ۶۵۶ھ

(۵) تہذیب السنن۔ از حافظ شمس الدین محمد بن ابی بکر بن ایوب بن سعد بن القیم المعروف بابن القیم الجوزی الحنبلی متوفی ۷۵۱ھ مختصر مگر تحقیقات لائقہ سے بھرا ہوا حاشیہ ہے۔

۳

عـــہ بفتح الراء و سکون المیم و کسر اللام منسوب الی الرملۃ مدینۃ بفلسطین و محلۃ ببرخس ۱۴ مقدمہ مرقاۃ المقصود

(۶) المجالۃ ۔ از حافظ شہاب الدین ابو محمود احمد بن محمد بن ابراہیم المقدسی متوفی سنہ ۷۶۵ھ علامہ خطابی کی شرح معالم السنن کی تلخیص ہے
(۷) شرح سنن ابی داؤد ۔ از شیخ سراج الدین عمر بن علی بن الملقن الشافعی متوفی سنہ ۸۰۴ھ
(۸) شرح سنن ابی داؤد ۔ از شیخ ابوزرعہ ولی الدین احمد بن عبدالرحیم عراقی متوفی سنہ ۸۲۶ھ
(۹) شرح سنن ابی داؤد ۔ از حافظ علاء الدین بن قلیج مغلطائی متوفی سنہ ۷۶۲ھ مگر یہ دونوں شرحیں کامل نہیں ہوئیں ۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے شرح عراقی کے متعلق لکھا ہے کہ اس کی شروع کتاب سے سجدۂ سہو تک سات جلدیں ہیں اور ایک جلد میں صیام ، حج اور جہاد ہے اگر یہ پوری ہو جاتی تو چالیس جلدوں سے زائد میں آتی ۔
(۱۰) شرح سنن ابی داؤد ۔ از شیخ شہاب الدین احمد بن حسین الرملی المقدسی الشافعی متوفی سنہ ۸۴۴ھ ۔
(۱۱) شرح سنن ابی داؤد ۔ از شیخ قطب الدین ابوبکر بن احمد بن دعین الیمنی الشافعی متوفی سنہ ۷۵۲ھ یہ چار ضخیم جلدوں میں ہے (۱۲) شرح سنن ابی داؤد ۔ از شیخ شہاب بن رسلان صاحب غایۃ المقصود نے لکھا ہے کہ ہمارے شیخ حسین بن محسن انصاری یمنی نے بلاد عرب میں ان کی شرح آٹھ ضخیم جلدوں میں دیکھی ہے ۔
(۱۳) شرح سنن ابی داؤد ۔ از علامہ بدرالدین محمود بن احمد العینی الحنفی متوفی سنہ ۸۵۵ھ (۱۴) شرح سنن ابی داؤد ۔ از شیخ محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی متوفی سنہ ۶۷۶ھ (۱۵) غایۃ المقصود ۔ از شیخ شمس الحق ابوالطیب عظیم آبادی ۔ غالباً اس کا صرف جزو اول ہی طبع ہو سکا ہے (۱۶) عون المعبود ۔ از شیخ محمد اشرف یہ غایۃ المقصود کی تلخیص ہے اور چار جلدوں میں ہے لیکن آخر کتاب کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ خود شیخ شمس الحق ہی نے اپنی شرح کی تلخیص کی ہے (۱۷) فتح الودود ۔ از علامہ ابوالحسن بن عبدالہادی سندھی متوفی سنہ ۱۱۳۸ھ یہ شرح لطیف بالقول (۱۸) التعلیق المحمود ۔ مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہی کا نہایت عمدہ اور مشہور حاشیہ ہے (۱۹) بذل المجہود ۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری کی شرح ہے جو اہل علم میں مشہور و معروف ہے (۲۰) المنہل المورود ۔ یہ جدید شرح حجاز سے آئی ہے جو مختصر اور مفید ہے ،
(۲۱) انوار محمود ۔ حضرت شاہ صاحب کے افادات کا مجموعہ ہے (۲۲) الہدی المحمود ترجمہ سنن ابی داؤد از مولوی وحید الزماں بن مسیح الزماں لکھنوی ۔

اقسام حدیث اور انکی تعریفات

چونکہ امام ابوداؤد بہت سی احادیث کے بعد صحت و سقم سے بحث کرتے ہیں اس لئے مختصراً اقسام حدیث اور ان کی تعریفات لکھی جاتی ہیں تاکہ ناظرین کو سمجھنے میں دقت نہ ہو ۔ خبر باین حیثیت کہ وہ ہم تک پہنچی ہے چار قسم پر ہے ۔ متواتر ، مشہور ، عزیز ، غریب ۔

خبر متواتر ۔ وہ ہے جس کے راوی اس کثرت سے ہوں کہ عادۃً ان کا جھوٹ پر اتفاق محال ہو ۔

خبر مشہور ۔ وہ ہے کہ ہر طبقے میں اس کے راوی کم از کم تین اور یا دو سے زیادہ اتنے ہوں کہ حد تواتر تک نہ پہنچیں ۔ بعض فقہاء کے یہاں اس کو مستفیض بھی کہتے ہیں اور بعض حضرات نے ان میں یہ فرق کیا ہے کہ مستفیض میں رواۃ کا سلسلہ ابتداء سے انتہاء تک یکساں ہوتا ہے مشہور میں یہ ضروری نہیں ۔

خبر عزیز ۔ وہ ہے جس کے ہر طبقے میں کم از کم دو راوی ہوں ۔ اگر کسی مقام میں دو سے زائد ہو جائیں تو

تو کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ اس فن میں کثرت ہی کا اعتبار ہوتا ہے۔

خبر غریب:- وہ ہے جس کی اسناد میں کسی جگہ صرف ایک ہی راوی ہو۔ خبر غریب کا دوسرا نام فرد ہے اس کی دو قسمیں ہیں فرد مطلق، فرد نسبی۔

فرد مطلق:- وہ ہے جس کی سند میں صحابی سے روایت کرنیوالا متفرد ہو۔ عام ازیں کہ دوسرے راوی متفرد ہوں یا نہ ہوں۔

فرد نسبی:- وہ ہے جس کی سند میں صحابی سے روایت کنندہ کے بعد والا کوئی راوی متفرد ہو۔ پھر خبر متواتر کے سوا خبر مشہور، عزیز اور غریب تینوں کو اخبار آحاد اور ہر ایک کو خبر واحد کہتے ہیں۔

خبر واحد:- وہ ہے جس میں متواتر کی کل شرائط موجود نہ ہوں۔ پھر اخبار آحاد مقبول بھی ہوتی ہیں اور مردود بھی۔ خبر واحد مقبول کی چار قسمیں ہیں صحیح لذاتہ، صحیح لغیرہ، حسن لذاتہ، حسن لغیرہ۔

صحیح لذاتہ:- وہ ہے جس کے کل راوی عادل (پچے)، اور کامل الضبط (یاد کے پکے) ہوں۔ اس کی سند متصل ہو۔ شذوذ (یعنی مخالفت ثقات) اور علت (دقیق پوشیدہ اسباب طعن) سے محفوظ ہو

حسن لذاتہ:- وہ ہے جس کے راوی میں صحیح لذاتہ کی شرائط موجود ہوں صرف صفت ضبط ناقص ہو۔ یہ رتبہ میں گو صحیح لذاتہ سے کمتر ہے تاہم قابل احتجاج ہے۔

صحیح لغیرہ:- حسن لذاتہ کو کہتے ہیں بشرطیکہ اس کی اسناد متعدد ہوں۔ کیونکہ تعدد طرق سے ایک ایسی قوت پیدا ہوجاتی ہے کہ حسن لذاتہ میں نقصان ضبط کی وجہ سے جو قصور ہوتا ہے اس کی تلافی ہوجاتی ہے۔

حسن لغیرہ:- وہ حدیث متوقف فیہ ہے جس کی مقبولیت پر کوئی قرینہ قائم ہو، جیسے حدیث شاذ یا مختلط یا مستور یا مدلس یا مرسل کی کوئی معتبر متابعت مل جائے تو وہ مقبول ہوتی ہے۔

شاذ:- وہ ہے جس کا ثقہ راوی ایسے شخص کی مخالفت کرے جو ضبط یا تعداد یا وجوہ ترجیح میں سے کسی اور وجہ سے اس سے راجح ہو۔

محفوظ:- حدیث شاذ کے مقابل کو کہتے ہیں۔

منکر:- وہ ہے جس میں ضعیف راوی قوی راوی کی مخالفت کرے۔

معروف:- حدیث منکر کے مقابل کو کہتے ہیں۔

پھر خبر مردود کو دو وجہ سے رد کیا جاتا ہے۔ اول یہ کہ اس کی اسناد سے ایک یا متعدد راوی ساقط ہوں دوم یہ کہ اس کے کسی راوی میں بلحاظ دیانت یا ضبط طعن کیا گیا ہو۔ سقوط راوی کے لحاظ سے خبر مردود کی چار قسمیں ہیں معلق، مرسل، معضل، منقطع۔

معلق:- وہ ہے جس کے اوائل سند سے ایک یا متعدد راوی ساقط ہوں۔

مرسل:- وہ جس کے اواخر سند میں تابعی کے بعد راوی ساقط ہو۔

معضل:- وہ جس کی اسناد سے دو یا دو سے زائد راوی ایک ہی مقام سے ساقط ہوں۔

منقطع:- وہ ہے جس کی اسناد سے ایک یا متعدد راوی متفرق مقام سے ساقط ہوں۔

مدلّس:۔ وہ ہے جس کی اسناد میں راوی کا سقوط اتنا پوشیدہ ہو کہ جو لوگ اسانید و علل سے واقف ہیں وہی سمجھ سکیں۔ طعن راوی کے لحاظ سے خبر مردود کی چند قسمیں ہیں۔

موضوع:۔ وہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان نہ کی ہو بلکہ راوی نے اس کو عمداً جھوٹ روایت کیا ہو۔

متروک:۔ وہ ہے جس کے راوی پر عمداً جھوٹی حدیث روایت کرنے کی تہمت ہو۔

معلّل:۔ وہ ہے جس کے راوی میں وہم پایا جاتا ہو جیسے مرسل یا منقطع کو موصول یا موصول کو مرسل یا مرفوع کو موقوف کر دینا وغیرہ۔

مدرج:۔ وہ ہے جس میں راوی نے ثقات کے خلاف کچھ تغیر کر دیا ہو۔ اس کی دو قسمیں ہیں مدرج الاسناد اور مدرج المتن۔

مقلوب:۔ وہ ہے جس کی اسناد یا متن میں تقدیم و تاخیر کر دی گئی ہو جیسے مرہ بن کعب کو کعب بن مرہ کہنا

مضطرب:۔ وہ ہے جس میں مخالفت اس طور ہو کہ راوی میں اس طرح تبدیلی کر دی جائے جس سے ایک روایت کو دوسری پر ترجیح دینا غیر ممکن ہو جائے۔

مصحف:۔ وہ ہے جس میں راوی نے حروف کے نقطوں میں تغیر کر دیا ہو جیسے شریح کو سریج کر دینا۔

محرف:۔ وہ ہے جس میں راوی نے حروف کی شکل میں تغیر کر دیا ہو جیسے حفص کو جعفر کر دینا ہو۔ اسناد کے لحاظ سے خبر کی تین قسمیں ہیں مرفوع، موقوف، مقطوع۔

مرفوع:۔ وہ ہے جس کی اسناد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر منتہی ہو اور وہ خاص آپ کا قول یا فعل یا تقریر ہو۔

موقوف:۔ وہ ہے جس کی اسناد صحابی پر منتہی ہو اور وہ قول یا فعل یا تقریر صحابی کی ہو

مقطوع:۔ وہ ہے جس کی اسناد تابعی یا تبع تابعی یا اس سے او نیچے کے راوی پر منتہی ہو۔

الفاظ ادائے حدیث

ادائے حدیث کے آٹھ مراتب قرار دئے گئے ہیں (۱) سمعت، حدثنی۔ یہ اس راوی کے لئے موضوع ہیں جس نے تنہا شیخ کی زبانی حدیث سنی ہو۔ اس کے لئے لفظ تحدیث کی تخصیص بھی ایک اصطلاح ہے مگر یہ عرف مشارقہ اور ان کے متبعین میں پائی جاتی ہے۔ مغاربہ کے یہاں یہ معروف نہیں۔ اگر راوی حدثنا فلان یا سمعنا فلانا یقول۔ بصیغہ متکلم مع الغیر کہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نے غیر کے ساتھ مل کے حدیث سنی ہے۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ اس قسم میں سماع کے لئے حدثنا، اخبرنا، انبانا، سمعت فلانا، قال لنا، ذکر لنا فلان کہنا جائز ہے۔

علامہ عراقی فرماتے ہیں کہ بات تو یہ معقول ہے مگر سماع کے لئے لفظ انبانا استعمال کرنا مناسب نہیں، کیونکہ اس کا استعمال اجازت میں مشہور ہے۔ ان الفاظ کے استعمال کے جواز کی بڑی دلیل حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ یومئذ تحدث اخبارھا۔ ولا ینبئک مثل خبیر۔

پھر ان تمام الفاظ میں سب سے اونچا مرتبہ لفظ سمعت کا ہے اس کے بعد حدثنا اور حدثنی کا کیونکہ

اس میں واسطہ کا احتمال نہیں ہوتا بخلاف حدثنی وغیرہ کے۔ نیز بعض علماء نے لفظ حدثنا اجازت میں، اور فطر بن خلیفہ جیسے رواۃ نے تدلیس میں استعمال کیا ہے بخلاف لفظ سمعت کے کہ اجازت، مکاتبت اور تدلیس میں اس کے استعمال کی گنجائش نہیں۔

(۳) اخبرنی، قرأت علیہ۔ یہ اس راوی کے لئے موضوع ہے جس نے تنہا شیخ کے سامنے پڑھا ہو (۴) اخبرنا، قرأنا علیہ، قرئ علیہ وانا اسمع جبکہ شیخ کے سامنے ایک نے پڑھا ہو جمہور کے نزدیک شیخ سے حدیث حاصل کرنے کا ایک طریق یہ بھی ہے کہ شیخ کے سامنے قرأۃ کی جائے۔ اکثر محدثین نے اس کو عرض سے تعبیر کیا ہے جس کے جواز پر شیخ حمیدی اور امام بخاری نے حضرت ضمام بن ثعلبہ کی حدیث لما اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال لہ انی سائلک فشدد علیک ثم قال اسئلک بربک ورب من قبلک آللہ ارسلک الخ سے استدلال کیا ہے۔ پھر قرأت وسماع دونوں مساوی ہیں یا ان میں سے کوئی ایک راجح ہے؟ اس میں اختلاف ہے امام مالک اور آپ کے اصحاب و اشیاخ، علماء حجاز و کوفہ، امام شافعی اور امام بخاری وغیرہ ایک فریق کا مسلک یہ ہے کہ صحت و قوت میں قرأت و سماع دونوں مساوی ہیں۔ امام ابوحنیفہ اور حضرت سفیان سے بھی یہی مروی ہے چنانچہ تو ازل میں نعیرے نے بواسطہ خلف، ابوسعید صنعانی سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں سمعت ابا حنیفۃ وسفیان یقولان القرأۃ علی العالم والسماع منہ سواء اور امام ابو حنیفہ اور امام مالک سے دوسری روایت اور ابن ابی ذئب وغیرہ سے مروی ہے کہ قرأت علی الشیخ راجح ہے۔ تحریر اور شرح تحریر وغیرہ کتب احناف میں یہی مذکور ہے لیکن جمہور مشائخ سے سماع کی ترجیح منقول ہے۔

(۴) انبانی، یہ لغت و اصطلاح متقدمین میں بمنزلہ اخبرنی سمجھا جاتا ہے البتہ متأخرین کی اصطلاح میں عن کی طرح اجازت کے لئے بھی آتا ہے۔

(۵) ناولنی، یہ مناولہ سے ہے۔ حافظ سخاوی فرماتے ہیں کہ یہ لغۃً بمعنی عطیہ ہے ومنہ فی حدیث الخضر فحملوہا بغیر نول ای عطاء۔ اصطلاح محدثین میں مناولہ اس کو کہتے ہیں کہ شیخ اپنی مرویات کا اصل نسخہ یا اس کی نقل طالب کو دیدے اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ نسخہ دیتے وقت صراحۃً یہ کہدے کہ تم اس کو میری طرف سے روایت کرو دوسرے یہ کہ اس کی صراحت نہ کرے۔ مناولہ کی پہلی صورت انواع اجازت میں سب سے اعلیٰ ہے لیکن سماع اور قرأت سے اس کا درجہ کمتر ہے، سفیان ثوری، امام اوزاعی، عبداللہ بن المبارک، امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد اور اسحاق وغیرہ کا یہی قول ہے اور جس مناولہ کے ساتھ اجازت روایت نہ ہو تو جمہور کے نزدیک اس کا کچھ اعتبار نہیں۔

پھر جمہور اہل ورع کے نزدیک اجازت اور مناولہ کی صورت میں لفظ حدثنا اور اخبرنا استعمال کرنا ممنوع ہے۔ ایسا لفظ ذکر کرنا چاہئے جو یہ ظاہر کرے کہ روایت بطریق اجازت یا بطریق مناولہ ہے۔

؎ قال السیوطی وعندی ان من جوّز ان یذکر و المناولۃ فی صحتہ فقد بادر قّ علی من کان اکبر لا فی تقدیم المرتبہ ۱۲

جیسے حدثنا اجازۃ، او مناولۃ، اخبرنا اجازۃ او مناولۃ، او اذنا، فی اذنہ، فیما اذن لی فیہ، فیما اطلق لی روایتہ، اجازنی، اجازلی، ناولنی، سوغ لی ان اروی عنہ، اباح لی وغیرہ۔ امام اوزاعی سے اجازت والی صورت کی تخصیص خبرنا کے ساتھ اور قرأت والی صورت کی تخصیص اخبرنا کیساتھ منقول ہے حافظ عراقی کہتے ہیں کہ یہ تخصیص نزاع سے خالی نہیں کیونکہ لفظ خبر اور اخبر دونوں لغۃ اور اصطلاحا ایک ہی معنی میں ہیں۔

(۲) شافہنی بالاجازۃ۔ اگر شیخ نے کسی کو مخصوص حدیث روایت کرنے کی زبانی اجازت دیدی تو اسے اجازت بالمشافہ کہتے ہیں۔ شیخ فخرالاسلام نے ذکر کیا ہے کہ اس کی دو صورتیں ہیں کیونکہ مجازلہ یا تو اس مکتوب سے واقف ہوگا یا ناواقف۔ اگر واقف ہو اور اس کا مطلب صحیح طور پر سمجھتا ہو تو یہ اجازت صحیح ہوگی بشرطیکہ اجازت دہندہ امون بالضبط ہو اور اگر وہ اس سے ناواقف ہو تو طرفین کے نزدیک اجازت باطل ہے۔ بقول فخرالاسلام طرفین کا مذہب احوط ہے اور بقول صاحب کشف جمہور کا مذہب اصح ہے۔ قال العراقی وعلی جواز الروایۃ بالاجازۃ استقر عملہم ای اہل الحدیث قاطبۃ۔

(۳) کتب الی بالاجازۃ۔ اگر شیخ نے کسی کو حدیث روایت کرنے کی تحریری اجازت دیدی تو اسکو اجازت بالمکاتبہ کہتے ہیں۔ اس قسم کی اجازت اکثر متأخرین کی عبارات میں پائی جاتی ہے متقدمین کے نزدیک اس پر مکاتبہ کا اطلاق نہیں کیا جاسکتا۔

(۴) عن۔ قال، ذکر، روی وغیرہ الفاظ جن میں سماع وعدم سماع واجازت کا احتمال ہو۔ جو راوی شیخ کا معاصر ہو اور وہ بلفظ عن شیخ سے روایت کرے اس کی روایت سماع پر محمول ہوگی بشرطیکہ وہ مدلس نہ ہو ورنہ نہیں اور اگر راوی اس کا معاصر نہ ہو تو اس کی روایت مرسل یا منقطع سمجھی جائے گی۔ بعض کے نزدیک بلفظ عن معاصر کی روایت سماع پر اس وقت محمول ہوگی جبکہ کم از کم دونوں میں ایک بار ملاقات ثابت ہو تاکہ بلفظ عن روایت کرنے میں مرسل خفی کا جو احتمال ہے وہ رفع ہو جائے۔ علی بن المدینی اور امام بخاری وغیرہ نقاد فن کا یہی مذہب ہے اور حافظ ابن حجر کے نزدیک بھی یہی مختار ہے۔[۱]

بعض اہم مسائل کی ضروری تشریح

حدیث متواتر وہ ہے جس کے رواۃ بکثرت ہوں اتنی قدر کہ عادۃً ان کا جھوٹ پر اتفاق کرنا یا اتفاقیہ طور پر ان سے جھوٹ کا صادر ہونا محال ہو اور یہ کثرت طرفین (ابتداء و انتہاء) میں یکساں ہو کسی جگہ کمی واقع نہ ہوئی ہو اور وہ مفید علم یقینی ضروری ہو اور اس کا تعلق عقل سے نہ ہو بلکہ حس سے ہو۔ یہ پانچ شرطیں ہیں جن پر متواتر کا تحقق موقوف ہے۔ ہمیں یہاں انہی کے متعلق کچھ عرض کرنا ہے۔

جمہور کے نزدیک متواتر کے لئے رواۃ کا بکثرت ہونا تو ضروری ہے مگر اس کے لئے کوئی تعداد معین نہیں ہے تو بعض حضرات نے شہود زنا پر قیاس کرکے کم از کم چار اور بعض نے لعان پر قیاس کرکے

---

[۱] فان الحدیث یحتاج فی تبلیغ الصحیح عنہ من الاخبار الی الغیر بتصل الاسناد ویبقی الدین الی آخر الدہر وقد ظہر الحاصل والمراد فی الناس فی امور الدین وبحالا تیسیر للطالب القراءۃ علی المحدث ۱۲

پانچ اور بعض نے بلحاظ اقل جمع کثیر دس اور بعض نے بلحاظ نقباء بنی اسرائیل بارہ اور بعض نے بفحوائے قول باری "حسبک اللہ ومن اتبعک من المؤمنین" چالیس اور بعض نے بمقتضائے قول باری "واختار موسیٰ قومہ سبعین رجلا" ستر اور بعض نے اس سے بھی زائد مانے ہیں۔ گویا خاص خاص مواقع پر جو مخصوص تعداد مفید علم یقین تھی اسی پر ہر ایک نے متواتر کو قیاس کر کے اسی مخصوص تعداد کو متواتر کے لئے متعین کر دیا لیکن یہ بات علی العموم صحیح نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ ضروری نہیں کہ جو مخصوص تعداد ایک موقعہ پر کسی خصوصیت کے سبب سے مفید یقین ہو وہ دیگر مقامات میں بھی مفید یقین ہو جائے۔ چنانچہ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ تحقیق یہ ہے کہ متواتر میں عادۃً رواۃ کا جھوٹ پر اتفاق کا محال ہونا کبھی بحیثیت کثرت بلا لحاظ وصفیت ہوتا ہے کبھی مع انضمام وصفیت مثلاً اگر عشرہ مبشرہ سے بیس تابعی روایت کریں تو بلاشک عشرہ مبشرہ کا جھوٹ پر اتفاق عادۃً محال ہے اور دس تابعین کے لحاظ سے یہ استحالہ نہیں ہے گو وہ عدول ہوں اسی طرح اگر بیس منفق یا بیس مدرس کوئی مسئلہ بیان کریں تو ان کی نقل سے جو علم حاصل ہوگا وہ بیس طلبہ کی نقل سے حاصل نہیں ہو سکتا معلوم ہوا کہ باب تواتر میں اصل مدار اعداد اور مانی وہ ہے نہ کہ اعتبار عدد و عدالت پر۔ پھر خبر متواتر کا تعلق حس سے ہونا چاہیے۔ مثلاً راوی یوں کہے رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فعل کذا یا سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال کذا کہ فعل کا تعلق حس باصرہ سے ہے اور قول کا تعلق حس سامعہ سے۔ پس جس خبر کا تعلق محض عقل سے ہو جیسے وجود صانع کی خبر تو اس کو متواتر نہیں کہیں گے۔

۳۶　یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ گو اشاعرہ میں سے امام الحرمین اور معتزلہ میں ابوالحسین بصری و کعبی کا یہ قول ہے کہ خبر متواتر مفید علم یقینی ضروری نہیں بلکہ نظری ہوتی ہے مگر صحیح یہ ہے کہ مفید علم ضروری ہوتی ہے۔ اس واسطے کہ خبر متواتر سے عوام کو بھی (جو غیر نظری ہیں) ایسا ہی یقینی علم حاصل ہوتا ہے۔ اگر متواتر مفید علم نظری ہوتی تو دائرہ اس کا کیونکر علم حاصل ہوتا۔ پھر متواتر کی چار قسمیں ہیں اول تواتر اسناد اور وہ یہ ہے کہ ایک حدیث کو اول اسناد سے آخر تک ایسی جماعت روایت کرے جن کا اتفاق جھوٹ پر محال ہو جیسے حدیث "من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار" اس کے متعلق حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں کہ اس کو باسٹھ صحابہ نے روایت کیا ہے بعض حضرات کا بیان ہے کہ اس کے راوی ایک سو سے زائد نفوس ہیں بلکہ امام نووی نے شرح مسلم میں اس کے دو سو رواۃ کا دعویٰ کیا ہے۔ مگر حافظ سخاوی امام نووی کا قول نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں لعلہ سبق قلم من مائۃ۔

علامہ عراقی فرماتے ہیں کہ پھر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بعینہ اس متن کو روایت کرنے والے اتنے زیادہ ہیں بلکہ مطلق کذب کے راوی مراد ہیں، بعینہ اس متن کو روایت کرنے والے تو تقریباً ستر صحابہ ہیں جن سے بعض روایتیں مقبول ہیں اور بعض مردود۔ چنانچہ اکتیس صحابہ کی روایت سے یہ متن باسناد صحیح و حسن اور تقریباً پچاس صحابہ کی روایت باسانید ضعیفہ اور تقریباً بیس صحابہ کی روایت کردہ اسناد ساقطہ مروی ہے۔

حافظ ابن الصلاح نے لکھا ہے کہ بنابر تفسیر سابق حدیث متواتر بہت ہی قلیل الوجود ہے صرف حدیث مذکور کی نسبت تواتر کا دعویٰ کیا جا سکتا ہے بلکہ بعض نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ حدیث متواتر

بالکل ہی معدوم ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ دونوں قول قلت اطلاع پر مبنی ہیں اگر کثرت اسانید اور حالات وادصاف رواۃ پر کامل اطلاع ہوتی تو ہرگز یہ نہ کہا جاتا۔

حدیث متواتر کے بکثرت موجود ہونے کی روشن دلیل یہ ہے کہ کتب احادیث جو علماء عصر میں متداول ہیں ان کا انتساب جن مصنفین کی طرف کیا جاتا ہے یہ ایک یقینی امر ہے پس اگر یہ مصنفین انہیں کتابوں میں متفق ہو کر ایک حدیث کو اتنے رواۃ سے روایت کریں جن کا جھوٹ پر اتفاق عادۃً ناممکن ہو تو بلاشک یہ حدیث متواتر ہوگی اور قائل کی طرف اس کا انتساب مفید علم یقینی ہوگا اور یہ بات ظاہر ہے کہ اس قسم کی حدیثیں کتب مشاہیر میں بکثرت موجود ہیں جیسے حدیث مسح خفین اور حدیث شفاعت وغیرہ۔

قسم دوم تواتر طبقہ ہے جیسے تواتر قرآن کہ جو روئے زمین پر شرقاً و غرباً تلاوۃً و درساً، قراءۃً وحفظاً کافۃً عن کافۃٍ اور طبقۃً عن طبقۃٍ منقول ہے۔

قسم سوم تواتر عمل، اور وہ یہ ہے کہ عہد شارع سے ہمارے زمانہ تک ہر قرن میں اس پر ایک جم غفیر اور جماعت کثیر عمل پیرا ہو جس کا جھوٹ پر متفق ہونا عادۃً محال ہو جیسے وضو میں مسواک کرنا سنت ہے اور اس کی سنیت کا اعتقاد رکھنا فرض ہے کیونکہ یہ تواتر عملی سے ثابت ہے اور اس کا انکار کرنا کفر ہے اور اس سے ناواقفیت محرومی ہے اور اس کو ترک کرنا باعث عتاب و عقاب ہے۔ اسی طرح نماز پنجگانہ اور صوم رمضان ہے۔

قسم چہارم تواتر قدر مشترک، اور وہ یہ ہے کہ رواۃ کے الفاظ تو مختلف ہوں مثلاً کوئی ایک واقعہ بیان کرے اور کوئی دوسرا اور کوئی تیسرا وعلیٰ ہذا لیکن یہ واقعات قدر مشترک پر مشتمل ہوں، جیسے ایک جماعت تو یہ کہے کہ حاتم نے ایک سو دینار دیئے دوسری کہے ایک سو اونٹ دیئے کہ یہ سب اعطاء مال میں مشترک ہیں جو حاتم کی سخاوت کی دلیل ہے اور بطریق تواتر معنوی ثابت ہے۔

خبر واحد اور اس کی حجیت

خبر واحد لغۃً اسے کہتے ہیں جس کو ایک ہی شخص روایت کرے لیکن اصول حدیث کی اصطلاح کے لحاظ سے ہر اس خبر کو جو متواتر نہ ہو خبر واحد کہا جاتا ہے پس خبر واحد کے لفظ سے اس کا جو مفہوم واقع میں پیدا ہوتا ہے اسی میں خبر واحد کا انحصار نہ سمجھنا چاہیئے بلکہ اگر کسی ایک طبقہ میں بھی تواتر کی شرائط فوت ہو جائیں تو اس کو خبر واحد ہی کہا جائے گا خواہ وہ کتنے ہی افراد سے مروی ہو۔

اب خبر واحد واجب العمل ہے یا متروک العمل؟ سو عامۂ فقہاء مسلمین کے نزدیک خبر واحد واجب العمل ہے جس کا ثبوت نقلاً اور عقلاً ہر دو اعتبار سے موجود ہے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

عہ [illegible] ... تیسیر الاصول [illegible] ... شرح نخبۃ الفکر [illegible]

وَجَاءَ رَجُلٌ مِّنْ أَقْصَا الْمَدِينَةِ يَسْعٰى قَالَ يٰمُوسٰى إِنَّ الْمَلَأَ يَأْتَمِرُونَ بِكَ لِيَقْتُلُوكَ فَاخْرُجْ إِنِّي لَكَ مِنَ النّٰصِحِينَ ۝ فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِينَ ۝

ایک شخص شہر کے پرلے سرے سے دوڑتا ہوا آیا اور بولا: موسیٰ! دربار والے مشورہ کرتے ہیں تجھ پر کہ تجھکو مار ڈالیں سو نکل جا میں تیرا بھلا چاہنے والا ہوں۔ پھر نکلا وہاں سے ڈرتا ہوا راہ دیکھتا بولا اے رب بچا لے مجھ کو اس قوم بے انصاف سے۔

یعنی ایک نیک طینت شخص نے حضرت موسیٰ کو بطور خیر خواہی واقعہ کی اطلاع کر کے مشورہ دیا کہ آپ فوراً شہر سے نکل جائیں چنانچہ آپ اس شخص کی خبر پر عمل کرتے ہوئے مصر سے نکل کھڑے ہوئے، اگر خبر واحد مفید علم اور واجب العمل نہ ہوتی تو آپ اس کے موجب پر عمل نہ کرتے۔

وراثت جدہ کے سلسلہ میں حضرت ابوبکر صدیق کا مغیرہ بن شعبہ اور محمد بن مسلمہ کی خبر پر، مجوسیوں سے جزیہ لینے اور امراض طاعون کے متعلق عمر فاروق کا عبدالرحمن بن عوف کی خبر پر، اور قتل جنین کے متعلق ایک غرہ کی بابت حمل بن مالک کی خبر پر، اور شوہر کی دیت میں توریث زوجہ کے متعلق ضحاک بن سفیان کی خبر پر، اور دیت اصابع کے مسئلہ میں عمرو بن حزم کی خبر پر، اور مسح خفین کے بارے میں سعد بن ابی وقاص کی خبر پر، معتدۃ الوفاۃ کی اقامت فی البیت کے سلسلہ میں حضرت عثمان غنی کا فریعہ بنت مالک بن سنان کی خبر پر عمل کرنا اس بات کا بین ثبوت ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نزدیک خبر واحد کا واجب العمل ہونا مجمع علیہ تھا۔

امام شافعی نے اس موضوع پر اپنے رسالہ میں مستقل ایک مقالہ لکھا ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی کے واقعات سے خبر واحد کی حجیت ثابت کی ہے۔ ہم یہاں اس کا مختصر خلاصہ درج کرتے ہیں۔

(۱) تحویل قبلہ سے پہلے اہل قبا کا قبلہ بھی بیت المقدس تھا لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد صبح کی نماز میں تحویل قبلہ کی خبر لے کر ان کے پاس پہنچا تو سب نے نماز کے اندر ہی اپنا رخ بیت اللہ کی طرف بدل دیا۔ اس سے صاف طور پر نتیجہ نکلتا ہے کہ ان کے نزدیک دینی مسائل میں خبر واحد حجت تھی اور اگر بالفرض ان کا یہ اقدام غلط ہوتا تو یقیناً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو تنبیہ فرماتے مگر یہاں اعتراض تو درکنار اپنی جانب سے فرد واحد کا بھیجنا اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ خود صاحب نبوت کے نزدیک بھی دین کے بارے میں ایک ثقہ اور صادق شخص کا قول کافی ہے۔

(۲) حضرت انس فرماتے ہیں کہ میں ابو عبیدہ، ابو طلحہ اور ابی بن کعب کو شراب پلا رہا تھا کہ ایک شخص آیا اور اس نے خبر دی کہ شراب حرام ہو گئی ہے۔ یہ سنکر فوراً ابو طلحہ نے کہا، انس! اٹھو اور شراب کے یہ مٹکے توڑ ڈالو۔ پس (انس) اٹھا اور شراب کے برتن توڑ ڈالے

ظاہر ہے کہ شراب پہلے شرعاً حلال ہی تھی لیکن یہاں صرف ایک شخص کے بیان پر اس کی حرمت کا

یقین کر لیا گیا اور کسی نے اتنا تامل بھی نہ کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بالمشافہ جا کر پوچھ آتا اور نہ کسی نے یہ اعتراض کیا کہ قبل از تحقیق یہ اضاعت مال اور اسراف بیجا کیوں کیا گیا۔

(۳) خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زنا کے ایک مقدمہ میں زانی کے اقرار پر اس کو کوڑے لگانے کا حکم دیا اور جس عورت کے متعلق اس شخص نے زنا کرنے کا اقرار کیا تھا اس کے پاس حضرت انیس کو بھیجا اور فرمایا کہ اس سے دریافت کرو کہ اگر وہ بھی اقرار کرے تو اس کو رجم کردو ورنہ اس شخص کو حد قذف اور لگاؤ کیونکہ اس نے بلا ثبوت شرعی ایک عورت پر زنا کی تہمت کیسے رکھی۔ انیس پہنچے، اس عورت نے زنا کا اقرار کیا اور وہ بھی رجم کر دی گئی۔

(۴) عمرو بن سلیم زرقی اپنی والدہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم منیٰ میں مقیم تھے کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت علی اونٹنی پر سوار چیخ چیخ کر یہ کہتے چلے آرہے ہیں کہ یہ کھانے پینے کے دن ہیں کوئی شخص انہیں روزہ نہ رکھے۔

(۵) یزید بن شیبان کہتے ہیں کہ ہم مقام عرفات میں تھے اتفاقاً ہمارا مقام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قیام گاہ سے دور تھا اسی درمیان میں ہمارے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد یہ پیغام لیکر پہنچا کہ ہم جہاں ٹھہرے ہوئے ہیں اپنی اسی جگہ پر رہیں منتقل ہونے کی ضرورت نہیں۔ میدان عرفات میں جہاں بھی قیام ہو جائے فریضۂ وقوف ادا ہو جاتا ہے۔

(۶) ہجرت کے نویں سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر کو حج کا امیر بنا کر بھیجا تاکہ فریضہ حج کو انجام دیں اور ان کے بعد حضرت علی کو روانہ کیا کہ وہ کفار مکہ کو سورۂ برأت کی آیات سنا کر ہوشیار کر دیں کہ انھوں نے خود بدعہدی کی ہے اب خدا کا بھی ان سے کوئی معاہدہ باقی نہیں رہا۔

ان سب واقعات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ایک شخص کو اپنی جانب سے بھیجنا اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ دین میں ایک ثقہ اور صادق شخص کی خبر حجت گردانی گئی ہے۔

(۷) اس کے علاوہ آپ نے جہاں جہاں عامل اور قاصد بھیجے ان میں عدد کا کوئی لحاظ نہیں کیا قیس بن عاصم، زبرقان بن بدر، اور ابن زبیر وغیرہ کو اپنے اپنے قبائل کی طرف روانہ کیا۔ وفد بحرین کے ساتھ سعید بن العاص کو بھیجا اور معاذ بن جبل کو یمن کے بالمقابل بھیجا اور جنگ کے بعد ان کو شریعت کی تعلیم دینے کا حکم دیا لیکن کہیں منقول نہیں کہ آپ کے عاملین کے ساتھ کسی نے یہ مناقشہ کیا ہو کہ چونکہ یہ ایک ہی فرد ہے اس لئے اس کو صدقات وعشر نہیں دئے جائیں گے۔

(۸) اسی طرح آپ نے دعوت اسلام کے لئے مختلف بلاد میں بارہ قاصد روانہ فرمائے اور صرف اس بات کی رعایت کی کہ ہر سمت میں ایسا شخص بھیجا جائے جو اس نواح میں متعارف ہو تاکہ اس کے جھوٹے ہونے کا شبہ نہ رہے۔ نیز آپ کے حاکموں اور قاضیوں کے پاس جب بھی آپ کے خطوط پہنچے تو ہمیشہ انھوں نے فوراً ان کو نافذ کیا اور خواہ مخواہ کے شبہات کو کوئی راہ نہیں دی۔ آپ کے بعد آپ کے خلفاء و عمال کا بھی یہی دستور رہا۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ خبر واحد کی حجیت کے لئے چند احادیث بطور مشتے نمونہ از خروارے [illegible]

یہ وہ عقیدہ ہے جس پر ہم نے ان لوگوں کو پایا ہے جن کو ہم نے دیکھا اور یہی عقیدہ انھوں نے اپنے پہلوں کا ہم سے بیان کیا ہے۔

(۲) ہم نے تو مدینہ میں ہمیشہ یہی دیکھا ہے کہ سعید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ابوسعید خدری کی ایک حدیث نقل کر دیتے ہیں اور اس سے دین کی ایک سنت ثابت ہو جاتی ہے۔ ابوہریرہ ایک روایت کرتے ہیں۔ اس سے ایک سنت ثابت ہو جاتی ہے اسی طرح ایک ایک صحابی کے بیان پر دین کے مسائل اور سنتیں ثابت ہوتی چلی جاتی تھیں۔ خبر واحد اور متواتر ہونے کا کوئی سوال وہاں نہیں کیا جاتا تھا۔

آخر میں امام شافعی لکھتے ہیں کہ میں نے مدینہ، مکہ، یمن، شام اور کوفہ کے حضرات ذیل کو دیکھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی سے روایت کرتے تھے اور صرف ایک ایک صحابی کی حدیث سے ایک سنت ثابت ہو جاتی تھی۔ اہل مدینہ کے چند نام یہ ہیں:

محمد بن جبیر، نافع بن جبیر، یزید بن طلحہ، محمد بن طلحہ، نافع بن عجیر، ابو سلمہ بن عبد الرحمن، حمید بن عبد الرحمن، خارجہ بن زید، عبد الرحمن بن کعب، عبد اللہ بن ابی قتادہ، سلیمان بن یسار، عطاء بن یسار وغیرہ

اہل مکہ کے چند اسماء یہ ہیں۔ عطاء، طاؤس، مجاہد، ابن ابی ملیکہ، عکرمہ بن خالد، عبید اللہ بن ابی یزید، عبد اللہ بن باباہ، ابن ابی عمار، محمد بن المنکدر۔

اسی طرح یمن میں وہب بن منبہ اور شام میں مکحول اور بصرہ میں عبد الرحمن بن غنم، حسن اور محمد بن سیرین۔ کوفہ میں اسود، علقمہ اور شعبی غرض تمام بلاد اسلامیہ اسی عقیدہ پر تھے کہ خبر واحد حجت ہے

شیخ فخر الاسلام فرماتے ہیں کہ عقلی وجہ یہ ہے کہ خبر کے اندر حجیت صفت صدق کی وجہ سے آتی ہے اور خبر میں گو صدق و کذب ہر دو کا احتمال ہوتا ہے لیکن راوی کی عدالت اور اس کی اہلیت اخبار کی وجہ سے جانب صدق اور اس کے فسق کی وجہ سے جانب کذب راجح ہو جاتی ہے پس راوی کے عادل ہونے کی صورت میں جانب صدق کے رجحان پر عمل ضروری ہوگا اور وہ خبر عمل کے لئے حجت ہوگی۔

خبر واحد کی حجیت کے برخلاف منکرین حدیث کے پاس استدلال یہ ہے کہ وہ مفید ظن ہوتی ہے اور دین کی بنا ظنیات پر قائم نہیں کی جا سکتی لان الظن لا یغنی من الحق شیئا۔ اس لئے ہم یہاں ظن کے مفہوم سے متعلق تحقیق کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ کلام صحابہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ظن کا استعمال اردو میں ٹھیک ٹھیک اٹکل کے موقع پر کیا کرتے تھے اور جو خیال واقعہ کی تحقیق کے بغیر محض اپنی جانب سے گھڑ لیا جائے اس کو ان کے نزدیک ظن کہا جاتا تھا اور اسی ظن کو رائے بھی کہا جاتا ہے۔ اسی معنی کے لحاظ سے قرآن میں رائے زنی کی ممانعت ہے۔ یعنی محض اپنی عقل سے کسی شرعی بنیاد کے بغیر کوئی بات کہہ دینا۔

حضرت ابوبکر صدیق فرماتے ہیں کہ میں کس زمین کے اوپر اور کس آسمان کے نیچے رہ سکتا ہوں، اگر قرآن کی کسی آیت میں صرف اپنی رائے سے کوئی بات کہوں یا ایسی بات کہوں جس کا مجھے علم نہیں ہے۔ قرآنی آیات ان بعض الظن اثم۔ ان تتبعون الا الظن، ان یتبعون الا الظن، ذالکم ظنکم الذی ظننتم بربکم، یظنون باللہ غیر الحق ظن الجاہلیۃ، ما لہم بہ من علم الا اتباع الظن۔ میں ظن ان خیالات ہی کو کہا گیا ہے جو خود اپنے دماغ سے تراش لئے جائیں اور انہیں ظنون کی مذمت کی گئی ہے۔

امام بخاری نے کتاب الفرائض میں عقبہ بن عامر کے قول کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے۔ انظا ذین ...

الذین یتکلمون بالظن "۔ یعنی وہ لوگ ہیں جو صرف اپنے تخمینہ سے باتیں بتاتے ہیں۔ مہلب ابالکم والظن کی شرح فرماتے ہیں "وہو الذی لا یستند الی اصل" یعنی ظن ممنوع وہ ہے جو کسی دلیل پر مبنی نہ ہو محض اپنی جانب سے ایک اٹکل ہو۔ امام راغب اصفہانی فرماتے ہیں۔

والظن اسم لما یحصل عن امارۃ ومتی قویت ادت الی العلم ومتی ضعفت جدا لم یتجاوز حد الوہم۔	ظن اس خیال کو کہتے ہیں جو علامات دیکھ کر دماغ میں پیدا ہوا ب اگر قوی ہوگیا تو علم بنجاتا ہے اور بہت کمزور ہوگیا تو وہم کے مرتبہ میں رہ جاتا ہے۔

بہر کیف کلام سلف اور قرآنی محاورات میں جہاں ظن کا اطلاق بے تحقیق بات پر کیا گیا ہے اور آیات مذکورہ میں ان ظنی احکام کے خلاف جو ظنی احادیث سے ثابت ہوں کوئی ادنیٰ اشارہ بھی نہیں ہے بلکہ یہ وہ ظنون ہیں جو حق کے صریح خلاف محض اپنی دماغی ایجاد اور خواہش نفس کی بنا پر پیدا کرلیے گئے ہوں جو ظن دلائل شرعیہ کی روشنی میں پیدا ہوا اور جو ما سے کتاب اللہ و سنت رسول کے ماتحت ہو وہ کبھی قابل مذمت نہیں ہوسکتے۔

وقد ذکرہ الامام فخر الاسلام حیث قال "فصار المتواتر یوجب علم الیقین والمشہور علم الطمانیۃ وخبر الواحد علم غالب الرای والمستنکر دالاصولی، یفید الظن ای التوہم، وان الظن لا یغنی من الحق شیئا"۔

حدیث مرسل

لفظ مرسل اصل میں ارسال بمعنی اطلاق وعدم تقیید سے ہے یقال ارسلت الطائر۔ میں نے پرندہ کو چھوڑ دیا۔ ارسلت الکلام: میں نے بلاقید کلام کیا۔ پس لفظ مرسل محدثین کے قول ارسل الحدیث۔ ارسال سے اسم مفعول ہے۔

محدثین کی اصطلاح میں حدیث مرسل اس کو کہتے ہیں جس کی سند کے آخر میں راوی ساقط ہو اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی تابعی (کم عمر والا ہو جیسے امام زہری، ابوحازم، یحییٰ بن سعید انصاری وغیرہ، یا زائد عمر والا ہو جیسے عبید اللہ بن عدی بن الخیار، قیس بن ابی حازم، سعید بن المسیب وغیرہ) یوں کہے قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کذا، وفعل کذا، او فعل بحضرتہ کذا۔

چونکہ حدیث مرسل میں محذوف راوی مجہول الحال ہوتا ہے اس لئے اسکو اقسام مردود میں ذکر کرتے ہیں کیونکہ ممکن ہے محذوف راوی صحابی ہو یا تابعی، تابعی ہونے کی صورت میں احتمال ہے کہ ثقہ ہو یا ضعیف، نیز ثقہ ہونے کی صورت میں احتمال ہے کہ اس نے کسی صحابی سے روایت کیا ہو یا تابعی سے۔ پھر اس تابعی میں بھی احتمال ہے کہ وہ ثقہ ہو یا ضعیف علی ہذا القیاس یہ سلسلہ بڑھتا جائے گا یہاں تک کہ یہ سلسلہ عقلاً غیر متناہی ہوسکتا ہے کیونکہ بلحاظ تتبع ایک تابعی کا دوسرے تابعی سے روایت کرنے کا سلسلہ غالباً چھ یا سات تک ہی ہوتا ہے بعض حضرات کے نزدیک حدیث مرسل وہ ہے جس کو کبیر السن تابعی مرفوعاً روایت کرے اس قول کے مطابق صغیر السن تابعی کی مرفوع روایت کو منقطع کہیں گے نہ کہ مرسل بعض حضرات نے کہا ہے کہ حدیث مرسل وہ ہے جس کی اسناد میں کوئی راوی ساقط ہو ایک ہو یا زائد آخر میں ہو یا درمیان میں۔ اس قول پر مرسل اور منقطع دونوں کے ایک ہی معنی ہوں گے۔

اب حدیث مرسل قابل احتجاج ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں علماء کا شدید اختلاف ہے۔ حافظ سیوطی نے اس کی بابت دس اقوال نقل کئے ہیں۔ پہلے اجمالی طور پر ان کو سن لیجئے اس کے بعد ہم اس مسئلہ کی تشریح کریں گے۔

۱ علی الاطلاق حجت ہے ۲ علی الاطلاق نا قابل احتجاج ہے ۳ قرون ثلثہ کے مرسلات قابل حجت ہیں ۴ حجت ہے بشرطیکہ راوی عادل سے روایت کرتا ہو ۵ صرف سعید بن المسیب کا ارسال حجت ہے ۶ اگر دیگر قرائن سے تقویت حاصل ہو جائے تو حجت ہے ۷ اگر اس باب میں مرسل کے علاوہ اور کوئی حدیث نہ ہو تو قابل احتجاج ہے ۸ حدیث مرسل حدیث مسند سے بھی اقوی ہے۔ ۹ قابل احتجاج ہے مگر بطریق ندب نہ کہ بطریق وجوب ۱۰ صحابی کی مرسل حدیث حجت ہے نہ کہ غیر صحابی کی

اس اجمال کی تشریح یوں سمجھنی چاہئے کہ ارسال صحابی سے ہوگا یا غیر صحابی سے۔ اگر صحابی سے ہو تو مراسیل صحابہ کے بارے میں تقریباً تمام علماء متفق ہیں کہ وہ حجت ہیں۔ چنانچہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ مراسیل سے حجت صحیح نہیں مگر صحابۂ کرام اور سعید بن المسیب کے مراسیل حجت ہیں (مقدمہ فتح الملہم عن الوجیزۃ لابن برہان)، حافظ بیہقی نے کتاب القرأۃ میں، امام نووی نے شرح مسلم اور شرح مہذب میں، علامہ سیوطی نے تدریب الراوی میں، قاضی شوکانی نے نیل الاوطار میں اور نواب صدیق حسن خاں نے دلیل الطالب میں یہی ذکر کیا ہے کہ صحابہ کرام کے مراسیل حجت ہیں بلکہ امام نووی، صاحب توضیح اور علامہ شبیر احمد صاحب نے تصریح کی ہے کہ جمہور کا یہی مذہب ہے۔ توضیح کی عبارت ملاحظہ ہو: "مرسل الصحابی مقبول بالاجماع ویحمل علی السماع" صحابی کا مرسل بالاجماع مقبول ہے اور سماع پر محمول ہے

رہے مراسیل غیر صحابہ سوامام سیوطی، علامہ قاسم بن قطلوبغا، محدث جزائری اور مولانا عثمانی نقل کرتے ہیں

قال ابن جریر اجمع التابعون باسرہم علی قبول المرسل ولم یات عنہم انکارہ ولا عن احد من الائمۃ بعدہم الی راس المائتین قال ابن عبدالبر کانہ یعنی الشافعی اول من ردہ (تدریب، سنیۃ الالمعی، توجیہ النظر، مقدمہ فتح الملہم

ابن جریر کہتے ہیں کہ تمام تابعین اس پر متفق تھے کہ مرسل مقبول ہے تابعین سے لیکر دوسری صدی کے آخر تک کسی نے بھی اس کا انکار نہیں کیا ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ گویا امام شافعی ہی وہ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے مرسل کو رد کیا ہے۔

اس عبارت سے یہ بات واضح ہوگئی کہ دوسری صدی کے آخر تک تابعین اور ائمہ دین میں سے کوئی بھی مرسل حدیث سے احتجاج کا منکر نہ تھا اب امام شافعی کے علاوہ دیگر ائمہ کے اسماء کی تصریح بھی سن لیجئے۔ نواب صدیق حسن خاں اور علامہ جزائری لکھتے ہیں۔

۱ ونقل العلامۃ العثمانی انہ قد استنقد بعضہم قول من قال ان الشافعی اول من ترک الاحتجاج بالمرسل فقد نقل ترک الاحتجاج عن سعید بن المسیب وہو من کبار التابعین ولم ینفرد ہو بذلک بل قال بہ من بینہم ابن سیرین والزہری وقد ترک الاحتجاج بالمرسل ابن مہدی ویحیی القطان وغیرہما ممن قبل الشافعی والظاہر ان نسبتہ الی الشافعی فی امر المرسل ہو زیادۃ البحث عنہ والتحقیق فیہ ۱۲ مقدمہ فتح الملہم۔

واما المراسیل فقد کان یحتج بہا العلماء فیما مضی مثل سفیان الثوری ومالک والاوزاعی حتیٰ جاء الشافعی فتکلم فیہ (الحطہ، توجیہ النظر)

گذشتہ زمانہ میں علماء مراسیل سے احتجاج کرتے تھے مثلاً سفیان ثوری، امام مالکؒ اوزاعی جب امام شافعی آئے تو انھوں نے اسکی حجیت میں کلام کیا۔

امام نووی پہلے ان حضرات کا ذکر کرتے ہیں جو مرسل کو قابل استدلال نہیں مانتے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں۔

ومذہب مالک وابی حنیفۃ واحمد واکثر الفقہاء انہ یحتج بہ ومذہب الشافعی انہ اذا انضم الی المرسل ما یعضدہ احتج بہ وذلک بان یروی مسندا او مرسلا من جہۃ اخری او یعمل بہ بعض الصحابۃ او اکثر العلماء (مقدمہ شرح مسلم)

امام مالکؒ امام ابوحنیفہؒ امام احمد اور اکثر فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ مرسل قابل احتجاج ہے اور امام شافعی کا مذہب ہے کہ اگر مرسل کے ساتھ کوئی تقویت کی چیز مل جائے تو وہ حجت ہو گا مثلاً یہ کہ وہ مسنداً بھی مروی ہو یا وہ دوسری طریق سے مرسل مروی ہو یا بعض صحابہ یا اکثر علماء نے اس پر عمل کیا ہو۔

امام شافعی نے یہ بحث "الرسالۃ فی اصول الفقہ" میں کی ہے معلوم ہوا کہ مرسل معتضد کے حجت ہونے کے وہ بھی قائل ہیں گو اس کے لئے ان کے یہاں چند شرطیں ہیں۔

بہرکیف امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمد، اوزاعی، سفیان ثوری اور دوسری صدی کے آخر تک ساری امت مراسیل کو علی الاطلاق حجت مانتی ہے۔ کبار تابعین کے ہوں یا صغار تابعین کے، طبقہ اولیٰ کے ہوں یا دوسرے تیسرے چوتھے طبقہ کے۔ بلکہ خاص طور پر کبار تابعین کے مراسیل تو امام شافعی اور امام بیہقی کے نزدیک بھی صحابہ کرام کے مراسیل کی طرح حجت ہیں۔ مرسل کو علی الاطلاق رد کردینے کی بدعت، دوسری صدی کے آخر میں ایجاد ہوئی ہے جیسا کہ علامہ باجی نے اپنے اصول میں ابن عبد البر نے التمہید میں اور ابن رجب نے شرح علل ترمذی میں ذکر کیا ہے۔

حدیث مدلس مدلس تدلیس سے اسم مفعول ہے جس کا مادہ دَلَس ہے لغۃً فریب اور دھوکے کو کہتے ہیں۔ یقال دَلَّس۔ البائع فروخت کنندہ نے سامان کے عیب کو چھپایا۔ اصطلاح میں مدلس اس اسناد کو کہتے ہیں جس میں راوی کا سقوط اتنا پوشیدہ ہو کہ جو لوگ اسانید و علل سے خوب واقف ہوں وہی سمجھ سکیں۔ چونکہ محدث اس قسم کی حدیث روایت کرنے میں اپنے شیخ کا نام نہیں لیتا بلکہ اس سے اوپر کے راوی کا نام ذکر کرتا ہے اور لہجہ ایسا اختیار کرتا ہے جو محتمل سماع ہو اس لئے اس کو مدلس کہتے ہیں۔

حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ حدیث مدلس اور مرسل خفی میں فرق یہ ہے کہ تدلیس میں مدلس راوی کی اپنے مروی عنہ سے ملاقات ہوتی ہے بخلاف مرسل خفی کے کہ صاحب ارسال گو اپنے مروی عنہ کا معاصر ہوتا ہے مگر اس سے مرسِل کی ملاقات معروف نہیں ہوتی۔ جن لوگوں نے تدلیس میں بھی صرف معاصرت کو کافی سمجھا ہے انھوں نے ان دونوں میں مساوات ثابت کی ہے حالانکہ ان دونوں میں مغایرت ہے جس کی دلیل محدثین کا اتفاق ہے کہ ابوعثمان نہدی، قیس بن ابی حازم وغیرہ مخضرمین

جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں یہ تدلیس نہیں بلکہ ارسال خفی ہے اگر تدلیس کا مدار صرف معاصرت پر ہوتا تو یہ لوگ مدلس ثابت ہوتے کیونکہ یہ لوگ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے معاصر تو تھے مگر آپ کی ان سے ملاقات ہے یا نہیں؟ یہ غیر معلوم ہے۔ مگر اس میں ملا علی قاری کا مناقشہ ہے وہ فرماتے ہیں کہ مخضرمین کا ارسال جو تدلیس شمار نہیں ہوتا اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ارسال جلی ہے نہ کہ ارسال خفی کیونکہ مخضرم وہ ہے جس کا عدم لقاء معروف ہو لا من لم یعرف انہ لقیہ و بینہما فرق۔

تدلیس کی تین قسمیں ہیں۔ تدلیس اسناد۔ تدلیس شیوخ۔ تدلیس تسویہ۔ تدلیس اسناد یہ ہے کہ اپنے مروی عنہ شیخ کا نام ساقط کرکے اوپر والے کی طرف ایسے لفظ کے ساتھ سند کرے جو مقتضی اتصال تو نہ ہو لیکن موہم اتصال ضرور ہو جیسے عن فلان، ان فلانا، قال فلان وغیرہ۔

تدلیس شیوخ یہ ہے کہ جس شیخ سے حدیث سنی ہے اس سے روایت کرتے وقت شیخ کا کوئی ایسا نام یا کنیت یا نسبت یا وصف ذکر کرے جس کے ساتھ وہ مشہور نہ ہو۔ شیخ فخر الاسلام نے اس کو تلبیس سے تعبیر کیا ہے۔ اس کی مثال ائمۃ القراء ابو بکر بن ابی مجاہد کا قول ہے۔ حدثنا عبد اللہ بن ابی عبد اللہ کہ اس میں عبد اللہ بن ابی داؤد سجستانی مراد ہیں۔

تدلیس تسویہ یہ ہے کہ وہ ثقہ راویوں کے درمیان سے ضعیف راویوں کو ساقط کردے جس سے یہ معلوم ہو کہ پوری سند ثقات سے ہے۔ ابن القطان نے اس کو صرف تسویہ کے نام سے موسوم کیا ہے۔ متقدمین اس کو تجوید سے تعبیر کرتے ہیں، فیقولون جوّدہ فلان ای ذکر من فیہ من الجیاد و ترک غیرہم۔

اب مدلسین کی روایت مقبول ہے یا مردود؟ سو اکثر علماء نے تدلیس کی مذمت کی ہے حافظ شعبہ فرماتے ہیں التدلیس اخو الکذب۔ امام وکیع فرماتے ہیں کہ جب کپڑے میں تدلیس حلال نہیں تو اب حدیث میں کب حلال ہوسکتی ہے۔

بعض حضرات نے کہا ہے کہ مدلس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد من غشنا فلیس منا میں داخل ہے لیکن تحقیق یہ ہے کہ اس میں تفصیل ہے اور وہ یہ کہ اگر مدلس محتمل لفظ کے ساتھ روایت کرے اور اس میں سماع و اتصال کو بیان نہ کرے تو اس کا حکم مرسل جیسا ہے فیقبل من یقبل المرسل و یردہ من یردہ۔ اور اگر کسی لفظ کے ذریعہ سے اتصال کو بیان کردے جیسے یوں کہے

عہ تدلیس بہذا المعنی الاصطلاحی مراد ما قال الترمذی فی حدیث ان الماء طہور لا ینجسہ شیء جوّد ابو اسامۃ ہذا الحدیث فان سماعا الی باسناد جید ملخصا ۱۲

سمعت، حدثنا، اخبرنا وغیرہ تو اس کی روایت مقبول اور قابل احتجاج ہے بجز فطر بن خلیفہ جیسے رواۃ کے کہ اس جیسوں کی صرف سمعت والی روایت ہی مقبول ہوگی۔

صحیحین وغیرہ معتبر کتابوں میں مدلسین رواۃ کی بہت سی احادیث موجود ہیں جن میں تحدیث کی تصریح موجود ہے محدثین کا اتفاق ہے کہ صحیحین میں مدلس راوی کی تدلیس کسی طرح بھی مضر نہیں امام نووی نے شرح مسلم میں، علامہ قسطلانی نے شرح بخاری میں، حافظ سخاوی نے فتح المغیث میں، امام سیوطی نے تدریب الراوی میں، محدث عبدالقادر قرشی نے الجواہر المضیہ میں اور نواب صدیق حسن خاں نے ہدایۃ السائل میں اس کو پوری وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ امام نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں۔ وما فی الصحیحین من المدلسین محمول علی السماع من جهة اخری۔ کہ بخاری و مسلم میں جو تدلیس واقع ہو وہ دوسرے دلائل سے سماع پر محمول ہے۔ بلکہ امام حاکم معرفۃ علوم الحدیث میں لکھتے ہیں کہ مدلسین کا ایک گروہ وہ ہے جن کی تدلیس کسی کتاب میں بھی مضر نہیں اور وہ لوگ ہیں جو اپنے جیسے یا اپنے سے بڑھ کر یا اپنے سے کچھ کم ثقہ راویوں سے روایت کرتے ہیں ان کی جملہ روایتیں مقبول ہیں اور یہ طبقہ اولیٰ کے مدلس ہیں۔ ایسے مدلسین میں ابوسفیان طلحہ بن نافع اور قتادہ بن دعامہ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

علامہ جزائری حافظ ابن حزم سے محدثین کا ضابطہ بیان کرتے ہوئے ان مدلسین کو شمار کراتے ہیں جن کی روایتیں تدلیس کے باوجود صحیح ہیں اور ان کی تدلیس سے صحت حدیث پر کوئی اثر نہیں پڑتا چنانچہ لکھتے ہیں۔

منهم كان جلة اصحاب الحديث وائمة المسلمين كالحسن البصري وابي اسحاق السبيعي وقتادة بن دعامة وعمرو بن دينار وسليمان الاعمش وابي الزبير وسفيان الثوري وسفيان بن عيينة۔ (توجیہ النظر)

ان مدلسین میں جلیل القدر محدث اور مسلمانوں کے امام شامل ہیں جیسے حسن بصری، ابو اسحاق سبیعی، قتادہ بن دعامہ، عمرو بن دینار، سلیمان اعمش، ابوالزبیر، سفیان ثوری اور سفیان بن عیینہ۔

پھر علامہ سخاوی نے مدلسین کے پانچ مرتبے ذکر کئے ہیں ۱۔ وہ حضرات جو تدلیس کیا تو بہت ہی کم متصف ہیں جیسے شیخ قطان اور یزید بن ہارون وغیرہ ۲۔ وہ حضرات جن کی مرویات کی نسبت مدلسات بہت کم ہیں جیسے سفیان ثوری اور سفیان بن عیینہ وغیرہ ۳۔ وہ حضرات جن کے مدلسات بکثرت ہیں ثقات سے ہوں یا غیر ثقات سے ۴۔ وہ لوگ جن کے مدلسات ضعفاء اور مجاہیل سے کثیر ہیں ۵۔ وہ لوگ جن کے ساتھ کسی اور امر سے بھی ضعف منضم ہو۔

زیادۃ ثقہ حدیث صحیح یا حدیث حسن میں اگر کوئی ثقہ راوی کسی امر زائد کو روایت کرے تو اس کی زیادتی مقبول ہوگی یا غیر مقبول؟ بعض حضرات نے علی الاطلاق اس کی نفی کی ہے یعنی وہ زیادتی مقبول نہ ہوگی خواہ منافی ہو یا غیر منافی۔ اور فقہاء و محدثین کی ایک جماعت کا مشہور قول یہ ہے کہ علی الاطلاق مقبول ہوگی۔ چنانچہ امام نووی تقریب میں لکھتے ہیں۔ ومذهب الجمهور من الفقهاء والمحدثين قبولها مطلقا۔ کہ جمہور

فقہاء و محدثین کا مذہب یہ ہے کہ زیادت ثقہ مطلقاً مقبول ہے۔ خطیب بغدادی مختلف اقوال و آراء نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

والذی نختارہ من ہذہ الاقوال ان الزیادۃ الواردۃ مقبولۃ علی کل الوجوہ ومعمول بہا اذا کان راویہا عدلاً حافظاً ومتقناً ضابطاً (کفایہ)

ان اقوال میں سے ہم اسکو اختیار کرتے ہیں کہ زیادت بہر صورت مقبول اور قابل عمل ہے جبکہ اسکا راوی عادل، حافظ، متقن اور ضابط ہو۔

علامہ قسطلانی شرح بخاری میں فرماتے ہیں کہ صحیح مسلک یہ ہے کہ ثقات کی زیادتی مطلقاً قابل قبول ہے۔ امام حاکم مستدرک میں کہتے ہیں کہ فقہاء اسلام کا اس بات پر کلی اتفاق ہے کہ متون اور اسانید میں ثقات کی زیادتی مقبول ہوگی۔ حافظ ابن خزیمہ کا بیان ہے کہ حافظ و متقن اور مشہور راوی کی زیادتی کا انکار ہرگز نہیں کیا جاسکتا بلکہ اس کی زیادتی بہرحال قابل قبول ہوگی۔
نواب صدیق حسن خاں ہدایۃ السائل میں لکھتے ہیں کہ "وتیز زیادہ ثقہ مقبول است مطلقاً نزد جماہیر از اہل حدیث و فقہ و اصول"۔
بہرکیف بعض محدثین نے تو اس کو مطلقاً غیر مقبول کہا ہے اور محدثین کرام و فقہاء عظام اور ارباب اصول کی ایک جماعت نے علی الاطلاق مقبول مانا ہے لیکن بعض حضرات نے اس میں کچھ تفصیل ذکر کی ہے۔ چنانچہ حافظ ابن الصلاح نے اس کی تین قسمیں کی ہیں ایک وہ زیادتی جو باقی تمام ثقہ رواۃ کے خلاف ہو اس کا حکم یہ ہے کہ یہ مردود ہے دوسرے وہ زیادتی جو دیگر ثقات کے بالکل خلاف نہ ہو یہ علی الاطلاق مقبول ہے۔ تیسرے وہ زیادتی جو بین بین ہو یعنی حدیث میں کسی لفظ کی ایسی زیادتی ہو جس کو باقی رواۃ ذکر نہیں کرتے جیسے حدیث "جعلت لی الارض مسجداً و طہوراً" کہ اس میں "وجعلت تربتہا طہوراً" کی زیادتی میں ابو مالک اشجعی متفرد ہے۔ حافظ ابن الصلاح نے اس قسم کا حکم بیان نہیں کیا مگر علامہ نووی فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ یہ قسم بھی مقبول ہے۔ حافظ ابن حجر نے جو اس مسئلہ کی تفصیل کی ہے وہ یہ ہے۔

لان الزیادۃ اما ان تکون لاتنافی بینہا و بین روایۃ من لم یذکرہا فہذہ تقبل مطلقاً لانہا فی حکم الحدیث المستقل الذی یتفرد بہ الثقۃ ولا یرویہ عن شیخہ غیرہ واما ان تکون منافیۃ بحیث یلزم من قبولہا رد الروایۃ الاخری فہذہ ہی التی یقع الترجیح بینہا و بین معارضہا فیقبل الراجح و یرد المرجوح اھ۔ (شرح نخبۃ الفکر)

کیونکہ زیادت یا تو ایسی ہوگی کہ اس میں اور دیگر راویوں کی روایت میں جنہوں نے اسکو ذکر نہیں کیا منافاۃ نہ ہوگی تو یہ مطلقاً مقبول ہے کیونکہ یہ مستقل حدیث کے حکم میں ہے جس کو ثقہ اپنے شیخ سے بانفرادہ روایت کرتا ہے، اور یا منافی ہوگی اس حیثیت کہ اسکو قبول کرنے سے دوسری روایت کا رد لازم آتا ہو تو اس میں اور اسکے معارض میں ترجیح کا مسئلہ ہوگا پس راجح کو قبول اور مرجوح کو رد کیا جائے گا۔

علامہ جزائری نے بھی توجیہ النظر میں بالکل اسی طرح کی تفصیل قلم بند کی ہے۔ علامہ سیوطی تدریب الراوی میں لکھتے ہیں۔

ثم يفسرون الشذوذ بمخالفة الثقة من هو اوثق منه والمنقول عن ائمة الحديث المتقدمين كابن مهدي ويحيى القطان واحمد وابن معين وابن المديني والبخاري وابي زرعة وابي حاتم والنسائي والدارقطني وغيرهم اعتبار الترجيح فيما يتعلق بالزيادة المنافية بحيث يلزم من قبولها رد الرواية الاخرى۔

پھر محدثین شذوذ کی تعریف یہ کرتے ہیں کہ ثقہ راوی ثقہ تر کی مخالفت کرے اور متقدمین ائمہ حدیث جیسے عبدالرحمٰن بن مہدی، یحییٰ القطان، احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، علی بن المدینی بخاری، ابوزرعہ، ابوحاتم، نسائی اور دارقطنی وغیرہ یہ فرماتے ہیں کہ اعتبار ترجیح اس منافی زیادۃ سے متعلق ہے جس کا قبول کرنا دوسری روایت کے رد کو مستلزم ہو۔

محدث کبیر علامہ جمال الدین زیلعی نے نصب الرایہ میں اس مسئلہ کی جو تفصیل ذکر کی ہے وہ ان سب سے بہتر ہے۔ چنانچہ جہر بالبسملہ کی بحث کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ زیادۃ ثقہ کے مسئلہ میں مشہور اختلاف ہے بعض تو اس کو مقبول کہتے ہیں اور بعض مطلقاً غیر مقبول لیکن صحیح یہ ہے کہ اس میں تفصیل ہے کہیں مقبول ہوتی ہے اور کہیں غیر مقبول۔ اگر اس زیادۃ کو روایت کرنے والا راوی ثقہ، ثبت اور حافظ ہو اور جس نے اس کو روایت نہیں کیا وہ بھی اسی جیسا ثقہ ہو یا ثقاہت میں اس سے کچھ کم ہو تو اس کی زیادۃ کو قبول کیا جائے گا جیسے محدثین نے باب صدقۃ الفطر میں حضرت مالک بن انس کے قول من المسلمین کو قبول کیا ہے اور اکثر علماء نے اس سے احتجاج کیا ہے۔ اسی طرح بعض دیگر مقامات میں مخصوص قرائن کی بناء پر مقبول ہوتی ہے۔ جن حضرات نے اس کے متعلق عام فیصلہ کیا ہے سو وہ ان کی غلطی ہے بلکہ ہر زیادتی کا ایک مخصوص حکم ہے چنانچہ کہیں اس کی صحت پر جزم و یقین ہوتا ہے جیسے زیادۃ مالک بن انس اور کہیں اس کی صحت کا ظن غالب ہوتا ہے۔ جیسے حدیث "جعلت الارض مسجداً" میں سعد بن طارق کی زیادۃ "وجعلت تربتھا لنا طھوراً" اور جیسے حضرت ابوموسیٰ کی حدیث میں سلیمان تیمی کی زیادتی "واذا قرأ فانصتوا" اور کہیں اس کے غلط ہونے کا یقین ہوتا ہے جیسے معمر وغیرہ کی زیادۃ "وان کان مائعاً فلا تقربوہ" اور جیسے حدیث "قسمت الصلوٰۃ بینی وبین عبدی نصفین" میں عبداللہ بن زیاد کی زیادۃ "ذکر البسملۃ" اور کہیں اس کے غلط ہونے کا ظن غالب ہوتا ہے جیسے حضرت ماعز کی حدیث میں معمر کا یہ ذکر کرنا کہ ان پر نماز پڑھی گئی جس کو امام بخاری نے صحیح میں روایت کیا ہے۔ حالانکہ اصحاب سنن اربعہ نے معمر سے روایت کیا ہے۔ انہ قال فیہ ولم یصل علیہ اور کہیں زیادۃ کے متعلق توقف ہوتا ہے کما فی احادیث کثیرۃ۔

امام مسلم نے اپنی صحیح کے مقدمہ میں بیان کیا ہے کہ محدثین کرام کا زیادۃ کے بارے میں مسلک یہ ہے کہ اگر چند ثقات اور حفاظ کسی حدیث کو بیان کریں پھر انہیں ثقات میں سے کوئی ثقہ راوی زیادۃ نقل کرے جو دوسروں کے پاس نہیں ہے تو یہ زیادت قابل قبول ہوگی لیکن اگر کوئی راوی زہری جیسے امام سے جن کے تلامذہ بکثرت موجود ہیں اور حفاظ و متقنین بھی ہیں یا ہشام بن عروہ جیسے امام سے ان کی مروی حدیث میں کوئی ایسی زیادۃ نقل کرے جو ان کے دیگر تمام ثقات تلامذہ بیان نہیں کرتے اور ان کی یہ حدیث اہل علم کے یہاں مشہور و معروف بھی ہو اور زیادۃ نقل کرنے والا ان ثقات کے ساتھ شریک بھی نہ ہو "فغیر جائز قبول ہذا الضرب من الناس"۔ تو اس قسم کے راوی کی زیادتی قبول کرنا ہرگز جائز نہیں

حدیث فہمی کیلئے چند ضروری اور مفید اصول

(۱) اگر کسی مسئلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال ہم تک مختلف طور پر منقول ہوں تو ہم کو ضرورت ہوگی کہ ہم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اقوال و افعال پر نظر کریں کہ ان حضرات کا عمل کیا تھا اگر ان اقوال و افعال متعارضہ میں سے کسی قول و فعل پر صحابہ کا اجماعی و اتفاقی یا اکثری طور پر عمل معلوم ہو جائے تو اسے ترجیح دیں گے اور اگر ان میں بھی اختلاف ہو تو خلفاء راشدین اور فقہاء صحابہ کے عمل کو مرجح بنائیں گے۔

(۲) اگر حدیث مرفوع صحیح اور حدیث ضعیف میں تعارض ہو اور صحابہ یا خلفاء راشدین یا فقہاء درجہ تکملہ سنن نبوی صحابہ کا عمل حدیث مرفوع کے خلاف حدیث ضعیف پر ہو تو صحابہ کے اس عمل کو ترجیح ہوگی بشرطیکہ وہ واقعہ ایسا نہ ہو جس میں ان سے خفاء کا احتمال ہو یا فقہاء صحابہ سے غلطی اور نسیان کا ہو جانا متیقن نہ ہو۔

(۳) محدثین ایک حدیث کو کیسے ہی ضعیف طریق سے اخراج کریں لیکن اس کے ساتھ یہ کہہ دینا کہ بعض صحابہ یا اکثر صحابہ اس پر عمل کرتے تھے یہ بتاتا ہے کہ حدیث بے اصل نہیں اور بالیقین صحابہ کا عمل اس روایت کے متعلق اس کے اسنادی ضعف کا جبر نقصان اور تدارک کرتا ہے نظائر ملاحظہ ہوں۔

مغرب کی نماز میں طوال مفصل سورتوں کی قراءت کا ثبوت روایات مرفوعہ صحیحہ سے ہے۔ امام ابو داؤد نے روایات کو نقل کرنے کے بعد ایک موقوف اثر ہشام بن عروہ عن ابیہ قال یا ایہا الکفرون ہو مالعادیات کا نقل کرکے یہ کہہ دیا ہے۔ قال ابو داؤد ہذا یدل علی ان ذاک منسوخ۔ یعنی تعامل، صحابہ بلا نکیر یہ بتاتا ہے کہ مغرب میں قراءت طوال مفصل منسوخ ہے۔

دوسری جگہ موصوف نے وہ روایتیں نقل کرکے جن میں عورت یا کتے یا گدھے کا مصلی کے سامنے سے مرور قاطع صلوٰۃ ہے وہ روایات بیان کی ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کسی شئی کا مرور قاطع صلوٰۃ نہیں اور فی الواقع یہ روایات اول سے اصح بھی نہیں لیکن پھر بھی ابو داؤد فرماتے ہیں: اذا تنازع الخبران عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نظر الی ما عمل اصحابہ من بعدہ۔

اسی طرح امام بخاری کا تعارض روایات اکل مامست النار پر نظر فرماتے ہوئے باب من لم یتوضأ من لحم الشاۃ میں خلفاء راشدین کا اثر نقل کرنا یہی بتا رہا ہے کہ روایات مرفوعہ متعارضہ میں سے کسی ایک کو خلفاء راشدین کے عمل سے ترجیح دی جائے گی۔ وہ اثر یہ ہے: اکل ابوبکر و عمر و عثمان لحما فلم یتوضؤوا۔

(۴) مجتہد کا کسی ضعیف حدیث سے استدلال کرنا اس حدیث کی تصحیح کا سبب ہے یعنی ہم تک پہنچنے میں اس روایت میں ضعف رواۃ کی وجہ سے ضعف آگیا ورنہ مجتہد تک اس روایت کے پہنچنے میں تنہا مجتہد کو کسی دوسرے صحیح طریق سے پہنچی ہے۔ نیز مجتہد اور طبقہ اولی کے علماء کا کسی صحیح حدیث کو ترک کر دینا یہ بتاتا ہے کہ کوئی دوسرا امر اس حدیث کے معارض ہے جو اس کی

صحت ثبوت کا مقادم ہے۔ اسی طرح صحابی اور کبار تابعین کا اپنی روایت کے خلاف فتوی دینا یا عمل کرنا یہ بتاتا ہے کہ اس کو اس روایت کا معارض امر معلوم ہو چکا جس کی وجہ سے وہ روایت اس کے نزدیک معمول بہا نہیں رہی بشرطیکہ اس خلاف عمل پر کوئی امر مانع مثل عذر و نسیان وغیرہ ثابت نہ ہو۔

(۵) جب جرح مبہم اور تعدیل میں تعارض ہو تو تعدیل کو ترجیح ہوگی اور اگر جرح مفسر اور تعدیل میں تعارض ہو تو ترجیح یہ ہے کہ اگر معدلین زائد ہوں تو تعدیل کو ورنہ جرح کو ترجیح ہوگی۔

(۶) بہت سی احادیث متعدد صحابہ سے مروی ہیں اور ہر صحابی کی حدیث کے متعدد طُرُق ہیں، اب اگر کوئی محدث کسی حدیث پر کوئی اجمالی حکم لگاتا ہے تو اس کا حکم مجموعۂ طرق پر حاوی نہ ہوگا بلکہ صرف اس کے علمی استحضار کے لحاظ سے ہوگا کیونکہ یہ ضروری نہیں ہے کہ ایک ایک حدیث کے تمام طرق ہر محدث کے پیش نظر ہوں پس اگر خارجی قرائن و ذرائع اور تحقیقات سے کسی خاص طریقہ کا ضعف و صحت ثابت ہو جائے تو یہ اس کے مبہم حکم کے ہرگز معارض نہیں ہو سکتا ہاں اگر ان طُرُق کے علم کے بعد بھی اس کی رائے وہی رہتی ہے تو اب اس کو مخالف یا موافق کہنا درست ہوگا اس کے بعد اختلاف رائے کا مرحلہ پھر بھی زیر بحث رہے گا۔

مثال کے طور پر امام ترمذی جیسے جلیل القدر محدث نے حدیث افتراق امت روایت کرنے والوں میں صرف چار صحابہ کا ذکر کیا ہے جن میں حضرت ابوہریرہ اور عبداللہ بن عمرو کی روایت کو تفصیل کے ساتھ پیش کیا ہے اور حضرت سعد اور عوف بن مالک کی روایت کا صرف حوالہ دے کر چھوڑ دیا ہے پھر اول الذکر صحابی کی حدیث پر صحت کا حکم لگایا ہے اور ثانی الذکر کی حدیث کو غریب قرار دیا ہے۔

شارح سفر السعادہ نے امام ترمذی کے پیش کردہ ناموں پر گیارہ صحابہ کا اور اضافہ کیا ہے یعنی حضرت انس، جابر، ابوامامہ، ابن مسعود، علی، عمرو بن عوف، عویمر، ابوالدرداء، معاویہ، ابن عمر اور حضرت واثلہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین)

ان حضرات کی احادیث مختلف کتب[عہ] حدیث میں مروی ہیں۔ اس طرح اس حدیث کے رُواۃ کی تعداد پندرہ تک پہنچ جاتی ہے جن میں سے حضرت ابوہریرہ، ابن عمرو، انس، ابوامامہ، عمرو بن عوف، معاویہ، ابن عمر، عوف بن مالک کی روایات صحیح یا حسن کے درجہ پر آسکتی ہیں بقیہ روایات کی اسانید اگرچہ ضعیف ہوں مگر تعدد طرق کا لحاظ رکھتے ہوئے وہ بھی قاطبۃً نظر انداز کرنے کے لائق نہیں۔

(۷) بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک حدیث کے رُواۃ بکثرت اور اس کے طرق متعدد ہوتے ہیں

عہ عقیلی، دارقطنی، ابن عدی، ابویعلیٰ عن انس، ابن ماجہ، ترمذی مختصراً، طبرانی عن ابی امامہ، طبرانی عن ابن مسعود شاطبی عن علی، طبرانی عن عمرو بن عوف و ابی الدرداء و واثلہ، حاکم عن معاویہ، ابویعلیٰ عن ابن عمر، بزار عن سعد بن ابی وقاص، حاکم عن عوف بن مالک ۱۲

پھر بھی حدیث ضعیف ہوتی ہے جیسے حدیث طیر[1] حدیث حاجم ومحجوم[2] اور حدیث من کنت مولاہ
فعلی مولاہ[3] وغیرہ۔ بلکہ بعض اوقات کثرت طرق ہی ضعف حدیث کا باعث ہوتا ہے اس لئے کثرت رواۃ
سے ترجیح اسی وقت ہوگی جب طرفین کے رواۃ قابل احتجاج ہوں جیسے امام زہری سے حدیث
مجامع کو شعیب، منصور، معمر، ابراہیم بن سعد، اوزاعی، ابن عیینہ اور لیث نے روایت کیا ہے
جس کی تخریج امام بخاری نے صحیح میں دس جگہ کی ہے۔ ان حضرات کی روایت میں ترتیب اور
وقوع جماع پر حکم کی تعلیق مذکور ہے اس کے برخلاف زہری سے امام مالک اور ابن جریج کی روایت
میں تخییر اور ترتب حکم علی الافطار مذکور ہے جماع کا ذکر نہیں ہے اور ائمہ نے اول الذکر حضرات
کی روایت کو ترجیح دی ہے۔

احناف میں سے بعض مشائخ کے نزدیک صحت روایت کے بعد کثرت طرق اور قلت طرق مساوی
ہیں۔ یعنی جب قواعد سے دو حدیثوں کا صحیح ہونا ثابت ہو جائے تو ایک کے متعدد طرق سے مروی ہونے
کی بنا پر دوسری صحیح پر ترجیح نہ ہوگی۔ جیسے ثبوت دعوی کے لئے دو شاہد ضروری ہیں دو شاہدوں کا،
قائم کرنا اور دس شاہدوں کا قائم کرنا برابر ہے۔ قال الشیخ ابن الہمام فی تحریر الاصول انہ لیعلل الترجیح لا
عدد الکمین المتعارضین بکثرۃ الادلۃ۔

سلسلۃ الذہب

اہل علم حضرات پر یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہے کہ علم حدیث میں اسناد کو عماد و
بنیاد کی حیثیت حاصل ہے۔ حافظ ابن حزم تحریر فرماتے ہیں کہ پہلی امتوں میں کسی کو یہ توفیق میسر
نہیں ہوئی کہ اپنے نبی کے کلمات صحیح صحیح ثبوت کے ساتھ محفوظ کر سکے یہ صرف اسی امت کا طغرائے
امتیاز ہے کہ اس کو اپنے رسول محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک کلمہ کی صحت اور اتصال
کے ساتھ جمع کرنے کی سعادت بخشی گئی ہے۔ آج روئے زمین پر کوئی مذہب ایسا نہیں ہے جو اپنے
پیشوا کے ایک کلمہ کی سند بھی صحیح طریقہ پر پیش کر سکے۔ اس کے برخلاف اسلام ہے جو اپنے ہادی برحق صلے
اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا ایک ایک گوشہ پوری صحت و اتصال کے ساتھ پیش کر سکتا ہے۔

پھر جب تک اسماء رجال کا مقدس علم مدون و مرتب نہیں ہوا تھا اس وقت تو تمام احادیث کی صحت وسقم
کا مدار سند پر تھا جب اسماء رجال کا علم مدون ہو گیا اور راویوں کے حالات صفات پوری کوشش و جستجو، باحتیاطی
و عرق ریزی و جانفشانی سے کام لیتے ہوئے عدل و انصاف کے ساتھ لکھ دیئے گئے تو اسکے بعد گو سند حدیث کی بحث

---

[1] اخرجہ الترمذی من حدیث انس بن مالک وقال غریب ۱۲ [2] ہو حدیث "افطر الحاجم والمحجوم" اخرجہ الطحاوی
من حدیث ابی موسیٰ وعائشہ ومعقل وثوبان وشداد بن اوس وابی ہریرۃ، وفی السنن عن بعض ہؤلاء و
فی المستدرک وابن جارود والدارمی ایضا ببعض الطرق عزاہ الحاکم ۱۲ [3] اخرجہ الترمذی فی مناقب علی من
حدیث ابی سریحۃ او زید بن ارقم وقال حسن غریب ۱۲

موقوف علیہ ہونے کی نذر رہا لیکن پھر بھی برکت سے خالی نہیں اسی لئے محدثین آج بھی اپنی سند کی طرف کافی توجہ دیتے ہیں۔

مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند جس کی صد سالہ تاریخ کلام الٰہی و سنت نبویہ کی بیش بہا خدمات سے عبارت ہے آج کے اکثر محدثین اسی کے دامن فیض سے بالواسطہ یا بلاواسطہ وابستہ ہیں اور ہند و بیرونِ ہند جہاں بھی سلسلۂ حدیث قائم ہے اس میں سے اکثر کی انتہا بھی شیوخ دیوبند ہیں اور شیوخ دیوبند کی اسانید ولی اللّٰہی خاندان پر منتہی ہوتی ہے۔ ناچیز حقیر خادم تحریر بھی اسی سلسلۃ الذہب سے منسلک ہے اور قوی امید رکھتا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ میری سیاہ اعمالی کے باوجود اس مقدس سلسلہ کے صدقہ میں ضرور نوازیں گے وما ذٰلک علی اللّٰہ بعزیز۔

میں نے کتاب سنن ابی داؤد، راس المحدثین، رئیس المفسرین، فقیہ العصر، امام الفن حضرت الاستاذ مولانا بشیر احمد خاں صاحب[1] سے سبقاً سبقاً پڑھی ہے اور استاذ مرحوم دو واسطوں سے قاسم العلوم حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی (بانی دارالعلوم دیوبند) کے شاگرد ہیں سلسلۂ

---

[1] آپ حضرت الاستاذ جناب مولانا نصیر احمد خان صاحب مدظلہ العالی مدرس دارالعلوم دیوبند کے برادرِ بزرگ ہیں۔ نام نامی بشیر احمد ہے اور والد ماجد کا نام گرامی عبدالشکور۔ آپ نے ماہ جون ۱۳۲۲ھ کو موضع بسی ضلع بلند شہر کے خاکدان گیتی میں قدم رکھا اور کمسنی ہی میں حفظ قرآن کریم اور ابتدائی تعلیم سے قصبہ جہنیانہ ضلع بلند شہر میں فراغت پائی۔ اس کے بعد آپ قصبہ گلاؤٹھی ضلع بلند شہر کی مشہور و قدیم دینی درسگاہ منبع العلوم میں داخل ہوئے اور یہاں آپ نے حضرت مولانا سید محی الدین بن شمس الدین مہتمم مدرسہ اور حضرت مولانا کریم بخش صاحب لدھیانوی صدر مدرس مدرسہ سے علوم و فنون کی تکمیل فرمائی۔ اول الذکر حضرت مولانا احمد حسن صاحب محدث امروہوی تلمیذ خاص حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہ کے اور ثانی الذکر حضرت مولانا شیخ الہند صاحب قدس سرہ کے شاگرد تھے۔

جملہ علوم و فنون مروجہ کی تحصیل سے فراغت کے بعد سنہ ۱۳۴۱ھ میں گلاؤٹھی ہی کے مدرسہ میں مدرس ہو گئے اور درس و تدریس کی خدمات نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے یہاں تک کہ حضرت مولانا کریم بخش صاحب کے وصال کے بعد آپ کو صدر مدرسی کی مسند پر فائز کیا گیا۔ چنانچہ آپ درسِ حدیث، تفسیر، علم فقہ، اور فن ہیئت وغیرہ کی تعلیم اتنے اونچے معیار پر دیتے رہے کہ جید علماء میں اپنا ایک مقام پیدا کر لیا۔

سلسلۂ سلوک میں آپ نے حضرت الحاج مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری قدس سرہٗ (صاحب بذل المجہود) کے دست حق پرست پر بیعت کی اور شیخ کے وصال کے بعد حضرت تھانوی قدس سرہٗ کی طرف مراجعت فرمائی اور مدت العمر اپنے شیوخ کے بتائے ہوئے معمولات کے پابند رہے۔ جون ۱۹۵۰ء میں زیارت حرمین شریفین کی سعادت میسر آئی م

اسناد حسب ذیل ہے۔

---

۵۱ وزاج خلکان، کشف الظنون، الحط، مقدمہ فتح الملہم، مقدمہ غایۃ المقصود، بستان المحدثین، ابن ماجہ اور علم حدیث، ترجمان السنۃ، محدثین عظام، احسن الکلام وغیرہ ۱۲

---

۵۲ آپکی علمی شہرت کو دیکھتے ہوئے محرم ۱۳۴۲ھ کو دارالعلوم دیوبند کی طرف سے تدریس کیلئے آپکو یاد کیا گیا تو آپ دیوبند تشریف لے آئے لیکن گلاؤٹھی سے آئے ہوئے وفد کے اصرار پر دو تین روز بعد ہی آپ کو گلاؤٹھی واپس جانا پڑا۔ اس کے بعد ۲ر اپریل ۱۹۴۳ء میں جبکہ شیخی و مرشدی حضرت الاستاذ مولانا شیخ الاسلام سید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہٗ اسیر فرنگ تھے، حضرت الاستاذ الحاج مولنٰا القاری الحافظ محمد طیب صاحب مدظلہٗ مہتمم دارالعلوم دیوبند نے دوبارہ دارالعلوم میں تدریس اعلیٰ کے لئے یاد فرمایا چنانچہ آپ تشریف لائے اور ہمیشہ کے لئے وقف دیوبند ہوگئے اور آپ کے یہاں مسلم شریف، ابوداؤد شریف، ہدایہ اخیرین، بیضاوی شریف، ابن کثیر اور فن ہیئت کی اعلیٰ کتابیں ہوتی رہیں جن سے ہزاروں طلبہ مستفید ہوئے۔

اس اثنار میں نظم تعلیمات اور نظم اہتمام بھی سرانجام دیتے رہے اور شوال ۱۳۶۲ھ سے تو مستقل طور پر نیابت اہتمام کی گرانقدر خدمات انجام دیتے رہے یہاں تک کہ بعمر ستر سال ۲۳ ستمبر ۱۹۶۶ء بروز شنبہ ایک بجے صرف تین روز بعارضہ درد شکم مبتلا ہوکر اس عالم آب و گل سے عالم بالا کی طرف پرواز کرگئے۔ مولانا عبدالواحد صاحب ناظم محاسبی دارالعلوم دیوبند نے آپ کی تاریخ رحلت قطعہ ذیل میں نظم بندکی ہے ؎

آہ علامۂ دوراں وہ بشیر احمد ؒ ان کی رحلت سے ہے ہم سب ہی کو صدمہ شدید

ہاتف غیب نے فرمایا کہ تاریخ لکھو ؎ داخل خلد ہوئے آج بحکم ایزد

۱۳ ھ ۸۶

فہرست ابواب کتاب سنن ابی داود

محمد حنیف گنگوہی

کتاب الطہارۃ

باب ما یقول الرجل اذا دخل الخلاء

حدثنا مسدد بن مسرهد ثنا حماد بن زید وعبد الوارث عن عبد العزیز بن صہیب عن انس بن مالک قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا دخل الخلاء قال عن حماد قال اللّٰھم انی اعوذ بک وقال عن عبد الوارث قال اعوذ باللہ من الخبث والخبائث، قال ابوداؤد رواہ شعبۃ عن عبد العزیز اللّٰھم انی اعوذ بک وقال مرۃ اعوذ باللہ وقال وھیب فلیتعوذ باللہ

حدثنا الحسن بن عمرو یعنی السدوسی قال ثنا وکیع عن شعبۃ عن عبد العزیز ھو ابن صہیب عن انس بہذا الحدیث قال اللّٰھم انی اعوذ بک وقال شعبۃ وقال مرۃ اعوذ باللہ

حل لغات: الخلاء، خالی مکان، پاخانہ، خلا دن خلوا وخلاءً المکان، رہنے والوں سے خالی ہونا۔ یقال بات فی الہبلہ الخلاء۔ اس سے تہا شہر میں شب باشی کی دمفرد، تثنیہ، جمع، مذکر، مونث سب کے لئے مستعمل ہے) اعوذ عوذا وعیاذا۔ بفلان من کذا، پناہ لینا۔ الخبث، امام خطابی کتاب اصلاح الالفاظ التی یصحفہا الرواۃ میں فرماتے ہیں کہ خبث بضم با خبیث کی جمع ہے اور خبائث خبیثۃ کی جمع ہے، یہاں اس سے مراد مذکر و مونث شیاطین ہیں اور اصحاب حدیث کی ایک جماعت خبث بسکون با بولتی ہے مگر غلط ہے صحیح با کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ علامہ ابن الاعرابی فرماتے ہیں کہ دراصل کلام عرب میں خبیث کے معنی ہیں ناپسندیدہ اور خراب چیز کے ہیں سو اگر کلام سے متعلق ہو تو شتم دگالی ہے اور ادیان سے متعلق ہو تو کفر ہے اور طعام سے متعلق ہو تو حرام ہے اور شراب سے متعلق ہو تو ضار ہے انتہی کلام الخطابی۔ علامہ ابن سید الناس فرماتے ہیں کہ ابو عبید قاسم بن سلام نے خبث بسکون با ہی حکایت کیا ہے دھکہ بہ جلالۃ۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ شیوخ کی اکثر روایات با اسکان ہی ہیں۔ علامہ قرطبی نے دونوں طرح روایت کیا ہے۔ علامہ نووی فرماتے ہیں کہ اہل معرفت کی ایک جماعت نے جن میں امام فن ابو عبید بھی ہیں تصریح کی ہے کہ یہاں خبث بسکون با ہے۔ پس امام خطابی کا انکار بالکل بیجا ہے کیونکہ خبث، کتب، رسل، عنق، اذن وغیرہ میں بطریق تخفیف سکون بلا خلاف جائز ہے۔

بہذا الحدیث قال، قال کی ضمیر مرفوع شعبہ کی طرف بھی راجع ہو سکتی ہے۔ اے قال شعبۃ قال عبد العزیز مرۃ اللّٰھم اور

لہ ای اذا اراد دخول کما جاء مصرحا بہ فی روایۃ البخاری فی الصحیح تعلیقا وفی الادب المفرد فی باب الدعوات کان اذا اراد ان یدخل قال ابن ہشام صاحب المغنی ان تقدیرہ اراد و ہیسا وذا فی مثل ہذا المقام مطرد ۱۲

لہ الحدیث اخرجہ الشیخان والترمذی والنسائی وابن ماجہ والدارمی وقال الترمذی حدیث انس اصح شیئ فی ہذا الباب ۱۲

سہ وقیل عن نقل الخطابی ارادوا الانکار علی من یقول اصلہ الاسکان ۱۲ قوت المغتذی۔

یہ بھی احتمال ہے کہ ضمیر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہو :- ترجمہ
مسدد بن مسرہد نے بسند حماد بن زید و عبد الوارث بواسطہ عبد العزیز حضرت انس بن مالک سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب پاخانہ تشریف لے جاتے تو حماد کہتے ہیں کہ یوں فرماتے اللّٰھم انی اعوذ بک من الخبث والخبائث اور عبد الوارث کہتے ہیں کہ یوں فرماتے اعوذ باللہ من الخبث والخبائث (یعنی میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں شیطانوں اور چڑیلوں سے)

حسن بن عمرو سدوسی نے بسند وکیع بواسطہ شعبہ عن عبد العزیز بن صہیب حضرت انس سے اسی حدیث کو روایت کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں اللّٰھم انی اعوذ بک۔ شعبہ کہتے ہیں کہ کبھی حضرت انس نے اعوذ باللہ کہا اور وہیب نے عبد العزیز بن صہیب سے جو روایت کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں فلیتعوذ باللہ۔ تشریح

قولہ اذا دخل الخلاء الخ۔ جو ادب حدیث میں مذکور ہے اس کا استحباب تو بقول علامہ نووی مجمع علیہ ہے جس میں آبادی وغیر آبادی سب برابر ہے لیکن یہ دعا کس وقت پڑھے؟ شرح ابہری میں شیخ کا قول منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ جو لوگ اس حالت میں ذکر اللہ کو مکروہ کہتے ہیں ان کے یہاں کچھ تفصیل ہے اور وہ یہ ہے کہ جو جگہیں اسی ضرورت کے لئے بنائی جاتی ہیں ان میں تو داخل ہونے سے پہلے پڑھے اور ان کے علاوہ میں اس وقت پڑھے جب عمل شروع کرے جیسے کپڑوں کا اٹھانا، ازار بند کھولنا وغیرہ جمہور کا مذہب یہی ہے اور جو لوگ علی الاطلاق ذکر اللہ کی اجازت دیتے ہیں جیسا کہ امام مالک سے منقول ہے ان کے یہاں اس تفصیل کی ضرورت نہیں :-

(فائدہ) شیخ ابن العربی فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم شیاطین سے بالکل مامون و محفوظ تھے تو اس استعاذہ میں تعلیم امت مقصود ہے کہ بیت الخلاء جاتے وقت اس دعا کو پڑھا کریں تاکہ شیاطین کے شرور سے محفوظ رہیں کیونکہ اس قسم کی جگہوں میں شیاطین کا تسلط زیادہ ہوتا ہے چنانچہ زید بن ارقم کی حدیث میں ہے کہ پاخانوں میں اکثر شیاطین آیا کرتے ہیں سو جب تم میں سے کوئی پاخانہ کو جائے تو اعوذ باللہ من الخبث والخبائث کہہ لیا کرے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا قصہ مشہور ہے کہ آپ غسل خانہ میں داخل ہوئے غیر معمولی تاخیر پر لوگوں نے دیکھا تو آپ کو مردہ پایا اور غیب سے یہ شعر سنا گیا ؎ قتلنا سید الخزرج سعد بن عبادہ ۔ ۔ رمیناہ بسہمین فلم نخط فؤادہ

قولہ قال ابو داؤد الخ عبد العزیز بن صہیب سے روایت کرنے والوں کے الفاظ حدیث کا اختلاف بیان کرنا مقصود ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہاں عبد العزیز کے چار شاگرد ہیں پہلی روایت میں حماد بن زید اور عبد الوارث اور دوسری روایت میں شعبہ بن وہیب بن خالد۔ پہلی روایت میں عبد الوارث کے الفاظ یہ ہیں اعوذ باللہ (یعنی بجائے اعوذ کے بصیغہ خطاب اللّٰھم کے) اور حماد کے الفاظ یہ ہیں اللّٰھم انی اعوذ بک اور (یعنی صیغہ واحد متکلم اور بجائے اسم کے بکاف الخطاب) دوسری روایت میں شعبہ کبھی حماد کے موافق الفاظ روایت کرتے ہیں یعنی اللّٰھم انی اعوذ بک اور کبھی عبد الوارث کے موافق یعنی اعوذ باللہ اور وہیب ان الفاظ میں سے کسی کے بھی موافق نہیں کیونکہ ان کی روایت فلیتعوذ (بصیغہ امر) ہے۔
پس پہلے تینوں حضرات کی روایت پر حدیث فعلی ہے اور وہیب کی روایت پر حدیث قولی[1]۔

[1] قال الحافظ وقد روی العمری من طریق عبد العزیز بن المختار عن عبد العزیز بن صہیب بلفظ الامر قال اذا دخلتم الخلاء فقولوا بسم اللہ اعوذ باللہ من الخبث والخبائث۔ اسنادہ علی شرط مسلم انتہی ۱۲ عون

(۲) باب كراهية استقبال القبلة عند قضاء الحاجة

(۳) حدثنا موسى بن اسماعيل قال ثنا وهيب قال ثنا عمرو بن يحيى عن ابي زيد عن معقل الاسدي قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم ان نستقبل القبلتين ببول او غائط قال ابو داود وابو زيد هو مولى بني ثعلبة[1]

حل لغات

كراهية (س) الشيء ناپسند کرنا (ک) الامر قبیح ہونا۔ استقبال رو برو ہونا، سامنے ہونا۔ القبلة جہت يقال اين قبلتك اے الى اين تتوجه، یہاں جہت کعبہ مراد ہے اس کو قبلہ اسی لئے کہتے ہیں کہ نمازی نماز میں اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ كذا في غرائب القرآن للامام ابي بكر محمد السجستاني وفي المصباح وسمّى القبلة لان المصلي يقابلها وكل شيء جعلته تلقاء وجهك فقد استقبلته۔ قضاء الحاجة پیشاب پاخانہ سے فراغت حاصل کرنا۔ القبلتين کعبہ شریف اور بیت المقدس۔ بول پیشاب، غائط، پاخانہ کرنے کی جگہ۔ ترجمہ

موسیٰ بن اسمٰعیل نے بسند وہیب بواسطہ عمرو بن یحییٰ عن ابی زید حضرت معقل بن ابی معقل اسدی سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلعم نے بوقت استنجاء کعبہ اور بیت المقدس کی طرف منہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ابو داؤد کہتے ہیں کہ ابو زید (راوی حدیث) بنی ثعلبہ کے آزاد کردہ غلام ہیں: تشریح

قولہ باب الخ۔ جس طرح نماز میں کعبہ کی طرف متوجہ ہونے کا حکم اس کی تعظیم و تکریم کے پیش نظر ہے اسی طرح پیشاب پاخانہ کرتے وقت اس کی طرف منہ یا پشت کرنے کی ممانعت بھی اس کے اکرام و احترام کے لئے ہے۔ صاحب کتاب باب کے تحت میں جو پہلی حدیث (حضرت سلمان سے) لائے ہیں اس میں صرف استقبال قبلہ کی ممانعت ہے شیخ تقی الدین نے شرح عمدہ میں لکھا ہے کہ یہ حدیث ممانعت استقبال قبلہ پر دال ہے اور یہ حالت دو چیزوں کو متضمن ہے ایک ناپاکی کا خروج دوسرے کشف عورت۔ سو بعض حضرات نے تو یہ کہا ہے کہ ممانعت خروج نجاست کی وجہ سے ہے اور بعض کے نزدیک ممانعت کشف عورت کی وجہ سے ہے۔

باب مذکور کی دوسری حدیث (جو حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے اس) سے استقبال واستدبار ہر دو کی ممانعت ثابت ہوتی ہے۔ علامہ عینی نے شرح بخاری میں اس کی بابت چار مذہب ذکر کئے ہیں اول یہ کہ ممانعت علی الاطلاق ہے یعنی نہ استقبال جائز ہے نہ استدبار۔ نیز نہ آبادی میں اس کی اجازت ہے نہ جنگل میں۔ امام صاحب کا مذہب بھی یہ ہے حضرت ابو ایوب انصاری، مجاہد، ابراہیم نخعی، ثوری، ابو ثور اور ایک روایت میں امام احمد بھی اسی کے قائل ہیں اور مالکیہ میں سے ابن العربی نے اور ظاہریہ میں سے ابن حزم نے اسی کو راجح کہا ہے، بلکہ ابن حزم نے محلی میں حضرت ابو ہریرہ، ابن مسعود، سراقہ بن مالک، عطاء، اوزاعی اور سلف صحابہؓ و تابعین سے یہی ثابت کیا۔

---

[1] قال ولي العراقي ضبطنا في سنن ابي داود بالباء الموحدة وفي مسلم بالام ۱۲ عون

[2] ما الحديث سكت عنه ابو داود ثم المنذري في تلخيصه وما اورده الذهبي في الميزان واما نقل اني قلانه مجهول وسكوت هؤلاء الائمة عن تضعيفه يدل على حسن حال ابي زيد ۱۲ غاية المقصود.

کیونکہ حضرت ابو ہریرہ، ابو ایوب اور حضرت سلمان وغیرہ کی حدیث میں اس کی ممانعت علی وجہ العموم ہے۔ دوم یہ کہ علی الاطلاق جائز ہے۔ حضرت عروہ بن الزبیر، ربیعہ (شیخ مالک) اور داؤد ظاہری کا یہی مذہب ہے ان کی دلیل ابن عمر، جابر اور حضرت عائشہ کی احادیث ہیں۔ جواب یہ ہے کہ حضرت ابن عمر کی روایت منسوخ ہے اور حضرت جابر کی حدیث حکایت فعل ہے جس میں عموم نہیں ہوتا اور حضرت عائشہ کی حدیث کو حافظ ذہبی نے منکر کہا ہے۔

سوم یہ کہ استقبال علی الاطلاق ناجائز ہے اور استدبار مطلقاً جائز (یہ ایک روایت امام صاحب اور امام احمد سے بھی ہے) چہارم جنگل میں دونوں حرام ہیں اور آبادی میں جائز، یہ حضرت ابن عباس، ابن عمر اور شعبی سے مروی ہے اور امام مالک، امام شافعی، اسحاق بن راہویہ اور ایک روایت میں امام احمد اسی کے قائل ہیں۔ ان کے علاوہ پانچواں مذہب یہ ہے کہ نہی تنزیہی ہے امام قاسم بن ابراہیم اسی کی طرف گئے ہیں (ذکرہ الشوکانی فی النیل) چھٹا مذہب یہ ہے کہ آبادی میں صرف استدبار جائز ہے امام ابو یوسف اسی کے قائل ہیں (کذا فی فتح الباری)

قولہ وان نستقبل الخ۔ اس روایت میں بھی صرف استقبال قبلہ کی ممانعت ہے جیسا کہ امام صاحب سے ایک روایت ہے کہ نہی عن استقبال ہے نہ کہ استدبار چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عمر سے مروی ہے قال لقد ارتقیت علی ظہر البیت فرأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی لبنتین مستقبل بیت المقدس لحاجتہ۔"

لیکن شیخ حلبی نے اپنی شرح کبیر میں کہا ہے والصحیح الاول (یعنی ممانعت علی الاطلاق ہے) کیونکہ اصول یہ ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل میں تعارض ہو تو قول کو ترجیح ہوتی ہے اس واسطے کہ فعل میں خصوصیت اور عذر وغیرہ بہت سی چیزوں کا احتمال ہوتا ہے۔ اسی طرح جب محرم و مبیح کا تعارض ہو تو محرم کو ترجیح ہوتی ہے

(فائدہ) ملا خطابی فرماتے ہیں کہ بیت المقدس کی حرمت اس واسطے ہے کہ یہ ایک مدت تک اہل اسلام کا قبلہ رہا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کی ممانعت اس لئے تھی کہ مدینہ میں جب کوئی بیت المقدس کی طرف منہ کرتا ہے تو اس کی پشت کعبہ کی طرف ہو جاتی ہے۔

علامہ نووی لکھتے ہیں کہ باتفاق علماء یہ نہی بطور ادب تنزیہی ہے نہ کہ تحریمی۔ امام احمد کے نزدیک یہ ممانعت حضرت عبد اللہ بن عمر کی حدیث سے منسوخ ہے۔

بعض کے نزدیک یہ ممانعت اہل مدینہ کے ساتھ خاص ہے۔

قولہ قال ابو داؤد الخ (۲) حضرت معقل بن ابی معقل اسدی سے روایت کرنے والے راوی (ابو زید) کا تعارف مقصود ہے کہ یہ (یعنی ابو زید) بنی ثعلبہ کے آزاد کردہ غلام ہیں بعض نے ان کا نام ولید بتایا ہے۔

قال ابن المدینی لیس بالمعروف وفی التقریب مجہول۔

(۳) باب کیف التکشف عند الحاجۃ

(۴) حدثنا زهير بن حرب قال ثنا وكيع عن الاعمش عن رجل عن ابن عمر ان النبی صلی

اللہ علیہ وسلم کان اذا اراد حاجۃ لا یرفع ثوبہ حتی یدنو من الارض، قال ابو داؤد
رواہ عبد السلام بن حرب عن الاعمش عن انس بن مالک وھو ضعیف[۲]

حل لغات

تکشف ظاہر ہونا، مراد ستر کھولنا، ثوب کپڑا مراد تہبند، یدنو دن، دُنُوًّا دَنَاوَۃً نزدیک ہونا، یمشی و منہ دالیہ قریب ہونا۔ **ترجمہ**
زہیر بن حرب نے بسند وکیع بواسطہ اعمش عن رجل حضرت ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب پاخانہ جانیکا قصد فرماتے تو کپڑا نہ اٹھاتے یہاں تک کہ زمین سے نزدیک ہوجاتے۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ اس روایت کو عبد السلام بن حرب نے بواسطہ اعمش حضرت انس بن مالک سے روایت کیا ہے مگر یہ طریق سند ضعیف ہے۔ **تشریح**

قولہ حتی یدنو الخ۔ یعنی آپ کپڑا اس وقت اٹھاتے تھے جب آپ زمین سے قریب ہوجاتے تھے تاکہ کسی کو ستر دکھائی نہ دے کیونکہ آپ نے تنہائی میں بھی ستر کھولنے سے منع کیا ہے اور فرمایا ہے فاللہ احق ان یستحی منہ من الناس۔ معلوم ہوا کہ تنہائی میں ستر کھولنے کا جواز صرف ضرورت کی وجہ سے ہے پس قبل از ضرورت ستر کھولنا مناسب نہیں۔

قولہ قال ابو داؤد الخ (۳) وھو ضعیف میں ھو ضمیر کا مرجع عبد السلام بن حرب نہیں کیونکہ عبد السلام راوی ثقہ، حافظ اور رجال صحیحین میں سے ہے بلکہ اس کا مرجع وہ حدیث ہے جس کو عبد السلام بن حرب نے بواسطہ اعمش حضرت انس سے روایت کیا ہے اور اس روایت کی تضعیف مقصود ہے۔

حاصل یہ کہ یہاں دو روایتیں ہیں ایک روایت اعمش عن رجل عن ابن عمر اور ایک روایت عبد السلام بن حرب عن الاعمش عن انس۔ صاحب کتاب نے وھو ضعیف کہہ کر روایت انس کو ضعیف بتایا ہے باین معنی کہ یہ روایت مرسل ہے۔ کیونکہ اعمش کو بقول امام ترمذی حضرت انس سے (بلکہ کسی صحابی سے) لقاء حاصل نہیں حافظ سندی نے تلخیص میں جو ابونعیم اصفہانی کا قول نقل کیا ہے کہ اعمش نے حضرت انس اور حضرت ابن ابی اوفی کو دیکھا ہے اور ان سے حدیث سنی ہے یہ خلاف مشہور ہے۔ مشہور وہی ہے جو امام ترمذی نے ذکر کیا ہے۔

(فائدہ) صاحب کتاب نے صرف روایت انس پر ضعف کا حکم لگایا ہے روایت ابن عمر کو ضعیف نہیں کہا اس واسطے کہ اعمش اس کو ابن عمر سے بلا واسطہ روایت نہیں کرتے بلکہ عن رجل عن ابن عمر روایت کرتے ہیں تو ظاہر یہی ہے کہ رجل مبہم آپ کے نزدیک ثقہ اور غیر مجہول ہے (چنانچہ حافظ ابن حجر نے تقریب اور تہذیب التہذیب

---

(۱) فی درجات مرقاۃ الصعود، الظاہر ان ضمیر یدنو الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال والذی فیما بلغنی انہ للثوب ھو بعید
(۲) وجد فی بعض النسخ بعد قول المؤلف وھو ضعیف ہذہ العبارۃ قال ابو عیسی الرملی حدثنا احمد بن الولید ثنا عمرو بن عون ثنا عبد السلام بہ انتہی قلت ابو عیسی ہذا ہو اسحٰق وراق ابی داؤد وہذہ اشارۃ منہ ان الحدیث متصل الیہ من غیر طریق شیخہ ابی داؤد فہذہ العبارۃ من روایۃ ابی عیسی الرملی لا من روایۃ اللؤلؤی عن ابی داؤد فلعل بعض النساخ من روایۃ اللؤلؤی ادخل علی روایۃ الرملی نادر وجاء فی نسخۃ اللؤلؤی ومرادہ بذلک انہ لما کانت روایۃ عبد السلام غیر موصولۃ اشار موصلہا بروایۃ ابی عیسی الرملی ۱۲ عون۔

ہیں اور ضیاء مقدسی نے اس کا نام قاسم بن محمد بتایا ہے) اس لئے آپ نے اس پر صنعت کا حکم نہیں لگایا بخلاف امام ترمذی کے کہ انھوں نے حضرت انس و حضرت ابن عمر کی دونوں روایتوں کو مرسل ہی روایت کیا ہے اس لئے موصوف نے آخر میں کہہ دیا. وکلا الحدیثین مرسل، فلم تقع عندہ الرواتیان۔

(تنبیہ) یہ عبدالسلام بن حرب زہیر بن حرب کا (جو حدیث الباب کے شروع سند میں مذکور ہے) بھائی نہیں بلکہ یہ عبدالسلام بن حرب بن سلمہ نہدی کوفی ہے اور کنیت ابو بکر ہے جو ثقہ، ثبت اور حافظ ہے اور زہیر ذکور زہیر بن حرب بن شداد نسائی نزیل بغداد ہے اور کنیت ابو خیثمہ ہے اس کی وفات ۲۳۴ھ میں ہے۔

(۴) باب کراھیۃ الکلام عند الخلاء

(۷) حدثنا عبید اللہ بن عمر بن میسرۃ ثنا ابن مھدی ثنا عکرمۃ بن عمار عن یحییٰ بن ابی کثیر عن ھلال بن عیاض قال حدثنی ابوسعید قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا یخرج الرجلان یضربان الغائط کاشفین عن عورتھما یتحدثان فان اللہ عزوجل یمقت علی ذلک. قال ابوداؤد ھذا لم یسندہ الا عکرمۃ بن عمار[۱]

حل لغات

یضربان الغائط فی مجمع البحار ضرب یضرب الغائط والخلاء والارض اذا ذہب لقضاء الحاجۃ، فالمعنی یقضیان الحاجۃ۔ کاشفین عن عورتھما۔ یضربان کی ضمیر سے حال ہے یمقت (ن) مقتا بہت بغض رکھنا۔ ترجمہ

عبید اللہ بن عمر بن میسرہ نے بہ سند ابن مہدی بواسطہ عکرمہ بن عمار عن یحییٰ بن ابی کثیر عن ہلال بن عیاض حضرت ابوسعید سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ دو آدمی پاخانہ پھرنے کو ستر کھولے ہوئے باتیں کرتے ہوئے نہ نکلیں کیونکہ حق تعالیٰ اس پر بہت ناراض ہوتا ہے۔ ابو داؤد کہتے ہیں کہ اس حدیث کو مسند روایت نہیں کیا مگر عکرمہ بن عمار نے۔ تشریح

قولہ قال ابوداؤد الخ (۴) یعنی یہ حدیث بطریق عکرمہ بن عمار ضعیف ہے کیونکہ اس حدیث کو مسند روایت کرنے میں عکرمہ متفرد ہے نیز حفاظ نے یحییٰ بن ابی کثیر سے عکرمہ کی اس حدیث کو ضعیف کہا ہے چنانچہ درجات مرقاۃ الصعود میں ہے کہ حافظ بیہقی نے اس حدیث کو بطریق اوزاعی عن یحییٰ بن ابی کثیر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم مرسلاً روایت کیا ہے۔ ابو حاتم فرماتے ہیں کہ یہی صحیح ہے اور عکرمہ نے جو روایت کیا ہے وہ غلط ہے

عہ قال الخطابی ہو فی سنن البیہقی کذلک بطریق احمد بن محمد بن رجاء المصیصی عن وکیع عن الاعمش عن قاسم بن محمد عن ابن عمر انتہی فلا یتوہم انہ غیاث بن ابراہیم احد الضعفاء کما فی عون المعبود فافہم ۱۲ بذل

[۱] وفی بعض النسخ بعد قولہ الا عکرمۃ ہذہ العبارۃ حدثنا ابان ثنا یحییٰ بہذا یعنی حدیث عکرمۃ بن عمار انتہی قلت لیس ہذہ العبارۃ فی نسخ الصحاح لان ابا داؤد ذکرانہ لم یسندہ الا عکرمۃ فلم یقف علیہ ابو داؤد مسندا من غیر روایۃ عکرمۃ فاراد الحق، ہذہ العبارۃ الاستدراک علی ابی داؤد بانہ قد اسندہ عن یحییٰ بن ابی کثیر ابان بن یزید العطار لکن لم اقف علی نسبۃ ہذہ العبارۃ لاحد من الائمۃ ۱۲ عون

لیکن علامہ شوکانی فرماتے ہیں ولا وجہ للتضعیف بہذا فقد اخرج مسلم حدیثہ عن یحییٰ واستشہد بحدیثہ البخاری عن یحییٰ ایضاً (نیل)۔

(۵) باب فی الرجل یرد السلام وھو یبول

(۶) حدثنا عثمان وابوبکر ابنا ابی شیبۃ قالا حدثنا عمر بن سعد عن سفیان عن الضحاک بن عثمان عن نافع عن ابن عمر قال مرّ رجل علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو یبول فسلّم علیہ فلم یردّ علیہ۔ قال ابوداؤد وروی عن ابن عمر وغیرہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم تیمّم ثم ردّ علی الرجل السلام

ترجمہ:۔ عثمان اور ابوبکر پسران ابی شیبہ نے بسند عمر بن سعد بواسطہ سفیان عن الضحاک بن عثمان عن نافع حضرت ابن عمر سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر گذرا آپ پیشاب کر رہے تھے اس نے سلام کیا، آپ نے جواب نہ دیا۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ ابن عمر وغیرہ سے مروی ہے کہ آپ نے تیمم کیا پھر اس شخص کو سلام کا جواب دیا۔ تشریح

قولہ باب الخ۔ ترجمہ بتقدیر حرف استفہام ہے اے ایرد السلام وھو یبول؟ چنانچہ بعض نسخوں میں حرف استفہام مذکور بھی ہے اور بعض نسخوں میں لا یرد السلام حرف نفی کے ساتھ ہے۔

جو شخص قضاء حاجت میں مشغول ہو اس کو سلام کرنا مکروہ ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیشاب کر رہے تھے ایک شخص نے آپ کو سلام کیا آپ نے فرمایا کہ جب تو مجھے اس حالت میں دیکھے تو سلام نہ کر، اگر تو نے ایسا کیا تو میں جواب نہ دے سکوں گا (ابن ماجہ)

کراہیت جواب کی وجہ ابوداؤد میں باب کراہیۃ الکلام عند الخلاء کے ذیل میں گذر چکی کہ برہنگی کی حالت میں گفتگو کرنا مکروہ ہے تو ذکر اللہ بطریق اولیٰ مکروہ ہوگا۔

فائدہ) علماء احناف وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ قضاء حاجت کے وقت سلام کرنا مکروہ ہے اس کے علاوہ کچھ اور حالات ہیں جن میں سلام کرنا مکروہ ہے قال فی الدر المختار نظماً

سلامک مکروہ علی من ستسمع ٭ ومن بعد ما ابدی یسن ویشرع ٭ مصل وتال ذاکر ومحدث

خطیب ومن یصغی الیہم ویسمع ٭ مکرر فقہ جالس لقضائہ ٭ ومن بحثوا فی الفقہ دعہم لینفعوا

مؤذن ایضاً او مقیم مدرس ٭ کذا الاجنبیات الفتیات امنع ٭ ولعاب شطرنج وشبہ بخلقہم

ومن ہو مع اہل لہ یتمتع ٭ ودع کافراً ایضاً ومکشوف عورۃ ٭ ومن ہو فی حال التغوط اشنع

قولہ فلم یرد علیہ الخ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیشاب کر رہے تھے اس حالت میں کسی نے سلام کیا آپ نے جواب نہیں دیا جبکہ سلام کا جواب دینا واجب ہے۔ معلوم ہوا کہ اس حالت میں سلام نہیں کرنا چاہئے اور اگر کوئی سلام کرے تو وہ مستحق جواب نہیں ہے اس واسطے کہ سلام بھی ایک قسم کا ذکر ہے اور جب برہنگی کی حالت میں کلام کرنا بھی مکروہ ہے تو ذکر اللہ بطریق اولیٰ مکروہ ہوگا۔

سوال حدیث میں تو یہ ہے۔ کان یذکر اللہ علی کل احیانہ۔ آپ ہر وقت اللہ کا ذکر کرتے تھے۔ جواب احیان سے

مراد حالت طہارت اور حالت حدث ہے نہ کہ حالت کشف عورت و حالت خلاء۔ سوال حضرت عائشہؓ کی حدیث میں ہے کہ آپ بیت الخلاء سے نکلتے وقت "غفرانک" پڑھتے تھے[۵] اور حضرت انسؓ کی حدیث میں ہے یقول اذا خرج من الخلاء الحمد للہ الذی اذہب عنی الاذی وعافانی۔ ان احادیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان اوقات میں دعا مستحب ہے اور حدیث باب سے معلوم ہوتا ہے کہ بلا طہارت ذکر اللہ مکروہ ہے۔ جواب ذکر اللہ کی دو قسمیں ہیں مختص بالوقت اور غیر مختص بالوقت۔ بیت الخلاء سے نکلتے وقت جو اذکار وارد ہیں وہ اسی وقت کے ساتھ خاص ہیں تو ان کو اسی وقت پڑھنا افضل ہے بخلاف سلام کے کہ وہ کسی وقت کے ساتھ مختص نہیں لہذا فی الفور سلام کا جواب دینا واجب نہیں۔

قولہ قال ابوداؤد الخ صاحب کتاب نے یہاں دو تعلیقات کا حوالہ دیا ہے جن کو موصوف نے باب التیمم فی الحضر کے ذیل میں موصولاً ذکر کیا ہے ایک تعلیق ابو الجہیم بن الحارث بن الصمہ الانصاری اور ایک تعلیق ابن عمرؓ۔

حوالہ کا مقصد یہ ہے کہ اس حدیث سے گو علی الاطلاق سلام کا جواب نہ دینا معلوم ہوتا ہے لیکن دیگر روایات میں ہے کہ آپ نے تیمم کر کے سلام کا جواب دیا پس آپ نے افضل طریقہ اختیار کیا اس واسطے کہ بیت الخلاء سے فراغت کے بعد جواب دینا گو جائز تھا لیکن بحالت طہارت افضل ہے۔

(۷) باب الخاتم یکون فیہ ذکر اللہ یدخل بہ الخلاء

(۷) حدثنا نصر بن علی عن ابی علی الحنفی عن ھمام عن ابن جریج عن الزھری عن انس ۲۴ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا دخل الخلاء وضع خاتمہ، قال ابوداؤد ھذا حدیث منکر وانما یعرف عن ابن جریج عن زیاد بن سعد عن الزھری عن انس قال ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتخذ خاتما من ورق ثم القاہ والوھم فیہ من ھمام ولم یروہ الا ھمام۔

حل لغات

الخاتم انگوٹھی ج خواتم یکون فیہ ذکر اللہ ای یکون فیہ النقوش الدالۃ علی الالفاظ مدلولہا ذکر اللہ، یدخل بحذف حرف الاستفہام اے ءیدخل بہ الخلاء؟ وضع ای نزع ذکما فی روایۃ الترمذی والنسائی، من الاصح ثم یضعہ خاتم الخلاء ولا یدخل الخلاء مع الخاتم۔

ترجمہ

نصر بن علی نے بسند ابو علی حنفی بواسطہ ہمام عن ابن جریج عن الزہری حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ جب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پاخانہ کو جاتے تو اپنی انگوٹھی نکال لیتے تھے۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ یہ حدیث منکر ہے اور ابن جریج سے بسند زیاد بن سعد بواسطہ زہری حضرت انسؓ سے یہ حدیث اس طرح معروف ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

[۵] اخرجہ ابوداؤد وصححہ الحاکم وابوحاتم وابن خزیمۃ وابن حبان ۱۲ [۶] اخرجہ ابن ماجہ ۱۲

نے چاندی کی ایک انگوٹھی بنوائی پھر اس کو نکال ڈالا۔ اس حدیث میں وہم ہمام کی جانب سے ہے اور اس کو ہمام ہی نے روایت کیا ہے۔

تشریح

قولہ باب الخ اگر انگوٹھی میں حق تعالیٰ کا نام یا کوئی دعا وغیرہ منقوش ہو تو بیت الخلاء جاتے وقت اس کو نکال کر کسی جگہ رکھ دینا چاہیے حق تعالیٰ کے نام کی عظمت اور تعظیم ذکر اللہ کا مقتضیٰ یہی ہے۔ چنانچہ روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی میں محمد رسول اللہ منقوش تھا آپ جب بیت الخلاء جانے کا ارادہ فرماتے تو اس کو اتار کر رکھ دیتے تھے۔ یہی حکم ہر اس چیز کا ہے جس میں اللہ کا نام یا ذکر اور دعا وغیرہ منقوش ہو۔

قولہ قال ابوداؤد ہذا[۱] یعنی حدیث ہمام عن ابن جریج منکر ہے کیونکہ اس میں ایک تو ابن جریج کا اور زہری کے درمیان واسطہ متروک ہے دوسرے یہ کہ اس کا متن دوسری حدیث کے متن سے بدل دیا گیا ہے۔ یہ حدیث جو معروف ہے اس طرح ہے "عن ابن جریج عن زیاد بن سعد عن الزہری عن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتخذ خاتما من ورق ثم القاہ"۔

صاحب کتاب نے اس کی تخریج "باب ماجاء فی ترک الخاتم" کے ذیل میں بایں الفاظ کی ہے۔ "حدثنا محمد بن سلیمان عن ابراہیم بن سعد عن ابن شہاب (الزہری) عن انس بن مالک انہ رای فی ید النبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتما من ورق یوما واحدا فصنع الناس فلبسوا وطرح النبی صلی اللہ علیہ وسلم فطرح الناس۔ قال ابوداؤد رواہ الزہری وزیاد بن سعد وشعیب وابن مسافر کلہم قال من ورق"۔

محمد بن سلیمان لبنا ابراہیم بن سعد بواسطہ ابن شہاب زہری حضرت انس سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں چاندی کی انگوٹھی صرف ایک روز دیکھی گئی، یہ دیکھ کر لوگوں نے انگوٹھیاں بنوا کر پہنیں اس کے بعد آپ نے وہ انگوٹھی نکال ڈالی تو لوگوں نے بھی نکال دیں۔ ابوداؤد فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو زہری سے زیاد بن سعد، شعیب، اور ابن مسافر نے روایت کیا ہے اور سب نے لفظ من ورق ذکر کیا ہے:۔

قولہ والوہم فیہ الخ یعنی حدیث مذکور میں جو ہمام نے جملہ "اذا دخل الخلاء وضع خاتمہ" روایت کیا ہے یہ اس کا وہم ہے جس میں اس نے ابن جریج سے روایت کرنے والے تمام رواۃ کے خلاف کیا ہے۔ عبد اللہ بن الحارث المخزومی، ابو عاصم، ہشام بن سلیمان اور موسیٰ بن طارق سب نے اس حدیث کو عن ابن جریج عن زیاد بن سعد عن الزہری عن انس روایت کیا ہے لیکن کسی نے جملہ مذکورہ (اذا دخل الخلاء وضع خاتمہ) روایت نہیں کیا۔

مگر یہ دعویٰ غیر مسلم ہے کیونکہ ممکن ہے یہ دو مختلف حدیثیں اسی سند سے مروی ہوں جیسا کہ موسیٰ بن ہارون نے کہا ہے "لا ادفع ان یکون حدیثین"۔ مرقاۃ الصعود میں ہے۔ "ولا مانع ان یکون ہذا متن آخر فی ذلک المتن" ابن حبان کا میلان بھی اسی طرف ہے چنانچہ موصوف نے دونوں کی تصحیح کی ہے:

(تنبیہ اول) صاحب کتاب نے جو حدیث ہمام پر منکر ہونے کا حکم لگایا ہے یہ صحیح نہیں کیونکہ حدیث منکر اس کو کہتے ہیں جس میں راوی اپنے سوء حفظ یا مجہول الحال وغیرہ ہونے کی وجہ سے ضعیف ہو اور وہ قوی راوی کی مخالفت کرے پس راجح کو معروف کہتے ہیں اور اس کے مقابل کو حدیث منکر۔ قال الحافظ فی شرح النخبۃ "وان وقعت المخالفۃ مع الضعف فالراجح" ای ان کان الراوی المخالف ضعیفا لسوء حفظہ او جہالتہ او

نحو ذلک) فالراجح بقال له المعروف ومقابله المنکر. موصوف شرح نخبہ میں دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

"والثالث المنکر علی رای من لا یشترط فی المنکر قیدا لمخالفۃ وہو من یکون الطعن فیہ بسبب کثرۃ الغلط لا یکون منکرا الا علی رای من لا یشترط فی المنکر مخالفۃ الثقۃ الضعیف کما تقدم واما من یشترط فیہ ذلک فلا)

یعنی جس حدیث کے راوی سے بکثرت غلطی صادر ہوتی ہو اس کی حدیث کو منکر کہتے ہیں مگر اس پر منکر کا اطلاق ان لوگوں کے نزدیک ہے جو منکر کی تعریف میں مخالفت ثقہ کی شرط کو تسلیم نہیں کرتے۔

بہرکیف منکر کے سلسلہ میں یہ دو مذہب ہوئے صاحب کتاب کا قول ہذا حدیث منکر دونوں مذہبوں پر صحیح نہیں اترتا۔ مذہب اول پر تو اس لئے صحیح نہیں کہ ہمام بن یحییٰ راوی ضعیف نہیں ثقہ اور حافظ ہے رجال صحیحین میں سے ہے قال ابن معین ثبت ہو فی کل المشائخ۔ وقال ابن عدی ہو اصدق واشہر من ان یذکر لہ حدیث منکر واحادیثہ مستقیمۃ۔

مذہب دوم پر اس لئے صحیح نہیں کہ فحش غلط کثرت غفلت اور جہالت حال یا ظہور فسق وغیرہ اوصاف سے موصوف نہیں پس حدیث مذکور دونوں مذہبوں میں سے کسی ایک پر بھی منکر قرار نہیں دی جا سکتی۔ ہاں اگر اسکو حدیث مدلس کہا جاتا تو کسی حد تک بجا تھا یہی کہ اصحاب ابن جریج نے اس حدیث کو ابن جریج اور زہری کے درمیان زیاد بن سعد کے واسطے سے روایت کیا ہے اور ہمام نے اس واسطے کو حذف کر دیا یہی وجہ ہے کہ امام نسائی نے اس کو منکر نہیں کہا بلکہ غیر محفوظ[1] کہا ہے۔

(تنبیہ ثانی) امام ترمذی نے بھی حدیث مذکور کی تخریج کی ہے مگر موصوف نے اس پر حدیث حسن صحیح غریب کا حکم لگایا ہے۔ حکم صحت کی وجہ تو یہ ہو سکتی ہے کہ ممکن ہے امام ترمذی کو یہ دو متن دو مختلف سندوں کیساتھ پہنچے ہوں جن میں سے ایک متن بلا واسطہ زیاد بن سعد مروی ہو اور دوسرا بواسطہ زیاد، پس دو مختلف سندوں کے لحاظ سے دونوں حدیثوں کو صحیح کہا جا سکتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ صحیح اس لئے کہا ہو کہ حدیث ہمام کا شاہد موجود ہے۔ علامہ سیوطی مرقاۃ الصعود میں فرماتے ہیں: اخرجہ البیہقی من طریق یحییٰ بن المتوکل البصری عن ابن جریج عن الزہری عن انس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لبس خاتما نقشہ محمد رسول اللہ فکان اذا دخل الخلاء وضعہ حاکم نے اس روایت کی تصحیح کی ہے اور ابن حبان نے ابن المتوکل کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے تقریب میں اس کے متعلق صدوق یخطی کہا ہے۔ نیز ابن عدی نے روایت کیا ہے حدثنا محمد بن سعد الحرانی ثنا عبداللہ بن محمد بن میمون ثنا ابو قتادۃ عن ابن جریج عن ابن عقیل یعنی عبداللہ بن محمد بن عقیل عن عبد اللہ بن جعفر قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یلبس خاتمہ فی یمینہ وقال کان ینزع خاتمہ اذا اراد الجنابۃ[2]۔

بہر حال حدیث ہمام کے لئے یہ شواہد موجود ہیں تو ممکن ہے اسی لئے اس کو صحیح کہا ہو لیکن اس پر غریب ہونے کا حکم پھر بھی مشکل ہے۔ الا کہ یوں کہا جائے کہ یہ حکم یحییٰ بن المتوکل کے متعلق اختلاف تعدیل پر مبنی ہے کہ بعض

---

[1] قال الحافظ فی نکتہ علی ابن الصلاح وحکم النسائی علیہ بکونہ غیر محفوظ اصوب فانہ شاذ فی الحقیقۃ اذ المتفرد بہ من شرط الصحیح لکنہ بالمخالفۃ صار حدیثہ شاذا ۱۲

[2] وفیہ ابن ابی قتادۃ وہو عبداللہ بن واقد الحرانی مع کونہ صدوقا کان یخطی وقد اطلق غیر واحد تضعیفہ وقال البخاری منکر الحدیث ترکوہ بل قال احمد اخشی کان یدلس، فروایۃ ہذا تقوی روایۃ ہمام ۱۲ عون

حضرات نے اس کو ثقہ کہا ہے جیسے ابن حبان وغیرہ اور بعض نے ضعیف جیسے ابن المدینی، نسائی اور ابن معین وغیرہ تو جن لوگوں نے اس کی توثیق کی ہے ان کی رائے پر صحت کا حکم ہے اور جن لوگوں نے اسکی تضعیف کی ہے ان کی رائے پر غرابت کا حکم ہے اور وجود و کا لعدم :-

(تنبیہ ثالث) روایت ابن جریج عن زیاد بن سعد عن الزہری عن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتخذ خاتما من ورق ثم القاہ کا بھی محدثین نے انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جس انگوٹھی کا ڈالنا ثابت ہے وہ سونے کی تھی نہ کہ چاندی کی چنانچہ عبداللہ بن الحارث المخزومی، ابو عاصم، ہشام بن سلیمان اور موسیٰ بن طارق، ان سب کی روایت یوں ہے "عن ابن جریج عن زیاد بن سعد عن الزہری عن انس انہ رأی فی ید النبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتما من ذہب فاضطرب الناس الخواتیم فرمی بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم - - - - - - - -

حافظ دارقطنی کتاب العلل میں فرماتے ہیں ہذا ہو محفوظ الصحیح عن ابن جریج" پس یہ ہمام کا وہم نہیں ہے بلکہ زہری کا ہے۔

چاندی کی انگوٹھی تو آپ کے پاس آخر عمر تک رہی ہے آپ کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ کے پاس رہی ابو بکر صدیق کے بعد حضرت عمر فاروقؓ کے پاس رہی پھر حضرت عثمانؓ کے پاس رہی یہاں تک کہ آپ کے زمانہ میں وہ بیر اریس میں گر گئی :-

(۷) باب الاستبراء من البول

(۸) حدثنا زهیر بن حرب وهناد قالا حدثنا وکیع ثنا الاعمش قال سمعت مجاهدًا یحدث عن طاوس عن ابن عباس قال مرّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی قبرین فقال اِنّهما یعذّبان وما یعذبان فی کبیر اما هذا فکان لا یستنزه من البول واما هذا فکان یمشی بالنمیمة ثم دعا بعسیب رطب فشقه باثنین ثم غرس علی هذا واحدًا وعلی هذا واحدًا وقال لعلّه یخفف عنهما ما لم ییبسا، قال هناد یستتر مکان یستنزه

حل لغات

الاستبراء پیشاب کرنے کے بعد بقیہ قطرات سے عضو کو پاک صاف کرنا یقال استبرأت من البول ای تنزہت عنہ (تحرزت)، مروا گذرنا، لایستنزہ پاکی حاصل نہیں کرتا تھا نمیمہ چغلخوری نمائم (ن م م) (ن، ض) نما الحدیث چغلخوری کرنا عسیب کھجور کی ٹہنی جس پر پتے نہ ہوں [illegible] رطب تر و تازہ شقہ (ن) شقا پھاڑنا باثنین اثنان سے [illegible] حال ہونے کی بنا پر منصوب ہے غرس (ض) غرسا پودا لگانا ... [illegible] ییبسا ییبس (س) خشک ہونا - ترجمہ

له وفی بعض [illegible] [illegible] [illegible] الاستنجاء [illegible] قضاء الحاجة [illegible]
[illegible] بذل ۔ وفی روایة ابن عساکر یستبری [illegible] من الاستبراء ۱۲

زہیر بن حرب اور ہناد نے بسند وکیع بواسطہ اعمش حضرت مجاہد سے روایت کیا ہے۔ مجاہد بواسطہ طاؤس حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں پر گذرے اور فرمایا کہ ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے اور کوئی بڑی دشوار بات پر عذاب نہیں ہو رہا۔ ایک شخص تو پیشاب سے احتیاط نہیں رکھتا تھا اور ایک چغلخوری کرتا تھا پھر آپ نے کھجور کی ایک تازہ ٹہنی منگوائی اور اس کو بیچ سے چیر کر آدھی اس قبر پر گاڑ دی اور آدھی اس قبر پر اور فرمایا، شاید ان کا عذاب کم رہے جب تک یہ ٹہنیاں نہ سوکھیں، ہناد نے یستنزہ کی جگہ یستتر کہا ہے۔

تشریح

قولہ باب الخ۔ پیشاب ناپاک بھی ہے اور ناقض وضو بھی اس لئے اس سے بچنے اور احتیاط رکھنے کی ضرورت ہے اگر اتفاق سے بدن یا کپڑا اس سے آلودہ ہو جائے تو پاکی حاصل کرنا یعنی پانی سے دھونا ضروری ہے اس کے بغیر پاکی حاصل نہ ہو گی۔ نیز احتیاط نہ کرنے کی صورت میں عذاب قبر کا اندیشہ ہے جیسا کہ حدیث باب سے ثابت ہوتا ہے اس لئے پیشاب ایسی جگہ کرنا چاہئے جو سامنے سے علیحدہ ہو، آڑ بھی ہو ہوا کا رخ اس کی طرف نہ ہو اور پیشاب کرنے کی جگہ نشیبی اور نرم ہو تاکہ چھینٹوں کے اڑنے سے بدن یا کپڑا آلودہ نہ ہو۔

قولہ مر النبی صلعم الخ۔ یہ واقعہ مدینہ کے کسی باغ کا ہے۔ بخاری میں "بحش من حیطان المدینۃ او مکۃ" ہے یہ جریر راوی کا شک ہے کہ انھیں مکہ یا مدینہ میں سے کسی ایک کا تعین نہ ہو سکا۔

قولہ علی قبرین الخ۔ یہ قبریں پرانی تھیں یا نئی؟ نیز صاحب قبر کافر تھے یا مسلمان؟ حافظ عسقلانی نے ثانی احتمال کو ترجیح دی ہے فرماتے ہیں کہ حدیث باب کے مجموعی طرق سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مسلمان تھے۔ چنانچہ ابن ماجہ کی روایت میں "مر بقبرین جدیدین" کی صراحت موجود ہے۔ مسند احمد میں حضرت ابو امامہ سے روایت ہے کہ آپ کا گذر بقیع کے قبرستان سے ہوا اور آپ نے پوچھا: من دفنتم الیوم ہہنا؟ آج تم نے یہاں کسے دفن کیا ہے؟

پس قبروں کا نیا ہونا اس بات کا قرینہ ہے کہ وہ ایام جاہلیت کی نہ تھیں اور بقیع سے گذر ہونا اس بات کا قرینہ ہے کہ وہ مسلمانوں کی تھیں کیونکہ بقیع مسلمانوں کا قبرستان ہے۔ علاوہ ازیں امام احمد اور طبرانی نے باسناد صحیح روایت کیا ہے "یعذبان وما یعذبان فی کبیر وما یعذبان الا فی الغیبۃ والبول"۔ اس روایت میں حصر کے ساتھ کہا گیا ہے کہ وہ لوگ صرف غیبت اور پیشاب سے نہ بچنے کی بنا پر معذب ہو رہے تھے معلوم ہوا کہ وہ کافر نہیں تھے کیونکہ کافر جہاں ترک احکام اسلام کی وجہ سے معذب ہوتا ہے وہیں کفر کی وجہ سے بھی معذب ہوتا ہے وقد جزم ابن العطار فی شرح العمدۃ بانہما کانا مسلمین۔

قولہ وما یعذبان فی کبیر الخ۔ یعنی جس جرم میں وہ معذب ہو رہے تھے اگر وہ اس سے بچنا چاہتے تو وہ بہت زیادہ دشوار نہیں تھا ذرا سی توجہ سے اس سے بچ سکتے تھے کیونکہ پیشاب سے احتیاط کر لینا کوئی مشکل بات نہیں تھی۔ نیز چغلخوری زندگی کا لازمی جزو نہیں کہ اس کے بغیر انسان زندہ نہ رہ سکے لیکن ان لوگوں نے احتیاط نہیں کی اور اب معذب ہو رہے ہیں۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ شریعت کی نظر میں بھی یہ چیزیں معمولی ہیں۔

قولہ لعلہ الخ۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں علامہ مازری کا قول نقل کیا ہے کہ ممکن ہے آپ کو بذریعہ وحی بتا دیا گیا ہو کہ اس مدت تک ان سے عذاب میں تخفیف ہو جائے گی۔ اس لئے آپ نے لعلہ یخفف عنہما الخ فرمایا۔ اس صورت میں لعلہ محض برائے تعلیل ہو گا۔ علامہ خطابی نے اس کو اس پر محمول کیا ہے کہ آپ نے ٹہنی کے باقی رہنے کی مدت تک

تخفیف عذاب کی دعا فرمائی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ سبز شاخیں تسبیح خداوندی کرتی ہیں بس جب تک شاخیں سبز اور تر رہیں گی اس وقت تک عذاب میں تخفیف رہے گی۔ لیکن ان سب میں بہتر توجیہ یہ ہے کہ مالم ییبسا کا ترجمہ یوں کیا جائے کہ مجھے توقع ہے کہ ان شاخوں کے خشک ہونے سے قبل ہی ان کے عذاب میں تخفیف ہو جائے گی۔

قولہ قال ہناد الخ صاحب کتاب اپنے شیخ زہیر بن حرب اور ہناد بن السری کے اختلاف الفاظ کو بیان کرنا چاہتے ہیں کہ زہیر نے لایستنزہ روایت کیا ہے اور ہناد نے "لا یستتر" اور اکثر روایات میں لا یستتر ہی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے اور پیشاب کے درمیان آڑ نہیں کرتا تھا تاکہ پیشاب کی چھینٹوں سے بچ سکے اس صورت میں لا یستتر اور لا یستنزہ کا مطلب ایک ہی نکلا کہ وہ پیشاب کی چھینٹوں سے بچنے کی کوشش نہیں کرتا تھا۔ حافظ ابو نعیم نے اعمش سے کان لا یتوقی کے الفاظ روایت کئے ہیں جس سے اس معنی کی اور وضاحت ہو جاتی ہے۔

بعض حضرات نے لا یستتر کو اس کے ظاہر پر رکھا ہے کہ وہ لوگوں سے اپنا ستر نہیں چھپاتا تھا لیکن یہ معنی اس لئے مناسب نہیں کہ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عذاب مذکور کا سبب صرف کشف عورت تھا حالانکہ سیاق حدیث اس پر دال ہے کہ پیشاب سے نہ بچنے پر قبر میں خاص طور سے عذاب ہوتا ہے ابن خزیمہ، احمد اور ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے "اکثر عذاب القبر من البول" ای بسبب ترک التحرز منہ۔ حافظ طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت ابو امامہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے "اتقوا البول فانہ اول ما یحاسب بہ العبد فی القبر" اسی طرح امام احمد اور ابن ماجہ نے حضرت ابو بکرہ سے اور طبرانی نے حضرت انس سے یہ الفاظ روایت کئے ہیں "اما احدھما فیعذب فی البول" ان سب روایات سے اسی معنی کی تائید ہوتی ہے۔

(۹) حدثنا عثمان بن ابی شیبۃ ثنا جریر عن منصور عن مجاھد عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم بمعناہ، قال کان لا یستتر من بولہ قال ابو معویۃ یستنزہ

ترجمہ ـــــ

عثمان بن ابی شیبہ نے بسند جریر بواسطہ منصور عن مجاہد عن ابن عباس حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی کے ہم معنی روایت کیا ہے۔ جریر نے کان لا یستتر من بولہ کہا ہے اور ابو معویہ نے یستنزہ۔

تشریح

قولہ بمعناہ الخ۔ اس سند کے نقل کرنے سے صاحب کتاب کا مقصد روایت مجاہد کے اختلاف کو بیان کرنا ہے کیونکہ اعمش نے یہی روایت تو مجاہد اور حضرت ابن عباس کے درمیان طاؤس کا واسطہ ذکر کیا ہے اور منصور نے اس کو ذکر نہیں کیا۔ امام بخاری نے بھی دونوں روایتوں کی تخریج اسی طرح کی ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ امام بخاری کا اس حدیث کو دونوں طریق پر روایت کرنا ان کا مقتضی ہے کہ آپ کے نزدیک دونوں طریق صحیح ہیں تو یوں سمجھا جائے گا کہ مجاہد نے اولاً حضرت ابن عباس سے بواسطہ طاؤس سنا ہوگا اس کے بعد بلا واسطہ یا اس کے برعکس ابن حبان نے دونوں طریق کی صحت کی تصریح کی ہے۔ صاحب کتاب کا طرز تخریج بھی اسی پر دال ہے لیکن امام ترمذی نے روایت اعمش کو اصح کہا ہے فانہ استدل بقول صحت

وابابکر محمد بن ابان یقول سمعت وکیعا یقول الاعمش احفظ لاسناد ابراہیم من منصور۔ یہ قول اس پر دال ہے کہ ان کے نزدیک روایت منصور کی بہ نسبت روایت اعمش ارجح ہے دلعل الحق مع المصنف والبخاری والجمہور:

قولہ قال کان الخ (۳) روایت زہیر وہناد میں لیستتر اور لیستنزہ کا جو اختلاف تھا وہی اختلاف منصور و اعمش کی روایت میں ہے اسی اختلاف کو بیان کرنا چاہتے ہیں کہ جریر نے جو صاحب کتاب کے شیخ الشیخ ہیں لا یستتر روایت کیا ہے اور ابومعاویہ نے لیستنزہ۔ لیکن صاحب کتاب کے اس طرز بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابومعاویہ (محمد بن خازم) کی روایت منصور سے ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ ابومعاویہ کی روایت عن الاعمش عن مجاہد عن ابن عباس ہے جیسا کہ صحیح بخاری وغیرہ کتب صحاح کی روایات سے معلوم ہوتا ہے پس اس اختلاف کی روایات و کیع عن الاعمش کے ذیل میں ذکر کرنا چاہیئے تھا۔

(۱۰) حدثنا مسدد ثنا عبد الواحد بن زیاد ثنا الاعمش عن زید بن وھب عن عبد الرحمن بن حسنۃ قال انطلقت انا و عمرو بن العاص الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فخرج ومعہ دَرَقَۃٌ ثم استتر بھا ثم بال فقلنا انظروا الیہ یبول کما تبول المرأۃ فسمع ذلک فقال الم تعلموا ما لقی صاحب بنی اسرائیل کانوا اذا اصابھم البول قطعوا ما اصابہ البول منھم فنھاھم فعذب فی قبرہ قال ابوداؤد وقال منصور عن ابی وائل عن ابی موسی فی ھذا الحدیث قال جلد احدھم وقال عاصم عن ابی وائل عن ابی موسی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال جسد احدھم

حل لغات ــــــ

دَرَقَۃ چمڑے کی بنی ہوئی ڈھال جس میں لکڑی اور پٹھا نہ ہو ج دَرَق، صاحب بنی اسرائیل بالرفع ویجوز نصبہ ای واحد منھم ذکرہ السیوطی فی حاشیۃ النسائی۔ ترجمہ

مسدد نے بسند عبدالواحد بن زیاد بواسطہ اعمش عن زید بن وہب حضرت عبدالرحمن بن حسنہ سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں اور عمرو بن العاص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے۔ آپ نکلے اور ایک ڈھال کی آڑ کر کے جو آپ کے ساتھ تھی استنجا کرنے لگے ہم لوگوں نے کہا: دیکھو آپ ایسے پیشاب کرتے ہیں جیسے عورتیں کرتی ہیں۔ آپ نے یہ سنکر فرمایا: کیا تم نہیں جانتے جو حال بنی اسرائیل کے ایک شخص کا ہوا؟۔ بنی اسرائیل میں سے جب کسی کے پیشاب لگ جاتا تو وہ اس مقام کو کاٹ ڈالتے تھے۔ اس شخص نے منع

لہ ولکن الذی یعتقد عنہ انہ ذکرہ مبینا لیقابل روایۃ جریر عن منصور وکونہ بروایۃ الاعمش کان غیر خافیۃ عند المحدثین ولکن وقع فی البخاری بروایۃ ابی معویۃ لفظ فکان لایستتر فالقول قول ابی داؤد ومسلم ۱۲ بذل

سلہ وفی روایۃ احمد فقال بعض القوم وکذا فی روایۃ النسائی وفی روایۃ ابن ماجہ فقال بعضھم فعلی ہذہ الروایات القائل لہذا الکلام ہو بعض القوم لا ہذان وانما ورد فی بعض الروایات لفظ فقلنا فی حدیث الباب فنسبہ الی نفسہ مجازا ۱۲ بذل

کیا تو وہ قبر میں عذاب دیا گیا۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ منصور نے بواسطہ ابو وائل حضرت ابو موسیٰ سے اس حدیث میں یہ روایت کیا ہے جلد احدہم کہ وہ اپنی کھال کاٹ دیتا تھا اور عاصم نے بواسطہ ابو وائل عن ابی موسیٰ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ روایت کیا ہے جسد احدہم یعنی وہ اپنا جسم کاٹ دیتا تھا۔ تشریح

قولہ انظروا الخ۔ علامہ عینی نے شرح بخاری میں کہا ہے کہ یہ قول بلا قصد بطریق تعجب یا بطریق استفہام ہے نہ کہ بطریق استہزاء لان الصحابۃ برأ من ہذا کیونکہ اسی وقت ہے جب قول مذکور کے قائلین مسلمان صحابی ہوں اور اگر قائل یہودی ہو یا قوم میں سے کوئی اور غیر مسلم ہو جیسا کہ دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے تو یقیناً قول مذکور بطریق طعن و طنز ہے۔

قولہ کما تبول الخ۔ تشبیہ عام عادت عرب کے اعتبار سے بھی ہو سکتی ہے کہ ان کے یہاں عورتیں بیٹھ کر پیشاب کرتی تھیں اور مرد کھڑے ہو کر۔ مرد کا بیٹھ کر پیشاب کرنا مردانگی کے خلاف سمجھتے تھے بلکہ کوئی آدمی کھڑے ہو کر قوت کمر کا اظہار کرتے تھے۔ اور تشبیہ تستر کے اعتبار سے بھی ہو سکتی ہے کہ آپ تو اس طرح چھپ کر پیشاب کر رہے ہیں جیسے عورتیں کرتی ہیں اور تشبیہ ان دونوں چیزوں کے اعتبار سے بھی ہو سکتی ہے

قولہ الم تعلموا الخ۔ قول مذکور پر تہدید (یا اس کا جواب) ہے کہ میں نے جو بیٹھ کر یا آڑ میں ہو کر پیشاب کیا ہے یہ امر شرعی ہے جیسا کہ بنی اسرائیل کے یہاں یہ امر شرعی تھا کہ اگر کسی کے کپڑوں کو نجاست لگ جاتی تھی تو وہ اس کو کاٹ ڈالتے تھے اور گو ہمارے یہاں اس قدر تشدد نہیں ہے تاہم پوری احتیاط ضروری ہے تو جس طرح بنی اسرائیل کو امر شرعی سے روکنے والا قبر میں معذب ہوا اسی طرح ہم کو اس امر شرعی سے روکنے والا مستحق عذاب ہے۔

قولہ صاحب بنی اسرائیل الخ۔ علامہ عینی نے شرح بخاری میں کہا ہے کہ صاحب بنی اسرائیل سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں اس پر یہ اشکال ہوا کہ اس صورت میں آپ کے ارشاد فنہاہم پر فعذب کا ترتب صحیح نہیں موصوف اس کا جواب دیتے ہیں کہ کلام میں حذف ہے تقدیر عبارت یوں ہے۔ فنہاہم عن اصابۃ البول ولم ینتہوا فعذب اللہ" مگر یہ موصوف کا سہو ہے کیونکہ صاحب بنی اسرائیل سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام نہیں بلکہ آپ کے علاوہ بنی اسرائیل کا کوئی فرد مراد ہے۔

قولہ قال ابوداؤد الخ (۹)

متن و سند حدیث کے اختلاف کو بیان کرنا مقصود ہے کہ عبد الرحمن بن حسنہ کی روایت مرفوع ہے اور اس میں "حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جس میں قطعوا ما اصابہ کے الفاظ ہیں۔ الثوب، الجلد، الجسد کے الفاظ نہیں اور روایت منصور عن ابی وائل عن ابی موسیٰ (الاشعری) موقوف ہے، جس میں ابوداؤد اور مسلم کی روایت میں لفظ جلد احدہم ہے۔ اور بخاری کی روایت میں ثوب احدہم ہے اور روایت عاصم عن ابی وائل عن ابی موسیٰ بھی مرفوع ہے، جس میں لفظ جسد احدہم مروی ہے۔

صاحب کتاب نے ان دونوں روایتوں کو تعلیقاً ذکر کیا ہے سند ذکر نہیں کی۔ امام بخاری نے بسند موصول عن منصور عن ابی وائل روایت کیا ہے قال کان ابو موسیٰ الاشعری یشدد فی البول ویقول ان بنی اسرائیل کانوا

---

[1] فی البذل وتتبعت روایۃ عاصم فلم اجدہ فی کتب الحدیث ۱۲

اذا اصاب ثوب احدہم قرضہ ،، (حضرت ابوموسیٰ الاشعری پیشاب کے معاملہ میں بہت تشدد سے کام لیتے تھے اور کہتے تھے کہ بنی اسرائیل میں اگر کسی کے کپڑے کو پیشاب لگ جاتا تھا تو وہ اس کو کاٹ دیتا تھا)

حافظ ابن حجر شرح بخاری میں فرماتے ہیں کہ مسلم کی روایت میں جلد احدہم ہے۔ علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ جلد سے مراد کھال کا لباس ہے جو وہ لوگ پہنتے تھے بعض حضرات نے اس کو ظاہر پر محمول کرتے ہوئے بدن کی کھال مراد لی ہے۔ یعنی کہ بنی اسرائیل بطریق تشدد کھال کاٹنے ہی کے مکلف تھے۔ اس کی تائید ابوداؤد کی روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں کان اذا اصاب جسد احدہم ،، مذکور ہے لیکن بخاری کی روایت میں ثوب کی تصریح ہے فلعل بعضہم رواہ بالمعنی۔

(۸) باب البول قائما

(۱) حدثنا حفص بن عمرؐ ومسلم بن ابراھیم قالاحد ثنا شعبۃ ح وثنا مسدد ثنا ابو عوانۃ وھذا لفظ حفص عن سلیمان عن ابی وائل عن حذیفۃ قال اتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سباطۃ قوم فبال قائما ثم دعا بماء فمسح علی خفیہ، قال ابو داؤد قال مسدد قال فذھبت اتباعد فدعانی حتی کنت عند عقبہ

حل لغات ـــــــ

سُباطۃ اصل میں کوڑے کرکٹ کو کہتے ہیں پھر اس کا استعمال اس جگہ کے لئے ہونے لگا جہاں کوڑا ڈالا جائے یعنی کوڑا خانہ۔ عَقِب گکتف مؤخر قدم یعنی ایڑی:۔ ترجمہ

حفص بن عمر اور مسلم بن ابراہیم نے بسند شعبہ اور مسدد نے بسند ابوعوانہ بواسطہ سلیمان عن ابی وائل حضرت حذیفہ سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک کوڑی پر آئے اور کھڑے کھڑے پیشاب کیا پھر پانی منگا کر اپنے موزوں پر مسح کیا۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ مسدد نے کچھ الفاظ زائد روایت کرتے ہوئے کہا کہ حضرت حذیفہ فرماتے ہیں کہ میں پیچھے ہٹنے لگا تو آپ نے مجھے بلایا یہاں تک کہ میں آپ کی ایڑیوں کے بالکل قریب آگیا۔ تشریح:۔

قولہ باب الخ۔ بیٹھکر پیشاب کرنے کے جواز میں تو کوئی کلام ہی نہیں کیونکہ اس پر تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دائمی عمل رہا ہے البتہ کھڑے ہوکر بھی پیشاب کرنے کی اباحت ہے یا نہیں ؟ اس میں اختلاف ہے۔ حضرت سعید بن المسیب، عروہ اور امام احمد وغیرہ نے اس کو مباح کہا ہے۔ حافظ ابن المنذر نے الاشراف میں ذکر کیا ہے کہ کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کی بابت اختلاف ہے۔ حضرت عمر بن الخطاب، زید بن ثابت، ابن عمر اور سہل بن سعد سے کھڑے ہوکر پیشاب کرنا ثابت ہے اور حضرت علی، انس بن مالک اور ابوہریرہ سے بھی مروی ہے نیز ابن سیرین اور عروہ بن الزبیر نے بھی ایسا ہی کیا ہے انتہی خود ابن المنذر

ؔلہ فقال یا حذیفۃ استرنی کما عند الطبرانی من حدیث عصمۃ بن مالک ۱۲ غایۃ المقصود۔

کا خیال یہ ہے کہ بیٹھ کر پیشاب کرنا بہتر ہے اور امام طحاوی کھڑے ہو کر پیشاب کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے امام مالک فرماتے ہیں کہ اگر چھینٹیں اڑنے کا اندیشہ نہ ہو تو کوئی حرج نہیں ورنہ مکروہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود، شعبی، ابراہیم بن سعد اور عام علماء کے نزدیک بلا عذر کھڑے ہو کر پیشاب کرنا مکروہ ہے مگر مکروہ تنزیہی احناف کا مذہب بھی یہی ہے۔ حدیث باب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کھڑے ہو کر پیشاب کرنا ثابت ہوتا ہے اور حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ جو شخص تم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ بیان کرے کہ آپ نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا تو اس کی تصدیق مت کرو میں نے آپ کو بیٹھ کر ہی پیشاب کرتے دیکھا ہے (رواہ احمد والترمذی والنسائی)

پس یہ دونوں حدیثیں بظاہر متعارض معلوم ہوتی ہیں مگر حقیقت میں متعارض نہیں کیونکہ حضرت عائشہ خانگی حالات کا علم رکھتی ہیں اور اسی کے متعلق فرما رہی ہیں کہ آپ نے گھر میں کبھی کھڑے ہو کر پیشاب نہیں کیا۔ رہے باہر کے احوال سو ان کا آپ کو علم نہیں وہ اس کا علم حضرت حذیفہ کو ہے کہ آپ نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت عائشہ آپ کا دائمی عمل ظاہر فرما رہی ہوں کہ آپ کا دائمی معمول بیٹھ کر پیشاب کرنا تھا جس سے عذر وغیرہ کی بنا پر کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی نفی نہیں ہوتی۔

قولہ سباطۃ قوم الخ ۔ اس پر یہ اشکال نہیں ہونا چاہیئے کہ پیشاب کرنا دوسرے کی ملکیت میں تصرف ہے لہٰذا مالک سے اجازت لینی چاہیئے حالانکہ آپ نے اجازت نہیں لی اس واسطے کہ کوڑی تو گندگی جمع کرنے کے لئے ہوتی ہے پس پیشاب کرنا ایسا تصرف نہیں جس سے مالک کو ناگواری ہو اور اجازت لینے کی ضرورت پیش آئے۔ علاوہ ازیں حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ سباطہ کی اضافت قوم کی طرف اضافت نسبت اختصاص ہے نہ کہ اضافت ملک وحینئذٍ لاحاجۃ الی الجواب اصلا۔

قولہ فبال قائماً الخ ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دائمی معمول یہی تھا کہ آپ بیٹھ کر پیشاب کرتے تھے پھر آپ نے خلاف معمول کھڑے ہو کر پیشاب کیوں کیا؟

(۱) آپ کا یہ عمل بیان جواز کے لئے تھا کہ بوقت ضرورت کھڑے ہو کر بھی پیشاب کرنے کی اجازت ہے۔
(۲) شیخ ابہری فرماتے ہیں کہ کوڑی کا جو حصہ آپ کے سامنے کی جانب تھا وہ اونچا تھا اور جو حصہ پیچھے کی جانب تھا وہ نیچی اور ڈھلوان تھا، اب اگر آپ سامنے کی جانب بیٹھتے تو پیچھے کو ڈھلک جانے کا اندیشہ تھا اور دوسرے رخ پر بیٹھتے تو راہگیروں سے پردہ فوت ہوتا تھا اس لئے آپ نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا (۳) سید جمال الدین فرماتے ہیں کہ وہ پوری جگہ نجاست آلودگی کہیں بیٹھنے کا موقع نہ تھا اس لئے آپ نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا (۴) حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ امام شافعی اور امام احمد سے منقول ہے کہ اہل عرب کے یہاں کھڑے ہو کر پیشاب کرنا درد کمر کا علاج تھا۔ کیونکہ اس طرح اوعیۂ بول کا پوری طرح استفراغ ہو جاتا ہے تو ممکن ہے آپ کو یہی شکایت ہو اور آپ نے بطور علاج ایسا کیا ہو (۵) قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ آپ نے امور

عہ وسلک ابو عوانۃ فی صحیحہ وابن شاہین فیہ مسلکا آخر فزعما ان البول عن قیام منسوخ واستدلا علیہ بحدیث عائشۃ الذی قدمناہ وبحدیثہا ما بال قائماً منذ انزل علیہ القرآن، والصواب انہ غیر منسوخ ۱۲ غایۃ المقصود۔

عہ فی الاحیاء اجمع اربعون طبیبا علی ان البول فی الحمام وارعن مستعین وار قائما زین العرب ۱۲ مرقاۃ۔

مسلمین میں مشغولیت کی وجہ سے ایسا کیا یعنی آپ مسلمانوں کے ضروری امور میں مشغول تھے مجلس طویل ہوگئی پیشاب کی ضرورت ہوئی دور جانے کا موقع نہ تھا فوراً اٹھے اور کوڑی پر کھڑے ہو کر پیشاب کرلیا (۶) آبادی سے قریب پیشاب کرنے میں تقاضائے احتیاط بھی تھا کیونکہ بیٹھ کر اخراج سے جو ریاح خارج ہوتے ہیں ان میں کریہہ آواز ہوتی ہے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے میں یہ آواز نہیں ہوتی جو باعث حیا اور دوسروں کی نظر میں ناگوار ہو (۷) امام حاکم اور حافظ بیہقی نے حضرت ابوہریرہ سے نقل کیا ہے کہ آپ کے گھٹنے کے نیچے زخم تھا جس کی وجہ سے آپ بیٹھنے سے معذور تھے۔ اگر یہ حدیث قوی ہو تو پھر کسی جواب کی ضرورت نہیں رہتی۔ لیکن خود حافظ بیہقی اور حافظ دارقطنی نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے (۸) حضرت شیخ الہند صاحب کی طرف منسوب ہے کہ بال قائما سرعت فراغ سے کنایہ ہے کہ جلدی گئے اور جلد ہی تشریف لے آئے کہ حضرت حذیفہ کا اپنا منشا پورا ہو اور روایت کے الفاظ ذہبت اتباعد، دعانی، کنت عند عقبہ سے یہ تاویل کچھ بعید معلوم ہوتی ہے واللہ اعلم۔

(فائدہ) کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی اباحت گو احادیث سے ثابت ہے لیکن آجکل اس پر فتویٰ مناسب نہیں کیونکہ یہ غیر مسلمین کا شعار ہے اور حالات و زمنہ کے اختلاف سے فتویٰ بدل جاتا ہے الا تری انہ کان الاستنجاء بالماء کان بدعة و افتی الشیخ ابن الہمام بکون الجمع سنة فان السلف کانوا یاکلون قلیلا والناس الیوم اکلوان (کذا فی العرف الشذی)۔

قولہ قال ابوداؤد الخ (۱۰) صاحب کتاب کے شیخ حفص بن عمر کی حدیث پر شیخ مسدد کے جو الفاظ زائد ہیں ان کو بیان کرنا چاہتے ہیں کیونکہ موصوف اس کی تصریح پہلے ہی کرچکے کہ حدیث کے ذیل میں جو الفاظ آ رہے ہیں وہ حفص بن عمر کے ہیں۔ مسدد کی روایت میں سباطہ قوم کے بعد ان الفاظ کی زیادتی ہے فذہبت اتباعدا ہ"۔

(۹) باب الاستتار فی الخلاء

(۱۲) حدثنا ابراهیم بن موسی الرازی نا عیسی بن یونس عن ثور عن الحصین الحُبْرانی عن ابی سعید عن ابی هریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم قال مَنِ اکْتَحَلَ فلیوتر من فعل فقد اَحْسَنَ ومن لا فلا حرج ومن استجمر فلیوتر من فعل فقد احسن ومن لا فلا حرج ومن اکل فما تخلّل فلیلفظ وما لاک بلسانه فلیبتلع من فعل فقد احسن ومن لا فلا حرج ومن اتی الغائط فلیستتر فان لم یجد الا ان یجمع کثیبا من رمل فلیستدبره فان الشیطان یلعب بمقاعد بنی آدم من فعل فقد اَحْسَنَ ومن لا فلا حرج قال ابوداؤد رواه ابو عاصم عن ثور قال حصین الحمیری قال ورواه عبد الملك بن الصباح عن ثور فقال ابوسعید الخیر قال ابو داؤد ابو سعید الخیر هو من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم

له قال المظهر انما امر بالتخلل لانه ربما یخرج مع الخلال دم وما لاك بلسانه فهو فی حکم اللقمة فانها تخلع بعد ادارة اللسان دایما فی جوانب الفم واطرافه ۱۲ بذل۔

حل لغات

حُبرانی حبران کا طرف نسبت ہے حمیر کا ایک گروہ ہے۔ اکتحل آنکھوں میں سرمہ لگانا، فلیوتر۔ ایتار، طاق بنانا استجمر ڈھیلا استعمال کرنا۔ نا تخلل وای یا اخرجہ بالزبان خلال سے نکالے ص، س، لفظ منہ سے پھینکنا، لاک۔ دن، لوکا، لقمہ۔ لقمہ کو آہستہ چبانا اور منہ میں پھرانا۔ لسان زبان، فلیبتلع نگل جائے۔ کثیبا ریت کا ٹیلہ ۵ کثب رنل ریت، یلعب (س، س) لعبا کھیل کرنا، مقاعد جمع مقعد بیٹھنے کی جگہ مراد شرمگاہ :۔ ترجمہ

ابراہیم بن موسیٰ رازی نے بسند عیسیٰ بن یونس بواسطہ ثور عن حصین حبرانی عن ابی سعید حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص سرمہ لگائے تو طاق بار لگائے جو ایسا کرے تو بہتر ہے ورنہ کوئی حرج نہیں اور جو ڈھیلا استعمال کرے تو طاق لیوے جو ایسا کرے تو بہتر ہے ورنہ کوئی مضائقہ نہیں اور جو شخص پاخانہ کو جائے تو آڑ میں جائے اگر کچھ بھی آڑ نہ ہو سکے تو ریت کا ایک ڈھیر لگا کر اس کی آڑ میں بیٹھ جائے اس لئے کہ شیطان آدمی کی شرمگاہ سے کھیلتا ہے جو ایسا کرے تو بہتر ہے ورنہ کوئی حرج نہیں۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ ابو عاصم نے بواسطہ ثور حصین حمیری ذکر کیا ہے اور عبدالملک بن صباح نے ابوسعید الخیر کہا ہے :۔ تشریح

قولہ باب الخ۔ صاحب کتاب نے کتاب الطہارۃ کے شروع میں التخلی عند قضاء الحاجۃ باب باندھا ہے اور یہاں باب الاستتار فی الخلاء لائے ہیں۔ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ باب اول سے تو صرف اتنا مقصود ہے کہ بیت الخلاء لوگوں سے الگ ہو کر اور ہٹ کر کرنا سنت ہے اس میں استتار کا تذکرہ نہیں اور یہاں یہ بتانا ہے کہ تفرد عن الناس کے ساتھ ساتھ پردہ بھی ہونا چاہئے تاکہ کامل طور پر ستر عورت ہو جائے

قولہ من اکتحل الخ۔ سرمہ لگانے کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ طاق مرتبہ لگائے جس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ دونوں آنکھوں میں تین تین سلائی لگائے۔ دوسرے یہ کہ تین سلائی داہنی آنکھ میں لگائے اور دو سلائی بائیں آنکھ میں لیکون المجموع وترا۔

قولہ ومن استجمر الخ۔ ڈھیلے سے استنجا کرتے وقت ایتار کا لحاظ رکھنا بالاتفاق مستحب ہے لیکن استنجے کا مقصد چونکہ محل کی صفائی ہے اس لئے احناف کے یہاں سنیت استنجا کسی خاص عدد میں منحصر نہیں بلکہ اگر ایک ڈھیلے سے نجاست کا ازالہ ہو جائے تو ایک اور دو کی ضرورت پڑے تو دو اور اس سے زائد کی حاجت ہو تو زائد۔ غرض سب کا درجہ برابر ہے۔ شوافع کے نزدیک انقاء محل کے ساتھ ساتھ تثلیث بھی ضروری ہے کیونکہ مسلم کی روایت ہے "لا یستنج احدکم باقل من ثلثۃ احجار" تم میں سے کوئی شخص تین ڈھیلوں سے کم سے استنجاء نہ کرے۔

وجہ استدلال یہ ہے کہ اس میں ثلاثہ کا عدد بعینہ بھی مذکور ہے۔ اگر شریعت میں عدد مطلوب نہ ہوتا تو اس کے ذکر کی ضرورت نہ تھی۔ جواب یہ ہے کہ ثلاثہ کا ذکر اس لئے نہیں کہ یہ عدد بذات خود مطلوب ہے بلکہ اس لئے ہے کہ عام طور پر اس سے استنجے کی ضرورت پوری ہو جاتی ہے۔

ابوداؤد میں باب الاستنجاء بالاحجار کے ذیل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت آرہی ہے۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا ذہب احدکم الی الغائط فلیذہب معہ بثلاثۃ احجار یستطیب بہن فانہا تجزی عنہ۔ جب تم میں سے کوئی بیت الخلاء جائے تو پاکی حاصل کرنے کے لئے اپنے ساتھ تین پتھر لے جائے کیونکہ یہ اس کے لئے کافی ہو جائیں گے۔ اس سے

سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ تین کا ذکر صرف اس لئے ہے کہ یہ کفایت کر جاتے ہیں۔
حدیث باب کے الفاظ من استجمر فلیوتر من فعل فقد احسن ومن لا فلا حرج کا بھی یہی ثابت ہوتا ہے کیونکہ اس میں ایتار کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ جس نے ایتار کی رعایت کی اس نے اچھا کیا اور نہیں کی تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں اور ظاہر ہے کہ ایتار میں تین بھی داخل ہے معلوم ہوا کہ یہ ضروری نہیں ہے۔

قولہ قال ابوداؤد الخ (۱۱) مصنف کتاب الشیخ عیسیٰ بن یونس اور ابو عاصم کی روایت کا اختلاف بیان کرنا چاہتے ہیں جس کی تشریح یہ ہے کہ یہاں شیخ ثور بن یزید سے روایت کرنے والے تین حضرات ہیں ۱۔ عیسیٰ بن یونس ۲۔ ابو عاصم ۳۔ عبد الملک بن الصباح۔ اب عیسیٰ بن یونس نے تو ثور بن یزید کے شیخ حصین کی نسبت الحبرانی ذکر کی ہے اور ابو عاصم نے الحمیری اور دونوں نسبتیں بجائے خود صحیح ہیں لان حبران بطن من حمیر قالہ السیوطی فی اللب اللباب :-

قولہ قال و رواہ الخ (۱۲) یعنی عیسیٰ بن یونس کی روایت میں صرف عن ابی سعید ہے اور عبد الملک بن الصباح کی روایت میں ابو سعید کے بعد لفظ الخیر بھی مذکور ہے۔
عبد الملک کی روایت ابن ماجہ میں ہے مگر اس میں ابو سعید کے بجائے ابو سعد الخیر ہے۔ حاصل یہ نکلا کہ یہاں چند اختلافات ہیں۔ اول یہ کہ حصین حبرانی کے شیخ کی کنیت ابو سعید ہے (یار کے ساتھ) یا ابو سعد (بلا یار) دوم یہ کہ آپ صحابی ہیں یا نہیں۔ سوم یہ کہ ملقب بالخیر ہیں یا نہیں؟
پہلے اختلاف کے متعلق حافظ ابن حجر تہذیب التہذیب میں فرماتے ہیں۔ "ابو سعید الحبرانی الحمیری الحمصی ویقال ابو سعد الخیر الانماری ویقال انہما اثنان" اور تقریب التہذیب میں فرماتے ہیں۔ "ابو سعید الحبرانی الحمصی اسمہ زیاد مجہول من الثالثۃ" میزان الاعتدال میں ہے۔ "ابو سعید الحبرانی حمصی ویقال ابو سعد الانماری والظاہر انہما اثنان" علامہ نووی فرماتے ہیں۔ "المشہور فیہ ابو سعید کا میر" ان سب عبارتوں سے یہی نکلتا ہے کہ ان کی کنیت ابو سعید (یار کے ساتھ) ہے۔
اختلاف ثانی کے متعلق حافظ نے تہذیب التہذیب میں لکھا ہے "بعض علی کون ابی سعد الخیر صحابیا البخاری وابن حبان وجماعۃ واما ابو سعید الحبرانی فتابعی قطعا" شیخ ابو بشر محمد بن احمد بن حماد دولابی نے بھی اپنی کتاب الکنی والاسماء میں ابو سعد الخیر کو صحابہ میں شمار کیا ہے اور ان سے دو روایتیں بھی ذکر کی ہیں۔ حافظ موصوف تلخیص میں لکھتے ہیں۔ "ان فی ابی سعید الحبرانی الحمصی اختلافا وقیل انہ صحابی ولا یصح" پس جن لوگوں نے ابو سعید حبرانی کو صحابی کہا ہے یہ صحیح نہیں۔
اختلاف ثالث کے متعلق حافظ لکھتے ہیں۔ "وانما وہم بعض الرواۃ فقال فی حدیثہ عن ابی سعد الخیر ولعلہ تصحیف وحذف" جزو اول میں تو حذف و تصحیف یہ ہوئی کہ یار کو حذف کر کے ابو سعید کو ابو سعد سے بدل دیا اور جزو ثانی میں حذف و تصحیف یہ ہوئی کہ یار کو حذف کر کے ابو سعید کو ابو سعد سے بدل دیا اور جزو ثانی میں حذف و تصحیف یہ ہوئی حار مہملہ کو خار معجمہ اور بار موحدہ کو یار تحتانیہ کر کے آخر سے الف و نون اور یار کو حذف کر دیا گیا پس الحبرانی کے بجائے الخیر ہو گیا۔ معلوم ہوا کہ یہ ابو سعید (جو حضرت ابو ہریرہ سے راوی ہے) ملقب بالخیر نہیں ہے۔

قولہ قال ابوداؤد وابو سعید الخ (۱۳) حضرت ابو ہریرہ سے روایت کرنے والے راوی ابو سعید کے متعلق

صحابی ہونے کا اشتباہ ۔ ممکن ہے اس لئے صاحب کتاب اس اشتباہ کو دور کر رہے ہیں کہ ابو سعید الخیر جو صحابی ہیں وہ اور ہیں اور یہ ابو سعید جو حضرت ابوہریرہ سے راوی ہے نہ صحابی ہے اور نہ ملقب بالخیر بلکہ یہ ابو سعید حبرانی تابعی ہے ۔ معلوم ہوا کہ روایت ابراہیم بن موسیٰ عن عیسیٰ بن یونس جو بلا لفظ الخیر ہے ۔ یہی محفوظ ہے :۔

(تنبیہ) حضرت ابو سعد الخیر صحابی کی بھی کنیت اور نام وغیرہ میں اختلاف ہے ۔ امام حاکم نے تو بالکل ہی لاعلمی کا اظہار کیا ہے ۔ فرماتے ہیں لا اعرف اسمہ ولا نسبہ لیکن بعض حضرات نے ان کا نام عمرو بتایا ہے اور ان کی کنیت بعض نے ابو سعد بتائی ہے اور بعض نے ابو سعید ۔ حافظ ابن حجر الاصابہ میں لکھتے ہیں :۔ ابو سعد الخیر ویقال ابو سعید الخیر ، قال ابن السکن لہ صحبۃ :۔ حافظ ابن مندہ فرماتے ہیں :۔ والاکثر قالوا ابو سعد یعنی بسکون العین ۔ :۔

(۱۰) باب ما ینھیٰ عنہ ان یستنجی بہ

(۳۷) حدثنا یزید بن خالد نا مُفَضَّل عن عیاش ان شُیَیم بن بیتان اخبرہ بھذا الحدیث ایضا عن ابی سالم الجیشانی عن عبد اللہ بن عمرو یذکر ذلک وھو معہ مرابطٌ بحصن باب الیُون ۔ قال ابو داؤد حصن الیُون بالفُسطاط علی جبل ، قال ابو داؤد ھو شیبان بن اُمیۃ یکنیٰ ابا حذیفۃ

ترجمہ

یزید بن خالد نے بسند مفضل عیاش سے روایت کیا ہے ۔ عیاش کہتے ہیں کہ شُیَیم بن بیتان نے اس حدیث کو ابو سالم جیشانی سے بھی روایت کیا ہے انھوں نے اس حدیث کو عبد اللہ بن عمرو سے اس وقت بیان کرتے ہوئے سنا جبکہ وہ قلعہ پر باب الیون کا محاصرہ کئے ہوئے تھے ۔ ابو داؤد کہتے ہیں کہ قلعہ الیون فسطاط (یعنی مصر) میں ایک پہاڑ پر ہے ۔ ابو داؤد کہتے ہیں کہ شیبان کے باپ کا نام امیہ اور کنیت ابو حذیفہ ہے :۔ **تشریح**

قولہ قال ابو داؤد الخ (۳۷) قلعہ الیون کی تحقیق مقصود ہے جہاں پر حضرت عبد اللہ بن عمرو نے ابو سالم جیشانی کو روایت مذکورہ (حدیث باب) سنائی تھی ، فرماتے ہیں کہ :

قلعہ الیون فسطاط میں ایک پہاڑ پر ہے ۔ الیون بروزن زیتون مصر کا قدیم نام ہے ۔ جب اسکو مسلمانوں

لہ قال الامام احمد بن علی المقریزی فی تاریخ مصر المسمی بکتاب المواعظ والاعتبار وقد صار الفسطاط یعرف فی زماننا بمدینۃ مصر وقال ابن عبد الحکم عن اللیث بن سعد وکان الفرس قد اسست بناء الحصن الذی یقال لہ باب الیون وھو الحصن الذی بفسطاط مصر الیوم وکان ابو الاسود نصر بن عبد الجبار یقول لہا باسم یعنی باب الیون وقال عبد الملک بن ہشام بالیون المنسوب الیہ مصر ہو بالیون بن صباء وھو الملک علی مصر ، قال القاضی القضاعی فی خطط الفسطاط القصر المعروف بباب لیون بالشرف ولیون اسم بلد مصر بلغۃ السودان والروم قال المؤلف ان قصر باب الیون غیر قصر الشمع لان قصر الشمع فی داخل الفسطاط وقصر باب الیون ہذا عند القضاعی علی الجبل المعروف بالشرف والشرف خارج الفسطاط وہو خلاف ما قالہ ابن عبد الحکم فی کتاب فتوح مصر ۱۲ غایۃ المقصود

نے فتح کیا تو اس کا نام فسطاط رکھا۔ ابن الاثیر نے لکھا ہے کہ فسطاط شہر کو کہتے ہیں جس میں عام لوگوں کا مجمع ہو اور ہر شہر کو فسطاط کہہ سکتے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ فسطاط ایک خاص قسم کا خیمہ ہوتا ہے اور مصر اور بصرہ کو فسطاط کہا جاتا ہے۔ مجمع البحار میں ہے کہ امام ابوداؤد کا قول "حصن الیون بالفسطاط علی جبل" اس کے منافی نہیں ہے اس واسطے کہ پہاڑ پر قلعہ ہے نہ کہ نجینہ الیون۔

حاصل آنکہ ابو سالم جیشانی حضرت عبد اللہ بن عمرو کے ساتھ قلعہ الیون پر محاصرہ کئے ہوئے تھے اور الیون و فسطاط مصر کے دو نام ہیں اور قلعہ الیون مصر کے پہاڑ پر واقع ہے۔

قولہ قال ابوداؤد ہو الخ (۱۵) حدیث باب کی سند میں جو شیبان قتبانی راوی ہے اس کا تعارف مقصود ہے کہ اس کی کنیت ابو حذیفہ ہے اور والد کا نام امیہ بعض نے والد کا نام قیس بتایا ہے۔ یہ قتبان بن ردمان کی طرف منسوب ہے و فی الانساب شیبان بن ابی امیہ القتبانی ابو حذیفہ شہد فتح مصر روی عن رویفع بن ثابت و ابی عمرۃ المزنی روی عنہ شییم بن بیتان و بکر بن سوادۃ الحرامی اھ و فی التہذیب فیہ جہالۃ قالہ السیوطی۔

(۱۱) باب الاستنجاء بالاحجار

(۴۲) حدثنا عبد اللہ بن محمد النفیلی ثنا ابو معاویۃ عن ہشام بن عروۃ عن عمرو بن خزیمۃ عن عمارۃ بن خزیمۃ عن خزیمۃ بن ثابت قال سئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الاستطابۃ فقال بثلثۃ احجار لیس فیہا رجیع۔ قال ابوداؤد کذا رواہ ابو اسامۃ وابن نمیر عن ہشام

حل لغات

احجار جمع حجر پتھر۔ استطابۃ پاکی حاصل کرنا۔ رجیع لید گوبر۔ ترجمہ

عبد اللہ بن محمد نفیلی نے بسند ابو معاویہ بواسطہ ہشام بن عروہ عن عمرو بن خزیمہ عن عمارہ بن خزیمہ حضرت خزیمہ بن ثابت سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے استنجے کا سوال ہوا آپ نے فرمایا تین پتھروں سے کرنا چاہیئے جن میں گوبر نہ ہو۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ ابو اسامہ اور ابن نمیر نے بھی ہشام سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ تشریح

قولہ قال ابوداؤد الخ (۱۶) اس عبارت سے صاحب کتاب کا مقصد اس بات کو بیان کرنا ہے کہ ابو معاویہ کی روایت میں اختلاف واقع ہوا ہے۔ چنانچہ علی بن حرب نے ہشام بن عروہ اور عمرو بن خزیمہ کے درمیان عبد الرحمن بن سعد کا واسطہ ذکر کرتے ہوئے یوں روایت کیا ہے "علی بن حرب عن ابی معاویۃ عن ہشام عن عبد الرحمن بن سعد عن عمرو بن خزیمۃ" اور عبد اللہ بن محمد نفیلی نے واسطے کے بغیر یوں روایت کیا ہے "عبد اللہ بن محمد النفیلی ثنا ابو معاویۃ عن ہشام بن عروۃ عن عمرو بن خزیمۃ" تو ابو اسامہ اور ابن نمیر نے بھی بلا واسطہ اسی طرح روایت کیا ہے تو صاحب کتاب نے ابو اسامہ اور ابن نمیر کی روایت کے ذریعہ عبد اللہ بن محمد نفیلی کی روایت کو تقویت

دی ہے اور علی بن حرب کی روایت پر تعریض کی ہے کہ اس میں جو عبد الرحمٰن کا واسطہ ہے یہ صحیح نہیں
حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں عمرو بن خزیمہ کے ترجمہ میں اس کی تصریح کی ہے۔
صاحب عون المعبود نے اس کا مقصد یہ بتایا ہے کہ ابو اسامہ اور ابن نمیر نے ابو معاویہ کی موافقت کرتے ہوئے ہشام کے شیخ کا نام عمرو بن خزیمہ بتایا ہے اور ان سب نے عن ہشام عن عمرو بن خزیمہ روایت کیا ہے بخلاف سفیان کے کہ اس کی روایت یوں ہے "اخبرنی ہشام بن عروہ ابو وجزہ" پس صاحب کتاب عبارت مذکورہ میں روایت سفیان پر تعریض کر رہے ہیں کہ ہشام کے شیخ کا نام عمرو بن خزیمہ ہے نہ کہ ابو وجزہ جیسا کہ سفیان نے ذکر کیا ہے[1]۔ واللہ اعلم۔

(۲۰) باب الرجل یدلک یدہ بالارض اذا استنجی

۴۵ حدثنا ابراهیم بن خالد نا اسود بن عامر نا شریک وھذا لفظہ ح وحدثنا محمد بن عبد اللہ یعنی المخرمی نا وکیع عن شریک عن ابراهیم بن جریر عن المغیرة عن ابی زرعة عن ابی ھریرة قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا اتی الخلاء اتیتہ بماء فی تور او رکوة فاستنجی، قال ابو داؤد فی حدیث وکیع ثم مسح یدہ علی الارض ثم اتیتہ باناء آخر فتوضأ، قال ابو داؤد وحدیث الاسود بن عامر اتم

۴۹

حل لغات

یدلک دلک، رگڑنا۔ تور، پیتل یا پتھر کا چھوٹا برتن۔ رکوة، چمڑے کا برتن، چھوٹی ڈولچی ج رکاء۔ اناء، برتن ج آنیہ
ابراہیم بن خالد نے بسند اسود بن عامر اور محمد بن عبد اللہ مخرومی نے بسند وکیع بواسطہ شریک عن ابراہیم بن جریر عن المغیرة عن ابی زرعة حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب پاخانہ کو جاتے تو میں پیالے یا ڈولچی میں پانی لے کر آتا آپ استنجا کرتے۔ ابو داؤد کہتے ہیں کہ وکیع کی حدیث میں ہے کہ پھر آپ اپنا ہاتھ زمین پر رگڑتے اس کے بعد میں دوسرے برتن میں پانی لاتا تو آپ وضو کرتے۔ ابو داؤد کہتے ہیں کہ اسود بن عامر کی حدیث اتم و اکمل ہے۔ **تشریح**

[1] رواہ البیہقی فی المعرفة اخبرنا ابو زکریا وابو بکر وابو سعید قالوا حدثنا ابو العباس قال اخبرنا الربیع قال اخبرنا الشافعی قال اخبرنا سفیان قال اخبرنی ہشام بن عروة قال اخبرنی ابو وجزہ عن عمارہ بن خزیمة بن ثابت عن ابیہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم الحدیث، قال البیہقی ہکذا قال سفیان ابو وجزہ واخطأ فیہ انما ہو ابن خزیمة واسمہ عمرو بن خزیمة کذلک رواہ الجماعة عن ہشام بن عروة وکیع وابن نمیر وابو اسامہ وابو معاویة وعبدة بن سلیمان ومحمد بن بشر العبدی، اخبرنا ابو عبد اللہ الحافظ اخبرنا ابو الحسن الطرائفی سمعت عثمان بن سعید الدارمی یقول سمعت علی بن المدینی یقول قال سفیان فقالت فالیش ابو وجزہ، فقالوا شا وبہذا علم آتہ قال علی انما ہو ابو خزیمة واسمہ عمرو بن خزیمة ولکن کذا قال سفیان قال علی الصواب عندی عمرو بن خزیمہ ۱۲ غایة المقصود

قولہ وہذا اللفظ الخ. یعنی شریک بن عبد اللہ کے دو شاگرد ہیں ایک اسود بن عامر اور ایک وکیع صاحب کتاب حدیث باب کی تخریج جن الفاظ کے ساتھ کر رہے ہیں وہ اسود بن عامر کے ہیں۔

قولہ عن المغيرة الخ. ابراہیم بن جریر اور ابو زرعہ کے درمیان مغیرہ کا واسطہ اکثر نسخوں میں موجود ہے لیکن یہ غلط ہے۔ چنانچہ ایک نسخہ صحیحہ جس میں حضرت مولانا احمد علی صاحب نے حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب دہلوی سے پڑھا ہے اس میں یہ واسطہ نہیں ہے۔ غلط ہونے کی وجہ یہ ہے کہ۔

(۱) حافظ جمال الدین مزی نے تحفۃ الاشراف بمعرفۃ الاطراف میں مسند ابی ہریرہ میں اس حدیث کو ذکر کیا ہے لیکن مغیرہ کا ذکر نہیں ہے (۲) حافظ زیلعی نے فصل الاستنجاء میں اس کی تخریج کی ہے لیکن موصوف نے بھی سند میں مغیرہ کو ذکر نہیں کیا ان کے الفاظ یہ ہیں: حدیث آخر اخرجہ ابوداؤد عن شریک عن ابراہیم بن جریر عن ابی زرعۃ عن ابی ہریرۃ ،، (۳) زہر الربی میں علامہ طبرانی کا قول ہے کہ اس حدیث کو ابو زرعہ سے صرف ابراہیم بن جریر نے روایت کیا ہے (۴) امام نسائی، ابن ماجہ اور حافظ دارمی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے مگر ان حضرات کی سندوں میں بھی مغیرہ کا ذکر نہیں ہے فعلم من ہذا کلہ ان ذکر مغیرۃ فی ہذا السند غلط من الناسخ۔

قولہ او رکوۃ الخ. راوی کو شک ہے کہ حضرت ابو ہریرہ نے لفظ تور ذکر کیا یا رکوہ اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت ابو ہریرہ بعض اوقات پانی ڈونگی میں پیش کرتے ہوں اور بعض اوقات کسی دوسرے برتن میں۔

قولہ قال ابوداؤد وفی حدیث الخ (۱۶) یہ جملہ بھی اکثر نسخوں میں نہیں ہے صرف بعض ہندی نسخوں میں ہے جس پر نسخہ کی علامت بھی لگی ہوئی ہے مگر قرین قیاس یہی ہے کہ یہ ناسخ کی غلطی سے لکھا گیا ہے اس واسطے کہ صاحب کتاب نے شروع سند میں وہذا اللفظ کہہ کر پہلے ہی تصریح کر دی تھی کہ ہم حدیث کے جو الفاظ روایت کر رہے ہیں وہ اسود بن عامر کے ہیں نہ کہ وکیع کے۔ علاوہ ازیں آخر باب میں صاحب کتاب فرما رہے ہیں کہ اسود بن عامر کی حدیث اتم ہے اگر وکیع کی روایت میں بھی یہ الفاظ ہوں تو معاملہ برعکس ہو جاتا ہے یعنی اسود بن عامر کی روایت انقص اور وکیع کی روایت اتم ہو جاتی ہے معلوم ہوا کہ یہ جملہ بھی ناسخ کی غلطی سے شامل ہو گیا ہے۔

قولہ ثم مسح الخ. آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فعل برائے تعلیم امت ہے کہ اگر استنجے کے بعد ہاتھوں میں نجاست کا اثر (بدبو) رہ جائے تو مٹی سے رگڑ کر زائل کر لیا جائے تاکہ نظافت بطریق کمال حاصل ہو جائے ورنہ ظاہر ہے کہ آپ کے تو فضلات بھی پاک ہیں جن میں ساتھ کریہہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

قولہ ثم اتیتہ الخ. اس کا یہ مطلب نہیں کہ استنجے سے فراغت کے بعد باقیماندہ پانی سے یا جس برتن میں پانی لے کر استنجا کیا ہے اس سے وضوء جائز نہیں اس لئے آپ کی خدمت میں دوسرا برتن پیش کیا گیا کیونکہ ایک ہی برتن کا غسل، وضوء اور استنجے کا ثبوت موجود ہے بلکہ دوسرا برتن پیش کرنا یا تو اس لئے ہے کہ پہلے برتن کا پانی ختم ہو چکا تھا یا پانی تو تھا مگر اتفاقی طور پر دوسرا برتن پیش کر دیا گیا۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ اس حدیث سے یہ نکلتا ہے کہ استنجے کا اور وضوء کا برتن علیحدہ علیحدہ ہونا چاہیئے۔

قولہ قال ابوداؤد الخ (۱۸) یعنی حدیث وکیع کی بہ نسبت اسود بن عامر کی روایت اتم ہے۔ امام نسائی کے الفاظ بطریق وکیع یہ ہیں۔ عن شریک عن ابراہیم بن جریر عن ابی زرعۃ عن ابی ہریرۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم توضأ فلما استنجی دلک یدہ بالارض ، قال المنذری واخرجہ ابن ماجہ۔

(۱۳) بابُ السِّواكِ

(۱۴) حدثنا محمد بن عوف الطائي ثنا احمد بن خالد ثنا محمد بن اسحاق عن محمد بن يحيى بن حبّان عن عبيد الله بن عبد الله بن عمر قال قلتُ أرأيتَ توضُّئَ ابن عمر لكلِّ صلوةٍ طاهرٍ او غير طاهرٍ عمَّ ذاك فقال حدَّثتنيه اسماءُ بنتُ زيد بن الخطاب انَّ عبدَ الله بن حنظلة بن ابي عامر حدَّثها انَّ رسول الله صلى الله عليه وسلم أُمِرَ بالوضوءِ لكلِّ صلوةٍ طاهرًا او غير طاهرٍ فلمّا شقَّ ذلك عليه أُمِرَ بالسواكِ لكلِّ صلوةٍ فكان ابن عمر يرى انَّ بهٖ قوّةً فكان لايَدَعُ الوضوءَ لكلِّ صلوةٍ، قال ابو داؤد ابراهيم بن سعد رواه عن محمد بن اسحاق قال عُبيد الله بن عبد الله ،

حل لغات

سواک جمع سُوُک (کُتب: کُتُب) مسواک جمع مَساوِیک۔ دانت صاف کرنے کی لکڑی۔ سواک کا اطلاق فعل پر اور آلہ پر دونوں پر ہوتا ہے۔ یہاں اول مراد ہے۔ توضّئ مصدر ہے بمعنی وضو کرنا قال التستری صوابہ بضم الضاد وھمزۃ بصورۃ الواو۔ عَمَّ اصل میں عن ما تھا۔ نون کا میم میں ادغام ہوگیا اسی وجہ سے۔ شَقَّ (ن) شقًّا مشقّۃً۔ الامر۔ دشوار ہونا۔ بہٖ جار مجرور، اَنَّ کی خبر مقدم ہے قوّۃ انّ کا اسم مؤخر ہے لایدع ودع (ف) چھوڑنا۔ ترجمہ

محمد بن عوف طائی نے بسند احمد بن خالد بواسطہ محمد بن اسحاق عن محمد بن یحییٰ بن حبان حضرت عبد اللہ بن عبد اللہ بن عمر سے روایت کیا ہے۔ محمد بن یحییٰ کہتے ہیں کہ میں نے عبد اللہ بن عبد اللہ سے کہا: مجھے یہ بتایئے کہ حضرت ابن عمر جو ہر نماز کے لئے وضو کرتے ہیں خواہ با وضو ہوں یا بے وضو اس کی کیا وجہ؟ عبد اللہ بن عبد اللہ نے کہا کہ مجھ سے اسماء بنت زید بن الخطاب نے نقل کیا ہے کہ ان سے حضرت عبد اللہ بن حنظلہ بن ابی عامر نے بیان کیا کہ اولاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر نماز کے لئے وضو کا حکم تھا خواہ وضو ہو یا نہ ہو جب آپ پر یہ دشوار ہوگیا تو آپ کو ہر نماز کے وقت صرف سواک کر لینے کا حکم ہوا حضرت ابن عمر اپنے میں طاقت پاکر ہر نماز کے لئے وضو کرتے تھے۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ ابراہیم بن سعد نے اس حدیث کو محمد بن اسحاق سے روایت کرتے ہوئے بجائے عبد اللہ بن عبد اللہ کے عبید اللہ بن عبد اللہ کہا ہے:۔ تشریح

قولہ باب السواک الخ۔ سواک کے مسنون ہونے میں تو کوئی اختلاف نہیں۔ ابوحامد اسفرائنی اور داؤد کی نے اہل ظاہر سے جو وجوب نقل کیا ہے وہ قابل اعتبار نہیں کیونکہ احادیث سواک میں سے کسی حدیث کو وجوب ثابت نہیں ہوتا۔ نیز اسحاق بن راہویہ سے وجوب کے سلسلہ میں جو یہ منقول ہے کہ اگر اس کو ترک کردیا تو نماز باطل ہوگی علامہ نووی فرماتے ہیں ان ہذا لم یصح عن اسحاق۔

البتہ اس میں اختلاف ہے کہ سواک کا محل نماز کی سنت ہے یا وضو کی؟ احناف کا مسلک یہ ہے کہ اصل سواک سنن وضو سے متعلق ہے لیکن اس کے علاوہ بعض دیگر مقامات میں بھی اس کا استعمال مستحب ہے مثلاً نماز کے لئے کھڑے ہونے کے وقت، دانت زرد ہو جانے کے وقت، سونے کے بعد بیدار ہونے پر، منہ میں

زبان بو پیدا ہو جانے کے وقت۔ چنانچہ شیخ ابن الہمام نے فتح القدیر میں بحوالہ مقدمہ غزنویہ ان مقدمات کی تصریح کی ہے۔ شوافع نے مسواک کو سنن صلوٰۃ سے قرار دیا ہے مگر وضو کے ساتھ مسواک کرنا ان کے نزدیک بھی ممنوع نہیں۔ چنانچہ اگر کسی نے وضو میں مسواک کا استعمال کیا اور بلا فصل دتا خیر نماز کے لئے کھڑا ہو گیا تو ان کے نزدیک بھی دوبارہ مسواک استعمال کرنے کی ضرورت نہیں۔ شوافع کا استدلال وہ احادیث ہیں جن میں لامرتہم بتاخیر العشاء وبالسواک عند کل صلوٰۃ ،، اور لولا ان اشق ذلک علیہا مرہالسواک لکل صلوٰۃ ،، وارد ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ ابن خزیمہ اور حاکم نے نیز کتاب الصوم میں امام بخاری نے حضرت ابوہریرہ سے تعلیقاً روایت کیا ہے لامرتہم بالسواک عند کل وضوء ،، نیز امام احمد وغیرہ نے روایت کیا ہے لولا ان اشق علی امتی لامرتہم بالسواک عند کل طہور ،، اور جن روایات میں عند کل صلوٰۃ کے الفاظ ہیں ان میں مضاف محذوف ہے ای عند وضوء کل صلوٰۃ اس تقدیر کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اور آپ کے خلفاء میں سے کسی سے بھی قبیل الصلوٰۃ مسواک کرنا ثابت نہیں معلوم ہوا کہ سواک عند کل صلوٰۃ اور سواک لکل صلوٰۃ سے مراد وہ بحث رہی ہے جو بوقت وضوء ہو۔ اگر کوئی یہ کہے کہ حافظ بیہقی نے بطریق ابن اسحاق عن ابی جعفر عن جابر بن عبد اللہ روایت کیا ہے "قال کان السواک من اذن النبی صلی اللہ علیہ وسلم موضع القلم من اذن الکاتب۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مدعا ثابت نہیں ہوتا اس لئے کہ اول تو خود بیہقی نے اس روایت پر ضعف کا حکم لگایا ہے فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو سفیان سے صرف یحیٰی بن الیمان نے روایت کیا ہے اور یحیٰی بن الیمان محدثین کے نزدیک قوی نہیں۔ اور اگر صحیح بھی مان لیں تب بھی اس میں یہ نہیں ہے کہ آپ نے نماز کے وقت مسواک کی ہے۔

قولہ امر بالوضوء الخ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر نماز کے لئے وضوء واجب تھا حدث ہو یا نہ ہو لیکن جب آپ پر یہ باعث مشقت ہو گیا تو آپ کو ہر نماز کے لئے مسواک کا حکم دیا گیا اور مسواک کو وضوء کا قائم مقام کر دیا گیا۔ توسط شرح ابی داؤد میں ہے کہ اس امر میں یہ بھی احتمال ہے کہ آپ ہی کے ساتھ خاص ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپ کی امت بھی شامل ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ آیت اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا الخ کی وجہ سے ہو اور آیت اپنے ظاہر پر ہو۔ چنانچہ حضرت علی نے آیت کو اس کے ظاہر پر ہی رکھا ہے بسند دارمی میں ہے حدثنا عبد الصمد بن عبد الوارث ثنا شعبۃ ثنا مسعود بن علی عن عکرمۃ ان سعدا کان یصلی الصلوات کلہا بوضوء واحد وان علیا کان یتوضأ لکل صلوٰۃ وتلا ہذہ الآیۃ۔

قولہ قال ابوداؤد الخ (۱۹) احمد بن خالد اور ابراہیم بن سعد کی روایت کا فرق بیان کرنا چاہتے ہیں کہ ان دونوں نے محمد بن اسحاق سے روایت کیا ہے لیکن احمد بن خالد نے محمد بن اسحاق کے شیخ الشیخ کا نام عبد اللہ (مکبر) ذکر کیا ہے اور ابراہیم بن سعد نے عبید اللہ (مصغر) ذکر کیا ہے جس کی تخریج حافظ دارمی نے کی ہے۔

عبد اللہ اور عبید اللہ دونوں حضرت عبد اللہ بن عمر بن الخطاب کے صاحبزادے ہیں تو ممکن ہے کہ حدیث مذکور دونوں حضرات سے مروی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ کسی ایک سے ہو اور دوسرے کا ذکر راوی کی غلطی ہو۔

(۱۴) باب کیف یستاک

(۷) حدثنا مسدد وسلیمان بن داؤد العتکی المعنی قالا حدثنا حماد بن زید عن غیلان بن جریر عن ابی بردۃ عن ابیہ قال مسدد قال اتینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نستحملہ فرأیتہ یستاک علی لسانہ، قال ابوداؤد قال سلیمان قال دخلت علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو یستاک وقد وضع السواک علی طرف لسانہ وھو یقول إٓہ اہ یعنی یتھوع[۱] قال ابوداؤد قال مسدد کان حدیثا طویلا اختصرتہ[۲]

حل لغات

یستاک (ستیاک) مسواک کرنا۔ نستحملہ آپ سے سواری طلب کرتے تھے۔ طرف کروٹ، کنارہ، یتھوع، تہوعا بتکلف قے کرنا۔

ترجمہ

مسدد اور سلیمان بن داؤد عتکی نے بسند حماد بن زید بواسطہ غیلان بن جریر ابو بردہ سے اور انھوں نے اپنے والد (حضرت ابو موسیٰ اشعری) سے روایت کیا ہے۔ مسدد کے الفاظ ہیں کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری کہتے ہیں کہ ہم آپ کے پاس سواری مانگنے گئے میں نے دیکھا کہ آپ اپنی زبان پر مسواک کر رہے ہیں۔ ابو داؤد کہتے ہیں کہ سلیمان کی روایت یوں ہے کہ میں آپ کے پاس گیا آپ مسواک کر رہے تھے اور مسواک اپنی زبان کے کنارے پر رکھے ہوئے اہ اہ کر رہے تھے جیسے کوئی بتکلف قے کرتا ہے۔ ابو داؤد کہتے ہیں کہ مسدد نے کہا ہے کہ حدیث تو ذرا لمبی تھی مگر میں نے مختصر کرکے بیان کر دی۔

تشریح

قولہ باب الخ۔ مسواک کیسے کرے؟ یعنی صرف دانتوں پر پھیر لینا کافی ہے یا زبان پر بھی مسواک کی جائے؟ سو اس کا طریقہ یہ ہے کہ وضو میں کلی کرتے وقت دانتوں پر عرضاً مسواک کرے اور زبان پر بھی پھیرے کیونکہ مسواک کے عمل میں جہاں دانتوں کی صفائی پیش نظر ہے وہیں زبان کی صفائی بھی مطلوب ہے۔ جب زبان پر بلغم جم جاتا ہے تو زبان پر بلادت آجاتی ہے اور حرکت ٹھیک نہیں رہتی جس کی وجہ سے الفاظ کے تلفظ پر اثر پڑتا ہے۔ حدیث باب میں حضرت ابو موسیٰ اشعری فرماتے ہیں، کہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا دیکھا آپ مسواک کر رہے ہیں۔ مسواک آپ کے منہ میں ہے اور اہ اہ کی آواز نکل رہی ہے۔ ظاہر ہے کہ صرف دانتوں پر مسواک پھیرنے سے اس قسم کی آواز پیدا

[۱] بہمزۃ مکسورۃ ثم ہاء وفی روایۃ البخاری اع اع بضم الہمزۃ وسکون المہملۃ وفی روایۃ النسائی وابن خزیمۃ بتقدیم العین علی الہمزۃ والجوزقی بخاء معجمۃ بدل الہمزۃ المکسورۃ قال الحافظ وروایۃ اع اع اشہر وانما اختلف الرواۃ لتقارب مخارج ہذہ الاحرف وکلہا ترجع الی حکایۃ صوتہ اذ جعل السواک علی طرف لسانہ ۱۲ غایۃ المقصود۔

[۲] ہذا التفسیر من احد الرواۃ دون ابی موسیٰ وفی مختصر المنذری اراہ یعنی یتہوع وفی روایۃ البخاری کأنہ یتہوع وہذا یقتضی انہ من مقول ابی موسیٰ ۱۲ عون المعبود۔

نہیں ہوتی بلکہ جب حلق کی رطوبت نکالنے کے لیے مسواک کو زبان پر ملا جائے تب ہی یہ آواز ہوتی ہے۔ معلوم ہوا کہ مسواک زبان پر بھی پھیری جاتی تھی۔

قولہ قال ابو داؤد الخ (۲۰) صاحب کتاب نے حدیث باب دو استادوں سے روایت کی ہے۔ ایک مسدد سے دوسرے سلیمان بن داؤد سے اور شروع سند میں المعنی بڑھا کر پہلے ہی اشارہ کر چکے کہ دونوں کی روایتوں کے معنی متحد ہیں اور الفاظ مختلف یہاں اسی اختلاف کی تشریح ہے کہ مسدد کے الفاظ یہ ہیں۔ "قال اتینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نستحملہ فرأیتہ یستاک علی لسانہ" اور سلیمان بن داؤد کے الفاظ یہ ہیں۔ "قال دخلت الخ"۔

قولہ قال ابو داؤد وقال مسدد الخ (۲۱) مسدد کہتے ہیں کہ حدیث تو ذرا لمبی تھی مگر میں نے مختصر کر کے بیان کی ہے۔ علامہ منذری فرماتے ہیں کہ امام بخاری، مسلم اور نسائی نے اس حدیث کی تخریج کی ہے۔ نسائی کے الفاظ بطریق قتیبہ یہ ہیں۔ "ثنا حماد عن غیلان بن جریر عن ابی بردۃ عن ابی موسی قال اتیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رہط من الاشعریین نستحملہ فقال واللہ لا احملکم الحدیث"۔

قولہ اختصرتہ الخ بعض نسخوں میں "اختصرہ" بصیغہ مضارع متکلم ہے۔ شیخ ولی الدین عراقی فرماتے ہیں کذا فی اصلنا، امام نووی نے بھی اپنی شرح میں بعض نسخوں سے یہی نقل کیا ہے لیکن عام نسخوں میں "اختصرتہ" بصیغہ ماضی متکلم ہے۔ صاحب عون المعبود نے اسی کی تصحیح کی ہے۔

(تنبیہ) بقول علامہ منذری شیخین اور امام نسائی نے حدیث مذکور کی تخریج کی ہے امام نسائی کی حدیث کے الفاظ ہم اوپر نقل کر چکے لیکن اس میں مسواک کا ذکر نہیں ہے۔ اسی طرح امام مسلم نے خلف بن ہشام قتیبہ اور یحیی بن حبیب حارثی سے سند مذکور کے ساتھ تخریج کی ہے۔ نیز مسلم میں یہ حدیث بطریق ابو اسامہ بھی ہے مگر ان میں سے کسی میں بھی مسواک کا ذکر نہیں ہے۔ امام بخاری نے اس حدیث کو ابو النعمان سے اس طرح روایت کیا ہے۔ "قال حدثنا حماد بن زید عن غیلان بن جریر عن ابی بردۃ عن ابیہ قال اتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فوجدتہ یستن بسواک بیدہ یقول اع اع والسواک فی فیہ کانہ یتہوع"

مگر اس میں سوال حملان کا ذکر نہیں ہے اور کتاب الایمان میں حدیث الاستحمال کو باب الاستثناء فی الایمان کے ذیل میں روایت کیا ہے مگر اس میں مسواک کا ذکر نہیں ہے۔ اسی طرح امام احمد نے اپنے مسند میں اس قصہ سے متعلق روایات کی تخریج کی ہے ان میں بھی مسواک کا ذکر نہیں ہے۔

البتہ شیخین نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کی حدیث سے ایک دوسرا قصہ نقل کیا ہے اس میں مسواک کا ذکر ہے مسلم کی روایت کے الفاظ یہ ہیں "قال ابو موسیٰ اقبلت الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومعی رجلان من الاشعریین احدہما عن یمینی والآخر عن یساری فکلاہما سأل العمل والنبی صلی اللہ علیہ وسلم یستاک فقال ما تقول یا ابا موسیٰ او یا عبد اللہ بن قیس فقلت والذی بعثک بالحق ما اطلعانی علی ما فی انفسہما وما شعرت انہما یطلبان العمل قال وکانی انظر الی سواکہ تحت شفتہ وقد قلصت"۔

اس پوری تفصیل سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ صاحب کتاب نے جو حدیث مذکور میں قصہ استحمال اور ذکر مسواک دونوں کو جمع کیا ہے کتب حدیث میں اس کا پتہ نہیں چلتا اور اس حدیث میں استحمال کا ذکر تنہا غیر محفوظ ہے۔

(۱۵) باب السواك من الفطرة

(۲۰) حدثنا موسى بن اسماعيل وداود بن شبيب قالا نا حماد عن علي بن زيد عن سلمة بن محمد بن عمار بن ياسر قال موسى عن ابيه وقال داود عن عمار بن ياسر ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ان من الفطرة المضمضة والاستنشاق فذكر نحوه ولم يذكر اعفاء اللحية وزاد الختان قال والانتضاح ولم يذكر انتقاص الماء يعني الاستنجاء قال ابو داود وروي نحوه عن ابن عباس وقال خمس كلها في الراس وذكر فيه الفرق ولم يذكر اعفاء اللحية. قال ابو داود وروي نحو حديث حماد عن طلق بن حبيب ومجاهد وعن بكر بن عبد الله المزني قولهم ولم يذكروا اعفاء اللحية وفي حديث محمد بن عبد الله بن ابي مريم عن ابي سلمة عن ابي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم فيه واعفاء اللحية وعن ابراهيم النخعي نحوه وذكر اعفاء اللحية والختان

حل لغات

الفطرۃ وہ صفت کہ ہر موجود اپنی ابتدائی پیدائش میں اس پر ہو۔ دین، سنت، طریقہ۔ المضمضہ کلی کرنا، استنشاق۔ ناک میں پانی ڈالنا۔ اعفاء۔ الشعر۔ بالوں کو بڑھنے کے لئے چھوڑ دینا۔ لحیۃ داڑھی الختان۔ ختنہ۔ الانتضاح۔ پانی چھڑکنا، مراد استنجاء کرنا، فرق۔ مانگ۔

ترجمہ

موسیٰ بن اسمٰعیل اور داؤد بن شبیب نے بسند حماد بواسطہ علی بن زید سلمہ بن محمد بن عمار بن یاسر سے روایت کیا ہے (موسیٰ بن اسمٰعیل نے عن ابیہ ذکر کیا ہے اور داؤد بن شبیب نے عن عمار بن یاسر) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پیدائشی خصلتوں میں سے ہے کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا، اور حدیث عائشہ کی مانند بیان کیا بجز آنکہ اعفاء اللحیہ کو ذکر نہیں کیا اور مزید برآں ختان کو ذکر کیا ہے نیز انتضاح ذکر کیا ہے اور انتقاص الماء (یعنی استنجاء) ذکر نہیں کیا۔

ابوداؤد کہتے ہیں کہ اسی کی مانند حضرت ابن عباس سے مروی ہے انھوں نے پانچ سنتیں بیان کیں جو سب سر سے متعلق ہیں۔ ان میں سے ایک مانگ نکالنا ہے۔ داڑھی چھوڑنے کا ذکر اس میں نہیں ہے۔

ابوداؤد کہتے ہیں کہ حدیث حماد کے مثل طلق بن حبیب، مجاہد اور بکر بن عبد اللہ مزنی سے ان حضرات کا قول بھی منقول ہے اس میں بھی اعفاء اللحیۃ مذکور نہیں اور محمد بن عبد اللہ بن ابی مریم کی حدیث جو عن ابی سلمہ عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم مروی ہے اس میں اعفاء اللحیہ ہے۔ ابراہیم نخعی سے بھی ایسا ہی مروی ہے اور اس میں اعفاء اللحیۃ اور الختان مذکور ہے۔

تشریح

قولہ من الفطرۃ الخ۔ حافظ ابو سلیمان خطابی فرماتے ہیں کہ اکثر علماء نے اس حدیث میں لفظ فطرۃ کی تفسیر سنت سے کی ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ دس خصلتیں انبیاء علیہم السلام کی سنتیں ہیں جن کی اقتداء کا ہم کو حکم ہے قال تعالیٰ

فبھدٰیھم اقتدہ" اور سب سے پہلے جس کو ان کا حکم ہوا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں قال تعالیٰ "واذ ابتلیٰ ابراھیم ربہ بکلمات فاتمھن" حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ آپ کو ان دس خصلتوں کا حکم ہوا آپ نے پورے طور سے انکی تعمیل کی تو آپ کو تمام انسانوں کا مقتدا اور پیشوا بنادیا گیا وذالک قولہ تعالیٰ "انی جاعلک للناس اماما" بعض حضرات نے فطرۃ کی تفسیر دین سے کی ہے۔ لقولہ تعالیٰ "فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا" ای دین اللہ الذی اختارہ لاول مفطور من البشر۔

قولہ قال موسیٰ عن ابیہ الخ۔ صاحب کتاب کے استاذ موسیٰ بن اسمٰعیل اور داؤد بن شبیب کی روایت میں جو اختلاف ہے اس کو بیان کرنا مقصود ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث مذکور کو اپنی سند کے ساتھ اس طرح روایت کیا ہے "عن سلمۃ بن محمد بن عمار بن یاسر عن ابیہ محمد ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قال الخ" اور داؤد بن شبیب کی روایت یوں ہے "عن سلمۃ بن محمد بن عمار بن یاسر عن جدہ عمار بن یاسر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الخ" پس پہلے طریق پر روایت مرسل ہے کیونکہ سلمہ کے والد محمد بن عمار کا صحابی ہونا ثابت نہیں اور دوسرے طریق پر روایت منقطع ہے۔ کیونکہ سلمہ نے اپنے دادا عمار بن یاسر کو نہیں دیکھا۔

قولہ فذکر نحوہ الخ۔ ذکر کا فاعل محمد بن عمار ہے (پہلے طریق پر) یا عمار بن یاسر (دوسرے طریق پر) ای فذکر عمار بن یاسر او محمد بن عمار نحو حدیث عائشۃ۔

حضرت عمار بن یاسر کی حدیث مسند امام احمد و سنن ابن ماجہ میں مروی ہے۔ امام احمد کی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔ "ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان من الفطرۃ او الفطرۃ المضمضۃ والاستنشاق وقص الشارب والسواک وتقلیم الاظفار وغسل البراجم ونتف الابط والاستحداد والاختتان والانتضاح"۔

قولہ ولم یذکر الخ۔ یعنی ان کی حدیث میں اعفاء اللحیۃ کا ذکر نہیں ہے جیسا کہ حضرت عائشہ رض کی حدیث میں ہے اور اس روایت میں الختان مذکور ہے جو حضرت عائشہ رض کی حدیث میں نہیں ہے۔ نیز راوی نے حضرت عمار کی روایت میں لفظ انتضاح ذکر کیا انتقاص الماء ذکر نہیں کیا، جیسا کہ حضرت عائشہ رض کی حدیث میں ہے۔

قولہ یعنی الاستنجاء الخ۔ صاحب کتاب نے اس تفسیر سے یہ بتادیا کہ انتقاص الماء گو استنجے اور انتضاح وجمیع غسلات کو شامل ہے مگر یہاں اس سے مراد استنجاء ہے۔

(۴۳)

قولہ قال ابوداؤد وروی نحوہ الخ یعنی سلمہ بن محمد کی حدیث کے مثل حضرت عبداللہ بن عباس کی بھی روایت ہے جس میں فرق یعنی مانگ کا ذکر ہے، حضرت عائشہ رض کی حدیث میں اس کا ذکر نہیں ہے اور حضرت عائشہ رض کی حدیث میں اعفاء اللحیۃ مذکور ہے ابن عباس کی روایت میں اس کا ذکر نہیں ہے۔

صاحب عون المعبود نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس کا یہ اثر حافظ عبد الرزاق نے اپنی تفسیر میں اور حافظ طبرانی نے بسند صحیح تخریج کیا ہے۔ عبد الرزاق کے الفاظ یہ ہیں۔ "اخبرنا معمر عن ابن طاؤس عن ابیہ عن ابن عباس واذ ابتلیٰ ابراھیم ربہ بکلمات، قال ابتلاہ اللہ بالطھارۃ خمس فی الراس وخمس فی الجسد فی الراس قص الشارب والمضمضۃ والاستنشاق والسواک وفرق الراس وفی الجسد تقلیم الاظفار وحلق العانۃ والختان و

نعت الاہد و مثل اثر انسا نرعا ابول بالماء۔

قولہ قال ابوداؤد وفندی نحو حدیث الخ شدی بنی للمجہول ہے اور نحو تمیم اس کا مفعول مالم یسم فاعلہ ہے مطلب یہ ہے کہ حماد بن سلمہ کی حدیث مذکورہ کے مثل طلق بن حبیب، مجاہد اور بکر بن عبداللہ مزنی سے ان کا قول بھی مروی ہے گویا مرفوع نہیں موقوف ہے حماد وان حضرات نے اپنی روایات میں اعفاء اللحیۃ کو ذکر نہیں کیا۔ طلق بن حبیب کی دو حدیثیں ہیں ایک کو وہ موقوف روایت کرتے ہیں جس کی تخریج امام نسائی نے کی ہے اور ایک کو وہ مرفوعاً روایت کرتے ہیں جس کی تخریج صاحب کتاب نے اول باب میں اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں کی ہے۔ نیز اس کی تخریج ابن ماجہ نے بھی اپنی کتاب سنن میں کی ہے۔ مگر اس میں عن طلق بن حبیب عن ابی الزبیر ہو کاتب کی غلطی ہے صحیح عن ابن الزبیر ہے۔ واما روایۃ مجاہد و بکر بن عبداللہ المزنی فقال الشیخ فی البذل لم اجدہا فی الکتب الموجودۃ عندنا۔

قولہ وفی حدیث محمد بن عبداللہ الخ۔ فی حدیث محمد اہ خبر مقدم ہے اور اعفاء اللحیۃ مبتدا مؤخر اور فیہ خبر کی تاکید ہے مقصد یہ ہے کہ محمد بن عبداللہ کی روایت میں اعفاء اللحیہ کا ذکر موجود ہے۔

قولہ وعن ابراہیم الخ۔ یعنی معنی کے لحاظ سے ابراہیم نخعی کی روایت بھی محمد بن عبداللہ بن ابی مریم کے مثل ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ابراہیم نخعی کی روایت میں اعفاء اللحیہ کے ساتھ الختان بھی مذکور ہے۔ شیخ نے بذل میں لکھا ہے ولم نجد ہاتین الروایتین فی کتب الحدیث۔ علامہ منذری فرماتے ہیں کہ ابراہیم نخعی کی روایت کی تخریج ابن ماجہ نے کی ہے

۸۷

(۲۶) باب السواک لمن قام باللیل

(۱۹) حدثنا محمد بن عیسیٰ نا ھشیم انا حصین عن حبیب بن ابی ثابت عن محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباس عن ابیہ عن جدہ عبد اللہ بن عباس قال بتُّ لیلۃ عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلما استیقظ من منامہ اتی طہورہ فاخذ سواکہ فاستاک ثم تلا ھذہ الآیات اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ حتی قارب ان یختم السورۃ او ختمہا ثم توضأ فاتی مصلاہ فصلی رکعتین ثم رجع الی فراشہ فنام ما شاء اللہ ثم استیقظ ففعل مثل ذلک ثم رجع الی فراشہ فنام ثم استیقظ ففعل مثل ذلک کل ذلک یستاک ویصلی رکعتین ثم اوتر قال ابو داؤد رواہ ابن فضیل عن حصین قال فتسوک وتوضأ وھو یقول اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ حتی ختم السورۃ

حل لغات

بتُّ ماضی کا واحد متکلم ہے وض س بیتوتۃ شب باشی کرنا۔ استیقظ استیقاظاً بیدار ہونا۔ منام خواب، نیند۔ طہور وہ

پانی جو وضو کے لئے رکھا ہو۔ فراش بستر۔ ترجمہ

محمد بن عیسیٰ نے بسند ہشیم بواسطہ حصین عن حبیب بن ابی ثابت، محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباس سے روایت کیا ہے محمد بن علی اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا عبد اللہ بن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ میں ایک شب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہا آپ سو کر بیدار ہوئے اور وضو کا پانی لیکر مسواک کرنے لگے پھر یہ آیتیں پڑھیں ان فی خلق السمٰوٰت الخ یہاں تک کہ سورت ختم کرنے کے قریب ہوگئے یا ختم ہی کر دی اس کے بعد آپ نے وضو کیا اور نماز پڑھنے کی جگہ پر آئے اور دو رکعتیں پڑھیں پھر اپنے بچھونے پر جا کر سو رہے جبتک کہ خدا کو منظور تھا پھر جاگے اور ایسا ہی کیا اور بچھونے پر سو گئے پھر جاگے اور ایسا ہی کیا ہر بار مسواک کرتے تھے اور دو رکعتیں پڑھتے تھے اس کے بعد آپ نے وتر کی نماز پڑھی۔ ابو داؤد کہتے ہیں کہ اس حدیث کو فضیل نے حصین سے اس طرح روایت کیا ہے کہ آپ نے مسواک کی اور وضو کرتے ہوئے پڑھ رہے تھے ان فی خلق السمٰوٰت والارض یہاں تک کہ آپ نے پوری سورت ختم کر دی۔ تشریح قولہ او ختمہا الخ۔ یہ شک حضرت عبد اللہ بن عباس کو نہیں ہے بلکہ بعض رواۃ کو ہے کیونکہ صاحب کتاب نے باب صلوٰۃ اللیل کے ذیل میں عثمان بن ابی شیبہ سے حتیٰ ختم السورۃ بلا شک روایت کیا ہے۔ نیز مسلم کی روایت کے الفاظ ہیں "فقرأ ہولاء الآیات حتی ختم السورۃ" و لعل الشک من ہشیم بن بشیر۔

قولہ قال ابو داؤد الخ (۳۴) حصین بن عبد الرحمٰن کے دو شاگرد ہیں ایک ہشیم بن بشیر اور ایک محمد بن فضیل حدیث باب کو ان دونوں نے روایت کیا ہے مگر ان دونوں کی روایات میں لفظی اختلاف ہے صاحب کتاب اسی لفظی اختلاف کو بیان کرنا چاہتے ہیں کہ ابن فضیل کی روایت میں فاستاک کے بجائے فتسوک ہے اور توضاء کی زیادتی ہے نیز ہشیم کی روایت میں ثم تلا ہٰذہ الآیات الخ ہے اور ابن فضیل کی روایت میں "وہو یقول ان فی خلق السمٰوٰت والارض حتی ختم السورۃ" ہے۔ اس کے علاوہ کچھ اور بھی اختلاف ہے صاحب کتاب نے باب صلوٰۃ اللیل میں حدیث مذکور کو ان دونوں طریق سے روایت کیا ہے اور مزید اختلاف کو بھی ذکر کیا ہے۔

(۱۸) باب الرجل یجدد الوضوء من غیر حدث

(۳۰) حدثنا محمد بن یحییٰ بن فارس قال حدثنا عبد اللہ بن یزید المقرئ ح وثنا مسدد قال حدثنا عیسیٰ بن یونس قال حدثنا عبد الرحمٰن بن زیاد قال ابو داؤد وانا لحدیث ابن یحییٰ اضبط عن غطیف وقال محمد عن ابی غطیف الہذلی قال کنت عند ابن عمر فلما نودی بالظہر توضأ فصلی فلما نودی بالعصر توضأ فقلت لہ فقال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من توضأ علی طہر کتب لہ عشر حسنات قال ابو داؤد وہذا حدیث مسدد وہو اتم۔

حل لغات

یتہود۔ تجدید۔ نیا کرنا؛ حدث۔ موجب وضو چیز جیسے پیشاب پاخانہ وغیرہ، احفظ (ن رض) حفظاً خوب محفوظ کرنا۔

ترجمہ

محمد بن یحییٰ بن فارس نے بسند عبد اللہ بن یزید المقریٰ اور مسدد نے بسند عیسیٰ بن یونس بواسطہ عبد الرحمٰن بن زیاد و غطیف (بقول محمد ابو غطیف) سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں حضرت عبد اللہ بن عمر کے پاس تھا ظہر کی اذان ہوئی تو انھوں نے وضو کیا اور نماز پڑھی پھر عصر کی اذان ہوئی تو انھوں نے پھر وضو کیا میں نے ان سے کہا (اب نیا وضو کرنے کا کیا سبب ہے؟) انھوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو کوئی وضو پر وضو کرے تو حق تعالیٰ اس کے لئے دس نیکیاں لکھے گا۔ ابو داؤد کہتے ہیں کہ یہ مسدد کی حدیث ہے اور زیادہ مکمل ہے۔

تشریح

قولہ باب الخ۔ بلا نقض وضو اور کے پیش آئے بغیر وضو کرنا جس کو وضو علی الوضوء کہتے ہیں واجب نہیں بلکہ امر مندوب ہے۔ شرح السنۃ میں ہے کہ وضوء کی تجدید مستحب ہے۔ بشرطیکہ پہلے وضوء سے کوئی ایسا فعل کر چکا ہو جو بلا طہارت صحیح نہیں، ورنہ بعض حضرات نے اس کو مکروہ کہا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دونوں قسم کی روایات ہیں بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ پر ہر نماز کے لئے نیا وضو کرنا واجب تھا جیسا کہ حضرت انس سے مروی ہے۔ کان یتوضأ لکل صلوٰۃ طاہرا وغیر طاہر اور بعض روایات سے اس کے خلاف ثابت ہے ہمارے علماء نے دونوں میں یوں تطبیق دی ہے کہ ابتداء میں وجوب تھا بعد کو منسوخ ہو گیا۔ نسخ کی دلیل ابو داؤد کی روایت ہے جو پیچھے گذر چکی۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم امر بالوضوء لکل صلوٰۃ فلما شق علیہ امر بالسواک[1]۔

قولہ قال ابو داؤد وانا الخ [2] صاحب کتاب نے حدیث باب دو استادوں سے روایت کی ہے ایک محمد بن یحییٰ بن فارس سے اور ایک مسدد بن مسرہد سے لیکن محمد بن یحییٰ کی روایت ان کو زیادہ محفوظ ہے اسی کو بتا رہے ہیں۔ چنانچہ محمد بن یحییٰ بن فارس نے سند میں عبد الرحمٰن بن زیاد کے بعد عن ابی غطیف الہذلی کہا ہے اور مسدد نے صرف عن غطیف فہذا ہو الفرق بین الاسنادین۔

قولہ کتب لہ الخ۔ علامہ ابن رسلان اپنی شرح میں فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کو دس وضو کا ثواب ملے گا کیونکہ ایک نیکی پر کم از کم دس نیکیوں کا وعدہ ہے قال تعالیٰ: من جاء بالحسنۃ فلہ عشر امثالہا۔ علامہ سندی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو امام ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے، وقال الترمذی ہذا اسناد ضعیف[3]۔

---

[1] قال الطحاوی ویحتمل ان ذلک کان واجبا علیہ خاصۃ ثم نسخ یوم الفتح لحدیث بریدۃ ویحتمل انہ کان یفعلہ استحبابا ثم خشی ان یظن وجوبہ فترکہ لبیان الجواز۔ قال الحافظ وہذا اقرب وعلی تقدیر الاول فالنسخ کان قبل الفتح بدلیل حدیث سوید بن النعمان فانہ کان فی خیبر وہی قبل الفتح بزمان اہ قلت والمراد بحدیث سوید ما فی البخاری وغیرہ قال خرجنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام خیبر حتی اذا کنا بالصہباء الحدیث وفیہ ثم صلی لنا المغرب ولم یتوضأ ۱۲ حاشیہ کوکب

[2] قلت واخرجہ احمد فی مسندہ باسناد صحیح عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لولا ان اشق علی امتی لامرتہم عند کل صلوٰۃ بوضوء، واخرجہ الحافظ مسلسلا عن انس قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یتوضأ عند کل صلوٰۃ ۱۲ غایۃ المقصود

(۲۲) قولہ قال ابوداؤد وہذا الخ یعنی یہ شیخ مسدد کی حدیث ہے جو محمد بن یحییٰ کی حدیث کی بہ نسبت اتم و اکمل اور زائد ہے لیکن اس کا اکمل و اتم ہونا صاحب کتاب کے قول وما احدیث ابن یحییٰ اضبط کے منافی نہیں کیونکہ حفظ و اتقان اور زیادتی و کمال میں کوئی منافات نہیں بلکہ ہو سکتا ہے کہ ایک شئی اکمل و ازید ہو لیکن زیادہ محفوظ نہ ہو وبالعکس۔

(تنبیہ) صاحب کتاب نے یہاں حدیث مسدد کو اتم بتایا ہے ابن ماجہ میں اس کا عکس ہے کیونکہ ابن ماجہ نے جو حدیث محمد بن یحییٰ کی تخریج کی ہے وہ حدیث مسدد کے مقابلہ میں اتم ہے اور حدیث مسدد انقص، تو ممکن ہے ابن ماجہ نے ابن یحییٰ سے جس حدیث کی تخریج کی ہے وہ صاحب کتاب کو نہ پہنچی ہو ان کو ابن یحییٰ کی وہی حدیث پہنچی ہو جس کے مقابلہ میں حدیث مسدد اتم ہے فتدبر۔

(۱۸) باب ما ینجس الماء

(۶۳) حدثنا محمد بن العلاء وعثمان بن ابی شیبۃ والحسن بن علی وغیرہم قالوا حدثنا ابو اسامۃ عن الولید بن کثیر عن محمد بن جعفر بن الزبیر عن عبید اللہ بن عبد اللہ بن عمر عن ابیہ قال سئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الماء وما ینوبہ من الدواب والسباع فقال صلی اللہ علیہ وسلم اذا کان الماء قلتین لم یحمل الخبث، قال ابوداؤد هذا لفظ ابن العلاء، وقال عثمان والحسن بن علی عن محمد بن عباد بن جعفر قال ابوداؤد وهو الصواب۔

حل لغات

ینجس ناپاک کرنا۔ عن الماء ای عن طہارۃ الماء ونجاستہ، ینوبہ بار بار آنا۔ الدواب جمع دابۃ چوپائے، جانور، سباع جمع سَبُعٌ درندے، قلتین، قلۃ سر یا پہاڑ یا ہر چیز کا بالائی حصہ یعنی چوٹی، قد آدم، مٹکا جس میں ڈھائی سو رطل پانی سما سکے، الخبث ناپاکی:- ترجمہ

محمد بن علاء، عثمان بن ابی شیبہ اور حسن بن علی وغیرہ نے بسند ابو اسامہ بواسطہ ولید بن کثیر عن محمد بن جعفر بن الزبیر عن عبید اللہ بن عبد اللہ حضرت ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس پانی کی بابت سوال ہوا جس پر جانور اور درندے بار بار آتے جاتے ہوں۔ آپ نے فرمایا: جب پانی دو قلوں کے برابر ہو تو وہ ناپاکی کو نہ اٹھائیگا۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ یہ ابن علاء کے الفاظ ہیں اور عثمان اور حسن بن علی نے محمد بن عباد بن جعفر سے روایت کیا ہے ابوداؤد کہتے ہیں کہ یہی ٹھیک ہے۔ تشریح

قولہ باب الخ۔ علامہ ابن نجیم مصری نے بحر میں، عبد اللہ بن ہبیرہ وزیر نے افصاح میں اور ابن رشد وغیرہ نے لکھا ہے کہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ جب پانی کا کوئی وصف نجاست کی وجہ سے متغیر ہو جائے تو اس سے طہارت حاصل کرنا جائز نہیں، پانی قلیل ہو یا کثیر، جاری ہو یا منجمد۔ امام نووی نے بھی شرح مہذب میں علماء کی ایک جماعت سے یہی نقل کیا ہے۔

اور اگر کوئی وصف متغیر نہ ہو تو عامۃ العلماء کا اتفاق ہے کہ اگر پانی کم ہو تو وہ نجاست کی وجہ سے ناپاک ہو جائے گا اور کثیر ہو تو ناپاک نہ ہوگا۔

لیکن پانی کی کتنی مقدار کو قلیل کہا جائے اور کتنی مقدار کو کثیر یہ مختلف فیہ ہے یعنی قلیل و کثیر پانی کے درمیان حد فاصل کی تعیین میں اختلاف ہے چنانچہ مولانا عبدالحی صاحب نے سعایہ میں اس کی بابت پندرہ مذہب نقل کئے ہیں جن میں سب سے زیادہ وسیع وہ ہے جو حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ اگر پانی پر نجاست غالب آجائے اور پانی کی رقت اور اس کا سیلان زائل ہو جائے تو پانی ناپاک ہوگا ورنہ پاک ہی رہیگا گویا غلبہ بحسب الذات معتبر ہے۔ ممکن ہے کہ حضرت عائشہ رضی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد "الماء طہور لا ینجسہ شئی" عموم پر محمول کیا ہو۔

مگر یہ انتساب کسی صحیح اسناد اور جید طریق سے ثابت نہیں اسی لئے ائمہ اعلام میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں۔ اس کے بعد وسیع تر مذہب امام مالک کا ہے اور ابن عباس، ابو ہریرہ، عکرمہ، ابن ابی لیلی، ابن المسیب، حسن بصری، اوزاعی، ثوری، داؤد ظاہری، جابر، غزالی اور امام احمد سے ایک روایت اور امام شافعی کا بھی ایک قول یہی ہے کہ پانی قلیل ہو یا کثیر پاک ہی رہیگا۔ کیونکہ حدیث میں ہے "الماء طہور لا ینجسہ شئی" مگر اس حدیث کے بعض طرق میں چونکہ الا ما غیر کی زیادتی ہے اس لئے آپ نے عدم تغیر وصف کی قید لگائی ہے گویا آپ کے یہاں غلبہ ملاقی کا اعتبار بحسب الوصف ہے کہ اگر وصفاً پانی غالب ہو اور اوصاف نجاست میں سے کوئی وصف اس میں ظاہر نہ ہوا ہو تو پانی پاک رہیگا ورنہ ناپاک ہو جائے گا۔ امام مالک کی دلیل الماء طہور لا ینجسہ شئی کے متعلق ہم اگلے باب میں کچھ عرض کریں گے۔

تیسرا مذہب امام شافعی کا ہے کہ جب پانی دو قلوں کی مقدار (یعنی تقریباً پانچ رطل) ہو تو وہ ناپاک نہیں ہوتا الا یہ کہ اس کا کوئی وصف متغیر ہو جائے کہ اس صورت میں وہ ناپاک ہو جائیگا۔ عسہ امام احمد کا بھی مشہور مذہب یہی ہے اور یہی اسحاق بن راہویہ، ابو ثور، ابن خزیمہ اور ابو عبیدہ کا قول ہے۔ دلیل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "اذا کان الماء قلتین لم یحمل الخبث" جس کی تحقیق عنقریب آرہی ہے۔

امام ابو حنیفہ نے اس سلسلہ میں کوئی تحدید نہیں فرمائی بلکہ آپ کے یہاں پانی کی طہارت و نجاست مبتلیٰ بہ کے ظن غالب پر ہے اگر غالب ظن یہ ہو کہ نجاست کا اثر پانی کی دوسری جانب تک نہیں پہنچا تو اس سے طہارت حاصل کرنا جائز ہوگا ورنہ ناجائز ظاہر الروایہ یہی ہے اور اسی کی طرف امام محمد کا رجوع ہے۔

قولہ من الدواب الخ۔ ماینوبہ میں ما موصولہ ہے اس کا بیان ہے۔ علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ یہ اس بات کی دلیل ہو کہ درندوں کا جھوٹا ناپاک ہے احناف کا مذہب یہی ہے شوافع حضرات اس کے قائل نہیں۔

عسہ وللامام مالک فی الماء الیسیر تحلہ النجاسۃ ثلاثۃ اقوال الاول انہا تفسدہ والثانی لا الا ان یتغیر اوصافہ والثالث انہ مکروہ ۱۲

عسہ قال ابن دقیق العید فی شرح العمدۃ ولا حمد طریقۃ اخری وہی الفرق بین بول الآدمی وما فی معناہ فینجس الماء وان کان اکثر من القلتین وما غیرہ من النجاسات فتعتبر فیہ القلتان ۱۲

قولہ اذا کان الماء الخ یعنی جب پانی دو قلوں کی مقدار ہو تو وہ ناپاکی کو نہیں اٹھاتا اور نجاست کا اثر قبول نہیں کرتا یعنی ناپاک نہیں ہوتا۔ باب کی آخری حدیث کے الفاظ "فانہ لا ینجس" اور حاکم کی روایت کے الفاظ "لم ینجسہ شیٔ" سے اس مطلب کی پوری وضاحت ہو جاتی ہے۔

اس حدیث کو اصحاب سنن اربعہ (ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) امام احمد، امام شافعی، ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم، دارقطنی، دارمی اور حافظ بیہقی وغیرہ نے روایت کیا ہے[1] اور یحییٰ بن معین، بیہقی، دارقطنی، ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم، ابن منده، خطابی، ابن حزم نے اس کی تصحیح بھی کی ہے۔ امام شافعی اسی سے استدلال کرتے ہیں۔

مگر محققین اہل علم کے نزدیک قابل حجت نہیں ہے۔ کیونکہ محدثین کی ایک بڑی جماعت حافظ ابن عبدالبر، ابوبکر بن العربی، قاضی اسمٰعیل بن اسحاق، علی بن المدینی، حافظ ابوالعباس ابن تیمیہ اور ابن القیم وغیرہ نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ حافظ ابوعمر ابن عبدالبر تمہید میں لکھتے ہیں "ما ذہب الیہ الشافعی من حدیث القلتین مذہب ضعیف من جہۃ النظر غیر ثابت من جہۃ الاثر لانہ حدیث تکلم فیہ جماعۃ من اہل العلم۔

اور الاستذکار میں فرماتے ہیں "حدیث معلول ردہ اسماعیل القاضی وتکلم فیہ" ابوبکر بن العربی فرماتے ہیں حدیث القلتین مدارہ علی مطعون علیہ او مضطرب او موقوف، وحسبک ان الشافعی رواہ عن الولید وہو اباضی" ابن حزم کہتے ہیں کہ حدیث قلتین کوئی حجت نہیں ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قلتین کی کوئی تحدید نہیں ہے۔

بدائع میں علی بن المدینی سے منقول ہے "لا یثبت حدیث القلتین"۔ بحر الرائق میں ہے کہ حافظ ابن تیمیہ نے اس کی تضعیف میں بہت زیادہ مبالغہ کیا ہے۔ حافظ ابن قیم نے تہذیب میں لکھا ہے کہ قلتین والی حدیث سے استدلال کرنا چندرہ چیزوں کے ثبوت پر موقوف ہے اور ان چیزوں کا ثبوت ہے نہیں لہٰذا اس سے استدلال کرنا صحیح نہیں، موصوف نے ان چیزوں کو تفصیل کے ساتھ لکھا ہے ہم یہاں ان میں سے چند پر اکتفا کرتے ہیں:

اول یہ کہ یہ مضطرب الاسناد ہے کیونکہ اس کا مدار ولید بن کثیر پر ہے جس کو ابوداؤد نے عن محمد بن العلاء عن ابی اسامہ (حماد بن اسامہ) عن الولید عن محمد بن جعفر بن الزبیر عن عبیداللہ بن عبداللہ بن عمر عن ابیہ سے روایت کیا ہے اور اسحاق بن راہویہ، احمد بن جعفر الوکیعی، ابوبکر بن ابی شیبہ، ابوعبیدہ بن ابی السفر، محمد بن عبادہ، حاجب بن سلیمان، ہناد بن السری، اور حسین بن حریث نے عن ابی اسامہ عن الولید عن محمد بن جعفر عن عبداللہ بن عبداللہ روایت کیا ہے اور بعض نے عن ابی اسامہ عن الولید عن محمد بن عباد بن جعفر روایت کیا ہے۔

بعض حضرات نے اضطراب فی الاسناد کے دفعیہ کی کوشش کی ہے کہ ممکن ہے ولید بن کثیر عن محمد بن عباد بن جعفر عن عبداللہ اور عن محمد بن جعفر بن الزبیر عن عبیداللہ دونوں طریق سے روایت کرتا ہو اس لئے اس نے دونوں سے روایت کیا ہو مگر محض اس احتمال سے کام نہیں چلتا اس واسطے کہ امام ترمذی نے ایک تیع پر

---

[1] فی الصحاح قیل معناہ لا یقبل حکم النجاسۃ کما فی قولہ تعالیٰ "مثل الذین حملوا التوراۃ ثم لم یحملوہا" ای لم یقبلوا حکمہا

[2] وقد اجاد الشیخ تقی الدین ابن دقیق العید فی کتاب الامام جمع طرق ہذا الحدیث ورد روایاتہ واختلاف الفاظہ ۱۲ نصب الرایہ ۱۲

حضرت زید بن ارقم کی حدیث کے متعلق کہا ہے کہ میں نے اس کی بابت محمد بن اسمٰعیل سے سوال کیا آپ نے فرمایا یحتمل ان یکون قتادۃ روی عنہما جمیعا۔ اس کے باوجود امام ترمذی حدیث مذکور پر مضطرب ہونے کا حکم لگائے بغیر رہ سکے معلوم ہوا کہ صرف احتمال سے اضطراب سند رفع نہیں ہو سکتا۔

دوم یہ کہ اس کے متن میں اضطراب ہے۔ چنانچہ ابوداؤد وغیرہ کی روایت کے الفاظ تو یہ ہیں "اذا کان الماء قلتین لم یحمل الخبث"۔ اور دارقطنی، عبد بن حمید اور اسحاق بن راہویہ اور حاکم کی روایت یوں ہے اذا بلغ الماء قلتین او ثلاثا لم ینجسہ شیٔ"۔ نیز دارقطنی، ابن عدی اور حافظ عقیلی نے اذا بلغ الماء اربعین قلۃ لا یحمل الخبث"۔ بھی روایت کیا ہے۔ اس کے علاوہ اربعین غربا اور اربعین دلوا بھی مروی ہے۔

بعض حضرات نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ او ثلث کی روایت میں شاذ ہے اور اربعین قلۃ کی روایت مضطرب۔ مگر یہ جواب بے سود ہے اس لئے کہ او ثلث تو بر ادعا کی بنا پر ہے نہ کہ شاذ، اور اربعین قلۃ کو روایت غیر مضطرب ہے علاوہ موقوف و مرفوع ہر دو طریق سے مروی ہے جس کی تخریج دارقطنی وغیرہ نے کی ہے۔

سوم یہ کہ قلہ مقدار میں اختلاف ہے۔ دارقطنی نے سنن میں عاصم بن المنذر سے بسند صحیح روایت کیا ہے۔ انہ قال القلال ہی الخوابی العظام اور خابیہ کی بابت تلخیص میں اسحاق بن راہویہ کا قول ہے الخابیۃ تسع ثلاث قرب" یعنی اتنا بڑا مٹکا جس میں تین مشک پانی آ سکے۔ حضرت ابراہیم سے منقول ہے انہ قال القلتان الجرتان الکبیرتان"۔ امام اوزاعی سے منقول ہے انہ قال۔ القلۃ ما تقلہ الید" ای ترفعہ۔

حافظ بیہقی نے بطریق ابن اسحاق روایت کیا ہے انہ قال۔ القلۃ الجرۃ التی یستقی فیہا الماء والدورق"۔

علی بن جعد نے حضرت مجاہد سے روایت کیا ہے انہ قال "القلتان الجرتان" ولم یقیدہا بالکبر۔

عبدالرحمٰن بن مہدی، وکیع اور یحییٰ بن آدم سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ کتاب الغائق میں ہے۔ "قلال جمع قلۃ وہی حب کبیر" (بڑا مٹکا)

مجد الدین فیروز آبادی لکھتے ہیں۔ "القلۃ بالضم اعلی الراس والسنام والجبل او کل شیٔ والجرۃ العظیمۃ او عامۃ او من الفخار والکوز الصغیر ضد" وفی معنی راس الجبل قال الشاعر ؎

کیف الوصول الی سعاد ودونہا ۔ قلل الجبال ودونہن حتوف

وقال آخر ؎

یا تو اعلی قلل الجبال تحرسہم ۔ غلب الرجال فلم تنفعہم القلل

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے لعدم التحدید وقع الخلف بین السلف فی مقدارہا علی تسعۃ اقوال حکاہا ابن المنذر"۔ پس اس اختلاف کے ہوتے ہوئے حدیث مذکور پر عمل ممکن نہیں۔

سوال۔ امام شافعی نے قلہ کی تفسیر میں ابن جریج سے بقلال ہجر روایت کیا ہے جس سے مراد متعین ہو جاتی ہے بلکہ ابن عدی کی روایت میں من قلال ہجر مرفوعا موجود ہے۔ نیز حافظ بیہقی نے معرفۃ السنن والآثار میں لکھا ہے کہ قلال ہجر اہل حجاز کے یہاں مشہور و معروف تھے اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لیلۃ المعراج کے موقعہ پر سدرۃ المنتہیٰ کے بیروں کو قلال ہجر کے ساتھ تشبیہ دی تھی پس حدیث مذکور کے متعلق یہ کہنا کہ اس پر عمل ناممکن ہے، صحیح نہیں۔

۱؎ چرسہ ۱۲ ۲؎ ڈول ۱۲ ۳؎ بڑے گھڑے ۱۲

جواب علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں کہ قلال ہجر کے ساتھ قلتین کی تقدیر بے معنی ہے کیونکہ من قلال ہجر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام نہیں ہے بلکہ یحییٰ بن عقیل کا ہے (اور ابن عقیل کوئی صحابی نہیں ہیں) جسکی تصریح دارقطنی کی روایت میں موجود ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سلسلہ میں کسی مقدار کا صحیح ثبوت نہیں ہے۔ ابن عدی کی روایت میں جو "قلال ہجر" مرفوعاً آیا ہے۔ اس کے رواۃ میں ابوالبشر مغیرہ بن سقلاب ہے جو منکر الحدیث ہے۔ نفیلی کہتے ہیں "لم یکن مؤتمنا علی الحدیث"۔ ابن عدی نے خود تصریح کی ہے کہ متن میں من قلال ہجر غیر محفوظ ہے کیونکہ بجز مغیرہ بن سقلاب کے کسی راوی نے اس کو بیان نہیں کیا۔

اور امام شافعی نے جو ذکر کیا ہے اس کے متعلق علامہ عینی نے شیخ تقی الدین شافعی کی کتاب "الامام" کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ اس میں دو عیب ہیں اول یہ کہ امام شافعی نے اس کو باسناد من لا یحضرنی روایت کیا ہے تو راوی مجہول ہے اور روایت منقطع اور ناقابل احتجاج۔ دوم یہ کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہجر کے دو قلوں کا بیان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے حالانکہ ابن جریج کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بیان آپ کی طرف سے نہیں ہے۔ علامہ عینی کہتے ہیں کہ اس میں تیسرا عیب یہ ہے کہ امام شافعی کے شیخ مسلم بن خالد زنجی محدثین کے نزدیک قوی نہیں، بیہقی وغیرہ نے ان کی تضعیف کی ہے۔ علاوہ ازیں اگر ابن جریج نے قلہ کی تفسیر قلال ہجر سے کی ہے تو حضرت مجاہد نے اس کی تفسیر جرۃ یعنی مٹکے کے ساتھ کی ہے پس دونوں تفسیریں برابر ہیں اور اول کو ثانی پر ترجیح کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

نیز ابن حزم نے محلی میں ذکر کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تشبیہ دی ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جب بھی آپ قلہ ذکر کریں اس سے مراد قلال ہجر ہی ہو۔ بہر کیف "من قلال ہجر" سے کسی طرح بھی مراد متعین نہیں ہو سکتی۔

قولہ قال ابوداؤد ہذا لفظ ابن العلاء الخ (۲۷) صاحب کتاب اپنے شیوخ محمد بن العلاء، عثمان بن ابی شیبہ اور حسن بن علی وغیرہ کے الفاظ کا اختلاف بیان کرنا چاہتے ہیں کہ ہم نے حدیث باب کی تخریج جن الفاظ کے ساتھ کی ہے یعنی عن محمد بن جعفر بن الزبیر عن عبید اللہ بن عبد اللہ بن عمر الخ یہ شیخ محمد بن العلاء کے الفاظ ہیں۔ شیخ عثمان اور حسن بن علی نے اس کے خلاف یوں روایت کیا ہے عن محمد بن عباد بن جعفر۔

مگر یہ اختلاف صرف لفظی اختلاف نہیں ہے بلکہ محمد بن جعفر بن الزبیر اور محمد بن عباد بن جعفر دو جدا جدا راوی ہیں اول کا سلسلہ نسب یوں ہے۔ محمد بن جعفر بن الزبیر بن العوام الاسدی المدنی المتوفی سنہ؟ حافظ دارقطنی نے ان کو ثقہ مانا ہے۔ ثانی کا سلسلہ نسب یہ ہے۔ محمد بن عباد بن جعفر بن رفاعہ بن امیہ بن عائذ بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم المکی، ابن معین، ابو زرعہ، ابن سعد اور ابن حبان نے ان کی توثیق کی ہے اور ابو حاتم نے کہا ہے لا باس بحدیثہ۔

قولہ قال ابوداؤد وہو الصواب الخ (۲۸) اس کی تشریح یہ ہے کہ حدیث باب کی اسناد میں جو اضطراب ہے اس کے دفعیہ کے لئے حفاظ حدیث نے دو طریقے اختیار کئے ہیں۔ ایک طریق تصحیح و ترجیح اور ایک طریق جمع و توفیق۔ صاحب کتاب نے

اول کو اختیار کیا ہے۔ لیکن یہاں ابوداؤد کے نسخے مختلف ہیں۔ ایک نسخے میں تو عبارت یہ ہے قال ابوداؤد وہو الصواب۔" اور دوسرے نسخے میں یوں ہے۔" والصواب محمد بن جعفر"
تو پہلے نسخے کے لحاظ سے صاحب کتاب کے نزدیک صحیح محمد بن عباد بن جعفر ہے اور دوسرے نسخے کے لحاظ سے محمد بن جعفر۔
عبدالرحمٰن بن ابی حاتم نے کتاب العلل میں اپنے والد کا قول نقل کیا ہے۔" ان الحدیث محمد بن جعفر بن الزبیر اشبہ" حافظ ابن مندہ نے بھی اسی کی تصویب کی ہے۔
بعض حضرات نے طریق ثانی اختیار کیا ہے۔ چنانچہ حافظ دارقطنی شیخ ابوالحسن کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ عثمان بن ابی شیبہ، عبداللہ بن الزبیر الحمیدی، محمد بن حسان الازرق، یعیش بن الجہم، محمد بن عثمان بن کرامہ، حسین بن علی بن الاسود، احمد بن عبدالحمید الحارثی، احمد بن زکریا بن سفیان الواسطی، علی بن شعیب، علی بن ابی الخصیب، ابو مسعود اور محمد بن الفضل البلخی۔
ان سب حضرات نے عن ابی اسامہ عن الولید بن کثیر عن محمد بن عباد بن جعفر روایت کیا ہے اور امام شافعی نے اپنے ایک قابل وثوق راوی کے واسطہ سے عن الولید بن کثیر عن محمد بن عباد بن جعفر روایت کرتے ہوئے ان کی متابعت کی ہے۔ لیکن یعقوب بن ابراہیم الدورقی وغیرہ نے عن ابی اسامہ عن الولید بن کثیر عن محمد بن جعفر بن الزبیر روایت کیا ہے۔
اب ہم کو دیکھنا یہ ہے کہ ان میں سے صحیح طریق کون سا ہے۔ چنانچہ ہم نے دیکھا کہ شعیب بن ایوب نے بواسطہ ابو اسامہ ولید بن کثیر سے دونوں طریق پر روایت کیا ہے یعنی محمد بن جعفر بن الزبیر سے بھی اور محمد بن عباد بن جعفر سے بھی، تو ابو اسامہ سے دونوں قول صحیح ہوئے اور نتیجہ یہ نکلا کہ ابو اسامہ کبھی عن الولید بن کثیر عن محمد بن جعفر بن الزبیر روایت کرتے تھے اور کبھی عن الولید بن کثیر عن محمد بن عباد بن جعفر انتہی۔ حافظ ابن حجر کی تحقیق یہ ہے کہ محمد بن عباد بن جعفر کی روایت تو حضرت عبداللہ بن عبداللہ سے ہے اور محمد بن جعفر بن الزبیر کی روایت حضرت عبیداللہ بن عبداللہ سے فمن رواہ علی غیر ہذا الوجہ فقد وہم۔

(۲۲) حدثنا موسیٰ بن اسماعیل قال حدثنا حماد قال انا عاصم بن المنذر عن عبید اللہ بن عبد اللہ بن عمر قال حدثنی ابی ان رسول اللہ صلی اللہ وسلم قال اذا کان الماء قلتین فانہ لا ینجس۔ قال ابوداؤد حماد بن زید وقفہ عن عاصم

ترجمہ

موسیٰ بن اسمٰعیل نے بسند حماد بواسطہ عاصم بن المنذر، عبیداللہ بن عبداللہ بن عمر سے روایت کیا ہے عبیداللہ کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے والد نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب پانی دو قلوں کے بقدر ہو تو وہ ناپاک نہیں ہوتا۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ حماد بن زید نے اس

روایت کو عاصم سے موقوفاً بیان کیا ہے :۔ تشریح

قولہ قال ابوداود الخ (۲۹) اس کا مطلب یہ ہے کہ حدیث مذکور کو عاصم بن المنذر سے دو راویوں نے روایت کیا ہے ایک حماد بن سلمہ نے اور ایک حماد بن زید نے، لیکن حماد بن سلمہ کی روایت مرفوع ہے اور حماد بن زید کی روایت عن عاصم بن المنذر عن ابی بکر بن عبید اللہ بن عبد اللہ موقوف ہے۔ حافظ دار قطنی نے حماد بن زید کی روایت (موقوفہ) کو اسمٰعیل بن علیہ کی روایت کے ذریعہ سے تقویت دی ہے فالظاہر ان کونہ موقوفا اولیٰ من المرفوع :

لیکن یحییٰ ابن معین سے حماد بن سلمہ کی حدیث کے متعلق سوال ہوا، آپ نے فرمایا کہ یہ جید الاسناد ہے کسی نے کہا کہ ابن علیہ نے تو اس کو مرفوعاً روایت نہیں کیا، یحییٰ نے جواب دیا کہ گو ابن علیہ کو محفوظ نہ ہو مگر حدیث جید الاسناد ہے۔ حافظ بیہقی فرماتے ہیں وہذا اسناد صحیح موصول۔

(۱۹) باب ماجاء فی بئر بضاعة

(۲۳) حدثنا محمد بن العلاء والحسن بن علی ومحمد بن سلیمان الانباری قالوا حدثنا ابو اسامة عن الولید بن کثیر عن محمد بن کعب عن عبید اللہ بن عبد اللہ بن رافع بن خدیج عن ابی سعید الخدری انہ قیل لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انتوضأ من بئر بضاعة وھی بئر یُطرح فیہا الحیض ولحم الکلاب والنتن فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الماءُ طھورٌ لا ینجسہ شیءٌ۔ قال ابو داؤد وقال بعضھم عبد الرحمن بن رافع۔

96

حل لغات

بئر کنواں ج آبار، بضاعة بضم بار (کسرہ بھی جائز ہے) وحکی ایضا بالصاد المہملة کذا فی النہایہ) مدینہ منورہ میں ایک مشہور و معروف کنواں ہے۔ قالہ ابن ملک، علامہ طیبی نے تورپشتی سے نقل کیا ہے کہ یہ مدینہ میں بنو ساعدہ کا مکان تھا، بدر منیر میں ہے کہ بضاعہ بقول بعض صاحب بئر کا نام ہے دکذا النووی ایضا فی تہذیبہ) اور بعض نے کہا ہے کہ کنویں ہی کا نام ہے۔ علامہ خوارزمی فرماتے ہیں کہ بضاعة قطعہ مال تجارت کو کہتے ہیں۔ اسی معنی کے لحاظ سے اس کنویں کا نام بئر بضاعة پڑ گیا۔

یہ بہت بابرکت کنواں ہے کیونکہ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعاب دہن ڈالا۔ اس کے پانی سے وضو کیا، بیماروں کو اس کے پانی سے نہانے کا حکم فرمایا، چنانچہ بیمار لوگ نہاتے اور فوراً شفایاب ہو جاتے تھے۔ یطرح (ف، طرحا) پھینکنا، ڈالنا، الحیض جمع حیضة دمثل سدرة وسدر) حیض کے چیتھڑے، لحم گوشت، کلاب جمع کلب کتا، النتن بفتح نون وسکون تا، وقال ابن رسلان فی شرح السنن ویجی ان حیضبط بفتح النون وکسر التاء) بدبو، مراد بدبودار چیز :۔ ترجمہ

محمد بن علاء، حسن بن علی اور محمد بن سلیمان انباری نے بسند ابو اسامہ بواسطہ ولید بن کثیر عن محمد بن کعب عن عبید اللہ بن عبد اللہ بن رافع بن خدیج حضرت ابو سعید خدری سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں نے کہا، کیا آپ بیر بضاعہ سے وضو کرتے ہیں؟ حالانکہ وہ ایسا کنواں ہے جس میں حیض کے لتے، کتے اور گندگی ڈالی جاتی تھی۔ آپ نے فرمایا: پانی پاک ہے اس کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ بعض راویوں نے عبد الرحمن بن رافع کہا ہے۔

تشریح

قولہ أتتوضأ الخ۔ علامہ نووی نے شرح مہذب میں کہا ہے کہ یہ بصیغۂ خطاب ہے بعض لوگوں نے اس میں نون کے ساتھ تصحیف کرکے "انتوضأ" پڑھا ہے جو انتہائی فحش غلطی[ع] ہے۔ اس واسطے کہ اس لفظ کا بصیغۂ خطاب ہونا امام نسائی کی روایت "مررت بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم وہو یتوضأ من بیر بضاعۃ فقلت أتتوضأ منہا" اور دارقطنی کی روایت "قیل یا رسول اللہ انہ یستقی لک من بیر بضاعۃ" اور ابوداؤد کی اگلی روایت "وہو یقال لہ انہ یستقی لک الخ" اور قاسم بن اصبغ کی روایت "قالوا یا رسول اللہ انک تتوضأ الخ" سے بالکل صاف ظاہر ہے۔

قولہ یطرح فیہا الخ۔ اس کنویں کی کیفیت یہ تھی کہ یہ کچھ نشیب میں تھا اور محل وقوع کچھ ایسا تھا کہ جنگل اور وادی کی رَو اور سیلاب کا بہاؤ اسی کی طرف تھا جس سے راستے کا کوڑا کرکٹ، گھر لوچ آلود کپڑے (جو عموماً گھروں کی پشت سے باہر پھینک دئے جاتے ہیں) بارش کی رَو بہا اس میں لا ڈالتی تھی۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ لوگ قصداً ایسا کرتے تھے کیونکہ یہ تو کوئی کافر اور بت پرست بھی گوارا نہیں کرسکتا چہ جائیکہ مسلمان اور وہ بھی صحابہ کرام کی جماعت، بالخصوص جبکہ اہل عرب کے یہاں پانی نہایت عزیز الوجود اور کمیاب تھا تو وہ کس طرح ایسے چشمے کو گھورا بنا سکتے تھے۔

قولہ الماء طہور الخ۔ اس حدیث کو ابوداؤد کے علاوہ ترمذی، نسائی، دارقطنی اور حافظ بیہقی نے بھی روایت کیا ہے۔ امام ترمذی کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے اور بیر بضاعہ کے سلسلہ میں حدیث ابو سعید خدری کو ابو اسامہ سے بہتر کسی نے روایت نہیں کیا۔ حافظ ابن حجر نے تلخیص میں کہا ہے کہ احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین اور ابن حزم نے اس کی تصحیح کی ہے۔

امام مالک کا مستدل یہی حدیث ہے ان کے نزدیک الماء میں الف لام جنسی ہے پس مورد خاص ہے اور حکم عام اس لئے ان کے یہاں پانی ناپاک نہ ہوگا قلیل ہو یا کثیر۔

ہم یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس سوال کے جواب میں الماء طہور الخ ارشاد فرمایا ہے اس کا منشا متعین کرنا ضروری ہے سو منشا سوال یہ نہیں ہے کہ بالفعل کنویں میں نجاست پڑی ہوئی ہے

ع قال السندی ظاہرہ انہ بصیغۃ الخطاب ولذا جزم النووی انہ الصواب لکن یجوز ان یکون للمتکلم مع الغیر ای ایجوز لنا التوضؤ منہا وفیہ من مراعاۃ الادب ما لا یخفی بخلاف الخطاب وفی روایۃ الدارقطنی انا نتوضأ ذکرہ الولی العراقی ۱۲

اور اس کا پانی بھی کم ہے اور پھر آپ سے اس کے متعلق سوال ہورہا ہے اس لئے کہ اس قدر نظیف الطبع ہونے کے باوجود یہ کیسے ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسے گندے پانی سے وضو کرتے یا وضو کی اجازت دیتے۔ یہ تو بقول علامہ خطابی کسی کافر سے بھی ممکن نہیں بلکہ منشاء سوال یہ ہے کہ بیر بضاعہ کی سابق تاریخ ذہنوں میں تھی اور یہ خیال ہوتا تھا کہ گو اس وقت اس کی یہ حالت نہیں ہے اور پانی بھی کافی ہے لیکن پچھلی نجاست کا اثر تو رہا ہی ہوگا کیونکہ اس کی دیواروں کو نجس پانی لگا ہے اور کچھ نہ کچھ سابقہ نجس پانی نئے پانی کے ساتھ مخلوط ہے پھر اس کی کیچ وغیرہ بھی باقی ہے تو اس کی پاکی کی کوئی صورت بظاہر معلوم نہیں ہوتی اس لئے سوال پیدا ہوا اور آپ نے بتعریف عہد الماء طہور ارشاد فرما کر بات ختم کردی کہ جب نجاست موجود نہیں ہے تو ناپاک ہونے کے کوئی معنی ہی نہیں۔ پس یہ جواب مطابق سوال ہے اور الماء میں الف لام جیسا کہ عہد خارجی ہے جس سے معہود پانی (بیر بضاعہ کا پانی) مراد ہے اور الف لام میں اصل عہد ہی ہے جس کی تصریح علامہ تفتازانی کی تلویح اور سید شریف جرجانی کی بعض تصانیف میں موجود ہے۔

اب رہی یہ بات کہ اس کنویں کا پانی جاری تھا یا نہیں سو امام طحاوی نے بسند ابو جعفر احمد بن ابی عمران بواسطہ ابو عبداللہ محمد بن شجاع ثلجی امام واقدی سے روایت کیا ہے کہ بیر بضاعہ باغات کو سیراب کرنیکا ایک طریق تھا اور اس کا پانی جاری رہتا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ جاری پانی میں نجاست گرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا۔

سوال حافظ بیہقی نے اس کی تردید کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ یہ نہر یا نالہ تھا یعنی اس کا پانی سطح زمین پر بہتا تھا حالانکہ سب جانتے ہیں کہ یہ ایک کنواں تھا نہ کہ نہر یا نالہ۔

جواب۔ یہ موصوف کی غلط فہمی ہے امام طحاوی کا مقصد یہ نہیں ہے (کیونکہ انھوں نے تصریح کی ہے۔ فکان حکمہا کحکم الماء الجاری) اگر مقصد وہی ہوتا جو بیہقی نے سمجھا ہے تب تو اس کو فی حقیقۃ جاری ہوگا ذکر کرتے۔ بلکہ فکانت طریقا للماء کا مطلب یہ ہے کہ اس کا پانی رہٹ وغیرہ کے ذریعہ سے کھینچا جاتا تھا اور پانی نیچے سے نکلتا رہتا تھا اور جریان کے لئے اتنی بات کافی ہے اس کے لئے نہر یا نالہ کی طرح ہونا ضروری نہیں۔

سوال۔ ابن جوزی نے محمد بن شجاع ثلجی کے بارے میں ابن عدی سے نقل کیا ہے کہ یہ فرقہ مشبہ کے متعلق روایتیں گھڑ گھڑ کر ثقات کی طرف منسوب کرتا تھا اس لئے محدثین کے نزدیک یہ شخص معتبر نہیں، بلکہ قواریری نے تو اس کو کافر تک کہہ دیا ہے۔ امام احمد سے منقول ہے انہ مبتدع صاحب ہوی۔ علامہ ساجی نے انکو کذاب کہا ہے۔

جواب۔ بالکل غلط ہے ابن الثلجی نہایت متدین، صالح اور عابد شخص تھے چنانچہ تہذیب الکمال میں انکو فقیہ، اہل الرائے اور صاحب تصانیف کہا گیا ہے۔ صاحب جواہر مضیہ لکھتے ہیں۔ کان فقیہ اہل العراق فی وقتہ والمقدم فی الفقہ والحدیث وقراءۃ القرآن مع ورع وعبادۃ۔ خطیب بغدادی اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کان فقیہ اہل العراق فی وقتہ وہو من اصحاب الحسن بن زیاد اللؤلؤی حافظ ذہبی نے سیر النبلاء میں ان کے متعلق۔ الفقیہ، احد الاعلام، کان من بحور العلم، صاحب تعبد وتہجد وتلاوۃ لکھا ہے۔ پس یک طرفہ فیصلہ

مناسب نہیں۔

سوال۔ ہم سارے ہی جھگڑے چھوڑتے ہیں لیکن یہ تو بتایئے کہ کیا واقدی اس قابل ہے کہ اس کی بات پر اعتماد کیا جاسکے ان کے متعلق تو اتنا کچھ کہا گیا ہے کہ الاماں والحفیظ۔ سُنئے،

امام بخاری، ابوزرعہ، دولابی اور عقیلی نے اس کو متروک الحدیث کہا ہے اور امام احمد نے کذاب، امام نسائی، معاویہ بن صالح، یحییٰ بن معین اور علی بن المدینی نے ضعیف مانا ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اس کی تمام کتابیں جھوٹی ہیں۔ بندار کہتے ہیں کہ میں نے اس سے زیادہ جھوٹا دیکھا ہی نہیں۔ ابو حاتم اور اسحاق بن راہویہ کہتے ہیں کہ یہ حدیثیں گھڑتا تھا۔ ابن عدی کہتے ہیں کہ اس کی احادیث غیر محفوظ ہیں۔ ابو داؤد کہتے ہیں کہ میں اس کی حدیث نہیں لکھتا۔

جواب۔ امام واقدی کی تضعیف و توثیق میں اور جرح و تعدیل میں گو آراء مختلف ہیں لیکن بعض لوگوں کے ضعیف کہہ دینے سے واقع میں تضعیف نہیں ہو جاتی آخر بخاری کے راویوں پر بھی تو لوگوں نے طعن کیا ہے اور ان کی بعض احادیث کو بھی تو ضعیف کہا ہے اس لئے جہاں آپ کے ذہن میں ان کے متعلق مذکورہ بالا جرح ہے وہیں ان کے متعلق دوسرے ائمہ معن بن عیسیٰ، دراوردی، ابو عامر عقدی، ابن المبارک، ابراہیم حربی، مصعب زبیری، مجاہد بن موسیٰ، ابو بکر صاغانی، ذہلی، مثنیٰ، ابو یحییٰ ازہری، یزید بن ہارون، ابو عبید قاسم بن سلام، عباس عنبری وغیرہ کی توثیق بھی تو سن لیجئے اسکے بعد فیصلہ کیجئے۔ ہشیم کہتے ہیں کہ کسی نے امام واقدی کے متعلق معن بن عیسیٰ سے سوال کیا آپ نے کہا، میاں ہم سے واقدی کے متعلق پوچھتے ہو خود ہمارے متعلق ان سے پوچھو۔ علامہ دراوردی اور ابو عامر عقدی سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ اور دراوردی نے آپ کو امیر المؤمنین فی الحدیث کہا ہے۔ شیخ ابن المبارک فرماتے ہیں کہ میں مدینہ آیا تھا سو واقدی کے علاوہ کسی نے مجھے فائدہ پہنچایا اور نہ شیوخ تک رہنمائی کی۔ ابراہیم حربی نے آپ کو امین الناس علی اہل الاسلام کہا ہے۔ مصعب زبیری کہتے ہیں کہ ہم نے واقدی جیسا دیکھا ہی نہیں یہ ثقہ اور مامون تھے۔ مجاہد بن موسیٰ کہتے ہیں کہ میں نے واقدی سے زیادہ کسی حافظ سے نہیں لکھا۔ ابو بکر صاغانی کہتے ہیں کہ واقدی تو بس واقدی ہی تھے۔ اس کے بعد آپ کے فضل و کمال اور حسن احادیث کی تعریف کرتے ہیں اور آپ کی مجلس میں جو اصحاب حدیث شاذکونی وغیرہ آتے جاتے تھے ان کا تذکرہ کرتے ہیں۔ امام ذہلی فرماتے ہیں پھر اگر واقدی ثقہ نہ ہوتے تو ائمہ اربعہ یعنی ابو بکر ابن ابی شیبہ، ابو عبید، ابو خیثمہ اور ایک اور صاحب کو (جو غالباً امام شافعی ہیں) ذکر کیا کہ یہ حضرات ان سے حدیث بیان نہ کرتے۔ حافظ مثنیٰ سے ان کے متعلق سوال ہوا آپ نے کہا واقدی ثقہ اور مامون

۹۹

ملہ وذکر ابراہیم الحربی ان مصعباً ذکرہ علیہ احمد حمید الاسانید وحکیۃ بالمتن واحد اقوال ولیس ہذا مسیاً قد نقل ہذا الزبیری و ابن اسحاق وقال لم یزل حدیثہ ذکر جد حنبل بن اسحاق ان محمد بن سعد کاتب الواقدی فلما لم یزل من حدیث الواقدی غیر شیء ثم یرد الیہ ۱ھ۔ المقاصد

ہیں۔ یہی ابو یحییٰ ازہری سے منقول ہے۔ یزید بن ہارون اور ابو عبید قاسم بن سلام نے بھی آپ کو ثقہ کہا ہے۔ عباس عنبری کہتے ہیں کہ مجھے امام واقدی عبدالرزاق سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔
غرض بعض محدثین نے گو امام واقدی کی تضعیف کی ہے لیکن ایک جماعت نے ان کی توثیق بھی کی ہے اور حافظ حلبی نے تصریح کی ہے کہ توثیق ہی صحیح ہے۔ اسی طرح شیخ ابن دقیق العید نے کتاب الالمام میں لکھا ہے کہ میرے شیخ حافظ ابن الفتح نے کتاب المغازی والسیر کے شروع میں ان تمام حضرات کو ذکر کیا ہے جنھوں نے ان کی تضعیف اور توثیق کی ہے اور آپ نے توثیق ہی کو ترجیح دی ہے۔
بہر کیف واقدی مغازی و سیر، طبقات و اخبار اور وقائع و حوادث میں اپنے وقت کے امام ہیں اور اہل مدینہ میں سے ہیں۔ بیر بضاعہ کے حال سے خوب واقف ہیں اور اپنا مشاہدہ نقل کرتے ہیں اسلئے ان کا بیان یقیناً معتبر ہوگا بالخصوص جبکہ موصوف معاینہ مشاہدہ و وقائع کے سلسلہ میں غایت درجہ اہتمام سے کام لیتے تھے ابن سعد سمعانی، ابن خلکان نے مغازی و سیر کا امام، ابن حجر نے بڑا آدمی، ابن عماد نے علم کا ظرف، ذہبی نے حافظ بحر بیکراں کہا ہے
واقدی کا خود بیان ہے کہ میں نے اولاد صحابہ و ابناء شہداء اور ان کے موالی میں سے کسی کو نہیں پایا مگر کہ میں ان سے یہ دریافت کر لیتا تھا کہ آپ کے بزرگوں میں سے کسی نے اپنے مشہد اور مقتل کے متعلق کچھ بیان کیا ہے۔ جب ان میں سے کوئی مجھے اس کے متعلق کچھ بتاتا تو میں خود وہاں جا کر اس کا مشاہدہ کرتا تھا۔
ہارون فروی کہتے ہیں کہ میں نے مکہ مکرمہ میں امام واقدی کو دیکھا کہ ان کے ساتھ ایک برتن ہے اور کہیں جا رہے ہیں۔ میں نے پوچھا کہاں کا ارادہ ہے؟ انھوں نے کہا حنین جا رہا ہوں تاکہ اس جگہ اور واقعہ کا بچشم خود مشاہدہ کروں، ان کے شاگرد ابن سعد پر سب نے اعتماد کیا ہے جنکی نصف سے زیادہ سیر و تاریخ کی روایات واقدی ہی کی وساطت سے مروی ہیں

قولہ قال ابوداؤد الخ[(۳۰)] محمد بن کعب کے شیخ عبید اللہ کے متعلق رواۃ کا جو اختلاف ہے اس کو بیان کرنا چاہتے ہیں کہ بعض رواۃ نے عبید اللہ بن عبد اللہ بن رافع ذکر کیا ہے جیسا کہ حدیث باب کی سند میں مذکور ہوا اور بعض نے عبید اللہ بن عبد الرحمٰن بن رافع۔
حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں ابن القطان فاسی کا قول نقل کیا ہے کہ اس شخص کے متعلق پانچ قول ہیں (۱) عبید اللہ بن عبد اللہ بن رافع (۲) عبد اللہ بن عبد اللہ بن رافع (۳) عبید اللہ بن عبد الرحمٰن بن رافع (۴) عبد اللہ بن عبد الرحمٰن، اس کو امام بخاری نے یونس بن بکیر سے روایت کیا ہے (۵) عبد الرحمٰن بن رافع۔ اسی اختلاف کی وجہ سے ابن القطان نے اپنی کتاب الوہم والایہام میں اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ وقال کیف ما کان فہو لا یعرف لہ حال ولا عین۔ اس کے بعد صحیح اسناد سہل بن سعد کی روایت سے یوں ذکر کی ہے: قال قاسم بن اصبغ حدثنا محمد بن وضاح ثنا ابو علی عبد الصمد بن ابی سکینۃ ثنا عبد العزیز بن ابی حازم عن ابیہ عن سہل بن سعد قال، قالوا، یا رسول اللہ! انک تتوضأ من بیر بضاعۃ وفیہا ما ینجی الناس والمحائض والخبث؟ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الماء لا ینجسہ شیئ، قال قاسم ہذا احسن شیئ فی بیر بضاعۃ۔
حافظ ابن مندہ کہتے ہیں کہ عبید اللہ بن عبد اللہ بن رافع مجہول۔ امام بخاری نے تصریح کی ہے۔ ان قول من قال عبد الرحمٰن بن رافع وہم۔

سے ہو عند ابی داؤد والترمذی ۱۲ سے ہو عند الدارقطنی ۱۲ سے ہو عند الطحاوی و ابی داؤد والنسائی ۱۲ سے ہو عند الدارقطنی ۱۲

(۲۳) حدثنا احمد بن ابی شعیب و عبد العزیز بن یحیی الحرانیان قالا حدثنا محمد بن سلمة عن محمد بن اسحٰق عن سلیط بن ایوب عن عبید الله بن عبد الرحمن بن رافع الانصاری ثم العدوی عن ابی سعید الخدری قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم وهو یقال له انه یستقی لک من بئر بضاعة وهی بئر یلقی فیها لحوم الکلاب والمحایض وعذر الناس فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان الماء طهور لا ینجسه شیء، قال ابو داؤد وسمعت قتیبة بن سعید قال سألت قیّم بئر بضاعة عن عمقها فقلت اکثر ما یکون فیها الماء قال الی العانة قلت فاذا نقص قال دون العورة، قال ابو داؤد وقدرت انا بئر بضاعة بردائی مددته علیها ثم ذرعته فاذا عرضها ستة اذرع وسألت الذی فتح لی باب البستان فادخلنی الیه هل غیّر بناؤها عما کانت علیه قال لا ورأیت فیها ماء متغیر اللون.

حل لغات

محائض جمع محیض مراد حیض کے چیتھڑے، عذر پاخانہ، قیم متولی منتظم، نگہبان، عمق گہرائی، عانۃ زیر ناف بال اُگنے کی جگہ، پیڑو، رداء چادر، ذرعۃ (ف) ذرعا۔ الثوب ذراع سے ناپنا، عرض چوڑائی، اذرع جمع ذراع کہنی سے بیچ کی انگلی تک کا حصہ، بستان باغ، لون رنگ۔

ترجمہ

احمد بن ابی شعیب حرانی اور عبد العزیز بن یحیٰ حرانی نے بسند محمد بن سلمہ بطریق محمد بن اسحٰق بواسطہ سلیط بن ایوب عن عبید اللہ بن عبد الرحمٰن بن رافع انصاری عدوی حضرت ابوسعید خدری سے روایت کیا ہے۔ ابوسعید کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے جب کہ آپ سے لوگوں نے کہا کہ آپ کے لئے بیر بضاعہ سے پانی لایا جاتا ہے حالانکہ وہ ایسا کنواں ہے جس میں کتوں کے گوشت حیض کے چیتھڑے اور لوگوں کی پلیدی ڈالی جاتی ہے۔ آپ نے فرمایا بے شک پانی پاک ہے اس کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی۔

ابوداؤد کہتے ہیں کہ میں نے قتیبہ بن سعید سے سُنا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے بیر بضاعہ کے متولی سے پوچھا اس میں کہاں تک پانی ہوتا ہے؟ اس نے کہا بہت ہی ہوتا ہے تو زیر ناف تک۔ میں نے کہا: اور جب کم ہوتا ہے تو؟ اس نے کہا ستر سے کچھ کم (یعنی گھٹنوں تک یا اس سے کم)

ابوداؤد کہتے ہیں کہ میں نے بیر بضاعہ کو اپنی چادر سے ناپا تو اس کا عرض چھ ہاتھ نکلا اور میں نے باغ والے سے پوچھا: کیا اس کنویں کا حال پہلے کی نسبت بدل گیا ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ اور میں نے دیکھا اس کے پانی کا رنگ بدلا ہوا تھا۔

تشریح

قولہ قال ابوداؤد وسمعت الخ (۱۳) اس عبارت سے صاحب کتاب کا مقصد یہ ہے کہ جب بیر بضاعہ ہر طرح طرح کی گندگی کے باوجود طہارت کا حکم وارد ہوا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی نکالنے کا حکم نہیں فرمایا تو اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ پانی کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی پھر بعض حضرات نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اس پر پاکی کا حکم اس لئے

ہے کہ اس کا پانی باغات میں جاری تھا تو صاحب کتاب اس جواب کو رد کرنا چاہتے ہیں کہ اس میں پانی زیادہ سے زیادہ زیر ناف تک ہوتا تھا تو اس پر جاری ہونے کا حکم کیسے لگایا جا سکتا ہے مگر ہم جاری ہونے کا مطلب پہلے ذکر کر چکے ہیں اور یہ بھی بتا چکے کہ جاری ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ نہروں کی طرح ہو بلکہ کنویں سے بکثرت پانی کا نکلنا اور نیچے سے پانی کا پھوٹتے رہنا بھی جریان ہی ہے کما ہو شاہد فی چشمہ ہیں۔

قولہ قال ابو داؤد وقدرت الخ (۳۴۲) اس سے یہ بتانا ہے کہ میں نے بیر بضاعہ کو بچشم خود دیکھا ہے اور اس کی پیمائش بھی کی ہے نیز پوچھنے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ اس وقت تک علی حالہ باقی ہے اور اس کا پانی دو قلوں سے زیادہ تھا اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر ناپاکی کا حکم نہیں لگایا۔ حافظ بیہقی نے کتاب المعرفۃ میں ابو داؤد کے قول مذکور سے استدلال کیا ہے کہ اس کا پانی جاری نہیں تھا اور وہ بعض اوقات طول مکث یا متفرق اشیاء کے گرنے سے متغیر ہو جاتا تھا علامہ نووی شرح مہذب میں لکھتے ہیں کہ بیر بضاعہ کی مذکورہ حالت امام ابو داؤد کے زمانہ کی تھی اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی وہ اسی حالت پر تھا اس واسطے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ان حضرات کے درمیان دو سو سال سے زیادہ مدت گذری ہے اور اس سے کم مدت ہی میں عمارتیں کھنڈرات ہو جاتی ہیں تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اتنے عرصہ کے باوجود بیر بضاعہ کے حال میں کوئی تغیر نہ آیا ہو۔

۱۰۲　علاوہ ازیں امام واقدی کی پیدائش سنہ ۱۳۰ھ ہے اور وفات سنہ ۲۰۷ھ میں اور امام ابو داؤد کا سنہ ولادت سنہ ۲۰۲ھ ہے اور سنہ وفات سنہ ۲۷۵ھ علامہ بلاذری نے امام واقدی سے بیر بضاعہ کا ہفت در ہفت ہونا نقل کیا ہے اور امام ابو داؤد چھ ذراع بتاتے ہیں تو جب اتنی کم مدت میں اتنا تغیر ہو سکتا ہے تو دو سو سال سے زیادہ میں کتنا تغیر ہوگا فتدبر۔

(۳۰) باب الوضوء بسؤر الکلب

(۷۵) حدثنا احمد بن یونس قال حدثنا زائدۃ فی حدیث ھشام عن محمد عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال طھور اناء احدکم اذا ولغ فیہ الکلب ان یغسل سبع مرات اولھن بالتراب، قال ابو داؤد وکذلک قال ایوب وحبیب بن شھید عن محمد

حل لغات

سؤر یعنی جھوٹا پانی وغیرہ۔ طہور تطہیر یا طہارت کے معنی میں ہے یعنی پاک یا پاکی حاصل کرنا۔ ابن ملک نے لکھا ہے علامہ نووی لکھتے ہیں کہ یہی مشہور ہے بعض نے طاء کے فتحہ کو بھی جائز رکھا ہے۔ اناء برتن، (جمع آنیۃ) ولغ ولغا، ولوغا، ولغانا کتے کا برتن میں منہ ڈال کر پانی وغیرہ کو تھوڑی بہت حرکت دینا اور اطراف زبان

سے پینا، قاموس اور لسان العرب میں ہے کہ یہ درندوں کے ساتھ خاص ہے اور پرندوں میں مکھی کے ساتھ
امام ثعلب کہتے ہیں کہ ولوغ یہ ہے کہ پانی وغیرہ میں زبان ڈال کر تھوڑی حرکت دے۔ ابن درستویہ نے
اتنا اور ذکر کیا ہے کہ خواہ پانی پیے یا نہ پیے، ابن مکی کہتے ہیں کہ اگر سیال چیز میں منہ ڈالے تو اس کو
لعق کہتے ہیں وقال المطرزی فان کان فارغا یقال لحسہ، تراب سنی،۔ ترجمہ
احمد بن یونس نے بسند زائدہ ہشام کی حدیث میں بطریق محمد حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے برتن کی پاکی جب اس میں کتا منہ ڈال کر زبان سے پانی پیے یہ ہے
کہ سات بار دھویا جائے پہلی بار مٹی سے۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ ایوب اور حبیب بن شہید نے بھی محمد بن سیرین
سے اسی طرح کہا ہے۔ تشریح

قولہ باب الوضوء الخ۔ یعنی اگر کتا پانی میں منہ ڈال دے تو اس کے جھوٹے پانی سے وضوء جائز ہے
یا نہیں، نیز وہ پاک ہے یا ناپاک؟
ترجمہ کا مقصد غالباً زہری وثوری وغیرہ کے قول کو رد کرنا ہے جس کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے کہ
جس پانی میں کتا منہ ڈال دے تو ان حضرات کے یہاں اس پانی سے وضوء کرنا جائز ہے۔

قولہ اناء احدکم الخ۔ اناء کی قید سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر پانی برتن کے علاوہ کسی اور چیز میں ہو تو
اس کا یہ حکم نہیں ہے، لیکن اصل مسئلہ چونکہ معقول المعنی ہے یعنی حکم نجاست کی وجہ سے ہے اس لئے پانی برتن میں
ہو یا غیر برتن میں دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔ چنانچہ حافظ عراقی کہتے ہیں کہ اناء کا ذکر بطریق اغلب ہے
برائے تقیید نہیں ہے۔

۱۰۳

قولہ اذا ولغ الخ۔ موطا مالک اور صحیح بخاری وغیرہ میں یہ الفاظ ہیں "اذا شرب الکلب احد" حافظ ابن
عبدالبر کہتے ہیں کہ اذا شرب کے الفاظ صرف امام مالک نے روایت کئے ہیں دوسرے حضرات کے الفاظ
اذا ولغ الکلب الخ ہیں۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ دعویٰ نہیں ہے کیونکہ ابن خزیمہ اور ابن المنذر نے بھی اذا
شرب الفاظ روایت کئے ہیں۔ البتہ حضرت ابوہریرہ کے اصحاب میں سے جمہور کی روایت کے مشہور الفاظ یہی
ہیں۔ اذا ولغ الکلب۔

قولہ ان یغسلہ الخ۔ حدیث باب سے معلوم ہوتا ہے کہ کتے کا جھوٹا ناپاک ہے اور ولوغ کے بعد برتن
کے پاک ہونے کی صورت یہ ہے کہ اس کو سات مرتبہ دھویا جائے اور پہلی بار مٹی استعمال کی جائے
حضرت ابن عباس، عروہ بن الزبیر، حسن بن بصری، طاؤس، عمرو بن دینار، اوزاعی، اسحٰق، ابوثور،
ابوعبید، داؤد، امام احمد اور امام شافعی اسی کے قائل ہیں۔ امام مالک گو سات مرتبہ دھونے کے قائل
ہیں لیکن اس لئے نہیں کہ کتا ناپاک ہے بلکہ اس لئے کہ سات مرتبہ دھونا امر تعبدی ہے۔ نیز مالکیہ تتریب کے
بھی قائل نہیں۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ امام مالک کے مذہب میں چار قول ہیں۔ اول یہ کہ کتے کا جھوٹا پاک ہے
دوم یہ کہ ناپاک ہے، سوم یہ کہ جن کتوں کی اجازت ہے ان کا جھوٹا پاک ہے اور جن کی اجازت نہیں ان
کا جھوٹا ناپاک ہے۔ یہ تینوں قول تو امام مالک سے مروی ہیں۔ چوتھا قول عبدالملک بن ماجشون مالکی کا ہے کہ شہری
اور دیہاتی کتوں کے جھوٹے میں فرق ہے۔

احناف کا مسلک یہ ہے کہ کتے کا جھوٹا ناپاک ہے اور تین مرتبہ دھونا برتن کی طہارت کے لئے کافی ہے البتہ مزید نظافت کی خاطر سات مرتبہ کا عمل بہتر اور مستحب ہے۔

امام شافعیؒ حضرت ابو ہریرہ کی حدیث باب سے استدلال کرتے ہیں جس میں سات مرتبہ دھونے کا حکم اور مٹی کے استعمال کی تصریح ہے۔ سبع مرات والی حدیث حضرت ابو ہریرہ کے علاوہ دوسرے حضرات سے بھی مروی ہے۔ چنانچہ ابن ماجہ نے ابن عمر سے اور طبرانی دیناری نے ابن عباس سے اور دارقطنی نے حضرت علی سے مرفوعاً سات مرتبہ دھونا روایت کیا ہے۔ مگر یہ کل روایات ضعیف ہیں۔ کیونکہ حدیث ابن عمر کی سند میں عبداللہ بن عمر بن حفص عدی ہے جس کو امام احمد اور ابن معین نے گو توثیق کی ہے لیکن علی بن المدینی اور نسائی نے اسکو ضعیف لکھا ہے۔ ابن حبان کہتے ہیں کہ۔ کان ممن غلب علیہ الصلاح حتی غفل عن الضبط فاستحق الترک، امام بخاری کہتے ہیں۔ ذاہب لا اروی عنہ شیئاً۔ حاکم کہتے ہیں۔ لیس بالقوی عندہم۔

حدیث ابن عباس کی سند میں ابراہیم بن اسمٰعیل بن ابی حبیبہ ہے جس کو امام بخاری نے منکر الحدیث کہا ہے۔ ابو حاتم کہتے ہیں۔ لیس بالقوی یکتب حدیثہ ولا یحتج بہ منکر الحدیث۔ نسائی نے ضعیف اور دارقطنی نے ضعیف کہا ہے۔

حدیث علی کی سند میں جارود بن ابی یزید ہے جس کو دارقطنی اور نسائی نے متروک، ابو اسامہ نے کاذب، علی ابن المدینی نے ضعیف، یحییٰ بن معین نے لیس بشیٔ، ابو حاتم نے کذاب اور ساجی نے منکر الحدیث کہا ہے۔

اور اگر روایات کو صحیح بھی مان لیں تو دیکھنا یہ ہے کہ غسلہ سبعاً کے راوی حضرت ابو ہریرہ ہیں اور آپ سے ثلاث مرات بھی بسند صحیح مرفوعاً و موقوفاً ہر دو طرح مروی ہے۔

مرفوع روایت ابن عدی کی کتاب الکامل میں حسین بن علی کرابیسی سے بسند اسحاق ازرق بواسطہ عبدالملک عن عطاء حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے۔ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا ولغ الکلب فی اناء احدکم فلیہرقہ ویغسلہ ثلاث مرات" موقوف روایت دارقطنی نے بطریق اسباط بن محمد وسعدان بن نصر بسند اسحاق ازرق بواسطہ عبدالملک عن عطاء حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی ہے۔

سوال۔ ابن عدی کی روایت میں حسین بن علی کرابیسی ہے جس کے متعلق حافظ ابن الجوزی نے کہا ہے کہ اس کی حدیث قابل احتجاج نہیں۔ امام احمد نے ان پر طعن کیا ہے

جواب۔ کرابیسی کی روایت کے متعلق صرف مرفوع ہونے میں کلام ہے صحت کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں چنانچہ ابن عدی کی تصریح موجود ہے۔ "فاما فی الحدیث فلم ار بہ باساً۔ امام احمد نے جو ان پر طعن کیا ہے وہ صرف اس لئے کہ انہوں نے لفظ بالقرآن کے سلسلہ میں ایک کنائی جملہ بول کر اپنی جان بچائی تھی۔

علاوہ ازیں ثلاث مرات والی روایت بسند صحیح بھی مروی ہے۔ چنانچہ دارقطنی نے بطریق ہارون بن اسحٰق بسند ابن فضیل بواسطہ عبدالملک عن عطاء حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے۔ انہ کان اذا ولغ الکلب فی الاناء اہراقہ وغسلہ ثلاث مرات۔ شیخ تقی الدین نے الامام میں کہا ہے۔ ہذا سند صحیح۔

سوال۔ دارقطنی کی ان دونوں روایتوں میں عبدالملک بن ابی سلیمان ہے جس کے متعلق حافظ بیہقی نے کتاب المعرفۃ میں کہا ہے کہ ثلاث مرات کی روایت میں یہ متفرد ہے کیونکہ اصحاب عطاء و اصحاب ابو ہریرہ جیسے حفاظ و ثقات کی روایت سبع مرات ہے۔ اسی وجہ سے حافظ شعبہ نے اس کی روایات کو ترک کیا ہے اور امام بخاری نے اپنی صحیح میں اس سے احتجاج نہیں کیا۔

جواب۔ عبدالملک بن ابی سلیمان ثقہ اور فقیہ ہیں، امام مسلم اور اصحاب سنن نے ان سے روایت کی ہے۔ ابن سعد کہتے ہیں کان ثقۃ مامونا ثبتا۔ ابن عمار موصلی کہتے ہیں، ثقۃ ثبت فی الحدیث، سفیان ثوری کہتے ہیں۔ ثقۃ متقن فقیہ، امام ترمذی کہتے ہیں۔ ثقۃ مامون ولقہ احمد ویحیٰ والنسائی وآخرون۔

ان کی روایت کو صرف حافظ شعبہ نے ترک کیا ہے اور وہ بھی صرف حدیث شفعہ کو۔ خطیب بغدادی اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ شعبہ نے جو عبدالملک بن ابی سلیمان کو چھوڑ کر محمد بن عبید اللہ عرزمی سے روایت کی ہے یہ انھوں نے اچھا نہیں کیا۔ اس واسطے کہ محمد بن عبید اللہ کی احادیث وروایات کے سقوط میں کسی کو بھی اختلاف نہیں بخلاف عبدالملک بن ابی سلیمان کے کہ ان کی تعریف و توصیف مشہور و معروف ہے۔

اس پوری تفصیل کا حاصل یہ نکلا کہ سات مرتبہ دھونے کا حکم یا تو منسوخ ہے اور قرین قیاس بھی یہی ہے کیونکہ ابتداء اسلام میں کتوں سے نفرت دلانے اور ان کی جمی ہوئی محبت دلوں سے نکالنے کے لیے سختی کی گئی تھی بعد میں بتدریج سختی اٹھالی گئی تھی۔ اگر سات مرتبہ والی حدیث کو منسوخ نہ مانا جائے تو ضروری ہوگا کہ ایک روایت کے مطابق آٹھویں مرتبہ مٹی سے دھویا جائے جس کا مطلب یہ ہوگا کہ سات مرتبہ دھونا بھی کافی نہیں ہے حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔

یا تین مرتبہ ضروری ہے جیسا کہ دیگر نجاسات کا حکم ہے اور سات مرتبہ تک دھو لینا استحباب کے درجہ میں ہے و زہری کا فتوی یہی ہے۔ بہرکیف ایک طرف تو یہ قیاس صحیح کہ تمام نجاستوں میں تین تین مرتبہ کا دھونا کافی ہوتا ہے۔ اس پر صاحب روایت کا فتوی پھر مرفوع حدیث میں اس کی تائید مزید۔ ان تمام باتوں کے پیش نظر امام ابوحنیفہ نے تین مرتبہ دھونا ضروری قرار دیا اور سات مرتبہ کو استحباب پر محمول کیا۔ چنانچہ تحریر الاصول کی شرح تقریر میں وہی خود امام ابوحنیفہ سے اس کے ناقل ہیں اور فقہاء احناف نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

قولہ اولٰھن الخ۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ امام مالک کی روایت میں تو ترتیب کا ذکر ہی نہیں بلکہ حضرت ابوہریرہ کی بھی کسی روایت میں اس کا ثبوت نہیں ہے بجز ابن سیرین کے کہ ان سے روایت کرنے والوں نے اس کو ذکر کیا ہے لیکن ان کے یہاں بھی محل ترتیب اختلاف ہے۔

مسلم کی روایات میں اولاھن ہے اور ابن سیرین سے اکثر راویوں نے یہی روایت کیا ہے لیکن امام نے بواسطہ قتادہ ابن سیرین سے السابعۃ روایت کیا ہے[۱] اور ایوب نے ابن سیرین سے اولاھن او آخرھن شک کے ساتھ روایت کیا ہے[۲] اور ابوالزناد کی روایت احداھن بلا شک ہے[۳] اور سعید بن ابی عروبہ نے قتادہ سے اولھا او اٰخرھا بلفظ روایت کیا ہے[۴] بعض روایات میں احداھن بطریق ابہام مروی ہے اور حضرت عبداللہ بن مغفل کی حدیث میں الثامنۃ ہے۔

---

[۱] اخرجہ ابوداؤد والدارقطنی والبیہقی ۱۲ [۲] اخرجہ الشافعی والبیہقی ۱۲ [۳] اخرجہ البزار ۱۲ [۴] اخرجہ الطحاوی ۱۲۔

حاصل یہ کہ جملۂ ترتیب کی اسناد گو صحیح ہے مگر موضع تراب متعین نہیں۔ ملا علی قاری شرح نقایہ میں فرماتے ہیں وہذا الاضطراب عیب عظیم فی ہذا الباب۔ علامہ زرقانی کہتے ہیں کہ جملۂ ترتیب شاذ ہے گو اسناد صحیح ہے۔ اسی لئے امام مالک (اور احناف) ترتیب کے قائل نہیں۔

قولہ بالتراب الخ۔ اگر کتا برتن میں پیشاب کردے یا اس کا پاخانہ برتن کو لگ جائے تو صرف تین بار کا دھونا کافی ہوجاتا ہے لیکن اس کے جھوٹے کے بارے میں سات مرتبہ تک دھونا وارد ہوا ہے اس کی وجہ اور حکمت کیا ہے؟ امام مالک سے حدیث مرفوع کی وجہ پوچھی گئی تو فرمایا: مجھے معلوم نہیں۔

لیکن حال کی تحقیق سے ثابت ہوا ہے کہ کتے کے لعاب میں جراثیم ہوتے ہیں جو پانی میں مخلوط ہوکر منتشر اور برتن سے متعلق ہوجاتے ہیں اور ایک دو بار دھونے سے زائل نہیں ہوتے بلکہ چھ بار تک ان کا وجود خوردبین سے معلوم ہوتا ہے اور ساتویں بار کے بعد ختم ہوجاتے ہیں۔ چنانچہ امریکہ کا ایک مشہور ڈاکٹر ماہر نفسیات اسی حدیث کی بناء پر مسلمان ہوا کہ ہم آج تک تمام وسائل تحقیق کے باوجود جس چیز سے بے خبر تھے پیغمبر علیہ السلام آج سے تیرہ سو برس پہلے اس سے مطلع فرما چکے ہیں۔ (از افادات شیخ)۔

(**فائدہ**) علامہ نووی نے بیان کیا ہے کہ مٹی سے دھونے کا مطلب یہ ہے کہ مٹی کو پانی میں مخلوط کرلیا جائے یہاں تک کہ پانی گدلا ہوجائے، یا کہیں سے گدلا پانی لے کر دھولیا جائے جس سے برتن صاف ہوجائے۔ نجاست کو مٹی سے رگڑ دینا ہی کافی نہ ہوگا۔

قولہ قال ابوداؤد الخ (۳۳) یعنی جس طرح ہشام بن حسان کی روایت عن محمد بن سلیمان عن ابی ہریرۃ مرفوعاً باب کے ذیل میں مذکور ہوئی۔ اسی طرح محمد بن سیرین سے ایوب اور حبیب بن شہید نے روایت کیا ہے۔ ایوب کی روایت تو حدیث باب کے بعد خود صاحب کتاب ہی نے مرفوعاً روایت کی ہے جس میں اتنی زیادتی ہے: "واذا ولغ الہر غسل مرۃ"۔

لیکن امام طحاوی نے ایوب کی روایت کو مرفوعاً روایت کیا ہے اور اس میں یہ زیادتی نہیں ہے۔

دارقطنی نے اس کو موقوفاً روایت کیا ہے لیکن اس میں اولہن بالتراب نہیں ہے۔

حافظ منذری نے بیہقی سے نقل کیا ہے کہ بعض رواۃ نے حدیث مذکور میں جملہ "واذا ولغ الہر غسل مرۃ" شامل کردیا ہے۔

صحیح یہ ہے کہ یہ ولوغ کلب کے سلسلہ میں مرفوع ہے اور ولوغ ہر کے متعلق موقوف۔ محمد بن سیرین سے حبیب بن شہید کی روایت کے متعلق شیخ نے بذل میں کہا ہے لم اجدہا فی کتب تتبعتہا۔

سے وقال الحافظ فی الجمع بین ہذہ الروایات ان یقال احدہن مبہمۃ واولاہن والسابعۃ معینۃ واوان کانت فی نفس الخبر فہی للتخییر فمقتضی حمل المطلق علی المقید ان یحمل علی احدہما لان فیہ زیادۃ علی الروایۃ المعینۃ وہو الذی نص علیہ الشافعی فی الام والبویطی وصرح بہ المرعشی وغیرہ من الاصحاب وان کانت اوشکا من الراوی فروایۃ من عین ولم یشک اولی من روایۃ من ابہم او شک وروایۃ اولاہن ارجح من حیث الاکثریۃ والاحفظیۃ انتہی مختصرا۔ (امانی الاحبار)۔

(۲۶) حدثنا موسی بن اسماعیل قال حدثنا ابان العطار قال حدثنا قتادة ان محمد بن سیرین حدثه عن ابی هریرة ان نبی اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال اذا ولغ الکلب فی الاناء فاغسلوه سبع مرات السابعة بالتراب، قال ابو داؤد واما ابو صالح وابو رزین والاعرج وثابت الاحنف وهمام بن منبه وابو السدی عبد الرحمن رووه عن ابی هریرة ولم یذکروا التراب

ترجمہ

موسیٰ بن اسمٰعیل نے بطریق ابان العطار بن قتادہ بواسطہ محمد بن سیرین حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب کتا برتن میں منہ ڈال دے تو اس کو سات مرتبہ دھو ساتویں مرتبہ مٹی کے ساتھ۔

ابوداؤد کہتے ہیں کہ ابو صالح، ابو رزین، اعرج، ثابت احنف، ہمام بن منبہ اور ابو السدی عبد الرحمن سب نے اس حدیث کو حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے۔ لیکن ان حضرات نے مٹی سے دھونے کو ذکر نہیں کیا۔

تشریح

قولہ قال ابوداؤد الخ (۴۴) یعنی ابو صالح، ابو رزین، اعرج یا ثابت احنف، ہمام بن منبہ اور عبد الرحمن ابو السدی نے بھی اس حدیث کو ابوہریرہ سے روایت کیا ہے لیکن ان کی روایات میں تراب کا ذکر نہیں ہے۔

ابو صالح اور ابو رزین کی روایت مسلم، نسائی اور ابن ماجہ میں ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔ فلیرقہ ولیغسلہ سبع مرات۔ اعرج کی روایت بخاری، مسلم، نسائی اور ابن ماجہ میں ہے۔ ثابت احنف کی روایت نسائی میں روایت اعرج کے مثل ہے۔ ہمام بن منبہ کی روایت مسلم میں ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔ طہور اناء احدکم اذا ولغ الکلب فیہ ان یغسلہ سبع مرات۔ روایت ابو السدی کے متعلق شیخ نے بذل میں کہا ہے کہ لم اجد فی کتب تتبعتہا۔

(۲۷) حدثنا احمد بن محمد بن حنبل قال ثنا یحیی بن سعید عن شعبة قال حدثنا ابو التیاح عن مطرف عن ابن مغفل ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم امر بقتل الکلاب ثم قال ما لهم ولها فرخص فی کلب الصید وفی کلب الغنم وقال اذا ولغ الکلب فی الاناء فاغسلوه سبع مرار والثامنة عفروه بالتراب، قال ابو داؤد وهکذا قال ابن مغفل۔

؂ قال ولعلهم لم یخرجوا روایة بجمالیة الا ما ذکره الحافظ فی فتح الباری ولفظہ وفی روایة السدی عند البزار اصابهن وهذا مخالف لقول ابی داؤد ولم یذکروا التراب فان فیها ذکر التراب ثم اخرج الامام احمد فی مسنده حدثنا عبد الرحمن بن ابی عمرة عن ابی هریرة ولیس فیه ذکر التراب ۱۲ بذل

ترجمہ

احمد بن محمد بن حنبل نے بطریق یحییٰ بن سعید بسند شعبہ بواسطہ ابو التیاح عن مطرف حضرت عبد اللہ بن مغفل سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کتوں کے قتل کا حکم دیا پھر فرمایا: وہ کیا بگاڑتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے شکاری اور گلے کے کتوں کی اجازت دی اور فرمایا جب کتا برتن میں منہ ڈالے تو اس کو سات مرتبہ دھوڈالو اور آٹھویں مرتبہ مٹی سے مانجھو۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ ابن مغفل نے ایسا ہی کہا ہے۔

تشریح

قولہ امر بقتل الکلاب الخ۔ امام الحرمین ابو المعالی فرماتے ہیں کہ قتل کلاب کا حکم منسوخ ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک بار قتل کلاب کا حکم دیا اس کے بعد آپ نے اس سے منع فرما دیا۔ نیز آپ نے سیاہ کتے کو جس کی پیشانی پر گول داغ ہوں قتل کرنے کے لئے فرمایا مگر یہ بھی ابتداء میں تھا پھر یہ بھی منسوخ ہو گیا۔

قولہ والثامنۃ الخ۔ ظاہر حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ولوغ کلب کے بعد برتن کو آٹھویں مرتبہ مٹی سے دھویا جائے تو یہ شوافع کے بھی خلاف ہوگی کیونکہ وہ بھی اس کے قائل نہیں۔ اب وہ اس کے چند جوابات دیتے ہیں مگر سب مخدوش ہیں (۱) امام شافعی سے منقول ہے کہ میں اس حدیث کی صحت پر مطلع نہیں ہو سکا۔ حافظ کہتے ہیں کہ اس سے کام نہیں چلتا کیونکہ دوسروں کو اس کی صحت کا علم ہے۔ چنانچہ ابن مندہ نے تصریح کی ہے کہ "اسنادہ مجمع علی صحتہ"

(۲) حافظ بیہقی کہتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ سب سے زیادہ حافظ ہیں تو ان کی روایت اولیٰ ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ بیشک حضرت ابوہریرہ احفظ ہیں لیکن حضرت عبد اللہ بن مغفل احد العشرہ[ف] اصحاب شجرہ اور حضرت ابوہریرہ سے افقہ ہیں اس لئے آپ کی روایت پر عمل کرنا احوط ہے۔ علاوہ ازیں بقول حافظ ترجیح کی ضرورت اس وقت ہوتی ہے جب جمع ممکن نہ ہو اور یہاں اسکی ضرورت نہیں کیونکہ آٹھ پر عمل کرنے میں سات پر بھی عمل ہو جاتا ہے لیکن اسکا عکس نہیں۔

(۳) بعض شوافع کہتے ہیں کہ اس حدیث کے خلاف پر (یعنی سات پر) اجماع منعقد ہے لہٰذا اس پر عمل نہیں کیا جائیگا۔ حافظ کہتے ہیں کہ غلط ہے کیونکہ حضرت حسن بصری سے آٹھ مرتبہ کا قول ثابت ہے اور حرب کرمانی نے امام احمد سے بھی ایک قول یہی نقل کیا ہے۔ (۴) علامہ نووی نے کہا ہے کہ حدیث کے یہ معنی ہیں کہ اسکو سات مرتبہ دھو کہ ان میں سے ایک مرتبہ مٹی کے ساتھ ہو اور مٹی چونکہ ایک مرتبہ دھونے کے قائم مقام ہے اس لئے اسکو غسل مستقلہ سے تعبیر کر دیا مگر حافظ ابن دقیق العید فرماتے ہیں کہ والثامنۃ عفروہ بالتراب سے تو یہ بات بالکل واضح ہے کہ اس سے مراد غسلہ مستقلہ ہے لہٰذا اس قسم کے اعذار باردہ سے بات نہیں بنتی۔

قولہ قال ابوداؤد الخ (۵) یہ عبارت نسخہ احمدیہ میں ہے نہ نسخہ مصریہ میں البتہ بعض ہندی نسخوں میں ہے لیکن بظاہر اس کا کوئی فائدہ نہیں الا یہ کہ اس سے یہ بتانا ہو کہ اس مسئلہ میں حضرت عبد اللہ بن مغفل کا قول ان کی روایت کے موافق ہے کہ ولوغ کلب کے بعد برتن کو آٹھ مرتبہ دھونا ضروری ہے۔

ف الذین بعثہم عمر بن الخطاب ۱۲

(۲۱) باب الوضوء بالنبیذ

(۲۸) حدثنا هناد وسلیمان بن داؤد العتکی قالا ثنا شریك عن ابی فزارة عن ابی زید عن عبد الله بن مسعود ان النبی صلی الله علیه وسلم قال له لیلة الجن ما فی اداوتك قال نبیذ قال تمرة طیبة وماء طهور. قال ابو داؤد قال سلیمان عن ابی زید او زید كذا قال شریك ولم یذكر هناد لیلة الجن

حل لغات

نبیذ کھجور کا شربت۔ جس کا طریقہ یہ ہے کہ کھجوریں پانی میں بھگو دی جائیں یہاں تک کہ پانی رنگین اور شیریں ہو جائے لیکن اس میں شدت اور تیزی نہ ہو۔ لیلۃ الجن وہ رات جس میں آپ جنوں کی تعلیم اور ہدایت کے لئے شہر سے باہر تشریف لے گئے تھے۔ اداوۃ بکسر ہمزہ چمڑے کا چھوٹا برتن چھاگل۔ کذا فی النہایہ۔

ترجمہ

ہناد اور سلیمان بن داؤد عتکی نے بطریق شریک بن ابو فزارہ بواسطہ ابو زید حضرت عبد اللہ بن مسعود سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے لیلۃ الجن میں ان سے کہا: تمہاری چھاگل میں کیا ہے؟ انہوں نے کہا نبیذ ہے۔ آپ نے فرمایا کھجور پاک ہے اور پانی پاک کرنے والا ہے۔ ابو داؤد کہتے ہیں کہ شریک نے اس طرح کہا ہے عن ابی زید او زید۔ اور ہناد نے لیلۃ الجن کو ذکر نہیں کیا۔

تشریح

قولہ باب الوضوء الخ۔ نبیذ سے وضوء جائز ہے یا نہیں؟ یہ بہت اہم اور معرکۃ الآراء مسئلہ ہے۔ مسئلہ کی تحقیق کے پہلے ہم چند باتیں عرض کرتے ہیں ان کو ذہن نشین کر لیا جائے تاکہ مسئلہ جواز وضوء بالنبیذ کی حقیقت بآسانی واضح ہو سکے (۱) اہل عرب کی عادت تھی کہ وہ شور پانی کی شوریت ختم کرنے کے لئے کچھ چھوہارے پانی میں ڈال دیا کرتے تھے تاکہ پانی میں شوریت کے بجائے حلاوت آجائے پھر اس کو پانی ہی کی جگہ استعمال کرتے تھے۔ پانی میں بھیگے ہوئے چھوہاروں کے اسی آب زلال کو نبیذ کہتے ہیں۔
(۲) پھر نبیذ صرف چھوہارے کا نہیں ہوتا بلکہ منقی کا بھی ہوتا ہے۔ جو اور گیہوں سے بھی بنتا ہے انگور اور دیگر اشیاء سے بھی تیار کیا جاتا ہے۔ زیر بحث مسئلہ صرف نبیذ تمر سے متعلق ہے۔
(۳) نبیذ تمر چونکہ مطلق پانی کا فرد نہیں ہے اس لئے اس سے وضوء کرنا خلاف قیاس ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے مگر حدیث کی وجہ سے اس قیاس کو ترک کر کے وضوء کا جواز مانا گیا ہے اور کشمش منقی وغیرہ کے نبیذ میں چونکہ کوئی روایت نہیں ہے اس لئے قیاس کے موافق اس سے وضوء ناجائز ہی رہے گا۔
(۴) نبیذ تمر کی کئی حالتیں ہیں۔ اول یہ کہ تھوڑے سے چھوہارے پانی میں ڈالے اور معمولی سی شیرینی آگئی اس سے بالاتفاق وضوء جائز ہے۔ دوم یہ کہ اتنے چھوہارے ڈال دئے کہ پانی شیرہ کی طرح گاڑھا ہو گیا اس سے بالاجماع وضوء ناجائز ہے۔ سوم یہ کہ اتنے چھوہارے ڈالے کہ شیرینی بھی کافی پیدا ہو گئی اور اس کے ساتھ ساتھ پانی کی رقت بھی باقی رہی، اس صورت میں اختلاف ہے۔ امام اعظم، حسن بن حیی وغیرہ

اسحاق، عکرمہ اور دوسرے حضرات کی ایک جماعت اس نبیذ سے وضوء کی اجازت دیتی ہے۔ ابن قدامہ کہتے ہیں کہ حضرت علی و حسن بصری سے بھی یہی مروی ہے۔

(۵) پھر اس اجازت کے لئے بھی امام صاحب کے یہاں چند شرطیں ہیں: اول یہ کہ نبیذ تمر کے علاوہ اور کوئی پانی موجود نہ ہو۔ دوم یہ کہ پانی میں صرف شیرینی آئی ہو رقت و سیلان پر کوئی اثر نہ پڑا ہو۔ سوم یہ کہ اس میں نشہ نہ پیدا ہوا ہو (۶) یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ امام صاحب نے جو نبیذ تمر سے وضوء کی اجازت دی ہے یہ آپ کا پہلا قول ہے (جامع صغیر، زیادات، قاضیخان) ابوبکر رازی نے احکام القرآن میں اسی روایت کو مشہور کہا ہے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ وضوء اور تیمم دونوں کو جمع کر لینا چاہئے امام محمد کا قول یہی ہے (خزانۃ الاکمل) تیسری روایت یہ ہے کہ وضوء جائز نہیں تیمم کرنا چاہئے۔ نوح بن ابی مریم، اسد بن عمرو اور حسن ابن زیاد کی روایت یہی ہے۔ اور بقول قاضی خان و شارح منیہ و ابن عابدین وغیرہ آپ کا آخری قول یہی ہے۔ امام ابو یوسف اسی کے قائل ہیں، اور اسی کو امام طحاوی نے اختیار کیا ہے۔ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کا قول بھی یہی ہے۔

(۷) مفتی بہ قول بھی یہ ہے کہ نبیذ تمر سے کسی حال میں بھی وضوء جائز نہیں (قاضیخان، شرح منیہ، الدر المختار، بحر الرائق وغیرہ)

نفس مسئلہ (یعنی جواز وضوء بالنبیذ) کی دلیل حدیث باب ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ لیلۃ الجن میں سرکار نے مجھ سے دریافت فرمایا: تمہاری چھاگل میں کیا ہے؟ میں نے عرض کیا: نبیذ ہے آپ نے فرمایا: "پاک کھجور ہے اور پاک پانی" اس حدیث کو امام ترمذی، ابن ماجہ، امام احمد، ابن ابی شیبہ نے بھی روایت کیا ہے۔

ترمذی کے یہاں "فتوضأ منہ" اور امام احمد کے یہاں "فتوضأ منہ وصلی" کی زیادتی بھی موجود ہے۔ ابن ماجہ اور طحاوی نے یہ حدیث ابن عباس سے بھی روایت کی ہے۔ لیکن امام احمد، طبرانی اور بزار نے اس کو عن ابن عباس عن ابن مسعود روایت کیا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسند ابن مسعود ہی ہے۔

ائمہ ثلاثہ (امام مالک، امام شافعی، امام احمد) اور دیگر مانعین جواز وضوء کی جانب سے اس روایت کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ یہ ضعیف ہے۔ اب اصولی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ نے نبیذ تمر سے وضوء ناجائز ہونے کا جو قول لیا ہے اس کے لئے صرف یہ کہہ دینا کہ آپ کی دلیل کمزور ہے کافی نہیں۔ دلیل تو ہے، کمزور ہی سہی۔ آپ تو ... دلیل ہی عدم جواز کا فیصلہ کر رہے ہیں۔ چاہئے تو یہ تھا کہ آپ کوئی ایسی روایت پیش کرتے جس میں بصراحت یہ ارشاد ہوتا کہ "لا تتوضؤوا بنبیذ التمر، لا یجوز التوضی بنبیذ التمر، نبیذ التمر حرام، لا یجوز استعمالہ" صحیح نہ سہی کوئی کمزور ہی روایت لے آتے۔ مگر یہاں تو میدان بالکل صاف ہے۔ ہاں ہماری دلیل کے ضعف پر خوب زور لگایا جاتا ہے۔ چنانچہ شوافع وغیرہ نے حدیث مذکور پر کئی وجوہ سے طعن کیا ہے۔

اول: عبداللہ بن مسعود سے یہ روایت صرف ابو زید نے نقل کی ہے (قالہ الترمذی) دوم یہ کہ ابو زید راوی مجہول ہے۔ امام بخاری نے اس کو ضعفاء میں ذکر کیا ہے۔ اور ابو احمد حاکم، ترمذی، ابو اسحٰق، اور ابن حبان نے کتاب العلل میں اس کو مجہول بتایا ہے۔ ابن حبان کتاب الضعفاء میں کہتے ہیں کہ کچھ پتہ نہیں یہ کون ہے۔ ابو حاتم

کہتے ہیں کہ اس کو حضرت عبداللہ سے لقاء حاصل نہیں۔ سوم یہ کہ ابو فزارہ جو ابو زید سے راوی ہے اس کے متعلق تردد ہے کہ یہ راشد بن کیسان ہے یا کوئی دوسرا۔ امام احمد سے منقول ہے کہ حدیث ابن مسعود میں ابو فزارہ رجل مجہول ہے۔ بخاری نے ذکر کیا ہے کہ ابو فزارہ جیسی غیر مسمی ہے۔ چہارم یہ کہ ابو فزارہ کو نبیذ بنانا تھا۔ پنجم یہ کہ حدیث مذکور لیلۃ الجن کی ہے اور حضرت ابن مسعود سے ہے۔ حالانکہ حضرت عبداللہ بن مسعود لیلۃ الجن کے بارے میں خود فرماتے ہیں کہ میں اس میں نہیں تھا۔ ترمذی میں حضرت علقمہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابن مسعود سے پوچھا کہ لیلۃ الجن میں تم میں سے کوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا؟ آپ نے کہا ہم میں سے کوئی ساتھ نہ تھا۔

ششم یہ کہ حدیث مذکور اخبار احادیث سے ہے اور مخالف کتاب ہے۔ مگر یہ تمام اعتراضات بے جان ہیں۔ پہلے یہ کہنا کہ اس روایت کو صرف ابو زید نے نقل کیا ہے علامہ عینی نے اس کی تردید میں چودہ آدمیوں کے نام گنائے ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

ابو رافع، ابو علی رباح، عبداللہ بن عمر، عمرو بکالی، ابو عبیدہ بن عبداللہ، ابو الاحوص، عبداللہ بن سلمہ، قابوس بن ابی ظبیان عن ابیہ، عبداللہ بن عمرو بن غیلان ثقفی، عبداللہ بن عباس، ابو وائل شقیق بن سلمہ، ابن عبداللہ، ابو عثمان بن السار، ابو عثمان نہدی۔ یہ ہم نے صرف ناموں کی فہرست پیش کی ہے تفصیل کے لئے عینی کی طرف مراجعت کیجئے۔

رہا دوسرا دعویٰ کہ ابو زید مجہول ہے سو شیخ صاحب جو مشہور زہاد تابعین میں سے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ابو زید، عمرو بن حریث کے مولیٰ ہیں۔ حافظ ابوبکر بن العربی نے شرح ترمذی میں اتنا اور تحریر کیا ہے کہ ان سے ابو فزارہ راشد بن کیسان اور ابو روق عطیہ نے روایت کی ہے۔ راشد اور ابو روق کا روایت کرنا ان کی جہالت ختم کرنے کے لئے کافی ہے۔

اور اگر ان کا مقصد یہ ہو کہ ابو زید مجہول الحال ہے یعنی یہ معلوم نہیں کہ یہ ثقہ ہے یا غیر ثقہ تو مستور الحال کی روایت بہت سے حضرات کے نزدیک قابل اعتبار رہیں بالخصوص جبکہ حدیث دوسرے چھ طرق سے بھی مروی ہے جن کی تفصیل نصب الرایہ میں موجود ہے۔

تیسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ حافظ ابن حجر نے تہذیب میں، بیہقی نے سنن میں، ابن عدی نے کامل میں، ابن عبدالبر نے الاستیعاب میں اور دارقطنی وغیرہ محققین نے تصریح کی ہے کہ ابو فزارہ جو ابو زید سے راوی ہے وہ راشد بن کیسان عبسی کوفی ہے۔ یحییٰ بن معین، ابو حاتم، دارقطنی اور ابن حبان وغیرہ نے ان کی توثیق کی ہے اور امام مسلم نے ان سے روایت کی ہے، پھر تردد کی کیا وجہ؟ علاوہ ازیں شیخ تقی الدین نے امام میں کہا ہے کہ ابو فزارہ کی تجہیل محل نظر ہے کیونکہ ابو فزارہ سے اس حدیث کو شریک، سفیان، جراح بن ملیح، اسرائیل اور قیس بن ربیع وغیرہ اہل علم کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے۔ صاحب عارضۃ الاحوذی نے علی بن عباس، جعفر بن برقان، اور جریر بن حازم جیسے راوی مزید ذکر کئے

سے اخرجہ ابوداؤد ۱۲ ے اخرجہ الترمذی ۱۲ سے اخرجہ ابن ماجہ ۱۲ سے اخرجہ احمد، بیہقی، عبدالرزاق ۱۲

سے اخرجہ احمد، عبدالرزاق ۱۲

چوتھے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ابو فزارہ کا نباذ ہونا ثابت نہیں۔ نباذ تو ان کے شیخ ابو زید تھے، جیسا کہ حافظ نے ابو داؤد سے نقل کیا ہے، «ان تان کان ابو زید نباذا بالکوفۃ»۔ اور اگر ہوں بھی تو کیا حرج ہے غیر مسکر نبیذ بناتے ہوں گے جو کوئی طعن کی بات نہیں۔

پانچویں اعتراض کا جواب یہ ہے کہ لیلۃ الجن میں ساتھ ہونے سے انکار کے یہ معنی ہرگز متعین نہیں کہ حضرت ابن مسعود بالکل ساتھ نہیں رہے بلکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کچھ حصہ میں ساتھ رہے ہوں اور جب آپ جنات سے ملاقات کے لئے تشریف لے گئے تو ان کو پیچھے چھوڑ دیا گیا ہو پھر واپسی میں آپ نے فرمایا ہو ماتی اداوتک اھ۔

نیز علامہ ابو محمد ابن السید بطلیوسی کتاب التنبیہ میں اپنی روایت سے یہ بیان کرتے ہیں کہ اصل حدیث میں یوں تھا "ما صحبہ احد منا غیری"۔ بیان کنندہ سے سہو ہو گیا۔ حافظ ابن قتیبہ مختلف الحدیث میں ایک حدیث کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ راوی نے اس حدیث میں سے ایک حرف اڑا دیا جس کی وجہ سے معنی میں خلل آ گیا بالکل ایسے ہی جیسے بعض رواۃ نے لیلۃ الجن میں ابن مسعود کے قول ما شہدہا احد غیری سے لفظ غیری اڑا دیا۔

اس کی شہادت مستدرک حاکم میں بھی موجود ہے حاکم نے روایت کیا ہے "حدثنا ابو الحسین عبید اللہ بن محمد البلخی من اصل کتابہ ثنا ابو اسماعیل محمد بن اسماعیل ثنا ابو صالح عبد اللہ بن صالح حدثنی اللیث بن سعد حدثنی یونس بن یزید عن ابن شہاب قال اخبرنی ابو عثمان بن السنۃ الخزاعی وکان رجلا من اہل الشام انہ سمع عبد اللہ بن مسعود یقول ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لاصحابہ وہو بمکۃ من احب منکم ان یحضر اللیلۃ امر الجن فلیفعل فلم یحضر منہم احد غیری"۔

اس حدیث کو حاکم نے گو صحیح نہیں مانا اس لئے کہ ابو عثمان بن السنہ ان کے نزدیک مجہول ہے لیکن حافظ ذہبی نے اس کی تصحیح کی ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ یہ ایک جماعت کے نزدیک صحیح ہے اور حافظ نے تقریب میں ابو عثمان بن السنہ کو مقبول مانا ہے۔

اس تقریر پر معیت کا اقرار نکلتا ہے نہ کہ انکار۔ علاوہ ازیں یہ بات تحقیق سے ثابت ہے کہ لیلۃ الجن کئی بار ہوئی ہے۔ حافظ ابو عبد اللہ شبلی نے آکام المرجان فی احکام الجان میں ثابت کیا ہے کہ چھ مرتبہ ہوئی ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک تو مکہ میں ہوئی جب آپ کے متعلق کہا تھا کہ آپ کو اچک لیا گیا یا کوئی اڑا لے گیا۔ اس میں حضرت ابن مسعود ساتھ نہیں تھے (کما فی روایۃ مسلم والترمذی فی تفسیر سورۃ الاحقاف وغیرہما) دوسری بار مکہ میں جبل حجون پر ہوئی۔ تیسری بار اعلیٰ مکہ میں ہوئی۔ چوتھی بار مدینہ میں بقیع غرقد میں ہوئی۔ ان تینوں راتوں میں حضرت ابن مسعود کی معیت ثابت ہے۔ پانچویں بار مدینہ سے باہر ہوئی جس میں حضرت زبیر بن العوام ساتھ تھے۔ چھٹی بار کسی سفر میں ہوئی جس میں بلال بن حارث ساتھ تھے۔

دیکھئے وہی امام ترمذی جنھوں نے سورۃ الاحقاف میں حضرت ابن مسعود کی زبانی لیلۃ الجن میں حاضر نہ ہونے کی روایت نقل کی ہے۔ کراہیۃ الاستنجاء کے تحت علقمہ سے تعلیقا روایت کرتے ہیں کہ ابن مسعود لیلۃ الجن میں آپ کے ساتھ تھے۔ چھٹے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اجلاء صحابہ کی ایک جماعت حضرت علی، ابن مسعود، ابن عمر، ابن عباس وغیرہ اس کے قائل ہیں۔ معلوم ہوا کہ حدیث شہرت کے درجہ میں ہے کیونکہ صحابہ نے اس پر عمل

کیا ہے اور اس کو قبول کیا ہے وہ مثلہ ما خرج بہ الکتاب، فاحفظ ہذا التفصیل فانک لا تجدہ فی غیر ہذا الکتاب علی ہذا الترتیب العجیب فللہ الحمد والمنۃ۔

قولہ قال ابو داؤد الخ (۳۶) اس قول میں صاحب کتاب یہ بتانا چاہتے ہیں کہ شیخ ہناد کی روایت بلا شک یوں ہے۔ عن شریک عن ابی زید لیکن شیخ سلیمان کی روایت میں عن ابی زید شک کے ساتھ ہے۔ ابو داؤد کے مصری و ہندی نسخوں میں یہاں عبارت اسی طرح ہے لیکن حافظ ابن حجر نے تقریب میں اختلاف کو اس طرح ذکر کیا ہے "ابو زید المخزومی مولی عمرو بن حریث قیل ابو یزید"۔

(۳۷) باب ایصلی الرجل وھو حاقن؟

(۹۲) حدثنا احمد بن یونس قال، حدثنا زھیر قال حدثنا ھشام بن عروۃ عن ابیہ عن عبد اللہ بن ارقم انہ خرج حاجا او معتمرا ومعہ الناس وھو یؤمھم فلما کان ذات یوم اقام الصلوۃ صلوۃ الصبح ثم قال لیتقدم احدکم وذھب الی الخلاء فانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اذا اراد احدکم ان یذھب الخلاء وقامت الصلوۃ فلیبدا بالخلاء، قال ابو داؤد روی وھیب بن خالد وشعیب بن اسحق وابو ضمرۃ ھذا الحدیث عن ھشام بن عروۃ عن ابیہ عن رجل حدثہ عن عبد اللہ بن ارقم والاکثر الذین رووہ عن ھشام قالوا کما قال زھیر۔

حل لغات

حاقن پیشاب بند کرنے والا، پاخانہ بند کرنے والے کو حاقب اور دونوں کو روکنے والے کو حازق کہتے ہیں، یہاں عام مراد ہے۔ معتمر عمرہ کرنے والا۔ یؤمھم (ن)، امامۃ۔ امام بننا۔ ترجمہ

احمد بن یونس نے بطریق زہیر بسند ہشام بن عروہ عن ابیہ حضرت عبد اللہ بن ارقم سے روایت کیا ہے کہ وہ حج یا عمرہ کی نیت سے نکلے کچھ لوگ آپ کے ساتھ تھے اور آپ ان کی امامت کرتے تھے۔ ایک روز صبح کی نماز ہونے لگی تو آپ نے فرمایا تم میں سے کوئی امامت کرے۔ یہ کہہ کر آپ پاخانہ کو جانے لگے اور فرمایا کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ جب تم میں سے کسی کو رفع حاجت کی ضرورت ہو اور نماز کھڑی ہو جائے تو چاہئے کہ پہلے پاخانہ سے فارغ ہو جائے۔ ابو داؤد کہتے ہیں کہ وہیب بن خالد، شعیب بن اسحاق، اور ابو ضمرہ نے اس حدیث کو ہشام بن عروہ سے بسند عروہ ایک ایسے شخص کے واسطے سے روایت کیا ہے جس نے ان کو یہ حدیث حضرت عبد اللہ بن ارقم سے سنائی ہے اور اکثر رواۃ نے اس حدیث کو ہشام سے اسی طرح روایت کیا ہے جس طرح زہیر نے روایت کیا ہے۔ تشریح

عـہ قال المنذری واخرجہ الترمذی والنسائی وابن ماجہ وقیل ان عبد اللہ بن ارقم روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم حدیثا واحدا لیس لہ فی ہذہ الکتب سوی ہذا الحدیث اھ عون المعبود۔

قولہ باب الخ - پیشاب پاخانہ یا ریاح کے تقاضے کے وقت نماز پڑھنا باتفاق ائمہ مکروہ ہے، اگرچہ وقتی فرض ہو (بحر الرائق) علامہ حلبی شرح منیہ میں لکھتے ہیں کہ پیشاب پاخانہ کے شدید تقاضے کے وقت نماز شروع کرنا مکروہ ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "لا یصلی بحضرۃ الطعام ولا وھو یدافعہ الاخبثان" (رواہ ابو داؤد وفی روایۃ مسلم لا صلوۃ) اور اگر شروع کرنے کے بعد شدید ضرورت پیش آجائے تو بہتر یہ ہے کہ نیت توڑ دے اور ضرورت سے فارغ ہو کر ادا کرے۔ اگر اسی حالت میں نماز پوری کی تو ادا تو ہو جائے گی مگر ایسا کرنا اچھا نہیں۔

قولہ قال ابو داؤد الخ (۳۴) مطلب یہ ہے کہ حدیث باب کو وہیب بن خالد، شعیب بن اسحاق، ابو ضمرہ نے ہشام بن عروہ سے حضرت عروہ اور عبد اللہ بن ارقم کے درمیان ایک شخص کے واسطے سے روایت کیا ہے۔ ابن اثیر نے اسد الغابہ میں ذکر کیا ہے کہ ابن جریج سے بھی اسی طرح مروی ہے اور زہیر نے اس واسطے کو ذکر نہیں کیا بلا واسطہ روایت کیا ہے اور ہشام سے روایت کرنے والے اکثر رواۃ مالک بن انس، سفیان بن عیینہ، حفص بن غیاث، محمد بن اسحاق، شجاع بن الولید، حماد بن زید، وکیع، ابو معاویہ، مفضل بن فضالہ، محمد بن کنانہ (بتصریح ابن عبد البر) اور بقول ترمذی یحییٰ بن سعید القطان اور بقول ابن الاثیر شعبہ، ثوری، حماد بن سلمہ اور معمر نے زہیر کی موافقت کی ہے تو صاحب کتاب کے نزدیک زہیر کی روایت راجح ہے۔ امام ترمذی بروایت ابو معاویہ بلا واسطہ رجل روایت کرنے کے بعد حدیث پر حسن صحیح کا حکم لگا کر کہتے ہیں کہ مالک بن انس، یحییٰ بن سعید القطان اور ہشام بن عروہ سے دیگر روایت کرنے والے حفاظ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ لیکن وہیب وغیرہ کی روایت میں عروہ اور عبد اللہ بن ارقم کے درمیان واسطہ مذکور ہے۔ پس امام ترمذی نے ابو معاویہ کی روایت کو کثرت رواۃ اور زیادتی حفظ کی وجہ سے ترجیح دی ہے۔ اور صاحب کتاب نے روایت زہیر کو کثرت رواۃ کی وجہ سے ترجیح دی ہے۔ امام ترمذی نے علل میں نقل کیا ہے کہ امام بخاری نے انہیں لوگوں کی روایت کو ترجیح دی ہے جنھوں نے واسطہ ذکر کیا ہے (کذا فی التعلیق) شیخ نے بذل میں لکھا ہے کہ ممکن ہے حضرت عروہ سفر میں حضرت عبد اللہ بن ارقم کے ساتھ نہ ہوں اور کسی نے آپ کو اس حدیث کی خبر دی ہو۔ پھر آپ نے براہ راست حضرت عبد اللہ سے حاصل کیا ہو۔ فلہذا یروی مرۃ ہکذا ومرۃ ہکذا۔

(۳) حدثنا محمد بن خالد السلمی قال حدثنا احمد بن علی قال حدثنا ثور عن یزید بن شریح الحضرمی عن ابی حی المؤذن عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یحل لرجل یؤمن باللہ والیوم الآخر ان یصلی وھو حقن حتی یتخفف ثم ساق نحوہ علی ھذا اللفظ قال ولا یحل لرجل یؤمن باللہ والیوم الآخر ان یؤم قوما الا باذنہم ولا یختص نفسہ بدعوۃ دونہم فان فعل فقد خانہم

قال ابو داؤد وھذا من سنن اھل الشام لم یشرکہم فیہا احد

ترجمہ

محمود بن خالد سلمی نے بطریق احمد بن علی بسند ثور بواسطہ یزید بن شریح حضرمی عن ابی حی المؤذن عن ابی ہریرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: درست نہیں اس شخص کے لئے جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو یہ کہ وہ نماز پڑھے پیشاب پاخانہ روکے ہوئے پھر ثور نے حبیب بن صالح کی حدیث کے مثل یہ الفاظ روایت کیے کہ آپ نے فرمایا: اور درست نہیں اس شخص کے لئے جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو یہ کہ وہ امامت کرے کسی قوم کی بغیر ان کی اجازت سے اور یہ کہ وہ خاص کرے خود کو دعا میں۔ جس نے ایسا کیا تو گویا اس نے ان کے ساتھ خیانت کی۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ یہ حدیث شام والوں کی ہے اور کوئی اس میں شریک نہیں۔

تشریح

قولہ قال ابوداؤد الخ (۳۸) لفظ ہذا سے حدیث ابوہریرہ اور حدیث ثوبان (جو حدیث ابوہریرہ سے پہلے مذکور ہے) دونوں کی طرف اشارہ ہے۔ صاحب غایۃ المقصود وغیرہ نے جو صرف حدیث ابوہریرہ کی طرف اشارہ مانا ہے یہ ان کی فہم کا قصور ہے۔

قول کا مقصد یہ ہے کہ یہ حدیث جو حضرت ثوبان اور حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے یہ ان احادیث مرفوعہ میں سے ہے جو اہل شام سے مروی ہیں۔ اس کے رواۃ میں سے کوئی راوی غیر شامی نہیں ہے چنانچہ حدیث ثوبان کے کل رواۃ شامی ہیں اس واسطے کہ محمد بن عیسیٰ (شیخ ابوداؤد) اصل کے لحاظ سے گو بغدادی ہیں لیکن بعد میں مقام اذنہ میں سکونت پذیر ہوگئے تھے جو ساحل شام میں طرسوس کے پاس ایک شہر ہے۔ اسی طرح حدیث ابوہریرہ کے تمام رواۃ شامی ہیں بجز حضرت ابوہریرہ کے۔

(۲۳) باب ما یجزئ من الماء فی الوضوء

(۱۳) حدثنا محمد بن کثیر قال حدثنا ھمام عن قتادۃ عن صفیۃ بنت شیبۃ عن عائشۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یغتسل بالصاع ویتوضأ بالمد قال ابوداؤد رواہ ابان عن قتادۃ قال سمعت صفیۃ

ترجمہ

محمد بن کثیر نے بطریق ہمام بسند قتادہ بواسطہ صفیہ بنت شیبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک صاع پانی سے غسل کرتے تھے اور ایک مد پانی سے وضوء۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ اسکو ابان نے بھی قتادہ سے روایت کیا ہے اس میں قتادہ نے کہا ہو کہ میں نے صفیہ کو سنا ہے۔ **تشریح**

قولہ باب الخ وضوء اور غسل کے لئے کتنی مقدار پانی کافی ہے؟ اس سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف روایتیں ہیں۔ حدیث باب میں حضرت عائشہ اور اس سے اگلی روایت میں حضرت سے مختلف روایتیں ہیں۔ حدیث باب میں حضرت عائشہ اور اس سے اگلی روایت میں حضرت جابر بتلاتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک صاع پانی سے پانچ صاع تک غسل فرماتے تھے اور وضوء میں

ایک مُد پانی استعمال کرتے تھے مطلب یہ ہے کہ آپ اکثر ایک صاع پانی سے غسل کرتے تھے لیکن کبھی پانچ مد پانی سے بھی غسل فرمایا ہے اور وضو ایک مد سے کرتے تھے۔ اس سے کم کی روایت بھی ہے جیسا کہ ابوداؤد نے حضرت ام عمارہ سے دو تہائی مد کی تصریح کی ہے بلکہ نصف مد کی روایت بھی ہے۔ مگر اس کی اسناد میں صلت بن دینار ہے جو متروک ہے۔ امام محمد نے احادیث کی رعایت کرتے ہوئے کہا ہے کہ ایک صاع سے غسل اور ایک مُد سے وضو مستحب ہے۔ لیکن دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ ان روایات میں قدر کفی کا تذکرہ ہے کیونکہ اکثر اتنی مقدار پانی کفایت کر جاتا ہے۔ کمی زیادتی کے معاملہ میں انسان مختار ہے اسراف سے بچتے ہوئے کم زیادہ پانی لیا جا سکتا ہے۔

قولہ کان یغتسل بالصاع الخ۔ اس میں تو سب کا اتفاق ہے کہ ایک صاع چار مد کا ہوتا ہے لیکن مد دو طرح کا ہوتا ہے ایک عراقی جس کی مقدار دو رطل ہوتی ہے، احناف اسی کو لیتے ہیں۔ دوسرا حجازی جو ایک اور تہائی رطل کا ہوتا ہے شوافع نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ پس احناف کے یہاں ایک صاع آٹھ رطل کا ہوا اور شوافع کے نزدیک پانچ رطل اور تہائی رطل کا۔ روایتیں دونوں کے پاس ہیں۔ نیز تحقیق سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ پیمائش میں تقریباً دونوں برابر ہیں۔

قولہ قال ابوداؤد الخ ۔ قتادہ بن دعامہ چونکہ مدلس ہے جس نے صفیہ سے حدیث مذکور بصیغہ عن روایت کی ہے اور مدلس راوی کا عنعنہ غیر معتبر ہے تاوقتیکہ اس کا سماع ثابت نہ ہو اس لئے صاحب کتاب نے ابان بن یزید کی روایت کا حوالہ دے کر اس کی تصریح کر دی کہ قتادہ نے خود کہا ہے کہ میں نے یہ حدیث صفیہ سے سنی ہے جس سے یہ ثابت ہو گیا کہ قتادہ کا صفیہ سے بصیغہ عن روایت کرنا معتبر ہے اور سماع پر محمول ہے۔

(۲۳) حدثنا محمد بن الصبّاح البزاز قال حدثنا شريك عن عبد الله بن عيسى عن عبد الله بن جبرٍ عن انس قال كان النبي صلى الله عليه وسلم يتوضأ باناءٍ يسع رطلين ويغتسل بالصاع. قال ابوداود رواه شعبة قال حدثني عبد الله بن عبد الله بن جبرٍ قال سمعت انسًا الّا انه قال يتوضأ بمكّوك ولم يذكر رطلين. قال ابوداود ورواه يحيى بن آدم عن شريك قال عن ابن جبرٍ بن عتيك قال ابوداود ورواه سفيان عن عبد الله بن عيسى قال حدثني جبر بن عبد الله. قال ابوداود سمعت احمد بن حنبل يقول الصاع خمسة ارطال. قال ابوداود وهو صاع ابن ابي ذئب وهو صاع النبي صلى الله عليه وسلم

ترجمہ

محمد بن صباح بزاز نے بطریق شریک بسند عبد اللہ بن عیسیٰ بواسطہ عبد اللہ بن جبر حضرت انس سے روایت

عــه وقد قال النووی وذكر جماعة من اصحابنا وغيرهم ان الصاع ثمانية ارطال والمد رطلان ۱۲

کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسے برتن سے وضوء فرماتے تھے جس میں دو رطل پانی آتا تھا اور غسل ایک صاع سے کرتے تھے۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ اس حدیث کو شعبہ نے روایت کرتے ہوئے کہا ہے کہ مجھ سے عبداللہ بن عبداللہ بن جبر نے بیان کیا ہے کہ میں نے حضرت انس سے سنا ہے مگر انھوں نے یہ کہا ہے کہ آپ ایک مکوک سے وضوء فرماتے تھے رطلین کو ذکر نہیں کیا۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ اس حدیث کو روایت کرتے ہوئے یحییٰ بن آدم نے کہا ہے عن شریک عن ابن جبر بن عتیک، ابوداؤد کہتے ہیں کہ یہی حدیث سفیان نے عبداللہ بن عیسیٰ سے روایت کی ہے جس میں یوں ہے حدثنی جبر بن عبداللہ۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ میں نے احمد بن حنبل کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ صاع پانچ رطل کا ہوتا ہے۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ یہ ابن ابی ذئب کا صاع ہے اور یہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صاع ہے

تشریح

قولہ یسع رطلین الخ۔ حضرت انس کی اس روایت میں دو رطل کی تصریح ہے جو اہل عراق کے قول پر ایک مد کی مقدار ہے اور اسی باب میں حضرت جابر اور حضرت عائشہ کی حدیث گذر چکی جن میں ایک مد مذکور ہے۔ پس تینوں روایتیں بیان مقدار میں موافق ہیں۔

قولہ قال ابوداؤد ورواہ شعبہ الخ (۳۰) روایت شعبہ اور روایت عبداللہ بن عیسیٰ میں تین اختلاف ہیں۔ اول یہ کہ عبداللہ بن عیسیٰ کی روایت معنعن ہے اور شعبہ کی روایت میں تحدیث وسماع ہے۔ دوم یہ کہ اس کی روایت میں عبداللہ بن جبر اپنے دادا جبر کی طرف منسوب ہے اور روایت شعبہ میں اپنے والد کی طرف فانہ قال حدثنی عبداللہ بن عبداللہ بن جبر۔ سوم یہ کہ اس کی روایت میں رطلین کا ذکر ہے اور شعبہ کی روایت میں رطلین کے بجائے مکوک ہے۔ روایت شعبہ کو ذکر کرنے سے صاحب کتاب کا مقصد انہی اختلافات کو بیان کرنا ہے۔

قولہ یتوضأ بمکوک الخ۔ مکوک بفتح میم وضم کاف مع تشدید مثل تنور (جمع مکاکیک) ڈیڑھ صاع کا ایک پیمانہ ہے لیکن یہاں بقول علامہ نووی وبغوی وابن اثیر اس سے مراد مد ہی ہے کیونکہ دیگر روایات میں مد کی تصریح ہے۔ قال القرطبی الصحیح ان المراد بہ ہہنا المد بدلیل الروایۃ الاخری وقال الشیخ ولی الدین العراقی فی صحیح ابن حبان فی آخر الحدیث قال ابو خیثمہ المکوک المد۔

قولہ قال ابوداؤد ورواہ یحییٰ الخ (۳۱) اس کا مقصد یہ ہے کہ یحییٰ بن آدم کی روایت پہلی دونوں روایتوں کے خلاف ہے کیونکہ اس میں ایک تو عبداللہ بن عیسیٰ راوی متروک ہے دوسرے یہ کہ اس میں عن عبداللہ بن جبر کے بجائے عن ابن جبر بن عتیک ہے۔

قولہ قال ابوداؤد ورواہ سفیان الخ (۳۲) اس کا مقصد یہ ہے کہ سفیان کی روایت سابقہ تینوں روایتوں کے خلاف ہے کیونکہ اس میں عبداللہ بن جبر کے بجائے جبر بن عبداللہ ہے فہذا من مقلوب الاسماء۔

(تنبیہ) عبداللہ بن جبر کے نسب میں رواۃ نے اختلاف کیا ہے چنانچہ ابوداؤد نے بروایۃ محمد بن الصباح، عبداللہ بن جبر ذکر کیا ہے اور بروایت شعبہ، عبداللہ بن عبداللہ بن جبر اور مسلم میں بھی شعبہ کی روایت اسی طرح ہے لیکن نسائی میں عبداللہ بن جبر ہے، اور بروایت یحییٰ بن آدم ابن جبر بن عتیک ہے

مگر یہ صرف تعبیری اختلاف ہے حقیقی اختلاف نہیں کیونکہ یہ راوی عبداللہ بن عبداللہ بن جبر بن عتیک ہے اب بعض نے اسکو والد کی طرف منسوب کرتے ہوئے عبداللہ بن عبداللہ بن جبر کہا ہے اور بعض نے دادا کی طرف منسوب کر کے عبداللہ بن جبر اور بعض نے نام ذکر کئے بغیر صرف دادا کی طرف نسبت کر کے ابن جبر بن عتیک کہا ہے۔

البتہ اس کے دادا کے نام میں اختلاف ہے کہ اس کا نام جبر ہے یا جابر؟ سو مسعر، ابو العمیس، شعبہ اور عبداللہ بن عیسیٰ نے جبر روایت کیا ہے اور مالک نے جابر۔ ابن تجریہ نے تاریخ بخاری سے ان کا کلام نقل کرتے ہوئے کہا ہے۔ "والصحیح جبر انما ہو جابر بن عتیک" لیکن دوسرے حضرات کی رائے یہ ہے کہ جبر اور جابر دونوں طرح منقول ہے۔

قولہ قال ابوداؤد وسمعت الخ (۳۴۳) اہل حجاز کے یہاں صاع پانچ رطل اور تہائی رطل کا ہوتا ہے لیکن امام احمد نے کسر کو شمار نہیں کیا اس لئے صرف پانچ رطل فرمایا۔ یا بقول حسن علی لکھنوی لفظ ثلث عبارت سے ساقط ہو گیا جس کی دلیل صاحب کتاب کا قول "وہو صاع ابن ابی ذئب" ہے۔ کیونکہ صاع ابن ابی ذئب پانچ رطل اور تہائی رطل ہے۔ چنانچہ صاحب کتاب نے باب مقدار الماء الذی یجزی بہ الغسل کے تحت احمد بن حنبل سے نقل کیا ہے۔ "انہ قال صاع ابن ابی ذئب خمسۃ ارطال وثلث"۔

قولہ قال ابوداؤد وہو صاع الخ (۳۴۴) ہو ضمیر کا مرجع صاع ابن ابی ذئب ہے۔ اور ابن ابی ذئب متعین طور پر معلوم نہیں کہ کون ہے۔ اگر یہ ابو الحرث محمد بن عبدالرحمٰن بن المغیرہ بن الحارث بن ابی ذئب ہیں تو ان کی طرف نسبت صاع کی وجہ غالباً یہ ہے کہ ان کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صاع کی مانند ایک صاع تھا۔ لوگوں نے اسی کے مطابق دوسرے صاع بنوائے۔ اس لئے صاع ابن ابی ذئب مشہور ہو گیا۔

صاحب کتاب نے امام احمد کا یہ قول باب فی مقدار الماء الذی یجزی بہ الغسل کے ذیل میں بھی نقل کیا ہے شیخ نے بذل میں ابن ابی ذئب کے تعارف کے بعد لکھا ہے۔ "ان استاذ احمد بن حنبل نسب الصاع الیہ لانہ شیخہ فلیتأمل"۔

۱۱۸

عنہ ادیرجع الی الصاع الذی ہو خمسۃ ارطال وثلث وکونہما واحد وہذا مبنی علی ظن المؤلف تبعا لاہل الحجاز واما عند اہل العراق فصاع النبی صلعم کان اربعۃ امداد وثمانیۃ ارطال لان المد عندہم رطلان (بذل) وقال الکرمانی فی شرح البخاری کان الصاع فی عہدہ مدا وثلثا بمدکم ہذا کان صاعہ اربعۃ امداد والمد رطل عراقی وثلث رطل فزاد عمر بن عبدالعزیز فی المد بحیث صار الصاع مدا وثلث مد من مد عمر۔ وقال الحافظ فی الفتح الصاع کما قال الرافعی وغیرہ مائۃ وثلثون درہما ورجح النووی انہ مائۃ وثمانیۃ وعشرون درہما واربعۃ اسباع درہم وقد بین الشیخ الموفق سبب الخلاف فی ذلک فقال انہ کان فی الاصل مائۃ وثمانیۃ وعشرین واربعۃ اسباع ثم زادوا فیہ لارادۃ جبر الکسر فصار مائۃ وثلثین ۱۲ عون

(۴۳) باب صفۃ وضوء النبی صلی اللہ علیہ وسلم

(۳۳) حدثنا محمد بن داود الاسکندرانی قال ثنا زیاد بن یونس قال حدثنی سعید بن زیاد المؤذن عن عثمان بن عبد الرحمن التیمی قال سئل ابن ابی ملیکۃ عن الوضوء فقال رأیت عثمان بن عفان سئل عن الوضوء فدعا بماء فاتی بمیضاۃ فاصغاھا علی یدہ الیمنی ثم ادخلھا فی الماء فتمضمض ثلثا واستنثر ثلثا وغسل وجھہ ثلثا ثم غسل یدہ الیمنی ثلثا وغسل یدہ الیسری ثلثا ثم ادخل یدہ فاخذ ماء فمسح برأسہ واذنیہ فغسل بطونھما وظھورھما مرۃ واحدۃ ثم غسل رجلیہ ثم قال این السائلون عن الوضوء ھکذا رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یتوضأ، قال ابو داود احادیث عثمان الصحاح کلھا تدل علی مسح الراس انہ مرۃ فانھم ذکروا الوضوء ثلثا وقالوا فیھا ومسح رأسہ ولم یذکروا عددا کما ذکروا فی غیرہ

حل لغات

۱۱۹

میضاۃ بکسر میم وسکون یاء وفتح ضاد وبالمد مقصورۃ وبالمد مفعالۃ کذا فی مجمع البحار) وضوء کا برتن جس میں بقدر وضوء پانی آسکے۔ فاصغاھا ای امالھا۔ استنثر ناک میں پانی ڈال کر جھاڑنا۔ اذن کان۔ بطون جمع بطن، اندرونی حصہ۔

ترجمہ۔ محمد بن داؤد اسکندرانی نے بطریق زیاد بن یونس بسند سعید بن زیاد مؤذن عثمان بن عبدالرحمن تیمی سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ابن ابی ملیکہ سے وضوء کے متعلق سوال ہوا انھوں نے کہا کہ میں نے حضرت عثمان بن عفان کو دیکھا ہے کہ ان سے کسی نے وضوء کی بابت دریافت کیا تو آپ نے پانی منگوایا چنانچہ ایک لوٹا لایا گیا پس آپ نے اس کو اپنے داہنے ہاتھ پر جھکایا پھر داہنا ہاتھ ڈال کر پانی لیا اور تین بار کلی کی اور تین بار ناک میں پانی ڈالا تین بار چہرہ دھویا۔ تین بار داہنا اور تین بار بایاں ہاتھ دھویا پھر ہاتھ ڈال کر پانی لیا اور اپنے سر اور کانوں کا اندر اور باہر ایک بار مسح کیا اس کے بعد دونوں پاؤں دھوئے اور فرمایا کہاں ہیں وضوء کی بابت پوچھنے والے؟ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح وضوء کرتے دیکھا ہے۔

ابو داؤد کہتے ہیں کہ حضرت عثمان کی تمام احادیث صحیحہ اس پر دال ہیں کہ سر کا مسح ایک بار ہے کیونکہ آپ سے روایت کرنے والوں نے ہر عضو کو تین مرتبہ دھونا ذکر کیا ہے اور مسح راس میں کوئی عدد ذکر نہیں کیا جیسے اور ارکان میں ذکر کیا ہے۔ **تشریح**

قولہ فمسح برأسہ الخ۔ ہمارے یہاں پورے سر کا ایک مرتبہ مسح کرنا سنت ہے اور تثلیث مکروہ، رافعی اور ترمذی نے اکثر صحابہ اور اہل علم کا قول احناف کے مطابق ایک دفعہ سر کا مسح کرنا نقل کیا ہے

اور بقول ابن المنذر، عبد اللہ بن عمرو، طلحہ بن مصرف، حماد، نخعی، مجاہد، سالم، حسن بصری، مالک، سفیان، احمد اور اسحاق کا قول بھی یہی ہے۔ اور خود ابن المنذر نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ ابو عبید کہتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں کہ سلف میں بجز ابراہیم تیمی کے کسی نے تین بار سر کا مسح مستحب سمجھا ہو۔ مگر یہ دعویٰ صحیح نہیں کیونکہ امام شافعی تثلیث کی سنیت کے قائل ہیں نیز ابن المنذر اور ابن ابی شیبہ نے حضرت انس بن مالک، سعید بن جبیر، عطاء، زاذان، اور میسرہ سے تین بار کی روایت نقل کی ہے۔ محمد بن سیرین ربیع بنت معوذ کی روایت کے بموجب دو بار مسح کو فرماتے ہیں۔ عبد اللہ بن زید سے بھی یہی مروی ہے امام شافعی امام مسلم کی روایت ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم توضأ ثلثاً ثلثاً۔ سے استدلال کرتے ہیں۔ نیز ابو داؤد نے بطریق عبد الرحمن بن وردان حضرت عثمان سے جو حدیث (اس حدیث سے قبل) روایت کی ہے اس میں بھی مسح راسہ ثلثاً ہے۔ اسی طرح مصنف نے زیر بحث حدیث کے بعد عامر بن شقیق سے تثلیث روایت کی ہے۔ حضرت علی سے بھی مسح بالراس ثلثاً مروی ہے۔ امام شافعی کی دوسری دلیل قیاس ہے کہ جس طرح تین نئے پانیوں سے اعضاء وضوء کو دھونا مستحب ہے۔ اسی طرح تین مرتبہ نئے پانیوں سے سر کا مسح بھی مستحب ہوگا۔ کیونکہ وضوء کے سب ہی ارکان برابر ہیں۔

علماء احناف وغیرہ کی طرف سے جواب یہ ہے کہ گو احادیث میں تثلیث بھی مروی ہے لیکن بقول علماء احادیث تثلیث درجہ اعتبار کو نہیں پہنچتیں۔ یہاں تک کہ ان سے حجت قائم ہو سکے برخلاف ایک مرتبہ والی احادیث کے کہ وہ اکثر واصح اور اثبت ہیں۔ چنانچہ حضرت عثمان، علی، سلمہ بن الاکوع، ابن ابی اوفی، انس، عبد اللہ بن زید، ابن عباس اور حضرت عائشہ وغیرہ سے جو احادیث صحاح ستہ سنن اربعہ وغیرہ کتب حدیث میں مروی ہیں ان سب سے ایک ہی مرتبہ سر کا مسح کرنا متعین ہو گیا ہے بلکہ اکثر روایات میں مرۃ واحدۃ وغیرہ تحدیدی الفاظ بھی مصرح ہیں چنانچہ حضرت علی کی حدیث میں ہے ومسح براسہ مرۃ واحدۃ (سنن اربعہ) حضرت ابن عباس کی حدیث میں ہے۔ ومسح براسہ واذنیہ مرۃ واحدۃ (ابوداؤد) یہی الفاظ حضرت عثمان کی حدیث میں ہیں (دارقطنی، ابن ماجہ)

دارقطنی میں حضرت علی سے روایت ہے جس کو زائدہ بن قدامہ، سفیان ثوری، شعبہ، ابو عوانہ، شریک، ابو الاشہب جعفر بن الحارث، ہارون بن سعد، جعفر بن محمد، حجاج بن ارطاۃ، ابان بن تغلب، علی بن صالح، حازم بن ابراہیم، حسن بن صالح اور جعفر بن الاحمر تمام حفاظ نے بالفاظ مسح راسہ مرۃ روایت کیا ہے۔ ابن ابی شیبہ میں حضرت علی سے اس بارے میں مصرح الفاظ ہیں فان فیہ۔ کان یتوضأ ثلاثا ثلاثا الا المسح فانہ مرۃ مرۃ۔ اس میں لفظ کان ہے جو مقتضی دوام ہوتا ہے۔

نیز ابو داؤد خود تصریح کر رہے ہیں کہ حضرت عثمان کی تمام احادیث صحاح ایک ہی مرتبہ مسح کرنے پر دلالت کرتی ہیں کیونکہ حضرت عثمان سے روایت کرنے والے حمران اور ابو علقمہ وغیرہ تمام راویوں نے اعضاء وضوء کو تین تین بار دھونا روایت کیا ہے اور مسح راس کو بھی ذکر کیا ہے مگر اس کا کوئی عدد بیان نہیں کیا بیہقی کہتے ہیں کہ حضرت عثمان سے چند گزور راوی سر کے مسح کو تین بار ذکر کرتے ہیں جو حفاظ اور ثقہ راویوں کے مقابلہ میں اہل علم کے نزدیک کچھ وقعت نہیں رکھتے۔ عامر بن شقیق کی روایت کے متعلق گفتگو آگے آ رہی ہے

رہا امام شافعی کا قیاس سو وہ اس لئے کچھ مضبوط نہیں کہ بنا ءِ مسح سہولت و آسانی پر ہے یعنی مسح میں تخفیف مطلوب ہوتی ہے اور یہ کوئی مسح راس کی خصوصیت نہیں بلکہ جہاں بھی مسح کا حکم آیا ہے تخفیف ہی کے پیش نظر آیا ہے اور غسل میں تخفیف کا سوال ہی نہیں ہوتا کیونکہ اس میں تو ایک طرح کی تنگی و دشواری ہے نیز بار بار دھونے میں مقصود نظافت کی زیادتی ہے اس لحاظ سے مسح کا تکرار بے کار ہوگا بلکہ بار بار بھیگا ہوا ہاتھ پھیرنے سے مسح غسل میں تبدیل ہو کر رہ جائے گا اور ظاہر ہے کہ سنت اکمال کے لئے ہوتی ہے نہ کہ اخلال کے لئے۔

بہرکیف مسح راس میں تعدد نہیں اور جن روایات سے تعدد معلوم ہوتا ہے وہ تعدد مسحات نہیں بلکہ تعدد حرکات ہے۔ مسح ایک ہی ہے اس کی حرکتیں دو ہیں اور انہیں دو حرکتوں سے تعدد سمجھ لیا گیا۔

(۳۵)

قولہ قال ابوداؤد احادیث الخ یعنی حضرت عثمان کی تمام احادیث صحاح اسی پر دال ہیں کہ سر کا مسح ایک ہی بار ہے۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ خود صاحب کتاب نے حضرت عثمان کی حدیث دو صحیح طریقوں سے روایت کی ہے۔ ایک بطریق عبدالرحمٰن بن وردان جو اس حدیث سے پہلے ہے اور ابن خزیمہ وغیرہ نے اس کی تصحیح کی ہے۔ دوسری بطریق عامر بن شقیق جو آگے آرہی ہے اور ان دونوں روایتوں میں مسح راسہ ثلثاً موجود ہے۔

جواب یہ ہے کہ صاحب کتاب کے قول "احادیث عثمان الصحاح کلہا الخ" میں کل سے مراد اکثر ہیں یا یہ کہ یہ دو طریق دیگر طرق سے معارض نہیں نہ از روئے عدد نہ از روئے صحت و قوۃ کیونکہ صحت کا اطلاق گو سب پر ہے لیکن پھر بھی کم اور زیادتی صحت کے لحاظ سے فرق ہے۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں یہ جواب دیا ہے کہ ابوداؤد کا یہ قول ارادۂ استثناء پر محمول ہے گویا کہ قال الا ہذین الطریقین۔ مگر یہ سب جوابات اس پر مبنی ہیں کہ عبدالرحمٰن بن وردان اور عامر بن شقیق کی روایت صحیح ہے جیسا کہ ابو حاتم نے عبدالرحمٰن کے متعلق کہا ہے لا باس، ابن معین کہتے ہیں صالح، ابن حبان نے بھی اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے لیکن حافظ نے تہذیب میں اور ذہبی نے میزان میں حافظ دارقطنی سے اس کے متعلق جو کلام نقل کیا ہے اس سے تو اس کی روایت حسن بھی نہیں رہتی چہ جائیکہ صحیح ہو تو اصل اعتراض ہی ختم ہو جاتا ہے۔

اسی طرح عامر بن شقیق کی روایت بھی غیر صحیح ہے کیونکہ شوکانی نے نیل الاوطار میں کہا ہے وعامر بن شقیق مختلف فیہ۔ پس بہتر جواب یہ ہے کہ صاحب کتاب کے نزدیک یہ دونوں راوی قوی نہیں، اس لئے قول مذکور بلا تاویل صحیح ہے۔

(۳۴) حدثنا ھٰرون بن عبد اللہ قال حدثنا یحیی بن آدم قال حدثنا اسرائیل عن عامر بن شقیق بن جمرۃ عن شقیق بن سلمۃ قال رأیتُ عثمان بن عفان غسلَ ذراعیہ ثلٰثًا ثلٰثًا ومسحَ راسہ ثلٰثًا ثم قال رأیتُ رسولَ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فعل ھذا، قال ابو داؤد رواہ وکیع عن اسرائیل قال توضّأ ثلٰثًا فقط

ترجمہ

ہارون بن عبداللہ نے بطریق یحییٰ بن آدم بسند اسرائیل بواسطہ عامر بن شقیق بن جمرہ شقیق بن سلمہ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمان کو دیکھا کہ آپ نے دونوں ہاتھ تین تین مرتبہ دھوئے اور تین مرتبہ سر کا مسح کیا۔ پھر فرمایا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا ہی کرتے دیکھا ہے۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ وکیع نے اسرائیل کے واسطہ سے اس روایت کو ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ انھوں نے تین مرتبہ دھویا اور بس:۔

تشریح

قولہ قال ابوداؤد الخ (۳۶) مقصد یہ ہے کہ حدیث مذکور کو اسرائیل بن یونس سے دو راویوں نے روایت کیا ہے ایک یحییٰ بن آدم نے اور ایک وکیع نے یحییٰ بن آدم کی روایت میں ہر عضو میں تثلیث مروی ہے حتی کہ سر کا مسح بھی تین بار ہے جو روایت وکیع کے خلاف ہے کیونکہ وکیع نے تین بار سر کا مسح کرنا روایت نہیں کیا اور یحییٰ بن آدم جب وکیع کے خلاف روایت کرے تو اس کی روایت قابل حجت نہیں ہوتی۔

علاوہ ازیں عامر بن شقیق کے متعلق ہم پہلے کہہ چکے کہ یہ مختلف فیہ ہے۔ ابن معین اور ابوحاتم وغیرہ نے اس کی تضعیف کی ہے اور ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔ بہرکیف یہ روایت دیگر روایات صحیحہ سے معارض نہیں ہوسکتی:۔

قولہ قط الخ بعض نسخوں میں اس کے بجائے فقط ہے۔ لفظ قط بفتح قاف وسکون طاء حسب کے معنی میں ہے یقال قطی وقطک وقط زید درہم کما یقال حسبی وحسبک وحسب زید درہم۔ فرق یہ ہے کہ لفظ قط دو حرفی کلمہ ہونے کی بنا پر مبنی ہے اور حسب معرب قالہ الامام ابن ہشام الانصاری:۔

(۳۷) حدثنا عبدالعزیز بن یحییٰ الحرانی قال حدثنا محمد یعنی ابن سلمۃ عن محمد بن اسحٰق عن محمد بن طلحۃ بن زید بن رکانۃ عن عبیداللہ الخولانی عن ابن عباس قال دخل علیّ علیٌّ یعنی ابن ابی طالب وقد اھراق الماء فدعا بوضوء فأتیناہ بتور فیہ ماء حتی وضعناہ بین یدیہ فقال یا ابن عباس ألا أریک کیف کان یتوضأ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قلت بلی فاصغی الاناء علی یدہ فغسلھا ثم ادخل یدہ الیمنی فافرغ بھا علی الاخری ثم غسل کفیہ ثم تمضمض واستنثر ثم ادخل یدیہ فی الاناء جمیعا فاخذ بھما حفنۃ من ماء فضرب بھا علی وجھہ ثم القم ابھامیہ ما اقبل من اذنیہ ثم الثانیۃ ثم الثالثۃ مثل ذلک ثم اخذ بکفہ الیمنی قبضۃ من ماء فصبھا علی ناصیتہ فترکھا تستن علی وجھہ ثم غسل ذراعیہ الی المرفقین ثلثا ثلثا ثم مسح راسہ وظھور اذنیہ ثم ادخل یدیہ جمیعا فاخذ حفنۃ من ماء فضرب بھا علی رجلہ وفیھا النعل ففتلھا بھا ثم الاخری مثل ذلک قال قلت

وفی النعلین قال وفی النعلین، قال قلت وفی النعلین قال وفی النعلین قال قلت وفی النعلین
قال وفی النعلین، قال ابوداؤد وحدیث ابن جریج عن شیبۃ یشبہ حدیث علی لانہ قال فیہ
حجاج بن محمد عن ابن جریج ومسح براسہ مرۃ واحدۃ وقال ابن وھب فیہ عن ابن جریج ومسح براسہ ثلثا

حل لغات

اہراق یہریق اہراقۃ۔ الماء بہانا، ڈالنا مراد پیشاب سے فارغ ہونا۔ وَضوء بفتح واؤ وضوء کا پانی، تَور بفتح تاء وسکون واؤ پیتل یا پتھر کا چھوٹا برتن۔ اَصغیٰ الاناء ای امالہ۔ افرغ۔ الماء بہانا، گرانا، حفنۃ بفتح حاء وسکون فاء جمع حفنات مثل سجدۃ وسجدات، لپ بھر، فضرب مارنا، مراد منہ پر پانی بہانا، القم ابہامیہ یعنی آپ نے انگوٹھوں کو کانوں کے سوراخ میں اس طرح کیا جیسے منہ میں لقمہ دکذا فی الاوسط) تقبضۃ مٹھی بھر، ناصیۃ پیشانی۔ تستن۔ الماء گرنا، بہنا دوفی روایۃ احمد ثم ارسلہا تسیل) نعل جوتا۔ نعلہا اے غسلہا کما فی نسخۃ۔

ترجمہ

عبدالعزیز بن یحییٰ حرانی نے بطریق محمد بن سلمہ بسند محمد بن اسحاق بواسطہ محمد بن طلحہ بن یزید بن رکانہ عن عبید اللہ خولانی حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ میرے پاس حضرت علی تشریف لائے جبکہ آپ پیشاب سے فارغ ہو چکے تھے۔ آپ نے وضوء کے لئے پانی مانگا چنانچہ ہم ایک برتن میں پانی لائے اور ان کے سامنے رکھ دیا۔ آپ نے کہا: ابن عباس! کیا میں تمہیں نہ دکھاؤں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح وضوء کرتے تھے میں نے کہا ضرور۔ تو آپ نے برتن جھکا کر ہاتھ پر پانی ڈالا اور اس کو دھویا پھر داہنا ہاتھ برتن میں ڈال کر پانی لیا اور بائیں ہاتھ پر ڈال کر دونوں پہنچوں کو دھویا، پھر کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا۔ اس کے بعد دونوں ہاتھ برتن میں ڈال کر چلو بھر پانی لیا اور اپنے منہ پر ڈالا۔ پھر دونوں انگوٹھوں کو کانوں کے اندر سامنے کے رخ پر پھیرا۔ اسی طرح تین مرتبہ کیا۔ پھر داہنے ہاتھ میں ایک چلو پانی لے کر پیشانی پر ڈالا اور اس کو بہتا ہوا چھوڑ دیا پھر دونوں ہاتھ کہنیوں تک تین بار دھوئے پھر سر پر اور کانوں کی پشت پر مسح کیا، پھر دونوں ہاتھ برتن میں ڈال کر ایک چلو پانی اپنے پاؤں پر مارا اور پاؤں میں جوتے پہنے ہوئے تھے میں نے کہا، جوتا پہنے پہنے؟ فرمایا: جوتا پہنے پہنے، میں نے کہا: جوتا پہنے پہنے؟ فرمایا: جوتا پہنے پہنے۔ میں نے کہا: جوتا پہنے پہنے؟ فرمایا، جوتا پہنے پہنے۔

ابوداؤد کہتے ہیں کہ شیبہ سے ابن جریج کی روایت حضرت علی کی حدیث سے مشابہ ہے جس میں حجاج نے ابن جریج سے نقل کیا ہے کہ آپ نے سر کا ایک بار مسح کیا اور ابن وہب نے ابن جریج سے تین بار مسح کرنا نقل کیا ہے۔

تشریح

قولہ وقد اہراق الخ۔ ہَراقَ الماءَ یُہَرِیقُ ہِراقۃً۔ گرانا۔ اس کی اصل اَرَاقَ یُرِیقُ اِرَاقَۃً ہے ہمزہ کو ہاء سے بدل دیا گیا اور ہَرَاقَ کی اصل یُہَرِیقُ (بروزن دَحْرَجَ) ہے اسی وجہ سے مضارع میں، یُہَرِیقُ کی ہاء کو فتحہ دیا جاتا ہے۔ جیسے یُدَحْرِجُ میں دال کو، صیغہ امر ہَرِقْ کی اصل ہَرْیِقْ (بروزن دَحْرِجْ) ہے۔ ثقالت کی وجہ سے یاء کے کسرہ کو نقل کرکے اجتماع ساکنین کی وجہ سے یاء کو حذف کر دیا گیا۔ اور کبھی ہاء اور ہمزہ دونوں کو جمع کر کے کہا جاتا ہے اَہْرَاقَ یُہْرِیقُ اِہْرَاقَۃً (بسکون ہاء)، گویا ہمزہ یاء کی

حکت کے عوض میں بڑھا دیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس زیادتی سے فعل خماسی نہیں ہوتا۔ اسم فاعل مُہَرِیق اور اسم مفعول مُہَرَاق و مُہْرَاق آتا ہے (قاموس)

صاحب مجمع البحار کہتے ہیں اہراق الماء فراغ عن البول سے کنایہ ہے تو اس سے فعل بول پر اہراق ماء کا اطلاق ثابت ہوا۔ حافظ طبرانی نے معجم کبیر میں جو حضرت واثلہ بن الاسقع سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد روایت کیا ہے "لا یقولن احدکم اہرقت الماء ولکن لیقل ابول" اس کی اسناد میں عنبسہ بن عبدالرحمٰن بن عنبسہ ہے جس کے ضعف پر محدثین کا اجماع ہے۔

بعض حضرات نے کہا ہے کہ اس سے مراد پیشاب کے بعد پانی سے استنجا کرنا ہے مگر یہ غلط ہے کیونکہ امام احمد نے مسند میں اس روایت کی تخریج کی ہے اور یہاں ان کے الفاظ یہ ہیں "وقد بال" معلوم ہوا کہ استنجاء بالماء مراد نہیں بلکہ پیشاب کرنا مراد ہے:۔

قولہ نضرب بہا علی وجہہ الخ۔ ظاہر حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پانی منہ پر زور سے مارنا چاہیئے مسند احمد و صحیح ابن حبان کی روایت کے الفاظ "فصک اھ" سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے۔ بلکہ ابن حبان نے تو اس پر "استحباب صک الوجہ بالماء" باب باندھا ہے حالانکہ یہ احناف و شوافع سب کے نزدیک مکروہ ہے اور اس کی تصریح موجود ہے کہ مستحبات وضوء میں سے ایک یہ بھی ہے کہ پانی منہ پر زور سے نہ مارے۔ چنانچہ شیخ عراقی نے اپنی شرح میں اور خطیب شربینی نے اقناع میں یہی نقل کیا ہے۔

علامہ شوکانی نے نیل میں اس کا یہ جواب دیا ہے کہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ منذری نے کہا ہے فی ہذا الحدیث مقال ترمذی کہتے ہیں کہ میں نے اس کے متعلق امام بخاری سے دریافت کیا انہوں نے اس کو ضعیف بتایا اور کہا: ما ادری ما ہذا۔ حافظ بزار کہتے ہیں لا نعلم احدا روی ہذا الا من حدیث عبید اللہ الخولانی اھ مگر وجہ ضعف سمجھ میں نہیں آتی اس لئے کہ اس کے تمام رواۃ ثقہ ہیں زیادہ سے زیادہ ابن اسحاق کی تدلیس کا احتمال ہے لیکن وہ بھی امام احمد کی روایت سے ختم ہو جاتا ہے کیونکہ انہوں نے تحدیث کی تصریح کی ہے اور بزار کے قول سے زیادہ سے زیادہ عبید اللہ خولانی اور محمد بن طلحہ کا منفرد ہونا ظاہر ہوتا ہے جس سے بہت ہوگا تو روایت کا غریب ہونا ثابت ہو جائے گا لیکن یہ کہ اس کی وجہ سے روایت ضعیف ہو جائے ایسا نہیں ہے۔

اس لئے بہتر جواب شیخ ولی الدین عراقی کا ہے کہ ضرب سے مراد صرف پانی بہانا اور ڈالنا ہے نہ کہ لطم یعنی زور سے مارنا اور قرینہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وضوء کی حکایت کرنے والوں میں سے کسی نے بھی اس کو ذکر نہیں کیا۔ نیز بااوقات ضرب بمعنی کر اعمال مراد ہوتا ہے جیسا کہ اسی حدیث میں ہے۔ "نضرب بہ علی رجلہ الیمنی" اور دوسری حدیث میں ہے۔ "لیضرب الملائکۃ باجنحتہا" اھ۔

قولہ ثم التقم ابہامیہ الخ۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کانوں کے اندرونی حصہ کا مسح چہرہ کے ساتھ اور ظاہری حصہ کا مسح سر کے ساتھ ہونا چاہیئے۔ جیسا کہ امام ترمذی نے اسحاق سے ان کا قول نقل کیا ہے "اختار ان یمسح مقدمہما مع الوجہ و مؤخرہما مع راسہ"۔ شوکانی نے نیل الاوطار میں کہا ہے کہ حدیث اس پر دال ہے

کہ کانوں کا سامنے والا حصہ چہرے کے ساتھ دھویا جائے اور پچھلے حصہ کا مسح سر کے ساتھ کیا جائے جیسا کہ حسن بن صالح اور شعبیؒ کا مذہب ہے وفیہ ان القائم الا بہامین فی صماخ الاذنین لا یقتضی الغسل بل یدل علی المسح۔

امام مالک فرماتے ہیں کہ کان اور ڈاڑھی کا درمیانی حصہ چہرہ سے متعلق نہیں ہے اس کی بابت حافظ ابن عبد البر کہتے ہیں لا اعلم احدا من علماء الامصار قال بقول مالک۔ جمہور اہل علم کا مسلک یہ ہے کہ کان سر سے متعلق ہیں لہٰذا ان کے ظاہر و باطن کا مسح سر ہی کے ساتھ ہوگا۔

قولہ فصبھا علی ناصیتہ الخ۔ علامہ نووی فرماتے ہیں کہ یہ الفاظ باعث اشکال ہیں کیونکہ ان سے یہ بتایا جا رہا ہے کہ تین بار چہرہ دھونے کے بعد اور دونوں ہاتھ دھونے سے قبل ایک چلو پانی پیشانی پر اور ڈالا گیا جس کا مطلب یہ ہوا کہ چہرہ کو چار مرتبہ دھویا گیا۔ حالانکہ یہ اجماع مسلمین کے خلاف ہے اس لئے یوں تاویل کی جائے گی کہ ممکن ہے چہرہ کے بالائی حصہ پر تھوڑی سی جگہ خشک رہ گئی ہو اس لئے آپ نے مزید ایک چلو پانی سے اس کو تر کیا ہو۔ قال الشیخ ولی الدین العراقی الظاہر انہ انما صب الماء علی جزء من الراس وقصد بذلک تحقق استیعاب الوجہ۔

قولہ قال قلت الخ۔ ضمیر مرفوع حضرت عبداللہ بن عباس کی طرف راجع ہے یا عبید اللہ خولانی کی طرف؟ امام شعرانی نے کشف الغمہ عن جمیع الامہ میں کہا ہے کہ ضمیر حضرت ابن عباس کی طرف راجع ہے اور از راہ تعجب آپ ہی نے حضرت علی سے سوال کیا۔

مگر اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ حضرت ابن عباس نے تو خود ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ انہ غسل رجلیہ وفیہا النعل" جیسا کہ باب الوضوء مرتین" کے ذیل میں صاحب کتاب نے اس کی تخریج کی ہے۔ پھر حضرت ابن عباس کے تعجب کے کیا معنی؟ جواب یہ ہے کہ ممکن ہے اس وقت آپ کو اس کا خیال نہ رہا ہو۔ اور اگر فاعل عبید اللہ خولانی ہوں تو یہ اشکال تو نہیں رہتا۔ لیکن ظاہر سیاق حدیث کے خلاف ہے۔

اس عبارت سے صاحب کتاب کا مقصد یہ ہے کہ ابن جریج سے روایت کرنے والوں میں اختلاف ہے حجاج بن محمد نے اس سرکار کا ایک تہہ مسح کرنا روایت کیا ہے۔	(۴۷) قولہ قال ابوداؤد الخ

عہ اخرجہ النسائی قال اخبرنا ابراہیم بن الحسن المقسمی قال حدثنا حجاج قال قال ابن جریج حدثنی شیبان محمد بن علی اخبرہ قال اخبرنی ابی علی ان الحسین بن علی قال دعانی ابی علی بوضوء فقربتہ له فغسل کفیہ ثلث مرات قبل ان یدخلہما فی وضوئہ ثم مضمض ثلثا واستنثر ثلثا ثم غسل وجہہ ثلث مرات ثم غسل یدہ الیمنی الی المرفق ثلاثا ثم الیسری کذلک ثم مسح براسہ مسحۃ واحدۃ ثم غسل رجلہ الیمنی الی الکعبین ثلاثا ثم الیسری کذلک ثم قام قائما فقال ناولنی فناولتہ الاناء الذی فیہ فضل وضوئہ فشرب من فضل وضوئہ قائما فعجبت فلما رآنی قال لا تعجب فانی رأیت اباک النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصنع مثل ما رأیتنی صنعت ۱۲ عون

اور ابن وہبؒ نے تین مرتبہ ۔ لیکن حجاج بن محمد کی حدیث قوی ہے کیونکہ وہ حضرت علیؓ کی حدیث کے موافق ہے جو اس سے پہلے گذر چکی ۔ اس میں بعض رواۃ نے تو ایک مرتبہ مسح کرنے کی تصریح کی ہے اور بعض نے صرف مسح کو ذکر کیا ہے عدد ذکر نہیں کیا ۔ بخلاف ابن وہب کے کہ اس نے تین مرتبہ مسح کرنا روایت کیا ہے تو اس کی روایت صحیح روایات کے مقابلہ میں ساقط بھی جائے گی ۔ پھر محدثین نے اس کی بھی تصریح کی ہے کہ ابن وہب مدلس ہے اور محمد بن علی سے معنعن روایت کرتا ہے اس لئے بھی اس کی روایت کا کوئی خاص مقام نہیں ہے :-

قولہ وقال ابن وہب الخ ضمیر مجرور کا مرجع یا تو حدیث علی ہے یا مسح راس ۔ صاحب غایۃ المقصود وصاحب عون المعبود نے جو حدیث شیبہ کی طرف لوٹائی ہے یہ بعید ہے کیونکہ ابن جریج سے ابن وہب کی حدیث میں شیبہ بن نصاح کا واسطہ ہی نہیں لان ابن جریج یروی عن محمد بن علی بلا واسطۃ شیبۃ بن نصاح کما فی السنن الکبریٰ للبیہقی [۱] ۔

(۱۲۶) حدثنا مسدد قال حدثنا بشر بن المفضل قال ثنا عبد اللہ بن محمد بن عقیل عن الربیع بنت معوذ بن عفراء قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یاتینا فحدثتنا انہ قال اسکبی لی وضوءً فذکرت وضوء النبی صلی اللہ علیہ وسلم قالت فیہ فغسل کفیہ ثلثا ووضّأ وجہہ ثلثا ومضمض واستنشق مرۃً ووضّأ یدیہ ثلثا ثلثا ومسح براسہ مرتین یبدأ بمؤخر راسہ ثم بمقدمہ وباذنیہ کلتیہما ظہورہما وبطونہما ووضّأ رجلیہ ثلثا ثلثا ۔ قال ابو داؤد وہذا معنی حدیث مسدد

ترجمہ

مسدد نے بطریق بشر بن المفضل بسند عبد اللہ بن محمد بن عقیل حضرت ربیع بنت معوذ بن عفراء سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لاتے تھے ایک بار آپ نے فرمایا وضو کیلئے پانی لاؤ ۔ ربیع نے آپ کے وضوء کا طریقہ بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ آپ نے تین بار پہنچے دھوئے اور تین بار منہ دھویا اور تین بار کلی کی اور ایک بار ناک میں پانی ڈالا اور دونوں ہاتھ تین تین بار دھوئے اور دو بار سر کا مسح کیا اس طرح کہ پہلے پیچھے سے شروع کیا پھر آگے سے پھر دونوں کانوں کا مسح کیا اندر اور باہر اور تین بار دونوں پاؤں دھوئے ۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ مسدد کی روایت کے یہی معنی ہیں :- **تشریح**

---

[۱] اخرجہ البیہقی فی السنن الکبریٰ فقال والحسن یاروی عن علی فیہ اخبرنا ابو الحسن علی بن احمد بن عبدان انا احمد بن عبید الصفار ثنا عباس بن الفضل ثنا ابراہیم بن المنذر ثنا ابن وہب عن ابن جریج عن محمد بن علی بن حسین عن ابیہ عن جدہ عن علی انہ توضأ فغسل وجہہ ثلثا ویدیہ ثلثا ومسح براسہ ثلثا وغسل رجلیہ ثلثا وقال ہکذا رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یتوضأ ۱۲ بذل

قولہ یبدأ بمؤخرہ الخ۔ ترتیب کا بیان ہے جس سے یہ بتانا ہے کہ مسح تو پورے سر کا ایک ہی مرتبہ ہوا، مگر استیعاب کا حصول اس طرح ہوا کہ ایک ہی دفعہ لئے ہوئے پانی سے دو حرکتیں ہوئیں۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ بعینہ مسح ہی دو مرتبہ ہوا۔ پھر اس روایت میں مسح کی کیفیت اس طرح مذکور ہے کہ پہلے پیچھے کی جانب سے شروع کر کے آگے کی طرف کو ہوا اس کے بعد آگے سے پیچھے کی طرف اور یہ کبار صحابہ کی روایات کے خلاف ہے کیونکہ کبار صحابہ نے اس کے برعکس روایت کیا ہے تو یہ کہا جائے گا کہ آپ کا یہ عمل بیان جواز کے لئے تھا۔ او یقال ان المعنی یبدأ بما مرادالیہ ای الی مؤخر راسہ ثم یعود الی مقدمہ :-

قولہ قال ابوداؤد الخ (۳۸) | یعنی مجھے مسدد کی حدیث کے بعینہ الفاظ محفوظ نہیں اس لئے میں نے روایت بالمعنی کی ہے :-

(۱۳۷) حدثنا محمد بن عیسی ومُسَدَّد قالا حدثنا عبد الوارث عن لیث عن طلحۃ بن مُصَرِّف عن ابیہ عن جَدِّہٖ قالَ رأیتُ رسولَ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یَمْسَحُ رأسَہٗ مرّۃً واحدۃً حتی بلغَ القَذَالَ وھو اوّلُ القفا وقال مُسَدَّد ومَسَحَ رأسَہٗ من مقدمہ الی مؤخّرہ حتی اَخْرَجَ یدَیْہِ من تحت اُذُنَیْہِ ، قالَ ابوداؤد قال مُسَدَّد فحدّثتُ بہ یحیی فانکرہ ، قالَ ابوداؤد وسمعتُ احمدَ یقول اِنّ ابن عُیَیْنَۃَ زعَمُوا انہ کان ینکرہ ویقول ایشٍ[1] ھذا طلحۃ عن ابیہ عن جَدِّہٖ ۔

ترجمہ

محمد بن عیسیٰ اور مسدد نے بطریق عبد الوارث بسند لیث بواسطہ طلحہ بن مصرف عن ابیہ عن جدہ روایت کیا ہے۔ طلحہ کے دادا عمرو بن کعب (یا کعب بن عمرو) کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ ایک بار سر کا مسح کرتے تھے یہاں تک کہ گردن کے سرے تک پہنچ جاتے تھے۔

مسدد کی روایت میں یوں ہے کہ آپ نے سر کا مسح کیا آگے سے پیچھے تک، یہاں تک کہ نکالا آپ نے دونوں ہاتھوں کو کانوں کے نیچے سے۔ مسدد نے کہا ہے کہ میں نے یہ حدیث یحییٰ سے بیان کی انھوں نے اس کو منکر کہا۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد سے سُنا وہ کہتے تھے کہ علماء کا خیال ہے کہ ابن عیینہ اس حدیث سے انکار کرتے تھے اور کہتے تھے کیا چیز ہے یہ طلحہ عن ابیہ عن جدہ :- تشریح

قولہ حتی بلغ القذال الخ۔ علامہ ابن تیمیہ حنبلی کے جد امجد شیخ الاسلام مجد الدین عبد السلام بن عبد اللہ حرانی نے کتاب المنتقی میں اس حدیث سے مسح رقبہ پر استدلال کیا ہے۔ مسح رقبہ کے سلسلہ میں تین قول ہیں (۱) جمہور شافعیہ و مالکیہ نے اس کو بدعت کہا ہے۔ مگر یہ بات بیجا ہے کیونکہ احادیث سے اس کا ثبوت ہے گو احادیث ضعیف ہیں (۲) فقیہ ابوجعفر محمد بن عبد اللہ ہندوانی، ابوبکر اعمش اور دیگر علماء نے

[1] فی المصباح وفی ای شیٔ خففت الیاء وحذفت الہمزۃ تخفیفا وجعلا کلمۃ واحدۃ فقالوا ایش قالہ الوالد الماجد ۱۲

اس کو سنت مانا ہے۔ صاحب منیہ کا میلان بھی اسی طرف ہے۔ شرنبلالی نے بھی نور الایضاح میں اسی کو اختیار کیا ہے اور یہی الاختیار میں مذکور ہے۔ لیکن یہ اس لئے غیر مناسب ہے کہ سنیت کے لئے ثبوت استمرار ضروری ہے اور استمرار ثابت نہیں (۳) وقایہ، شرح وقایہ، ملتقی الابحر، غیاثیہ، سراجیہ، ظہیریہ اور تنویر الابصار وغیرہ میں اس کو ادب اور مستحب کہا ہے۔ خلاصہ اور خزانۃ المفتیین وغیرہ میں اس قول کی تصحیح موجود ہے۔ متاخرین احناف اسی کے قائل ہیں۔ کیونکہ اس سلسلہ میں چند احادیث اور عمل پہلی حدیث تو یہی ہے جو ابو داؤد نے عن طلحۃ بن مصرف عن ابیہ عن جدہ روایت کیا ہے اس کی تخریج امام احمد اور طحاوی نے بھی کی ہے۔ مگر اس حدیث کی سند میں چند اختلافات اور چند علتیں ہیں جن کو ہم مع جوابات صاحب کتاب کے اگلے قول کے ذیل میں ذکر کریں گے۔

دوسری حدیث حافظ ابو نعیم نے تاریخ اصبہان میں حضرت ابن عمر سے روایت کی ہے، ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من توضا ومسح عنقہ وقی الغل یوم القیامۃ" جس شخص نے وضو میں اپنی گردن کا مسح کیا تو وہ قیامت کے روز بیڑیوں سے محفوظ رہے گا۔

یہ حدیث موقوف و مرفوع دونوں طرح مروی ہے لیکن اس کی سند میں محمد بن عمرو انصاری ہے جس کو بالکل واہی کہا گیا۔ حافظ ابن حجر نے تلخیص الحبیر میں تاریخ اصبہان سے روایت مذکورہ ذکر کرنے کے بعد نقل کیا ہے کہ میں نے ابو الحسین بن فارس کا روایت کردہ ایک جزو پڑھا ہے جس میں حدیث مع سند یوں ہے۔ عن فلیح بن سلیمان عن نافع عن ابن عمر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من توضا ومسح بیدہ علی عنقہ وقی الغل یوم القیامۃ۔ اس کے متعلق رویانی کہتے ہیں، ہذا ان شاء اللہ حدیث صحیح لیکن حافظ ابن حجر کہتے ہیں قلت بین ابن فارس وفلیح مفازۃ فلینظر فیہا۔

تیسری حدیث دیلمی نے مسند الفردوس میں ابن عمر سے مرفوعاً روایت کی ہے "مسح الرقبۃ امان من الغل یوم القیامۃ" لیکن ابن الصلاح وغیرہ نے اس کے مرفوع ہونے کا انکار کیا ہے۔ حافظ زین الدین عراقی نے تخریج احادیث احیاء میں کہتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے۔ علامہ شوکانی نے الفوائد المجموعۃ میں، امام نووی کا قول نقل کیا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ مگر شوکانی کہتے ہیں کہ تلخیص میں حافظ ابن حجر کے تبصرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ موضوع نہیں ہے۔ اسی لئے ابن الرفعہ نے امام نووی کا تعاقب کرتے ہوئے کہا ہے کہ علامہ بغوی جو ائمہ حدیث میں سے ہیں وہ اس کے استحباب کے قائل ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ ماخذ استحباب

عہ ولفظ مسح مقدم راسہ حتی بلغ القذال من مقدم عنقہ تدیر وقربا اخرجہ الطحاوی ایضاً عن ابن ابی داؤد قال نا الولید بن مسلم نا عبد اللہ بن العلاء عن ابی الازہر عن معاویۃ انہ اراہم وضوء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلما بلغ مسح راسہ وضع کفیہ علی مقدم راسہ ثم مر بہما حتی بلغ القفا ثم ردہما، واخرج ایضاً عن محمد بن عبد اللہ بن میمون البغدادی نا الولید بن مسلم نا جریر بن عثمان عن عبد الرحمن بن میسرۃ　سمع المقدام بن معدیکرب یقول رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم توضا فلما بلغ مسح راسہ وضع کفیہ علی مقدم راسہ ثم مر بہما حتی بلغ القفا ثم ردہما حتی بلغ المکان الذی منہ بدأ، وذکر ابن السکن فی کتاب الحروف من حدیث مصرف بن عمرو بن السری بن مصرف بن عمرو بن کعب عن ابیہ عن جدہ بلغ بہ عمرو بن کعب قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم توضا فمسح لحیتہ وقفاہ ۱۲

خبر یا اثر ہی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اس سلسلہ میں قیاس کو تو کوئی دخل ہی نہیں۔ ملا علی قاری نے بھی المصنوع فی معرفۃ الموضوع میں اس کی سند کو صرف ضعیف ہی کہا ہے۔

چوتھی حدیث حافظ ابو عبید قاسم بن سلام بغدادی نے کتاب الطہور میں عن عبد الرحمٰن بن مہدی عن المسعودی عن القاسم بن عبد الرحمٰن عن موسیٰ بن طلحہ روایت کی ہے۔ انہ قال من مسح قفاہ مع راسہ وقی الغل یوم القیامۃ۔

علامہ عینی شرح ہدایہ میں لکھتے ہیں کہ گو یہ موقوف ہے لیکن مرفوع کے حکم میں ہے۔ کیونکہ یہ حکم قیاس کے بالاتر ہے اور ایسی چیزوں میں حدیث موقوف مرفوع ہی کے حکم میں ہوتی ہے۔ ابن الصلاح، ابن عبد البر، عراقی اور نووی وغیرہ نے قول صحابی کی بحث میں اس کی تصریح کی ہے۔ بلکہ علامہ سیوطی نے طلوع الثریا باظہار ما کان خفیا میں قول تابعی کے متعلق بھی یہی تصریح کی ہے۔

پانچویں حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وضوء کی صفت کے بارے میں حضرت وائل بن حجر سے مروی ہے جس میں یوں ہے "ثم مسح علی راسہ ثلاثا وظاہر اذنیہ ثلاثا وظاہر رقبتہ واظنہ قال وظاہر لحیتہ ثم غسل قدمہ الیمنی" علامہ ابن الہمام نے اس کی تخریج امام ترمذی کی طرف منسوب کی ہے۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے بھی ان کی پیروی کرتے ہوئے شرح سفر السعادہ میں ترمذی ہی کی طرف نسبت کی ہے۔ مگر علامہ عینی نے بتایا ہیں، جمال زیلعی نے نصب الرایہ میں اور ابن حجر عسقلانی نے درایہ میں کہا ہے کہ یہ روایت بزار کی طرف منسوب ہے۔ حافظ ولی الدین عراقی فرماتے ہیں۔ ومسح الرقبۃ من حدیث وائل بن حجر فی صفۃ وضوء النبی صلی اللہ علیہ وسلم اخرجہ البزار والطبرانی فی الکبیر بسند لا باس بہ۔

بہرحال احادیث سے مسح رقبہ کا ثبوت ہے گو احادیث ضعیف ہیں اور شرائع و احکام، حلال و حرام اور معاملات میں گو احادیث ضعیفہ پر عمل جائز نہیں لیکن فضائل اعمال اور ترغیب و ترہیب کے سلسلہ میں ضعیف حدیث پر عمل جائز ہے۔ چنانچہ ملا علی قاری نے المصنوع میں اور امام نووی نے الاربعین میں اس پر علماء کا اتفاق نقل کیا ہے۔ محقق جلال الدین دوانی نے انموذج العلوم میں لکھا ہے کہ اگر کسی عمل کی فضیلت میں ضعیف حدیث موجود ہو اور وہ عمل محتمل حرمت و کراہت نہ ہو تو اس پر عمل کرنا جائز بلکہ مستحب ہے۔ فتح القدیر میں ہے کہ استحباب کا ثبوت ضعیف حدیث سے بھی ہو سکتا ہے بشرطیکہ وہ موضوع نہ ہو۔ اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی کہ صاحب عون المعبود وغیرہ نے جو لکھا ہے کہ مسح رقبہ کے متعلق کوئی حدیث نہیں ہے اور یہ بدعت ہے لائق اعتماد نہیں۔

(۲۹)

قولہ قال ابوداؤد قال مسدد الخ مسدد کہتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث یحییٰ بن سعید القطان سے بیان کی تو انھوں نے اس سے انکار کر دیا۔ انکار کی وجہ یہ ہے کہ اس حدیث کی سند میں چند علتیں ہیں۔

اول یہ کہ اس کے رواۃ میں لیث بن ابی سلیم ضعیف ہے۔ ابن حبان کہتے ہیں کہ اس کا کام اسانید کو بدلنا، مراسیل کو مرفوع بیان کرنا اور ثقات کی جانب ایسی زائد چیزیں منسوب کرنا تھا جو ان کی احادیث میں نہیں ہیں۔ اسی لئے ابن القطان، ابن معین، ابن مہدی اور امام احمد نے اس کو ترک کر دیا ہے۔ امام نووی نے تہذیب الاسماء میں اس کے ضعف پر علماء کا اتفاق نقل کیا ہے۔

جواب یہ ہے کہ لیث بن ابی سلیم ضعیف ضرور ہے مگر اتنا ضعیف نہیں کہ اسکی روایت قابل قبول ہی نہ رہے۔ چنانچہ علامہ ذہبی نے الکاشف میں تحریر کیا ہے کہ اس میں ضعف ہے مگر کم اور ضعف بھی صرف سوء حفظ کی بناء پر ہے ورنہ دیسے آپ بڑے صوم و صلوٰۃ اور صاحب علم والے تھا۔ علامہ منذری الترغیب والترہیب میں لکھتے ہیں۔ فیہ خلاف و قد حدث عنہ الناس۔ دارقطنی کہتے ہیں۔ کان صاحب سنۃ انما انکروا علیہ الجمع بین عطاء و طاؤس و مجاہد ووثقہ ابن معین فی روایۃ۔ علامہ سیوطی اللآلی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ میں لکھتے ہیں۔ روی لہ مسلم والاربعۃ وفیہ ضعف یسیر من سوء حفظہ ومنہم من تیمم۔ دوسری جگہ فرماتے ہیں روی لہ مسلم والاربعۃ ووثقہ ابن معین وغیرہ۔ شیخ محمد طاہر فتنی قانون الموضوعات میں فرماتے ہیں۔ لم یبلغ امرہ الی ان یحکم علے حدیثہ بالوضع وقد روی لہ مسلم والاربعۃ وفیہ ضعف یسیر من سوء حفظہ ووثقہ ابن معین۔ ابن عدی کہتے ہیں۔ یکتب حدیثہ۔ امام ترمذی العلل الکبیر میں لکھتے ہیں۔ قال محمد ولیث صدوق یہم۔

دوم یہ کہ طلحہ کے متعلق اختلاف ہے کہ یہ طلحہ بن مصرف ہے یا کوئی اور! تہذیب التہذیب میں ہے قیل انہ طلحۃ بن مصرف وقیل غیرہ وہو الاشبہ بالصواب۔ ابن ابی حاتم نے کتاب العلل میں لکھا ہے کہ میں نے اس حدیث کے متعلق اپنے والد سے دریافت کیا تو آپ نے اس کی تثبیت نہیں کی اور فرمایا کہ اس کا راوی کوئی انصاری شخص ہے اور بعض لوگ طلحہ بن مصرف کو کہتے ہیں۔ لیکن اگر یہ طلحہ بن مصرف ہوتا تو اس کے متعلق اختلاف نہ ہوتا۔

۱۳۰

جواب یہ ہے کہ یہ طلحہ بن مصرف ہی ہے۔ چنانچہ ابن السکن اور ابن مردویہ نے کتاب المحدثین میں۔ یعقوب بن سفیان اور ابن ابی خیثمہ نے اپنی اپنی تواریخ میں اس کی تصریح کی ہے اور ابن معین، ابو حاتم، العجلی اور ابن سعد نے اس کی توثیق کی ہے۔ ابو معشر کہتے ہیں کہ اس نے اپنا مثل نہیں چھوڑا۔ مبارک بن الاثیر جزری نے جامع الاصول میں ان کا پورا تعارف کرایا ہے۔ فرماتے ہیں۔ ہو ابو محمد ویقال ابو عبداللہ طلحۃ بن مصرف بن کعب بن عمرو ویقال ابن عمرو روی عن عبداللہ بن ابی اوفی وانس وروی عنہ ابنہ محمد وابو اسحٰق السبیعی وشعبۃ۔ ابو سعد عبدالکریم سمعانی نے کتاب الانساب میں لکھا ہے۔ طلحۃ بن مصرف بن کعب بن عمرو ابو عبداللہ الیامی روی عنہ شعبۃ وجماعۃ۔ عبداللہ بن ادریس کہتے ہیں۔ ما رایت الاعمش اثنی علی احد ادرکہ الا علی طلحۃ بن مصرف۔

حافظ ابن حجر تقریب التہذیب میں لکھتے ہیں۔ طلحۃ بن مصرف بن عمرو بن کعب الیامی الکوفی ثقۃ فاضل مات سنۃ ۱۱۲ھ اوبعدہا۔ علامہ نووی فرماتے ہیں۔ طلحۃ بن مصرف احد الائمۃ الاعلام تابعی اتفق علی توثیقہ۔ علامہ ذہبی الکاشف میں لکھتے ہیں۔ طلحۃ بن مصرف بن عمرو الیامی احد ائمۃ الکوفۃ و قراؤ مات سنۃ ۱۱۲ھ۔

سوم یہ کہ طلحہ کا والد مصرف ضعیف ہے یا مجہول۔ ابن القطان کہتے ہیں میرے نزدیک اس حدیث میں ایک علت یہ بھی ہے کہ طلحہ کا والد مصرف بن عمرو مجہول ہے۔ حافظ ابن حجر تقریب میں لکھتے ہیں مصرف بن عمرو بن کعب او ابن کعب بن عمرو الیامی روی عنہ طلحۃ بن مصرف مجہول من الرابعۃ۔

علامہ نووی لکھتے ہیں ابوہ (ای ابو طلحۃ وہو مصرف) وجدہ لا یعرفان : حافظ ابو زرعہ فرماتے ہیں لا اعرف احداً سمی والد طلحۃ الا ان بعضہم یقول طلحۃ بن مصرف :

جواب یہ ہے کہ اس کی جہالت شدید نہیں بلکہ پتہ لگانے والوں نے پتہ لگایا ہے چنانچہ حافظ ذہبی نے الکاشف میں لکھا ہے۔ مصرف بن عمرو الیامی ابو القاسم الکوفی سمع عبدۃ بن سلیمان وعنہ سلیمٰن :

چہارم یہ کہ اس کے دادا کعبؓ بن عمرو کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے۔ علامہ نووی نے ابن معین سے نقل کیا ہے کہ محدثین کہتے ہیں کہ طلحہ کے دادا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے اور ان کے گھر والے کہتے ہیں نہیں دیکھا۔

امام احمد نے الزہد میں لکھا ہے کہ مجھے ابن عیینہ کی طرف سے یہ خبر ملی ہے کہ ان سے کسی نے کہا کہ وضوء کے سلسلہ میں لیث بن ابی سلیم عن طلحۃ بن مصرف عن ابیہ عن جدہ روایت کرتا ہے تو آپ نے ان کے دادا کے صحابی ہونے کا انکار کر دیا۔ ابن حاتم نے بھی مراسیل میں امام احمد سے یہی نقل کیا ہے۔ تیج ابن جنید، ابن معین سے ناقل ہیں انہ قال ہذا طلحۃ یا ادرک جدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

جواب یہ ہے کہ دوسرے حضرات نے ان کو صحابی مانا ہے وعندہم زیادۃ علم علی من لم یعرفہ۔

حافظ ابن عبد البر الاستیعاب فی احوال الاصحاب میں لکھتے ہیں کہ کعب بن عمرو یامی ہمدانی ساکن کوفہ صحابی ہیں بعض لوگوں نے اس کا انکار کیا ہے لیکن انکار کی کوئی وجہ نہیں۔ ابن الاثیر جزری نے بھی اسد الغابہ فی اخبار الصحابہ میں یہی لکھا ہے۔ حافظ عثمان دارمی نے عبد الرحمٰن بن مہدی سے طلحہ کے دادا کے متعلق سوال کیا آپ نے ان کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ عمرو بن کعب او کعب بن عمرو، وکانت لہ صحبۃ :

علاوہ ازیں زیر بحث حدیث کے شروع میں روایت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہے۔ اور اس کے بعد باب فی الفرق بین المضمضۃ والاستنشاق کے ذیل میں ہے قال دخلت یعنی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم الخ۔ تو رأیت اور دخلت کے الفاظ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ صحابی ہیں۔

بہر کیف زیر بحث حدیث کی سند میں یہ چند علتیں ہیں انہیں کی وجہ سے یحییٰ بن سعید القطان نے اسکا انکار کیا ہے جسکو مصنف کتاب قال مسدد کہہ کر ظاہر کر رہے ہیں، مگر ہم ہر علت کا جواب دے کر ازالہ کر چکے اور یہ ثابت ہو گیا کہ حدیث صحیح ہے :-

قولہ قال ابو داؤد وسمعت الخ یقول ان ابن عیینۃ زعموا انہ کان ینکرہ میں یقول کی ضمیر امام احمد کی طرف راجع ہے اور لفظ ابن عیینۃ اِنَّ کا اسم ہے اور انہ کان ینکرہ اِنَّ کی خبر ہے اور لفظ زعموا اسم و خبر کے درمیان جملہ معترضہ ہے اور زعموا کی ضمیر اس وقت کے علماء کی طرف راجع ہے۔ پس تقدیر عبارت یوں ہوئی۔ سمعت احمد بن حنبل یقول قال العلماء ان

لہ وہو کعب بن عمرو بن جحدب بن معاویہ بن سعد بن الحارث بن ذہل بن دودان بن جشم بن حاشد بن جشم بن خیران بن نوف بن ہمدان ۱۲

ابن عیینۃ کان ینکر ہذا الحدیث :۔ حاصل یہ نکلا کہ امام احمد نے ابن عیینہ سے یہ قول بواسطہ بعض شاگرد ان کو بواسطہ علماء پہنچا ہے۔ ابن عیینہ نے جو حدیث مذکور کا انکار کیا ہے اس کی وجہ وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔

قولہ ایش ہذا الخ۔ بفتح ہمزہ وسکون یاء وکسر شین بمعنی ای شی ہذا استفہام انکاری ہے ای لا شی ہذا الحدیث۔

(۳۵) باب تخلیل اللحیۃ

(۱۴۰) حدثنا ابو توبۃ یعنی ربیع بن نافع قال ثنا ابو الملیح عن الولید بن زوران عن انس بن مالک ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا توضأ اخذ کفا من ماء فادخلہ تحت حنکہ فخلل بہ لحیتہ وقال ہکذا امرنی ربی قال ابو داؤد والولید بن زوران روی عنہ حجاج بن حجاج وابو الملیح الرقی

حل لغات

تخلیل خلال کرنا۔ لحیہ داڑھی۔ حنک بفتح حاء ونون تالو، ٹھوڑی و اخاک :۔ ترجمہ

ابو توبہ یعنی ربیع بن نافع نے بطریق ابو الملیح بسند ولید بن زوران حضرت انس بن مالک سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب وضوء کرتے تو ایک چلو پانی لیکر اپنی ٹھوڑی کے نیچے داخل کرکے داڑھی کا خلال کیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ میرے رب نے مجھے اسی طرح حکم کیا ہے۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ ولید بن زوران سے حجاج بن حجاج اور ابو الملیح نے روایت کی ہے۔ تشریح

قولہ باب الخ۔ حدیث باب کے الفاظ "ہکذا امرنی ربی" سے بظاہر وجوب معلوم ہوتا ہے اسی لئے حسن بن صالح، ابو ثور اور ظاہریہ نے کہا ہے کہ وضوء اور غسل دونوں میں داڑھی کا خلال کرنا واجب ہے۔ امام شافعی، ابو حنیفہ، صاحبین، ثوری، اوزاعی، لیث، احمد بن حنبل، اسحق، داؤد ظاہری اور طبری وغیرہ اکثر اہل علم کے نزدیک غسل جنابت میں واجب ہے وضوء میں واجب نہیں بلکہ مسنون ہے۔ وضوء میں عدم وجوب کی وجہ یہ ہے کہ آیت وضوء سے ظاہر لحیہ کا دھونا فرض ہے اور خلال کا ثبوت محض خبر واحد سے ہے اس سے وجوب ثابت کرنے میں زیادۃ علی الکتاب لازم آتی ہے اور مسنون ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عثمان، انس، عمار بن یاسر، ابن عباس، عائشہ، ابو ایوب، ابن عمر، ابو امامہ، ابن ابی اوفی، ابو الدرداء، کعب بن عمرو، ابو بکرہ، جابر بن عبد اللہ اور ام سلمہ وغیرہ سترہ صحابہ کی روایتوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا داڑھی کے خلال پر مواظبت کرنا ثابت ہے۔

قولہ قال ابو داؤد الخ :۔ یہ عبارت ابوداؤد کے بعض نسخوں میں ہے جس میں صرف ولید بن زوران کا تعارف مقصود ہے کہ اس کو حجاج بن حجاج اور ابو الملیح الرقی نے روایت کی ہے ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے اور حافظ نے تقریب میں لین الحدیث کہا ہے شیخ نے بذل میں اس کے متعلق صاحب کتاب کا قول نقل کیا ہے

(۲۶) باب المسح علی الخفین

(۹۳) حدثنا ھدبۃ بن خالد قال حدثنا ھمام عن قتادۃ عن الحسن وعن زرارۃ بن اوفی ان المغیرۃ بن شعبۃ قال تخلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فذکر ھذہ القصۃ قال فاتینا الناس وعبد الرحمن بن عوف یصلی بھم الصبح فلما رأی النبی صلی اللہ علیہ وسلم اراد ان یتاخر فاومی الیہ ان یمضی قال فصلیت انا والنبی صلی اللہ علیہ وسلم فصلی الرکعۃ التی سبق بھا ولم یزد علیھا شیئا ، قال ابو داؤد ابو سعید الخدری وابن الزبیر وابن عمر یقولون من ادرک الفرد من الصلوۃ علیہ سجدتا السھو .

ترجمہ

ہدبہ بن خالد نے بطریق ہمام بسند قتادہ بواسطہ حسن وزرارہ بن اوفی حضرت مغیرہ بن شعبہ سے روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جماعت سے پیچھے رہ گئے اس کے بعد آپ نے یہ پورا قصہ بیان کیا اور کہا کہ جب ہم آئے تو دیکھا کہ عبد الرحمن بن عوف لوگوں کو فجر کی نماز پڑھا رہے ہیں۔ جب انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو پیچھے ہٹنا چاہا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کیا پڑھاتے جاؤ، مغیرہ کہتے ہیں کہ پھر میں نے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھ کر وہ رکعت ادا کی جو عبدالرحمن پہلے پڑھ چکے تھے اور اس پر کچھ زیادہ نہیں کیا۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ ابوسعید خدری، ابن الزبیر اور ابن عمر کہتے تھے کہ جو شخص امام کے ساتھ طاق رکعتیں پائے تو اس پر سہو کے دو سجدے لازم ہیں۔ **تشریح**

قولہ[1] باب المسح الخ۔ روافض وخوارج کے علاوہ پوری امت کا اتفاق ہے کہ مسح علی الخفین ثابت وجائز ہے اور بے شمار صحابہ سے مروی ہے جس میں کسی طرح بھی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔

مبسوط میں امام اعظم کا قول موجود ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ جب تک میرے نزدیک روز روشن کی طرح موزوں کے مسح پر دلائل قائم نہیں ہو گئے اس وقت تک میں اس کا قائل نہیں ہوا۔ شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ سے اہل سنت والجماعۃ کی علامت پوچھی گئی۔ آپ نے فرمایا، ان تفضل الشیخین وتحب الختنین وان تری المسح علی الخفین۔ یعنی جو شخص شیخین (حضرت ابوبکر وعمر) کی افضلیت کا معترف، ختنین (حضرت عثمان وعلی) کا شیدائی اور مسح خفین کا قائل ہو وہ اہل سنت میں سے ہے۔ اسی لئے امام کرخی نے کہا ہے کہ منکر مسح پر اندیشہ کفر ہے۔ تحفہ میں ہے کہ مسح کا ثبوت بالاجماع بلکہ تواتر کے ساتھ ہے۔ ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ مسح خفین اکتالیس صحابہ سے مروی ہے۔ ابن قدامہ نے مغنی میں اور ابن عبد البر نے استذکار میں امام احمد سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ اشراق میں حسن بصری سے منقول ہے۔

[1] قال صاحب غایۃ المقصود وصاحب عون المعبود وھذہ الآثار قد تتبعت فی تخریجھا لکن لم اقف من اخرجھا موصولا

اسی صحابہ نے مجھ سے روایت نقل کی ہے۔ بدائع میں حضرت حسن سے منقول ہے کہ انھوں نے ستر بدری صحابہ کو مسح خفین کا قائل پایا ہے۔ سراجی عینی اور فتح القدیر میں روایت کرنے والے صحابہ کی ایک کثیر جماعت کے نام مذکور ہیں۔ علامہ عینی کہتے ہیں کہ میں نے اسی صحابہ کی روایت تخریج کرنے والے محدثین کی سمیت بیان کی ہے۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ بعض حضرات نے مسح خفین روایت کرنے والے صحابہ کو جمع کیا تو اسی سے بھی متجاوز ہو گئے۔ چند صحابہ کے نام حسب ذیل ہیں:

حضرت جابر۔ انس بن مالک۔ مغیرہ بن شعبہ (اصحاب ستہ) بریدہ (اصحاب کتب الحدیث سوی البخاری) عمرو بن امیہ (بخاری) علی۔ اسامہ بن یزید۔ حذیفہ۔ بلال (مسلم) ثوبان (ابو داؤد) صفوان (ترمذی ابن ماجہ) سلمان (ابن حبان) ابوبکرہ بن الحارث (ابن خزیمہ) ابوہریرہ۔ عوف بن مالک (احمد) یعلی بن مرہ۔ عقبہ بن عامر۔ سعید بن العاص۔ ام سعد۔ ابو ایوب انصاری (نیشاپوری) عبد اللہ بن حارث بن جزء۔ عبد اللہ بن عمرو۔ قیس بن سعد۔ ابو موسیٰ الاشعری۔ عمرو بن العاص۔ ابو سعید خدری۔ عمار بن یاسر۔ جابر بن سمرہ (بیہقی) ابو زید انصاری (ابو مسلم اصفہانی) ابن ابی عمارہ (حاکم) عبادہ بن الصامت۔ ابو امامہ (عبد اللہ بن وہب) عبد اللہ بن رواحہ۔ ابو جحیفہ۔ ابو طلحہ۔ زبیر بن العوام۔ ربیعہ بن کعب۔ عبد الرحمن بن حسنہ۔ عمرو بن حزم۔ براء بن عازب (طبرانی) اسامہ بن شریک (ابو یعلی موصلی) ابو طلحہ ذبلی، ابو مسعود انصاری۔ ابو عبیدہ بن الجراح۔ عبد الرحمن بن عوف۔ فضالہ بن ابی عبید۔ عثمان بن عفان (ابن عبد البر) عائشہ۔ میمونہ۔ عروہ بن مالک (دارقطنی) بدیل بن ورقاء (عسکری) شیبان بن ... کندی۔ مالک بن سعد (ابو نعیم) یسار (ابن ابی حاتم) ابوذر غفاری۔ کعب بن عجرہ (ابن حزم) ابو الخطار الداری (ابن عساکر) اوس ثقفی۔ عمر (ابن ابی شیبہ) خالد بن عرفطہ (اسلم بن سہل واسطی) سہل بن سعد (قاضی ابو احمد)

امام ابو حنیفہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ مسح خفین میں کسی کا اختلاف نہیں ہے تو ہم مسح نہ کرتے۔ ابن عبد البر کی رائے بھی یہی ہے کہ صحابہ میں سے کسی نے بھی مسح خفین کا انکار نہیں کیا اور نہ کسی سے روایت ہے اور اگر ہے بھی، (جیسے حضرت ابن عباس، ابوہریرہ اور حضرت عائشہ سے)، تو وہ صحیح نہیں، یا پھر انکار کے ساتھ اثبات بھی مروی ہے۔

قولہ لم نذکرہ، القصۃ الخ۔ یعنی قضاء حاجت کے لئے جانا، پھر واپس آنا، ہاتھوں کا آستین سے نکالنا، وضو کرنا، اور موزوں پر مسح کرنا وغیرہ جو روایات سابقہ میں مذکور ہوا ہے وہ سب حضرت مغیرہ نے اپنی حدیث میں ذکر کیا ہے۔

قولہ قال ابو داؤد الخ (۵۲) یعنی ابو سعید خدری، عبد اللہ بن زبیر اور عبد اللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ جو شخص امام کے ساتھ طاق رکعت پائے یعنی ایک یا تین تو اس پر سجدہ سہو واجب ہے۔ ممکن ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ سجدہ سہو کا وجوب نماز کے اس نقصان کو پورا کرنے کیلئے ہے جو

عہ وما رواہ محمد بن مہاجر البغدادی عن عائشۃ: لان اقطع رجلی بالموسی احب الی من ان امسح علی الخفین: باطل نص علی ذلک الحفاظ ۱۲ مرقاۃ

کسی واجب کے ترک سے پیدا ہو جائے اور جماعت بھی واجب ہے جو فوت ہو چکی (کیونکہ امام کے ساتھ پوری نہیں ملی) اس لئے سجدہ سہو واجب ہے یا یہ کہ مسبوق امام کے ساتھ تشہد کے لئے بیٹھ جاتا ہے جو اس کی نماز کے لحاظ سے موضع جلوس نہیں ہے اس اعتبار سے نماز میں نقص آگیا لہذا سجدہ سہو کرے۔ عطاء ، طاؤس ، مجاہد اور اسحاق بھی اسی کے قائل ہیں ۔
لیکن اکثر علماء اس کے قائل نہیں اس واسطے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم حضرت عبد الرحمٰن کے پیچھے بیٹھے اور آپ نے سجدہ سہو نہیں کیا اور نہ حضرت مغیرہ نے اسکا کا ذکر کیا نیز اس صورت میں سہو بھی نہیں ہے کیونکہ بیٹھنا امام کی اقتداء کی بنا پر ہے جو واجب ہے اس لئے سجدہ سہو واجب ہوگا ۔

(۳۰) حدثنا عبید اللہ بن معاذ قال ثنا ابی قال ثنا شعبۃ عن ابی بکر یعنی ابن حفص بن عمر بن سعد سمع ابا عبد اللہ عن ابی عبد الرحمٰن السلمی انہ شہد عبد الرحمٰن بن عوف یسئل بلالاً عن وضوء النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال کان یخرج یقضی حاجتہ فاٰتیہ بالماء فیتوضأ و یمسح علی عمامتہ و موقیہ ، قال ابو داؤد وھو ابو عبد اللہ مولی بنی تیم بن مرۃ

ترجمہ

عبید اللہ بن معاذ نے بطریق پدر خود بسند شعبہ بواسطہ ابو بکر بن حفص بن سعد بسماع ابو عبد اللہ ابو عبد الرحمٰن سلمی سے روایت کیا ہے کہ ابو عبد الرحمٰن حضرت عبد الرحمٰن بن عوف کے پاس اس وقت موجود تھے جب وہ حضرت بلال سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وضوء کا حال پوچھ رہے تھے ۔ ۱۳۵
حضرت بلال نے کہا کہ پہلے آپ قضا حاجت کے لئے تشریف لے جاتے پھر میں پانی لاتا اور آپ وضوء کرتے اور اپنے عمامہ اور موزوں پر مسح کرتے۔ ابو داؤد کہتے ہیں کہ سند میں جو ابو عبد اللہ ہیں وہ بنی تیم بن مرہ کے آزاد کردہ غلام ہیں ۔

تشریح

قولہ یمسح علی عمامتہ الخ۔ ابو داؤد میں باب المسح علی الخفین سے ایک باب قبل باب المسح علی العمامۃ ہے۔ مسح عمامہ کا مسئلہ وہیں ذکر کیا جاتا مگر اس باب میں صاحب کتاب کا کوئی قول نہیں ہے اس لئے وہاں بولنا ہمارے موضوع سے خارج تھا۔ اس حدیث میں مسح عمامہ کا تذکرہ آگیا اس لئے ہم یہاں کچھ عرض کرتے ہیں ۔
مسح عمامہ کی احادیث صحاح ستہ کتب احادیث میں حضرت عمرو بن امیہ ضمری۔ مغیرہ بن شعبہ۔ انس بن مالک ، بلال ، ابو امامہ اور حضرت ابو موسیٰ الاشعری وغیرہ سے موجود ہیں جن کی وجہ سے امام اوزاعی ، اسحاق - ابو ثور - وکیع بن الجراح - داؤد بن علی اور بقول حافظ ابن حجر طبری ، ابن خزیمہ اور ابن المنذر وغیرہ نے اس کو جائز مانا ہے۔
امام ترمذی نے حضرت ابو بکر و عمر اور حضرت انس کا بھی یہی قول بتایا ہے اور ابن رسلان نے اپنی شرح میں حضرت ابو امامہ - سعد بن مالک - ابو الدرداء - عمر بن عبد العزیز - حسن - قتادہ

وہ لوگوں سے بھی یہی روایت کیا ہے کہ عمامہ پر مسح کر لینا کافی ہے بلکہ خلال نے تو حضرت عمر سے یہاں تک روایت کیا ہے انہ قال "من لم یطہرہ المسح علی العمامۃ فلا طہرہ اللّٰہ"۔ امام احمد بھی مسح عمامہ کو جائز قرار دیتے ہیں مگر چند شرائط کے ساتھ۔

اول یہ کہ عمامہ کمال طہارت کے بعد باندھا گیا ہو جیسا کہ خفین میں ہے۔ دوم یہ کہ عمامہ پورے سر کو ساتر ہو۔ سوم یہ کہ اس کو عرب کے طریقہ پر باندھا گیا ہو یعنی وہ تحنیک ہو (ٹھوڑی کے نیچے سے لا کر اس کو باندھ دیا گیا ہو) امام شافعی فرماتے ہیں کہ عمامہ کا مسح مستقلاً درست نہیں۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ پہلے بالوں کے کچھ حصے پر مسح کیا جائے پھر اس مسح کی تکمیل عمامہ پر کرلی جائے تکمیل بھی اسی وقت درست ہے جب عمامہ کھولنے میں تکلف ہوتا ہو۔ امام ترمذی نے سفیان ثوری مالک بن انس اور ابن المبارک کا بھی یہی قول بتایا ہے۔

حنفیہ سے اصل مذہب میں کوئی قول منقول نہیں۔ امام محمد سے صرف اتنا منقول ہے کہ "عمامہ پر مسح پہلے تھا پھر منسوخ ہوگیا۔ امام ابو حنیفہ اور ہمارے عام فقہاء کا قول یہی ہے۔ بلکہ بقول خطابی جمہور کا قول یہی ہے۔

مانعین مسح کی دلیل آیت وضوء "وامسحوا برؤسکم" ہے جس میں سروں پر مسح کرنے کا حکم ہے اور ظاہر ہے کہ جو شخص عمامہ پر مسح کرے اس کو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے سر پر مسح کیا تو اگر اس کے جواز کا قول کیا جائے تو کتاب اللہ پر زیادتی لازم آتی ہے جس کے لئے خبر مشہور کی ضرورت ہے اور خبر مشہور ہے نہیں لہٰذا مسح عمامہ جائز نہیں۔ اور جن روایات میں اس کے متعلق آیا ہے وہاں سر کے بعض حصے پر مسح کرکے عمامہ پر ہاتھ پھیر لینا مراد ہے۔ چنانچہ حدیث مغیرہ میں اس کی تفسیر ناصیہ اور عمامہ پر مسح کرنے کی وارد ہے اور ابوداؤد میں حضرت انس سے تصریح ہے کہ آپ نے عمامہ کے نیچے دست مبارک داخل کیا اور مقدم راس پر مسح کیا۔

قولہ والموقین الخ۔ موق بضم میم (بلا ہمزہ) کا تثنیہ ہے۔ یہ بقول ازہری و مطرزی و ابن سیدہ ایک قسم کا موزہ ہے جو خف (چمڑے کے موزہ) پر اس کی حفاظت کے لئے پہنا جاتا ہے اسی کو جرموق کہتے ہیں جس کو عوام کالوش بولتے ہیں۔ جوہری، قاضی عیاض، ابن الاثیر اور ہروی نے اس کو فارسی کلمہ معرب مانا ہے۔ لیکن علی بن اسماعیل بن سیدہ صاحب محکم کہتے ہیں: "الموق ضرب من الخفاف والجمع امواق عربی صحیح"۔

علامہ نووی کہتے ہیں کہ موق (جرموق) پر مسح کرنا بقول ابو حامد تمام علماء کے نزدیک جائز ہے مزنی نے بھی یہی کہا ہے کہ اس بارے میں علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔ امام شافعی کا بھی قول قدیم یہی ہے اگرچہ ان کے قول جدید میں اس کی اجازت نہیں ہے۔

(۵۳) قولہ قال ابوداؤد الخ یعنی ابوبکر بن حفص بن سعد کے شیخ ابو عبد اللہ جو ابو عبد الرحمٰن سلمی کے راوی ہیں۔ یہ بنو تیم بن مرہ بن کعب کے آزاد کردہ ہیں۔ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحب کتاب کے نزدیک راوی مذکور مجہول نہیں ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں حاکم سے نقل کیا ہے۔ "ابو عبد اللہ التیمی معروف بالقبول"۔

(۱۴۳) حدثنا مسدد واحمد بن ابی شعیب الحرانی قالا ثنا وکیع قال ثنا دلہم بن صالح عن حجیر بن عبد اللہ عن ابن بریدۃ عن ابیہ ان النجاشی اھدی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خفین اسودین ساذجین فلبسہما ثم توضأ ومسح علیہما قال مسدد عن دلہم بن صالح، قال ابو داؤد ھذا مما تفرد بہ اھل البصرۃ

ترجمہ

مسدد اور احمد بن ابی شعیب حرانی نے بطریق وکیع بسند دلہم بن صالح بواسطہ حجیر بن عبد اللہ عن ابن بریدہ حضرت بریدہ سے روایت کیا ہے کہ شاہ حبشہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو سادہ سیاہ موزے ہدیۃً بھیجے، آپ نے ان کو پہنا اور وضوء میں ان پر مسح کیا۔ مسدد نے عن دلہم بن صالح کہا ہے۔ ابو داؤد کہتے ہیں کہ یہ حدیث ان احادیث میں سے ہے جن میں اہل بصرہ منفرد ہیں۔

تشریح

قولہ قال مسدد الخ۔ یعنی صاحب کتاب کے شیخ احمد بن ابی شعیب نے تحدیث کی تصریح کی ہے۔ لیکن شیخ مسدد نے اس کو بصیغہ عن روایت کیا ہے۔

قولہ قال ابو داؤد الخ (۱۴۳) شیخ ولی الدین عراقی، صاحب غایۃ المقصود، صاحب عون المعبود وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ صاحب کتاب نے جو حدیث مذکور کو اہل بصرہ کے متفردات میں شمار کیا ہے یہ غلط ہے اس واسطے کہ اس کی سند میں مسدد بن مسرہد کے علاوہ اور کوئی راوی بصری نہیں بلکہ کوفی یا اہل مرو ہیں اور اس حدیث کی روایت میں مسدد متفرد نہیں بلکہ مؤلف کی روایت میں احمد بن ابی شعیب، ترمذی کی روایت میں ہناد، ابن ماجہ کی روایت میں علی بن محمد اور ابو بکر بن ابی شیبہ نے اس کی متابعت کی ہے۔ اسی طرح مسدد کے شیخ وکیع بھی متفرد نہیں بلکہ محمد بن ربیع نے ان کی متابعت کی ہے (کما فی روایۃ الترمذی) پس متفرد صرف دلہم بن صالح ہے اور وہ کوفی ہے۔ لہذا بقول علامہ سیوطی یوں کہنا چاہیے "ہذا مما تفرد بہ اہل الکوفۃ"

شیخ بذل میں فرماتے ہیں کہ تفرد اہل بصرہ کا حکم اکثر رواۃ کے اعتبار سے ہے اور حدیث مذکور کے اکثر رواۃ بصری ہی ہیں۔ مسدد کے بصری ہونے میں تو کوئی کلام ہی نہیں، لیکن حضرت بریدہ اور ان کے صاحبزادے عبد اللہ بھی بصری ہیں۔ کیونکہ حضرت بریدہ مدینہ سے بصرہ منتقل ہو گئے تھے وہیں مکان بنا لیا تھا اور عبد اللہ آپ کے ساتھ تھے کیونکہ ان کی ولادت سنہ ۱۵ھ کی ہے۔

اس کے بعد آپ غازی ہو کر خراسان گئے۔ مرو میں مقیم رہے اور وہیں وفات پائی۔ تو بلحاظ مذکور ان دونوں حضرات کو بصری کہہ سکتے ہیں۔

نیز سند کے تین راوی بصری ہوئے اور دو کوفی یعنی وکیع اور دلہم۔ رہا حجیر سو اس کا بصری یا کوفی ہونا معلوم نہیں۔ اس تقریر پر تفرد اہل بصرہ کا اطلاق صحیح ہے۔

(۲۷) باب التوقیت فی المسح

(۱۴۲) حدثنا حفص بن عمر قال ثنا شعبة عن الحكم وحماد عن ابراهيم عن ابی عبد الله الجدلی عن خزيمة بن ثابت عن النبی صلی الله عليه وسلم قال المسح علی الخفين للمسافر ثلاثة ايام وللمقيم يوم وليلة. قال ابو داؤد رواه منصور بن المعتمر عن ابراهيم التيمی باسناده قال فيه ولو استزدناه لزادنا.

ترجمہ

حفص بن عمر نے بطریق شعبہ بسند حکم و حماد بواسطہ ابراہیم عن ابی عبد اللہ الجدلی حضرت خزیمہ بن ثابت سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: موزوں پر مسح کرنا مسافر کیلئے تین دن تین رات تک ہے اور مقیم کے لئے ایک دن ایک رات۔

ابوداؤد کہتے ہیں کہ اس حدیث کو منصور بن معتمر نے ابراہیم تیمی سے اس کی اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے اس میں یوں ہے کہ اگر ہم آپ سے زیادہ مدت مانگتے تو آپ زیادہ کی بھی اجازت دیدیتے[۱]۔

تشریح

قولہ للمسافر الخ۔ مسح خفین کے لئے کچھ وقت کی تحدید ہے یا جبتک چاہے مسح کرسکتا ہے؟ اس میں اختلاف ہے لیث بن سعدؒ امام مالکؒ اور بقول علامہ نووی امام شافعی کے یہاں ان کے قول قدیم میں مسح خفین بلا توقیت جائز ہے۔ اس میں کسی وقت کی تحدید و تعیین نہیں جب تک اس کو پہنے رہے مسح کرسکتا ہے اور اس میں مقیم و مسافر برابر ہیں۔ البتہ امام مالک کے یہاں چونکہ جمعہ کا غسل ضروری ہے اس لئے غسل کے وقت موزہ ضرور اتارا جائے گا۔ گویا ان کے یہاں ایک ہفتہ تک مسلسل مسح کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ ابوداؤد، دارقطنی، بیہقی نے ابی بن عمارہ سے سات دن اور اس سے زیادہ کی روایت مرفوعاً نقل کی ہے اور حاکم نے اس کو مستدرک میں صحیح مانا ہے حضرت ابن عمر سے ایک صحیح اثر بھی ہے کہ وہ کسی وقت کی تحدید نہیں کرتے۔ فاروق اعظم، سعد بن ابی وقاص، اور عقبہ بن عامر سے بھی اسی قسم کی روایات ہیں جیسا کہ ابن عبد البر نے استذکار میں ذکر کیا ہے۔

---

[۱] نقل الشوكانی عن شرح الترمذی ولم تثبت لم تقم بها حجة لان الزيادة علی ذلك التوقيت مظنونة انهم لو سألوا لزادهم وهذا صريح فی انهم لم يسألوا ولا زيدوا فكيف تثبت الزيادة بمجرد الظن وتوهما قال الشوكانی ورعايتها بعد تسليم صحتها ان الصحابی ظن ذلك ولم تتعبد بمثل هذا ولا قال احد انه حجة وقد ورد توقيت المسح بالثلث واليوم والليلة من طريق جماعة من الصحابة ولم ينقلوا ما ظنه خزيمة ۱۲ بذل

لیکن امام ابو حنیفہ، صاحبین، ثوری، اوزاعی، حسن بن صالح، شافعی، احمد، اسحاق، داؤد ظاہری، محمد بن جریر اور بقول علامہ خطابی عام فقہاء کے یہاں وقت کی تحدید ہے اور وہ یہ کہ مقیم ایک دن ایک رات اور مسافر تین دن تین رات تک مسح کر سکتا ہے۔

حضرت خزیمہ بن ثابت کی حدیث باب میں یہی تفصیل ہے اور یہی حضرت عمر، علی، جابر، صفوان، عوف بن مالک، اور ابو بکرہ کی حدیث میں مروی ہے سب کی اسانید صحیح ہیں۔ حضرت ابن مسعود، ابن عباس، حذیفہ، براء بن عازب، مالک بن سعد، مالک بن ربیعہ، ابو ہریرہ اور ابو زید انصاری سے بھی یہی مروی ہے۔

رہی ابو داؤد، دار قطنی اور بیہقی کی روایت ابی بن عمارہ جس میں سات دن اور اس سے زیادہ کی اجازت ہے سو اس کا جواب یہ ہے کہ خود ابو داؤد نے اس کو ضعیف کہا ہے، اور دار قطنی نے اس کی اسناد غیر ثابت مانی ہے۔ اس کے راوی محمد بن یزید بن ابی زیاد کو مجہول ابن قطان، ابو حاتم نے مجہول کہا ہے۔

بخاری کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح نہیں۔ ابن حبان کہتے ہیں کہ مجھے اس کی اسناد پر اعتماد نہیں ہے ابو الفتح ازدی کہتے ہیں فی اسنادہ نظر۔ خلال کہتے ہیں کہ امام احمد سے اس حدیث کے متعلق سوال ہوا، آپ نے فرمایا، رجالہ لا یعرفون۔ علامہ نووی نے شرح مہذب میں اس حدیث کے ضعف پر ائمہ کا اتفاق نقل کیا ہے۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ جوزقانی نے تو اتنا مبالغہ کیا ہے کہ اس کو موضوعات میں شمار کیا ہے۔

اسی طرح فاروق اعظم، سعد بن ابی وقاص، عقبہ بن عامر کی روایات بھی علت سے خالی نہیں اور اگر ان کا ثبوت بھی مان لیں تو ممکن ہے ان حضرات نے عدم تحدید کے قول سے رجوع کر لیا ہو۔ کیونکہ ان حضرات سے توقیت کی روایات بھی مروی ہیں۔

(۵۵)

قولہ قال ابوداؤد الخ صاحب کتاب اس سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ابو عبد اللہ جدلی سے ابراہیم نخعی اور ابراہیم تیمی دونوں نے حدیث باب کو نقل کیا ہے لیکن ابراہیم تیمی کی روایت بواسطہ عمرو بن میمون ہے اور ابراہیم نخعی کی روایت بلا واسطہ۔ نیز ابراہیم تیمی کی روایت میں ان الفاظ کی زیادتی ہے "ولو استزدناہ لزادنا" ابراہیم نخعی کی روایت میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔ روایت ابراہیم نخعی کی تخریج حافظ بیہقی نے سنن کبیر میں کی ہے۔

(۱۴۴) حدثنا یحیی بن معین ثنا عمرو بن الربیع بن طارق قال انا یحیی بن ایوب عن عبد الرحمن بن رزین عن محمد بن یزید عن ایوب بن قطن عن أبی بن عمارة قال یحیی بن ایوب وکان قد صلّی مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم القبلتین انہ قال یارسولَ اللّٰہ امسحُ علی الخفین قال نعم قال یوماً قال ویومین قال وثلثة قال نعم وما شئتَ، قال ابوداؤد رواہ ابن ابی مریم المصری عن یحیی بن ایوب عن عبد الرحمن بن رزین عن محمد بن یزید بن ابی زیاد عن عبادة بن نسی عن ابی بن عمارة

ذالک حتی بلغ سبعًا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نعم وما بدا لک، قال ابوداؤد وقد اختلف فی اسنادہ ولیس ھو بالقوی ورواہ ابن ابی مریم ویحیی بن اسحٰق السیلحینی عن یحیی بن ایوب واختلف فی اسنادہ

یحیی بن معین نے بطریق عمرو بن الربیع بن طارق بسند یحیی بن ایوب بواسطہ عبدالرحمن بن رزین، عن محمد بن یزید عن ایوب بن قطن حضرت ابی بن عمارہ سے روایت کیا ہے۔ یحیی بن ایوب کہتے ہیں۔ کہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی ہے۔
ابن عمارہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: یارسول اللہ! میں موزوں پر مسح کروں؟ آپ نے فرمایا، ہاں۔ انھوں نے کہا: ایک دن تک؟ آپ نے فرمایا ایک دن تک۔ انھوں نے کہا: دو دن تک؟ آپ نے فرمایا، دو دن تک۔ انھوں نے کہا: تین دن تک؟ آپ نے فرمایا تین دن تک اور جبتک تو چاہے
ابوداؤد کہتے ہیں کہ اس حدیث کو ابن ابی مریم مصری نے بطریق یحیی بن ایوب بسند عبدالرحمن بن رزین بواسطہ محمد بن یزید بن ابی زیاد عن عبادہ بن نسی حضرت ابی بن عمارہ سے روایت کیا ہے جس میں یہ ہے کہ انھوں نے سات دن تک کے لئے پوچھا تو آپ نے فرمایا، ہاں اور جبتک تو چاہے
ابوداؤد کہتے ہیں کہ اس حدیث کی اسناد میں اختلاف ہے اور یہ قوی نہیں۔ اس کو ابن ابی مریم اور یحیی بن اسحاق سیلحینی نے یحیی بن ایوب سے روایت کیا ہے لیکن اس کی اسناد میں بھی اختلاف ہے۔ تشریح

١٤٠ **قولہ قال ابوداؤد ورواہ الخ** (٥٤) صاحب کتاب نے حدیث مذکور یحیی بن ایوب سے بطریق عمرو بن ربیع بن طارق روایت کی ہے اور اس حدیث کو یحیی بن ایوب سے ابن ابی مریم مصری نے بھی روایت کیا ہے لیکن اس کی روایت میں کچھ اختلاف واقع ہوا ہے۔ صاحب کتاب اسی اختلاف کو بیان کرنا چاہتے ہیں۔
اختلاف یہ ہے کہ عمرو بن الربیع نے محمد بن یزید کا شیخ ایوب بن قطن ذکر کیا ہے اور ابن ابی مریم نے اس کے بجائے ابن عبادہ بن نسی، نیز عمرو بن الربیع کی روایت میں صرف تین روز تک مسح کا سوال مذکور ہے اور ابن ابی مریم کی روایت میں ہے کہ سات روز تک مسح کرنے کا سوال ہوا، اس پر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نعم وما بدالک۔

قولہ قال ابوداؤد وقد اختلف الخ (٥٥) یعنی حدیث یحیی بن ایوب کی اسناد میں اختلاف ہے اور یہ حدیث قوی نہیں ہے۔ ابن ماجہ نے بطریق حرملۃ بن یحیی وعمرو بن سواد اس حدیث کو یوں روایت کیا ہے قال حدثنا عبداللہ بن وھب انبأنا یحیی بن ایوب عن عبد الرحمن بن رزین عن محمد بن یزید بن ابی زیاد عن ایوب بن قطن عن عبادہ بن نسی عن ابی بن عمارۃ۔
حافظ ابن عساکر نے اطراف میں اور حافظ جمال الدین مزی نے تحفۃ الاشراف بمعرفۃ الاطراف میں کہا ہے کہ سعید بن کثیر بن عفیر نے بھی یحیی بن ایوب سے عبداللہ بن وھب کی روایت کے مثل روایت کیا ہے اور یحیی بن اسحاق سیلحینی نے بھی یحیی بن ایوب سے روایت کیا ہے لیکن اس کی روایت بعض تو عمرو بن الربیع کی طرح نقل کرتے ہیں اور بعض اس طرح نقل کرتے ہیں۔ عن یحیی بن ایوب عن عبدالرحمن بن

ابن رزین الغافقی عن محمد بن یزید بن ابی زیاد عن ایوب بن قطن الکندی عن عبادة الانصاری قال قال رجل یا رسول اللہ

(۲۸) باب المسح علی الجوربین

(۲۴۳) حدثنا عثمان بن ابی شیبة عن وکیع عن سفیان عن ابی قیس الاودی هو عبد الرحمن بن ثروان عن هزیل بن شرحبیل عن المغیرة بن شعبة ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم توضأ ومسح علی الجوربین والنعلین، قال ابو داؤد کان عبد الرحمن بن مهدی لا یحدث بهذا الحدیث لان المعروف عن المغیرة ان النبی صلی اللہ علیه وسلم مسح علی الخفین، قال ابو داؤد وروی هذا ایضا عن ابی موسی الاشعری عن النبی صلی اللہ علیه وسلم انه مسح علی الجوربین ولیس بالمتصل ولا بالقوی قال ابو داؤد ومسح علی الجوربین علی بن ابی طالب وابو مسعود والبراء بن عازب وانس بن مالک وابو امامة وسهل بن سعد وعمرو بن حریث وروی ذلک عن عمر بن الخطاب وابن عباس

ترجمہ

عثمان بن ابی شیبہ نے بطریق وکیع بسند سفیان بواسطہ ابو قیس اودی یعنی عبد الرحمن بن ثروان عن ھزیل

لہ الجورب لفافة الرجل (قاموس) معرب گورب (صحاح) قال الطیبی لفافة الجلد وهو خف معروف من نحو الساق وقال ابن العربی غشاء للقدم من صوف یتخذ للدفاء وهو التسخان، وقال الشوکانی فی شرح المنتقی الخف نعل من ادم یغطی الکعبین والجرموق اکبر منه یلبس فوقه والجورب اکبر من الجرموق، وقال الشیخ الدهلوی فی اللمعات الجورب خف یلبس علی الخف الی الکعب للبرد ولصیانة الخف الاسفل من الدرن والغسالة وقال فی شرح کتاب الخرقی الجرموق خف واسع یلبس فوق الخف فی البلاد الباردة وقال المطرزی الموق خف قصیر یلبس فوق الخف وقال العینی الجورب هو الذی یلبسه اهل البلاد الشامیة الشدیدة البرد وهو یتخذ من غزل الصوف المفتول یلبس فی القدم الی ما فوق الکعب، وذکر الزاهدی عن الحلوانی ان الجوارب خمسة انواع من المرعزی ومن الغزل والشعر والجلد الرقیق والکرباس وذکر التفاصیل فی الاربعة من الثخین والرقیق والمنعل وغیر المنعل والمبطن وغیر المبطن واما الخامس فلا یجوز المسح علیه فعلم من هذه الاقوال ان الجورب هو نوع من الخف الا انه اکبر منه فبعضهم یقول هو الی نحو الساق وبعضهم یقول هو خف یلبس علی الخف الی الکعب ثم اختلفوا فیه هل هو من جلد وادیم او ما هو اعم منه من صوف وقطن ففسره صاحب القاموس بلفافة الرجل واما الطیبی والشوکانی فقیداه بالجلد وهذا مآل کلام الشیخ الدهلوی ایضا اما ابن العربی والعینی فصرحا بکونه من صوف واما الحلوانی فقسمه الی خمسة انواع ۱۲ عون باختصار لہ فی القاموس النعل ما وقیت به القدم من الارض، قال المقری فی فتح المتعال فاطلاقه (ای من الارض) قید فیه وقد صرح بالتقیید لاعتصام فانه قال ولا یدخل فیه الخف لانه لم یوق به القدم من الارض ومعناه فی النعلین لبسهما فوق الجوربین کما قال الخطابی المسح علی الجوربین والنعلین معا فلا یستدل به علی جواز مسح النعلین فقط ۱۲ عون

بن شرجیل حضرت مغیرہ بن شعبہ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور جوربین اور نعلین پر مسح کیا۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن مہدی اس حدیث کو بیان نہیں کرتے تھے کیونکہ حضرت مغیرہ سے مشہور یوں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں پر مسح کیا۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ یہ حضرت ابوموسیٰ اشعری سے بھی مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جوربین پر مسح کیا مگر یہ نہ متصل ہے اور نہ قوی ہے۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ علی بن ابی طالب، ابومسعود، براء بن عازب، انس بن مالک، ابو امامہ، سہل بن سعد اور عمرو بن حریث نے جوربین پر مسح کیا ہے اور یہ حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت عباس سے بھی مروی ہے۔

تشریح

قولہ باب المسح علی الجوربین الخ۔ جوربین جورب کا تثنیہ ہے جو معرب ہے یعنی پائتابہ۔ اس پر مسح کے جواز و عدم جواز میں علماء کا اختلاف ہے۔ ہمارے یہاں اگر یہ مجلد یا منعل ہوں تب بالاتفاق مسح جائز ہے اور اگر مجلد یا منعل نہ ہوں اور اتنے باریک ہوں کہ ان میں پانی چھنتا ہو تو بالاجماع مسح جائز نہیں لیکن اگر اتنے گاڑھے ہوں کہ پانی نہ چھنتا ہو تب بھی امام صاحب کے نزدیک مسح جائز نہیں۔ ہاں صاحبین کے نزدیک ہے لیکن امام صاحب نے آخر عمر میں صاحبین کے قول کی طرف رجوع کر لیا تھا

جمہور صحابہ، بقول ابوداؤد علی بن ابی طالب، ابومسعود، براء بن عازب، انس بن مالک، ابو امامہ، سہل بن سعد، عمرو بن حریث، عمر بن الخطاب، ابن عباس اور بقول ابن سید الناس۔ عبداللہ بن عمر، سعد بن ابی وقاص، عقبہ بن عامر اور سفیان ثوری، ابن المبارک، احمد، اسحاق اور داؤد کا قول بھی یہی ہے امام شافعی سے اس سلسلہ میں تین قول ہیں۔ اول یہ کہ مسح جائز نہیں دوم یہ کہ ان پر ٹخنوں تک چمڑا چڑھا ہو۔ دوم یہ کہ منعل پر جائز ہے (قالہ الشوکانی فی النیل) سوم یہ کہ اگر گاڑھے ہوں تو مسح جائز ہے (وقالہ الترمذی)

حدیث باب سے جوربین پر مسح کا جواز ثابت ہوتا ہے جو حضرت مغیرہ بن شعبہ سے مروی ہے ان کے علاوہ حضرت ابوموسیٰ الاشعری اور حضرت بلال حبشی سے بھی مسح جوربین کی روایت ہے مگر حدیث مغیرہ کو سفیان ثوری، عبدالرحمٰن بن مہدی، احمد، یحییٰ بن معین، علی بن المدینی اور مسلم بن الحجاج نے ضعیف بتلایا ہے صاحب کتاب بھی اس پر کلام کر رہے ہیں، اگلا قول ملاحظہ ہو۔

(۵۸)

قولہ قال ابوداؤد کان عبدالرحمٰن الخ یعنی عبدالرحمٰن بن مہدی اس حدیث کو بیان نہیں کرتے تھے، کیونکہ حدیث منکر ہے اور حضرت مغیرہ سے مشہور روایت یوں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں پر مسح کیا۔

بات یہ ہے کہ عبدالرحمٰن بن مہدی جو اس حدیث کو بیان نہیں کرتے تھے اس کی دو وجہیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس کا مدار ابوقیس اودی پر ہے جس کے متعلق کلام ہے۔ دوم یہ کہ اس نے حضرت مغیرہ سے روایت کرنے والے اہل مدینہ، اہل کوفہ اور اہل بصرہ سب کے خلاف روایت کیا ہے۔

مگر یہ کوئی ایسی اہم بات نہیں جس سے روایت پر اثر پڑے اور وہ قابل قبول نہ رہے۔ اس واسطے کہ ابوقیس اودی کے متعلق گو امام احمد اور ابوحاتم نے ہلکی سی جرح کی ہے۔ امام احمد کہتے ہیں۔ یخالف فی حدیثہ۔ ابوحاتم کہتے ہیں۔ لیس بقوی ولیس بحافظ۔ مگر شیخ تقی الدین الامام میں فرماتے ہیں کہ ابوقیس اودی کا نام

عبدالرحمٰن بن ثروان ہے جس سے امام بخاری نے اپنی صحیح میں احتجاج کیا ہے۔ ابن معین، دارقطنی، ابن نمیر اور عجلی نے ان کو ثقہ کہا ہے۔ ابن حبان نے بھی ثقات میں ذکر کیا ہے۔ امام نسائی کہتے ہیں لیس بہ بأس۔ رہی مخالفت کی بات سو ابوقیس نے دوسروں کے خلاف روایت نہیں کیا بلکہ امر زائد کو مستقل طریق پر روایت کیا ہے۔

پس موزوں پر مسح کرنے کی حدیث اور جوربین و نعلین پر مسح کرنے کی حدیث دو روایتیں نہیں بلکہ دو حدیثیں ہیں۔ اس لئے یوں کہا جائے گا کہ ایک وقت میں حضرت مغیرہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو موزوں پر مسح کرتے دیکھا تو اس کو بیان کیا اور دوسرے وقت میں جوربین پر مسح کرتے دیکھا تو اس کو بیان کیا جس میں کوئی تعارض نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام ترمذی نے حدیث مغیرہ کی تخریج کے بعد کہا کہ ہذا حدیث حسن صحیح، ورواہ ابن حبان فی صحیحہ فی النوع الخامس والثلاثین من القسم الرابع۔

قولہ قال ابوداؤد وروی ہذا الخ (۹۹) حضرت ابوموسیٰ اشعری کی یہ حدیث ابن ماجہ نے سنن میں طحاوی نے شرح آثار میں طبرانی نے معجم میں اور حافظ بیہقی نے یوں روایت کی ہے۔ عن عیسیٰ بن سنان عن الضحاک بن عبدالرحمٰن عن ابی موسیٰ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم توضأ ومسح علی الجوربین والنعلین۔

علامہ زیلعی نے نصب الرایہ میں ذکر کیا ہے کہ میں نے یہ روایت ابن ماجہ میں نہیں پائی اور حافظ ابن عساکر نے بھی اس کو اطراف میں ذکر نہیں کیا۔ لیکن شیخ تقی الدین نے الامام میں اور ابن الجوزی نے تحقیق میں ابن ماجہ کی طرف منسوب کیا ہے اور وہ ہمارے یہاں مطبوعہ نسخوں میں موجود ہے۔

صاحب کتاب اسکے متعلق کہتے ہیں کہ یہ روایت نہ متصل ہے نہ قوی۔ حافظ بیہقی اسکی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ متصل تو اس لئے نہیں ہے کہ اسکو ضحاک بن عبدالرحمٰن نے حضرت ابوموسیٰ سے روایت کیا ہے اور حضرت ابوموسیٰ سے ضحاک کا سماع ثابت نہیں اور قوی اس لئے نہیں کہ اسکی اسناد میں عیسیٰ بن سنان راوی ضعیف ہے۔ ذہبی کہتے ہیں کہ امام احمد اور ابن معین نے اسکو ضعیف کہا ہے نیز عقیلی نے بھی ضعیف بتایا ہے لیکن عجلی نے اس کے متعلق لا بأس بہ کہا ہے۔

قولہ قال ابوداؤد ومسح علی الجوربین الخ (۱۰۰) حضرت علی، ابومسعود، براء بن عازب اور انس بن مالک کے آثار حافظ بیہقی اور عبدالرزاق نے اور ابوامامہ، سہل بن سعد اور عمر بن الخطاب کے آثار ابن ابی شیبہ نے اور ابن عباس کا اثر بیہقی نے روایت کیا ہے۔ رہا اثر عمرو بن حریث فلم اقف علیہ۔

(۲۹) باب کیف المسح

(۱۶۵) حدثنا موسیٰ بن مروان ومحمود بن خالد الدمشقی المعنی قالا ثنا الولید قال محمود قال نا ثور بن یزید عن رجاء بن حیوۃ عن کاتب المغیرۃ بن شعبۃ عن المغیرۃ بن شعبۃ قال وضّأت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی غزوۃ تبوک فمسح اعلی الخفین واسفلہما۔ قال ابوداؤد وبلغنی انہ لم یسمع ثور ہذا الحدیث من رجاء

ترجمہ

موسیٰ بن مروان اور محمود بن خالد دمشقی نے بطریق ولید بسند ثور بن یزید بواسطہ رجاء بن حیوہ عن کاتب المغیرہ حضرت مغیرہ بن شعبہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے غزوۂ تبوک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرایا۔ آپ نے مسح کیا موزوں کے اوپر اور نیچے۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ مجھے بات پہنچی ہے کہ ثور نے اس حدیث کو رجاء بن حیوہ سے نہیں سنا۔ **تشریح**

قولہ واسفلہما الخ۔ اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ موزوں کے نیچے اور بالائی دونوں حصوں پر مسح کیا جائے۔ امام مالک، امام شافعی، زہری، اور ابن المبارک اسی کے قائل ہیں۔ اس کی تائید حضرت ابن عمر کے اثر سے بھی ہوتی ہے جس کو بیہقی نے سنن کبیر میں روایت کیا ہے "انہ کان یمسح علی ظہر الخف وباطنہ"

امام ابوحنیفہ، امام احمد، سفیان ثوری اور اوزاعی یہ فرماتے ہیں کہ مسح کا محل موزہ کا بالائی حصہ ہے۔ کیونکہ ابوداؤد میں حضرت علی کی حدیث گذر چکی کہ اگر دین کا دارو مدار عقل و رائے پر ہوتا تو موزوں کے مسح میں بالائی حصے کے بجائے زیریں حصے کے مسح کا حکم ہوتا۔ مگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ آپ موزوں کے ظاہر پر مسح کرتے تھے۔ امام ترمذی نے اس کو حدیث حسن صحیح کہا ہے اور اس کی تخریج امام احمد نے بھی کی ہے۔

اس کے علاوہ حضرت جابر بن عبداللہ کی حدیث سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ مسح کا محل موزے کا بالائی حصہ ہے۔ حضرت انس بن مالک کا اثر بھی حافظ بیہقی نے سنن کبیر میں روایت کیا ہے "انہ مسح ظاہر خفیہ بکفیہ مرۃ واحدۃ" بلکہ حضرت مغیرہ سے بھی مسح روایت جو حضرت حسن سے مروی ہے اور بیہقی کی سنن کبیر میں موجود ہے یہی ہے انہ قال۔ رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بال ثم توضأ ومسح علی خفیہ ووضع یدہ الیمنی علی خفہ الایمن ویدہ الیسری علی خفہ الایسر ثم مسح اعلاہما مسحۃ واحدۃ"

رہی حضرت مغیرہ کی حدیث جو کاتب مغیرہ سے مروی ہے اور شوافع کا مستدل ہے سو اس کا حال خود ابوداؤد بیان کر رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو قال ابوداؤد الخ۔

(تنبیہ) امام مالک اور امام شافعی گو اس کے قائل ہیں کہ زیریں اور بالائی دونوں حصے محل مسح ہیں لیکن صرف نچلے حصے پر اکتفا کرنا ان کے یہاں بھی جائز نہیں۔ ابن المنذر نے لکھا ہے کہ جو لوگ مسح خفین کے قائل ہیں میں نہیں جانتا کہ ان میں سے کسی نے یہ کہا ہو کہ موزوں کے بالائی حصے پر مسح کرنا کافی نہیں ہے۔ ابن بطال تو اس پر صحابہ کا اجماع نقل کر رہے ہیں کہ اگر کسی نے صرف نچلے حصے کے مسح پر اکتفا کر لیا اور بالائی حصے پر مسح نہ کیا تو جائز نہیں ہے۔

(۳۷) قولہ قال ابوداؤد الخ بقول امام ترمذی کاتب مغیرہ کی حدیث مذکور معلول ہے صاحب کتاب اس قول میں اس کی علت بیان کر رہے ہیں کہ ثور بن یزید نے رجاء بن حیوہ سے نہیں سنا گویا روایت منقطع ہے۔ امام ترمذی کہتے ہیں کہ میں نے محمد بن اسماعیل بخاری اور حافظ ابوزرعہ سے اس حدیث کی بابت دریافت کیا تو دونوں نے جواب دیا کہ صحیح نہیں ہے۔ دارقطنی کتاب العلل میں لکھتے ہیں کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے۔ اثرم نے امام احمد سے بھی یہی نقل کیا ہے کہ وہ اسکو ضعیف کہتے تھے۔

مقصد یہ ہے کہ محدثین نے اس حدیث میں کئی علتیں ذکر کی ہیں۔
اوّل یہ کہ ثور بن یزید نے یہ حدیث رجاء بن حیوہ سے نہیں سنی۔ دوم یہ کہ کاتب مغیرہ اسکو مرسل روایت کرتا ہے۔ سوم یہ کہ کاتب مغیرہ مجہول ہے۔ چہارم یہ کہ ولید مدلس ہے اور اس نے ثور سے معنعن روایت کیا ہے۔ پنجم یہ کہ رجاء بن حیوہ کو کاتب مغیرہ سے تقارب حاصل نہیں۔
والجواب عن ہذہ العلل مذکور فی البذل:۔

(۳۰) باب فی الانتضاح

(۱۶۶) حدثنا محمد بن کثیر قال انا سفیان عن منصور عن مجاھد عن سفیان بن الحکم الثقفی او الحکم بن سفیان الثقفی قال کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذا بال یتوضأ و ینتضح، قال ابو داؤد وافق سفیان جماعۃ علی ھذا الاسناد وقال بعضھم الحکم او ابن الحکم

ترجمہ

محمد بن کثیر نے بطریق سفیان بسند منصور بواسطہ مجاہد حضرت سفیان بن حکم ثقفی یا حکم بن سفیان ثقفی سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب پیشاب کرتے تو وضوء کے بعد شرمگاہ کی جگہ (ازار پر) پانی چھڑک لیتے تھے۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ اس اسناد پر ایک جماعت نے سفیان کی موافقت کی ہے اور بعض نے حکم او ابن الحکم کہا ہے۔

تشریح

قولہ وینتضح الخ۔ قاموس میں ہے نضح (ف. ض) نضحًا۔ البیت بالماء پانی چھڑکنا۔ انتضح المتوضی، وضوء کے بعد شرمگاہ پر پانی چھڑکنا۔ علامہ خطابی معالم السنن میں فرماتے ہیں کہ یہاں انتضاح سے مراد پانی سے استنجاء کرنا ہے۔ کیونکہ صحابہ صرف ڈھیلوں کے استعمال پر اکتفاء کرتے تھے موصوف کہتے ہیں کہ اسکی تاویل یوں بھی کیجاتی ہے کہ پیشاب کے بعد اپنی شرمگاہ پر پانی چھڑک لیتے تھے تاکہ شیطانی وساوس دفع ہوجائے

۱؎ فی المجمع وفیہ من السنن العشر الانتضاح بالماء وھو ان یاخذ قلیلا من الماء فیرش بہ مذاکیرہ بعد الوضوء لنفی الوسواس وقیل ہو الاستنجاء وقیل اسالۃ الماء بالنشر والنضح۔ وقال ابن العربی وفی ذیل حدیث۔ محمد: اذا توضأت فانتضح"۔ اختلف العلماء فی تاویل ہذا الحدیث علی اربعۃ اقوال احدہا معناہ اذا توضأت فصب الماء علی العضو صبا ولا تقتصر علی مسحہ فانہ لا یجزی فیہ الا الغسل الثانی معناہ استبرأ الماء بالنشر والتنحنح الثالث معناہ اذا توضأت فرش الازار الذی یلی الفرج بالماء لیکون ذلک مذہبا للوسواس الرابع معناہ الاستنجاء بالماء اشارۃ الی الجمع بینہ وبین الاحجار فان الحجر یخفف الاذی والماء یطہرہ۔ وقد حدثنی ابو مسلم المہدی قال من الفقہاء مراقبۃ الماء یذہب الماء منہ وان من استنجی بالاحجار۔ لا یزال البول یرشح فیہ البلل سنہ فاذا استعمل الماء نسب الخاطر ما یجد من البلل الی الماء فارتفع الوسواس ۱۲ بذل۔
(قوت المغتذی)

علامہ نووی نے جمہور سے نقل کیا ہے کہ یہاں دوسرے معنی ہی مراد ہیں کیونکہ دیگر روایات میں ہے کہ آپ وضوء کے بعد ایسا کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ استنجاء بالماء وضوء سے پہلے ہوتا ہے نہ کہ وضوء کے بعد۔ چنانچہ ابن ماجہ میں حکم بن سفیان ثقفی سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے وضوء کیا پھر ایک چلو پانی لے کر اپنی شرمگاہ پر چھڑکا۔ نسائی، بیہقی اور دار قطنی میں بھی اسی طرح کی روایات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں نضح سے مراد استنجاء بالماء نہیں بلکہ شرمگاہ پر پانی چھڑکنا مراد ہے۔

مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وضوء کے بعد تھوڑا سا پانی ازار پر شرمگاہ کی جگہ چھڑک لیتے تھے جس میں امت کو وساوس شیطان دور کرنے کی عمدہ تدبیر کی تعلیم مقصود ہے۔

بیہقی نے حضرت ابن عباسؓ سے موقوفاً روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے آپ سے کہا کہ جب میں نماز کی نیت باندھ لیتا ہوں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ زیر ناف تری ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تو وضوء کے بعد شرمگاہ پر پانی چھڑک لیا کر۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور چند روز بعد اس کا یہ وسوسہ ختم ہو گیا۔ مگر یہ صرف دفع وسواس کی تدبیر ہے۔ اگر یقینی طور پر معلوم ہو جائے کہ پیشاب کے قطرات کی تری ہے تو پھر اس کو پاک کرنا اور ازسرنو وضوء کرنا ضروری ہوگا۔

(۴۳)
قولہ قال ابوداؤد الخ "وافق سفیان جماعۃ" میں لفظ سفیان وافق کا مفعول ہے اور جماعۃ فاعل۔ اور علی ہذہ الاسناد سے عن سفیان بن الحکم الثقفی او حکم بن سفیان الثقفی الخ کی طرف اشارہ ہے جس میں عن ابیہ کا واسطہ نہیں ہے۔

مطلب یہ ہے کہ سفیان ثوری نے جو یہ حدیث مذکورہ بالا طریق پر روایت کی ہے اس طریق میں دیگر رواۃ شعبہ، اسرائیل، ہریم بن سفیان، ابوعوانہ، روح بن القاسم، جریر بن عبدالحمید، معمر، زائدہ، اور شیبان وغیرہ نے سفیان کی موافقت کی ہے اور عن ابیہ کا واسطہ ذکر نہیں کیا۔ شعبہ اور وہیب نے یہ واسطہ ذکر کیا ہے۔

قولہ وقال بعضہم الخ۔ حدیث باب کی سند مضطرب ہے جس میں کئی اختلاف ہیں۔ پہلا اختلاف تو اوپر قال ابوداؤد کے ذیل میں مذکور ہو چکا کہ بعض رواۃ نے عن ابیہ کا واسطہ ذکر کیا ہے اور بعض نے اس کو ذکر نہیں کیا۔ دوسرے اختلاف کو اس قول میں ذکر کر رہے ہیں کہ بعض رواۃ نے صحابی مذکور کا نام سفیان کے بجائے حکم ذکر کیا ہے اور بعض نے عن ابن الحکم روایت کیا ہے۔

ابن حبان کہتے ہیں کہ ان کے یہ دونوں نام ہیں اور راوی ان کے اور ان کے والد کے نام میں چوک گئے۔ ابن ابی حاتم نے العلل میں اپنے والد سے نقل کیا ہے کہ صحیح نام حکم بن سفیان عن ابیہ ہے۔ ترمذی نے کتاب العلل میں بخاری سے اور ذہلی نے ابن المدینی سے بھی یہی نقل کیا ہے۔ اگر ان حضرات کی یہ رائے صحیح ہے تو ان کا نسب یوں ہے۔ حکم بن سفیان بن عثمان بن عامر بن معتب بن مالک بن کعب بن سعد بن عوف بن ثقیف الثقفی۔

حافظ ابن حجر تہذیب التہذیب میں لکھتے ہیں کہ حدیث کی سند میں مجاہد کے بعد اختلاف واقع ہوا ہے۔ فقیل عنہ عن الحکم او ابن الحکم عن ابیہ، وقیل عن الحکم بن سفیان عن ابیہ، وقیل عن الحکم عن ابیہ، وقیل عن رجل من ثقیف عن ابیہ۔ ان چاروں طرق میں ان کے والد کا واسطہ موجود ہے۔ وقیل عن مجاہد عن الحکم بن سفیان وقیل عن مجاہد عن رجل من ثقیف یقال لہ الحکم او ابو الحکم، وقیل عن ابن الحکم او ابی الحکم بن سفیان، وقیل عن الحکم بن سفیان او ابن ابی سفیان، وقیل عن رجل من ثقیف۔ ان سب طرق میں ان کے والد کا واسطہ نہیں ہے۔

(تنبیہ) حکم بن سفیان کے متعلق نام کے علاوہ اس میں بھی اختلاف ہے کہ ان کو صحبت حاصل ہے یا نہیں؟ مسلمہ ترمذی کہتے ہیں کہ اس میں اختلاف ہے کہ اس شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے یا نہیں؟ ابن عبد البر اور بغوی کہتے ہیں کہ اس سے ایک ہی حدیث مروی ہے اور وہ بھی مضطرب الاسناد ہے۔ خلال نے ابن عیینہ سے نقل کیا ہے کہ اس کو صحبت حاصل نہیں۔ امام احمد اور امام بخاری کی رائے بھی یہی ہے۔ چنانچہ امام ترمذی نے کتاب العلل میں بخاری سے یہی نقل کیا ہے۔ لیکن ابراہیم حربی اور ابو زرعہ وغیرہ نے اسی کی تصحیح کی ہے کہ حکم بن سفیان صحابی ہیں۔

(۳۱) بَابٌ فِي تَفْرِيقِ الْوُضُوءِ

147 (۱۷۳) حدثنا هارون بن معروف قال ثنا ابن وهب عن جرير بن حازم انه سمع قتادة بن دعامة قال ثنا انس ان رجلا جاء الى رسول الله صلى الله عليه وسلم وقد توضأ وترك على قدمه مثل موضع الظفر فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم ارجع فاحسن وضوءك، قال ابو داؤد هذا الحديث ليس بمعروف ولم يروه الا ابن وهب وحده وقد روى عن معقل بن عبيد الله الجزري عن ابي الزبير عن جابر عن عمر عن النبي صلى الله عليه وسلم نحوه قال ارجع فاحسن وضوءك

ترجمہ

ہارون بن معروف نے بطریق ابن وہب بسند جریر بن حازم بواسطہ قتادہ بن دعامہ حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وضوء کرکے آیا جس نے اپنے پاؤں میں بقدر ناخن جگہ چھوڑ دی تھی، آپ نے اس سے فرمایا: لوٹ جا اور اچھی طرح وضوء کر۔ ابو داؤد کہتے ہیں کہ یہ حدیث معروف نہیں ہے۔ اس کو صرف ابن وہب نے روایت کیا ہے۔ اور معقل بن عبید اللہ جزری نے بسند ابو الزبیر بواسطہ جابر حضرت عمر سے اور انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ اس میں یہ ہے کہ آپ نے فرمایا: لوٹ جا اچھی طرح وضوء کر۔

تشریح

قولہ باب الخ یعنی اعضاء وضوء دھوتے وقت فصل و تفریق کہ بعض کو دھو لیا اور بعض کو

چھوڑ دیا پھر کچھ وقفہ کے بعد دھو لیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ نیز اس صورت میں اعضاء متروکہ کو دھو لینا کافی ہوگا یا اعادۂ وضوء ضروری ہے؟ گویا مسئلہ موالات کا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آعدل الاحوال (درمیانی اور عام حالات) میں ایک عضو کے خشک ہونے سے پہلے دوسرے عضو کا دھونا اعدل احوال کا مفہوم یہ ہے کہ وضوء کرنے والے کا مزاج اور موسم دونوں معتدل ہوں ورنہ اگر مزاج پر حرارت یا یبوست کا غلبہ ہو اور ہوا میں بھی گرم خشک چل رہی ہوں یا ان دونوں میں سے کوئی ایک حالت ہو تو پانی بدن پر پڑتے ہی جلد خشک ہو سکتا ہے اس لئے اس کا اعتبار نہیں کیجئے گا۔ امام مالک اور امام احمد کے یہاں وضوء میں موالات شرط ہے۔ بالقصد ایسا کرنے پر وہ از سر نو وضوء کرنا ضروری قرار دیتے ہیں ہاں نسیان سے ہو جائے تو معاف ہے۔

امام مالک سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ اگر وقفہ کم ہو تو بنا کرے ورنہ وضوء کا اعادہ کرے۔ حافظ قتادہ اور امام اوزاعی کے یہاں اعادہ لازم نہیں اِلّا یہ کہ عضو بالکل خشک ہو جائے۔ امام نخعی غسل میں تو اس کی علی الاطلاق اجازت دیتے ہیں اور وضوء میں اعادہ کے لئے کہتے ہیں۔

امام شافعی سے اس بارے میں وجوب و عدم وجوب دونوں قول منقول ہیں۔ احناف، ابن المسیب عطاء اور علماء کی ایک جماعت وجوب موالات کی قائل نہیں بلکہ موالات کو مسنون مانتی ہے۔ امام بخاری بھی اس کو ضروری نہیں سمجھتے۔ حدیث باب کے الفاظ "ارجع فاحسن وضوءک" سے بظاہر موالات کا وجوب معلوم ہوتا ہے۔ جو لوگ وجوب کے قائل ہیں وہ لوگ اسی سے استدلال کرتے ہیں۔ نیز باب کی دوسری میں ان یعید الوضوء والصلوٰۃ کی تصریح ہے۔ ۱۴۸

علماء احناف یہ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے اعضاء وضوء کا دھونا فرض کیا ہے اس میں موالات کی کوئی قید نہیں۔ پس اعضاء کو دھونا وقفہ کے ساتھ ہو یا بلا وقفہ بہر صورت فرض کی ادائیگی ہو جائے گی۔ اگر اس میں موالات کو شرط قرار دیا جائے تو زیادتی لازم آتی ہے۔ ابن عمر کے اثر میں اس کی کھلی تائید موجود ہے۔ حافظ بیہقی نے کتاب المعرفۃ میں حضرت ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ آپ بازار میں وضوء کر رہے تھے اور سر پر مسح کر چکے تھے کہ آپ کو جنازہ کی نماز کے لئے بلا لیا گیا۔ آپ مسجد میں تشریف لائے اور یہاں آ کر موزوں پر مسح کر کے جنازہ میں شریک ہوئے۔ امام نووی نے شرح مہذب میں اس اثر کی تصحیح کی ہے۔

حضرت عمر سے بھی جواز تفریق کے سلسلہ میں روایت موجود ہے چنانچہ بیہقی نے روایت کیا ہے کہ آپ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ وضوء کر چکا ہے اور اس کے ظاہر قدم میں کچھ جگہ خشک ہے تو آپ نے فرمایا کیا اسی وضوء سے نماز پڑھے گا؟ اس نے کہا امیر المومنین! سردی بہت سخت ہے اور میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس سے گرمی حاصل کر سکوں۔ آپ کو اس پر رحم آیا اور فرمایا کہ چھوٹی ہوئی جگہ کو دھو کر نماز پڑھ لے۔

اسی قسم کے موقعہ پر حضرت عمر سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے اعادہ وضوء کا حکم فرمایا (احمد، ابن ابی شیبہ، عبد الرزاق) لیکن خود حافظ بیہقی نے اس کو استحباب پر محمول کیا ہے۔

امام طحاوی نے اس موقعہ پر بڑی عمدہ بات کہی ہے۔ فرماتے ہیں کہ عضو کا خشک ہو جانا حدث نہیں ہے کہ اس کو ناقض وضوء کہا جائے۔ دیکھئے وضوء کرنے کے بعد اگر اعضاء خشک ہو جائیں کیا وضوء

باطل ہو جائے گا یا نہیں۔ پھر اشارہ وضوء میں اعضاء کا خشک ہونے سے رہنا کیسے ناقض وضوء ہو سکتا ہے رہیں احادیث باب سوا اول کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ارجع فاحسن وضوءک وجوب پر دال نہیں بلکہ یہ مبنی بر احسان ہے اور احسان کا حصول صرف ان اعضاء کو کامل طور پر دھو لینے سے ہو جاتا ہے جو دھونے سے رہ گئے ہوں۔

باب کی دوسری حدیث جس میں اعادہ وضوء کا حکم ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو بقول علامہ نووی ضعیف الاسناد ہے۔ ابو محمد منذری تلخیص میں کہتے ہیں کہ اس کی اسناد میں بقیہ بن الولید ہے جس کے متعلق کلام ہے۔ ابن حزم کہتے ہیں اس کا راوی مجہول ہے۔ دوسرے یہ کہ ممکن ہے یہ امر استحباب پر محمول ہو جیسا کہ حافظ بیہقی نے حضرت عمر کی روایت میں اعادہ وضوء کے امر کو استحباب پر محمول کیا ہے۔ دیکھیں ان یدل بانہ امرہ باعادۃ الوضوء لانہ صدر منہ ما ینقض الوضوء وقال فی البذل

قولہ قال ابوداؤد الخ (۴۳) مقصد یہ ہے کہ حدیث باب مذکورہ بالا سند ابن وہب عن جریر بن حازم انہ سمع قتادہ اعد کے ساتھ معروف نہیں ہے۔ اس کو جریر بن حازم سے صرف ابن وہب نے روایت کیا ہے۔ دارقطنی اس حدیث کی تخریج کے بعد کہتے ہیں: "ہذا الحدیث تفرد بہ جریر بن حازم عن قتادۃ۔ تو صاحب کتاب کے قول سے تفرد ابن وہب عن جریر ثابت ہوا اور دارقطنی کے قول سے تفرد جریر عن قتادہ۔

ہا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہا

(۳۲) باب الوضوء من القبلۃ

(۴۸) حدثنا محمد بن بشار قال ثنا یحیی وعبد الرحمن قالا ثنا سفیان عن ابی روق عن ابراہیم التیمی عن عائشۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قبلہا ولم یتوضأ۔ قال ابوداؤد هو مرسل وابراہیم التیمی لم یسمع من عائشۃ شیئا۔ قال ابوداؤد وکذا رواہ الفریابی وغیرہ۔

ترجمہ

محمد بن بشار نے بطریق یحیی و عبد الرحمن بسند سفیان بواسطہ ابو روق عن ابراہیم التیمی حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا بوسہ لیا اور وضو نہیں کیا۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ یہ حدیث مرسل ہے اور ابراہیم تیمی نے حضرت عائشہؓ سے کچھ نہیں سنا۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ اس کو فریابی وغیرہ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔

تشریح

قولہ باب الخ۔ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کا بوسہ لے یا اس کے بدن کو چھوئے تو کیا اس سے اس کا وضوء ٹوٹ جائے گا؟ حضرت علی، ابن عباس، عطاء، طاؤس، ثوری اور احناف کے نزدیک مس مرأۃ ناقض وضوء نہیں ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ اگر چھونا شہوت کے ساتھ ہو تو ناقض وضوء ہے۔

اور بلا شہوت ہو (مثلاً عورت صغیرہ ہو یا ذی رحم محرم ہو) تو ناقض وضو نہیں ہے۔ امام شافعی کا بھی ایک قول یہی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مس مراۃ بہر صورت ناقض ہے۔ ابن مسعود، ابن عمر، زہری، اوزاعی، احمد اور اسحاق بھی اسی کے قائل ہیں۔ دلائل دونوں فریق کے پاس ہیں۔ قائلین نقض وضو کے دلائل یہ ہیں۔

(۱) حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ "اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا" اس آیت میں تصریح ہے کہ لمس (چھونا) حدث اور موجب وضو ہے جس کی تائید دوسری قرأت اولمستم سے بھی ہوتی ہے۔

(۲) حضرت ابن عمر سے روایت ہے۔ "من قبل امرأته او جسها بيده فعليه الوضوء (مالک، شافعی) جو شخص اپنی بیوی کا بوسہ لے یا اس کو ہاتھ سے چھوئے تو اس پر وضو واجب ہے (۳) حضرت ابن مسعود سے مروی ہے۔ "القبلة من اللمس وفيها الوضوء واللمس ما دون الجماع" (بیہقی) بوسہ لینا لمس میں داخل ہے اور اس میں وضو واجب ہے اور لمس سے مراد ما دون الجماع ہے۔ یعنی بوس وکنار وغیرہ

(۴) حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے۔ "الید زناہا اللمس" ہاتھ کا زنا چھونا ہے (۵) حضرت عمر سے روایت ہے۔ "القبلة من اللمس فتوضأوا منها" (بیہقی)

(۶) حضرت معاذ کی حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ! اس کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جس نے ایک عورت کے ساتھ جماع کے علاوہ بھی کچھ کر لیا، تو آپ نے اس کو وضو کا حکم فرمایا (احمد، دارقطنی، ترمذی، بیہقی)

احناف کے دلائل یہ احادیث ہیں۔

(۱) حدیث باب جو حضرت عائشہ سے مروی ہے آپ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا بوسہ لیا اور وضو نہیں کیا (۲) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک شب آپ کو بستر پر نہیں پایا، جستجو کی تو آپ کو مسجد میں پایا میرے ہاتھ آپ کے باطن قدم پر پڑے۔ آپ سجدے کی حالت میں یہ دعا پڑھ رہے تھے۔ اللہم انی اعوذ برضاک من سخطک الخ (مسلم، نسائی)

(۳) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ شب کو جب میں سوتی ہوتی اور حجرہ چھوٹا ہونے کی وجہ سے آپ کی سجدہ گاہ پر میرے پاؤں ہوتے تو آپ سجدہ کرتے وقت میرے پاؤں دبا دیتے تو میں سکیڑ لیتی پھر جب آپ سجدے سے فراغت کے بعد قیام فرماتے تو میں پاؤں پھیلا لیتی تھی۔ ان دنوں گھروں میں چراغ بھی نہ تھے (صحیحین)

(۴) حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وضو کے بعد بوسہ لیتے اور پھر وضو کئے بغیر نماز پڑھتے (ابن ماجہ، واسنادہ جید)

(۵) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ کی حالت میں میرا بوسہ لیا اور فرمایا کہ بوسہ نہ وضو کو توڑتا ہے اور نہ روزہ کو (اسحق بن راہویہ، دارقطنی)

(۶) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آپ بعض ازواج کا بوسہ لیتے اور بغیر وضو کئے بغیر نماز پڑھتے تھے۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ، بیہقی، بزار، دارقطنی)

(۶) حضرت ابو امامہ باہلی سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا، یا رسول اللہ! اگر کوئی شخص وضوء کے بعد اپنی بیوی کا بوس وکنار کرے کیا اس سے وضوء ٹوٹ جائے گا؟ آپ نے فرمایا نہیں۔

سب شوافع وغیرہ حضرات کے مذکورہ بالا مستدلات سوال کا جواب یہ ہے کہ۔

(۱) آیت او لامستم النساء میں لمس سے مراد اس کے حقیقی معنی یعنی چھونا نہیں بلکہ یہ مجامعت و جماع سے کنایہ ہے جیسا کہ دیگر آیات۔ وان طلقتموہن من قبل ان تمسوہن، یا ایہا الذین آمنوا اذا نکحتم المؤمنات ثم طلقتموہن من قبل ان تمسوہن، فتحریر رقبۃ من قبل ان یتماسا وغیرہ میں بالاتفاق مس سے مراد جماع ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس نے اولامستم کی یہی تفسیر کی ہے۔ حضرت علی، ابو موسی الاشعری، ابی بن کعب، مجاہد، طاؤس، حسن، عبید بن عمیر، سعید بن جبیر، شعبی، قتادہ، مقاتل بن حیان اور ابو بکر بن عبد اللہ سے بھی یہی تفسیر مروی ہے۔ اور یہ بات طے شدہ ہے کہ دوسروں کے مقابلہ میں حضرت عبد اللہ بن عباس کی تفسیر راجح ہوتی ہے۔

رہی دوسری قرأت او لمستم سو اس کا جواب یہ ہے کہ مشہور قرأت او لامستم ہے جو باب مفاعلت سے ہے اور مفاعلت میں اصل یہ ہے کہ اس کے معنی کا حصول دو کے درمیان ہوتا ہے۔ جیسے قاتلہ، ضاربہ، سالمہ، صالحہ وغیرہ۔ اس اصل کے لحاظ سے لامستم کو جماع پر محمول کرنا متعین ہوا اور آیت محکم ہوئی بخلاف قرأت لمستم کے کہ اس پر آیت متشابہ قرار پاتی ہے۔ کیونکہ اس میں جماع اور لمس بالید دونوں کا احتمال ہے اور عمل محکم پر ہوتا ہے نہ کہ متشابہ پر۔

(۲) کا جواب یہ ہے کہ ہم اس کے منکر نہیں کہ ہاتھ سے چھونے پر لمس کا اطلاق نہیں ہوتا کیونکہ یہ تو لمس کے حقیقی معنی ہیں۔ بلکہ ہم تو یہ کہہ رہے ہیں کہ آیت میں لامستم بول کر جماع سے کنایہ ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس کی تفسیر سے ثابت ہو چکا۔ مزید تائید کے لئے ایک اعرابی کا قصہ موجود ہے کہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی بیوی کے متعلق کہا "لا ترد ید لامس"۔ وہ کسی چھونے والے کا ہاتھ نہیں لوٹاتی۔ آپ نے فرمایا۔ طلقہا۔ اس کو طلاق دیدے۔ ظاہر ہے کہ یہ اس کے زانیہ ہونے سے کنایہ ہے ورنہ آپ طلاق دینے کا حکم کیوں فرماتے۔

بہرکیف لمس کے حقیقی معنی گو ہاتھ سے چھونا ہیں لیکن یہاں اس سے مراد جماع ہے اس لئے القبلۃ فیہا الوضوء وغیرہ اقوال جو حکم شارع کے معارض ہیں ان سے حجت قائم نہیں ہو سکتی۔

(۳) کا جواب یہ ہے کہ ایک مرتبہ تیمم جنبی کی بابت حضرت ابو موسی اشعری اور حضرت ابن مسعود کے درمیان مناظرہ ہوا اور حضرت ابو موسی اشعری نے آیت او لامستم النساء فلم تجدوا ماء سے حجت پکڑی تو حضرت ابن مسعود نے اس کے جواب میں یہ نہیں فرمایا کہ آیت میں جنابت کا تذکرہ ہی نہیں بلکہ حدث اصغر کی بات ہے یعنی لمس سے مراد جماع نہیں لمس بالید ہے بلکہ آپ نے ایک دوسری راہ اختیار فرمائی معلوم ہوا کہ انکی طرف لامستم کے معنی کے ذکر میں جو لمس بالید نسبت کی جاتی ہے وہ درست نہیں بلکہ آپ بھی جمہور صحابہ کی طرح لمس سے جماع ہی مراد لیتے ہیں۔

(۴) کا جواب یہ ہے کہ اگر حضرت ابوہریرہ کے قول کا مقصد یہی ہے جو مستدل کہہ رہا ہے تو آنکھوں سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اس لئے کہ ارشاد ہے "العینان تزنیان وزناہما النظر" پس مستدل کو کہنا چاہیے کہ عورت کو دیکھنے سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ سبحان اللہ وضو کیا ہوا کاغذ کی ناؤ ہو گئی کہ ذرا پانی پڑا اور ڈوب گئی۔

(۵) کا جواب یہ ہے کہ اول تو بقول ابن عبدالبر محدثین کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ یہ اثر ابن عمر کا ہے نہ کہ حضرت عمر کا اور اگر ہو بھی تو حافظ عماد الدین بن کثیر نے حضرت عمر سے اس کے خلاف یوں بھی روایت کیا ہے "انہ کان یقبل امرأتہ ثم یصلی ولا یتوضأ" آپ اپنی بیوی کا بوسہ لیتے اور بغیر وضو کئے نماز پڑھتے تھے۔ پس آپ سے روایتیں مختلف ہو گئیں اس لئے ناقض وضو والی روایت کو استحباب پر محمول کیا جائے گا۔

(۶) کا جواب یہ ہے کہ اول تو حضرت معاذ کی روایت منقطع ہے کیونکہ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ نے حضرت معاذ سے نہیں سُنا۔ حضرت معاذ کی وفات حضرت عمر کے دور خلافت میں ہوئی ہے اور حضرت عمر کی شہادت کے وقت عبدالرحمٰن صرف چھ سال کا تھا۔ دوسرے یہ کہ اس کا پورا قصہ مجلس میں موجود ہے لیکن امر بالوضو کسی میں مذکور نہیں۔ تیسرے یہ کہ اس میں یہ کہاں مذکور ہے کہ سائل پہلے سے باوضو تھا یہاں تک کہ لمس بالید سے اس کا نقض لازم آئے اور اگر ہم یہ بھی تسلیم کرلیں تو ممکن ہے جو حالت اور کیفیت اس نے بیان کی تھی وہ ایسی ہو کہ اس میں خروج مذی کا ظن غالب ہو، اس لئے آپ نے وضو کا حکم فرمایا ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وضو کے ذریعہ سے اس کے گناہ کا کفارہ مقصود ہو کیونکہ اس نے اجنبیہ کے ساتھ بوس و کنار کیا تھا۔ حدیث کے الفاظ "توضأ وضوءً حسنا ثم صل" سے اس معنی کی بخوبی تائید ہوتی ہے "ومع الاحتمال یسقط الاستدلال"۔

(۱۵۲) **قولہ قال ابوداؤد ہو مرسل الخ** یعنی حدیث باب کو ابراہیم تیمی نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے اور ابراہیم تیمی کو حضرت عائشہ سے سماع حاصل نہیں تو حدیث مرسل ہوئی اور حدیث مرسل قابل حجت نہیں ہوتی لہٰذا حضرت عائشہ کی حدیث کو دلیل میں پیش کرنا اور یہ سمجھنا کہ لمس مرأۃ ناقض وضو نہیں ہے صحیح نہیں۔

جواب یہ ہے کہ حدیث مذکور مرسل ہے بالکل صحیح ہے اس سے انکار نہیں لیکن حدیث مرسل پر یہ حکم لگانا کہ یہ ناقابل احتجاج ہے اس سے ہم متفق نہیں اس واسطے کہ احناف کے علاوہ دیگر علماء، امام احمد وغیرہ کے نزدیک بھی حدیث مرسل حجت ہے۔ بلکہ ابن جریر نے تو حدیث مرسل کے مقبول ہونے پر تمام تابعین کا اجماع نقل کیا ہے۔ حافظ ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ ابراہیم تیمی ثقات میں سے ایک ہیں اور ثقات کے مراسیل حجت ہیں۔

نیز حدیث مذکور کی تحسین کے لئے امام نسائی کا قول کافی ہے انھوں نے بطریق مذکور حدیث کی تخریج کے بعد کہا ہے "لیس فی الباب حدیث احسن من ہذا وان کان مرسلاً"

علاوہ ازیں یہ حدیث بسند موصول بھی مروی ہے۔ ملاحظہ ہو حافظ دارقطنی کا قول وہ کہتے ہیں دقد روی

ہذا الحدیث معاویہ بن ہشام عن الثوری عن ابی روق عن ابراہیم التیمی عن ابیہ عن عائشہ رضی اور معاویہ بن ہشام سے امام مسلم نے صحیح میں روایات کی تخریج کی ہے۔ ابوداؤد اور ابن معین وغیرہ نے اس کو ثقہ مانا ہے اور ابراہیم تیمی کے والد یزید بن شریک کتب ستہ کے رواۃ میں سے ہیں جن کو محدثین کی ایک جماعت نے ثقہ کہا ہے۔

اسی طرح ابوروق عطیہ جو ابراہیم تیمی سے راوی ہیں یہ بھی ثقہ ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ ان کے متعلق کسی نے بھی کوئی جرح نہیں کی۔ حافظ بیہقی نے کتاب المعرفۃ میں جو یحییٰ بن معین سے ان کی تضعیف نقل کی ہے وہ بالکل غلط ہے کیونکہ ابن معین نے تو ان کو صالح کہا ہے۔ غرض حدیث مذکور کے متعلق مرسل ہونے کے علاوہ اور کوئی کلام نہیں اور حدیث مرسل اکثر علماء کے نزدیک قابل حجت ہے

قولہ قال ابوداؤد وکذا رواہ الخ (۲۵۱) یعنی جس طرح حدیث مذکور کو یحییٰ بن سعید القطان اور عبدالرحمٰن بن مہدی نے سفیان ثوری سے مرسلاً روایت کیا ہے اسی طرح محمد بن یوسف بن واقد فریابی، وکیع، ابو عاصم، محمد بن جعفر، عبدالرزاق اور قبیصہ نے بھی مرسلاً ہی روایت کیا ہے۔

گویا صاحب کتاب اُن لوگوں پر چوٹ کر رہے ہیں جنھوں نے اس کو موصولاً روایت کیا ہے وقد عرفت فیما مران الموصول ایضاً صحیح۔ فریابی کی روایت کا تو کتب حدیث میں کہیں پتہ نہیں مل سکا البتہ دوسرے حضرات کی روایات دارقطنی اور بیہقی میں موجود ہیں۔

۱۵۳ (۱۳۰) حدثنا عثمان بن ابی شیبۃ قال ثنا وکیع قال ثنا الاعمش عن حبیب عن عروۃ عن عائشۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قبّل امرأۃ من نسائہ ثم خرج الی الصلوٰۃ ولم یتوضأ قال عروۃ فقلت لھا من ھی الا انتِ فضحکت۔ قال ابو داؤد ھکذا رواہ زائدۃ وعبدالحمید الحمانی عن سلیمان الاعمش

ترجمہ

عثمان بن ابی شیبہ نے بطریق وکیع بسند اعمش بواسطہ حبیب عن عروہ حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض ازواج کا بوسہ لیا پھر نماز کے لئے تشریف لے گئے اور نیا وضو نہیں کیا۔ عروہ کہتے ہیں میں نے کہا: وہ صرف آپ ہی ہو سکتی ہیں۔ اس پر حضرت عائشہ مسکرادیں۔

ابوداؤد کہتے ہیں کہ زائدہ اور عبدالحمید حمانی نے بھی سلیمان اعمش سے اسی طرح روایت کیا ہے۔

تشریح

قولہ قال ابوداؤد الخ (۲۵۲) یعنی جس طرح حدیث مذکور کو وکیع نے بطریق اعمش بسند حبیب حضرت عروہ سے روایت کیا ہے اور عروہ کی کوئی نسبت ذکر نہیں کی اسی طرح زائدہ اور عبدالحمید حمانی نے بلا ذکر نسبت روایت کیا ہے۔ اس قول سے صاحب کتاب کا مقصد کیا ہے؟ اگلے قول سے ظاہر ہو جائیگا۔

(٥٠) حدثنا ابراهيم بن مخلد الطالقاني قال ثنا عبد الرحمن بن مغراء قال ثنا الاعمش قال ثنا اصحاب لنا عن عروة المزني عن عائشة بهذا الحديث. قال ابو داؤد قال يحيى بن سعيد القطان لرجل احك عني ان هذين يعني حديث الاعمش هذا عن حبيب وحديثه بهذا الاسناد في المستحاضة انها تتوضأ لكل صلوة قال يحيى احك عني انهما شبه لا شئ. قال ابو داؤد وروى عن الثوري انه قال ما حدثنا حبيب الا عن عروة المزني يعني لم يحدثهم عن عروة بن الزبير. قال ابو داؤد وقد روى حمزة الزيات عن حبيب عن عروة بن الزبير عن عائشة حديثا صحيحا.

ترجمہ

ابراہیم بن مخلد طالقانی نے بطریق عبد الرحمٰن بن مغرا بسند اعمش روایت کیا ہے۔ اعمش کہتے ہیں کہ ہمارے اصحاب نے بواسطہ عروہ مزنی یہ حدیث حضرت عائشہ سے روایت کی ہے۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ یحییٰ بن سعید قطان نے ایک شخص سے کہا کہ مجھ سے یہ دو حدیثیں نقل کر یعنی ایک اعمش کی یہ حدیث جو حبیب سے مروی ہے اور دوسری اس کی حدیث اسی سند کے ساتھ مستحاضہ کی بابت کہ وہ ہر نماز کے لئے وضو کرے یہ دونوں حدیثیں مجھ سے نقل کر۔ اور یہ بھی ظاہر کر کہ یہ لاشئ کے درجہ میں ہیں۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ ثوری سے ان کا یہ قول مروی ہے کہ ہم سے حبیب نے صرف عروہ مزنی ہی سے حدیث بیان کی ہے یعنی عروہ بن زبیر سے حدیث روایت نہیں کی۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ حمزہ زیات نے بطریق حبیب عن عروہ بن الزبیر عن عائشہ بھی ایک صحیح حدیث روایت کی ہے۔ تشریح

قولہ قال ابوداؤد قال یحییٰ اس سے پہلے وکیع کی جو روایت بسند اعمش عن حبیب عن عروہ عن عائشہ گزری ہے اس کی تضعیف مقصود ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ سند میں جو عروہ ہے اس کے متعلق اشتباہ ہے کہ یہ عروہ بن الزبیر ہے یا عروہ مزنی۔ صاحب کتاب نے عبد الرحمٰن بن مغراء سے نقل کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ عروہ مزنی ہے اور عروہ مزنی مجہول ہے لہذا حدیث مذکور ضعیف ہوئی مگر صاحب کتاب کا یہ خیال غلط ہے جس کی کئی وجہیں ہیں۔

(۱) عروہ مزنی ہونے کی تعیین عبد الرحمٰن بن مغراء کے ذریعہ سے کی گئی ہے حالانکہ وہ خود "او خویشتن گم است کرا رہبری کند" کا مصداق ہے۔ علی بن المدینی کہتے ہیں کہ یہ شخص اعمش سے چھ سو احادیث روایت کرتا ہے مگر ہم نے ان سب کو ترک کر دیا کیونکہ یہ اس کا اہل ہی نہیں ہے ابن عدی نے ابن المدینی کے اس قول کی پرزور الفاظ میں تائید کی ہے۔ تو جس شخص کا یہ حال ہو اس کی وساطت سے عروہ کا مزنی ہونا کب ثابت ہو سکتا ہے۔

(۲) اس حدیث کی تخریج ابن ماجہ نے بھی کی ہے جس میں عروہ بن الزبیر کی تصریح موجود ہے روایت کے الفاظ یہ ہیں۔ حدثنا ابو بکر بن ابی شیبة وعلی بن محمد ثنا وکیع ثنا الاعمش عن حبیب بن ابی ثابت عن عروة بن الزبیر عن عائشة ان النبی صلی اللہ علیہ و سلم ... بعض نسائہ ...

(۳) تھوڑی دیر کے لئے ہم نے عبدالرحمٰن بن مغراء ہی کی بات مان لی لیکن یہ کہاں سے متعین ہو گیا کہ یہ عروہ وہی ہے جو مجہول ہے۔ اعمش نے تو عبدالرحمٰن بن مغراء کی روایت کے مطابق تصریح کی ہے کہ ہم کو یہ حدیث عروہ مزنی سے ہمارے بہت سے شیوخ نے سنائی ہے۔ اگر عروہ مجہول ہوتا تو شیوخ کی کثیر تعداد کیسے ان سے روایت کرتی، معلوم ہوا کہ یہ عروہ بن الزبیر ہی ہیں اور ان کے نام کے ساتھ المزنی نسبت ذکر کرنا عبدالرحمٰن بن مغراء کا قصور ہے جو وکیع کے خلاف روایت کر رہا ہے۔

(۴) محدثین کے یہاں یہ بات طے شدہ ہے کہ جب کوئی راوی بلا نسبت مذکور ہو تو اس کو اسی پر محمول کیا جاتا ہے جو محدثین کے یہاں مشہور و معروف ہو۔ راوی مجہول پر محمول نہیں کیا جاتا اور ظاہر ہے کہ اس نام سے مشہور و معروف حضرت عروہ بن الزبیر ہی ہیں۔

(۵) روایت میں حضرت عروہ کے اس قول کی تصریح ہے۔ فقلت لها من هي الا انت فضحكت اور اس قسم کی جسارت وہی کر سکتا ہے جس کا بہت قریبی اور خصوصی تعلق ہو تو حضرت عروہ چونکہ آپ کے بھانجے ہیں اور حضرت عائشہ آپ کی خالہ ہوتی ہیں اس لئے اس قسم کی بے تکلفی کا امکان حضرت عروہ بن الزبیر ہی سے ہو سکتا ہے نہ کہ عروہ مزنی سے جس کا کوئی تعلق ہی نہیں۔

(۶) امام احمد اور حافظ دارقطنی نے جن روایات کی تخریج بسند ہشام بن عروہ عن ابیہ عن عائشہ کی ہے ان سے بھی یہی متعین ہوتا ہے کہ یہ عروہ بن الزبیر ہیں نہ کہ عروہ مزنی۔

فائدہ | عبدالرحمٰن بن مغراء ضعیف ہونے کے باوجود امام اعمش سے لفظ المزنی کی روایت میں متفرد ہے۔ اعمش کے دیگر اصحاب وکیع، علی بن ہاشم، ابو یحییٰ الحمانی وغیرہ میں سے کسی نے بھی یہ لفظ ذکر نہیں کیا۔ وکیع سے روایت کرنے والے حضرات عثمان بن ابی شیبہ۔ قتیبہ، ہناد ابو کریب۔ احمد بن منیع۔ محمود بن غیلان، ابو عمار۔ یوسف بن موسیٰ اور ابو ہشام نے تو کوئی نسبت ہی ذکر نہیں کی اور ابو بکر بن ابی شیبہ اور حاجب بن سلیمان نے عروہ بن الزبیر کی تصریح کی ہے۔

پھر عروہ بن الزبیر کی تصریح میں ابو ادریس نے اعمش کی متابعت بھی کی ہے نیز ان الفاظ کی روایت میں حبیب بن ابی ثابت بھی متفرد نہیں بلکہ ہشام بن عروہ نے ان کی متابعت کی ہے معلوم ہوا کہ اصل روایت میں عروہ بن زبیر ہی محفوظ ہے اور عبدالرحمٰن بن مغراء نے جو عروۃ المزنی روایت کیا ہے یہ خود اس کی غلطی ہے۔

قولہ اعلم عنی الخ۔ یحییٰ بن سعید قطان نے کسی سے یہ کہا کہ تم مجھ سے اعمش کی یہ دو حدیثیں نقل تو کرو لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ظاہر کر دو کہ یہ لاشئی کے درجہ میں ہیں۔ ایک حدیث تو یہی ہے جس کی بحث چل رہی ہے یعنی حدیث اعمش عن حبیب عن عروہ عن عائشہ۔ اور دوسری حدیث اسی سند کے ساتھ مستحاضہ کے متعلق ہے کہ مستحاضہ عورت ہر نماز کے لئے وضوء کرے۔

ان دونوں احادیث کی تضعیف کا مدار دو علتوں پر ہے ایک تو یہ کہ ان کا راوی عروہ مجہول ہے دوسرے یہ کہ حبیب نے عروہ بن الزبیر سے کوئی حدیث روایت نہیں کی پہلی علت کا ازالہ تو ہم قول ۳۵ میں کر چکے دوسری علت کے متعلق ہم اگلے قول کے ذیل میں عرض کریں گے۔

قولہ قال ابوداؤد وروی عن الثوری الخ | صاحب کتاب کہتے ہیں کہ سفیان ثوری کا یہ قول

منقول ہے کہ حبیب نے ہم سے حدیث مذکور صرف عروہ مزنی سے بیان کی ہے۔ اس قول کو نقل کرنے کا مقصد بھی یہی ہے جو اوپر مذکور ہوا یعنی عروہ کے مزنی ہونے کی تعیین اور حدیث مذکور کی تضعیف۔ مگر اس سے مدعا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ ثوری کا یہ قول خود ان کے علم پر مبنی ہے یعنی انکے علم میں صرف یہی ہے کہ حبیب نے عروہ بن الزبیر سے روایت نہیں کی اور ان کے علم سے یہ لازم نہیں آتا کہ واقعہ میں بھی یونہی ہو۔ اس واسطے کہ عروہ بن الزبیر سے حبیب کے لقاء کا کوئی بھی منکر نہیں بلکہ وہ تو حضرت عروہ سے اور اوپر کے لوگوں سے بھی روایت رکھتا ہے۔ علاوہ ازیں اتصال روایت کے لئے ثبوت سماع ہی ضروری نہیں بلکہ صرف امکان لقاء ہی کافی ہے جیسا کہ امام مسلم نے صحیح مسلم کے مقدمہ میں ثابت کیا ہے۔ مزید براں ابن ماجہ کی روایت میں حبیب بن ابی ثابت عن عروہ بن الزبیر عن عائشہ کی تصریح گذر چکی۔ نیز ابو عمر کی تصحیح اور بقول دارقطنی ابن ابی شیبہ کی تخریج سونے پر سہاگہ ہے پس ان تمام قرائن و دلائل سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ راوی حضرت عروہ بن الزبیر ہی ہیں اور حدیث بالکل صحیح ہے۔ سفیان ثوری کے قول کی رکاکت خود صاحب کتاب بھی سمجھ رہے ہیں اور اسی لئے اگلے قول میں اس کی تردید کر رہے ہیں۔

(۴۹)
قولہ قال ابوداؤد وقد روی حمزہ الخ یعنی حمزہ زیات نے بسند حبیب عن عروہ بن الزبیر عن عائشہ ایک صحیح حدیث روایت کی ہے۔ معلوم ہوا کہ سفیان ثوری کا قول مذکور خود صاحب کتاب کے نزدیک بھی قابل قبول نہیں ہے۔ اب وہ کون سی حدیث ہے جو حبیب نے حضرت عروہ سے روایت کی ہے اور صاحب کتاب اس کا حوالہ دے رہے ہیں۔

اس میں قدرے خفا ہے کیونکہ حبیب نے بسند عروہ عن عائشہ چار حدیثیں روایت کی ہیں۔ پہلی حدیث تو یہی ہے جو زیر بحث ہے اور صاحب کتاب کے علاوہ اس کی تخریج ترمذی وغیرہ نے بھی کی ہے۔ اور ترمذی وغیرہ کی روایات میں گو عروہ غیر منسوب ہے لیکن ابن ماجہ کی روایت میں عروہ بن الزبیر کی تصریح موجود ہے۔ دوسری حدیث مستحاضہ کے متعلق ہے جس کو صاحب کتاب نے بسند اعمش عن حبیب بن ابی ثابت عن عروہ عن عائشہ روایت کیا ہے اور اس میں دو علتیں ذکر کی ہیں، ایک اس کا موقوف ہونا دوسرے زہری کی روایت کے مخالف ہونا تیسری علت یعنی حضرت عروہ سے حبیب کا عدم سماع صاحب کتاب نے بیان نہیں کیا کیونکہ یہ موصوف کے نزدیک ثابت نہیں۔ تیسری حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمرہ کی بابت ہے کہ آپ نے عمرہ کون سے مہینہ میں کیا چوتھی حدیث یہ ہے: عن حمزۃ الزیات عن حبیب بن ابی ثابت عن عروہ عن عائشہ قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اللھم عافنی فی جسدی الخ:

اس کی تخریج امام ترمذی نے کتاب الدعوات میں کی ہے لیکن ان کے یہاں عروہ بن الزبیر کی تصریح نہیں ہے۔ مگر صاحب جوہر نقی نے تصریح کی ہے کہ ابوداؤد نے جس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے وہ یہی ہے۔

(۳۳) بَابُ الرُّخصَةِ فِی ذٰلِكَ

(۱۵) حدثنا مسدد قال ثنا ملازم بن عمرو الحنفی قال ثنا عبد الله بن بدر عن قیس بن طلق عن ابیه قال قدمنا علی نبی الله صلی الله علیه وسلم فجاء رجل كأنه بدوی فقال یا نبی الله ما تری فی مس الرجل ذكره بعد ما یتوضأ فقال صلی الله علیه وسلم هل هو الا مضغة منه او بضعة منه، قال ابو داؤد رواه هشام بن حسان وسفیان الثوری وشعبة وابن عیینة وجریر الرازی عن محمد بن جابر عن قیس بن طلق

حل لغات ـــــــ

بَدَوِیٌّ خانہ بدوش، مَسّ چھونا، مُضغَۃ جمع مُضَغٌ، بَضعَۃ جمع بِضَعٌ گوشت کا ٹکڑا۔ ترجمہ

مسدد نے بطریق ملازم بن عمرو حنفی بسند عبد اللہ بن بدر بواسطہ قیس بن طلق، وہ انکے والد طلق بن علی کی روایت کیا ہے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اتنے ہی میں ایک شخص آیا گویا وہ بدو تھا اس نے کہا، یا نبی اللہ! آپ اس کے متعلق کیا فرماتے ہیں جو وضوء کے بعد اپنی جائے مخصوص کو چھولے۔ آپ نے فرمایا، وہ بھی تو بدن کا ایک ٹکڑا ہے۔

ابوداؤد کہتے ہیں کہ اس حدیث کو ہشام بن حسان، سفیان ثوری، شعبہ، ابن عیینہ اور جریر رازی نے بواسطہ محمد بن جابر، قیس بن طلق سے روایت کیا ہے۔ تشریح

قولہ باب الخ۔ اس باب سے پہلے باب میں صاحب کتاب نے مس ذکر سے نقض وضوء کی بابت حضرت بسرہ کی حدیث پیش کی ہے اور اس باب میں عدم نقض وضوء ثابت کر رہے ہیں۔

باب سابق میں چونکہ صاحب کتاب کا کوئی قول نہیں ہے اس لئے وہاں اس مسئلہ پر بولنا ہمارے موضوع سے خارج تھا اور اس باب میں قول موجود ہے اس لئے ہم دونوں مسئلوں کی تشریح کرتے ہیں واللہ الموفق۔

مس ذکر کے باعث نقض وضوء و عدم نقض وضوء ہونے کے بارے میں ابتداء ہی سے اہل علم کا اختلاف چلا آرہا ہے۔ جماعت صحابہ میں حضرت عمر۔ ابوہریرہ (فی اختلاف عنہ) ابن عمر۔ ابو ایوب انصاری۔ زید بن خالد۔ عبد اللہ بن عمرو بن العاص۔ جابر بن عبد اللہ۔ ابن عباس۔ سعد بن ابی وقاص۔ (فی روایۃ اہل المدینۃ عنہ) عائشہ۔ ام حبیبہ۔ بسرہ سے نقض وضوء مروی ہے اور بعد کے علماء میں عطاء بن ابی رباح۔ جابر بن زید۔ سعید بن المسیب۔ (فی روایۃ عنہ) مصعب بن سعد۔ یحیی بن ابی کثیر ہشام بن عروہ۔ مجاہد۔ ابان بن عثمان۔ سلیمان بن یسار۔ عروہ بن الزبیر۔ مکحول۔ ابن شہاب زہری شعبی۔ عکرمہ سے بھی یہی مروی ہے۔ امام اوزاعی۔ لیث۔ داؤد۔ طبری۔ اسحاق۔ شافعی اور احمد اسی کے قائل ہیں کہ مس ذکر ناقض وضوء ہے۔

اس کے برخلاف صحابہ کی ایک جماعت حضرت علی بن ابی طالب، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ) عمار بن یاسر، عبد اللہ بن مسعود، حذیفہ بن الیمان، عمران بن حصین، ابو الدرداء (روی عنہم الامام محمد والطحاوی وغیرہما) معاذ بن جبل (روی عنہ البیہقی) سعد بن ابی وقاص (روی عنہ ابن ابی شیبہ بسند صحیح) ابو ہریرہ (روی عنہ عبد الرزاق) ابو امامہ سے عدم نقض وضوء مروی ہے۔ بعض کے علماء میں، حضرت حسن بصری (روی عنہ الطحاوی) سعید بن المسیب (فی احدی الروایتین عنہ) سعید بن جبیر، ابراہیم نخعی (کما ذکرہ الحازمی) سے بھی یہی مروی ہے۔ اور ربیعہ بن ابی عبد الرحمٰن۔ سفیان ثوری اور ان کے اصحاب شریک، حسن بن حی (کما ذکرہ ابن عبد البر) عبد اللہ بن المبارک (ذکرہ الترمذی) یحییٰ بن معین (ذکرہ الخطابی والحازمی) علی بن المدینی، ابن القاسم، سحنون، ابن المنذر (ذکرہ النووی فی شرح المہذب) امام ابو حنیفہ، اصحاب ابی حنیفہ اور علماء کوفہ اسی کے قائل ہیں کہ مس ذکر ناقض وضو نہیں ہے۔ وہو روایۃ عن المالکیۃ والحنابلۃ کما فی الاوجز۔

دلائل دونوں فریق کے پاس ہیں چنانچہ حدیث بسرہ۔ من مس ذکرہ فلیتوضأ میں نقض وضوء وارد ہے جس کو ائمہ ثلاثہ (مالک۔ شافعی۔ احمد) اصحاب سنن اربعہ (ابو داؤد۔ ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ) دارمی طیالسی، ابن الجارود۔ حاکم۔ دارقطنی۔ اور حافظ بیہقی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ اور امام احمد، دارقطنی ابو حامد ابن الشرقی اور ترمذی وغیرہ نے اس کی تصحیح بھی کی ہے۔

حضرت ام حبیبہ اور ابو ایوب انصاری کی حدیث میں ذکرہ کے بجائے فرجہ ہے (ابن ماجہ) اور حضرت عبد اللہ بن عمر کی حدیث میں فلیتوضأ کے بعد وضوءہ للصلوٰۃ کی زیادتی ہے (دارقطنی) حدیث بسرہ کے تائیدی احادیث حضرت جابر بن عبد اللہ سے ابن ماجہ اور بیہقی نے، عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے، احمد، بیہقی، طحاوی اور دارقطنی نے، اور حضرت عائشہ سے حافظ دارقطنی نے روایت کی ہیں۔

ان سب احادیث میں شوافع وغیرہ کا سب سے مشہور مستدل حدیث بسرہ ہے جو بقول بعض اصح ما فی ہذا الباب ہے اس لئے ہم اسی پر کچھ گفتگو کرتے ہیں۔

بعض حضرات نے گو اس حدیث کی تصحیح کی ہے لیکن اکثر علماء کے نزدیک یہ قابل احتجاج نہیں چنانچہ علامہ ابن رشد نے علماء کوفہ سے اس کی تضعیف نقل کی ہے۔ علی بن المدینی جو امام بخاری کے شیخ ہیں اور یحییٰ بن معین نے اس حدیث کی اسناد پر سخت ترین کلام کیا ہے[1]۔ امام طحاوی نے اس میں بہت سی علتیں ذکر کی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ۔

اس کی اسناد اور متن ہر دو میں اضطراب ہے۔ اسناد میں تو اضطراب یہ ہے کہ اس کا مدار عروہ بن الزبیر پر ہے اور عروہ بن الزبیر سے روایت کرنے والے عبد اللہ بن ابی بکر، ہشام بن عروہ اور امام زہری وغیرہ حضرات ہیں۔ اب امام مالک کی روایت عن عبد اللہ بن ابی بکر عن عروہ سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عروہ نے حدیث بسرہ بواسطہ مروان سنی۔ اور مس ذکر سے وجوب وضوء کا انکار بھی حضرت عروہ نے کیا۔ نیز یہ کہ مدار حدیث حضرت عروہ اور مروان بن حکم ہے اور روایت سفیان عن عبد اللہ بن ابی بکر

[1] حکاہ الحاکم والدارقطنی عن ابن المدینی وابن المنذر عن ابن معین ۱۲

قال تذاکراہی وعروۃ بالتوضأ من مس الذکر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مذاکرہ حدیث عروہ اور ابوبکر ہے۔ اسی طرح ہشام کی روایات میں اختلاف ہے۔ یحییٰ بن سعید القطان کی روایت عن ہشام ان اباہ حدثہ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہشام نے یہ حدیث اپنے والد سے بلاواسطہ سنی اور ہمام کی روایت عن ہشام عن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم عن عروہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بلاواسطہ نہیں بلکہ ابوبکر بن محمد کے واسطہ سے سنی۔ نیز ہشام کے جمہور اصحاب تو یہ ذکر کرتے ہیں کہ حضرت عروہ منکر وضو تھے اور مروان مثبت اور حماد بن زید ان کے خلاف یہ کہتے ہیں کہ مروان منکر وضو تھا اور حضرت عروہ مثبت تھے اور آپ نے اس کو حدیث بسرہ سنائی تھی۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت عروہ نے حدیث بسرہ بلاواسطہ سنی تھی۔ حالانکہ حماد بن سلمہ۔ انس بن عیاض۔ شعیب بن اسحاق۔ سفیان۔ اسماعیل بن عیاش اور ہمام وغیرہ سب یہ کہتے ہیں کہ حضرت عروہ کو حدیث بسرہ مروان کے واسطہ سے پہنچی تھی۔

اسی طرح کا اختلاف زہری کی روایات میں ہے کہ بعض نے عن الزہری عن عروہ روایت کیا ہے اور بعض نے عن الزہری عن عبداللہ بن ابی بکر عن عروہ اور بعض نے عن الزہری عن ابی بکر بن محمد عن عروہ۔

اضطراب متن یہ ہے کہ ہشام سے بعض رواۃ نے "من مس ذکرہ فلیتوضأ" الفاظ استعمال کئے ہیں اور بعض نے من مس ذکرہ او انثییہ او رفغیہ"۔

حافظ دارقطنی نے ادراج کا دعویٰ کرکے اس اضطراب کو دور کرنے کی کوشش کی ہے اور کہا ہے کہ عبدالحمید نے اس کو ہشام سے اسی طرح روایت کیا ہے مگر رفغ وانثیین حدیث مرفوع میں محفوظ نہیں بلکہ یہ عروہ کا قول ہے۔ عبدالحمید نے جو اس کو حدیث بسرہ کے متن میں مندرج کر دیا ہے، یہ اس کا وہم ہے۔

مگر اس جواب سے بات نہیں بنتی اس واسطے کہ ادراج کا احتمال تو بقول علامہ ابن الترکمانی وہاں ہوتا ہے جہاں الفاظ سابقہ سے لفظ مدرج کا استقلال ممکن ہو اور یہاں ایسا نہیں ہے یہاں تو انثییہ او رفغیہ واؤ عطف کے ساتھ ذکرہ پر معطوف ہے جس میں ادراج کا امکان ہی نہیں۔ علاوہ ازیں طبرانی نے بطریق محمد بن دینار عن ہشام عن ابیہ عن بسرۃ یہ الفاظ روایت کئے ہیں۔ من مس رفغہ او انثییہ او ذکرہ فلا یصل حتی یتوضأ۔ اس میں رفغ وانثیین کا ذکر شروع ہی میں موجود ہے جس کو ادراج پر محمول کیا ہی نہیں جا سکتا۔ اسی لئے ابن دقیق العید نے الاقتراح میں کہا ہے کہ ادراج کا دعوےٰ غلط ہے۔

خطیب نے عبدالحمید راوی کے تفرد کرکے اضطراب دور کرنے کی کوشش کی ہے۔ حافظ عراقی کہتے ہیں یہ بھی غلط ہے کیونکہ طبرانی نے معجم کبیر میں بطریق یزید بن زریع عن ایوب عن ہشام یوں روایت کیا ہے۔ اذا مس احدکم ذکرہ او انثییہ او رفغہ فلیتوضأ۔ خود دارقطنی نے ابن جریج عن

ہشام عن ابیہ عن مروان عن بسرہ کی روایت میں الشیخین کا ذکر موجود ہے اور ہم طبرانی کی روایت بطریق محمد بن دینار عن ہشام اوپر ذکر کر چکے تو جب محمد بن دینار، ابن جریج اور ایوب کی روایات میں بھی اس کا ذکر موجود ہے تو پھر تفرد عبد الحمید چہ معنی دارد۔

حدیث کی سند میں تیسری خرابی یہ ہے کہ اس میں مروان کا واسطہ ہے جو مطعون عندالبعض ہے اور ابن علیہ وغیرہ کی روایت میں یہ بھی ہے کہ مروان نے اپنے اعوان و محافظین میں سے کسی کو بسرہ کے پاس بھیجا اس نے آکر مروان کو حدیث سنائی اور یہ شخص بالکل مجہول ہے۔

شوافع کی جانب سے اس کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ ہشام کی روایات میں حضرت بسرہ سے حضرت عروہ کے سماع کی تصریح موجود ہے تو سند میں مروان اور اس کا محافظ دونوں زائد ہوئے، اور گویا سند یوں ہو گئی عن عروۃ عن بسرۃ، مگر یہ جواب بہت کمزور ہے اس واسطے کہ اگر بلا واسطہ حضرت عروہ کا سماع ثابت ہوتا اور یہ بات قابل اعتماد ہوتی تو امام بخاری اور مسلم اس کی تخریج کرتے کیونکہ اس کے رواۃ رجال صحیحین میں سے ہیں۔ حالانکہ ان حضرات نے اس کی تخریج نہیں کی بلکہ امام بخاری نے تو ام حبیبہ کی حدیث کو اصح شیٔ فی ہذا الباب قرار دیا ہے۔ حالانکہ امام بخاری نے خود تصریح کی ہے کہ ام حبیبہ کی حدیث میں مکحول راوی نے عنبسہ سے کچھ نہیں سنا۔ گویا ان کے نزدیک حدیث ام حبیبہ منقطع ہے۔ اس کے باوجود وہ اس کو حدیث بسرہ پر ترجیح دے رہے ہیں معلوم ہوا کہ امام بخاری کے نزدیک حدیث بسرہ حدیث ام حبیبہ سے بھی زیادہ ضعیف ہے۔ علاوہ ازیں علی بن المدینی، یحییٰ بن معین اور امام احمد کا بھی فیصلہ یہی ہے کہ حضرت بسرہ سے حضرت عروہ کو بلا واسطہ سماع حاصل نہیں۔

بہرکیف ان علل متعددہ کی بناء پر حدیث بسرہ اس قابل نہیں ہے کہ اس سے احتجاج کیا جاسکے، بالخصوص جبکہ دیگر احادیث صحیحہ میں عدم نقض وضوء وارد ہے۔ پہلی حدیث تو حضرت طلق بن علی کی ہے جس کو صاحب کتاب کے علاوہ ترمذی، نسائی، طحاوی، احمد، ابن جارود، دارقطنی اور ابن حبان نے بھی روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مسِ ذکر کے متعلق سوال ہوا تو آپ نے فرمایا: وہ بھی تو بدن کا ایک ٹکڑا ہی ہے۔ یعنی اس کو چھونے سے وضوء نہیں ٹوٹتا۔

دوسری حدیث ابو امامہ کی ہے جس کی تخریج ابن ماجہ اور ابن ابی شیبہ نے کی ہے۔ ابن ماجہ کے الفاظ یہ ہیں: سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن مس الذکر فقال انما ہو جزء منک۔

تیسری حدیث حضرت عصمہ بن مالک الخطمی کی ہے جس کی تخریج دارقطنی نے سنن میں کی ہے۔

عہ واجاب عنہ ابن الحزم بانا لا نعلم لمروان شیئا یجرح بہ قبل خروجہ علی ابن الزبیر وعروۃ لم یلقہ الا قبل خروجہ علی اخیہ وہذا الجواب مبنی علی الجہل بالتاریخ فقد صح مروان ما صنع فی خلافۃ عثمان حتی ادی صنیعہ الی قتل عثمان ثم انہ رمی طلحۃ احد العشرۃ یوم الجمل وہما جمیعا مع عائشۃ فقتل وقد عد ذلک من موبقاتہ وکل ذلک قبل خروجہ علی ابن الزبیر بل قبل امارتہ علی المدینۃ الطیبۃ والعجب عن الحافظ کیف رضی من ہذا الجواب فذکرہ فی التلخیص ولم یذکر ما فیہ ۱۲ امانی الاحبار ... اجابۃ ابی حنیفۃ ...

ان رجلا قال یا رسول اللہ انی احتککت فی الصلاۃ فاصابت یدی فرجی فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم وانا افعل ذلک۔"

چوتھی حدیث حضرت عائشہ کی ہے جس کی تخریج ابویعلی موصلی نے کی ہے۔ الفاظ یہ ہیں "ما ابالی ایاہ مسست او انفی"۔ ان احادیث میں سب سے اصح واشہر حدیث طلق ہے جو احناف وغیرہ کا مستدل ہے۔

شوافع وغیرہ نے اس کے جواب میں چند طریقے اختیار کئے ہیں۔ طریق اول تضعیف حدیث، طریق دوم نسخ حدیث طریق سوم ترجیح حدیث بسرہ۔

پہلا طریق کو اختیار کرتے ہوئے حافظ ابن حجر تلخیص میں لکھتے ہیں کہ "امام شافعی، ابوحاتم، ابو زرعہ، دارقطنی، بیہقی اور ابن الجوزی نے حدیث طلق کو ضعیف کہا ہے" اور شوافع وجوہ تضعیف کی تفصیل یوں کرتے ہیں کہ۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ میں نے قیس بن طلق کے متعلق بہت کچھ پوچھ گچھ کی مگر کسی نے اس کے متعلق تشفی بخش جواب نہیں دیا۔

یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ لوگوں نے قیس بن طلق کے بارے میں بہت کچھ کہا ہے اور یہ قابل حجت نہیں۔ ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد ابوحاتم اور ابو زرعہ سے اس حدیث کی بابت دریافت کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ قیس بن طلق قابل حجت لوگوں میں سے نہیں ہے۔

جواب یہ ہے کہ اول تو اس حدیث کو علی بن المدینی نے حدیث بسرہ سے احسن، ابوحفص عمرو بن علی الفلاس نے اثبت اور امام ترمذی نے احسن فی الباب مانا ہے۔ حاکم نے مستدرک میں، ابن حزم نے محلی میں اور طبرانی و ابن حبان نے اس کی تصحیح کی ہے اور شیخ عبدالحق نے "الاحکام" میں اس کو ذکر کرکے سکوت اختیار کیا ہے فھو صحیح عندہ علی عادتہ۔ امام نووی نے شرح مہذب میں جو اس کے ضعف پر حفاظ کا اتفاق نقل کیا ہے اس کے متعلق ابن قدامہ "المحرر" میں کہتے ہیں، اخطا من حکی الاتفاق علی ضعفہ۔

دوسرے یہ کہ اگر امام شافعی کو قیس کے متعلق معلومات نہیں ہوسکیں تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ واقعۃً قیس مجہول ہے اور دوسرے لوگ بھی اس سے ناواقف ہیں۔ آخر امام ترمذی، علامہ ابوالقاسم بغوی، شیخ اسمٰعیل بن محمد الصفار اور حافظ ابوالعباس الاصم وغیرہ کو کون نہیں جانتا کہ یہ ائمہ حدیث و علماء اعلام میں سے ہیں۔ لیکن ابن حزم ان سب سے ناواقف ہے تو کیا واقعۃً یہ سب حضرات مجہول ہوگئے؟ نہیں۔ پھر امام شافعی کے عدم علم سے یہ کہاں لازم آگیا کہ قیس مجہول ہے۔

سنئے حافظ عجلی قیس بن طلق کے متعلق فرماتے ہیں کہ "یمامی اور ثقہ تابعی ہیں اور ان کے والد صحابی ہیں"۔

ابن حبان نے ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔ علامہ ابن الترکمانی فرماتے ہیں کہ یہ مشہور و معروف شخص ہیں جن حضرات نے ان سے روایت کی ہے جن کو صاحب الکمال نے ذکر کیا ہے۔ نیز ابن خزیمہ و ابن حبان نے اپنی اپنی صحیح میں اور حاکم نے مستدرک میں ان سے روایت کی ہے اور امام ترمذی نے بطریق ملازم ان سے حدیث لاوتران فی لیلۃ بھی روایت کی ہے اور اس کو حسن کہا ہے۔ شیخ عبدالحق فرماتے ہیں کہ ترمذی کے علاوہ دوسرے لوگوں نے اس کو صحیح کہا ہے۔

نیز یحییٰ بن معین سے جو یہ منقول ہے: "لقد اکثر الناس فی قیس بن طلق وانہ لا یحتج بہ"۔ اس کو حافظ بیہقی نے سنن میں بطریق محمد بن الحسن النقاش عن عبداللہ بن یحییٰ السرخسی روایت کیا ہے اور نقاش خود متہم بالکذب ہے۔ برقانی کہتے ہیں کہ اس کی ساری حدیثیں منکر ہیں اور اس کی تفسیر میں ایک بھی حدیث صحیح نہیں۔
عبداللہ سرخسی کے متعلق کہتے ہیں: "کان تبھانی روایۃ عن قوم لم یلحقھم"۔ تو کیا ایسے کذابوں کے واسطے سے قیس بن طلق کی شخصیت پر پردہ پڑ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں معلوم ہوا کہ یحییٰ بن معین کی طرف قیس بن طلق کی تضعیف کی نسبت غلط ہے اور صحیح وہ ہے جو حافظ عثمان دارمی نے ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن معین سے عبداللہ بن النعمان عن قیس بن طلق کے متعلق سوال کیا آپ نے فرمایا: یہ یمامی شیوخ میں سے ہیں اور ثقہ ہیں۔ اور اگر ہم نقاش ہی کی بات تسلیم کر لیں تب بھی شوافع کو راحت نہیں مل سکتی کیونکہ یہ ابن معین وہی تو ہیں جنہوں نے تین حدیثوں کے متعلق کہا ہے کہ یہ صحیح نہیں۔ ان میں سے ایک حدیث "الوضوء من مس الذکر" بھی ہے۔ اور یہ بھی نہیں کہ یہ ہم اپنی طرف سے کہہ رہے ہیں، بلکہ اس کو خود امام نووی نے شرح مہذب میں ذکر کیا ہے۔

اچھا حافظ ابو زرعہ نے قیس کی تضعیف کی ہے، مان لیا۔ لیکن یہ بھی تو فرمایئے کہ ان کے نزدیک حدیث بسرہ کا کیا درجہ ہے؟ آپ کو معلوم نہ ہو تو ہم بتائیں اور آپ ہی کی زبانی بتائیں سنئے۔

امام ترمذی حافظ ابوزرعہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ "اس باب میں اصح حدیث ام حبیبہ کی ہے"۔ اور ہم یہ پہلے بتا چکے کہ ابوزرعہ کے نزدیک حدیث ام حبیبہ منقطع ہے کیونکہ مکحول نے عنبسہ سے کچھ نہیں سنا اس کے باوجود وہ اس کو حدیث بسرہ پر ترجیح دے رہے ہیں۔ نتیجہ کیا نکلا؟ آپ خود ہی سمجھ گئے ہوں گے۔ مطلب یہ ہے کہ ہماری جھونپڑی سے پہلے اپنی حویلی کی تو خبر لیجئے کہیں اس پر تو کوئی زد نہیں آ رہی۔

رہے بیچارے دارقطنی، بیہقی اور ابن الجوزی سو ان کی جرح مبہم ان موثقین کے مقابلہ میں کب مسموع ہو سکتی ہے۔ یہ تو پہلے طریق کا حال ہے۔ دوسرا طریق جواب نسخ کا ہے۔
حافظ ابن حجر تلخیص میں لکھتے ہیں کہ ابن حبان، طبرانی، ابن العربی، حازمی اور بیہقی نے حدیث طلق کے نسخ کا دعویٰ کیا ہے جس کو ابن حبان نے وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ابن حبان کی توضیح یہ ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حدیث طلق نے ایک عالم کو اس وہم میں ڈال دیا کہ یہ حدیث بسرہ کے معارض ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ حدیث طلق منسوخ ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرت طلق بن علی کی حاضری ہجرت کے پہلے سال ہے جب مسلمان مدینہ میں مسجد نبوی کی تعمیر میں مصروف تھے اور حضرت ابوہریرہ سنہ ۷ھ میں مشرف باسلام ہوئے تو حضرت ابوہریرہ کی حدیث حدیث طلق سے تقریباً سات سال بعد کی ہے جس میں مس ذکر سے وجوب وضو وارد ہے اور حضرت طلق کا دوبارہ مدینہ آنا معلوم نہیں۔ بس یہ واضح ثبوت ہے کہ حدیث طلق منسوخ ہے۔

امام نووی شرح مہذب میں فرماتے ہیں کہ یہ مشہور جواب ہے جس کو خطابی، بیہقی اور ہمارے اصحاب نے کتب مذہب میں ذکر کیا ہے۔

علامہ شوکانی فرماتے ہیں کہ محققین ائمہ اصول کے نزدیک یہ مضمون نسخ کی دلیل نہیں ہو سکتا۔ دلیل نسخ نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ دعویٰ نسخ چند امور کے ثبوت پر موقوف ہے اول یہ کہ حضرت طلق کی آمد بناء مسجد کے موقع پر بھی۔ دوم یہ کہ مسجد کی تعمیر صرف ہجرت کے پہلے ہی سال ہوئی ہے۔ سوم یہ کہ اس کے بعد حضرت طلق کی حاضری نہیں ہوئی۔ چہارم یہ کہ نقض وضوء روایت کرنے والے اصحاب میں سے کوئی بناء مسجد کے موقع پر حاضر نہ تھا۔

امر اول کی بابت ابن حبان نے تصریح تو کی ہے کہ حضرت طلق کی آمد ہجرت کے پہلے سال تھی جس وقت مسلمان مسجد کی تعمیر میں مصروف تھے مگر اس کی سند پیش نہیں کی۔ حافظ بیہقی اور حازمی نے اس کی سند میں محمد بن جابر کی حدیث عن عبد الملک بن بدر عن طلق بن علی پیش کی ہے انہ قال قدمت علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وہم یبنون المسجد اہ۔

اور یہ محمد بن جابر وہی ہیں جنھوں نے حضرت طلق سے یہ بھی روایت کیا ہے۔ انہ سأل النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہل من مس الذکر وضوء؟ قال، لا جس کا حوالہ صاحب کتاب نے بھی دیا ہے تو اب دیکھیے کہ عدم نقض وضوء والی حدیث میں حازمی اور بیہقی ایوب بن عتبہ اور محمد بن جابر کے متعلق کہتے ہیں کہ ضعیف ہیں۔ حافظ بیہقی کہتے ہیں کہ محمد بن جابر متروک ہے اور یہاں اپنے مسئلہ میں محمد بن جابر کی روایت پیش کر رہے ہیں۔ سبحان اللہ جو راوی ہمارے مسئلہ میں ضعیف و متروک ہے وہی راوی جب ان کے مسئلہ میں آ ملے تو ثقہ، ثبت اور قابل حجت ہو جاتا ہے فیا للعجب۔

امر دوم کے متعلق بھی ابن حبان نے صرف دعویٰ ہی کیا ہے دلیل میں کوئی حدیث پیش نہیں کی نہ صحیح نہ ضعیف اور پیش کر بھی نہیں سکتے۔ اس واسطے کہ عہد نبوی میں مسجد کی تعمیر دو بار ہوئی ہے ایک مرتبہ خیبر سے قبل اور ایک مرتبہ اس کے بعد۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں بحوالہ طبقات ابن سعد حضرت عائشہ کی حدیث نقل کی ہے قالت قدمنا المدینۃ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یبنی المسجد وابیاتا حول المسجد فانزل منہا اہلہ۔ یعنی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو آپ نے مسجد کی تعمیر شروع کی اور اس کے اردگرد چند کمرے بنائے اور وہیں اہل وعیال کو ٹھہرایا۔

اس کی تکمیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے ایک مدت بعد ہوئی۔ نیز مسند میں حضرت ابوہریرہ کی حدیث ہے فرماتے ہیں کہ مسجد کی۔۔۔ تعمیر کے لئے ہم اینٹیں اٹھا رہے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس شریک تھے۔ میں نے دیکھا کہ آپ اینٹ اٹھائے ہوئے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ آپ کو بھاری محسوس ہو رہی ہے۔ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! مجھے عنایت فرما دیجیے آپ نے فرمایا، خذ غیرہا یا اباہریرۃ! فانہ لا عیش الا عیش الآخرۃ۔

اس کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے اور اس کے رجال صحیحین میں سے ہیں۔

نیز مسند میں حضرت عبد اللہ بن الحارث کی یہ روایت بھی موجود ہے کہ حضرت عمرو بن العاص نے امیر معاویہ سے کہا: امیر المومنین! میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عمار کے حق میں یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جبکہ آپ مسجد کی تعمیر میں مصروف تھے، عمار! تم جہاد کے بڑے حریص ہو، اہل جنت

میں سے ہو اور تم طائفہ باغیہ کے ہاتھوں جام شہادت نوش کرو گے۔

اس کو طبرانی نے بھی روایت کیا ہے اور بقول ہیثمی اس کے رجال ثقہ ہیں۔ ان روایات میں تصریح ہے کہ حضرت ابوہریرہ، امیر معاویہ، عمرو بن العاص اور ان کے صاحبزادے عبداللہ ابن عمرو سب حضرات تعمیر مسجد کے موقعہ پر موجود تھے۔ علامہ سمہودی وفاء الوفا باخبار دار المصطفیٰ میں حضرت ابوہریرہ کی حدیث ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ بناء ثانی سے متعلق ہے کیونکہ حضرت ابوہریرہ بناء اول میں حاضر ہی نہیں تھے اس لئے کہ وہ تو فتح خیبر کے سال یعنی سنہ ۷ھ میں تشریف لائے ہیں۔

الاصابہ، البدایۃ والنہایۃ وغیرہ میں اس کی بھی تصریح ہے کہ امیر معاویہ فتح مکہ کے سال سنہ ۸ھ میں اور حضرت عمرو بن العاص فتح مکہ سے چھ ماہ قبل مشرف باسلام ہوئے معلوم ہوا کہ دوسری مرتبہ مسجد کی تعمیر فتح مکہ کے بعد ہوئی۔ بس ایک ضعیف حدیث کی بے پر یہ دعویٰ کرنا کہ حضرت طلق کی آمد ہجرت کے پہلے سال تھی قطعی غلط ہے۔

افسوس کہ مدعی نسخ حدیث طلق کے چکر میں یہ بھی نہ سوچ سکا کہ حدیث "اذا رأیتم الہلال فصوموا لرؤیتہ واذا رأیتموہ فافطروا فان اغمی علیکم فاتموا العدۃ" کے راوی حضرت طلق بن علی ہیں جو کھلی دلیل ہے اس بات کی کہ آپ کی آمد فرضیت رمضان کے بعد ہوئی اور فرضیت رمضان سنہ ۲ھ کے آخر میں ہوئی ہے۔ پھر حضرت طلق کا ہجرت کے پہلے سال آنا کیسے ثابت ہو سکتا ہے۔

علاوہ ازیں امام واقدی اور ابن سعد وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ حضرت طلق کی آمد وفد بنی حنیفہ کے ساتھ تھی جن میں ابن عقود، سلمہ بن حنظلہ سحیمی، حمران بن جابر، علی بن سنان، اقعس بن سلمہ، زید بن عمرو بن عبد عمرو اور مسلیمہ بن حبیب وغیرہ لوگ شامل تھے۔ یہ لوگ مشرف باسلام ہوئے۔ آپ کے دست مبارک پر بیعت کی اور وطن لے جانے کے لئے آپ سے پانی طلب کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ وطن واپس جا کر بیعہ (کلیسا، گرجا) کو توڑ کر یہ پانی اس جگہ چھڑک کر مسجد بنا دینا اھ"

اور وفد بنی حنیفہ کی آمد بالاتفاق سنہ ۹ھ میں ہے نتیجہ یہ نکلا کہ حدیث طلق حدیث ابوہریرہ سے دو سال بعد کی ہے پس اگر منسوخ ہو سکتی ہے تو حضرت ابوہریرہ اور حضرت بسرہ وغیرہ کی حدیث ہو سکتی ہے نہ کہ حدیث طلق بن علی۔ اس تفصیل سے طریق سوم اور طریق چہارم کا بھی غلط ہونا ثابت ہو گیا۔

قولہ قال ابوداؤد الخ یعنی عبداللہ بن بدر نے بواسطہ قیس بن طلق حضرت طلق بن علی کی حدیث کے الفاظ "اترى فى مس الرجل ذكره بعد ما يتوضأ" روایت کئے ہیں جس میں لفظ "فی الصلوۃ" مذکور نہیں اور مسدد، ہشام بن حسان، ثوری، شعبہ، ابن عیینہ، اور جریر رازی نے بطریق محمد بن جابر بواسطہ قیس بن طلق حدیث مذکور میں لفظ "فی الصلوۃ" زائد ذکر کیا ہے تو روایت کے الفاظ یہ ہوئے "قال یا نبی اللہ ما تری فی مس الرجل ذکرہ فی الصلوۃ بعد ما یتوضأ"۔ اور چونکہ محمد بن جابر راوی ضعیف ہے اس لئے زائد لفظ جس میں وہ متفرد ہے وہ بھی ضعیف ہوگا۔

(۳۴) بابُ الوضوءِ من مسّ اللحمِ النيّ وغسلِه

(۵۲) حدثنا محمد بن العلاء وايوب بن محمد الرقي وعمرو بن عثمان الحمصي المعنى قالوا ثنا مروان بن معاوية قال اخبرنا هلال بن ميمون الجهني عن عطاء بن يزيد الليثي قال هلال لا اعلمه الا عن ابي سعيد وقال ايوب وعمرو واراه عن ابي سعيد ان النبي صلى الله عليه وسلم مرّ بغلام يسلخ شاة فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم تنحّ حتى أُرِيَك فادخل يده بين الجلد واللحم فدحس بها حتى توارت الى الابط ثم مضى فصلى للناس ولم يتوضأ، قال ابو داؤد زاد عمرو في حديثه يعني لم يمس ماءً وقال عن هلال بن ميمون الرملي، قال ابو داؤد ورواه عبد الواحد بن زياد وابو معاوية عن هلال عن عطاء عن النبي صلى الله عليه وسلم مرسلا لم يذكر ابا سعيد

حل لغات

نِیّ بروزن فعیل کچا یا نیم پختہ گوشت۔ نِیٌّ یہاں ہمزہ و واؤ ادغام بھی استعمال ہوتا ہے۔ وغسلہ واؤ بمعنی او ہے ای باب الوضوء الشرعی او غسل الید من مس اللحم النی ہل ہو ضروری ام لا۔ اُرَاہُ ای اظنہ۔ یسلخ (ف، ن) شاۃ بکری کے بچہ کی کھال اتارنا۔ اونٹ کی کھال اتارنے کے لئے کشط بولا جاتا ہے وکذا فی المصباح۔ تَنَحَّ تنحی من توضو سے امر حاضر ہے بچ ہٹ جا۔ فدحس (ف، ن) دَحْسًا۔ کھال اتارنے کے لئے کھال میں ہاتھ داخل کرنا (مصباح)، توارت تواری آڑ میں آنا الابط بغل:۔ ترجمہ

محمد بن علاء اور ایوب بن محمد رقی اور عمرو بن عثمان حمصی نے بطریق مروان بن معاویہ بسند ہلال بن میمون جہنی عطاء بن یزید لیثی سے روایت کیا ہے۔ ہلال نے کہا ہے کہ میں یہ حدیث نہیں جانتا۔ مگر ابوسعید سے اور ایوب و عمرو نے کہا ہے کہ میرا خیال ہے کہ یہ حدیث ابوسعید سے ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک لڑکے کے پاس سے گذرے جو ایک بکری کی کھال اتار رہا تھا۔ آپ نے فرمایا ہٹ میں بتاؤں۔ پس آپ نے اپنا ہاتھ کھال اور گوشت کے اندر اتنا ڈالا کہ وہ بغل تک چلا گیا پھر آپ تشریف لے گئے نماز پڑھائی اور وضو نہیں کیا۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ عمرو نے اپنی حدیث میں اتنا زیادہ کیا ہے کہ پانی سے نہیں دھویا اور ہلال بن میمون سے اس کی روایت بصیغہ عن ہے اور اس نے ان کی نسبت رملی ذکر کی ہے۔

ابوداؤد کہتے ہیں کہ اس حدیث کو عبدالواحد بن زیاد اور ابومعاویہ نے عن ہلال عن عطاء عن النبی صلعم مرسلاً روایت کیا ہے ابوسعید کو ذکر نہیں کیا:۔ تشریح

له وفی روایۃ ابن حبان الجزم بانہ عن ابی سعید ذکرہ السیوطی ۱۲ کله فی روایۃ الطبرانی ہو معاذ بن جبل ۱۲ بذل

قولہ قال ابو داؤد وزاد عمرو الخ (۴۱) یعنی صاحب کتاب کے شیخ محمد بن العلاء اور ایوب بن محمد کی روایت ولم یتوضأ پر ختم ہے اور عمرو بن عثمان حمصی نے لم یتوضأ کی تفسیر میں یعنی لم یمس ماء الفاظ زائد روایت کئے ہیں گویا لم یتوضأ میں وضوء سے مراد وضوء لغوی ہے نیز ہلال بن میمون سے عمرو کی روایت بصیغہ عن ہے اور ان کی نسبت الرملی مذکور ہے اور محمد بن العلاء وایوب بن محمد کی روایت بصیغہ اخبار ہے اور نسبت میں الجہنی ہے وہذا اختلاف فی اللفظ لا فی المعنی۔

قولہ قال ابو داؤد ورواہ الخ (۴۲) اس سے صرف یہی بتانا ہے کہ عبد الواحد بن زیاد اور ابو معاویہ کی روایت مرسل ہے انھوں نے ابو سعید کو ذکر نہیں کیا۔

(۷۵) باب فی ترک الوضوء مما مست النار

(۵۳) حدثنا موسی بن سھل ابو عمران الرملی قال ثنا علی بن عیاش قال ثنا شعیب بن ابی حمزۃ عن محمد بن المنکدر عن جابر قال کان اٰخر الامرین من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ترک الوضوء مما غیرت النار، قال ابو داؤد و ھذا اختصار من الحدیث الاول

ترجمہ

موسیٰ بن سہل ابو عمران رملی نے بطریق علی بن عیاش بسند شعیب بن ابی حمزہ بواسطہ محمد بن المنکدر، حضرت جابر سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری فعل آگ پر پکی ہوئی چیز سے وضوء نہ کرنا تھا۔ ابو داؤد کہتے ہیں کہ یہ حدیث اول کا اختصار ہے:۔ **تشریح**

قولہ باب الخ۔ جو چیزیں آگ کی حرارت سے متغیر ہو گئی ہوں (یعنی ان کو آگ پر پکا لیا گیا ہو) ان کے تناول سے وضوء واجب ہے یا نہیں؟ صحابہ میں سے (بقول حازمی) خلفاء اربعہ، ابن مسعود، ابن عباس، ابو الدرداء، عامر بن ربیعہ، ابی بن کعب، ابو امامہ، مغیرہ بن شعبہ، جابر بن عبداللہ (اور بقول شوکانی) ابن عمر، انس بن مالک، ابو طلحہ، ابو ایوب، جابر بن سمرہ، زید بن ثابت، ابو ہریرہ، عائشہ اور تابعین میں سے ابن الحنفیہ، عبد اللہ بن یزید، عبیدہ، شعبی، ابو الدرداء عبدی، ابن المسیب، سالم بن عبد اللہ، قاسم بن محمد اور ائمہ و فقہاء میں سے ائمہ اربعہ، ابن المبارک، ابن راہویہ، یحییٰ بن یحییٰ، ابو ثور، ابو خیثمہ، ثوری، اہل حجاز و اہل کوفہ میں سے کسی کے نزدیک وضوء واجب نہیں۔

ان کے علاوہ بعض دیگر حضرات ابو موسیٰ اشعری، ام حبیبہ، ابو مسعود، ابو عزہ ہذلی، ابو سلمہ، عمر بن عبد العزیز، ابو مجلز، حسن بصری، یحییٰ بن یعمر، زہری، ابو میسرہ اور عروہ بن الزبیر وجوب وضوء کے قائل ہیں۔

اس سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب سے دونوں طرح کی روایتیں ہیں چنانچہ حضرت زید بن ثابت، سہل بن الحنظلیہ، ابو عزہ، عائشہ، ام حبیبہ، ابو موسیٰ، عبد اللہ بن زید

ابو مسعود البدری، سلمہ بن سلامہ، عبداللہ بن ابی امامہ سے وجوب وضوء وارد ہے اور حضرت ابن عباس، جابر بن عبداللہ، ام حکیم، ابو رافع، عبداللہ بن الحارث، عمرو بن امیہ، ابو عقبہ، سوید بن النعمان، ام عامر دنکیبہ، محمد بن مسلم، مغیرہ بن شعبہ، اور فاطمہ زہراء سے عدم وضوء وارد ہے اور حضرت ابو ہریرہ، انس بن مالک، ابن عمر، ابو طلحہ، ابو ایوب اور ام سلمہ سے وجوب وضوء اور عدم وجوب وضوء دونوں طرح کی روایتیں ہیں۔

پھر یہ اختلاف بھی ابتدائی دور کا ہے بعد میں سب کا اتفاق ہوگیا کہ اس سے وضوء واجب نہیں اور جن احادیث میں وجوب وضوء وارد ہے وہ منسوخ ہیں۔ قاضی عیاض، نووی، شعرانی، باجی، اور ابن قدامہ وغیرہ نے اتفاق علماء کی تصریح کی ہے اس لئے اس مسئلہ پر زیادہ بولنے کی ضرورت نہیں

قولہ کان آخر الامرین الخ۔ امرین یعنی مامور بہ اور مامور سے مراد فعل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آگ سے پکی ہوئی چیز کے تناول کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وضوء کرنا اور نہ کرنا دونوں نقل ثابت ہیں۔ لیکن آپ کا آخری فعل وضوء نہ کرنا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ لفظ امر اپنے اصلی معنی پر ہو۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اوّلاً آپ نے ان چیزوں کے تناول سے وضوء کا حکم فرمایا، اور اس پر عمل ہوا پھر آپ نے ترک وضوء کا حکم فرمایا تو اس پر عمل ہوا۔ فکان آخر الامرین ترک الوضوء۔ بہرکیف اس پر تو سب کا اجماع ہے کہ مامست النار سے وضوء واجب نہیں لیکن جن احادیث میں وجوب وضوء وارد ہے ان کا کیا جواب ہے؟ اس سلسلہ میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ وجوب وضوء والی احادیث منسوخ ہیں اور حدیث جابر۔ کان آخر الامرین ترک الوضوء مما غیرت النار ناسخ ہے جس کی تخریج امام نسائی، ابن الجارود، بیہقی، طبرانی اور طحاوی وغیرہ نے بھی کی ہے اور امام نووی نے شرح مسلم میں اور بقول حافظ ابن حجر ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اس کی تصحیح کی ہے اور بخاری کی حدیث عن سعید بن الحرث قلت لجابر الوضوء مما مست النار؟ قال، لا۔ اسی طرح محمد بن مسلمہ، ابو ہریرہ، مغیرہ بن شعبہ اور حضرت فاطمہ

۱۶۷

عہ اخرجہ البخاری فی الاطعمۃ عن ابراہیم بن المنذر عن محمد بن فلیح عن ابیہ عن سعید عن جابر انہ سألہ عن الوضوء مما مست النار فقال لا قد کنا فی زمان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا نجد مثل ذلک من الطعام الا قلیلا فاذا نحن وجدناہ لم یکن لنا منادیل الا اکفنا وسواعدنا واقدامنا ثم نصلی ولا نتوضأ ۱۲

کی احادیث میں اس کی شہادت موجود ہے۔ علامہ خطابی اور ابن تیمیہ کی رائے یہ ہے کہ امر بالوضوء والی احادیث استحباب پر محمول ہیں نہ کہ وجوب پر۔ امام زہری وغیرہ کہتے ہیں کہ ترک وضوء منسوخ ہے۔ ابو سلمہ بن سلامہ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں جو سنن بیہقی میں مروی ہے۔ مگر اس سے استدلال صحیح نہیں کیونکہ اس کے رواۃ میں عبد اللہ بن صالح کاتب لیث متہم بالکذب ہے اور زید بن جبیرہ کو بخاری اور نسوی نے منکر الحدیث، ازدی نے متروک الحدیث اور ابو حاتم نے ضعیف و منکر الحدیث کہا ہے:۔

قولہ قال ابوداؤد الخ (۳۳) لفظ ہذا سے حضرت جابر کے قول "کان آخر الامرین ترک الوضوء مما غیرت النار" کی طرف اشارہ ہے۔ اور حدیث اول سے مراد محمد بن المنکدر والی حدیث ہے جو اس سے پہلے ہے۔ حافظ بیہقی کے کلام سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ صاحب کتاب اس قول سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حضرت جابر کے قول مذکور سے وجوب وضوء کے نسخ پر استدلال صحیح نہیں کیونکہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری فعل علی الاطلاق ترک وضوء تھا، بلکہ یہ حدیث اول کا اختصار ہے اور مطلب یہ ہے کہ اس مجلس میں آپ کا آخری فعل ترک وضوء تھا۔ تو ممکن ہے کہ الوضوء مما مست النار کا حکم اس قصہ کے بعد ہو۔ شیخ بذل المجہود میں فرماتے ہیں کہ یہ احتمال بلا دلیل ہے۔ ابن حزم اپنی کتاب المحلی میں کہتے ہیں کہ قول مذکور کو حتمی طور پر حدیث اول کا اختصار قرار دینا ظن محض ہے صحیح یہ ہے کہ یہ مستقل دو حدیثیں ہیں۔ علامہ ابن الترکمانی فرماتے ہیں دعوی الاختصار فی غایۃ البعد۔

۱۶۸

(۳۶) باب التشدید فی ذلک

(۱۹۵) حدثنا مسلم بن ابراھیم قال ثنا ابان عن یحیی یعنی ابن ابی کثیر عن ابی سلمۃ ان ابا سفیان بن سعید بن مغیرۃ حدثہ انہ دخل علی ام حبیبۃ فسقتہ قدحًا من سویق فدعا بماء فمضمض قالت یا ابن اختی الا توضأ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال توضؤا مما غیرت النار او قال مما مست النار قال ابوداؤد فی حدیث الزھری یا ابن اخی

ترجمہ

مسلم بن ابراہیم نے بطریق ابان بسند یحیی بن ابی کثیر بواسطہ ابو سلمہ، ابو سفیان بن سعید بن مغیرہ سے روایت کیا ہے کہ وہ حضرت ام حبیبہ کے پاس گئے۔ انھوں نے ستو کا ایک پیالہ ان کو پلایا، پھر ابو سفیان نے پانی منگا کر کلی کی۔ حضرت ام حبیبہ نے کہا، بھانجے وضوء کیوں نہیں کرتا۔ بیشک رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وضوء کرو ان کھانوں سے جو آگ پر پکے ہوں۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ زہری کی حدیث میں یا ابن اخی ہے:۔ تشریح

قولہ قال ابوداؤد الخ (۳۲) اس کا مطلب یہ ہے کہ لفظ یا ابن اخی اور یا ابن اخت کے متعلق یحییٰ بن ابی کثیر اور زہری کی روایات میں اختلاف ہے یحییٰ بن ابی کثیر کی روایت میں یا ابن اختی ہے اور یہی صحیح ہے۔ کیونکہ ابوسفیان بن سعید حضرت ام حبیبہ کے بھانجے تھے جس کی تصریح اسماء الرجال میں موجود ہے اور زہری کی روایت میں یا ابن اخی ہے۔ پس یہ یا تو مبنی بر مجاز ہے یا وہم رواۃ۔

(۳۷) باب فی الوضوء من النوم

(۵۵) حدثنا شاذ بن فیاض قال ثنا هشام الدستوائی عن قتادة عن انس قال كان اصحاب رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ينتظرون العشاء الآخرة حتى تخفق رؤسهم ثم يصلون ولا يتوضؤن. قال ابوداؤد وزاد فيه شعبة عن قتادة قال كنا نخفق على عهد رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال ابوداؤد ورواه ابن ابی عروبة عن قتادة بلفظ آخر.

حل لغات

نوم نیند۔ عشاء عشی۔ رات کی ابتدائی تاریکی یا مغرب سے عشاء تک کی تاریکی کو کہتے ہیں، اور بقول بعض زوال شمس سے لے کر طلوع فجر تک کا حصہ عشاء کہلاتا ہے قال الشاعر ؎

غدونا غدوة سحرا بليل، عشاء بعد ما انتصف النهار

تخفق (ض) خفقا۔ اونگھ سے سر ہلانا یہ اونگھ سے اوپر کا درجہ ہے اس میں سر جھکنے لگتا ہے اور ٹھوڑی سینے سے ٹکرا جاتی ہے۔

ترجمہ

شاذ بن فیاض نے بطریق ہشام دستوائی بسند قتادہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ صحابہ عشاء کی نماز کا انتظار کرتے تھے یہاں تک کہ ان کے سر سینوں تک جھک جاتے تھے پھر نماز پڑھتے تھے اور وضو نہیں کرتے تھے۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ شعبہ نے قتادہ کے واسطے سے یہ اضافہ کیا ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جھک جاتے تھے۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ ابن ابی عروبہ نے قتادہ سے اس روایت کو دوسرے الفاظ سے بیان کیا ہے۔

تشریح

قولہ باب الخ۔ سونا فی ذاتہ ناقض وضو نہیں بلکہ اس کا مدار حدیث پر ہے۔ البتہ سونے کی حالت میں چونکہ استرخاء مفاصل یعنی جوڑ بند ڈھیلے پڑ جانے کی وجہ سے عادۃً غیر اختیاری طور پر کچھ نہ کچھ خروج ریاح کا امکان رہتا ہے اور عادی چیز دل کو یقین کا درجہ دیا جاتا ہے اس لئے سونے کو ناقض وضو ٹھہرایا گیا ہے۔ پھر سونے کی مختلف حالتیں ہیں۔ مثلاً کروٹ کے بل لیٹ کر یا تکیہ لگا کر یا کسی ایسی چیز سے ٹیک لگا کر سونا کہ اگر اس کو ہٹا دیا جائے تو سونے والا گر جائے۔ اسی طرح

چہار زانو ہو کر یا بیٹھ کر یا پاؤں پھیلا کر سونا یا قیام، رکوع، سجود، قعود کی حالت میں سونا وغیرہ ان میں سے اول الذکر تین حالتوں میں استرخاء مفاصل کی وجہ سے حدث کا احتمال غالب رہتا ہے اس لئے ہمارے یہاں یہ تین صورتیں ناقض وضو ہیں۔ خواہ بحالت صلوٰۃ ہو یا خارج صلوٰۃ اور بقیہ حالتیں غیر ناقض ہیں، امام شافعی کا بھی ایک قول یہی ہے مگر غریب ہے۔

امام نووی نے اس سلسلہ میں متعدد مذاہب نقل کئے ہیں۔

(۱) نوم ناقض وضو نہیں ہے خواہ کسی حالت پر ہو۔ یہ حضرت ابوموسیٰ اشعری، ابن المسیب، ابومجلز، حمید اعرج، اور شعبہ سے منقول ہے اور مستدل حضرت انس کی یہ حدیث ہے کہ صحابہ عشاء کی نماز کے انتظار میں نیند سے جھومتے رہتے تھے۔ جواب یہ ہے کہ یہ نوم بحالت قعود پر محمول ہے اور ظاہر ہے کہ قعود کی حالت میں استرخاء مفاصل نہیں ہوتا۔

(۲) ہر حالت ناقض وضو ہے، حسن بصری، مزنی، ابوعبید قاسم بن سلام، اسحٰق بن راہویہ کا یہی مذہب ہے اور امام شافعی کا قول غریب بھی یہی ہے حضرت علی کی حدیث ہے۔ "وکاء السنہ العینان فمن نام فلیتوضأ۔" یعنی دبر کا سربند آنکھیں ہیں، جب کھلی ہوتی ہیں تو ریاح پر قابو رہتا ہے، اور بند ہو گئیں تو قابو نہیں رہتا، پس جو شخص سو جائے اس کو وضو کرنا چاہئے۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ اس میں نوم کو علی الاطلاق ناقض وضو کہا جا رہا ہے۔

جواب یہ ہے کہ اول تو روایت منقطع ہے کیونکہ عبد الرحمٰن بن عائذ نے حضرت علی سے نہیں سنا، دوسرے یہ کہ اس کے راوی بقیہ اور وضین ضعیف ہیں اھ اگر روایت کو حسن ہی مان لیں جیسا کہ نووی نے خلاصہ میں، اور منذری وابن الصلاح نے کہا ہے تو دوسری روایات سے ثابت ہے کہ نوم علی الاطلاق ناقض نہیں۔

(۳) زیادہ نیند بہرحال ناقض ہے اور تھوڑی نیند کسی حال میں بھی ناقض نہیں کیونکہ مظنۂ حدث نوم کثیر ہی ہے نہ کہ قلیل۔ زہری، ربیعہ، اوزاعی اور امام مالک کا مذہب یہی ہے اور یہی ایک روایت امام احمد سے بھی ہے۔

(۴) مسلک احناف ہے جس کو ہم شروع میں ذکر کر چکے، دلیل حضرت ابن عباس کی حدیث ہے جو آگے آ رہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحالت سجدہ سو جاتے یہاں تک کہ خراٹے کی آواز بھی ہونے لگتی۔ پھر آپ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگتے۔ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! آپ نے نماز پڑھ لی اور وضو نہیں کیا حالانکہ آپ سو گئے تھے۔ فرمایا، وضو تو اس پر ہے جو پہلو کے بل سو جائے کیونکہ اس طرح سونے سے جوڑ بند ڈھیلے ہو جاتے ہیں" (ابوداؤد، احمد، طبرانی، ابن ابی شیبہ، دارقطنی، بیہقی) اس حدیث کو اکثر حضرات نے گو ضعیف کہا ہے لیکن یہ درجہ حسن سے کم نہیں جیسا کہ ہم اس حدیث سے متعلق قال ابوداؤد کے ذیل میں ثابت کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔

علاوہ ازیں امام مالک نے حضرت عمر سے موقوفاً روایت کیا ہے "اذا نام احدکم مضطجعا فلیتوضأ" نیز بیہقی نے کتاب المعرفۃ میں حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے "لیس علی المحتبی النائم ولا علی القائم النائم ولا علی الساجد النائم وضوء حتی یضطجع" اس کے علاوہ اور بھی آثار و احادیث ہیں۔

(۵) صرف نوم راکع اور نوم ساجد ناقض وضوء ہے۔ یہ امام احمد سے مروی ہے (۶) نوم راکع اور نوم ساجد ناقض وضوء نہیں باقی ہر نیند ناقض ہے۔ یہ بھی امام احمد سے مروی ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ نیند کی حالت میں سجدہ کرنے والے کو دیکھ کر ملائکہ کے سامنے اس کی جسمانی طاعت پر فخر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میرے بندے کو دیکھو کہ اس کی روح میرے پاس ہے اور وہ میرے لئے سجدہ میں ہے (اخرجہ احمد فی الزہد) اور ظاہر ہے کہ یہ فضیلت بلا وضوء نہیں ہو سکتی (۷) نماز کی حالت میں ناقض نہیں خارج نماز ناقض ہے۔ یہ امام شافعی کا ایک ضعیف قول ہے (۸) بیٹھ کر اس طرح سونا کہ اس کی مقعد زمین پر قائم اور متمکن رہے ناقض وضوء نہیں ہے ورنہ ناقض ہے نماز میں ہو یا غیر نماز میں، کم سوئے یا زائد، امام شافعی کا مذہب یہی ہے :-

قولہ قال ابوداؤد زاد فیہ الخ (۵) یعنی شعبہ نے قتادہ سے حضرت انس کے یہ الفاظ زائد روایت کئے ہیں کہ "کنا نخفق علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" جس سے یہ بتانا ہے کہ یہ نادر الوقوع چیز نہ تھی بلکہ ایک عام بات تھی۔

حافظ بیہقی نے سنن میں صاحب کتاب کی یہ عبارت نقل کرنے کے بعد عن شعبہ عن قتادہ عن انس یوں روایت کیا ہے: "قال کان اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ینامون ثم یصلون ولا یتوضؤن علی عہد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم" سنن ترمذی میں بھی شعبہ کی روایت ہے مگر اس میں "ثم یصلون ولا یتوضؤن" نہیں ہے :-

قولہ قال ابوداؤد رواہ ابن ابی عروبۃ الخ (۶) شیخ نے بذل میں تحریر فرمایا ہے کہ میں نے کتب حدیث میں قتادہ سے سعید بن ابی عروبہ کی روایت نہیں پائی بجز اس کے جس کو حافظ بیہقی نے "باب ما ورد فی نوم الساجد" میں ابو خالد یزید الدالانی کی حدیث کے بعد ذکر کیا ہے۔ "فقال ورواہ سعید بن ابی عروبۃ عن قتادہ عن ابن عباس قولہ"

اس میں قتادہ اور ابن عباس کے درمیان ابوالعالیہ کا ذکر نہیں ہے۔ سنن ترمذی میں بھی اسی طرح ہے تو ممکن ہے کہ روایت ابن ابی عروبہ سے صاحب کتاب کی مراد یہی روایت موقوفہ ہو مگر اس کو حدیث ابن عباس کے ذیل میں ذکر کرنا چاہئے تھا جو عنقریب آرہی ہے۔

لیکن صاحب عون المعبود کہتے ہیں کہ غالباً اس سے اُس روایت کی طرف اشارہ ہے جس کی تخریج صاحب کتاب نے ابواب قیام اللیل کے ذیل میں (یعنی باب وقت قیام النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اللیل کے ذیل میں) بایں الفاظ کی ہے: "حدثنا ابو کامل ثنا یزید بن زریع نا سعید۔ (ابن ابی عروبۃ) عن قتادۃ عن انس بن مالک فی ہذہ الآیۃ تتجافی جنوبہم عن المضاجع یدعون ربہم خوفا وطمعا ومما رزقنہم ینفقون۔ قال کانوا یتیقظون ما بین المغرب والعشاء یصلون" :-

حدثنا یحیی بن معین وھناد بن السری وعثمان بن ابی شیبۃ عن عبد السلام بن حرب وھذا لفظ حدیث یحیی عن ابی خالد الدالانی عن قتادۃ عن ابی العالیۃ عن ابن عباس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یسجد وینام وینفخ ثم یقوم فیصلی ولا

توضأ فقلت له صليت ولم تتوضأ وقد نمت فقال إنما الوضوء على من نام مضطجعا زاد عثمان وهناد فإنه إذا اضطجع استرخت مفاصله. قال أبو داود قوله الوضوء على من نام مضطجعا هو حديث منكر لم يروه إلا يزيد الدالاني عن قتادة وروى أوله جماعة عن ابن عباس لم يذكروا شيئا من هذا وقال كان النبي صلى الله عليه وسلم محفوظا وقالت عائشة قال النبي صلى الله عليه وسلم تنام عيناي ولا ينام قلبي وقال

له أخرج البيهقي بسنده عن عكرمة عن ابن عباس عن رسول الله صلى الله عليه وسلم نام حتى سمع غطيطه فقام فصلى ولم يتوضأ (بذل)، وأخرج مسلم عن كريب عن ابن عباس قال بت ليلة عند خالتي ميمونة فقام النبي صلى الله عليه وسلم من الليل الحديث وفيه ثم اضطجع فنام حتى نفخ وكان إذا نام نفخ فأتاه بلال فآذنه بالصلاة فقام فصلى ولم يتوضأ، وأما رواية سعيد بن جبير عن ابن عباس فأخرجها المؤلف في باب صلاة الليل ١٢ عون. له مقصود المؤلف من إيراد قول ابن عباس أو عكرمة وحديث عائشة تضعيف آخر الحديث أي سؤال ابن عباس بقوله صليت ولم تتوضأ وقد نمت وجوابه صلى الله عليه وسلم بقوله إنما الوضوء على من نام مضطجعا وتقريره أن آخر الحديث يدل على أن نومه صلى الله عليه وسلم مضطجعا ناقض لوضوئه والحال أنه مخالف لحديث عائشة تنام عيناي ولا ينام قلبي أخرجه الشيخان ولقول ابن عباس أو عكرمة كان النبي صلى الله عليه وسلم محفوظا فدل على أن آخر الحديث مع أنه منكر مخالف في المعنى للحديث الصحيح ١٢ عون. له قال النووي هذا من خصائص الأنبياء صلوات الله وسلامه عليهم وسبق في حديث نومه في الوادي فلم يعلم بفوات وقت الصبح حتى طلعت الشمس بأن طلوع الفجر والشمس متعلق بالعين لا بالقلب وأما أمر الحدث ونحوه متعلق بالقلب وقيل إنه كان في وقت ينام قلبه وفي وقت لا ينام فصادف الوادي نومه والصواب الأول. قال في مرقات الصعود وقال ولي الدين ابن الصلاح [illegible] تنام عيناه ولا ينام قلبه فكأنه لئلا يخلو وقته عن فجور ومفسدة مباشرة في عقوبة بخلاف قلب المصطفى صلى الله عليه وسلم فإنه كرام لئلا يخلو وقته عن المعارف الإلهية والمصالح الدينية والدنيوية فهو رافع لدرجاته ومعظم لشأنه ١٢ بذل. له وفي الترمذي قال علي بن المديني قال يحيى بن سعيد قال شعبة لم يسمع قتادة من أبي العالية إلا ثلاثة أشياء حديث عمر أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن الصلاة بعد العصر حتى تغرب الشمس وبعد الصبح حتى تطلع الشمس. وحديث ابن عباس عن النبي صلى الله عليه وسلم قال لا ينبغي لأحد أن يقول أنا خير من يونس بن متى. وحديث علي القضاة ثلاثة. وقال البيهقي بعد ما نقل قول أبي داود وقال شعبة إنما سمع قتادة من أبي العالية [illegible] قال الشيخ وصح أيضا حديث ابن عباس فيما يقول عند الكرب أخرجه الترمذي معنعنا ولكن قال هذا حديث حسن صحيح وحديثه في رؤية النبي صلى الله عليه وسلم موسى وغيره أخرجه مسلم في صحيحه في كتاب الأنبياء في باب الإسراء برسول الله صلى الله عليه وسلم قلت فعلى هذا تكون الأحاديث التي سمعها قتادة من أبي العالية ستة فالحصر الذي ورد في الترمذي في الثلاثة وفي أبي داود في الأربعة تقريبي ١٢ بذل. له أخرجه البخاري في كتاب الأنبياء وفيه تصريح بسماع قتادة عن أبي العالية وكذلك أخرجه مسلم بتصريح السماع في أحاديث الأنبياء وأما ما أخرجه المؤلف في باب التخيير بين الأنبياء فهو معنعن ١٢ بذل. له لم أجد هذا الحديث فيما تتبعت من الكتب إلا الترمذي المذكور يدل على أنه ليس فيه حديث ابن عمر وحصر السماع في ثلاثة أحاديث ليس فيها حديث ابن عمر ١٢ بذل. له فيه والترمذي إلى علي ولكن الذي أخرجه المؤلف في باب القاضي يخطئ فهو من حديث ابن بريدة عن أبيه وليس فيه ذكر سماع قتادة عن أبي العالية وكذلك أخرجه ابن ماجه وليس فيه ذكر قتادة ولا أبي العالية ١٢ بذل

شعبة انما سمع قتادة عن ابی العالیة اربعة احادیث حدیث یونس بن متی وحدیث ابن عمر فی الصلوة وحدیث القضاة ثلثة وحدیث ابن عباس حدثنی رجال مرضیون منهم عمر وارضاهم عندی عمر. قال ابوداؤد وذکرت حدیث الدالانی لاحمد فانتهرنی استعظاما له وقال ما لیزید الدالانی یدخل علی اصحاب قتادة ولم یعبأ بالحدیث

حل لغات

نفخ (ن) نَفخًا۔ قوت کے ساتھ منہ سے پھونک مارنا۔ مراد خراٹے لے کر سونا۔ مضطجع پہلو کے بل لیٹنے والا۔ استرخت استرخاء نرم اور ڈھیلا ہونا۔ مفاصل جمع مَفصِل جوڑ۔ فانتهرنی ڈانٹنا۔ جھڑکنا۔ لم یعبأ پرواہ نہیں کی۔

ترجمہ

یحیی بن معین، ہناد بن السری اور عثمان بن ابی شیبہ عن طریق عبدالسلام بن حرب (آنے والے الفاظ یحیی کی حدیث کے ہیں) بسند ابو خالد دالانی بواسطہ قتادہ عن ابی العالیہ حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کرتے اور سو جاتے تھے یہاں تک کہ خراٹوں کی آواز آتی تھی، پھر اٹھ کر نماز پڑھتے اور وضو نہیں کرتے تھے۔ ایک بار میں نے کہا: آپ نے نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا، حالانکہ آپ سو گئے تھے۔ آپ نے فرمایا: وضو اس پر لازم ہوتا ہے جو کروٹ لے کر سو جائے۔ عثمان اور ہناد نے اتنا زیادہ کیا ہے کہ جب کروٹ کے بل سوئے گا تو اس کے جوڑ ڈھیلے ہو جائیں گے۔

ابوداؤد کہتے ہیں کہ ۔ ابوضوء علی بن نام مضطجعا، حدیث منکر ہے اس کو قتادہ سے صرف یزید دالانی نے روایت کیا ہے اور اس کا پہلا ٹکڑا ابن عباس سے ایک جماعت نے روایت کیا ہے مگر اس میں یہ مضمون کسی نے ذکر نہیں کیا۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو محفوظ تھے حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری آنکھیں سوتی ہیں دل نہیں سوتا۔ شعبہ کہتے ہیں کہ قتادہ نے ابوالعالیہ سے صرف چار حدیثیں سنی ہیں۔ ایک حدیث یونس بن متی، دوسری حدیث ابن عمر نماز میں، تیسری حدیث القضاة ثلثة۔ چوتھی حدیث ابن عباس حدثنی رجال مرضیون منہم عمر وارضاہم عندی عمر۔

۱۷۳

ابوداؤد کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد سے دالانی کی حدیث کا تذکرہ کیا تو آپ نے اس کو انتہائی ضعیف سمجھتے ہوئے جھڑک دیا اور کہا: کیا حال ہے اس شخص کا کہ قتادہ کے شیوخ کی طرف ایسی چیزوں کی نسبت کرتا ہو جو انہوں نے بیان نہیں کیں، اور آپ نے اس حدیث کی طرف کوئی التفات نہیں کیا۔

تشریح

قولہ قال ابوداؤد قولہ الوضوء الخ یعنی الوضوء علی من نام مضطجعا" حدیث منکر ہے۔ کیونکہ اس کو قتادہ سے صرف ابو خالد یزید دالانی نے روایت کیا ہے اور یزید دالانی ضعیف ہے۔ ابن سعد نے اس کو منکر الحدیث، ابن حبان نے کثیر الخطأ فاحش الوہم کرابیسی نے مدلس اور ابن عبدالبر نے ناقابل حجت کہا ہے۔ امام ترمذی نے کتاب العلل میں ذکر کیا ہے کہ میں نے اس حدیث کے متعلق امام بخاری سے سوال کیا۔ آپ نے فرمایا: کچھ نہیں ہے۔

جواب یہ ہے کہ بیشک بعض حضرات نے یزید دالانی کے متعلق ایسے خیالات کا اظہار کیا ہے لیکن دوسرے حضرات نے ان کی توثیق بھی کی ہے۔ چنانچہ ابوحاتم نے ان کو صدوق اور ثقہ کہا ہے۔ یحیی بن معین، احمد بن حنبل اور امام نسائی کے الفاظ ان کے متعلق لا بأس بہ کے ہیں۔ حاکم فرماتے ہیں کہ ائمہ

متقدمین نے ان کے صدق و اتقان کی شہادت دی ہے۔ علامہ عجلی نے بھی البصری الساقرۃ ثقہ میں ان کی توثیق کی ہے اور ترمذی نے جہاں امام بخاری سے واشی نقل کیا ہے وہیں ان کو صدوق بھی تو مانا ہے البتہ یہ ضرور کہا ہے یہم فی الشئ۔

پھر ابن جریر طبری نے اس حدیث کو صحیح مانا ہے اور ابو خالد کی نسبت کہا ہے کہ یہ گو لین الحدیث ہیں تاہم ان کی حدیث لکھی جا سکتی ہے۔ نیز موصوف نے اس حدیث کی متابعت میں عن مہدی بن ہلال ثنا یعقوب بن عطاء بن ابی رباح عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ مرفوعاً روایت کیا ہے قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس علی من نام ساجداً وضوء حتی یضطجع جنبہ الی الارض: نیز ابن عدی اور بیہقی نے بطریق بحر بن کنیز عن میمون الخیاط عن ابی عیاض عن حذیفۃ بن الیمان روایت کیا ہے: قال کنت فی مسجد المدینۃ جالسا اخفق فاحتضننی رجل من خلفی فالتفت فاذا انا بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم فقلت یا رسول اللہ ہل وجب علی وضوء؟ قال، لا حتی تضع جنبک:

اس کے علاوہ حضرت عمر اور ابو ہریرہ کی روایت ہم شروع میں ذکر کر چکے ان سب کے مجموعہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ حدیث درجۂ حسن سے کم نہیں ہے۔

قولہ وقال کان النبی الخ۔ ظاہر سیاق حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ قال کا فاعل ابن عباس ہیں لیکن حافظ بیہقی نے سنن میں یہ ذکر کیا ہے: اخبرنا ابو علی الروذباری قال اخبرنا ابو بکر بن داسۃ قال قال ابو داؤد السجستانی قولہ الوضوء علی من نام مضطجعا ہو منکر وفیہ وقال عکرمۃ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم محفوظا:

بیہقی کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو داؤد کے نسخوں میں قال کے بعد لفظ عکرمۃ متروک ہے اور قال کا فاعل عکرمہ ہے نہ کہ ابن عباس۔

قولہ قال ابو داؤد وذکرت الخ (۵۶) اس عبارت سے صاحب کتاب کا مقصد یزید الدالانی کی تضعیف ہے جو امام احمد کے عدم اعتنا سے ظاہر ہے۔ مگر ہم امام احمد سے نقل کر چکے کہ آپ نے ان کے متعلق لا باس بہ کہا ہے دوسرے لوگوں کی آرا بھی گذر چکیں فلینتبہ:-

(۲۸) بابٌ فی المذی

حدثنا[۵۷] احمد بن یونس قال ثنا زہیر عن ہشام بن عروۃ عن عروۃ ان علیؓ بن ابی طالب قال للمقداد وذکر نحو ہذا قال فسألہ المقداد فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیغسل ذکرہ وانثییہ۔ قال ابو داؤد رواہ الثوری وجماعۃ عن ہشام عن ابیہ عن المقداد عن علیؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ترجمہ

احمد بن یونس نے بطریق زہیر بسند ہشام بن عروہ حضرت عروہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب

نے حضرت مقداد سے کہا (اس کے بعد عروہ نے سلیمان بن یسار کی حدیث کے مثل ذکر کیا) ۔ ۔ ۔
۔ ۔ ۔ ۔ حضرت علی کہتے ہیں کہ حضرت مقداد نے اس کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا، آپ نے فرمایا، عضو تناسل اور خصیے دھو لینے چاہئیں۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ اسکو ثوری اور ایک جماعت نے بطریق ہشام بن عروہ بواسطہ مقداد عن علی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم روایت کیا ہے۔ تشریح

قولہ باب الخ ۔ مذی اور مذیٔ رقیق اور سفید مائل رطوبت کو کہتے ہیں جو بیوی کے ساتھ دل لگی اور بوس وکنار کرنے پر نکل آتی ہے اس کے نکلنے سے صرف وضوء واجب ہوتا ہے غسل واجب نہیں ہوتا۔ مذی کی پاکی اور ناپاکی کا مسئلہ سو اس کی بحث باب المذی یصیب الثوب کے ذیل میں آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ

قولہ قال ابوداؤد الخ (۹۹) اس قول کا مقصد اگلے قول کے ذیل میں ذکر کیا جائے گا۔

(۲۰۸)
حدثنا عبد اللہ بن مسلمۃ القعنبی قال ثنا ابی عن ھشام بن عروۃ عن ابیہ عن حدیث حدثہ عن علی بن ابی طالب قال قلت للمقداد فذکر معناہ، قال ابوداؤد ورواہ المفضل بن فضالۃ والثوری وابن عیینۃ عن ھشام عن ابیہ عن علی ورواہ ابن اسحٰق عن ھشام بن عروۃ عن ابیہ عن المقداد عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یذکر انثییہ

ترجمہ

عبداللہ بن مسلمہ قعنبی نے اپنے والد کے طریق پر ہشام بن عروہ سے وہ حدیث روایت کی جو عروہ نے ہشام کو بواسطہ حضرت علی بیان کی تھی۔ پھر پہلی حدیث کا مضمون بیان کیا۔ ابوداؤد کہتے ہیں اس حدیث کو مفضل بن فضالہ، ثوری اور ابن عیینہ نے بسند ہشام بواسطہ عروہ حضرت علی سے روایت کیا ہے اور ابن اسحٰق نے بسند ہشام بواسطہ عروہ عن المقداد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے اور لفظ انثییہ ذکر نہیں کیا۔ تشریح

قولہ قال ابوداؤد الخ (۱۰۰) صاحب کتاب نے یہاں تین تعلیقیں ذکر کی ہیں پہلی تعلیق تو وہ ہے جس کی طرف قول ۹۹ کے ذیل میں "رواہ الثوری وجماعۃ عن ہشام" سے اشارہ کیا تھا دوسری تعلیق کو "ورواہ المفضل بن فضالہ" سے بیان کر رہے ہیں اور تیسری تعلیق کی طرف اس کے بعد ورواہ ابن اسحٰق عن ہشام الخ سے اشارہ کر رہے ہیں۔

صاحب کتاب ان تعلیقات کو تین مقاصد کے پیش نظر ذکر کر رہے ہیں۔ پہلا مقصد اختلاف سائل کو بیان کرنا ہے کہ سائل حضرت علی ہیں یا حضرت مقداد؟ سو پہلی اور دوسری تعلیق سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ سائل حضرت علی ہیں۔ اور تیسری تعلیق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مقداد ہیں۔ دوسرا مقصد یہ ہے کہ حدیث زہیر عن ہشام بن عروہ عن ابیہ عن علی غسل ذکر اور غسل انثیین دونوں پر دال ہے اور روایت محمد بن اسحٰق عن ہشام بن عروہ عن ابیہ عن المقداد عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں انثیین کا ذکر نہیں ہے تو صاحب کتاب بتانا چاہتے ہیں کہ غسل انثیین والی روایت کا طریق پر اشتمال ہے۔ کیونکہ حدیث زہیر عن ہشام بن عروہ مرسل

اور صحیحین وغیرہ کی اکثر روایات اُنثیین کے ذکر سے خالی ہیں لیکن حافظ ابو عوانہ نے اپنی صحیح میں بطریق عبیدہ حضرت علی سے جو روایت کی ہے اس میں اس کا ذکر موجود ہے اور اسکی اسناد بھی غیر مطعون ہے تیسرا مقصد اس اضطراب کی طرف اشارہ کرنا ہے جو ہشام بن عروہ کی روایت میں واقع ہے فان زہیرا یرویہ عن ہشام بن عروۃ عن ابیہ ان علی بن ابی طالب قال للمقداد والثوری والمفضل بن فضالۃ وابن عیینۃ یروونہ عن ہشام عن ابیہ عن علی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ ومسلمۃ یرویہ عن ہشام عن ابیہ عن حدیث حدثہ عن علی قال قلت للمقداد وابن اسحٰق یرویہ عن ہشام عن ابیہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم :-

(۵۹) حدثنا ہشام بن عبد الملک الیزنی قال ثنا بقیۃ عن سعد الاغطش وھو ابن عبد اللہ عن عبد الرحمٰن بن عائذ الازدی قال ہشام وھو ابن قرط امیر حمص عن معاذ بن جبل قال سألت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عما یحل للرجل من امرأتہ وھی حائض فقال ما فوق الازار والتعفف عن ذلک افضل قال ابو داؤد ولیس ھو بالقوی

ترجمہ

ہشام بن عبد الملک یزنی نے بطریق بقیہ لبند سعد بن عبد اللہ الاغطش بواسطہ عبد الرحمٰن بن عائذ قرط ازدی امیر حمص حضرت معاذ بن جبل سے روایت کیا ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: مرد کو اپنی عورت سے کیا فائدہ اٹھانا درست ہے جبکہ وہ حائضہ ہو؟ آپ نے فرمایا: ازار کے اوپر لیکن اوپر اس سے بھی بچنا افضل ہے۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ یہ حدیث قوی نہیں ہے :- **تشریح**

قولہ قال ابو داؤد الخ (۶۱) یعنی حدیث مذکور قوی نہیں جس کی کئی وجہیں ہیں اول یہ کہ اسکو بقیہ نے معنعن روایت کیا ہے دوسرے یہ کہ سعد اغطش ضعیف ہے تیسرے یہ کہ عبد الرحمٰن بن عائذ نے حضرت معاذ سے نہیں سنا۔ شیخ عراقی فرماتے ہیں کہ حدیث کے الفاظ "والتعفف عن ذلک افضل" ہی سے پتہ چل رہا ہے کہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل ما فوق الازار ملاعبت کرنا منقول ہے اور صحابہ، تابعین اور سلف صالحین کا اس پر عمل رہا ہے اور یہ الفاظ اس منقول کے خلاف ہیں۔ حافظ سیوطی فرماتے ہیں کہ ممکن ہے آپ کو سائل کے حال سے غلبہ شہوت کا اندازہ ہو گیا ہو اس لئے آپ نے یہ فرمایا ہو۔ کیونکہ اس صورت میں ترک ہی افضل ہے (تاثل)

(۸۰) باب فی الاکسال

(۶۰) حدثنا احمد بن صالح قال ثنا ابن وھب قال اخبرنی عمرو یعنی ابن الحارث عن ابن شھاب قال حدثنی بعض من ارضی ان سھل بن سعد الساعدی اخبرہ ان ابی بن کعب اخبرہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انما جعل ذلک رخصۃ للناس فی اول الاسلام لقلۃ الثیاب ثم امر بالغسل ونھی عن ذلک قال ابو داؤد یعنی الماء من الماء

ترجمہ

احمد بن صالح نے بطریق ابن وہب بسند عمرو بن الحارث بواسطہ ابن شہاب ان کے پسندیدہ اور قابل اعتماد شخص سے روایت کیا ہے کہ حضرت سہل بن سعد ساعدی نے حضرت ابی بن کعب سے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی رخصت دی تھی۔ لوگوں کو ابتداء اسلام میں کپڑوں کی کمی کی وجہ سے پھر آپ نے غسل کا حکم فرمایا اور اس سے منع کر دیا۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ ذلک سے مراد حدیث الماء من الماء ہے۔

تشریح

قولہ باب الخ۔ اکسال یعنی بلا انزال جماع کرنا موجب غسل ہے یا نہیں؟ کچھ صحابہ اور تابعین کا یہ خیال رہا ہے کہ بلا انزال غسل واجب نہیں ہوتا۔ داؤد ظاہری کا یہی مذہب ہے اور دلیل حضرت ابوسعید خدری کی روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں پیر کے روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قبا کی طرف نکلا اور جب ہم بنو سالم کے یہاں پہنچے تو آپ نے حضرت عتبان کے دروازے پر آواز دی وہ تہبند سنوارتے ہوئے باہر آئے۔ آپ نے فرمایا، کیا ہم نے تم کو عجلت میں ڈال دیا؟ حضرت عتبان نے آپ سے دریافت کیا کہ جب کوئی شخص اپنی عورت کے پاس سے جلد ہی علیحدہ ہو جائے اور منی خارج نہ ہو تو کیا اس پر غسل واجب ہے؟ آپ نے فرمایا: انما الماء من الماء یعنی پانی کا استعمال (غسل) پانی (منی کے خروج) سے ہوتا ہے۔

اسی طرح زید بن خالد جہنی کی حدیث ہے کہ انھوں نے حضرت عثمان بن عفان سے سوال کیا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے صحبت کرے اور منی خارج نہ ہو تو وہ کیا کرے؟ آپ نے فرمایا: نماز جیسا وضوء کرے اور شرمگاہ کو دھوئے۔ حضرت عثمان فرماتے ہیں کہ میں نے یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ نیز میں نے اس کے متعلق حضرت علی، زبیر بن العوام، طلحہ بن عبید اللہ اور ابی بن کعب سے بھی دریافت کیا ان حضرات نے بھی یہی فرمایا (اخرجہ الشیخان)

جمہور کی دلیل حضرت ابوہریرہ کی حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب مرد عورت کے چاروں کے درمیان بیٹھے اور حشفہ کا دخول ہو جائے تو غسل واجب ہو جائیگا (اخرجہ الشیخان) مسلم کی روایت میں یہ بھی ہے کہ اگرچہ انزال نہ ہو اور حدیث الماء من الماء ابتداء اسلام میں تھا بعد میں منسوخ ہو گیا اور نسخ کی دلیل حضرت ابی بن کعب کی حدیث باب ہے نیز جو صحابہ کرام عدم وجوب کے قائل تھے ان کا رجوع ثابت ہے جیسے حضرت عمر، عثمان بن عائشہ، علی، ابن مسعود اور ابی بن کعب وغیرہ۔

قولہ بعض من ارضی الخ۔ بقول ابن خزیمہ "بعض من ارضی" سے مراد حضرت ابوحازم سلمہ بن دینار ہیں۔ ابن حبان کہتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کے جمیع طرق میں چھان بین کر کے دیکھا کہ سہل بن سعد سے کسی نے روایت کیا ہے یا نہیں، مگر میں نے ابوحازم کے علاوہ کسی کو نہیں پایا۔

قولہ قال ابوداؤد الخ (۸۳) یعنی اس حدیث میں اثنا غسل کے بعد لفظ "ذلک" سے حدیث الماء من الماء کی طرف اشارہ ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ دخول بلا انزال سے عدم وجوب غسل کا حکم شروع اسلام میں تھا جو بعد میں منسوخ ہو گیا۔

(۴۰) بَابٌ فِي الْجُنُبِ يَعُودُ

(۴۱) حدثنا مسدد قال ثنا اسماعيل قال ثنا حميد الطويل عن انس ان رسول الله صلى الله عليه وسلم طاف ذات يوم على نسائه في غسل واحد قال ابوداؤد وهكذا رواه هشام بن زيد عن انس ومعمر عن قتادة عن انس وصالح بن ابي الاخضر عن الزهري كلهم عن انس عن النبي صلى الله عليه وسلم

ترجمہ:- مسدد نے بطریق اسماعیل بسند حمید الطویل حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن اپنی تمام عورتوں کے پاس ہو کر آئے ایک ہی غسل سے، ابوداؤد کہتے ہیں کہ ہشام بن زید نے حضرت انس سے اور معمر نے بواسطہ قتادہ حضرت انس سے اسی طرح صالح بن ابی الاخضر نے بواسطہ زہری عن انس حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح روایت کیا ہے۔

تشریح:- قولہ باب الخ= ایک بار صحبت کرنے کے بعد اگر دوسری مرتبہ صحبت کرنا چاہے خواہ اسی بیوی کے ساتھ کرے جس سے پہلی بار کر چکا ہے یا دوسری بیوی کے ساتھ ہو تو کیا اس کے درمیان غسل کرنا ضروری ہے یا بلا غسل بھی کر سکتا ہے؟ حضرت انس کی حدیث باب سے صاف ظاہر ہے کہ ہر مرتبہ غسل کرنا ضروری نہیں بلکہ متعدد بار صحبت کرنے کے بعد آخر میں ایک غسل کر لیا جائے یہ بھی درست ہے یہی جمہور کا مذہب ہے اگلے باب میں حضرت ابورافع کی حدیث آرہی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ہر بار غسل کیا مگر یہ حدیث انس کے منافی نہیں کیونکہ اوقات مختلفہ پر محمول ہے۔

قولہ قال ابوداؤد الخ- یعنی جس طرح حدیث مذکور حضرت انس سے حمید طویل نے روایت کی ہے اسی طرح اس کو ہشام بن زید، قتادہ اور زہری نے بھی روایت کیا ہے روایت ہشام کی تخریج مسلم نے صحیح میں، بیہقی نے سنن میں اور معمر کی روایت عن قتادہ عن انس اور صالح بن ابی الاخضر کی روایت عن الزہری عن انس کی تخریج ابن ماجہ نے سنن میں کی ہے۔ ان تعلیقات کو ذکر کرنے کا مقصد حدیث انس کو حدیث ابورافع پر ترجیح دینا ہے کیونکہ صاحب کتاب ان دونوں حدیثوں کو متعارض سمجھ رہے ہیں حالانکہ ان میں تعارض نہیں ہے جیسا کہ اگلے قول کے ذیل میں ثابت کیا جائیگا۔

(۴۱) بَابُ الْوُضُوْءِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يَعُوْدَ

(۴۲) حدثنا موسى بن اسمعيل قال ثنا حماد عن عبد الرحمن بن ابي رافع عن عمته سلمى عن ابي رافع ان النبي صلى الله عليه وسلم طاف ذات يوم على نسائه يغتسل عند هذه وعند هذه قال فقلت له يا رسول الله الا تجعله غسلا واحدا قال هذا ازكى واطيب واطهر قال ابوداؤد وحديث انس اصح من هذا

ترجمہ:- موسیٰ بن اسماعیل نے بطریق حماد بسند عبد الرحمن بن ابی رافع بواسطہ ان کی پھوپی سلمی حضرت ابو رافع سے روایت کیا ہے کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تمام بیویوں کے پاس گئے ہر ایک کے پاس غسل کرتے تھے میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ سب سے فارغ ہو کر ایک بار غسل کیوں نہیں

کرلیتے ؟ آپ نے فرمایا یہ عمل بہتر اور پسندیدہ تر ہے۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ حضرت انس کی حدیث اس سے زیادہ صحیح ہے :۔ **تشریح**

قولہ باب الخ جمہور کے نزدیک دو جماعوں کے درمیان وضو بھی واجب نہیں صرف ابن حبیب مالکی اور داؤد ظاہری نے وجوب کا قول ۔ ۔ ۔ کیا ہے ان کی دلیل حضرت ابوسعید خدری کی وہ روایت ہے جو مسلم میں موجود ہے کہ جب کوئی شخص ایک مرتبہ کے بعد دوبارہ اپنی اہلیہ کے پاس جانا چاہے تو چاہیئے کہ اس وقفہ کے درمیان وضو کرے۔ جواب یہ ہے کہ صحیح ابن خزیمہ میں اسی روایت میں وضو کرنے کی یہ وجہ مذکور ہے۔ "فانہ انشط" کہ اس سے طبیعت میں نشاط پیدا ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ وجوب مراد نہیں بلکہ معاملہ صرف استحباب کا ہے۔ جس سے جمہور کو بھی انکار نہیں۔

(۴۴) قولہ قال ابوداؤد الخ حدیث انس جو باب سابق میں مذکور ہوئی اس سے یہ معلوم ہوا تھا کہ آپ نے متعدد بار جماع کے بعد صرف ایک مرتبہ غسل فرمایا۔ اور ذیل کی حدیث ابورافع سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ہر بار غسل کیا تو دونوں حدیثیں متعارض ہوگئیں۔ صاحب کتاب نے حدیث انس کو کثرت طرق کی وجہ سے اصح کہہ کر تعارض ختم کردیا۔ لیکن حقیقت میں یہاں تعارض ہی نہیں۔ کیونکہ یہ مختلف اوقات پر محمول ہے کہ کبھی آپ نے ہر ایک کیلئے غسل فرمایا اور کبھی صرف آخر میں غسل کیا۔ چنانچہ امام نسائی فرماتے ہیں۔ لیس بین حدیث ابی رافع وبین حدیث انس اختلاف بل کان یفعل ہذا مرۃ وذاک اخری وہکذا قال الامام النووی۔

۱۷۹

(۴۲) باب الجنب یاکل

(۲۴۳) حدثنا محمد بن الصباح البزار قال ثنا ابن المبارک عن یونس عن الزہری باسنادہ ومعناہ زاد و اذا اراد ان یاکل وھو جنب غسل یدیہ۔ قال ابوداؤد ورواہ ابن وھب عن یونس فجعل قصۃ الاکل قول عائشۃ مقصورا ورواہ صالح بن ابی الاخضر عن الزہری کما قال ابن المبارک الا انہ قال عن عروۃ او ابی سلمۃ ورواہ الاوزاعی عن یونس عن الزہری عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کما قال ابن المبارک

ترجمہ ——

محمد بن الصباح بزار نے بطریق ابن مبارک بسند یونس زہری سے پہلی اسناد کے ساتھ اسی کے ہم معنی روایت کیا ہے اور اتنا اور زائد روایت کیا ہے کہ جب آپ بحالت جنابت کھانے کا ارادہ کرتے تو اپنے دونوں ہاتھ دھو ڈالتے۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ اس کو ابن وہب نے یونس سے روایت کیا ہے اور قصۂ اکل کو حضرت عائشہ پر موقوف کیا ہے اور صالح بن ابی الاخضر نے اس کو زہری سے ابن المبارک کے مثل روایت کیا ہے مگر اس نے عن عروہ او ابی سلمہ کہا ہے اور اوزاعی نے بواسطہ یونس عن الزہری نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح روایت کیا ہے جس طرح ابن المبارک نے :۔ **تشریح**

قولہ قال ابوداؤد الخ (۵۵) باب کے ذیل میں جو پہلی حدیث حضرت عائشہ سے مروی ہے اسکا مضمون یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحالت جنابت سونا چاہتے تو وضو کر لیتے تھے۔ باب کی دوسری حدیث بھی حضرت عائشہ سے مروی ہے جس کو ابن المبارک نے یونس سے روایت کیا ہے کہ جب آپ اس حالت میں کھانے کا ارادہ فرماتے تو ہاتھ دھو لیتے تھے پس حدیث کے یہ دو ٹکڑے ہوئے۔ پھر اس حدیث کو ابن وہب نے بھی یونس ہی سے روایت کیا ہے لیکن ابن المبارک اور ابن وہب کی روایت میں فرق ہے صاحب کتاب اسی فرق کو ظاہر کر رہے ہیں فرق یہ ہے کہ ابن المبارک کی روایت میں حدیث کا دوسرا ٹکڑا مرفوع ہے اور ابن وہب کی روایت میں حضرت عائشہ پر موقوف ہے۔ حدیث کا تیسرا راوی صالح بن ابی الاخضر ہے اس کی روایت بھی ابن المبارک کی روایت کے مثل ہے لیکن اس کی اور ابن المبارک کی روایت میں فرق یہ ہے کہ صالح بن ابی الاخضر نے عن عروۃ او ابی سلمۃ شک کے ساتھ روایت کیا ہے اور ابن المبارک کی روایت عن ابی سلمۃ بلا شک ہے۔ چوتھے راوی امام اوزاعی ہیں یہ بھی یونس ہی سے روایت کرتے ہیں اور ابن المبارک کی طرح مرفوع ہی روایت کرتے ہیں۔

(۴۳) بابُ مَنْ قَالَ الجُنُبُ يَتَوَضَّأُ

(۲۲۴) حدثنا موسى يعني ابن اسمعيل قال ثنا حماد قال انا عطاء الخراساني عن يحيى بن يعمر عن عمار بن ياسر ان النبي صلى الله عليه وسلم رَخَّصَ للجنب اذا اَكَلَ او شرب او نام ان يتوضّأ قال ابوداؤد بين يحيى بن يعمر وعمار بن ياسر في هذا الحديث رجلٌ، قال ابوداؤد وقال علي بن ابي طالب وابنُ عمر وعبدُ الله بن عمرو الجُنُبُ اذا اَرَادَ ان ياكل توضّأ

۱۸۰

ترجمہ

موسیٰ بن اسماعیل نے بطریق حماد بسند عطاء خراسانی بواسطہ یحییٰ بن یعمر حضرت عمار بن یاسر سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنبی کو کھاتے پیتے یا سوتے وقت وضو کر لینے کی رخصت دی ہے ابوداؤد کہتے ہیں کہ یحییٰ بن یعمر اور عمار بن یاسر کے درمیان اس حدیث میں ایک شخص اور ہے۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ حضرت علی، عبد اللہ بن عمر، اور عبد اللہ بن عمرو فرماتے ہیں کہ جنبی جب کھانے کا ارادہ کرے تو وہ وضو کر لے۔

تشریح

قولہ قال ابوداؤد بین یحییٰ الخ (۵۶) یعنی روایت مذکورہ میں یحییٰ بن یعمر اور عمار بن یاسر کے درمیان ایک شخص کا واسطہ ہے اور روایت منقطع ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر نے تہذیب میں دار قطنی کا قول نقل کیا ہے کہ یحییٰ بن یعمر کو حضرت عمار بن یاسر سے لقاء حاصل نہیں۔ موصوف کے اس قول سے معلوم ہوا کہ یحییٰ کی جتنی حدیثیں حضرت عمار سے ہیں وہ بالواسطہ ہیں۔ پس صاحب کتاب نے

جو فی ہذا الحدیث کی قید ذکر کی ہے یہ اتفاقی ہے نہ کہ احترازی، پھر ان کے درمیان جس شخص کا واسطہ ہے وہ کون ہے اور اس کا کیا نام ہے؟ کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔

قولہ قال ابوداؤد وقال علی الخ صاحب کتاب نے حضرت علی، ابن عمر اور عبد اللہ بن عمرو کے اقوال معلقہ کا جو حوالہ دیا ہے یہ روایات موصولہ کے ساتھ تو معلوم نہیں ہو سکے البتہ جنبی کے حق میں جمہور کے نزدیک حکم یہی ہے کہ اگر وہ اس حالت میں کھانا کھانا چاہے تو وضو کر لینا مستحب ہے لیکن اگر وضو نہ کرے صرف ہاتھ دھو لے تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ حضرت عائشہ کی حدیث میں دونوں باتوں کی تصریح موجود ہے۔ جو حدیث اگلے باب میں آ رہی ہے۔

(۹۲) باب فی الجنب یؤخر الغسل

(۲۵) حدثنا محمد بن کثیر قال انا سفیان عن ابی اسحٰق عن الاسود عن عائشۃ قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینام وھو جنب من غیر ان یمس ماءً۔ قال ابوداؤد ثنا الحسن بن علی الواسطی قال سمعت یزید بن ھارون یقول ھذا الحدیث وھم یعنی حدیث ابی اسحٰق

ترجمہ

محمد بن کثیر نے بطریق سفیان عن ابی اسحاق بواسطہ اسود حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (کبھی) جنابت کی حالت میں سو رہتے اور پانی بھی نہ چھوتے۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ مجھ سے حسن بن علی واسطی نے یزید بن ہارون کا قول نقل کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث یعنی حدیث ابی اسحاق وہم ہے۔

تشریح

قولہ قال ابوداؤد الخ (۲۸) ابو اسحاق سبیعی کی اس حدیث کو امام محمد نے بطریق امام ابو حنیفہ عن ابی اسحاق عن الاسود عن عائشہ یوں روایت کیا ہے۔ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصیب من اہلہ ثم ینام ولا یمس ماءً فان استیقظ من آخر اللیل عاد واغتسل۔

سبیعی کی اس حدیث پر بہت سے لوگوں نے کلام کیا ہے۔ صاحب کتاب یزید بن ہارون کا قول نقل کر کے اس کو وہم بتا رہے ہیں۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح نہیں۔ احمد بن صالح کہتے ہیں کہ اس حدیث کو روایت کرنا حلال نہیں۔ ابن مفوز نے محدثین کا اجماع نقل کیا ہے کہ یہ ابو اسحاق کی غلطی ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو ابو اسحاق سے شعبہ اور ثوری وغیرہ نے بھی روایت کیا ہے لیکن ان سب کا خیال ہے کہ یہ ابو اسحاق کی غلطی ہے۔

شیخ ابن العربی شرح ترمذی میں ابو اسحاق کی غلطی کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ دراصل یہ ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے جس کو ابو اسحاق نے مختصر طور پر روایت کیا ہے اور اس کے اختصار میں اس سے غلطی ہو گئی ہے۔

حدیث طویل جس کو ابو غسان نے روایت کیا ہے یہ ہے: "قال (ابو غسان) اتیت الاسود بن یزید وکان لی اخا وصدیقا فقلت یا ابا عمرو! حدثنی ما حدثتک عائشۃ ام المؤمنین عن صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال قالت کان ینام اول اللیل ویحیی آخرہ ثم ان کانت لہ حاجۃ قضی حاجتہ ثم ینام قبل ان یمس ماء فاذا کان عند النداء الاول وثب وربما قالت قام فافاض علیہ الماء وما قالت اغتسل وانا اعلم ما ترید وان نام جنبا توضأ وضوء الرجل للصلوٰۃ"

اس طویل حدیث کا جملہ "وان نام جنبا الخ" یہ بتارہا ہے کہ حدیث کے الفاظ "ثم ان کانت لہ حاجۃ قضی حاجتہ" میں دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ حاجت سے مراد ضرورت بول و براز ہو۔ دوسرے یہ کہ اس سے مراد قضاء شہوت ہو۔ پہلی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ آپ بول و براز سے فارغ ہو کر صرف استنجاء کر کے سو جاتے اور پانی نہ چھوتے اور اگر جماع کا ارادہ ہوتا تو وضو کر لیتے تھے جیسا کہ آخر حدیث میں مذکور ہے۔ دوسری صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ آپ قضاء شہوت کے بعد سو جاتے اور غسل نہیں کرتے تھے۔ بہرحال ان دو احتمالوں میں سے کسی ایک کو متعین کرنا ضروری ہے ورنہ حدیث کا آغاز اور اس کا آخر دونوں متعارض ہیں۔ اب ابو اسحاق یہ سمجھ رہے ہیں کہ حاجت سے مراد جماع ہے اس لئے انہوں نے اپنی سمجھ کے مطابق حدیث طویل کا اختصار کر کے اس کو اسی معنی پر روایت کر دیا حالانکہ یہ ان کی غلط فہمی ہے۔

جواب یہ ہے کہ غلطی ابو اسحاق کی نہیں ہے بلکہ طعن کرنیوالوں کی غلط فہمی ہے اس واسطے کہ حافظ بیہقی نے جو حدیث طویل کی تخریج کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں: "عن ابی اسحٰق قال سألت الاسود بن یزید وکان لی جارا وصدیقا عما حدثتہ عائشۃ عن صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قالت کان ینام اول اللیل ویحیی آخرہ ثم ان کانت لہ الی اہلہ حاجۃ قضی حاجتہ ثم ینام قبل ان یمس ماء (وفیہ) وان لم یکن لہ حاجۃ توضأ وضوء الرجل للصلوٰۃ ثم صلی الرکعتین"

بیہقی کے الفاظ "ان کانت لہ الی اہلہ حاجۃ" میں تصریح ہے کہ حاجت سے مراد قضاء شہوت ہے نہ کہ فراغت از بول و براز۔ پس اس معنی پر محمول کرنا ابو اسحاق کی غلطی نہیں بلکہ غلطی پکڑنے والوں کی ہے۔ ہم الزام ان کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا۔ وما اصدق قول القائل ؎

وکم من عائب قولا صحیحا　　وآفتہ من الفہم السقیم

الحاصل حدیث مذکور میں چند وجوہ سے کلام ہے اول یہ کہ حفاظ نے حدیث کے الفاظ "قبل ان یمس ماء" پر طعن کیا ہے کیونکہ ابراہیم نخعی اور عبدالرحمٰن بن الاسود وغیرہ نے یہ الفاظ روایت نہیں کئے۔ دوم یہ کہ ابو اسحٰق مدلس ہے اور یہ روایت اس کی تدلیسات ہی میں سے ہے۔ سوم یہ کہ یہ حدیث حدیث عمرؓ "قال: یا رسول اللہ! اینام احدنا وہو جنب؟ قال: نعم اذا توضأ" سے متعارض ہے۔

جواب یہ ہے کہ حفاظ کا طعن صحیح نہیں اس واسطے کہ حافظ ابو عبداللہ، فقیہ ابو الولید، شیخ ابو العباس بن سریج اور امام بیہقی وغیرہ کے نزدیک حدیث صحیح ہے اور ابو اسحاق گو مدلس ہے لیکن زہیر بن معاویہ کی روایت میں اس نے اسود سے اپنا سماع بیان کر دیا ہے اور مدلس جب اپنا سماع بیان کر دے تو وہ ثقہ ہی مانا جاتا ہے۔ رہا تعارض سو اس کے جواب میں شیخ ابو العباس بن سریج فرماتے تھے کہ "لا یمس ماء" سے حضرت عائشہ کا مقصد یہ ہے کہ فی الفور غسل نہیں کرتے تھے اور حضرت عمر کی حدیث مفسر

ہے جس میں وضوء کا ذکر ہے اور ظاہر ہے کہ غسل نہ کرنے اور وضوء کرنے میں کوئی منافات نہیں :-

(۴۵) بَابٌ فِی الْجُنُبِ یَدْخُلُ الْمَسْجِدَ

(۲۳۲) حدثنا مسدد قال ثنا عبد الواحد بن زیاد قال ثنا افلت بن خلیفۃ قال حدثتنی جسرۃ بنت دجاجۃ قالت سمعت عائشۃ تقول جاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ووجوہ بیوت اصحابہ شارعۃ فی المسجد فقال وجّھوا ھذہ البیوت عن المسجد ثم دخل النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولم یصنع القوم شیئا رجاء ان تنزل فیھم رخصۃ فخرج الیھم فقال وجّھوا ھذہ البیوت عن المسجد فانی لا اُحِلُّ المَسْجِدَ لِحَائِضٍ ولا جُنُبٍ، قال ابوداؤد وھو فلیت العامری۔

ترجمہ

مسدد نے بطریق عبد الواحد بن زیاد بسند افلت بن خلیفہ بواسطہ جسرہ بنت دجاجہ حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے دیکھا کہ صحابہ کے گھروں کا رخ مسجد کی طرف کو ہے۔ آپ نے فرمایا، گھروں کا رخ مسجد سے پھیر دو۔ پھر آپ تشریف لائے اور لوگوں نے ابھی تک اس امید پر کچھ ردوبدل نہیں کیا تھا کہ شاید ان کے بارے میں رخصت نازل ہو۔ جب آپ دوبارہ تشریف لائے تو فرمایا، گھروں کا رخ مسجد سے پھیر دو کیونکہ میں مسجد کو جنبی اور حائضہ کے لئے حلال نہیں کرتا۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ افلت راوی فلیت عامری ہے۔

تشریح

قولہ باب الخ۔ جنبی اور حائضہ عورت کے لئے مسجد میں داخل ہونا یا اس میں سے گزرنا، جائز ہے یا نہیں؟ حدیث باب کے الفاظ۔ فانی لا احل المسجد لحائض ولا جنب؟ سے صاف ظاہر ہے کہ جائز نہیں ہے۔ سفیان ثوری اور احناف اسی کے قائل ہیں۔ امام مالک کے مذہب سے بھی یہی مشہور ہے۔

داؤد ظاہری اور مزنی وغیرہ کے نزدیک جنبی اور حائضہ سب کے لئے علی الاطلاق دخول مسجد جائز ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس باب میں کوئی صحیح حدیث ثابت نہیں اور افلت کی حدیث باب باطل ہے اور افلت راوی بقول ابن حزم وخطابی مجہول الحال اور غیر ثقہ ہے۔

جواب یہ ہے کہ افلت مجہول نہیں بلکہ یہ ابوحسان افلت بن خلیفہ عامری کوفی ہے جس کو فلیت بھی کہتے ہیں۔ سفیان ثوری اور عبد الواحد بن زیاد اس سے راوی ہیں۔ الکاشف میں اس کو صدوق، تہذیب میں ثقہ ومشہور کہا ہے اور ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔

ابوحاتم کہتے ہیں ہو شیخ، احمد بن حنبل فرماتے ہیں لا باس بہ، دارقطنی کہتے ہیں صالح۔ حافظ لکھتے ہیں کہ ابن الرفعہ اواخر شروط صلوٰۃ میں جو یہ کہا ہے کہ افلت راوی متروک ہے یہ قول مردود ہے۔ ائمہ حدیث میں سے کسی نے بھی ایسا نہیں کہا۔ نیز ابن القطان، ابن خزیمہ، ابن سید الناس اور شوکانی وغیرہ نے حدیث کی تصحیح کی ہے۔

اسحاق اور امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ اگر جنبی رفع حدث کی نیت سے وضوء کر کے مسجد میں داخل ہو تو اس کے لئے درست ہے حائضہ کے لئے جائز نہیں۔ دلیل حضرت عطاء بن یسار کی روایت ہے کہ اصحاب نبی بحالت جنابت وضوء کر کے مسجد میں بیٹھ جاتے اور باتیں کرتے تھے۔

جواب یہ ہے کہ اول تو اس کی اسناد میں ہشام بن سعد راوی بقول ابوحاتم قابل احتجاج نہیں۔ ابن معین، امام احمد اور امام نسائی نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس میں یہ کہیں نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم تھا اور آپ نے اسکو برقرار رکھا تھا اور یہ بھی ممکن ہے کہ ممانعت سے قبل ویسا ہوتا ہو۔

امام شافعی اور ان کے اصحاب کے یہاں جنبی کے لئے مسجد میں کو ہو کر گزرنا جائز ہے لیکن ٹھہرنا جائز نہیں کیونکہ آیت "ولا جنبا الا عابری سبیل الخ" میں عابر سبیل (راہگذر) کا استثناء موجود ہے اور ظاہر ہے کہ عبور محل صلوۃ ہی میں ہوگا اور محل صلوۃ مسجد ہی ہے۔

احناف کی دلیل حدیث باب ہے جس میں گزرنے اور ٹھہرنے کی کوئی تفصیل نہیں ممانعت علی الاطلاق ہے اور آیت میں عابری سبیل سے مراد مسافر ہے مطلب یہ ہے کہ جنبی بحالت جنابت نماز کے قریب بھی نہ جائے الا یہ کہ وہ مسافر ہو اور پانی نہ پائے اھ حضرت علی، ابن عباس، مجاہد اور سعید بن جبیر سے یہی تفسیر مروی ہے۔

امام شافعی نے آیت کے جو معنی بیان کئے ہیں اس پر لفظ مواضع مضاف محذوف ماننا پڑتا ہے ای لا تقربوا مواضع الصلوۃ جو خلاف اصل ہے پھر اس پر یہ بھی لازم آتا ہے کہ جو جگہیں گھروں میں نماز کے لئے متعین ہوں ان میں بھی داخل ہونا جائز نہیں کیونکہ وہ بھی مواضع صلوۃ ہیں حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔

قولہ قال ابوداؤد الخ (۹۹) اس سے صرف یہی بتانا ہے کہ ابن خلیفہ راوی کے دو نام ہیں ایک افلت دوسرا فلیت، اس کا پورا تعارف حدیث کے ذیل میں گزر چکا۔

(۹۲) باب فی الجنب یصلی بالقوم وھو ناس

(۹۸) حدثنا عثمٰن بن ابی شیبۃ قال ثنا یزید بن ھارون قال اخبرنا حماد بن سلمۃ باسنادہ ومعناہ وقال فی اولہ فکبّر وقال فی اٰخرہ فلما قضی الصلوۃ قال انما انا بشر وانی کنت جنبا۔ قال ابوداؤد رواہ الزھری عن ابی سلمۃ عن ابی ھریرۃ قال فلما قام فی مصلاہ وانتظرنا ان یکبّر انصرف ثم قال کما انتم، قال ابوداؤد ورواہ ایوب وابن عون وھشام عن محمد عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال فکبّر ثم اومأ الی القوم ان اجلسوا فذھب فاغتسل وکذلک رواہ مالک عن اسماعیل بن ابی حکیم عن عطاء بن یسار قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبّر فی صلوۃ۔ قال ابوداؤد وکذلک حدثنا مسلم بن ابراھیم قال حدثنا ابان عن یحیی عن الربیع بن محمد عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ کبّر

حل لغات

جنب ناپاک واحد، تثنیہ، جمع، مذکر، مؤنث سب کے لیے مستعمل ہے، نہانا دس، ریشیانا سے اسم فاعل ہے بھولنے والا۔ اومار۔ ایماء اشارہ کرنا۔ کما انتم ای اثبتوا کما انتم:۔ ترجمہ

عثمان بن ابی شیبہ نے بطریق یزید بن ہارون حماد بن سلمہ سے سابق سند اور معنی حدیث کی طرح روایت کیا ہے اور یزید نے اس روایت کے شروع میں اتنا اور زائد ذکر کیا ہے کہ آپ تکبیر کہہ چکے تھے۔ اور اس کے آخر میں کہا ہے کہ جب آپ نماز سے فارغ ہو گئے اور آپ کو یاد آیا تو فرمایا: میں بھی آدمی ہوں اور مجھے نہانے کی ضرورت تھی۔

ابوداؤد کہتے ہیں کہ اسے زہری نے بواسطہ ابوسلمہ حضرت ابوہریرہ سے روایت کرتے ہوئے کہا ہے کہ جب آپ مصلے پر کھڑے ہوئے اور ہم آپ کی تکبیر کا انتظار کرنے لگے تو آپ وہاں سے چلے اور فرمایا کہ تم اپنی جگہ تھمے رہو۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ ایوب، ابن عون اور ہشام نے بواسطہ محمد بن سیرین آپ سے مرسلاً روایت کرتے ہوئے کہا ہے کہ آپ نے تکبیر کہہ لی تھی پھر آپ لوگوں کو بیٹھنے کا اشارہ کرکے چلے گئے اس کے بعد غسل کرکے تشریف لائے۔ امام مالک نے بھی بواسطہ اسمٰعیل بن ابی حکیم عطاء بن یسار سے اسی طرح روایت کرتے ہوئے کہا ہے کہ آپ نے ایک نماز میں تکبیر کہی۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ مسلم بن ابراہیم نے بھی بطریق ابان بسند یحیٰ بواسطہ ربیع بن محمد آپ سے اسی طرح روایت کیا ہے کہ آپ نے تکبیر کہہ لی تھی۔ تشریح

قولہ باب الخ۔ اگر کوئی امام سہواً جنابت کی حالت میں نماز پڑھادے تو امام کی نماز کے متعلق تو اتفاق ہے کہ اس کا اعادہ ضروری ہے لیکن مقتدیوں پر بھی اعادۂ صلوٰۃ لازم ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد، سفیان ثوری، اوزاعی، اسحٰق، ابوثور، داؤد، حسن، ابراہیم اور سعید بن جبیر کے نزدیک مقتدیوں پر اعادہ لازم نہیں۔ دلیل حضرت ابوبکرہ کی حدیث باب ہے جس کی تخریج صاحب کتاب کے علاوہ امام احمد، ابن حبان اور بیہقی نے بھی کی ہے اس کا مضمون یہ ہے کہ آپ نماز شروع کر چکے تھے اور تکبیر تحریمہ بھی کہہ چکے تھے اس وقت آپ کو یاد آیا کہ غسل جنابت نہیں کیا۔ چنانچہ آپ غسل کے لئے تشریف لے گئے، صحابہ اپنی اپنی جگہ پر کھڑے رہے اور غسل سے فارغ ہو کر آپ نے نماز پڑھائی تو صحابہ کی نماز کا کچھ حصہ آپ کے پیچھے اس حالت میں ہوا جس میں آپ کو نہانے کی ضرورت تھی اس کے باوجود آپ نے اعادۂ تحریمہ کا حکم نہیں فرمایا معلوم ہوا کہ مقتدیوں پر نماز کا اعادہ ضروری نہیں۔

علاوہ ازیں حضرت براء بن عازب کی مرفوع حدیث ہے کہ "جو امام سہواً جنابت کی حالت میں نماز پڑھادے تو مقتدیوں کی نماز ہو جائیگی اور امام کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ غسل کرکے دوبارہ نماز پڑھے۔"

امام ابوحنیفہ، شعبیؒ اور حماد بن ابی سلیمان وغیرہ کے نزدیک متذکرہ بالا صورت میں سب کی نماز فاسد ہو جائے گی اور امام کی طرح مقتدیوں کو بھی نماز کا لوٹانا ضروری ہوگا دلیل حضرت ابوہریرہ کی مرفوع حدیث ہے "الامام ضامن" امام مقتدیوں کی نماز کا ضامن ہے اور ان کی نماز امام کی نماز کے ضمن میں ہے۔ پس اگر امام کی نماز درست ہوگی تو مقتدیوں کی بھی ہو جائے گی اور اگر امام کی نماز فاسد ہوگی تو ان کی نماز بھی فاسد ہوگی۔

عـہ اخرجہ احمد و اسنادہ صحیح، واخرجہ احمد والطبرانی فی الکبیر عن ابی امامۃ الباہلی واخرجہ البزار وفیہ جابر بن یزید الجعفی ۱۲

رہا ائمہ ثلاثہ کا استدلال سو حدیث ابوبکرہ کا جواب تو ہم اگلے اقوال کے ذیل میں پیش کریں گے
حدیث براء بن عازب کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت بالکل ضعیف ہے۔ کیونکہ اس کے رواۃ میں
ایک تو جویبر ہے جو متروک الحدیث ہے اور ایک ضحاک ہے جس کو حضرت براء سے لقاء حاصل نہیں

قولہ قال ابوداؤد ورواہ الزہری الخ (۹۰) اس تعلیق کو امام بخاری نے صحیح بخاری میں باب اذا خرج من المسجد لعلۃ کے ذیل میں موصولاً روایت کیا ہے۔
حضرت ابوہریرہ کی یہ حدیث حدیث ابوبکرہ کے خلاف یہ بتارہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابھی مصلے پر کھڑے ہی ہوئے تھے اور تکبیر تحریمہ بھی نہیں کہنے پائے تھے کہ آپ کو حالت جنابت یاد آگئی وسیاق تفصیلہ۔

قولہ قال ابوداؤد رواہ ایوب الخ (۹۱) صاحب کتاب یہاں دو تعلیقیں پیش کر رہے ہیں۔ ایک تعلیق محمد بن سیرین اور ایک عطاء بن یسار جن سے حدیث ابوبکرہ کی تائید مقصود ہے۔ کیونکہ ان تعلیقات میں بھی اس کی تصریح ہے کہ آپ تکبیر کہہ چکے تھے۔

قولہ قال ابوداؤد وکذلک حدثناہ الخ (۹۲) حدیث ابوبکرہ کی تائید میں یہ تیسری تعلیق ربیع بن محمد کی ہے جس میں کبّر کی تصریح موجود ہے۔ ان سب اقوال کا حاصل یہ ہے کہ حدیث ابوبکرہ اور محمد بن سیرین، عطاء بن یسار اور ربیع بن محمد کی تینوں تعلیقات اس پر دال ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں داخل ہو چکے تھے اور تکبیر تحریمہ کہہ چکے تھے اس کے برخلاف حضرت ابوہریرہ کی روایت جس کو صاحب کتاب نے تعلیقاً اور شیخین نے موصولاً روایت کیا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ شریف مصلے پر کھڑے ہوئے تھے اور ابھی تکبیر نہیں کہی تھی، تو حضرت ابوہریرہ کی یہ روایت سابقہ تمام روایات کے معارض ہے۔

صاحب کتاب کا طرز تحریر یہ بتارہا ہے کہ موصوف کے نزدیک حدیث ابوبکرہ راجح ہے کیونکہ اس کے مؤیدات موجودات ہیں لیکن ہم موصوف کے اس فیصلے سے متفق نہیں اس واسطے کہ اول تو دونوں حدیثوں میں تطبیق ممکن ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں ذکر کیا ہے کہ حدیث ابوبکرہ کے الفاظ "دخل فی صلوٰۃ الفجر" اس پر محمول ہیں کہ آپ مصلے پر آچکے تھے اور کبّر سے مراد یہ ہے کہ آپ تکبیر کہنے ہی والے تھے۔ نیز یہ بھی ممکن ہے کہ بقول قاضی عیاض وقرطبی، یہ دو واقعے جدا جدا ہوئے ہوں۔ امام نووی نے اسی کو اظہر کہا ہے وبہ جزم ابن حبان۔

دوسرے یہ کہ تعارض کی صورت میں احادیث صحیحین کو ترجیح ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے بھی حضرت ابوہریرہ کی حدیث راجح ہوگی۔ رہے مؤیدات مذکورہ سو وہ سب مراسیل ہیں۔ بلکہ حدیث ابوبکرہ جس کو صاحب کتاب نے موصولاً روایت کیا ہے۔ اس کا وصل وارسال بھی مختلف فیہ ہے۔ لہٰذا یہ حدیث ابوہریرہ کے معارض نہیں ہو سکتی۔

(۹۷) باب فی المرأۃ ترٰی ما یری الرجل

(۹۸) حدثنا احمد بن صالح قال ثنا عنبسۃ ثنا یونس عن ابن شہاب قال قال عروۃ

عن عائشۃ ان ام سلیم الانصاریۃ وھی ام انس بن مالک قالت یا رسول اللہ ان اللہ لا یستحیی من الحق أرأیت المرأۃ اذا رأت فی المنام ما یری الرجل اتغتسل ام لا قالت عائشۃ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم نعم فلتغتسل اذا وجدت الماء قالت عائشۃ فاقبلت علیھا فقلت اف لک وھل تری ذلک المرأۃ فاقبل علیّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال تربت یمینک یا عائشۃ ومن این یکون الشبہ قال ابو داؤد وکذا روی الزبیدی وعقیل ویونس وابن اخی الزھری وابن ابی الوزیر عن مالک عن الزھری ووافق الزھری مسافع الحجبی قال عن عروۃ عن عائشۃ واما ھشام بن عروۃ فقال عن عروۃ عن زینب بنت ابی سلمۃ عن ام سلمۃ ان ام سلیم جاءت الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

یستحیی استحیاء شرم کرنا۔ دراصل حیاء کے لغوی معنی تغیر و انکسار اور کسی چیز سے منقبض ہونے اور ملامت کے خوف سے باز رہنے کے ہیں اور یہ چیز خداوند قدوس کے حق میں محال ہے۔ اس لئے یہاں اس سے مراد یہ کہ خداوند تعالیٰ حق بات دریافت کرنے میں شرم و حیاء کو پسند نہیں کرتے۔
ارأیت ای اخبرنی، المنام خواب، الماء یانی مراد منی۔ اُفّ بقول امام اصمعی وعلامہ باجی لفظ اف کے اصل معنی ناخن اور کان وغیرہ کے میل کے ہیں اور ثعلب نے ابن الاعرابی سے اف بمعنی تحیر نقل کیا ہے لیکن بقول صاحب لسان العرب اس کا استعمال کراہت و ناپسندیدگی کے اظہار میں ہوتا ہے اور یہاں یہ استقباح و انکار کے لئے ہے۔ صاحب قاموس نے لکھا ہے کہ اس میں چالیس لغتیں ہیں۔ ابن الانباری وغیرہ نے ان میں سے مشہور لغتیں دس گنائی ہیں۔ اُفِّ، اُفٍّ، اِفٍّ، اُفْ، اُفّی، اُفہ۔ تربت ربّ، تربا کے اصل معنی خاک آلود ہونے کے ہیں جو بددعائیہ کلمہ ہے لیکن محاورات عرب میں تربت یداک، قاتلہ اللہ، لا ام لہ، لا اب لک اور ثکلتک امہ وغیرہ کلمات سے ان کے حقیقی معنی (بد دعا) مراد نہیں ہوتے بلکہ کسی چیز کا انکار یا اس سے روکنا یا شرم دلانا یا تعجب ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے۔ الشبہ یا شَبَہ بمعنی مثل و مانند۔ ترجمہ
احمد بن صالح نے بطریق عنبسہ بسند یونس بواسطہ ابن شہاب بروایت عروہ حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے کہ ام سلیم انصاریہ نے جو انس بن مالک کی والدہ ہیں عرض کیا: یا رسول اللہ! حق تعالیٰ حق بات دریافت کرنے میں شرم کو پسند نہیں کرتا تو اگر عورت بھی خواب میں ایسا دیکھے جیسے مرد دیکھتا ہے تو وہ غسل کرے یا نہیں؟۔ آپ نے فرمایا: ہاں ضرور غسل کرے جب وہ منی کو دیکھے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے ام سلیم کی طرف متوجہ ہو کر کہا: واے ہے تجھ کو کیا عورت بھی ایسا دیکھتی ہے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: دھول لگے تیرے ہاتھوں کو اے عائشہ! پھر مشابہت کہاں سے ہوتی ہے؟
ابو داؤد کہتے ہیں کہ زبیدی، عقیل، یونس، ابن اخی الزہری اور ابن ابی الوزیر نے بواسطہ مالک زہری سے اسی طرح روایت کیا ہے اور مسافع حجبی نے زہری کی موافقت کرتے ہوئے کہا ہے عن عروہ عن عائشہ لیکن ہشام بن عروہ نے بواسطہ عروہ عن زینب بنت ابی سلمہ حضرت ام سلمہ سے روایت کیا ہے کہ ام سلیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں۔ تشریح
قولہ باب الخ۔ جمہور اہل علم کے نزدیک احتلام کے سلسلہ میں مرد و عورت دونوں کا حکم ایک ہی ہے

یعنی جس طرح احتلام کے بعد مرد پر غسل واجب ہوتا ہے اسی طرح عورت پر بھی واجب ہے۔ ابن المنذر وغیرہ نے ابراہیم نخعی سے نقل کیا ہے کہ وہ عورت کے حق میں وجوب غسل کے قائل نہیں۔

امام نووی نے شرح مہذب میں اس نقل کو مستبعد مانا ہے مگر ابن ابی شیبہ نے اسکو بسند جید نقل کیا ہے اور حافظ ابن حجر نے ابراہیم نخعی کا یہی مذہب قرار دیا ہے کہ احتلام میں عورت پر غسل واجب نہیں۔

قولہ قال ابوداؤد الخ (۹۳) حدیث باب میں جو قصہ مذکور ہے اس کی بابت روایات میں اختلاف ہے کہ وہ حضرت عائشہ اور ام سلیم کا ہے یا ام سلمہ اور ام سلیم کا۔ سو یونس بن یزید۔ زبیدی، عقیل۔ ابن اخی الزہری یعنی ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ بن مسلم بن عبیداللہ بن عبداللہ بن شہاب اور ابن ابی الزبیر یعنی ابو عمرو ابراہیم بن عمر بن مطرف ان نے جو امام زہری سے روایت کی ہے اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصہ حضرت عائشہ اور ام سلیم کا ہے جس پر مسافع حجبی نے امام زہری کی موافقت بھی کی ہے لیکن ہشام بن عروہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصہ ام سلمہ اور ام سلیم کا ہے۔

اب بعض حضرات نے تو دونوں روایتوں میں تطبیق کی صورت اختیار کی ہے چنانچہ امام نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں کہ ممکن ہے حضرت عائشہ اور ام سلمہ دونوں نے ام سلیم پر انکار کیا ہو۔ اور بعض حضرات نے ترجیح کی صورت اختیار کی ہے۔ چنانچہ قاضی عیاض نے محدثین سے اسی کی تصحیح نقل کی ہے کہ یہ قصہ ام سلمہ اور ام سلیم کا ہے۔ گویا محدثین کے نزدیک ہشام بن عروہ کی روایت راجح ہے جیسا کہ امام بخاری کے طرز سے معلوم ہوتا ہے۔ لیکن صاحب کتاب زہری کی روایت کو دو وجہ سے ترجیح دے رہے ہیں ایک تو اس لئے کہ زہری سے روایت کرنیوالے حضرات متعدد ہیں۔ دوسرے اس لئے کہ مسافع حجبی نے زہری کی موافقت کی ہے۔

(۳۸) بابٌ فی مقدارِ الماءِ الذی یُجزی بہ الغسلُ

(۷۹) حدثنا عبد اللہ بن مسلمۃ القعنبی عن مالک عن ابن شہاب عن عروۃ عن عائشۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یَغتسِلُ من اناءٍ ہو الفَرَقُ من الجنابۃ قال ابوداود قال معمر عن الزہری فی ہذا الحدیث قالت کنتُ أغتسِلُ انا ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اناءٍ واحدٍ فیہ قدرُ الفَرَقِ۔ قال ابوداؤد وروی ابن عیینۃ نحوَ حدیث مالک،

قال ابوداؤد وسمعتُ احمدَ بن حنبل یقول الفَرَقُ ستۃ عشرَ رطلاً وسمعتُہ یقول صاعُ ابن ابی ذئب خمسۃ ارطال وثلثٌ قال فمن قال ثمانیۃ ارطال قال لیس ذلک بمحفوظ

قال ابوداؤد وسمعتُ احمدَ یقول من أعطی فی صدقۃ الفطر برطلنا ہذا خمسۃ ارطال وثلثاً فقد اَوفیٰ قیل لہ الصَیحانی ثقیلٌ قال الصیحانی اَطیبُ قال لا ادری

حل لغات

فَرَق تین صاع یعنی سولہ رطل کا ایک پیمانہ ہے۔ صیحانی مدینہ میں ایک خاص قسم کی کھجور ہوتی ہے جو اور کھجوروں

کے مقابلہ میں وزنی ہوتی ہے)۔ ترجمہ

عبداللہ بن مسلمہ قعنبی نے بطریق مالک بسند ابن شہاب بواسطہ عروہ حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک برتن یعنی فرق سے غسل جنابت کرتے تھے۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ معمر نے زہری سے اس حدیث میں حضرت عائشہ کا قول یوں روایت کیا ہے کہ میں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دونوں ملکر ایک برتن پانی سے غسل کرتے تھے جو فرق کے برابر تھا۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ ابن عیینہ نے بھی امام مالک کے مثل روایت کیا ہے۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل سے سنا وہ کہتے تھے کہ فرق سولہ رطل کا ہوتا ہے اور میں نے ان سے یہ بھی سنا کہ صاع ابن ابی ذئب پانچ رطل اور تہائی رطل تھا۔ میں نے کہا: جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ صاع آٹھ رطل کا ہے؟ امام احمد نے کہا یہ غیر محفوظ ہے۔

ابوداؤد کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد سے سنا وہ کہتے تھے کہ جس شخص نے ہمارے رطل کے لحاظ سے صدقہ فطر پانچ رطل اور تہائی رطل دیا تو اس نے پورا دیا۔ لوگوں نے کہا صیحانی کھجور بھاری ہوتی ہے۔ آپ نے کہا صیحانی تو اور بہتر ہے۔ پھر کہا: مجھے معلوم نہیں۔ تشریح

(۹۴) قولہ قال ابوداؤد قال معمر الخ حدیث شہاب کو زہری سے اس کے دو شاگردوں نے روایت کیا ہے ایک امام مالک نے اور ایک معمر نے۔ لیکن ان دونوں کی روایات میں قدرے اختلاف ہے۔ صاحب کتاب اسی اختلاف کو بیان کرنا چاہتے ہیں کہ امام مالک کی روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تن تنہا ایک فرق پانی سے غسل کرنا مذکور ہے اور معمر کی روایت میں حضرت عائشہ کے ساتھ اتنی مقدار پانی سے غسل کرنا مذکور ہے۔ نیز امام مالک کی روایت میں تحدیدی طور پر پانی کی کل مقدار ایک فرق ہے اور معمر کی روایت میں اس کی تحدید نہیں بلکہ اس میں یہ ہے کہ آپ ایک فرق کے بقدر پانی استعمال کرتے تھے۔

(۹۵) قولہ قال ابوداؤد وروی ابن عیینہ الخ یعنی امام زہری سے سفیان بن عیینہ کی روایت بھی امام مالک کی روایت کے مثل ہے گویا صاحب کتاب روایت معمر پر روایت مالک کو ترجیح دے رہے ہیں۔

(۹۶) قولہ قال ابوداؤد سمعت الخ اس قول کی تشریح "باب ما یجزئ من الماء فی الوضوء" کے ذیل میں گزر چکی ہے۔

(۹۷) قولہ قال ابوداؤد سمعت احمد الخ یعنی امام احمد یہ فرماتے تھے کہ جو شخص ہمارے اس رطل (رطل بغدادی) سے صدقہ فطر ادا کرے اور پانچ رطل اور تہائی رطل دیدے تو اس نے اپنا صدقہ فطر کامل طور پر ادا کیا۔ اس پر یہ اعتراض ہوا کہ صیحانی کھجور وزنی ہوتی ہے تو اگر کوئی شخص پانچ رطل اور ایک تہائی رطل صیحانی کھجور دے تو کیا اس سے بھی صدقہ فطر ادا ہو جائے گا؟ امام احمد نے اولاً اعتراض کا مقصد پورے طور پر سمجھے بغیر جواب دیا کہ صیحانی تو کھجور کی عمدہ ترین قسم ہے لہذا اس کی مقدار سے صدقہ فطر بطریق اولیٰ ادا ہوگا۔ اس کے بعد آپ نے اعتراض میں غور کیا کہ اعتراض کا مقصد یہ ہے کہ صیحانی کھجور وزنی ہوتی ہے اور وزن کے لحاظ سے اس کے پانچ رطل اور تہائی رطل ایک صاع کی مقدار کو نہیں پہنچتے

حالانکہ صدقہ فطر میں ایک صاع کی مقدار نصاً واجب ہے تو آپ لا ادری کے علاوہ کوئی جواب نہ دے سکے۔

(۳۹) بابٌ فی الغُسلِ من الجَنابَۃِ

(۱) حدثنا مُسَدَّدُ بن مسرھد نا عبد اللہ بن داؤد عن الاعمش عن سالم عن کریب قال نا ابن عباس عن خالتہ میمونۃ قالت وَضَعتُ للنبی صلی اللہ علیہ وسلم غسلاً یغتسل بہ من الجنابۃ فأکفأ الاناء علی یدہ الیمنی فغسلھا مرتین او ثلاثا ثم صبّ علی فرجہ فغسل فرجہ بشمالہ ثم ضرب بیدہ الارض فغسلھا ثم تمضمض واستنشق و غسل وجھہ ویدیہ ثم صبّ علی راسہ وجسدہ ثم تنحّی ناحیۃ فغسل رجلیہ فناولتہ المندیل فلم یأخذہ وجعل ینفض الماء عن جسدہ فذکرتُ ذلک لابراھیم فقال کانوا لا یرون بالمندیل بأساً ولکن کانوا یکرھون العادۃ، قال ابو داؤد قال مسدد قلتُ لعبد اللہ بن داؤد کانوا یکرھونہ للعادۃ فقال ھکذا ھو ولکن وجدتُہ فی کتابی ھکذا

حل لغات

غُسلاً بروزن قفل وہ پانی جس سے غسل کیا جائے (وضبط ابن باطش وابن دقیق العید وابن سید الناس بکسر صیغہ فغلطوا فیہ) اکفأ برتن جھکایا۔ صبّ بہایا۔ تنحّی ہٹ گئے۔ المندیل رومال۔

ترجمہ

مسدد بن مسرہد نے بطریق عبد اللہ بن داؤد بواسطہ اعمش بواسطہ سالم عن کریب بروایت ابن عباس ان کی خالہ حضرت میمونہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جنابت سے پاک ہونے کیلئے پانی رکھا۔ سو آپ نے برتن جھکا کر اپنے ہاتھ پر پانی ڈالا اور اس کو دو یا تین بار دھویا۔ پھر شرمگاہ پر پانی ڈال کر اس کو بائیں ہاتھ سے دھویا۔ پھر بایاں ہاتھ زمین پر مل کر دھویا پھر کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا اور ہاتھ منہ دھویا اس کے بعد اپنے سر اور پورے بدن پر پانی بہایا۔ پھر اس جگہ سے ہٹ کر اپنے پاؤں دھوئے۔ میں نے رومال پیش کیا تو آپ نے نہ لیا اور اپنے بدن سے پانی جھاڑنے لگے۔

اعمش کہتے ہیں کہ صحابہ رومال سے بدن پونچھنا برا نہیں سمجھتے تھے لیکن اس کی عادت ڈالنا برا جانتے تھے۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ مسدد نے عبد اللہ بن داؤد سے پوچھا کہ صحابہ عادت کر لینے کے باعث برا سمجھتے تھے؟ انھوں نے کہا: ایسا ہی ہے، لیکن میں نے اس کو اپنی کتاب میں اسی طرح پایا ہے۔

تشریح

قولہ کانوا لا یرون الخ۔ وضوء اور غسل سے فارغ ہونے کے بعد بدن پر باقی ماندہ تری کو رومال وغیرہ سے خشک کرنا بعض حضرات کے نزدیک مکروہ ہے۔ سعید بن المسیب اور امام زہری سے یہی مروی ہے اور عبد الرحمن بن ابی لیلی کا قول بھی یہی ہے۔

یہ حضرات حضرت انس کی روایت سے استدلال کرتے ہیں جس کو ابن شاہین نے روایت کیا ہے کہ

نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رومال سے منہ صاف کرتے تھے اور نہ حضرت ابو بکر و عمر اور حضرت علی و ابن مسعود۔ مگر اس کی سند میں سعید بن میسرہ بصری ہے جس کو بخاری نے منکر الحدیث کہا ہے۔ ابن حبان کہتے ہیں کہ یہ موضوع احادیث روایت کرتا تھا۔ پھر ابن ماجہ میں حضرت سلمان فارسی کی حدیث موجود ہے کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وضوء کیا اس کے بعد جبّہ کو الٹ کر اس سے چہرہ مبارک کا پانی خشک کیا۔" اسی لئے حسن بن علی انس، عثمان، سفیان ثوری اور امام مالک اس کے جواز کے قائل ہیں۔ بلکہ احناف کے یہاں تو غسل کے بعد رومال سے پانی خشک کر لینا مستحب ہے اور زیر بحث حدیث میں آپ کا رومال نہ لینا ممکن ہے اس لئے ہو کہ آپ عجلت میں تھے یا اس لئے کہ گرمی کا وقت تھا اور تراوٹ اچھی معلوم ہو رہی تھی یا اس لئے کہ رومال میں کچھ شبہ تھا۔ بہرحال اس سے ممانعت ثابت نہیں ہوتی۔

قولہ قال ابوداؤد الخ (۹۸) مقصد یہ ہے کہ عبارت "کانوا یکرہون العادۃ" میں لفظ عادۃ پر گولا م جارہ نہیں ہے لیکن مطلب یہی ہے کہ کانوا یکرہون العادۃ ای لاجل العادۃ۔ شیخ نے بذل میں اس قول کا مقصد یہی بتایا ہے۔ صاحب عون المعبود نے اسکا مقصد کچھ اور بتایا ہے من شاء فلیراجع الیہ

حدثنا نصر بن علی نا الحارث بن وجیہ نا مالک بن دینار عن محمد بن سیرین عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان تحت کل شعرۃ جنابۃ فاغسلوا الشعر وانقوا البشر قال ابوداؤد الحارث بن وجیہ حدیثہ منکر وھو ضعیف

ترجمہ

نصر بن علی نے بطریق حارث بن وجیہ بسند مالک بن دینار بواسطہ محمد بن سیرین حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہر بال کے نیچے جنابت ہے سو بالوں کو دھوؤ اور بدن کو خوب صاف کرو۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ حارث بن وجیہ کی حدیث منکر ہے اور وہ ضعیف ہے۔ **تشریح**

قولہ قال ابوداؤد الخ (۹۹) حدیث منکر کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ جس میں کوئی مستور الحال یا سئ الحفظ اور ضعیف راوی اپنے بعض مشائخ سے روایت کرنے میں منفرد ہو اور اس کی روایت کا متابع اور شاہد بھی نہ ہو، اس قسم کی حدیث پر امام احمد اور امام نسائی وغیرہ نے منکر کا اطلاق کیا ہے۔ دوسری قسم وہ ہے جس میں مذکورہ بالا امور کے باوجود ثقات کے مخالف ہو۔ صاحب کتاب کے قول "حدیثہ منکر" میں منکر کے پہلے معنی مراد ہیں کیونکہ اس کا راوی حارث بن وجیہ ضعیف ہے جو مالک بن دینار سے اس حدیث کی روایت میں منفرد ہے اور مالک بن دینار حضرت محمد بن سیرین سے روایت کرنے میں منفرد ہے۔

(۵۰) باب فی الحائض لا تقضی الصلوٰۃ

حدثنا الحسن بن عمرو انا سفیان یعنی ابن عبد الملک عن ابن المبارک عن معمر عن ایوب عن معاذۃ العدویۃ عن عائشۃ بھذا الحدیث۔ قال ابوداؤد وزاد فیہ فنؤمر بقضاء الصوم ولا نؤمر بقضاء الصلوٰۃ

ترجمہ

حسن بن عمرو نے بروایت سفیان بن عبد الملک بطریق ابن المبارک بسند معمر بواسطہ ایوب ابن معاذہ العدویہ حضرت عائشہ سے یہ حدیث روایت کی ہے۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ معمر نے اس حدیث میں اتنا اور زائد ذکر کیا ہے کہ ہمیں روزہ کی قضاء کا حکم ہوتا تھا اور نماز کی قضاء کا حکم نہیں ہوتا تھا۔ **تشریح**

قولہ قال ابوداؤد الخ (۱۰۰) باب کے ذیل میں صاحب کتاب نے جو حضرت عائشہ کی حدیث پیش کی ہے اس کی سند اور متن میں اختلاف ہے۔ اختلاف سند تو یہ ہے کہ پہلی حدیث تو ایوب سختیانی سے دو واسطوں کے ساتھ مروی ہے یعنی موسیٰ بن اسمٰعیل اور وہیب کے واسطے سے، اور یہ حدیث چار واسطوں سے مروی ہے یعنی حسن بن عمرو، سفیان بن عبد الملک، ابن المبارک اور معمر، پھر پہلی حدیث کو ایوب نے معاذہ سے بواسطہ ابوقلابہ روایت کیا ہے اور اس حدیث کو بلا واسطہ صاحب کتاب نے پوری سند کے ساتھ حدیث کا اعادہ کرکے اسی اختلاف سند کی طرف اشارہ کیا ہے۔ دوسرا اختلاف متن کا ہے جس کو صاحب کتاب اس قول میں صراحۃً ذکر کر رہے ہیں کہ وہیب کی روایت میں قضاء صوم کا حکم نہیں ہے اور معمر کی روایت میں اس کا حکم ہے فا۔ نما دفی حدیثہ فنؤمر بقضاء الصوم اھ۔

(۵۱) باب فی اتیان الحائض

(۴۲) حدثنا مسدد نا یحیی عن شعبۃ قال حدثنی الحکم عن عبد الحمید بن عبد الرحمٰن عن مقسم عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الذی یاتی امرأتہ وھی حائض قال یتصدق بدینار او نصف دینار. قال ابوداؤد ھکذا الروایۃ الصحیحۃ قال دینار او نصف دینار وربما لم یرفعہ شعبۃ

ترجمہ

مسدد نے بروایت یحییٰ بطریق شعبہ بسند حکم بواسطہ عبد الحمید بن عبد الرحمٰن عن مقسم عن ابن عباس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے اس شخص کے بارے میں جو اپنی عورت کے ساتھ حالت حیض میں جماع کرے کہ وہ ایک دینار صدقہ کرے یا آدھا دینار۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ روایت صحیحہ اسی طرح ہے کہ آپ نے دینار یا نصف دینار فرمایا اور بعض اوقات شعبہ نے اس حدیث کو مرفوعاً ذکر نہیں کیا۔ **تشریح**

قولہ او نصف دینار الخ۔ اس پر تو امت کا اتفاق ہے کہ حیض کی حالت میں عورت سے صحبت کرنا جائز نہیں حرام ہے کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ویسئلونک عن المحیض قل ھو اذی فاعتزلوا النساء فی المحیض (آپ سے حیض کا حکم دریافت کرتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ وہ گندگی ہے سو تم لوگ حیض کے وقت عورتوں سے الگ رہو) اس آیت میں لفظ اذی سے جہاں یہ بتانا ہے کہ حیض ایک گندی چیز ہے وہیں اس میں یہ بھی ملحوظ ہے کہ حیض ایک تکلیف اور نقصان کا سبب بھی ہو سکتا ہے اور ایام حیض میں مجامعت سے متعدد لاعلاج امراض پیدا ہو سکتے ہیں یہ آنکھوں کے لئے بھی نقصان دہ ہے اور اطباء کے نزدیک اس سے جذام بھی پیدا ہو سکتا ہے اسی لئے ارشاد ہے۔ ولا تقربوھن حتی یطھرن۔ کہ جماع کے ارادے سے ان کے قریب بھی نہ جانا۔

لیکن اگر کوئی شخص اس ممانعت کے باوجود حیض کی حالت میں عورت سے صحبت کرلے تو کیا اس پر شرعاً کوئی کفارہ واجب ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ عطاء ابن یسار، ابن ابی ملیکہ، شعبی، ابراہیم نخعی، مکحول، زہری، ابو الزناد، ربیعہ، حماد بن ابی سلیمان، ایوب سختیانی، سفیان ثوری، لیث بن سعد، امام مالک اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک کوئی کفارہ واجب نہیں صرف توبہ و استغفار ہے۔ امام شافعی کا صحیح اور قول جدید یہی ہے اور یہی ایک روایت امام احمد سے ہے۔ اس کے برعکس حضرت ابن عباس، حسن بصری، سعید بن جبیر، قتادہ، اوزاعی، اسحاق اور امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ اس پر کفارہ واجب ہے۔ امام شافعی کا بھی قول قدیم یہی ہے۔

پھر ان حضرات کے یہاں کفارہ کی نوعیت میں اختلاف ہے حضرت حسن بصری اور سعید بن جبیر کے نزدیک عتق رقبہ یعنی غلام آزاد کرنا واجب ہے اور باقی حضرات کے یہاں ایک دینار یا نصف دینار صدقہ کرنا واجب ہے۔ دلیل حضرت ابن عباس کی یہی زیر بحث حدیث ہے جس میں ایک دینار یا نصف دینار صدقہ کرنے کے لئے کہا گیا ہے۔ مگر بقول امام نووی یہ حدیث باتفاق حفاظ ضعیف ہے کیونکہ اس کی اسناد اور متن ہر دو میں اضطراب ہے۔

اضطراب اسناد تو یہ ہے کہ کوئی اس کو مرسل روایت کرتا ہے کوئی معضل، کوئی متصل و مرفوع روایت کرتا ہے تو کوئی موقوف۔ اضطراب متن یہ ہے کہ بعض رواۃ نے "بدینار او نصف دینار" بطریق شک روایت کیا ہے اور بعض نے صرف "فلیتصدق بنصف دینار" بعض روایات میں یوں ہے "یتصدق بدینار فان لم یجد فبنصف دینار" اور بعض روایات میں ہے "اذا اصابہا فی اول الدم فدینار واذا اصابہا فی انقطاع الدم فنصف دینار" نیز بعض روایات میں صرف "یتصدق بخمسی دینار" ہے اور بعض میں صرف "بنصف دینار" اور بعض روایات میں ہے "اذا کان دما احمر فدینار وان کان دما اصفر فنصف دینار" اور بعض روایات میں ہے "ان کان الدم عبیطا فلیتصدق بدینار وان کان صفرۃ فنصف دینار"۔

قولہ قال ابوداؤد الخ (۱۰) حدیث مذکور کی سند میں جو اختلاف ہے اس کو بیان کرکے حدیث کے ضعف کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ شعبۃ بن الحجاج کبھی اس حدیث کو مرفوعاً روایت کرتے اور کبھی موقوف۔ چنانچہ النضر بن شمیل، عبدالوہاب بن عطاء الخفاف اور یحییٰ بن سعید القطان نے اس کو شعبہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے اور عفان بن مسلم اور سلیمان بن حرب نے موقوفاً۔ مسلم بن ابراہیم، حفص بن عمر الحوضی اور حجاج بن منہال وغیرہ کی ایک جماعت نے ذکر کیا ہے کہ شعبہ نے اس کے رفع سے رجوع کر لیا تھا۔ چنانچہ حافظ بیہقی نے عبدالرحمٰن بن مہدی سے روایت کیا ہے کہ کسی نے شعبہ سے کہا کہ آپ تو اس حدیث کو مرفوع روایت کرتے تھے آپ نے فرمایا: کنت مجنونا فصححت۔

(۲۶۵) حدثنا عبد السلام بن مطہر نا جعفر یعنی ابن سلیمان عن علی بن الحکم البنانی عن ابی الحسن الجزری عن مقسم عن ابن عباس قال اذا اصابہا فی اول الدم فدینار واذا اصابہا فی انقطاع الدم فنصف دینار، قال ابوداؤد وکذلک قال ابن جریج عن عبد الکریم عن مقسم

ترجمہ

عبدالسلام بن مطہر نے بروایت جعفر بن سلیمان بطریق علی بن الحکم بنانی بسند ابوالحسن جزری بواسطہ مقسم حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ جب حیض کے شروع میں جماع کرے تو ایک دینار صدقہ کرے اور جب حیض بند ہونے کے وقت جماع کرے تو نصف دینار صدقہ کرے۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ ابن جریج نے بواسطہ عبدالکریم مقسم سے اسی طرح روایت کیا ہے:۔ **تشریح**

قولہ قال ابوداؤد الخ (۱۰۲) یعنی جس طرح علی بن حکم بنانی نے بواسطہ ابوالحسن جزری عن مقسم بن بجرہ عن ابن عباس موقوفاً روایت کیا ہے اسی طرح ابن جریج نے بھی بواسطہ عبدالکریم مقسم سے موقوفاً ہی روایت کیا ہے لیکن حافظ بیہقی نے ابن جریج کی اس تعلیق کو موصولاً روایت کیا ہے۔ بہرحال روایت موقوف ہو یا مرفوع بہر دو صورت ناقابل احتجاج ہے۔ کیونکہ عبدالکریم بن ابی المخارق راوی کو سفیان بن عیینہ، ایوب، ابوالعالیہ، سعدی، ابن حبان، نسائی، دارقطنی اور حافظ ابن عبدالبر وغیرہ سب حضرات نے ضعیف ومتروک کہا ہے۔

(۷۵) حدثنا محمد بن الصبّاح البزاز نا شریک عن خُصَیف عن مقسم عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا وقع الرجل باھلہ وھی حائض فلیتصدق بنصف دینار، قال ابوداؤد وکذا قال علی بن بذیمۃ عن مقسم عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم مرسلاً وروی الاوزاعی عن یزید بن ابی مالک عن عبدالحمید بن عبدالرحمٰن عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال آمرہ ان یتصدق بخمسی دینار و ھذا معضل۔

ترجمہ

محمد بن صباح بزاز نے بروایت شریک بسند خصیف بطریق مقسم بواسطہ ابن عباس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: جب کوئی شخص اپنی عورت کے حائضہ ہونے کی حالت میں صحبت کرے تو اس کو نصف دینار صدقہ کرنا چاہیے۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ علی بن بذیمہ نے اس کو بواسطہ مقسم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مرسلاً روایت کیا ہے اور اوزاعی نے بسند یزید بن ابی مالک بواسطہ عبدالحمید بن عبدالرحمٰن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ نے اس کو دو خمس دینار صدقہ کرنے کا حکم فرمایا۔ مگر یہ روایت معضل ہے:۔ **تشریح**

قولہ قال ابوداؤد الخ (۱۰۳) ابوعون خصیف بن عبدالرحمٰن اور علی بن بذیمہ کی ان روایات کو ذکر کرنے سے صاحب کتاب کا مقصد متن حدیث کے اضطراب کو بیان کرنا ہے کہ سابقہ روایات میں "تصدق بدینار او نصف دینار" مذکور ہے اور خصیف وعلی کی روایت میں صرف نصف دینار ہے۔ تیسرا متن خمسی دینار کا ہے جس کو امام اوزاعی نے بواسطہ یزید بن ابی مالک عبدالحمید بن عبدالرحمٰن سے روایت کیا ہے۔ مگر یہ روایت معضل ہے کیونکہ اس میں دو راوی ساقط ہیں ایک مقسم اور ایک حضرت ابن عباس۔ وقد مر الکلام علی الاضطراب فی المتن مفصلاً۔

(۵۲) باب فی المرأۃ تستحاض ومن قال تدع الصلوۃ فی عدۃ الایام التی کانت تحیض

(۲۷۴) حدثنا موسیٰ بن اسماعیل نا وھیب نا ایوب عن سلیمٰن بن یسار عن ام سلمۃ بھذہ القصۃ قال فیہ تدع الصلوۃ وتغتسل فیما سوی ذلک وتستثفر بثوب وتصلی قال ابوداؤد سمی المرأۃ التی کانت استحیضت حماد بن زید عن ایوب فی ھذا الحدیث قال فاطمۃ بنت ابی حبیش

ترجمہ

موسیٰ بن اسماعیل نے بطریق وہیب بسند ایوب بواسطہ سلیمان بن یسار حضرت ام سلمہ سے یہی واقعہ روایت کیا ہے۔ اس میں یہ ہے کہ آپ نے فرمایا: وہ نماز چھوڑ دے اور اس کے ماسوا میں غسل کرکے کپڑے کا لنگوٹ باندھ کر نماز پڑھ لے۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ حماد بن زید نے ایوب کے واسطہ سے اس حدیث میں مستحاضہ عورت کا نام فاطمہ بنت ابی حبیش بتایا ہے۔ **تشریح**

قولہ باب الخ ۔ یہاں سے مستحاضہ کے احکام بیان کر رہے ہیں۔ عورت کو ہر مہینہ جو خون آتا ہے اگر وہ قاعدہ کے مطابق رحم سے آئے تو اس کو حیض کہتے ہیں جو صحت کی علامت ہے اور جو خون غیر وقت میں جاری ہو اس کا نام استحاضہ ہے جو بیماری کی علامت ہے۔ حیض کا خون رحم کی گہرائی سے آتا ہے اور استحاضہ فم رحم کی ایک رگ سے جاری ہوتا ہے جس کا نام عاذل ہے۔ فقہاء کی اصطلاح میں جو خون مدت حیض سے کم آئے تم ہو یا مدت حیض سے بڑھ جائے اس کا نام استحاضہ ہے۔ مثلاً احناف کے یہاں حیض کی کم سے کم مدت تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن تک ہے۔ اور شوافع کے یہاں کم سے کم مقدار تسلسل کے ساتھ ایک دن اور زیادہ سے زیادہ پندرہ دن ہے تو احناف کے یہاں تین دن سے کم اور شوافع کے یہاں ایک دن سے کم آنیوالا خون حیض نہ ہوگا بلکہ استحاضہ ہوگا۔ اسی طرح احناف کے یہاں دس دن سے زائد اور شوافع کے یہاں پندرہ دن سے زائد آنے والا خون استحاضہ ہوگا۔

مستحاضہ کا حکم یہ ہے کہ اگر اس کو حیض کی مقدار اور وقت معلوم ہو کہ ہر ماہ کی ابتدائی یا درمیانی یا آخری تاریخوں میں اتنے دن حیض رہتا تھا تو وہ استحاضہ کے درمیان اتنے ہی دن کی نمازیں چھوڑ دے گی اور باقی ایام میں نماز ادا کرے گی۔

پھر احناف کے یہاں حیض کی آمد اور اس کی بازگشت کا مدار عادت پر ہے نہ کہ خون کے رنگوں پر پس حیض کے ایام میں ہر قسم کی رنگین رطوبت کو حیض ہی کہا جائے گا۔ صاحب کتاب نے باب کے ذیل میں جو حدیث مختلف طرق سے ذکر کی ہے وہ مسلک احناف کی مؤید ہے۔ شوافع کے یہاں اس سلسلہ میں الوان کا اعتبار ہے کہ اگر خون سیاہ یا سرخ رنگ کا ہو تو وہ حیض ہے اور دوسرے مٹیلے، سبز اور زرد رنگ کے خون حیض نہیں ہیں ان کا مستدل ابوداؤد کی روایت "فانہ دم اسود یعرف" ہے یعنی حیض کا خون خاص قسم کا سیاہ ہوتا ہے جو پہچان لیا جاتا ہے۔

جواب یہ ہے کہ دم اسود یعرف کلیہ نہیں ہے جزئیہ ہے یعنی ہر عورت کا خون سیاہ ہو ایسا نہیں ہے بلکہ

اگر عورت کا مزاج، اس کی غذا اور آب و ہوا معتدل ہو تو حیض کی رنگت سُرخ ہوتی ہے اور اگر گرم غذا و گرم آب و ہوا یا مزاج کی خرابی سے احتراقی کیفیت پیدا ہو گئی ہے تو خون سیاہی مائل ہوتا ہے اور جن بلاد میں سردی بہت زیادہ پڑتی ہے وہاں خون کی رنگت کا بالکل سُرخ ہونا بھی ضروری نہیں :۔

قولہ قال ابوداؤد الخ (۴۰۳) حدیث باب میں ایک عورت کا قصہ مذکور ہے جس کو خون بہت آتا تھا لیکن یہ عورت کون تھی اور اس کا کیا نام تھا؟ امام مالک، لیث بن سعد، عبید اللہ بن عبید اللہ بن عمر اور صخر بن جویریہ نے بواسطہ نافع اور وہیب بن خالد نے بواسطہ ایوب حضرت سلیمان بن یسار سے اس حدیث کو روایت کیا ہے لیکن ان حضرات میں سے کسی نے اس کا نام ذکر نہیں کیا۔ صاحب کتاب حماد کی روایت کا حوالہ دے کر یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حماد بن زید نے اس حدیث کو ایوب سختیانی سے روایت کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ قصہ فاطمہ بنت ابی حبیش کا ہے۔

مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حماد کے علاوہ اور کسی نے اس کا نام ذکر نہیں کیا اس واسطے کہ ایوب سختیانی سے وہیب بن خالد، عبدالوارث اور سفیان کی روایتیں دارقطنی میں موجود ہیں جن میں ان حضرات نے بھی اس کا نام فاطمہ بنت ابی حبیش ہی بتایا ہے :۔

(۴۰۴) حدثنا قتیبۃ بن سعید نا اللیث عن یزید بن ابی حبیب عن جعفر عن عراک عن عروۃ عن عائشۃ انھا قالت ان ام حبیبۃ سألت النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الدم فقالت عائشۃ فرأیت مرکنھا ملآن دمًا فقال لھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امکثی قدر ما کانت تحبسک حیضتک ثم اغتسلی۔ قال ابوداؤد ورواہ قتیبۃ بین اضعاف حدیث جعفر بن ربیعۃ فی اٰخرھا ورواہ علی بن عیاش ویونس بن محمد عن اللیث فقالا جعفر بن ربیعۃ

حل لغات

مرکن کپڑے دھونے کا برتن جیسے ٹب، لگن اور تغارہ وغیرہ۔ ملآن بروزن عطشان بھرا ہوا۔ امکثی مکث سے امر حاضر ہے بمعنی رُکی رہ۔ اضعاف جمع ضعف فی القاموس اضعاف الکتاب کتاب کی سطروں کا فاصلہ۔ ترجمہ

قتیبہ بن سعید نے بروایت لیث بسند یزید بن ابی حبیب بطریق جعفر بواسطہ عراک عن عروہ حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے کہ ام حبیبہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خون کی بابت دریافت کیا۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے ان کے پانی کا برتن خون سے بھرا ہوا دیکھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جتنے دن تک تجھے حیض نماز سے روکتا تھا اتنے دنوں تک رُکی رہ اس کے بعد غسل کر۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ اس کو قتیبہ نے حدیث جعفر کے بین السطور ابن ربیعہ روایت کیا ہے اور علی بن عیاش اور یونس بن محمد نے لیث سے روایت کرتے ہوئے جعفر بن ربیعہ کہا ہے۔ تشریح

قولہ قول ابوداؤد الخ (۴۰۴) عبارت بین اضعاف حدیث جعفر کے حل میں بہت سے شراح نے غلطے کھائے ہیں اور بعض حضرات نے توایسی توجیہ کی ہے جو بالکل غلط ہے مثلاً یہ کہ لفظ بین تبیین مصدر سے ماضی معروف ہے اور اضعاف مصدر بمعنی اظہار ضعف ہے مطلب یہ ہے کہ قتیبہ نے اس حدیث کے ضعف کا اظہار کیا ہے۔

غلط اس لئے ہے کہ امام مسلم نے صحیح میں اس حدیث کی تخریج کی ہے اور اس کے تمام رواۃ ثقہ ہیں تو حدیث کے ضعیف ہونے کے کوئی معنی ہی نہیں۔ پس صحیح توجیہ یہ ہے کہ لفظ بین کا ظرف ہے، اور اضعاف ضعف کی جمع ہے یعنی اثنا سطور (اور جعفر (تنوین کے ساتھ) لفظ حدیث کا مضاف الیہ ہے اور ابن ربیعہ رواہ کی ضمیر منصوب سے بدل ہے اور آخرہا بکسر راء یعنی آخر سطور ہے، مطلب یہ ہے کہ قتیبہ بن سعید نے اس حدیث کو لیث بن سعد سے روایت کرتے ہوئے سند میں صرف جعفر ذکر کیا ہے اس کے باپ کی طرف منسوب کرکے جعفر بن ربیعہ نہیں کہا بلکہ لفظ ابن ربیعہ کو بین السطور میں ذکر کیا ہے بخلاف علی بن عیاش اور یونس بن محمد کے کہ انھوں نے سند ہی میں جعفر بن ربیعہ کہا ہے۔

حدثنا یوسف بن موسی نا جریر عن سہیل یعنی ابن ابی صالح عن الزہری عن عروۃ بن الزبیر قال حدثتنی فاطمۃ بنت ابی حبیش انہا امرت اسماء او اسماء حدثتنی انہا امرتہا فاطمۃ بنت ابی حبیش ان تسأل لہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فامرہا ان تقعد الایام التی کانت تقعد ثم تغتسل۔ قال ابو داؤد ورواہ قتادۃ عن عروۃ بن الزبیر عن زینب بنت ام سلمۃ ان ام حبیبۃ بنت جحش استحیضت فامرہا النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان تدع الصلوۃ ایام اقرائہا ثم تغتسل وتصلی، قال ابو داؤد وزاد ابن عیینۃ فی حدیث الزہری عن عمرۃ عن عائشۃ قالت ان ام حبیبۃ کانت تستحاض فسألت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فامرہا ان تدع الصلوۃ ایام اقرائہا، قال ابو داؤد وہذا وہم من ابن عیینۃ لیس ہذا فی حدیث الحفاظ عن الزہری الا ما ذکر سہیل بن ابی صالح وقد روی الحمیدی ہذا الحدیث عن ابن عیینۃ لم یذکر فیہ تدع الصلوۃ ایام اقرائہا وروت قمیر بنت عمرو زوج مسروق عن عائشۃ المستحاضۃ تترک الصلوۃ ایام اقرائہا ثم تغتسل و قال عبد الرحمن بن القاسم عن ابیہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم امرہا ان تترک الصلوۃ قدر اقرائہا وروی ابو بشر جعفر بن ابی وحشیۃ عن عکرمۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان ام حبیبۃ بنت جحش استحیضت فذکر مثلہ وروی شریک عن ابی الیقظان عن عدی بن ثابت عن ابیہ عن جدہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان المستحاضۃ تدع الصلوۃ ایام اقرائہا ثم تغتسل وتصلی وروی العلاء بن المسیب عن الحکم عن ابی جعفر قال ان سودۃ استحیضت فامرہا النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا مضت ایامہا اغتسلت وصلت وروی سعید بن جبیر عن علی وابن عباس المستحاضۃ تجلس ایام قرئہا وکذلک رواہ عمار مولی بنی ہاشم وطلق بن حبیب عن ابن عباس وکذلک رواہ معقل

۱۹۷

الخثعمي عن علي وكذلك رواه الشعبي عن قمير امرأة مسروق عن عائشة . قال ابو داؤد وهو قول الحسن وسعيد المسيب و عطاء ومكحول وابراهيم وسالم والقاسم ان المستحاضة تدع الصلوة ايام اقرائها قال ابوداؤد لم يسمع قتادة من عروة شيئا

ترجمہ

یوسف بن موسیٰ نے بروایت جریر بطریق سہیل بن ابی صالح بسند زہری بواسطہ عروہ بن الزبیر فاطمہ بنت ابی حبیش سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے اسماء کو حکم کیا یا اسماء نے بیان کیا کہ ان کو فاطمہ بنت ابی حبیش نے حکم کیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کریں۔ سو آپ نے فرمایا کہ جتنے دن پہلے حیض کے لئے بیٹھی تھی اب بھی اتنے ہی دن تک بیٹھے اس کے بعد غسل کرے۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ اس کو قتادہ نے بواسطہ عروہ بن الزبیر حضرت زینب بنت ام سلمہ سے روایت کیا ہے کہ ام حبیبہ بنت جحش کو استحاضہ ہو گیا۔ آپ نے ان کو ایام حیض میں نماز چھوڑنے پھر غسل کرکے نماز پڑھنے کا حکم فرمایا۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ ابن عیینہ نے حدیث زہری میں بواسطہ عمرہ حضرت عائشہ سے اتنا زیادہ کیا ہے کہ ام حبیبہ کو استحاضہ ہوا تھا انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا آپ نے فرمایا اپنے ایام حیض کی نماز چھوڑ دے۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ یہ وہم ہے ابن عیینہ کا یہ زہری سے حفاظ کی روایات میں نہیں ہے مگر وہ جس کو سہیل بن ابی صالح نے ذکر کیا ہے اور اس کو حمیدی نے ابن عیینہ سے روایت کیا ہے اس میں یہ ذکر نہیں کیا کہ ایام حیض میں نماز چھوڑ دے اور مسروق کی بی بی قمیر بنت عمرو نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے کہ مستحاضہ ایام حیض میں نماز چھوڑ دے اس کے بعد غسل کرے اور عبدالرحمن بن القاسم نے اپنے والد کے واسطہ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایام حیض میں نماز چھوڑنے کا حکم فرمایا اور ابو بشر جعفر بن ابی وحشیہ نے بواسطہ عکرمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ ام حبیبہ بنت جحش کو استحاضہ ہو گیا پھر اسی کے مثل ذکر کیا اور شریک نے بطریق ابو الیقظان بواسطہ عدی بن ثابت عن ابیہ عن جدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ مستحاضہ اپنے ایام حیض میں نماز چھوڑ دے پھر غسل کرے اور نماز پڑھے۔ اور علاء بن المسیب نے بواسطہ حکم ابو جعفر سے روایت کیا ہے کہ سودہ کو استحاضہ ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم فرمایا کہ جب حیض کے ایام گذر جائیں تو غسل کرکے نماز پڑھے۔ اور سعید بن جبیر نے حضرت علی و ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ مستحاضہ اپنے ایام حیض میں بیٹھی رہے۔ اسی طرح عمار مولی بنی ہاشم اور طلق بن حبیب نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے اور اسی طرح اس کو معقل خثعمی نے حضرت علی سے روایت کیا ہے۔ اسی طرح شعبی نے بواسطہ قمیر حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ حسن بصری، سعید بن المسیب، عطاء، مکحول، ابراہیم، سالم اور قاسم کا یہی قول ہے کہ مستحاضہ اپنے ایام حیض میں نماز چھوڑ دے۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ قتادہ نے حضرت عروہ سے کچھ نہیں سنا۔ تشریح

قولہ قال ابوداؤد ورواہ قتادہ الخ (۱۰۲) مذکورہ بالا حدیث زہری نے حضرت عروہ سے روایت کی ہے اور قتادہ نے بھی اس کو حضرت عروہ سے روایت کیا ہے لیکن قتادہ کی روایت منقطع ہے کیونکہ قتادہ کو حضرت عروہ سے سماع حاصل نہیں۔ حالانکہ قتادہ نے اس کو موصولاً روایت کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ قتادہ کی یہ روایت موصولاً صحیح نہیں، علاوہ ازیں زہری کی روایت میں فاطمہ

بنت ابی حبیش کا قصہ مذکور ہے اور قتادہ کی روایت میں ام حبیبہ بنت جحش کا۔

قولہ قال ابوداؤد وزاد ابن عیینۃ الخ (۱۰۲) یعنی سفیان بن عیینہ نے زہری کی حدیث میں جملہ "تدع الصلوٰۃ ایام اقرائہا" زائد روایت کیا ہے جو زہری سے روایت کرنے والے دیگر حفاظ کی روایات میں نہیں ہے اور یہ سفیان بن عیینہ کا وہم ہے جس کی وجہ اگلے قول میں آرہی ہے۔

قولہ قال ابوداؤد وہذا وہم الخ (۱۰۳) سفیان بن عیینہ نے جو زہری کی حدیث میں جملہ مذکورہ کا اضافہ کیا ہے یہ اس کا وہم ہے جس میں اس نے زہری سے روایت کرنے والے حفاظ کے خلاف کیا ہے اور غالباً یہ جملہ ام حبیبہ کے قصہ میں نہیں ہے بلکہ کسی اور مستحاضہ عورت کے قصہ میں ہے سفیان نے اس کو ام حبیبہ کے قصہ میں داخل کر دیا۔ زہری سے روایت کرنے والے حفاظ کی روایات میں صرف وہ مضمون ہے جو سہیل بن ابی صالح نے ذکر کیا ہے۔

مگر صاحب کتاب کا یہ قول اشکال سے خالی نہیں اس واسطے کہ اول تو سفیان اس جملہ کی روایت میں متفرد نہیں بلکہ امام اوزاعی بھی اس میں شریک ہیں جیسا کہ خود صاحب کتاب "باب من قال اذا اقبلت الحیضۃ تدع الصلوٰۃ" کے ذیل میں ذکر کریں گے۔ دوسرے یہ کہ اگر "با ذکر سہیل بن ابی صالح" سے مراد مذکورہ بالا حدیث ہے تو یہ اس لئے صحیح نہیں کہ مذکورہ بالا حدیث فاطمہ بنت قیس کے قصہ سے متعلق ہے اور حدیث زہری ام حبیبہ کے قصہ میں ہے۔ اور اگر اس سے بھی قطع نظر کریں تب بھی وہم سفیان ثابت نہیں ہوتا کیونکہ حدیث سہیل میں "فامرہا ان تقعد الایام التی کانت تقعد" موجود ہے جس کے معنی وہی ہیں جو جملہ "فامرہا ان تدع الصلوٰۃ ایام اقرائہا" کے ہیں تو دونوں روایتیں موافق ہوگئیں اور زیادتی ثابت نہ ہوئی۔

قولہ ورواہ الحمیدی الخ - حدیث زہری کو سفیان بن عیینہ سے حمیدی (ابوبکر عبداللہ بن زبیر) نے بھی روایت کیا ہے لیکن حمیدی نے بھی جملہ مذکورہ ذکر نہیں کیا۔ گویا صاحب کتاب کے نزدیک وہم سفیان کا یہ دوسرا قرینہ ہے۔

لیکن اس سے بھی سفیان کا وہم ثابت نہیں ہوتا بلکہ سفیان سے جو راوی ہے (یعنی ابوموسیٰ محمد بن المثنیٰ) اس کا وہم ثابت ہوتا ہے۔ اگر سفیان کا وہم ہوتا تو حمیدی جو سفیان سے راوی ہے اور ان کی خدمت میں ۱۹ سال رہا ہے، وہ اس کو ذکر کرتا حالانکہ صاحب کتاب خود اقرار کر رہے ہیں کہ اس نے جملہ ذکر نہیں کیا۔

قولہ وروت قمیر الخ - اس سے ایک اشکال کا دفعیہ مقصود ہے۔ اشکال یہ ہوتا ہے کہ صاحب کتاب نے جملہ مذکورہ کو سفیان کا وہم بتایا ہے۔ اور مستحاضہ کے لئے حکم سب کے نزدیک یہی ہے کہ اس کی عادت کے مطابق جو حیض کے ایام ہیں ان میں وہ نماز کو چھوڑ دے گی تو اگلے پہ حکم کہاں سے ثابت کیا جبکہ جملہ مذکورہ سفیان کا وہم محض ہے۔ صاحب کتاب اس کا جواب دیتے ہیں کہ اس سلسلہ میں حدیث زہری کے علاوہ اور بہت سی روایات ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ موصوف یہاں پانچ تعلیقات ذکر کر رہے ہیں۔

(۱) تعلیق قمیر بنت عمرو عن عائشہ الخ۔ اس کو حافظ بیہقی نے عن عبدالملک بن میسرہ عن الشعبی عن قمیر عن عائشۃ موصولاً روایت کیا ہے جس میں یہ الفاظ ہیں "تدع الصلوٰۃ ایام حیضتہا"۔

(۲) تعلیق عبدالرحمٰن بن القاسم عن ابیہ الخ۔ صاحب کتاب اس تعلیق کو "باب من قال تجمع بین الصلوٰتین"

کے ذیل میں موصولاً ذکر کریں گے مگر اس کے کچھ الفاظ بدلے ہوئے ہیں۔

(۳) تعلیق ابو بشر جعفر بن ابی وحشیہ عن عکرمہ اھ۔ یہ تعلیق تعلیق عبد الرحمن بن القاسم کے مثل ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: امرہا ان تترک الصلوٰۃ قدر اقرائہا:

(۴) تعلیق شریک عن ابی الیقظان عن عدی بن ثابت عن ابیہ عن جدہ اھ۔ اس تعلیق کو امام ترمذی اور ابن ماجہ نے موصولاً ذکر کیا ہے۔

(۵) تعلیق علاء بن المسیب عن الحکم عن ابی جعفر اھ اس کی تخریج حافظ بیہقی نے سنن میں کی ہے۔

ممکن ہے کوئی شخص ان تعلیقات پر یہ اعتراض کرے کہ یہ سب ضعیف ہیں کیونکہ قمیر کی روایت موقوف ہے اور عبد الرحمن بن القاسم، ابو بشر اور علاء بن المسیب کی روایات مرسل ہیں اور شریک کی روایت میں ابو الیقظان راوی ضعیف ہے۔ پس صاحب کتاب کا ان تعلیقات سے احتجاج کرنا صحیح نہیں۔

جواب یہ ہے کہ مذکورہ بالا تعلیقات علی سبیل الانفراد گو ضعیف ہیں لیکن تعدد کی وجہ سے ان میں قوت آگئی اور ان کا مجموعہ اس قابل ہو گیا کہ ان سے احتجاج ہو سکتا ہے۔ علاوہ ازیں حکم مذکور ان تعلیقات کے ثبوت پر موقوف نہیں بلکہ ان کے علاوہ دیگر احادیث جیدہ وطرق سدیدہ سے بھی حکم مذکور ثابت ہے۔

قولہ قال ابوداؤد وہو قول الحسن الخ (۱۰) عبارت: وروی سعید بن جبیر اھ۔ سے صاحب کتاب مستحاضہ کے سلسلہ میں صحابہ وتابعین کے مذاہب نقل کر رہے ہیں کہ صحابہ میں سے حضرت علی، ابن عباس اور حضرت عائشہ اور تابعین میں سے حسن بصری، سعید بن المسیب عطاء، مکحول، ابراہیم نخعی، سالم بن عبد اللہ اور قاسم سب کا قول یہی ہے کہ مستحاضہ عورت اپنے ایام حیض کے مطابق نماز چھوڑے گی اور باقی ایام میں نماز ادا کرے گی۔ فہو لاء من القائلین بما ترجم بہ المؤلف فی الباب:-

قولہ قال ابوداؤد ولم یسمع قتادۃ الخ (۱۱) قول مصنف کے ذیل میں صاحب کتاب نے کہا تھا کہ اس حدیث کو قتادہ نے عروہ بن الزبیر سے روایت کیا ہے۔ یہاں اسی کے متعلق کہہ رہے ہیں کہ قتادہ کی روایت منقطع ہے کیونکہ قتادہ نے حضرت عروہ سے کچھ نہیں سنا:-

(۲۲) باب من قال اذا اقبلت الحیضۃ تدع الصلوٰۃ

(۴۹) حدثنا ابن ابی عقیل ومحمد بن سلمۃ المصریان قالا اخبرنا ابن وھب عن عمرو بن الحارث عن ابن شہاب عن عروۃ بن الزبیر وعمرۃ عن عائشۃ قالت ان ام حبیبۃ بنت جحش ختنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتحت عبد الرحمن بن عوف استحیضت سبع سنین فاستفتت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ھذہ لیست بالحیضۃ ولکن ھذا عرق فاغتسلی وصلی قال ابو داؤد زاد الاوزاعی فی ھذا الحدیث عن الزھری عن عروۃ وعمرۃ عن عائشۃ قالت

اُسْتُحِيضَتْ اُمُّ حَبِيبَةَ بِنْتُ جَحْشٍ وَهِيَ تَحْتَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ سَبْعَ سِنِيْنَ فَاَمَرَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اَقْبَلَتِ الْحَيْضَةُ فَدَعِي الصَّلٰوةَ فَاِذَا اَدْبَرَتْ فَاغْتَسِلِي وَصَلِّي، قَالَ اَبُوْدَاوٗدَ وَلَمْ يَذْكُرْ هٰذَا الْكَلَامَ اَحَدٌ مِّنْ اَصْحَابِ الزُّهْرِيِّ غَيْرُ الْاَوْزَاعِيِّ رَوَاهُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ وَاللَّيْثُ وَيُوْنُسُ وَابْنُ اَبِيْ ذِئْبٍ وَمَعْمَرٌ وَاِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعْدٍ وَسُلَيْمَانُ بْنُ كَثِيْرٍ وَابْنُ اِسْحٰقَ وَسُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ وَلَمْ يَذْكُرُوْا هٰذَا الْكَلَامَ قَالَ اَبُوْدَاوٗدَ وَاِنَّمَا هٰذَا لَفْظُ حَدِيْثِ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ، قَالَ اَبُوْ دَاوٗدَ وَزَادَ ابْنُ عُيَيْنَةَ فِيْهِ اَيْضًا اَمَرَهَا اَنْ تَدَعَ الصَّلٰوةَ اَيَّامَ اَقْرَائِهَا وَهُوَ وَهْمٌ مِّنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ وَحَدِيْثُ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو عَنِ الزُّهْرِيِّ فِيْهِ شَيْءٌ يَقْرُبُ مِنَ الَّذِيْ زَادَ الْاَوْزَاعِيُّ فِيْ حَدِيْثِهٖ

حل لغات

حِيضَۃ حیض کا چھیڑا، مراد حیض۔ غفتہ ختن کا مؤنث، سالی، تدع۔ وَدَعَا چھوڑنا۔ عِرق ایک رگ ہے جس کو عاذل کہتے ہیں۔ اقراء جمع قُرء حیض، طہر، وقت حیض، وقت طہر۔ ترجمہ

ابن ابی عقیل اور محمد بن سلمہ مصری نے بروایت ابن وہب بطریق عمرو بن الحارث بسند ابن شہاب بواسطہ بن الزبیر و عمرہ حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سالی اور عبد الرحمٰن بن عوف کی بیوی ام حبیبہ کو سات سال تک خون آیا۔ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ پوچھا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ حیض نہیں ہے بلکہ یہ رگ کا خون ہے لہٰذا غسل کرکے نماز پڑھ لو۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ اوزاعی نے اس حدیث میں زہری سے بواسطہ عروہ و عمرہ حضرت عائشہ سے اتنا زیادہ کیا ہے کہ ام حبیبہ بنت جحش کو سات سال خون آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ جب حیض کے ایام شروع ہوں تو نماز چھوڑ دو اور جب وہ ایام ختم ہو جائیں تو غسل کرکے نماز پڑھ لو۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ اوزاعی کے علاوہ زہری کے کسی شاگرد نے یہ ذکر نہیں کیا۔ اس حدیث کو زہری سے عمرو بن حارث، لیث، یونس، ابن ابی ذئب، معمر، ابراہیم بن سعد، سلیمان بن کثیر، ابن اسحاق اور سفیان بن عیینہ نے بھی روایت کیا ہے مگر انھوں نے بھی یہ ذکر نہیں کیا۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ یہ الفاظ تو حدیث ہشام بن عروہ عن ابیہ عن عائشہ کے ہیں۔ ابوداؤد کہتے ہیں ابن عیینہ نے اس حدیث میں یہ بھی زیادتی کی ہے کہ آپ نے انہیں ایام حیض میں نماز چھوڑنے کا حکم دیا حالانکہ یہ زیادتی ابن عیینہ کا وہم ہے۔ البتہ زہری سے محمد بن عمرو کی حدیث میں وہ کچھ ہے جو اوزاعی کی زیادتی کے قریب قریب ہے۔ تشریح

قولہ باب الخ حیض کی آمد دو چیزوں سے پہچانی جاتی ہے ایک یہ کہ عورت معتادہ ہو اور استحاضہ سے پہلے ایام حیض معین ہوں دوسرے خون کے الوان و صفات۔ باب سابق فی المرأۃ تستحاض ومن قال تدع الصلوٰۃ فی عدۃ الایام التی کانت تحیض میں معتادہ عورت کے ساتھ مختص تھا اور یہ باب دونوں کو شامل ہے۔

(۱۱۱)

قولہ قال ابوداؤد وزاد الاوزاعی الخ زیر بحث حدیث ام حبیبہ جس کو عمرو بن الحارث نے روایت کیا ہے اس میں امام اوزاعی نے زہری سے روایت کرتے ہوئے یہ الفاظ زائد ذکر کئے ہیں: "اذا اقبلت الحیضۃ فدعی الصلوٰۃ واذا ادبرت فاغتسلی وصلی"۔ اوزاعی کے علاوہ زہری سے اس حدیث کو عمرو ابن الحارث، لیث بن سعد، یونس، ابن ابی ذئب، معمر، ابراہیم بن سعد، سلیمان بن کثیر، ابن اسحاق اور سفیان بن عیینہ نے بھی روایت کیا ہے لیکن کسی نے یہ الفاظ ذکر نہیں کئے۔

عمرو بن الحارث کی روایت تو آپ کے سامنے ہے اور "باب ما روی ان المستحاضۃ تغتسل لکل صلوٰۃ" کے ذیل میں بھی آرہی ہے۔ روایت لیث بن سعد کی تخریج باب مذکور میں صاحب کتاب نے اور امام مسلم نے صحیح میں۔ روایت یونس و روایت ابن ابی ذئب کی تخریج صاحب کتاب نے باب مذکور میں۔ روایت ابراہیم بن سعد کی تخریج امام مسلم نے صحیح میں۔ روایت سلیمان بن کثیر و روایت ابن اسحاق کی تخریج صاحب کتاب نے باب مذکور میں اور روایت سفیان بن عیینہ کی تخریج امام مسلم نے صحیح میں کی ہے۔

(۱۱۲)

قولہ قال ابوداؤد ولم یذکر ہذا الکلام الخ اصحاب زہری میں سے جن حضرات کے متعلق صاحب کتاب نے عبارت مذکورہ ذکر کرنے کی نفی کی ہے ان میں سے ایک سفیان بن عیینہ بھی ہیں۔ حالانکہ اس سے قبل قول ۱۰۷ کے ذیل میں صاحب کتاب نے خود کہا ہے کہ سفیان بن عیینہ نے زہری کی حدیث میں اس کا اضافہ کیا ہے اور یہاں اس کی نفی کر رہے ہیں۔

جواب یہ ہے کہ سفیان بن عیینہ نے بعینہ اس کلام کا اضافہ نہیں کیا جس کا اضافہ امام اوزاعی نے کیا ہے بلکہ دونوں اضافوں میں فرق ہے۔ کیونکہ سفیان کے زائد کردہ الفاظ "فامرہا ان تدع الصلوٰۃ ایام اقرائہا" اس پر دال ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو غیر ممیزہ قرار دے کر یہ حکم فرمایا کہ وہ اپنا حیض انہیں ایام کے مطابق شمار کرے جن میں اس کو استحاضہ سے قبل حیض آتا تھا اور آپ نے حیض کی آمد کے وقت ترک صلوٰۃ کا حکم نہیں فرمایا اور امام اوزاعی کے الفاظ "فامرہا النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا اقبلت الحیضۃ فدعی الصلوٰۃ فاذا ادبرت فاغتسلی وصلی" یہ بتا رہے ہیں کہ وہ ممیزہ تھی جو حیض کی آمد خون کے رنگوں سے پہچان لیتی تھی، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو حیض کی آمد کے وقت ترک صلوٰۃ کا حکم فرمایا۔ تو امام اوزاعی اور سفیان دونوں کے اضافوں میں تغایر ہے فسقط الاشکال۔

(۱۱۳)

قولہ قال ابوداؤد وانما ہذا الخ یعنی مذکورہ بالا الفاظ "اذا اقبلت الحیضۃ فدعی الصلوٰۃ" الخ ہشام بن عروہ (عن ابیہ عن عائشہ) کی حدیث کے ہیں، جو فاطمہ بنت ابی حبیش کے قصہ سے متعلق ہیں۔ امام اوزاعی نے ان کو حدیث زہری (عن عروہ) میں داخل کر دیا۔ حدیث ہشام کی تخریج شیخین وغیرہ نے کی ہے۔

(۱۱۴)

قولہ قال ابوداؤد وزاد ابن عیینۃ الخ یہ قول بلا فائدہ مکرر ہے۔ کیونکہ اس کا ذکر قول ۱۰۷ میں گذر چکا۔

حدثنا محمد بن المثنیٰ نا محمد بن ابی عدی عن محمد یعنی ابن عمرو قال ثنی ابن شہاب

عن عروۃ بن الزبیر عن فاطمۃ بنت ابی حُبَیْش انہا کانت تُستحاض فقال لہا
النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا کان دم الحیضۃ فانہ دمٌ اَسْوَدُ یُعْرَفُ فاذا کان ذلک
فامسکی عن الصلوٰۃ فاذا کان الآخر فتوضئی وصلی فانما ھو عرق۔ قال ابوداؤد قال ابن
المثنی ثنا بہ ابن ابی عدی من کتابہ ھکذا ثم ثنا بہ بعدُ حفظا قال حدثنا محمد بن
عمرو عن الزھری عن عروۃ عن عائشۃ قالت ان فاطمۃ کانت تُستحاض فذکر معناہ
قال ابوداؤد وروی انس بن سیرین عن ابن عباس فی المستحاضۃ قال اذا رأت
الدم البحرانی فلا تصلی واذا رأت الطُّھر ولو ساعۃ فلتغتسل وتصلی قال مکحول ان
النساء لا یخفی علیہن الحیضۃ ان دمہا اسودُ غلیظٌ فاذا ذھب ذلک وصارت صفرۃً
رقیقۃً فانہا مستحاضۃ فلتغتسل ولتصل۔ قال ابوداؤد وروی حماد بن زید عن یحیی بن
سعید عن القعقاع بن حکیم عن سعید بن المسیب فی المستحاضۃ اذا اقبلت الحیضۃ ترکت
الصلوٰۃ واذا ادبرت اغتسلتْ وصلّتْ وروی سُمَی وغیرہ عن سعید بن المسیب تجلس
ایامَ اقرائہا وکذلک رواہ حماد بن سلمۃ عن یحیی بن سعید عن سعید بن المسیب
قال ابوداؤد وروی یونس عن الحسن الحائض اذا مدّ بہا الدم تُمسک بعد حیضتہا
یوما او یومین فھی مستحاضۃ وقال التیمی عن قتادۃ اذا زاد علی ایام حیضہا خمسۃ
ایام فلتصل قال التیمی فجعلتُ انقصُ حتی بلغتُ یومین فقال اذا کان یومین فھو
من حیضہا وسُئل ابن سیرین عنہ فقال النساء اعلم بذلک

ترجمہ

محمد بن مثنیٰ نے بروایت محمد بن ابی عدی بطریق محمد بن عمرو بسند ابن شہاب بواسطہ عروہ بن الزبیر فاطمہ بنت ابی حبیش سے روایت کیا ہے کہ ان کو استحاضہ کا خون آتا تھا تو ان سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ جب حیض کا خون ہوتا ہے تو وہ سیاہ ہوتا ہے جو معلوم ہو جاتا ہے۔ سو جب یہ خون ہو تو نماز نہ پڑھو اور جب اس کے علاوہ ہو تو وضو کر کے نماز پڑھو کیونکہ وہ رگ کا خون ہے۔

ابوداؤد کہتے ہیں کہ ابن المثنیٰ نے کہا ہے کہ ہم سے ابن ابی عدی نے یہ حدیث اپنی کتاب سے اسی طرح بیان کی ہے۔ اس کے بعد انھوں نے حافظہ سے بروایت محمد بن عمرو بطریق زہری بواسطہ عروہ حضرت عائشہ سے بیان کیا کہ فاطمہ کو استحاضہ کا خون آیا۔ پھر پہلی حدیث کے ہم معنیٰ ذکر کیا۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ انس بن سیرین نے ابن عباس سے مستحاضہ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ جب وہ خوب گاڑھا اور سیاہ خون دیکھے تو نماز نہ پڑھے اور جب پاکی دیکھے خواہ تھوڑی سی ہی دیر ہو تو غسل کر کے نماز پڑھے۔ مکحول کہتے ہیں کہ عورتوں سے حیض کا خون پوشیدہ نہیں ہوتا کیونکہ وہ سیاہ اور گاڑھا ہوتا ہے۔ پس جب یہ ختم ہو کر پیلی زردی سی آنے لگے تو وہ استحاضہ

اسے غسل کرکے نماز پڑھ لینا چاہیے۔

ابوداؤد کہتے ہیں کہ حماد بن زید نے بروایت یحیی بن سعید بطریق قعقاع بن حکیم سعید بن المسیب سے مستحاضہ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ جب حیض شروع ہو تو نماز چھوڑ دے اور جب ختم ہوجائے تو غسل کرکے نماز پڑھ لے اور سمی وغیرہ نے سعید بن المسیب سے روایت کیا ہے کہ وہ ایام حیض میں نماز سے بیٹھی رہے۔ اسی طرح حماد بن سلمہ نے بواسطہ یحیی بن سعید، سعید بن المسیب سے روایت کیا ہے۔

ابوداؤد کہتے ہیں کہ یونس نے حضرت حسن سے روایت کیا ہے کہ جب حائضہ عورت کا خون زیادہ دنوں تک جاری رہے تو وہ حیض کے بعد بھی ایک یا دو دن تک نماز سے رکی رہے اب وہ مستحاضہ ہوگئی۔ تیمی نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ جب اس کے حیض کے دنوں سے پانچ دن زیادہ گزر جائیں تو اب وہ نماز پڑھ لے تیمی کہتے ہیں کہ میں اس میں سے کم کرتے کرتے دو دن تک آ گیا انھوں نے کہا کہ جب دو دن زیادہ ہوں تو وہ حیض کے ہی ہیں۔ ابن سیرین سے جب اس کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انھوں نے کہا کہ عورتیں اس سے زیادہ واقف ہیں۔

تشریح

قولہ قال ابوداؤد قال ابن المثنی الخ (۱۱۵) اس کی اصل یہ ہے کہ ابن ابی عدی نے اس حدیث کو اپنی کتاب سے بھی روایت کیا ہے اور اپنے حفظ سے بھی دونوں روایتوں میں فرق صرف اتنا ہے کہ جب وہ اپنی کتاب سے روایت کرتے ہیں تو عروہ اور فاطمہ کے درمیان حضرت عائشہ کا واسطہ ذکر نہیں کرتے اور جب اپنے حفظ سے روایت کرتے ہیں تو اس واسطہ کو ذکر کرتے ہیں۔ روایت بہر دو طریق صحیح ہے کیونکہ عروہ نے حضرت عائشہ اور فاطمہ دونوں کو پایا ہے اور دونوں سے سنا ہے۔ پس ابن القطان کا یہ کہنا کہ حدیث منقطع ہے صحیح نہیں۔

قولہ قال ابوداؤد وروی انس الخ (۱۱۶) شیخ نے بذل میں تحریر فرمایا ہے کہ ہم کو یہ روایت موصولاً نہیں ملی۔ اس روایت میں الدم البحرانی کے متعلق صاحب نہایہ نے لکھا ہے کہ بہت زیادہ سرخی والے خون کو دم بحرانی کہتے ہیں گویا یہ بحر کی طرف منسوب ہے اور بحر رحم کی گہرائی کو کہتے ہیں۔ نسبت میں الف اور نون کا اضافہ برائے مبالغہ ہے۔ وفی المصباح المنیر البحر معروف یقال للدم الحالص الشدید الحمرة باحر وبحرانی۔

قولہ قال ابوداؤد وروی حماد الخ (۱۱۷) یحیی بن سعید القطان کی روایت کی تخریج حافظ بیہقی نے یزید بن ہارون کے طریق سے کی ہے اور کہا ہے وکذلک رواہ حماد بن زید۔

قولہ قال ابوداؤد وروی یونس الخ (۱۱۸) حافظ دارمی نے اس روایت کی تخریج بایں الفاظ کی ہے اذا رأت الدم فانہا تمسک عن الصلوٰة بعد ایام حیضہا یوما او یومین ثم ہی بعد ذلک مستحاضة۔

(۲۰) حدثنا زهیر بن حرب وغیرہ قالا نا عبد الملک بن عمرو نا زهیر بن محمد عن عبد الله بن محمد بن عقیل عن ابراهیم بن محمد بن طلحة عن عمه عمران بن طلحة عن امه حمنة بنت

جحش قالت كنت أستحاض حيضة كثيرة شديدة فأتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم
أستفتيه واخبره فوجدته في بيت اختي زينب بنت جحش فقلت يا رسول الله اني
امرأة أستحاض حيضة كثيرة شديدة فما ترى فيها قد منعتني الصلوة والصوم فقال انعت
لك الكرسف فانه يذهب الدم قالت هو اكثر من ذلك فقال فتلجمي قالت هو اكثر من ذلك
قال فاتخذي ثوبا فقالت هو اكثر من ذلك انما اثج ثجا قال رسول الله صلى الله عليه
وسلم سآمرك بامرين ايهما فعلت اجزأ عنك من الآخر فان قويت عليهما فانت
اعلم قال لها انما هذه ركضة من ركضات الشيطان فتحيضي ستة ايام او سبعة
ايام في علم الله تعالى ذكره ثم اغتسلي حتى اذا رأيت انك قد طهرت واستنقأت[1]
فصلي ثلثا وعشرين ليلة او اربعا وعشرين ليلة وايامها وصومي فان ذلك يجزئك
وكذلك فافعلي في كل شهر كما تحيض النساء وكما يطهرن ميقات حيضهن و
طهرهن فان قويت على ان تؤخري الظهر وتعجلي العصر فتغتسلين وتجمعين بين
الصلوتين الظهر والعصر وتؤخرين المغرب وتعجلين العشاء ثم تغتسلين وتجمعين بين
الصلوتين فافعلي وتغتسلين مع الفجر فافعلي وصومي ان قدرت على ذلك قال
رسول الله صلى الله عليه وسلم وهذا اعجب الامرين الي. قال ابو داود ورواه عمرو
بن ثابت عن ابن عقيل فقال قالت حمنة هذا اعجب الامرين الي لم يجعله قول النبي صلى
الله عليه وسلم جعله كلام حمنة، قال ابو داود وكان عمرو بن ثابت رافضيا وذكره عن يحيى
بن معين قال ابو داود وسمعت احمد يقول حديث ابن عقيل في نفسي منه شيء

۲۰۵

حل لغات

انعت ای اصف وابین۔ الکرسف بضم کاف وسکون راء وضم سین بمعنی قطن (روئی)، تلجمی (ن) لجما۔
اللجام: جو پایہ کو لگام لگانا۔ ثج (ن) ثجوجا۔ الماء بہنا۔ ثجا۔ الماء بہانا۔ لازم ومتعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے

[1] قال السيوطي قال ابو البقاء كذا وقع في هذه الرواية بالالف والصواب استنقيت لانه من نقي الشيء وانقيته اذا نظفته ولا وجه فيه للالف ولا للهمزة انتهى وقال في المغرب الهمزة فيه خطاء وعن، وهي في النسخ كلها مضبوطة بالهمزة فيكون الحكم بخطئه جرءة عظيمة من صاحب المغرب بالنسبة الى عدول الضابطين مع امكان حمل على الشذوذ ومن العجيب انه نقل الترمذي عن الاصمعي عن البدوي الذي يبول على عقبيه مثل هذا الوضوء على زعمهم وهذا النقل المتصل المسند بالسند خطاء عندهم فهيهات هيهات۔ ۱۲ بذل

لازم کی صورت میں جری کی نسبت اپنی ذات کی طرف بطریق مبالغہ ہے اور متعدی کی صورت میں مفعول محذوف ہے۔ اسی اثج الدم (رکضۃ حرکت، دھکا، چوکا، اثیر، اسقاقات استفار پاک صاف ہونا) ترجمہ زہیر بن حرب وغیرہ نے بروایت عبد الملک بن عمرو بطریق زہیر بن محمد بسند عبد اللہ بن محمد بن عقیل بواسطہ ابراہیم بن محمد بن طلحہ عن عمہ عمران بن طلحہ ان کی والدہ حمنہ بنت جحش سے روایت کیا ہے وہ کہتی ہیں کہ مجھے بہت زیادہ خون آتا تھا تو میں مسئلہ پوچھنے اور حالات بتانے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور میں نے آپ کو اپنی بہن زینب بنت جحش کے گھر پایا اور عرض کیا، یا رسول اللہ! مجھے بہت زیادہ خون آتا ہے تو میرے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں؟ کیونکہ میں تو نماز روزہ سے بھی گئی۔ آپ نے فرمایا: تب تجھے روئی رکھنے کا مشورہ دیتا ہوں کہ اس سے خون ختم ہو جائے گا۔ میں نے عرض کیا: وہ تو اس سے زیادہ ہے۔ آپ نے فرمایا، لنگوٹ کی شکل میں باندھ لے۔ میں نے عرض کیا وہ اس سے بھی زیادہ ہے۔ آپ نے فرمایا: تو کپڑا استعمال کر۔ میں نے عرض کیا: وہ اس سے بھی کہیں زیادہ ہے۔ میرے تو خون ٹپکتا بہتا ہے۔ آپ نے فرمایا: دو باتیں بتاتا ہوں کہ ان میں سے ایک بھی کافی ہے اور اگر تو دونوں پر عمل کر سکتی ہے تو تو جان۔ آپ نے فرمایا: یہ تو شیطان کا چوکا ہے۔ لہذا تو اپنے آپ کو چھ یا سات دن تک حائضہ سمجھ پھر غسل کر اور جب تو اپنے آپ کو پاک صاف سمجھ لے تو ۲۳ یا ۲۴ روز نماز ادا کر اور روزے رکھ۔ یہ تجھے کافی ہے اور جس طرح عورتیں حیض و طہر کے اوقات میں کرتی ہیں اسی طرح ہر ماہ تو بھی کر لیا کر۔ اور اگر تو یہ کر سکتی ہے تو یہ کر لے کہ ظہر کی نماز کو مؤخر اور عصر کی نماز میں جلدی کر اور غسل کر کے ظہر اور عصر کی نماز دونوں کو جمع کر اسی طرح مغرب کو مؤخر اور عشاء کی نماز میں جلدی کر اور غسل کر کے دونوں کو جمع کر اور ایک غسل فجر کی نماز کے لئے کر۔ اگر تو یہ کر سکتی ہو تو اسی طرح کئے جا اور روزے رکھے جا۔ آپ نے فرمایا: یہ دوسری بات مجھے پسند ہے

۲۰۶ ابوداؤد کہتے ہیں کہ عمرو بن ثابت نے بواسطہ ابن عقیل حمنہ کا قول نقل کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ دوسری بات مجھے پسند ہے اور اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نہیں بتایا بلکہ حمنہ کا قول مانا ہے۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ عمرو بن ثابت رافضی تھا اور یحییٰ بن معین سے اس کی تضعیف نقل کی۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ ابن عقیل کی حدیث سے میرا دل مطمئن نہیں ہے:۔

تشریح

قولہ ستۃ او سبعۃ ایام الخ۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ بعض حضرات نے تو کلمہ او کو راوی کا شک مانا ہے اس صورت میں احد العددین کا ذکر باعتبار غالب احوال ہے۔ اور بعض حضرات نے برائے تخییر مانا ہے۔ یعنی اختیار ہے کہ چھ دن حیض شمار کرے یا سات دن۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ کلمہ او برائے تقسیم ہے یعنی اگر چھ دن کی عادت ہو تو چھ دن اور سات دن کی عادت ہو تو سات دن حیض کے شمار ہو سکتے ہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت حمنہ کو ایک ماہ میں چھ دن حیض آتا ہو اور دوسرے ماہ میں سات دن۔ اس لئے آپ نے فرمایا کہ چھ دن والے مہینے میں چھ دن اور سات دن والے مہینے میں سات دن حیض کے شمار کرو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ اپنی عادت بھول گئی ہوں کہ چھ دن آتا تھا یا سات دن۔ اس لئے آپ نے فرمایا کہ ان دونوں عددوں میں تحری کر لو اور جس پر یقین ہو جائے اس پر عمل کرو۔ ویدل علیہ قولہ فی علم اللہ تعالیٰ ذکرہ:۔

قولہ اعجب الامرین الخ۔ ملا علی قاری وغیرہ شراح حدیث نے ذکر کیا ہے کہ یہاں امرین سے مراد ہر نماز کے لئے مستقل غسل کرنا۔ اور جمع کی صورت میں ظہر و عصر، مغرب و عشاء اور فجر کے لئے غسل کرنا ہے اور بنا

سے امر ثانی کی طرف اشارہ ہے اور اس کے اعجب الامرین ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جمع کی صورت میں رات دن میں صرف تین بار غسل کرنا ہوگا بخلاف پہلی صورت کے کہ اس میں پانچ مرتبہ غسل ہوگا (یعنی ہر نماز کے لئے مستقل غسل کیا جائے گا) باب ما روی ان المستحاضۃ تغتسل لکل صلوٰۃ کے ذیل میں صاحب کتاب کے قول فی حدیث ابن عقیل الامران جمیعا قال ان قویت فاغتسلی لکل صلوٰۃ والا فاجمعی سے تعیین امرین کی یہ صورت بالکل واضح ہے۔

لیکن شیخ نے حاشیہ کوکب میں اس پر یہ اشکال کیا ہے کہ حضرت حمنہ کے قصے سے متعلق کسی روایت میں ہر نماز کے لئے غسل کا ذکر نہیں ہے اس لئے شیخ کے نزدیک حضرت حمنہ کے قصہ میں امرین سے مراد ایک تو بذریعہ تحری ایام حیض کی تعیین ہے اور امر ثانی ایک غسل کے ساتھ جمع بین الصلوٰتین ہے اور یہ امر ثانی اعجب الامرین اس لئے ہے کہ اس میں ذمہ سے سبکدوشی بالیقین ہے بخلاف امر اول کے کہ اس میں برأۃ ذمہ بالتحری کا ہے (دتسلیم) صاحب عون المعبود کے نزدیک اعجب الامرین میں امر اول سے مراد حیض کے چھ یا سات دن چھوڑ کر ہر ماہ میں ۲۳ یا ۲۴ روز تک وضوء کے ساتھ نماز پڑھنا ہے اور امر ثانی سے مراد ایک غسل کے ساتھ جمع بین الصلوٰتین ہے اور امر ثانی کے اعجب الامرین ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں مشقت زیادہ ہے اور اجر و ثواب بقدر مشقت ہی ہوتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی کام کو پسند فرماتے تھے جس میں اجر و ثواب زیادہ ہو۔

مگر یہ توجیہ صحیح نہیں اس لئے کہ اول تو یہ صاحب کتاب کے قول مذکور کے خلاف ہے دوسرے یہ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم امت کے حق میں اس کام کو پسند نہیں کرتے تھے جس میں مشقت زیادہ ہو اسی لئے آپ نے صوم وصال سے منع فرمایا ہے بلکہ آپ امت کے حق میں اسی کو پسند فرماتے تھے جو ان کے لئے سہل و آسان ہو۔ وقد ورد فی الخبر ما خیر بین امرین الا اختار ایسرہما۔

۲۰۷

قولہ قال ابوداؤد ورواہ عمرو الخ (۱۱۹)
اس کا حاصل یہ ہے کہ زہیر بن محمد نے اس حدیث کو ابن عقیل سے روایت کرتے ہوئے "اعجب الامرین" کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول قرار دیا ہے۔ اس کے برخلاف عمرو بن ثابت نے اس کو حضرت حمنہ کا قول مانا ہے۔

قولہ قال ابوداؤد وکان عمرو الخ (۱۲۰)
عمرو بن ثابت راوی کی تضعیف مقصود ہے کہ یہ تو بکار افضی تھا یحیی بن معین نے اس کو لیس بشئ، لیس بثقۃ، لیس بمامون اور امام نسائی نے متروک الحدیث اور امام بخاری نے لیس بالقوی اور ابو زرعہ نے ضعیف الحدیث اور عجلی نے شدید التشیع، غال فیہ، واہی الحدیث وغیرہ الفاظ سے نوازا ہے۔ ابن حبان کہتے ہیں کہ یہ موضوع احادیث روایت کرتا تھا۔ ابن المبارک فرماتے ہیں کہ عمرو بن ثابت سے حدیث بیان مت کرو کیونکہ یہ سلف کو برا بھلا کہتا تھا، پس اس کی نقل قابل اعتماد نہیں بلکہ زہیر بن محمد نے جو روایت کیا وہی صحیح ہے

قولہ قال ابوداؤد سمعت احمد الخ (۱۲۱)
یعنی امام احمد فرماتے تھے کہ میرا دل حدیث ابن عقیل سے مطمئن نہیں گویا موصوف کے نزدیک یہ حدیث صحیح نہیں۔ جواب یہ ہے کہ امام بخاری نے اس کو حسن کہا ہے نیز امام ترمذی اور حافظ بیہقی نے اس کو خود بھی حسن کہا ہے اور امام احمد سے بھی اس کے متعلق یہی نقل کیا ہے اور صاحب کتاب کی نقل کے اعتبار سے

ان حضرات کی نقل راجح ہے اس واسطے کہ صاحب کتاب نے امام احمد سے اس کی تصریح نقل نہیں کی بلکہ یہ کہا ہے کہ میرے دل میں اس کی بابت کھٹکا ہے اور اگر یہ نقل صحیح بھی ہو تو ممکن ہے کہ پہلے آپ کا نظریہ یہی ہو بعد میں آپ اس کی صحت پر مطلع ہوئے ہوں۔

(۴۰) باب ما روی ان المستحاضۃ تغتسل لکل صلوٰۃ

(۲۹۲) حدثنا یزید بن خالد بن عبد اللہ بن موھب الھمدانی ثنی اللیث بن سعد عن ابن شہاب عن عروۃ عن عائشۃ بھذا الحدیث قال فیہ فکانت تغتسل لکل صلوۃ قال ابو داؤد قال القاسم بن مبرور عن یونس عن ابن شہاب عن عمرۃ عن عائشۃ عن ام حبیبۃ بنت جحش وکذلک رواہ معمر عن الزھری عن عمرۃ عن عائشۃ وربما قال معمر عن عمرۃ عن ام حبیبۃ بمعناہ وکذلک رواہ ابراھیم بن سعد وابن عیینۃ عن الزھری عن عمرۃ عن عائشۃ وقال ابن عیینۃ فی حدیثہ ولم یقل ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم امرھا ان تغتسل

ترجمہ

یزید بن خالد بن عبد اللہ بن موہب ہمدانی نے بروایت لیث بن سعد بسند ابن شہاب بواسطہ عروہ حضرت عائشہؓ سے اس حدیث کو روایت کیا ہے جس میں یہ ہے کہ ام حبیبہ ہر نماز کیلئے غسل کرتی تھیں ابو داؤد کہتے ہیں کہ قاسم بن مبرور نے اس کی سند میں یوں کہا ہے عن یونس عن ابن شہاب عن عمرۃ عن عائشۃ عن ام حبیبہ بنت جحش اسی طرح معمر نے زہری سے یوں روایت کیا ہے عن عمرہ عن عائشہ اور کبھی معمر نے عن عمرہ عن ام حبیبہ کے ہم معنی روایت کیا ہے۔ اسی طرح اس کو ابراہیم بن سعد اور ابن عیینہ نے زہری سے عن عمرہ عن عائشہ روایت کیا ہے۔ اور ابن عیینہ نے اپنی حدیث میں کہا ہے کہ زہری نے یہ نہیں کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو غسل کا حکم فرمایا تھا۔

تشریح

قولہ باب الخ۔ مستحاضہ معتادہ کے متعلق یہ بات تو معلوم ہو چکی کہ وہ اپنی عادت کے مطابق حیض کے ایام میں نماز چھوڑے گی اور باقی ایام میں نماز ادا کرے گی لیکن باقی ایام میں نماز کیسے ادا کرے جبکہ خون کا سلسلہ جاری ہے۔ آیا ہر نماز کے لئے مستقل غسل کرنا ضروری ہے یا صرف وضو کر لینا بھی کافی ہو سکتا ہے؟ سو احناف و شوافع بلکہ جمہور کے نزدیک ہر نماز کے لئے غسل کرنا ضروری نہیں بلکہ صرف وضو واجب ہے۔ احناف کے یہاں ہر نماز کے وقت کے لئے اور شوافع کے یہاں ہر نماز کے لئے۔ کیونکہ ابو داؤد میں عکرمہ کے طریق سے روایت گذر چکی کہ حضرت ام حبیبہ کو استحاضہ ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ حکم فرمایا کہ اپنی عادت کے مطابق ایام حیض کا انتظار کرے پھر غسل کر کے نماز پڑھے اور اگر اسکے بعد

ف مگر یہ صرف معتادہ کا حکم ہے اور اگر وہ متحیرہ ہو کہ خون آیا اور سلسلہ بند ہو گیا نہ ایام حیض یاد ہیں نہ اوقات حیض، تو اس کے لئے احناف و شوافع سب کے نزدیک ہر نماز کے لئے غسل ضروری ہے۔

کو دیکھئے، دیکھئے تو صرف وضو کر کے نماز پڑھے۔ صاحب کتاب اس باب کے ذیل میں حضرت ام حبیبہ کی حدیث پیش کر رہے ہیں جس کے بعض طرق میں ہر نماز کے لئے غسل کرنے کا حکم موجود ہے اس کا جواب ہم قول ۱۲۳ کے ذیل میں عرض کریں گے۔

قولہ قال ابوداؤد (۱۲۲) صاحب کتاب نے حدیث ام حبیبہ کی تخریج مختلف طرق سے کی ہے اور ان طرق کے سلسلہ اسناد میں ہے اختلاف، تو یہاں اس اختلاف کو بیان کرنا چاہتے ہیں۔

پہلا طریق عمرو بن الحارث کا ہے جس کا سلسلہ اسناد یوں ہے، عن ابن شہاب عن عروۃ بن الزبیر و عمرۃ بنت عبدالرحمٰن عن عائشۃ۔ دوسرا طریق یونس بن یزید کا ہے جس کا سلسلہ سند یوں ہے، عن ابن شہاب قال اخبرتنی عمرۃ عن ام حبیبۃ۔ اس طریق میں فرق یہ ہے کہ ایک تو اس میں عروہ کا واسطہ ہے اور نہ حضرت عائشہ کا۔ دوسرے یہ کہ اس میں حضرت عائشہ کا یہ قول مزید ہے "فکانت تغتسل لکل صلوۃ"۔ تیسرا طریق لیث بن سعد کا ہے جس کی اسناد یوں ہے۔ عن ابن شہاب عن عروۃ عن عائشۃ اس میں نہ عمرہ کا واسطہ ہے اور نہ ام حبیبہ سے روایت کا ذکر ہے ہاں حضرت عائشہ کا قول مذکور اس میں بھی ہے۔ چوتھا طریق قاسم بن مبرور کی تعلیق ہے جس کا طریق روایت یوں ہے عن یونس عن ابن شہاب عن عمرۃ عن عائشۃ عن ام حبیبۃ۔ اس میں عروہ ساقط ہے اور عن عائشۃ عن ام حبیبۃ کا اضافہ ہے تو یونس بن یزید سے دو راوی ہیں۔ طریق ۲ میں عنبسہ اور طریق ۴ میں قاسم بن مبرور، اور روایت قاسم بن مبرور روایت عنبسہ کے خلاف ہے۔

(۸۲) حدثنا هناد بن السری عن عبدة عن ابن اسحاق عن الزهری عن عروة عن عائشة قالت ان ام حبيبة بنت جحش استحيضت فی عهد رسول الله صلی الله عليه وسلم فامرها بالغسل لكل صلوة وساق الحديث، قال ابوداؤد ورواه ابوالوليد الطيالسی ولم اسمعه منه عن سليمان بن كثير عن الزهری عن عروة عن عائشة قالت استحيضت زينب بنت جحش فقال لها النبی صلی الله عليه وسلم اغتسلی لكل صلوة وساق الحديث قال ابوداؤد ورواه عبدالصمد عن سليمان بن كثير قال توضئی لكل صلوة، قال ابوداؤد وهذا وهم من عبدالصمد والقول فيه قول ابی الوليد۔

ترجمہ

ہناد بن السری نے بروایت عبدہ بطریق ابن اسحاق بسند زہری بواسطہ عروہ حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے کہ عہد نبوی میں ام حبیبہ بنت جحش کو خون آنے لگا تو آپ نے ان کو ہر نماز کے لئے غسل کرنے کا حکم فرمایا اور پھر پوری حدیث بیان کی۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ اس کو ابوالولید طیالسی نے بھی روایت کیا ہے مگر میں نے ان سے نہیں سنا انھوں نے بروایت سلیمان بن کثیر بسند زہری بواسطہ عروہ حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے کہ زینب بنت جحش کو خون آنے لگا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ہر نماز کے لئے

غسل کرنے کا حکم فرمایا اور پوری حدیث بیان کی۔ ابوداؤد کہتے ہیں اس کو عبد الصمد نے سلیمان بن کثیر سے روایت کرتے ہوئے کہا ہے کہ آپ نے فرمایا ہر نماز کے لئے وضو کر۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ یہ عبد الصمد کا وہم ہے اور اس سلسلہ میں صحیح قول ابوالولید کا ہے۔

تشریح

(۱۲۳)
قولہ قال ابوداؤد ورواہ ابوالولید الخ ابوالولید طیالسی کی روایت کی تخریج سے صاحب کتاب کا مقصد روایت ابن اسحاق کو تقویت پہنچا کر یہ ثابت کرنا ہے کہ ہر نماز کے لئے غسل کا حکم حضرت عائشہ پر موقوف نہیں بلکہ مرفوع ہے۔

جواب یہ ہے کہ بقول حافظ ابن حجر امام زہری سے یہ الفاظ مرفوعاً صرف محمد بن اسحاق نے روایت کئے ہیں۔ زہری کے دیگر ثقہ اور حفاظ شاگرد عمرو بن الحارث، یونس بن یزید، لیث بن سعد، معمر، ابراہیم بن سعد، سفیان بن عیینہ، ابن ابی ذئب اور اوزاعی وغیرہ کسی نے بھی یہ الفاظ مرفوعاً روایت نہیں کئے۔ بلکہ سب نے حضرت عائشہ پر موقوف کیا ہے۔ بس محمد بن اسحاق کی روایت ان ثقہ راویوں کی روایات کے برابر نہیں ہو سکتی۔

علامہ منذری نے بحوالہ صحیح مسلم لیث بن سعد سے نقل کیا ہے کہ ابن شہاب نے یہ ذکر نہیں کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ام حبیبہ کو ہر نماز کے لئے غسل کا حکم فرمایا تھا بلکہ وہ از خود ایسا کرلی تھیں حافظ بیہقی کہتے ہیں کہ زہری سے صحیح روایت جمہور کی ہے جس میں صرف ایک بار غسل کا حکم ہے۔

رہا صاحب کتاب کا ابوالولید کی روایت سے ابن اسحاق کی روایت کو تقویت پہنچانا سو یہ اس لئے قابل حجت نہیں کہ صاحب کتاب نے اسکو ابوالولید سے خود نہیں سنا۔ حالانکہ موصوف ابوالولید کے شاگرد ہیں۔ علاوہ ازیں ابوالولید کی روایت زینب بنت جحش کے قصے سے متعلق ہے اور ابن اسحاق کی روایت ام حبیبہ بنت جحش کے قصہ میں ہے۔ اور اگر رفع ہی تسلیم کرلیں تو بقول حافظ ابن حجر حدیث ام حبیبہ میں حکم غسل کو استحباب پر محمول کرکے جمع بین الحدیثین ممکن ہے یا بقول امام طحاوی حدیث ام حبیبہ حدیث فاطمہ بنت ابی حبیش سے منسوخ ہے کیونکہ فاطمہ کی حدیث میں ہر نماز کے لئے صرف وضو کا حکم ہے۔

(۱۲۴)
قولہ قال ابوداؤد ورواہ عبد الصمد الخ یعنی زہری سے بواسطہ سلیمان بن کثیر اس حدیث کو عبد الصمد بن عبد الوارث نے بھی روایت کیا ہے مگر اس کی حدیث میں یہ الفاظ ہیں "قال توضئ لکل صلوٰۃ" یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب بنت جحش سے فرمایا کہ ہر نماز کے لئے وضو کیا کر۔

(۱۲۵)
قولہ قال ابوداؤد وہذا وہم الخ یعنی عبد الصمد نے جو سلیمان بن کثیر سے روایت کرتے ہوئے یہ الفاظ ذکر کئے ہیں "توضئ لکل صلوٰۃ" یہ اسکا وہم ہے اور صحیح روایت ابوالولید کی ہے جس میں یہ حکم ہے "اغتسلی لکل صلوٰۃ"۔

حاصل یہ نکلا کہ زینب بنت جحش کے قصے میں سلیمان بن کثیر سے ابوالولید طیالسی نے "اغتسلی لکل صلوٰۃ" روایت کیا ہے اور عبد الصمد نے "توضئ لکل صلوٰۃ" صاحب کتاب عبد الصمد کی روایت پر ابوالولید کی روایت کو ترجیح دے رہے ہیں۔ کیونکہ حفظ واتقان میں ابوالولید عبد الصمد سے بڑھے ہوئے ہیں لیکن حافظ بیہقی صاحب کتاب کا یہ قول نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ ابوالولید کی روایت بھی غیر محفوظ ہے

نیز مسلم بن ابراہیم نے اس کو سلیمان بن کثیر سے اسی طرح روایت کیا ہے جیسے زہری کے باقی اصحاب نے روایت کیا ہے فلا وجہ للترجیح۔

(۲۹۴) حدثنا عبد الله بن عمرو بن ابی الحجاج ابو معمر نا عبد الوارث عن الحسین عن یحیی بن ابی کثیر عن ابی سلمة قال حدثتنی زینب بنت ابی سلمة ان امرأة کانت تھراق الدم وکانت تحت عبد الرحمن بن عوف ان رسول الله صلی الله علیہ وسلم امرھا ان تغتسل عند کل صلوة وتصلی واخبرنی ان ام بکر اخبرتہ ان عائشة قالت ان رسول الله صلی الله علیہ وسلم قال فی المرأة تری ما یریبھا بعد الطھر انما ھی او قال انما ھو عرق او عروق . قال ابوداؤد فی حدیث ابن عقیل الامران جمیعا قال ان قویت فاغتسلی لکل صلوة والا فاجمعی کما قال القاسم فی حدیثہ وقد روی ھذا القول عن سعید بن جبیر عن علی وابن عباس

ترجمہ

عبد اللہ بن عمرو بن ابی الحجاج ابو معمر نے بطریق عبد الوارث بسند حسین بواسطہ یحیی بن ابی کثیر ابو سلمہ سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے زینب بنت ابی سلمہ نے بیان کیا ہے کہ ایک عورت کا خون بہا کرتا تھا اور وہ عبد الرحمٰن بن عوف کے نکاح میں تھیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ہر نماز کے لئے غسل کرنے اور نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ یحیی بن ابی کثیر کہتے ہیں کہ مجھ کو ابو سلمہ نے خبر دی کہ ان کو ام بکر نے خبر دی کہ حضرت عائشہ نے کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کے متعلق فرمایا جو طہر کے بعد خون دیکھے اور وہ اس کو شک میں ڈال دے کہ یہ ایک رگ ہے یا آپ نے فرمایا کہ یہ رگیں ہیں۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ ابن عقیل کی حدیث میں دونوں امر جن میں آپ نے اختیار دیا تھا یہ ہیں کہ اگر ہو سکے تو ہر نماز کے لئے غسل کر ورنہ جمع کر جیسا کہ قاسم نے اپنی حدیث میں ذکر کیا ہے اور یہ قول بواسطہ سعید بن جبیر حضرت علی و ابن عباس سے مروی ہے:۔ **تشریح**

(۱۲۶) **قولہ قال ابوداؤد الخ** حمنہ بنت جحش کے قصہ سے متعلق گزشتہ حدیث میں جو ہذا اعجب الامرین آیا ہے اسمیں امرین سے مراد کیا ہے؟ اسکی تعیین مقصود ہے کہ امرین سے مراد ایک تو ہر نماز کیلئے مستقل غسل کرنا ہے اور ایک جمع کی صورت میں ہر دو نمازوں کو ایک غسل سے ادا کرنا ہے تفصیل ہذا اعجب الامرین کے ذیل میں گذر چکی:۔

(۱۱۵) باب من قال تجمع بین الصلوتین وتغتسل لھما غسلا

(۲۹۵) حدثنا عبد العزیز بن یحیی نا محمد یعنی ابن سلمة عن محمد بن اسحاق عن عبد الرحمن بن القاسم عن ابیہ عن عائشة قالت ان سھلة بنت سھیل استحیضت فاتت النبی صلی الله علیہ وسلم فامرھا ان تغتسل عند کل صلوة فلما جھدھا ذلک امرھا

روایت کیا ہے وہ کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! فاطمہ بنت ابی حبیش کو اتنے زمانہ سے استحاضہ کا خون آرہا ہے اور وہ نماز نہیں پڑھ رہی۔ آپ نے فرمایا: سبحان اللہ۔ تو شیطان کی شرارت ہے اسے چاہیے کہ ایک لگن میں بیٹھ جائے اور جب پانی پر زردی دیکھے تو ایک غسل ظہر و عصر کے لئے کرے اور ایک مغرب و عشاء کے لئے اور ایک فجر کے لئے اور اس کے درمیان وضوء کرتی رہے۔

ابوداؤد کہتے ہیں کہ اس کو مجاہد نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ جب اس پر غسل کرنا دشوار ہوگیا تو آپ نے ہر دو نمازوں کے درمیان جمع کرنے کا حکم فرمایا۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ اس کو ابراہیم نے ابن عباس سے روایت کیا ہے اور یہ ابراہیم نخعی و عبداللہ بن شداد کا یہی قول ہے۔ **تشریح**

(۱۳۸)

قولہ قال ابوداؤد ورواہ مجاہد الخ اس تعلیق کو امام طحاوی نے موصولاً روایت کیا ہے۔

(۱۳۹)

قولہ قال ابوداؤد ورواہ ابراہیم الخ قال الشیخ فی المنہل لم اقف علی ہذا التعلیق موصولاً۔

(۵۶) باب من قال تغتسل من طہر الی طہر

(۸۲) حدثنا محمد بن جعفر بن زیاد قال انا ح وثنا عثمان بن ابی شیبۃ قال نا شریک عن ابی الیقظان عن عدی بن ثابت عن ابیہ عن جدہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی المستحاضۃ تدع الصلوۃ ایام اقرائہا ثم تغتسل وتصلی والوضوء عند کل صلوۃ، قال ابوداؤد وزاد عثمان وتصوم وتصلی

۲۱۳

ترجمہ

محمد بن جعفر بن زیاد اور عثمان بن ابی شیبہ نے بطریق شریک بسند ابوالیقظان بواسطہ عدی بن ثابت عن ابیہ عن جدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مستحاضہ کے حق میں روایت کیا ہے کہ وہ ایام حیض میں نماز چھوڑ دے پھر غسل کر کے نماز پڑھے اور ہر نماز کے وقت وضوء کیا کرے۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ عثمان بن ابی شیبہ نے یہ الفاظ زائد ذکر کئے ہیں کہ روزہ رکھے اور نماز پڑھے۔ **تشریح**

قولہ باب الخ مستحاضہ عورت جب حیض سے فارغ ہوجائے تو اس پر صرف ایک غسل واجب ہوتا ہے اس کے بعد اس پر استحاضہ کے ایام میں غسل واجب نہیں بلکہ صرف وضوء واجب ہے۔ احناف، امام شافعی، امام احمد اور ایک روایت کے مطابق امام مالک کا یہی مذہب ہے۔ لیکن ایام استحاضہ میں جو وضوء واجب ہے وہ ہر نماز کے لئے ہے یا ہر نماز کے وقت کے لئے؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ ہر فرض نماز کے لئے مستقل وضوء کرنا واجب ہے۔ البتہ نوافل چونکہ تابع فرائض ہیں اس لئے اس وضوء سے نوافل پڑھ سکتی ہے۔ امام مالک کے یہاں ہر نماز کے لئے وضوء واجب ہے۔ ان حضرات کی دلیل حدیث باب ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مستحاضہ کو ہر نماز کے لئے وضوء کا حکم فرمایا ہے۔

احناف کے یہاں حکم یہ ہے کہ مستحاضہ عورت ہر نماز کے وقت وضوء کرے اور اس وضوء سے وقت کے اندر اندر فرائض و نوافل جو چاہے پڑھے دلیل یہ حدیث ہے: "المستحاضة تتوضأ لوقت كل صلوة"۔ امام سرخسی نے اس کو مبسوط میں ذکر کیا ہے۔ سبط ابن الجوزی لکھتے ہیں کہ اس کو امام ابوحنیفہ نے روایت کیا ہے۔ شرح مختصر طحاوی میں ہے کہ امام ابوحنیفہ نے اس کو عن ہشام بن عروہ عن ابیہ عن عائشۃ روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ بنت حبیش سے فرمایا کہ ہر نماز کے وقت وضوء کر لیا کر۔ چنانچہ امام محمد نے اس کو اصل میں مفصلاً ذکر کیا ہے۔ ابن قدامہ حنبلی نے المغنی میں تصریح کی ہے کہ "لوقت كل صلوة" الفاظ کے ساتھ یہ حدیث فاطمہ بنت ابی حبیش کے سلسلہ کی بعض روایات میں مروی ہے۔

بہرحال حدیث مذکور کی اسناد صحیح ہے اور حدیث کی صحت میں کوئی شبہ نہیں پس "لكل صلوة" "عند كل صلوة" اور "لوقت كل صلوة" سب کے ایک ہی معنی ہوئے کیونکہ لام کا وقت کے لئے مستعار لینا شائع و ذائع ہے چنانچہ آیت: "اقم الصلوة لدلوك الشمس" میں لام باتفاق مفسرین وقت کے لئے مستعار ہے۔ اسی طرح وقت کے لئے لفظ صلوٰۃ کا استعمال عرف و شرع ہر دو میں بکثرت موجود ہے۔ کہا جاتا ہے: "آتيك لصلوة الظهر" یعنی میں تیرے پاس ظہر کے وقت آؤں گا۔ آیت قرآنی ہے: "فخلف من بعدهم خلف اضاعوا الصلوة" یعنی ان کے بعد ایسے ناخلف لوگ آئے جنہوں نے اوقات نماز کو ضائع کر دیا۔

حدیث میں ہے: "ان للصلوة اولاً وآخراً" یعنی نماز کے وقت کے لئے اول و آخر ہوتا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے: "ايما رجل ادركته الصلوة فليصل" یعنی جس کو نماز کا وقت مل جائے اس کو نماز پڑھ لینی چاہئے۔ ایک اور حدیث میں ہے: "اينما ادركتني الصلوة تيممت"۔ اور ظاہر ہے کہ مدرک وقت ہے نہ کہ نماز جو مصلی کا فعل ہے۔ بہرکیف مستحاضہ کے حق میں طہارت کا اعتبار بلحاظ وقت ہے نہ کہ بلحاظ نماز۔

قولہ قال ابوداؤد الخ (۱۳۱) اس سے صرف یہی بتانا ہے کہ صاحب کتاب کے شیخ عثمان بن ابی شیبہ کی روایت میں "وتصوم" کا اضافہ ہے:-

(۸۸) حدثنا احمد بن سنان نا يزيد عن ايوب ابى العلاء عن ابن شبرمة عن امرأة مسروق عن عائشة عن النبى صلى الله عليه وسلم مثله . قال ابوداؤد وحديث عدى بن ثابت هذا والاعمش عن حبيب وايوب ابى العلاء كلها ضعيفة لا تصح ودل على ضعف حديث الاعمش عن حبيب هذا الحديث اوقفه حفص بن غياث عن الاعمش وانكر حفص بن غياث ان يكون حديث حبيب مرفوعاً واوقفه ايضاً اسباط عن الاعمش موقوفاً عن عائشة قال ابوداؤد ورواه ابن داؤد عن الاعمش مرفوعاً اوله وانكر ان يكون فيه الوضوء عند كل صلوة ودل على ضعف حديث حبيب هذا ان رواية الزهرى عن عروة عن عائشة قالت فكانت تغتسل لكل صلوة فى حديث المستحاضة وروى ابو اليقظان عن عدى بن ثابت عن ابيه

عن علی وعمار مولی بنی ھاشم عن ابن عباس ؓ وروی عبد الملک بن میسرۃ وبیان ؓ ومغیرۃ و فراس و مجالد عن الشعبی عن حدیث قمیر عن عائشۃ توضاء لکل صلوۃ وروایۃ داؤد و عاصم عن الشعبی عن قمیر عن عائشۃ تغتسل کل یوم مرۃ ؓ وروی ھشام بن عروۃ عن ابیہ المستحاضۃ تتوضاء لکل صلوۃ وھذہ الاحادیث کلھا ضعیفۃ الا حدیث قمیر ؓ حدیث عمار مولی بنی ھاشم وحدیث ھشام بن عروۃ عن ابیہ المعروف عن ابن عباس الغسل

ترجمہ

احمد بن سنان نے بروایت یزید بطریق ایوب ابو العلاء بسند ابن شبرمہ بواسطہ امرأۃ مسروق عن عائشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی کے مثل روایت کیا ہے۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ عدی بن ثابت کی یہ حدیث اور اعمش کی روایت بواسطہ حبیب اور ایوب ابو العلاء کی حدیث سب ضعیف ہیں صحیح نہیں۔ اور حدیث اعمش بواسطہ حبیب کے ضعف کی دلیل یہ ہے کہ حفص بن غیاث نے اس کو اعمش سے موقوفاً بیان کیا ہے اور اس کے مرفوع ہونے کا انکار کیا ہے۔ نیز اسباط نے بھی اسکو اعمش سے حضرت عائشہ پر موقوف کیا ہے۔

ابوداؤد کہتے ہیں کہ ابن داؤد نے اعمش سے اس کے اول حصہ کو مرفوعاً روایت کیا ہے اور اس میں ہر نماز کے وقت وضوء ہونے کا انکار کیا ہے اور ضعف حدیث حبیب کی (دوسری) دلیل یہ ہے کہ زہری کی روایت بواسطہ عروہ حضرت عائشہ سے مستحاضہ کی بابت یوں ہے کہ وہ ہر نماز کے لئے غسل کرتی تھیں اور ابو الیقظان نے بطریق عدی بن ثابت بواسطہ ثابت حضرت علی سے اور عمار مولی بنی ہاشم نے حضرت ابن عباس سے اور عبد الملک بن میسرہ، بیان، مغیرہ، فراس اور مجالد نے بطریق شعبی بحدیث قمیر حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے کہ ہر نماز کے لئے وضوء کرے اور داؤد و عاصم کی روایت بطریق شعبی عن قمیر عن عائشہ یہ ہے کہ وہ دن میں ایک غسل کرے اور ہشام بن عروہ نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ مستحاضہ ہر نماز کے لئے وضوء کرے اور یہ تمام احادیث ضعیف ہیں مگر تین روایتیں ایک قمیر کی حضرت عائشہ سے دوسری عمار مولی بنی ہاشم کی ابن عباس سے اور تیسری ہشام بن عروہ کی اپنے والد سے اور ابن عباس سے غسل ہی معروف ہے۔ تشریح

قولہ قال ابوداؤد وحدیث الخ (۱۳۱) یعنی حدیث باب حضرت عدی بن ثابت سے مروی ہے اور اسکے بعد والی حدیث جو اعمش نے حبیب بن ابی ثابت سے روایت کی ہے اور تیسری یہ حدیث جو ابو العلاء ایوب نے ابن شبرمہ سے روایت کی ہے یہ سب ضعیف ہیں۔ حدیث عدی بن ثابت کے متعلق امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس کو ابو الیقظان سے روایت کرنے میں شریک راوی منفرد ہے موصوف کہتے ہیں کہ میں نے امام بخاری سے حدیث عدی بن ثابت عن ابیہ عن جدہ کے متعلق دریافت کیا کہ عدی کے دادا کا کیا نام ہے؟ تو آپ نے کوئی نام نہیں بتایا۔ میں نے کہا کہ یحیی بن معین اس کا نام دینار بتلاتے ہیں تو آپ نے اس کو قابل اعتناء نہیں کہا۔ علامہ منذری نے اپنی مختصر میں بعض کا قول

نقل کیا ہے کہ یہ عدی کے نانا ہیں اور ان کا نام عبد اللہ بن یزید الخطمی ہے۔ حافظ دارقطنی کہتے ہیں لا یصح من ہذا کلہ شئی، نصب الرایہ میں ہے کلام الائمۃ یدل علی انہ لا یعرف ما اسمہ۔

قولہ ویدل علی ضعف حدیث الاعمش الخ۔ چونکہ ضعیف حدیث اعمش غیر ظاہر ہونے کی وجہ سے محتاج بیان تھا اس لئے صاحب کتاب اس کو صراحت کے ساتھ بیان کر رہے ہیں کہ حدیث اعمش دو وجہ سے ضعیف ہے اول یہ کہ اعمش سے اس حدیث کو مرفوعاً صرف وکیع بن الجراح نے روایت کیا ہے برخلاف حفص بن غیاث اور اسباط بن محمد کے کہ انھوں نے اس کو اعمش سے حضرت عائشہ پر موقوف کیا ہے معلوم ہوا کہ اسکا رفع صحیح نہیں۔ جواب یہ ہے کہ صرف اتنی بات سے ضعف ثابت نہیں ہوتا کیونکہ یہ ثقہ راوی کی زیادتی ہے جو محدثین کے یہاں معتبر ہوتی ہے۔ دوسری وجہ جس کو صاحب کتاب نے "ویدل علی ضعف حدیث حبیب ہذا ان روایۃ الزہری الخ" سے بیان کیا ہے، یہ ہے کہ اس حدیث کو امام زہری نے اسی سند کے ساتھ یوں روایت کیا ہے کہ فاطمہ ہر نماز کے لئے غسل کرتی تھیں۔ اس کے برخلاف حبیب بن ابی ثابت ہر نماز کے لئے وضو کرنا روایت کر رہے ہیں تو امام زہری جیسے جلیل القدر راوی کے خلاف حبیب بن ابی ثابت کی روایت کب معتبر ہو سکتی ہے۔

علامہ خطابی معالم میں اس وجہ کو رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ امام زہری کی روایت ضعف حدیث حبیب پر دلالت نہیں کرتی اس واسطے کہ ہر نماز کے لئے غسل کرنا فاطمہ بنت ابی حبیش کی طرف منسوب ہے جس میں یہ بھی احتمال ہے کہ وہ خود ایسا کرتی ہوں بخلاف حدیث حبیب کے کہ اس میں ہر نماز کیلئے وضوء کرنا مرفوعاً مروی ہے:-

(۱۳۲)
قولہ قال ابوداؤد ورواہ ابن داؤد الخ صاحب کتاب کے کلام سابق پر ایک اشکال ہوتا ہے اس قول میں اس کا دفعیہ مقصود ہے۔ اشکال یہ ہے کہ آپ کا یہ کہنا کہ اعمش سے اس حدیث کو مرفوعاً صرف وکیع نے روایت کیا ہے صحیح نہیں، کیونکہ ابن داؤد نے بھی اس کو اعمش سے مرفوعاً ہی روایت کیا ہے۔

صاحب کتاب اس کا جواب دیتے ہیں کہ ابن داؤد نے صرف آغاز حدیث کو مرفوعاً روایت کیا ہے۔ رہا آخری ٹکڑا یعنی الوضوء عند کل صلوۃ، سو اس کو مرفوعاً روایت نہیں کیا بلکہ موصوف نے اس کے مرفوع ہونے کا انکار کیا ہے اور جس نے جو حدیث کو ضعیف کہا ہے وہ اسی جملہ کی وجہ سے کہا ہے۔

لیکن صاحب کتاب کے اس جواب سے اشکال ختم نہیں ہوتا اس واسطے کہ ابن داؤد کے انکار سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ جملہ حدیث میں نہیں ہے یہ تو صرف اس کے علم کی بات ہے کہ اس کو معلوم نہیں، دوسرے حضرات جنھوں نے اس کو ذکر کیا ہے وہ اس سے اچھی طرح واقف ہیں۔

قولہ وروی ابو الیقظان الخ۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ صاحب کتاب نے باب کے ذیل میں نو روایتیں ذکر کی ہیں تین مرفوع اور چھ موقوف (۱) حدیث ابو الیقظان عن عدی بن ثابت عن ابیہ عن جدہ، جو باب کے ذیل میں مذکور ہے (۲) حدیث اعمش عن حبیب بن ابی ثابت عن عروہ عن عائشہ جو حدیث باب کے بعد مذکور ہے (۳) حدیث ابن شبرمہ عن امرأۃ مسروق عن عائشہ، یعنی باب کی چوتھی حدیث (۴) اثر ام کلثوم عن عائشہ، یعنی باب کی تیسری روایت (۵) اثر عدی بن ثابت

عن ابیہ عن علی (۶)، اثر عمار عن ابن عباس (۷)، اثر عبد الملک بن میسرہ و بیان و مغیرہ و فراس و مجالد عن الشعبی (۸)، اثر داؤد و عاصم عن الشعبی عن قمیر (۹)، اثر ہشام بن عروہ عن ابیہ۔ صاحب کتاب نے اثر قمیر و اثر عمار اور اثر ہشام بن عروہ کے علاوہ باقی تمام روایات کو ضعیف کہا ہے۔

(۱۰۷) باب من قال المستحاضة تغتسل من طهر الی طهر

(۱۳۳) حدثنا القعنبی عن مالک عن سمی مولی ابی بکر ان القعقاع وزید بن اسلم ارسلاہ الی سعید بن المسیب یسئلہ کیف تغتسل المستحاضة فقال تغتسل من طهر الی طهر و تتوضأ لکل صلوة فان غلبها الدم استثفرت بثوب قال ابوداؤد وروی عن ابن عمر وانس بن مالک تغتسل من طهر الی طهر وکذلک روی داؤد وعاصم عن الشعبی عن امرأته عن قمیر عن عائشة الا ان داؤد قال کل یوم وفی حدیث عاصم قال عند الظهر وهو قول سالم بن عبد الله والحسن وعطاء قال ابوداؤد وقال مالک انی لاظن حدیث ابن المسیب من طهر الی طهر قال فیہ انما هو من طهر الی طهر ولکن الوهم دخل فیہ ورواہ مسور بن عبد الملک بن سعید بن عبد الرحمن بن یربوع قال فیہ من طهر الی طهر فقلبها الناس من طهر الی طهر

ترجمہ

قعنبی نے بواسطہ مالک سُمی مولیٰ ابی بکر سے روایت کیا ہے کہ قعقاع اور زید بن اسلم نے ان کو سعید بن المسیب کے پاس یہ دریافت کرنے کے لئے بھیجا کہ مستحاضہ عورت غسل کیسے کرے؟ سعید نے جواب دیا کہ ایک طہر سے دوسرے طہر تک غسل کرے اور ہر نماز کے لئے وضوء کرے اور اگر خون بہت آئے تو کپڑے کا لنگوٹ باندھے۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ ابن عمر اور انس بن مالک سے بھی مروی ہے کہ ایک طہر سے دوسرے طہر تک غسل کرے۔ داؤد اور عاصم نے بھی بطریق شعبی بواسطہ ایک عورت عن قمیر عن عائشہ اسی طرح روایت کیا ہے اور عاصم نے ہر ظہر کے وقت۔ سالم بن عبد اللہ، حسن اور عطاء کا یہی مذہب ہے۔

ابوداؤد کہتے ہیں کہ امام مالک نے کہا ہے کہ میں سمجھتا ہوں سعید بن المسیب کی روایت یوں ہوگی۔ غسل کرے ایک ظہر سے دوسرے ظہر تک اس میں راوی کو وہم ہو گیا چنانچہ مسور بن عبد الملک بن سعید بن عبد الرحمن بن یربوع نے من ظہر الی ظہر روایت کیا ہے لوگوں نے اس کو من طہر الی طہر کر دیا۔

تشریح

(۱۳۳) **قولہ قال ابوداؤد وروی ابن عمر الخ** یعنی حضرت ابن عمر اور انس بن مالک سے بھی سعید بن المسیب کے قول کے مثل مروی ہے کہ مستحاضہ ایک طہر سے دوسرے طہر تک ایک غسل کرے اور اس کے درمیان ہر نماز کے لئے وضوء کرے۔ مگر سنن بیہقی میں ابن عمر اور انس بن مالک سے تغتسل من ظہر الی ظہر مروی ہے۔

طہر کے وقت مستحاضہ کے غسل کرنے میں حکمت یہ ہے کہ اس وقت حرارت میں شدت ہوتی ہے اور غسل کا مقصد تقلیل دم ہے اس لئے اس کو طہر کے وقت غسل کرنے کا حکم دیا گیا تاکہ حرارت میں تسکین اور خون میں تخفیف ہو جائے۔

قولہ: عن امرأۃ الخ۔ بعض نسخوں میں عن امرأتہ ضمیر مجرور کے ساتھ ہے اور بعض نسخوں میں عن امرأۃ ہے اور یہ دونوں نسخے غلط ہیں کیونکہ اس سے قبل خود صاحب کتاب نے اس حدیث کو اس طرح ذکر کیا ہے: ورواہ داؤد وعاصم عن الشعبی عن قمیر عن عائشۃ تغتسل کل یوم مرۃ۔ اس میں عن امرأتہ نہیں ہے۔ نیز امام شعبی کی کوئی روایت عن امرأۃ عن قمیر سے بھی نہیں۔ دارمی کی روایت عن الشعبی عن قمیر امرأۃ مسروق ان عائشۃ قالت فی المستحاضۃ الخ سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے کہ امرأۃ کا واسطہ غلط ہے۔

قولہ قال ابوداؤد وقال مالک الخ[۱۳۴] حافظ ابن سید الناس نے شرح ترمذی میں ذکر کیا ہے کہ عبارت "تغتسل من طہر الی طہر" میں رواۃ کا اختلاف ہے۔ بعض نے اسکو طاء مہملہ کے ساتھ روایت کیا ہے اور بعض نے ظاء معجمہ کے ساتھ۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ میں سمجھتا ہوں کہ ابن المسیب کی حدیث یوں ہوگی "من ظہر الی ظہر" رواۃ نے تصحیف کرکے من طہر الی طہر کر دیا۔ علامہ خطابی نے معالم میں امام مالک کے اس خیال کی پرزور الفاظ میں تحسین کی ہے۔ صاحب کتاب بھی مسور بن عبد الملک کی روایت من طہر الی طہر سے امام مالک کے اس خیال کی تائید فرما رہے ہیں۔

لیکن حافظ ابوبکر بن العربی فرماتے ہیں کہ امام مالک کا یہ خیال صحیح نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ حافظ دارمی نے سعید بن المسیب کا قول مذکور مختلف الفاظ و مختلف طرق سے روایت کیا ہے۔ نیز حضرت حسن اور ابن عمر کا قول بھی روایت کیا ہے جس میں من طہر الی طہر موجود ہے۔ پس من طہر الی طہر کو وہم قرار دینا ایک عظیم جرأت اور بے جا جسارت ہے۔

(۸۵) باب من قال توضأ لکل صلوۃ

(۹۰) حدثنا محمد بن المثنی نا ابن ابی عدی عن محمد یعنی ابن عمرو قال ثنی ابن شہاب عن عروۃ بن الزبیر عن فاطمۃ بنت ابی حبیش انھا کانت تستحاض فقال لھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا کان دم الحیض فانہ دم اسود یعرف فاذا کان ذلک فامسکی عن الصلوۃ فاذا کان الاٰخر فتوضئی وصلی، قال ابو داؤد قال ابن المثنی وثنا بہ ابن ابی عدی حفظا فقال عن عروۃ عن عائشۃ ان فاطمۃ، قال ابو داؤد وروی عن العلاء بن المسیب وشعبۃ عن الحکم عن ابی جعفر قال العلاء عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم واوقفہ شعبۃ توضأ لکل صلوۃ

ترجمہ

محمد بن المثنی نے بروایت ابن ابی عدی بطریق محمد بن عمرو بسند ابن شہاب بواسطہ عروہ بن الزبیر فاطمہ بنت ابی حبیش سے روایت کیا ہے کہ ان کو استحاضہ کا خون آتا تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا کہ جب حیض کا خون آئے تو وہ سیاہ ہوتا ہے اور پہچان لیا جاتا ہے پس جب یہ ہو تو وضو کرا ور نماز پڑھ۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ یہ حدیث علاء ابن المسیب اور شعبہ سے بواسطہ حکم عن ابی جعفر بھی مروی ہے۔ علاء نے اس کو مرفوعاً اور شعبہ نے موقوفاً روایت کیا ہے اس میں یہ ہے کہ وہ ہر نماز کیلئے وضو کرے۔ تشریح

قولہ قال ابوداؤد وقال ابن المثنی الخ (۱۳۵) مذکورہ بالا حدیث اور یہ قول دونوں باب اذا اقبلت الحیضۃ تدع الصلوۃ" کے ذیل میں تشریح کے ساتھ گذر چکے۔

قولہ قال ابوداؤد رواہ العلاء الخ (۱۳۶) اس کا مقصد یہ ہے کہ اس حدیث کو علاء بن المسیب اور شعبہ دونوں نے عن الحکم عن ابی جعفر روایت کیا ہے لیکن فرق یہ ہے کہ علاء نے حدیث کے الفاظ "توضأ لکل صلوۃ" کو عن الحکم عن ابی جعفر عن النبی مرفوعاً روایت کیا ہے اور شعبہ نے ابوجعفر پر موقوف کیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ذکر نہیں کیا۔

(۹۵) باب من لم یذکر الوضوء الا عند الحدث

(۹۱) حدثنا عبد الملک بن شعیب ثنی عبد اللہ بن وھب ثنی اللیث عن ربیعۃ انہ کان لا یری علی المستحاضۃ وضوء عند کل صلوۃ الا ان یصیبھا حدث غیر الدم فتوضأ، قال ابوداؤد ھذا قول مالک یعنی ابن انس

ترجمہ

عبد الملک بن شعیب نے بسند عبد اللہ بن وہب بواسطہ لیث حضرت ربیعہ سے روایت کیا ہے کہ وہ مستحاضہ پر ہر نماز کے لئے وضو ضروری نہیں سمجھتے تھے الا یہ کہ اس کو استحاضہ کے سوا کوئی اور حدث ہو جائے تو وضو کرے۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ یہی مالک بن انس کا قول ہے۔ تشریح

قولہ قال ابوداؤد الخ (۱۳۷) صاحب کتاب نے ربیعہ بن ابی عبد الرحمٰن سے جو یہ نقل کیا ہے کہ وہ مستحاضہ پر ہر نماز کے لئے وجوب وضو کے قائل نہیں تھے اس کے متعلق کہتے ہیں کہ امام مالک کا بھی یہی قول ہے۔

لیکن اس میں امام مالک کی تخصیص نہیں بلکہ امام ابو حنیفہ بھی یہی قائل ہیں کہ استحاضہ والی عورت اور دائمی نکسیر یا ایسا بہنے والا زخم یا ہر وقت پیشاب جاری رہنے کے عارضہ والے اصحاب اعذار کی طہارت ان نجاستوں کے خروج سے زائل نہیں ہوتی جن میں یہ لوگ مبتلا ہوں پس یہ لوگ ایک ہی وضو سے وقت کے اندر اندر فرض، سنت، نفل، وتر اور قضاء ہر قسم کی نماز پڑھ سکتے ہیں لیکن اگر مبتلا بہ حدث کے علاوہ کوئی اور ناقض وضو امر پیش آجائے تو نیا وضو کرنا ضروری ہے۔

(٦٠) باب فی المرأة تری الصفرة والكدرة بعد الطهر

(٩٢) حدثنا مسدد نا اسماعیل نا ایوب عن محمد بن سیرین عن ام عطیة بمثله، قال ابو داؤد ام الهذیل هی حفصة بنت سیرین کان ابنها اسمه هذیل واسم زوجها عبد الرحمن

ترجمہ: مسدد نے بروایت اسماعیل بسند ایوب بواسطہ محمد بن سیرین حضرت ام عطیہ سے اسی کے مثل روایت کیا ہے۔ ابو داؤد کہتے ہیں کہ ام الہذیل حفصہ بنت سیرین ہے اس کے صاحبزادہ کا نام ہذیل اور شوہر کا نام عبد الرحمن ہے۔

تشریح

قولہ باب الخ۔ یعنی اگر عورت طہر کے بعد زرد یا مٹیالے رنگ کی رطوبت دیکھے تو اس کو حیض شمار کیا جائے گا یا نہیں؟ بقول علامہ خطابی حضرت علی سے مروی ہے کہ نہ یہ حیض ہے اور نہ وہ اس کی وجہ سے نماز ترک کر سکتی ہے بلکہ وضوء کر کے نماز ادا کرے گی۔ سفیان ثوری اور امام اوزاعی کا قول بھی ہے۔ سعید بن المسیب فرماتے ہیں کہ جب عورت اس قسم کی رطوبت دیکھے تو وہ غسل کر کے نماز ادا کرے۔ امام احمد کا قول یہی ہے۔ امام ابو حنیفہ سے منقول ہے کہ اگر دم حیض منقطع ہونے کے بعد ایک دو روز زردی وغیرہ دیکھے اور دس روز سے متجاوز نہ ہو تو وہ حیض ہی ہے اور جب تک وہ خالص سفید رطوبت نہ دیکھے اس وقت تک وہ حیض سے پاک نہ ہوگی۔ امام شافعی کے اصحاب سے اس سلسلہ میں مختلف اقوال ہیں۔ مشہور یہ ہے کہ عادت کے مطابق انقطاع دم کے بعد صفرۃ و کدرۃ حیض ہے تاوقتیکہ وہ پندرہ دن سے متجاوز نہ ہو۔

قولہ قال ابو داؤد الخ (١٣٨) حدیث باب کی سند میں جو ام ہذیل راویہ ہے اس کا تعارف مقصود ہے کہ اس کا نام حفصہ ہے اور یہ سیرین کی صاحبزادی اور محمد بن سیرین کی بہن ہے اور اس کے شوہر کا نام عبد الرحمن ہے اس کے ایک صاحبزادے کا نام ہذیل تھا اسی سے اس کی کنیت ام الہذیل ہو گئی۔ ابن معین نے اسکو ثقہ اور حجت کہا ہے اور ابن حبان نے بھی اسکو ثقات میں ذکر کیا ہے۔

(٦١) باب المستحاضة يغشاها زوجها

(٩٣) حدثنا ابراهيم بن خالد نا معلی یعنی ابن منصور عن علی بن مسهر عن الشیبانی عن عکرمة قال کانت ام حبیبة تستحاض فکان زوجها یغشاها، قال ابو داؤد قال یحیی بن معین معلی ثقة وکان احمد بن حنبل لا یروی عنه لانه کان ینظر فی الرأی

ترجمہ: ابراہیم بن خالد نے بروایت معلی بن منصور بسند علی بن مسہر بواسطہ شیبانی حضرت عکرمہ

سے روایت کیا ہے کہ ام حبیبہ مستحاضہ ہوتی تھیں اور انکے شوہر ان سے صحبت کرتے تھے۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ یحییٰ بن معین نے معلیٰ بن منصور کو ثقہ کہا ہے لیکن امام احمد بن حنبل اس سے روایت نہیں کرتے تھے، کیونکہ یہ قیاس میں دخل رکھتا تھا:۔ تشریح

قولہ قال ابوداؤد الخ (۱۳۹) یعنی یحییٰ بن معین نے ابو یعلیٰ معلیٰ بن منصور کو ثقہ کہا ہے۔ عجلی نے لکھا ہے کہ یہ ثقہ اور صاحب سنت اور نہایت دانشمند تھے۔ لوگوں نے ان کو بارہا عہدۂ قضا کے لئے طلب کیا مگر یہ انکار ہی کرتے رہے۔ یعقوب بن شیبہ کہتے ہیں کہ یہ ثقہ، متقن، صدوق فقیہ اور مامون ہیں۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ یہ صدوق اور صاحب حدیث تھے۔ صاحب کتاب ان کے متعلق امام احمد سے جرح نقل کر رہے ہیں کہ موصوف ان سے روایت نہیں کرتے تھے کیونکہ یہ قیاس میں دخل رکھتے تھے، مگر یہ بات مقتضی جرح نہیں ہے۔ بالخصوص جبکہ خود امام احمد سے ان کی توثیق منقول ہے۔ فانہ قال معلی بن منصور من کبار اصحاب ابی یوسف ومحمد ومن ثقاتہم فی النقل والروایۃ۔
شیخ عبدالحق نے الاحکام میں امام احمد سے نقل کیا ہے کہ موصوف نے ان کو کاذب کہا ہے۔ لیکن حافظ ابن حجر تقریب میں لکھتے ہیں۔ اخطاء من زعم ان احمد رماہ بالکذب:۔

(۶۳) باب ما جاء فی وقت النفساء

(۳۰۹) حدثنا الحسن بن یحیی نا محمد بن حاتم یعنی حِبّی نا عبد اللّٰہ بن المبارک عن یونس بن نافع عن کثیر بن زیاد قال ثنتنی الازدیۃ یعنی مُسّۃ قالت حججت فدخلت علی ام سلمۃ فقلت یا ام المؤمنین ان سمرۃ بن جُندب یامر النساء یقضین صلوۃ المحیض فقالت لا یقضین کانت المرأۃ من النساء النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم تقعد فی النفاس اربعین لیلۃ لا یأمرھا النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم بقضاء صلوۃ النفاس قال محمد یعنی ابن حاتم واسمھا مُسّۃ تکنی ام بُسّۃ، قال ابو داؤد کثیر بن زیاد کنیتہ ابو سھل

۲۲۱

حل لغات

نفساء۔ نفاس والی عورت جمع نِفاس۔ جوہری نے ذکر کیا ہے کہ کلام عرب میں فُعَلاء کی جمع فِعال کے وزن پر نفساء اور عشراء کے علاوہ اور کسی لفظ کی نہیں آتی۔ ان کی جمع نفساوات وعشراوات بھی آتی ہے۔ وامرأتان نفساوان وعشراوان النفاس وہ خون جو بچہ کی پیدائش کے بعد آتا ہے یہ تنفس الرحم بالدم کا ماخوذ ہے یعنی رحم نے خون اگل دیا۔
ترجمہ:۔ حسن بن یحییٰ نے بروایت محمد بن حاتم حِبّی بطریق عبداللہ بن المبارک بسند یونس بن نافع بواسطہ کثیر بن زیاد مُسّہ ازدیہ سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ میں حج کو گئی تو حضرت ام سلمہ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا، ام المؤمنین! سمرہ بن جندب عورتوں کو زمانہ حیض کی نمازیں پوری کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ انھوں نے کہا، نمازیں نہ پڑھیں کیونکہ حضور کی ازواج میں سے کوئی حالت نفاس میں ایک چلہ تک

بھجی دیتی اور آپ اسے حالت نفاس کی نمازیں پوری کرنے کا حکم نہیں دیتے تھے۔ محمد بن حاتم نے کہا ہے کہ ازدیہ کا نام مُسّہ اور کنیت ام بُسّہ ہے۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ کثیر بن زیاد کی کنیت ابوسہل ہے۔ تشریح

قولہ باب الخ۔ نفاس کی اقل مدت کی تو کوئی تعیین نہیں اگر ایک ساعت بھی ہو تب بھی معتبر ہے ورنہ بن علی سے تین قرد اور سفیان ثوری سے تین روز منقول ہیں۔ مگر یہ اقوال بلا دلیل ہیں اس لئے قابل اعتبار نہیں، لیکن اس کی اکثری مدت میں اختلاف ہے احناف کے یہاں نفاس کی اکثر مدت ایک چلہ ہے۔ حضرت علی، عمر بن الخطاب، عثمان، ابن عباس، ابن عمر، انس بن مالک، عائذ بن عمرو، ام سلمہ، عائشہ اور جمہور اسی کے قائل ہیں۔ ابو عبید کہتے ہیں کہ اس پر تمام مسلمان متفق ہیں۔ اسحٰق کہتے ہیں کہ اس سنت پر سب کا اجماع ہے۔ لہ

امام شافعی کے اس سلسلہ میں دو قول ملتے ہیں، ایک یہ کہ اکثر مدت ساٹھ دن ہیں دوسرے یہ کہ دو ماہ ہے عام طور سے کتب شافعیہ میں یہی مذکور ہے اور یہ ایک روایت امام مالک سے بھی ہے لیکن امام شافعی کے قول کی تائید میں نہ کوئی روایت ہے اور نہ کسی صحابی کا قول۔ صرف بعض تابعین کا قول ہے جو نص کے مقابلہ میں قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ پس صحیح مذہب جمہور کا ہے کہ اکثر مدت چالیس روز ہے سو اگر چالیس روز تک طہر حاصل نہ ہو تو اس مدت میں عورت نماز نہیں پڑھے گی اور اگر چالیس روز کے بعد بھی خون دیکھے تو وہ نفاس نہ ہوگا اور نماز پڑھنا ضروری ہوگا۔ سفیان ثوری، ابن المبارک، احمد، اسحٰق اور اکثر فقہاء اسی کے قائل ہیں۔ حضرت حسن بصری سے مروی ہے کہ اگر طہر حاصل نہ ہو تو پچاس روز تک نماز چھوڑ دے اور عطاء بن ابی رباح و شعبی سے دو ماہ تک نماز چھوڑنا مروی ہے۔ مگر یہ سب اقوال غیر معتبر ہیں۔

(تنبیہ) قاضی شوکانی نے حنفیہ کے نزدیک نفاس کی اقل مدت گیارہ روز ذکر کی ہے مگر یہ غلط ہے، کیونکہ ہمارے یہاں اقل مدت کی عدم تعیین پر سب کا اتفاق ہے اور جو اختلاف کتابوں میں منقول ہے وہ نماز روزے کے بارے میں نہیں ہے بلکہ وہ ایک دوسرے مسئلے سے متعلق ہے اور وہ یہ ہے کہ جب عدت گذرنے میں کمتر نفاس کا اعتبار کرنا ضروری ہو مثلاً شوہر بیوی سے کہے کہ اگر تیرے بچہ پیدا ہو تو تجھے طلاق ہے اور بیوی کہے کہ میری عدت گذر چکی تو اس صورت میں عورت کی تصدیق کے لئے امام صاحب کے نزدیک نفاس کی اقل مدت پچیس روز ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک گیارہ روز، اور امام محمد کے نزدیک ایک ساعت۔

قولہ من نساء النبی الخ۔ اس پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ ازواج مطہرات میں بجز حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے کسی کو نفاس کی نوبت نہیں آئی اور وہ پہلے ہی وفات پا چکی ہیں۔ کانت المرأۃ من نساء النبی صلی اللہ علیہ وسلم تقعد فی النفاس اھ۔ بظاہر صحیح نہیں۔

جواب یہ ہے کہ یہاں بطور محاورہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کی عورتیں مراد ہیں (فان النساء اعم من الزوجات) نیز ماریہ قبطیہ سے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے اور ان کو نفاس پیش آیا لہٰذا الفاظ حدیث پر کوئی اشکال نہیں۔

قولہ تقعد فی النفاس الخ۔ اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ مُسّہ نے حضرت ام سلمہ سے حیض کی بابت نماز کا حکم دریافت کیا اور ام سلمہ نے ایام نفاس کی نماز کا حکم بتایا تو جواب مطابق سوال نہ ہوا۔

جواب یہ ہے کہ سوال میں محیض سے مراد بقرینہ جواب نفاس ہی ہے نہ کہ حیض۔ اور اگر محیض اپنے ہی معنی پر ہو تو جواب کا مقصد یہ ہے کہ جب شریعت نے نفاس کی حالت میں نماز کو معاف کر دیا جس کا وقوع حیض کی بنسبت بہت کم ہوتا ہے تو حیض کی حالت میں نماز بطریق اولیٰ معاف ہوگی:۔

قولہ (۱۳۹) قال محمد الخ۔ ابن القطان نے مسّہ راویہ کے متعلق کہا ہے "لا یعرف حالہا ولا عینہا" قاضی شوکانی نے بھی نیل میں ابن سید الناس سے یہی نقل کیا ہے۔ صاحب کتاب محمد بن قاسم کا قول نقل کرتے ہیں کہ اس کا نام مسّہ ہے اور کنیت ام بسّہ۔ بدمنیر میں ہے کہ مجہول الحال ہونا غیر مسلم ہے کیونکہ اس سے کثیر بن زیاد، حکم بن عتیبہ، زید بن علی بن الحسین اور حسن وغیرہ کی ایک جماعت نے روایت کی ہے۔ امام بخاری نے اس کی حدیث کی تعریف کی ہے اور حاکم نے اس کی اسناد کو صحیح کہا ہے۔ پس جن لوگوں نے مسّہ کو مجہول الحال کہا ہے وہ غلط ہے اور حافظ ذہبی نے میزان میں دارقطنی کا جو قول نقل کیا ہے کہ مسّہ قابل حجت نہیں یہ موصوف کی سنن میں کہیں نہیں ملتا ورنہ انھوں نے اپنی عادت کے مطابق مسّہ کی حدیث میں اس پر کوئی جرح کی ہے معلوم ہوا کہ یہ نقل بھی غلط ہے:۔

قولہ قال ابوداود الخ (۱۴۰) یعنی کثیر بن زیاد جو مسّہ ازدیہ سے راوی ہے اس کی کنیت ابو سہل ہے۔ امام بخاری نے اس کو ثقہ کہا ہے ابن معین کی رائے بھی یہی ہے پس حدیث صحیح ہے اور ابن حبان نے جو کثیر بن زیاد کو ضعیف کہا ہے یہ غلط ہے۔ چنانچہ علامہ نووی فرماتے ہیں کہ حدیث ام سلمہ جید ہے اس کی تضعیف کرنا مردود ہے:۔

٢٢٣

(۱۲۳) باب التیمم

(۵۰۹) حدثنا محمد بن احمد بن ابی خلف ومحمد بن یحیی النیسابوری فی آخرین قالوا نا یعقوب نا ابی عن صالح عن ابن شہاب حدثنی عبید اللہ بن عبد اللہ عن ابن عباس عن عمار بن یاسر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرّس باولات الجیش ومعہ عائشۃ فانقطع عقدٌ لہا من جزع ظفار فحبس الناس ابتغاء عقدہا ذلک حتی اضاءَ الفجر ولیس مع الناس ماء فتغیّظ علیہا ابو بکرۃ وقال حبستِ الناسَ ولیس معہم ماء فانزل اللہ تعالی ذکرہ علی رسول صلی اللہ علیہ وسلم رخصۃ التطہّر بالصعید الطیب فقام المسلمون مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فضربوا بایدیہم الی الارض ثم رفعوا ایدیہم ولم یقبضوا من التراب شیئا فمسحوا بہا وجوہہم وایدیہم الی المناکب ومن بطون ایدیہم الی الآباط زاد ابن یحیی فی حدیثہ قال ابن شہاب فی حدیثہ ولا یعتبر بہذا الناس۔ قال ابو داؤد وکذلک رواہ ابن اسحاق قال فیہ عن ابن عباس وذکر ضربتین کما ذکرہ یونس ورواہ معمر عن الزہری ضربتین وقال مالک عن الزہری عن عبید اللہ بن عبد اللہ عن ابیہ عن عمار وکذلک قال ابو اویس عن الزہری وشک فیہ ابن

عيينة وقال فيه مرة عن عبيد الله عن ابيه او عن عبيد الله عن ابن عباس اضطرب فيه ومرة قال عن ابيه ومرة قال عن ابن عباس اضطرب فيه وفي سماعه عن الزهري ولم يذكر احد منهم الشك بين الاثمن عيينة

حل لغات

تیمم باب تفعل کا مصدر ہے جو اَمّ بمعنی مطلق قصد و ارادہ سے مشتق ہے قال تعالیٰ ولا تیمموا الخبیث ۔ شرعاً پاک مٹی وغیرہ سے بہ نیت تقرب چہرہ اور دونوں ہاتھوں کا مسح کرنا تیمم کہلاتا ہے ۔ عرّس ۔ تعریس مسافر کا آخر شب میں آرام کے لئے اترنا ۔ اول شب میں اترنے کو تعریس نہیں کہتے ۔ اولات الجیش یحیٰی کی روایت میں بالبیداء او بذات الجیش ہے ۔ ابن التین شارح بخاری نے ذکر کیا ہے کہ بیداء ذوالحلیفہ ہے جو مکہ کے راستے سے مدینہ کے قریب واقع ہے ۔ اور ذات الجیش ذوالحلیفہ سے اوپر ہے ۔ عون المعبود میں ہے کہ ذات الجیش اور اولات الجیش دونوں ایک ہی ہیں طائف سے ان کا کوئی تعلق نہیں جیسا کہ امام نووی کو دھوکہ ہوا ہے ۔ ابو عبید کہتے ہیں ذات الجیش مدینہ سے ایک برید مسافت پر ہے اس کے اور عقیق کے درمیان سات میل کا فصل ہے ۔ عِقد بمعنی قلادہ یعنی ہار ۔ ہر وہ چیز جو گردن میں ڈالی جائے ۔ کہا جاتا ہے کہ یہ بارہ درہم کی قیمت کا تھا ۔ جَزع جمع جزعۃ مثل تمر و تمرۃ ۔ خرزیمانی ، مہرہ جس میں سفیدی و سیاہی ہو ۔ ظفار بکسر ظاء منصرف ہے اور مبنی علیٰ بوزن قطام مبنی ہے ۔ قاضی عیاض کہتے ہیں کہ یہ سواحل یمن میں حمیر کا ایک مشہور شہر ہے ۔ ابن الاثیر کہتے ہیں کہ صحیح روایت ظفار بروزن قطام ہے ۔ حَبس (ض) حبساً روکنا ۔ قید کرنا ۔ ابتغاء طلب و تلاش اور جستجو ۔ اسفار روشن ہونا ۔ تغیظ غضبناک ہونا ۔ صعید مٹی ایک جمع یہ باتھ تراب مٹی ۔ مناکب جمع منکب شانہ مونڈھا ۔ بطون جمع بطن اندرونی حصہ ، آباط ابط بغل (مذکر و مؤنث) ۔

ترجمہ :۔ محمد بن احمد بن ابی خلف اور محمد بن یحیٰی نیسا پوری نے بروایت یعقوب بطریق والد ابراہیم بسند صالح بواسطہ ابن شہاب بحدیث عبید اللہ بن عبد اللہ عن ابن عباس حضرت عمار بن یاسر سے بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخر شب کو اولات الجیش پر اترے آپ کے ساتھ حضرت عائشہ تھیں ان کا ہار ٹوٹ کر پڑا اور اس کی تلاش نے لوگوں کو روک رکھا یہاں تک کہ صبح روشن ہوگئی درانحالیکہ پانی بھی ساتھ نہ تھا پس حضرت ابو بکر صدیق حضرت عائشہ پر خفا ہوئے اور کہا کہ تو نے لوگوں کو روک رکھا ہے اور ان کے ساتھ پانی نہیں ہے اس پر حق تعالیٰ نے خاک پاک سے حصول طہارت کی آیت نازل فرمائی چنانچہ مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اٹھے اور انھوں نے دونوں ہاتھوں کو زمین پر مار کر اٹھا لیا مٹی نہیں اٹھائی اور ان کو منہ پر اور ہاتھوں پر مونڈھوں تک پھیرا اور ہتھیلیوں سے بغلوں تک مسح کیا ۔ ابن یحیٰی کی روایت میں اتنا زیادہ ہے کہ ابن شہاب نے اپنی حدیث میں کہا ہے کہ ان لوگوں کے اس فعل کا اعتبار نہیں ہے ابو داؤد کہتے ہیں کہ اسی طرح ابن اسحٰق نے حضرت ابن عباس سے اسی طرح روایت کرتے ہوئے دونوں کو ذکر کیا ہے جیسے یونس و معمر نے بھی زہری سے ضربتین کو ذکر کیا ہے ۔ اور مالک نے سند اسی طرح ذکر کی ہے عن الزہری عن عبید اللہ بن عبد اللہ عن ابیہ عن عمار اور ابو اویس نے بھی زہری سے اسی طرح روایت کیا ہے ۔ لیکن ابن عیینہ کو اس میں شک ہوا ہے چنانچہ انھوں نے کبھی تو عن عبید اللہ عن ابیہ او عن عبید اللہ عن ابن عباس کہا ہے

اور کبھی عن ابیہ اور کبھی براہ راست عن ابن عباس کہہ یا نیز زہری کے ان کے سماع میں شک ہے اور ان کے علاوہ جن کو میں نے ذکر کیا ہے کسی نے ضربتین کو بیان نہیں کیا۔ تشریح

قولہ باب الخ۔ چونکہ تیمم وضو کا قائم مقام ہے اس لئے صاحب کتاب وضو کے بعد تیمم کا بیان شروع کر رہے ہیں کیونکہ خلیفہ کا مرتبہ اصل کے بعد ہی ہوتا ہے تیمم کی مشروعیت کتاب اللہ و سنت رسول اور اجماع سب سے ثابت ہے اور یہ امت محمدیہ کے خواص میں سے ہے ارشاد نبوی ہے جعلت لی الارض مسجدا و طہورا یعنی زمین کو خاص طور پر ہمارے لئے سجدہ اور ذریعہ طہارت بنایا گیا ہے۔

احناف کے یہاں تیمم وضو کی طرح طہارت مطلقہ ہے کہ پانی نہ ملنے تک باقی رہتی ہے بشرطیکہ کوئی دوسرا سبب حدث پیش نہ آئے۔ طہارت ضروریہ نہیں کہ نماز پڑھنے تک محدود رہے جیسا کہ امام مالک کا ظاہر مذہب اور امام شافعی کا قول ہے۔ پھر تیمم عزیمت ہے یا رخصت؟ بعض اول کے قائل ہیں اور بعض ثانی کے اور بعض نے یہ تفصیل ذکر کی ہے کہ پانی کی عدم موجودگی میں عزیمت ہے اور عذر کی صورت میں رخصت:۔

(فائدہ) تیمم کا حکم حضرت عائشہ کا ہار گم ہونے کے بعد نازل ہوا ہے اور حضرت عائشہ کا ہار دو بار گم ہوا ہے اور دو سفروں میں ہوا ہے اب حکم تیمم کس واقعہ سے متعلق ہے؟ بعض حضرات کی رائے ہے کہ واقعہ مریسیع (غزوہ بنی المصطلق) کا ہے۔ لیکن ابن حبیب اور بعض دوسرے مؤرخین کے نزدیک اس واقعہ کا تعلق غزوہ ذات الرقاع سے ہے کیونکہ غزوہ بنی المصطلق کی آخری تاریخ شعبان سنہ ۵ھ ہے اور مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت ابوہریرہ سے منقول ہے کہ جب آیت تیمم نازل ہوئی تو لم ادر کیف اصنع۔ میں نہیں جانتا تھا کہ تیمم کا عمل کس طرح کیا جائے معلوم ہوا کہ نزول آیت تیمم کے واقعہ میں حضرت ابوہریرہ شریک تھے اور یہ بات طے شدہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ خیبر میں حاضر ہوئے ہیں جس کا شمار سنہ ۷ھ کے غزوات میں ہے تو حضرت ابوہریرہ کی شرکت سے یہی راجح معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ غزوۂ ذات الرقاع کا ہے اور ذات الرقاع میں حضرت ابو موسیٰ اشعری کی شرکت سے اس کی مزید تائید ہوتی ہے:

قولہ فضربوا بایدیہم الخ۔ تیمم سے متعلق دو باتوں میں اہم اختلاف ہے۔ اول یہ کہ تیمم کیلئے صرف ایک ضرب ہے یا دو ہیں؟ دوم یہ کہ محل مسح دونوں ہاتھ پہنچوں تک ہیں یا کہنیوں تک یا بغل تک؟

شیخ عبدالحق دہلوی نے سفر السعادہ میں لکھا ہے کہ تیمم کے متعلق روایات متعارض ہیں بعض میں ایک ضرب ہے اور بعض میں دو اور بعض میں صرف ضرب کا ذکر ہے عدد مذکور نہیں۔ اسی طرح بعض روایات میں پہنچے اور بعض میں کہنیاں اور بعض میں صرف ہاتھ کا ذکر ہے اسی لئے اس میں علماء کے مختلف مذاہب ہیں۔

اختلاف اول سے متعلق مذاہب کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

حضرت عطاء، مکحول، اوزاعی، احمد بن حنبل، اسحاق، ابن المنذر اور عام اہل حدیث کے یہاں تیمم میں چہرہ اور ہاتھوں کے لئے صرف ایک ہی ضرب ہے۔ یہ لوگ حضرت عبدالرحمٰن بن ابزیٰ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں جو کتب ستہ میں موجود ہے الفاظ یہ ہیں۔ "فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما کان یکفیک ان تضرب بیدیک الارض ثم تنفخ ثم تمسح بہما وجہک وکفیک"۔ دوسری حدیث صحیحین میں حضرت ابوموسیٰ اشعری کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں "فقال انما کان یکفیک ان تقول بیدیک ہکذا ثم ضرب بیدیہ الارض ضربۃ واحدۃ ثم مسح الشمال علی الیمین وظاہر کفیہ ووجہہ"۔ وجہ استدلال ظاہر ہے کہ پہلی حدیث میں صرف ایک بار ضرب کا ذکر ہے اور دوسری حدیث میں ضربۃ واحدۃ کی تصریح ہے۔

جواب یہ ہے کہ ان احادیث میں جس تیمم کا ذکر ہے اس کا مقصد جمیع ارکان تیمم کو بیان کرنا نہیں ہے بلکہ صرف اس کا ۔ ۔ ۔ اجمالی خاکہ پیش کرنا مقصود ہے۔ حدیث کے الفاظ "ثم مسح الشمال علی الیمین وظاہر کفیہ"۔ اسی طرح صحیح مسلم کے ایک نسخہ کے الفاظ "ثم ضرب بیدہ"۔ اس کا واضح ثبوت ہے کہ اس تیمم کا مقصد صرف اس کی صورت اجمالیہ کو بیان کرنا ہے۔ نیز جن روایات میں صرف ضرب کا ذکر ہے یا جن میں ضربۃ واحدۃ کی تصریح ہے اس سے ما فوق الواحد کی نفی نہیں ہوتی۔ چنانچہ احادیث کثیرہ صحیحہ سے ثابت ہے کہ تیمم کے لئے دو ضربیں ہیں ایک چہرہ کے لئے اور ایک کہنیوں تک ہاتھوں کے لئے۔

حضرت علی بن ابی طالب، ابن عمر، جابر بن عبداللہ، ابراہیم نخعی، حسن بصری، شعبی، سالم بن عبداللہ، سفیان ثوری، ابن المبارک، ابن نافع، حکم، امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام شافعی اسی کے قائل ہیں کیونکہ اکثر احادیث میں یہی وارد ہے۔ ہم یہاں چند احادیث پیش کرتے ہیں جن سے واضح طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ تیمم کے لئے دو ضربیں ہیں، لیکن مستدلات سے پیشتر چند مقدمات ذہن نشین کر لینے چاہئیں۔ اول یہ کہ عدم ذکر شئی یا اس سے سکوت اس شئی کی نفی پر دلالت نہیں کرتا اسی طرح عدد کا مذکور ہونا، ما فوق العدد کی نفی نہیں کرتا کیونکہ اکثر اوقات مفہوم عدد غیر معتبر ہوتا ہے۔ دوم یہ کہ ثقہ راوی کی زیادتی مقبول ہوتی ہے بشرطیکہ وہ دیگر روایات ثابتہ کے منافی نہ ہو۔ سوم یہ کہ روایات ضعیفہ جب متعدد طرق سے مروی ہوں تو ان میں قوت آجاتی ہے اور وہ قابل احتجاج ہو جاتی ہیں۔ چہارم یہ کہ اگر کوئی ثقہ راوی کسی حدیث کو مرفوعاً روایت کرے اور دوسرا ثقہ راوی یا چند ثقہ رواۃ اس کو موقوفاً روایت کریں تو ان کا موقوفاً روایت کرنا مقتضی ضعف رفع نہیں ہوتا کیونکہ ثقہ راوی کی زیادتی مقبول ہوتی ہے الا یہ کہ کوئی قرینہ اس کے شذوذ پر دال ہو۔ جب یہ مقدمات ذہن نشین ہو گئے تو اب مستدلات کی تفصیل سنئے۔

(۱) حدیث عمار بن یاسر "انہم تمسحوا وہم مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالصعید لصلوۃ الفجر فضربوا باکفہم الصعید ثم مسحوا وجوہہم مسحۃ واحدۃ ثم عادوا فضربوا باکفہم الصعید مرۃ اخری فمسحوا بایدیہم الخ"۔ یہ سنن ابی داؤد میں باب کی دوسری حدیث ہے جس کو صاحب کتاب نے بطریق یونس ابن شہاب سے روایت کیا ہے، اس میں تصریح ہے کہ ان حضرات نے دو ضربوں کے ساتھ تیمم کیا۔ صاحب کتاب کہتے ہیں کہ اس کو ابن اسحاق نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے جس میں ضربتین کا ذکر موجود ہے اسی طرح معمر نے بھی زہری سے ضربتین کو روایت کیا ہے۔ قاضی شوکانی کہتے ہیں کہ حافظ طبرانی نے معجم اوسط اور معجم کبیر میں

روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار بن یاسر سے فرمایا یکفیک ضربۃ للوجہ و ضربۃ للکفین"۔ مگر اس کی اسناد میں ابراہیم بن محمد بن ابی یحییٰ ہے جو ضعیف ہے۔ جواب یہ ہے کہ امام شافعی، حمدان بن الاصبہانی، ابن عقدہ اور ابن عدی وغیرہ نے اس کی توثیق کی ہے۔

(۲) حدیث اسلع التمیمی انہ صلی اللہ علیہ وسلم، قال لی یا اسلع قم فتیمم صعیدا طیبا ضربتین ضربۃ لوجہک وضربۃ لیدیک ظاہرہما وباطنہما الخ"، اس کو امام طحاوی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ قاضی شوکانی کہتے ہیں کہ اس کی اسناد میں ربیع بن بدر ضعیف ہے۔ حافظ بیہقی نے بھی اس کو ضعیف بتایا ہے، مگر ساتھ ساتھ یہ بھی کہا ہے کہ یہ غیر متفرد ہے۔

(۳) حدیث ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال التیمم ضربتان ضربۃ للوجہ وضربۃ للیدین الی المرفقین اس کی تخریج حافظ دار قطنی نے کی ہے اور یہ موقوف و مرفوع دونوں طرح مروی ہے۔ اس کی اسناد میں علی بن ظبیان ہے جس کے متعلق قاضی شوکانی نے حافظ ابن حجر یحییٰ بن سعید القطان اور ابن معین وغیرہ سے تضعیف نقل کی ہے۔ جواب یہ ہے کہ خود حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں اس کی تضعیف نقل کرنے کے بعد طلحہ بن محمد بن جعفر کا قول نقل کیا ہے "علی بن ظبیان رجل جلیل دین متواضع حسن العلم بالفقہ من اصحاب ابی حنیفۃ وکان خشنا فی باب الحکم"۔ حاکم نے مستدرک میں اس کی حدیث کی تخریج کے بعد کہا ہے صدوق پھر موصوف نے حضرت ابن عمر سے روایت کیا ہے۔ انہ کان یقول التیمم ضربتان ضربۃ للوجہ وضربۃ للکفین الی المرفقین۔

(۴) حدیث جابر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال التیمم ضربۃ للوجہ وضربۃ للذراعین الی المرفقین"۔ اس کی تخریج دار قطنی، بیہقی اور حاکم نے کی ہے اور یہ بھی موقوف و مرفوع دونوں طرح مروی ہے۔ حافظ دار قطنی کہتے ہیں کہ اس کے تمام رواۃ ثقہ ہیں لیکن موصوف نے روایت موقوفہ کی تصویب کی ہے۔ حافظ بیہقی، ذہبی اور حاکم نے بھی اس کی اسناد کی تصحیح کی ہے۔ ابن الجوزی نے التحقیق میں کہا ہے کہ اس کے رواۃ میں سے عثمان بن محمد کے متعلق کلام کیا گیا ہے لیکن صاحب تنقیح نے باتباع شیخ تقی الدین یہ کہہ کر رد کر دیا ہے کہ یہ کلام مقبول نہیں کیونکہ اس میں یہ نہیں بتایا گیا کہ عثمان بن محمد کے متعلق کس نے کلام کیا ہے جبکہ ابوداؤد اور ابوبکر بن ابی عاصم نے اس راوی سے روایت کی ہے اور ابن ابی حاتم نے بھی اس کو اپنی کتاب میں بلا جرح ذکر کیا ہے۔ نیز ابن حجر نے تقریب میں اس کو مقبول کہا ہے اور بلوغ المرام میں اسکی اسناد کو حسن کہا ہے۔

(۵) حدیث عائشہ مرفوعاً۔ "التیمم ضربتان ضربۃ للوجہ وضربۃ للیدین الی المرفقین"۔ حافظ عینی نے شرح بخاری میں کہا ہے کہ اس کی اسناد میں حریش بن خریت ہے جس کو ابوحاتم اور ابوزرعہ نے ضعیف کہا ہے۔ جواب یہ ہے کہ حافظ ابن حجر نے تہذیب میں دار قطنی کا قول نقل کیا ہے کہ حریش قابل اعتبار ہے۔ یحییٰ بن سعید کہتے ہیں لیس بہ باس۔ امام بخاری اپنی تاریخ میں فرماتے ہیں ارجو ان یکون صالحا۔

ان احادیث کے علاوہ اس سلسلہ میں بہت سے آثار بھی ہیں جن کو امام طحاوی وغیرہ نے روایت کیا ہے پھر ان احادیث میں سے بعض میں گو قدرے ضعف ہے تاہم کثرت روایات و تعدد طرق کی وجہ سے یہ سب قابل احتجاج ہیں اس لئے اصح و احوط یہی ہے کہ تیمم میں دو ضربیں ہیں یہی ائمہ کے نزدیک مختار ہو

تیسرا مذہب سعید بن المسیب اور محمد بن سیرین کا ہے کہ تیمم میں تین ضربیں ہیں ایک چہرے کے لئے ایک ہتھیلیوں کے لئے اور ایک ذراعین کے لئے۔ بعض علماء نے چار ضربیں مانی ہیں مگر ان اقوال کی کوئی اصل سنت سے نہیں ہے۔ دوسرا اختلاف محل مسح سے متعلق ہے جس کی تفصیل اگلے قول میں آرہی ہے۔

قولہ وابہ یہاں المناکب الخ۔ محل مسح سے متعلق بھی کئی قول ہیں۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ زمین پر ہاتھ مار کر ایک مرتبہ چہرہ پر اور ایک مرتبہ ہاتھوں پر پہنچوں تک پھیرنا چاہیئے۔ ابن عبد البر کی رائے یہ ہے کہ پہنچوں تک ہاتھ پھیرنا فرض ہے اور کہنیوں تک ہاتھ پھیرنا مختار ہے۔ حافظ ابن حجر نے پہنچوں تک ہاتھ پھیرنے کے قول کو دلیل کے اعتبار سے قوی کہا ہے۔ علامہ خطابی کہتے ہیں کہ پہنچوں تک اکتفاء کرنا از روئے روایت اصح ہے۔ حافظ ابن المنذر اور امام طحاوی نے زہری سے نقل کیا ہے کہ وہ بغلوں تک تیمم کرنے کے قائل تھے۔ حضرت عمار کی زیر بحث حدیث میں مناکب و آباط تک تیمم کرنے کی صراحت موجود ہے۔

لیکن جمہور کے نزدیک تیمم کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ ہاتھ مار کر چہرے پر پھیرا جائے اور دوسری مرتبہ ہاتھوں پر کہنیوں تک کیونکہ متعدد روایات میں "دضربۃ للیدین الی المرفقین" کی تصریح موجود ہے۔ جیسا کہ ہم اوپر نقل کر آئے ہیں۔ نیز باب طہارت میں اصل وضو ہے اور تیمم اس کی فرع اور اصل کے مقابلہ میں فرع سے دو چیزیں (یعنی راس و رجلین) ساقط کر دی گئیں لیکن چہرہ اور ہاتھ دونوں باقی ہیں تو اصل کی طرح فرع میں بھی یہ دونوں حصے پورے مراد لئے جائیں گے۔

علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ مخالف کے لئے یہ کہنے کی گنجائش ہے کہ اگر تیمم کا حکم طہارت بالماء کے حکم میں تھا تو وضو کی طرح تیمم بھی چار اعضاء پر ہوتا حالانکہ ایسا نہیں ہے معلوم ہوا کہ تیمم کو وضوء پر قیاس کرنا غلط ہے۔ جواب یہ ہے کہ شریعت نے جن دو اعضاء کو ساقط کر دیا ان کا کوئی اعتبار نہیں ہے لہٰذا ان سے قیاس بھی ساقط ہو جائے گا اور جو عضو باقی ہیں ان میں حکم اصل کی پوری رعایت ہوگی اور تمام شرائط کا اعتبار کیا جائے گا جیسے سفر کی نماز میں دو رکعتیں ساقط ہیں اور دو باقی ہیں اور باقیماندہ دو رکعتوں میں اصل نماز کی کل شرطوں کا لحاظ ضروری ہے۔

رہی حضرت عمار کی زیر بحث حدیث سو اول تو خود صاحب کتاب نے ابن شہاب کی حدیث سے اس مسئلہ کو صاف کر دیا کہ ان لوگوں کے اس فعل کا اعتبار نہیں ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نہیں بتلایا تھا کہ وہ بغلوں اور مونڈھوں تک مسح کریں بلکہ انھوں نے از خود ایسا کیا تھا۔ دوسرے یہ کہ اگر ان کا یہ عمل آپ ہی کے حکم سے ہو تو منسوخ قرار پائے گا۔ والناسخ ہو حدیث عمار ایضاً۔

قولہ قال ابو داؤد الخ (۱۷) صاحب کتاب نے زیر بحث حدیث صالح بن کیسان سے روایت کی ہے، اس کے متعلق کہتے ہیں کہ اس کو محمد بن اسحاق نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے یعنی اس نے بھی سند میں عبید اللہ بن عبد اللہ اور عمار بن یاسر کے درمیان عبد اللہ بن عباس کو ذکر کیا ہے۔ اور صالح بن کیسان کی طرح اس نے بھی ضربتین کو ذکر کیا ہے۔

قولہ وشک ابن عیینۃ الخ۔ سفیان بن عیینہ کی روایت کا اضطراب بیان کرنا چاہتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ ابن عیینہ نے عبید اللہ اور عمار کے درمیان لفظ عن ابیہ اور لفظ عن ابن عباس میں شک کرتے ہوئے

کبھی تو سند میں یوں کہا ہے عن الزہری عن عبید اللہ عن ابیہ عن عمار اور عن ابن عباس عن عمار اور کبھی یوں روایت کیا ہے عن الزہری عن عبید اللہ عن ابیہ عن عمار اور کبھی یوں بیان کیا ہے عن الزہری عن عبید اللہ عن ابن عباس عن عمار۔

قولہ ولم یذکر احد منہم الخ۔ یعنی ہم نے امام زہری سے روایت کرنے والے جن رواۃ کو ذکر کیا ہے انکے علاوہ کسی نے ضربتین کو ذکر نہیں کیا تو صاحب کتاب کے قول کے مطابق زہری سے ضربتین روایت کرنیوالے تین شاگرد ہیں یونس ابن اسحاق اور معمر لیکن حافظ بیہقی فرماتے ہیں، وحفظہ معمر و یونس ضربتین کما حفظہا ابن ابی ذئب۔ اور امام طحاوی فرماتے ہیں کہ صالح بن کیسان نے بھی زہری سے ابن اسحاق کی طرح ضربتین کو ذکر کیا ہے پس زہری سے ضربتین ذکر کرنیوالے پانچ اصحاب ہوئے یعنی یونس، ابن اسحاق، معمر، ابن ابی ذئب، اور صالح بن کیسان۔ معلوم ہوا کہ صاحب کتاب کے قول مذکور میں حصر حصر استقرائی ہے۔

(۳۲۹) حدثنا محمد بن العلاء نا حفص نا الاعمش عن سلمۃ بن کہیل عن ابن ابزی عن عمار بن یاسر فی ہذا الحدیث فقال یا عمار انما کان یکفیک ہکذا ثم ضرب بیدیہ الی الارض ثم ضرب احدہما علی الاخری ثم مسح وجہہ والذراعین الی نصف الساعد ولم یبلغ المرفقین ضربۃ واحدۃ، قال ابوداؤد ورواہ وکیع عن الاعمش عن سلمۃ بن کہیل عن عبد الرحمٰن بن ابزی، قال ابوداؤد ورواہ جریر عن الاعمش عن سلمۃ بن کہیل عن سعید بن عبد الرحمٰن بن ابزی یعنی عن ابیہ

ترجمہ

محمد بن العلاء نے بروایت حفص بطریق اعمش بسند سلمہ بن کہیل بواسطہ ابن ابزی حضرت عمار بن یاسر سے اس حدیث میں روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا۔ عمار! تمہیں یہ کرلینا کافی تھا۔ پھر آپ نے دونوں ہاتھ زمین پر مار کر ایک کو دوسرے پر مارا پھر اپنے چہرہ اور آدھی کلائی تک پھیر لیا اور ایک ضرب میں کہنیوں تک نہ پہنچے۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ اسکو وکیع نے بسند اعمش بواسطہ سلمہ بن کہیل عبد الرحمٰن بن ابزی سے روایت کیا ہے۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ اور اس کو جریر نے بسند اعمش بواسطہ سلمہ بن کہیل عن سعید بن عبد الرحمٰن بن ابزی ان کے والد عبد الرحمٰن بن ابزی سے روایت کیا ہے۔

تشریح

قولہ قال ابوداؤد ورواہ وکیع الخ (۱۳۲) صاحب کتاب نے یہ حدیث اعمش سے روایت کی ہے اور اعمش کے تین شاگرد ہیں۔ حفص بن غیاث، وکیع، جریر اور ان تینوں کی روایت میں معمولی سا اختلاف ہے یہاں اسی اختلاف کو بیان کرنا چاہتے ہیں پس حفص کی روایت یوں ہے عن الاعمش عن سلمۃ بن کہیل عن ابن ابزی عن عمار۔ اس میں ایک تو سلمہ بن کہیل اور ابن ابزی کے درمیان کسی کا واسطہ نہیں، دوسرے ابن ابزی کا نام مذکور نہیں۔ وکیع کی روایت میں ترک واسطہ پر تو اتفاق ہے لیکن اس کی روایت میں ابن ابزی کا نام عبد الرحمٰن مذکور ہے۔

قولہ قال ابوداؤد ورواہ جریر الخ (۱۳۳) اعمش کے تیسرے شاگرد جریر کی روایت یوں ہے عن الاعمش

عن سلمۃ بن کہیل عن سعید بن عبدالرحمٰن بن ابزی عن ابیہ۔ پس جریر کی روایت میں سلمہ اور ابن ابزی کے درمیان سعید کا واسطہ ہے جو حفص بن غیاث اور وکیع کی روایت میں نہیں ہے۔ صاحب کتاب نے اس سے قبل حضرت عمار کی یہ حدیث سفیان ثوری سے روایت کی ہے اس میں سلمہ بن کہیل اور ابن ابزی کے درمیان ابو مالک حبیب بن صہبان کاہلی کا واسطہ ہے۔

(۹۷) حدثنا مسدد نا یحییٰ عن شعبۃ حدثنی الحکم عن ذرّ عن عبد الرحمٰن بن ابزی عن ابیہ عن عمار فی ھذا الحدیث قال فقال یعنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما کان یکفیک ان تضرب بیدیک الی الارض و تمسح بھما وجھک وکفیک وساق الحدیث۔ قال ابوداؤد رواہ شعبۃ عن حصین عن ابی مالک قال سمعت عمارا یخطب بمثلہ الا انہ قال لم ینفخ وذکر حسین بن محمد عن شعبۃ عن الحکم فی ھذا الحدیث قال فضرب بکفیہ الی الارض۔

ترجمہ — ونفخ

مسدد نے بطریق یحییٰ بروایت شعبہ بحدیث حکم بسند ذر بواسطہ ابن عبدالرحمٰن بن ابزی عن ابیہ حضرت عمار کی اس حدیث میں روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہیں صرف اتنا کرلینا کافی تھا کہ زمین پر ہاتھ مار کر اپنے چہرے اور ہاتھوں پر پھیر لو پھر پوری حدیث بیان کی۔

ابوداؤد کہتے ہیں کہ اس کو شعبہ نے بواسطہ حصین ابو مالک سے روایت کرتے ہوئے کہا ہے کہ میں نے حضرت عمار سے خطبہ میں اسی طرح بیان کرتے ہوئے سنا ہے مگر انھوں نے لفظ لم ینفخ کہا ہے، اور حسین بن محمد نے بواسطہ شعبہ حکم سے اس حدیث میں کہا ہے کہ آپ نے زمین پر ہاتھ مار کر پھونک ماری۔

تشریح

قولہ قال ابوداؤد الخ اس سے صرف یہی بتانا ہے کہ شعبہ کی حدیث سابق جس کو انھوں نے حکم سے روایت کیا ہے وہ ذکر نفخ و نفی نفخ دونوں سے خالی ہے اور شعبہ کی یہی حدیث حسین بن محمد نے روایت کی ہے اس میں نفخ کا ذکر ہے لیکن شعبہ کی جو روایت عن حصین عن ابی مالک ہے اس میں اس کی نفی ہے اور مسئلہ یہی ہے کہ زمین پر ہاتھ مار کر جھٹک دینا چاہیے تاکہ جو زائد مٹی لگی ہے وہ جھڑ جائے ورنہ ایک طرح کا بھوت بن جائے گا۔

(۱۲۴) باب التیمم فی الحضر

(۹۸) حدثنا احمد بن ابراہیم الموصلی ابو علی نا محمد بن ثابت العبدی نا نافع قال انطلقت مع ابن عمر فی حاجۃ الی ابن عباس فقضی ابن عمر حاجتہ وکان من حدیثہ یومئذ ان قال مر رجل علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی سکۃ من السکک وقد خرج من غائط او بول فسلم علیہ فلم یرد علیہ حتی اذا کاد الرجل ان یتواری فی السکۃ ضرب بیدیہ علی الحائط ومسح بھما وجھہ ثم ضرب ضربۃ اخری فمسح ذراعیہ ثم رد علی

الرجل السلام وقال انہ لم یمنعنی ان ارد علیک السلام الا انی لم اکن علی طہر ،
قال ابوداؤد سمعت احمد بن حنبل یقول روی محمد بن ثابت حدیثا منکرا فی التیمم
قال ابن داسۃ قال ابوداؤد لم یتابع محمد بن ثابت فی ہذہ القصۃ علی ضربتین
عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ورووہ فعل ابن عمر

حل لغات

تغوّط. حاجۃ ضرورت پوری کی۔ سِکَّۃ گلی جمع سِکَک، غائط پاخانہ، بول پیشاب، یتوارٰی تواریا چھپنا۔ ذراع کہنی سے بیچ کی انگلی تک کا حصہ :۔ ترجمہ

ابو علی احمد بن ابراہیم موصلی نے بواسطہ محمد بن ثابت عبدی کا حضرت نافع سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمر کے ساتھ ایک ضرورت سے حضرت ابن عباس کے پاس گیا اور ابن عمر نے اپنی ضرورت پوری کی۔ اس دن حضرت ابن عمر یہ حدیث بیان کرتے تھے کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب کسی کوچے سے گذرا جبکہ آپ پاخانہ یا پیشاب سے فارغ ہو کر نکلے تھے، اس نے سلام کیا آپ نے جواب نہ دیا یہاں تک جب وہ آنکھوں سے اوجھل ہونے کے قریب ہو گیا تو آپ نے دونوں ہاتھ دیوار پر مار کر منہ پر مسح کیا پھر دوسری بار ہاتھ مار کر دونوں ہاتھوں کا مسح کیا، اس کے بعد آپ نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا کہ میں نے جواب اس لئے نہیں دیا تھا کہ میں طاہر نہ تھا۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ میں نے احمد بن حنبل کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ محمد بن ثابت نے تیمم کے سلسلہ میں ایک منکر حدیث روایت کی ہے۔ ابن داسہ نے کہا ہے کہ ابوداؤد کہتے ہیں کہ اس قصہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل ضربتین پر محمد بن ثابت کی کسی نے متابعت نہیں کی بلکہ سب نے ابن عمر کا فعل روایت کیا ہے۔ تشریح

قولہ قال ابوداؤد سمعت الخ (۱۳۵) حدیث منکر اس کو کہتے ہیں جس کا راوی سوء حفظ یا جہالت حال کی وجہ سے ضعیف ہو اور وہ ثقہ راوی کے خلاف روایت کرے تو راجح کو معروف اور اس کے مقابل کو منکر کہتے ہیں پس تحقق منکر دو چیزوں پر موقوف ہے۔ ایک مخالفت ثقہ اور ایک ضعیف راوی۔

محمد بن ثابت کی حدیث میں دونوں چیزیں مفقود ہیں اس واسطے کہ اس نے جو ایک ضرب زائد کو ذکر کیا ہے یہ مخالفت نہیں ہے بلکہ ایک امر زائد کا اثبات ہے اور ثقہ راوی کی زیادتی مقبول ہوتی ہے۔ نیز محمد بن ثابت کا ضعف بھی غیر ثابت ہے کیونکہ محمد بن سلیمان اور احمد بن عبداللہ عجلی نے اس کو ثقہ مانا ہے۔ عثمان دارمی نے یحییٰ بن معین سے اس کے متعلق "لیس بہ باس" الفاظ نقل کئے ہیں۔ امام نسائی سے بھی یہی منقول ہے۔ گو موصوف نے بعض دفعہ لیس بالقوی بھی کہا ہے۔ معاویہ بن صالح نے ابن معین سے نقل کیا ہے کہ محمد بن ثابت پر صرف حدیث ابن عمر کے سلسلہ میں انکار ہے جو تیمم کی بابت مروی ہے۔ امام بخاری کہتے ہیں کہ یہ اپنی بعض احادیث میں مخالفت کرتا ہے۔ چنانچہ اس نے تیمم کے سلسلے میں بواسطہ نافع حضرت ابن عمر سے مرفوعاً روایت کیا ہے حالانکہ ایوب وغیرہ نے اس کو صرف ابن عمر کا فعل بتایا ہے۔
بہر کیف اس تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ محمد بن ثابت کی حدیث کا منکر ہونا ثابت نہیں ہوتا و قد صرح البیہقی

ان رفعہ غیر منکر۔

قولہ قال ابو داؤد ولم یتابع الخ (۱۳۲) سنن بیہقی میں محمد بن ثابت عبدی کی حدیث کے شواہد یزید بن الہاد وغیرہ کی روایات سے موجود ہیں۔ من شارح علیہ الرحمہ

(۱۲۵) باب الجنب یتیمم

(۹۹) حدثنا موسی بن اسماعیل ثنا حماد عن ایوب عن ابی قلابۃ عن رجل من بنی عامر قال دخلت
فی الاسلام فاھمنی دینی فاتیت ابا ذر فقال ابو ذر انی اجتویت المدینۃ فامر لی رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم بذود وبغنم فقال لی اشرب من البانہا واشک فی ابوالہا فقال ابو ذر
فکنت اعزب عن الماء ومعی اھلی فتصیبنی الجنابۃ فاصلی بغیر طھور فاتیت رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم بنصف النہار وھو فی رھط من اصحابہ وھو فی ظل المسجد فقال صلی اللہ
علیہ وسلم ابو ذر فقلت نعم ھلکت یا رسول اللہ قال وما اھلکک قلت انی کنت اعزب من
الماء ومعی اھلی فتصیبنی الجنابۃ فاصلی بغیر طھور فامر لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم بماء فجاءت بہ جاریۃ سوداء بعس یتخضخض ما ھو بملآن فتسترت الی بعیر
فاغتسلت ثم جئت فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا ابا ذر ان الصعید الطیب
طھور وان لم تجد الماء الی عشر سنین فاذا وجدت الماء فامسہ جلدک۔ قال ابو ۳۳۲
داؤد ورواہ حماد بن زید عن ایوب لم یذکر ابوالہا ھذا لیس بصحیح ولیس فی ابوالہا الا حدیث
انس تفرد بہ اھل البصرۃ

حل لغات

جُنُب ناپاک (داو ص) تثنیہ، جمع، مذکر، مؤنث سب کے لئے مستعمل ہے، جَنُبَ (ن، س، ض) جنابۃً،
الرجل ناپاک ہونا۔ اِجْتَوَیْتُ المدینۃ مجھے مدینہ کی آب و ہوا ناموافق ہوئی۔ الجوی ایک مرض اور پیٹ کی بیماری
ہے۔ ابن الاعرابی کہتے ہیں کہ یہ ایک وبائی بیماری ہے۔ ابن فارس کہتے ہیں کہ اجتویتُ البلدَ اُس وقت بولا
جاتا ہے جب اقامت ناپسند ہو، گو وہ عیش و عشرت اور نعمت میں ہو۔ قزاز نے اجتوہا کے معنی بیان کئے ہیں
ہیں کہ ان کو کھانا موافق نہیں آیا۔ ذَوْد ذال و دال مثنی جمع اذواد وکثوب واثواب، وفی المصباح الذود لا یکون الا اناث
کذا فی المصباح۔ ابن الانباری نے ابو العباس سے نقل کیا ہے کہ تین سے دس تک اونٹوں کو ذود کہتے ہیں۔
فارابی نے بھی یہی ذکر کیا ہے۔ لفظ ذود مؤنث ہے کیونکہ نحاۃ کہتے ہیں لیس فی اقل من خمس ذود صدقۃ، غنم بکری
الْبَان جمع لبن دودھ، ابوال جمع بول پیشاب، عَزَبَ (ن، ض) عُزُوبًا دور ہونا، غائب ہونا، پوشیدہ ہونا
قال تعالیٰ وما یعزب عن ربک من مثقال ذرۃ کذا فی القاموس، رَہْط قوم و قبیلہ کے لوگ۔ بقول صاحب مجمع،
تین سے دس تک یا چالیس آدمیوں کا گروہ جس میں کوئی عورت نہ ہو۔ جب اس کی جانب عدد کی اضافت
ہوتی ہے تو اس سے مراد اشخاص و افراد ہوتے ہیں جیسے عشرۃ رہط یعنی دس اشخاص۔ لفظ رہط کا واحد نہیں
اس کی جمع ارہط، ارہاط اور جمع الجمع اراہط اور اراہیط آتی ہے۔ بقول جوہری [illegible]

اس سے بڑے ٹیلے کو رند کہتے ہیں۔ یتقحقض ہلنا، حرکت کرنا۔ کلاٰن بھرا ہوا۔ بعیر اونٹ۔ الصعید اس کی تفسیر میں ائمہ لغت کے مختلف اقوال ہیں جن کو امام جمال الدین افریقی نے لسان العرب میں نقل کیا ہے فرمایا: الصعید المرتفع من الارض: یعنی زمین کا بلند حصہ۔ ابو اسحاق زجاج، ثعلب، اصمعی اور خلیل کہتے ہیں الصعید وجہ الارض: یعنی روئے زمین۔ قال تعالیٰ فتصبح صعیدا زلقا: بیث کہتے ہیں کہ کہا جاتا ہے: صارت الحدیقۃ صعیدا: یعنی باغ ہموار زمین ہو گیا جس میں درخت وغیرہ نہیں۔ جوہری نے صحاح میں فراء سے نقل کیا ہے الصعید التراب وقال فی قولہ تعالیٰ صعیدا جرزا، بعض حضرات نے صعید کے معنی پاک مٹی کے کئے ہیں قال تعالیٰ فتیمموا صعیدا طیبا: ابن الاعرابی کہتے ہیں کہ صعید بعینہ زمین کو کہتے ہیں۔ علامہ عینی نے شرح بخاری میں کہا ہے صعید اطیبا ای ارضا طاہرۃ۔ صاحب قاموس کہتے ہیں: الصعید التراب او وجہ الارض۔ جمہور کہا ابوعبیدہ کا قول ہے ہو التراب الذی لا یخالطہ رمل ولا سبخ: یعنی وہ زمین جس میں ریت اور دلدل نہ ہو۔ حضرت قتادہ سے مروی ہے کہ صعید وہ زمین ہے جس میں گھاس پھوس اور درخت نہ ہوں۔ مشتر کلمین مراد کثیر ہے نہ کہ تحدید، اَعْشِی اساس سے امر حاضر ہے:۔ ترجمہ

موسیٰ بن اسماعیل نے بروایت حماد بسند ایوب بواسطہ ابو قلابہ بنی عامر کے ایک شخص سے روایت کیا کہ میں مسلمان ہوا تو مجھے دینی امور سیکھنے کا شوق ہوا چنانچہ میں حضرت ابوذر کے پاس آیا۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے مدینہ کی آب و ہوا موافق نہیں آئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اونٹوں اور بکریوں کے دودھ پینے کا حکم فرمایا۔ حماد کہتے ہیں کہ مجھے شک ہے شاید یہ بھی کہا کہ ان کے پیشاب پینے کا حکم فرمایا۔ حضرت ابوذر بیان کرتے ہیں کہ میں پانی سے دور رہتا تھا اور میرے ساتھ میرے گھر کے لوگ بھی تھے۔ مجھے نہانے کی حاجت ہوتی تو میں بلا طہارت نماز پڑھ لیتا۔ ایک مرتبہ میں دوپہر کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ چند صحابہ کے ساتھ مسجد کے سایہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا: ابوذر؟ میں نے کہا، جی ہاں، میں تو تباہ ہو گیا۔ آپ نے فرمایا، کس چیز نے تباہ کر دیا؟ میں نے عرض کیا، میں پانی سے دور تھا اور میرے ساتھ میری بیوی بھی تھی مجھے نہانے کی ضرورت ہوئی تو میں بلا طہارت نماز پڑھ لیا تھا۔ آپ نے میرے لئے پانی دینے کا حکم کیا۔ چنانچہ ایک سیاہ فام باندی ایک بڑے پیالے میں پانی لائی جو ہل رہا تھا کیونکہ وہ بھرا ہوا نہ تھا۔ میں نے ایک اونٹ کی آڑ میں غسل کیا اور غسل سے فارغ ہو کر آپ کے پاس آیا آپ نے فرمایا، ابوذر! پاک مٹی ذریعہ طہارت ہے اگرچہ تو دس سال تک پانی نہ پائے اور جب ملے تو اپنے بدن پر بہالے۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ اس حدیث کو حماد نے ایوب سے روایت کیا ہے اس میں لفظ ابوالہا ذکر نہیں کیا اور لفظ ابوالہا اس حدیث میں صحیح نہیں اس کی بابت صرف حضرت انس کی حدیث ہے۔ اس کی روایت میں اہل بصرہ متفرد ہیں:۔ تشریح

قولہ باب الخ۔ شرائط تیمم پائے جانے کے بعد جس طرح بے وضو والے کے لئے تیمم کی اجازت ہے اسی طرح جنبی اور ناپاک کے لئے بھی تیمم جائز ہے اور ان دونوں کا تیمم یکساں ہے کوئی فرق نہیں صاحب کتاب باب الجنب تیمم، ترجمہ قائم کر کے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جنبی کے لئے جواز تیمم کی بابت دور صحابہ میں کو اختلاف تھا اور حضرت عمر فاروق اور عبداللہ بن مسعود اس کے قائل نہ تھے لیکن بعد میں ان حضرات نے اس سے رجوع کر لیا اور اب اسکے جواز پر تمام صحابہ اور علماء کا اتفاق ہے:۔

۲۳۳

قولہ ان الصعید الطیب الخ۔ لفظ صعید کی تفسیر میں چونکہ اختلاف ہے جیسا کہ ہم نے حل لغات کے ذیل میں ذکر کیا ہے اس لئے یہ مسئلہ بھی مختلف فیہ ہے کہ تیمم کس چیز سے کیا جائے۔ ابن عبد البر کہتے ہیں کہ مٹی سے تو بالاجماع تیمم جائز ہے لیکن اس کے علاوہ دوسری چیزوں میں اختلاف ہے۔ امام شافعی، امام احمد اور داؤد ظاہری کے نزدیک مٹی کے علاوہ کسی اور چیز سے تیمم جائز نہیں۔ بعض حضرات نے امام شافعی سے نقل کیا ہے کہ آپ کے یہاں لگانے والی مٹی کی قید ہے۔ لیکن الامام میں لکھا ہے کہ امام شافعی کے یہاں اصح قول ہاتھ لگانے کی شرط نہیں ہے۔

امام ابو حنیفہ کے یہاں ہر ایسی چیز سے تیمم جائز ہے جو زمین کی جنس سے ہو جیسے مٹی، ریت، پتھر، گچ، سرمہ، ہڑتال وغیرہ۔ کتاب میں روایت گذر چکی کہ ایک صحابی نے آپ کو سلام کیا اور آپ نے دیوار سے تیمم کرکے اس کا جواب دیا۔ امام طحاوی فرماتے ہیں کہ مدینہ کی دیواریں مٹی کے بغیر سیاہ پتھروں سے بنی ہوئی تھیں نیز صحاح کی عام روایات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ تیمم کے لئے جنس ارض کا ہونا کافی ہے۔

قولہ طہور الخ۔ اس حدیث سے کئی باتیں معلوم ہوئیں اول یہ کہ حکم تیمم صرف سفر کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ اسکا ذریعہ طہارت ہونا سفر و حضر دونوں میں برابر ہے کیونکہ آپ نے اس کو کسی خاص جگہ کے ساتھ مخصوص نہیں فرمایا۔ دوم یہ کہ خروج وقت ناقض تیمم نہیں ہے بلکہ اس کا حکم وضو کا سا ہے۔ سوم یہ کہ تیمم کرنے والا ایک تیمم سے مختلف و متعدد نمازیں پڑھ سکتا ہے۔ امام نووی کی تصریح کے مطابق حضرت ابن عباس، سعید بن المسیب، ابراہیم نخعی، حسن بصری، مزنی، مختار دیانی شافعی اور داؤد ظاہری کا یہی قول ہے۔ اصحاب ابی حنیفہ بھی اسی کے قائل ہیں کہ ہر فرض نماز کے لئے علیحدہ تیمم کی ضرورت نہیں جیسا کہ امام شافعی فرماتے ہیں۔ چہارم یہ کہ اگر پانی پر قدرت حاصل ہو جائے تو تیمم ٹوٹ جائے گا۔

قولہ قال ابو داؤد الخ اس کا مطلب یہ ہے کہ زیر بحث حدیث کو ایوب سختیانی سے حماد بن سلمہ اور حماد بن زید دونوں نے روایت کیا ہے لیکن حماد بن سلمہ نے اشرب من البانہا کے بعد لفظ ابوالہا کو بطریق شک ذکر کیا ہے نہ کہ بطریق یقین اور حماد بن زید نے اس کو ذکر ہی نہیں کیا تو حماد بن زید کا ذکر نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس حدیث میں لفظ ابوالہا کا اضافہ صحیح نہیں لان الیقین قاض علی الشک اس لئے صاحب کتاب فرماتے ہیں ہذا لیس بصحیح۔ شرب ابوال کے سلسلہ میں صرف حضرت انس کی حدیث ہے جس کو شیخین اور امام ترمذی نے روایت کیا ہے الفاظ یہ ہیں: ان ناسا اجتووا فی المدینۃ فامرہم النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یلحقوا براعیہ یعنی الابل فیشربوا من ابوالہا والبانہا حتی صلحت ابدانہم فقتلوا الراعی وساقوا الابل فبلغ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فبعث فی طلبہم فجیء بہم فقطع ایدیہم وارجلہم وسمر اعینہم۔

قولہ تفرد بہ الخ۔ یعنی باب کی زیر بحث حدیث اہل بصرہ کے تفردات میں سے ہے کیونکہ اس کی سند میں موسیٰ بن اسماعیل سے رجل بنی عامر تک سب رواۃ بصری ہیں اور رجل بنی عامر سے مراد عمرو بن بجدان ہے جس کو حدیث باب میں خالد حذاء نے ابو قلابہ سے اور سفیان ثوری نے ایوب سے روایت کرتے ہوئے اسی نام کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ کذا فی البذل وقال صاحب عون المعبود تفرد بہ اہل البصرۃ ای ما روی حدیث انس احد غیر البصریین الا نادرا (قال)۔

(۱۳۶) باب اذا خاف الجنب البرد ایتیمم

(۳۰۱) حدثنا ابن المثنی نا وھب بن جریر نا ابی قال سمعت یحیی بن ایوب یحدث عن یزید بن ابی حبیب عن عمران بن ابی انس عن عبد الرحمن بن جبیر المصری عن عمرو بن العاص قال احتلمت فی لیلة باردة فی غزوة ذات السلاسل فاشفقت ان اغتسل فاھلك فتیممت ثم صلیت باصحابی الصبح فذکروا ذلك لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا عمرو صلیت باصحابك وانت جنب فاخبرته بالذی منعنی من الاغتسال وقلت انی سمعت اللہ یقول وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا فضحك رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولم یقل شیئا۔ قال ابو داؤد عبد الرحمن بن جبیر مصری مولی خارجة بن حذافة ولیس ھو ابن جبیر بن نفیر

حل لغات

البرد سردی۔ احتلمت خواب میں ناپاک ہونا۔ السلاسل، مراصد الاطلاع اور مجمع میں ہے کہ سلاسل، پہلے سین کے ضمہ اور دوسرے سین کے کسرہ کے ساتھ سلسلة کی جمع ہے جو ارض جذام میں ایک چشمہ ہے اسی سے ایک غزوہ کا نام ذات السلاسل ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ یہ وادی القری سے اس طرف ہے۔ اس کے اور مدینہ کے درمیان دس روز کی مسافت ہے اس کا وقوع جمادی الاولی سنہ ۸ھ میں یا سنہ ۷ھ میں غزوہ موتہ کے بعد ہے۔ اشفقت ای خفت، ان شرطیہ ہے یا مصدریہ۔

ترجمہ

ابن المثنی نے بروایت وہب بن جریر بطریق جریر بسند یحیی بن ایوب بحدیث یزید بن ابی حبیب بواسطہ عمران بن ابی انس عن عبد الرحمن بن جبیر مصری حضرت عمرو بن العاص سے روایت کیا ہے کہ مجھے سردی کے زمانہ میں ایک شب غزوہ ذات السلاسل میں احتلام ہو گیا مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر غسل کیا تو مر جاؤں گا اس لئے میں نے تیمم کر کے صبح کی نماز پڑھا دی۔ ساتھیوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا۔ آپ نے مجھ سے فرمایا، عمرو! تو نے جنابت کی حالت میں نماز پڑھا دی۔ میں نے غسل نہ کرنے کا سبب بیان کیا اور کہا کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں: تم اپنے آپ کو قتل مت کرو اور اللہ تم پر رحم کرنے والا ہے۔ یہ سنکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور کچھ نہ کہا۔ ابو داؤد کہتے ہیں کہ عبد الرحمن بن جبیر مصری خارجہ بن حذافہ کے آزاد کردہ ہیں۔ یہ ابن جبیر بن نفیر نہیں ہیں۔

تشریح

قولہ باب الخ۔ اگر جنبی کو سردی کی بنا پر غسل کرنے سے ہلاکت یا مرض کے بڑھ جانے کا اندیشہ ہو تو وہ تیمم کر سکتا ہے یا نہیں؟ علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ عطاء بن ابی رباح اور حسن بصری نے اس سلسلہ میں انتہائی تشدد اختیار کیا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ غسل ہی کرے چاہے مر جائے وہ ظاہر آیت "وان کنتم جنبا فاطہروا" سے استدلال کرتے ہیں لیکن

سفیان ثوری اور امام مالک کے یہاں وہ تیمم کر سکتا ہے یہ حضرات اس کو بمنزلہ مریض کے قرار دیتے ہیں۔ امام صاحب شہر میں بھی اس کی اجازت دیتے ہیں مگر صاحبین شہری استثلافات کے پیش نظر اس کے جواز کے قائل نہیں ورنہ بقول ابن مسعود عوام الناس تھوڑی سردی کو حیلہ بنا لیں گے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر جنبی کو سردی کی وجہ سے مرجانے کا اندیشہ ہو تو تیمم کر کے نماز پڑھ لے اور بعد میں اسکا اعادہ کرے وہ یہ کہتے ہیں کہ سردی کا سے مرجانا شاذ و نادر ہے اور رخصت تامہ کا ثبوت اعذار عامہ کی وجہ سے ہے نہ کہ اعذار نادرہ سے۔ حدیث باب میں حضرت عمرو بن العاص کے واقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تبسم و استبشار اور اس پر عدم انکار جواز تیمم کی واضح دلیل ہے :-

قولہ قال ابوداؤد الخ (۱۴۸) یعنی عبدالرحمٰن بن جبیر جو حضرت عمرو بن العاص سے راوی ہیں یہ ابن جبیر مصری ہیں بلکہ خارجہ بن حذافہ کے آزاد کردہ ہیں۔ صاحب کتاب نے دونوں کو علیحدہ علیحدہ بتا دیا تاکہ دونوں میں التباس نہ ہو۔

(۱۰۰) حدثنا محمد بن سلمة المرادی ثنا ابن وهب عن ابن لهیعة وعمرو بن الحارث عن یزید بن ابی حبیب عن عمران بن ابی انس عن عبد الرحمٰن بن جبیر عن ابی قیس مولی عمرو بن العاص ان عمرو بن العاص کان علی سریة وذکر الحدیث نحوه وقال فغسل مغابنه وتوضأ وضوءه للصلوة ثم صلی بهم فذکر نحوه ولم یذکر التیمم. قال ابوداؤد وروی هذه القصة عن الاوزاعی عن حسان بن عطیة قال فیه فتیمم

حل لغات

مغابن جمع مغبن کمسجد و منزل بغل اور تمام نہانی کا اردگرد (قاموس)، وفی المجمع ای مکاسیر جلده و اماکن تجمع فیه الوسخ۔ یعنی کھال کی شکن اور وہ جگہ جس میں میل جمع ہو جائے :- **ترجمہ**

محمد بن سلمہ مرادی نے بروایت ابن وہب بطریق ابن لہیعہ و عمرو بن الحارث بسند یزید بن ابی حبیب بواسطہ عمران بن ابی انس عن عبد الرحمٰن بن جبیر، ابوقیس مولیٰ عمرو بن العاص سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرو بن العاص ایک دستہ کے سالار تھے پھر پہلی حدیث کی طرح روایت کیا اور کہا کہ پھر انھوں نے اپنے چڈھے دھوئے اور نماز جیسا وضو کر کے نماز پڑھائی اور تیمم کا ذکر نہیں کیا۔

ابوداؤد کہتے ہیں کہ یہ قصہ اوزاعی سے بواسطہ حسان بن عطیہ بھی مروی ہے اور اس میں تیمم کا ذکر ہے :- **تشریح**

قولہ قال ابوداؤد الخ (۱۴۹) اس کا مقصد یہ ہے کہ محمد بن سلمہ مرادی کی روایت میں صرف غسل مغابن اور وضوء کا ذکر ہے تیمم کا تذکرہ نہیں ہے جس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ حضرت عمرو بن العاص نے بلا تیمم نماز پڑھائی۔

صاحب کتاب اوزاعی کی روایت کا حوالہ دے کر اس اشکال کو دور کر رہے ہیں کہ گو اس روایت میں تیمم کا ذکر نہیں ہے لیکن امام اوزاعی کی روایت میں فغسل مغابنه وتوضأ وضوءه للصلوة کے بعد فتیمم ثم صلی بهم کی تصریح ہے :-

(۶۷) باب فی المتیمم یجد الماء بعد ما یصلی فی الوقت

(۳۳۸) حدثنا محمد بن اسحاق المسیبی نا عبد اللہ بن نافع عن اللیث بن سعد عن بکر بن سوادۃ عن عطاء بن یسار عن ابی سعید الخدری قال خرج رجلان فی سفر فحضرت الصلوۃ ولیس معھما ماء فتیمما صعیدًا طیبًا فصلیا ثم وجدا الماء فی الوقت فاعاد احدھما الصلوۃ والوضوء ولم یعد الاخر ثم اتیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فذکرا ذلک لہ فقال للذی لم یعد اصبت السنۃ واجزاتک صلوتک وقال للذی توضا واعاد لک الاجر مرتین، قال ابوداؤد وغیر ابن نافع یرویہ عن اللیث عن عمیرۃ بن ابی ناجیۃ عن بکر بن سوادۃ عن عطاء بن یسار عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم، قال ابوداؤد وذکر ابی سعید فی ھذا الحدیث لیس بمحفوظ وھو مرسل

ترجمہ

محمد بن اسحاق مسیبی نے بطریق عبداللہ بن نافع بروایت لیث بن سعد بسند بکر بن سوادہ بواسطہ عطاء بن یسار حضرت ابوسعید خدری سے روایت کیا ہے کہ دو آدمی سفر میں نکلے نماز کا وقت آگیا اور پانی ساتھ نہ تھا تو دونوں نے تیمم کرکے نماز پڑھ لی۔ پھر وقت کے اندر اندر پانی مل گیا تو ان میں سے ایک نے وضو کرکے نماز کا اعادہ کر لیا دوسرے نے اعادہ نہیں کیا اور دونوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر قصہ بیان کیا۔ آپ نے اس شخص سے جس نے اعادہ نہیں کیا تھا فرمایا کہ تو نے سنت پر عمل کیا اور تیری نماز کافی ہوگئی اور جس نے وضو کرکے نماز کا اعادہ کیا تھا اس سے فرمایا کہ تیرے لئے دوہرا ثواب ہے۔

ابوداؤد کہتے ہیں کہ ابن نافع کے علاوہ دوسرے لوگ اس کو لیث سے بروایت عمیرہ بن ابی ناجیہ بسند بکر بن سوادہ بواسطہ عطاء بن یسار عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم روایت کرتے ہیں۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ اس حدیث میں ابوسعید خدری کا ذکر محفوظ نہیں اور یہ مرسل ہے۔

تشریح

قولہ باب الخ۔ ایک شخص نے تیمم کرکے نماز پڑھ لی اس کے بعد اس نے پانی پایا تو اس پر نماز کا اعادہ ضروری ہے یا نہیں؟ قاضی شوکانی نے ذکر کیا ہے کہ اگر اس نے نماز سے فارغ ہونے کے بعد پانی پایا تو باتفاق ائمہ اربعہ نماز کا اعادہ ضروری نہیں گو نماز کا وقت بھی باقی ہو حدیث باب سے یہی ثابت ہوتا ہے حضرت ابن عمر سے بھی یہی مروی ہے اور سفیان ثوری، شعبی اور اسحاق بھی اسی کے قائل ہیں۔ لیکن طاؤس، عطاء، قاسم بن محمد، مکحول، ابن سیرین، زہری اور ربیعہ یہ کہتے ہیں کہ اگر وقت باقی ہو تو نماز کا اعادہ ضروری ہے کیونکہ بقاء وقت کی صورت میں خطاب متوجہ ہے۔ امام اوزاعی اس صورت میں نماز کا اعادہ مستحب سمجھتے ہیں۔ جواب یہ ہے کہ حدیث کے الفاظ اصبت السنۃ واجزاتک صلوتک سے صاف

ہے کہ اس صورت میں خطاب متوجہ نہیں ہے۔

اور اگر نماز شروع کرنے کے بعد فراغت سے پہلے پانی پایا تو جمہور کے نزدیک نماز ہو جائے گی۔ لیکن امام ابوحنیفہ، اوزاعی، ثوری، مزنی، ابن شریح اور ایک روایت میں امام احمد کے نزدیک نماز کو ختم کرنا اور وضو کر کے نماز کو لوٹانا ضروری ہے اور اگر تیمم کرنے کے بعد نماز شروع کرنے سے پہلے پانی پایا تو عام فقہاء کے نزدیک وضو کرنا ضروری ہے۔ داؤد ظاہری اور سلمہ بن عبدالرحمٰن کے نزدیک اس صورت میں بھی وضو واجب نہیں لقولہ تعالیٰ ولا تبطلوا اعمالکم :-

قولہ قال ابو داؤد : غیر ابن نافع الخ (۱۵۰) ابن نافع سے مراد صاحب کتاب کے شیخ الشیخ عبداللہ بن نافع ہیں جو لیث بن سعد سے راوی ہیں اور غیر سے مراد یحییٰ بن بکیر اور عبداللہ بن المبارک ہیں۔ یحییٰ بن بکیر کی روایت کی تخریج حافظ بیہقی نے اور روایت عبداللہ بن المبارک کی تخریج حافظ دارقطنی نے کی ہے :-

قولہ قال ابوداؤد وذکر ابی سعید الخ (۱۵۱) یعنی عبداللہ بن نافع نے بواسطہ لیث بن سعد حدیث باب میں جو حضرت ابوسعید خدری کو ذکر کیا ہے یہ غیر محفوظ ہے اور یہ روایت مرسل ہے۔ قاضی شوکانی نے موسیٰ بن ہارون سے نقل کیا ہے کہ اس کو مرفوعاً روایت کرنا ابن نافع کا وہم ہے۔

جواب یہ ہے کہ حافظ ابو علی بن السکن نے اپنی صحیح میں بطریق ابوالولید الطیالسی عن اللیث عن عمرو بن الحارث وعمیرہ بن ابی ناجیہ عن بکر موصولاً روایت کیا ہے اس لئے روایت کو اس کے بعض طرق کی وجہ سے علی الاطلاق مرسل کہنا صحیح نہیں :-

(۶۸) باب فی الغسل للجمعة

(۳۰۱) حدثنا یزید بن خالد الرملی نا المفضل یعنی ابن فضالة عن عیاش بن عباس عن بکیر عن نافع عن ابن عمر عن حفصة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال علی کل محتلم رواح الجمعة وعلی کل من راح الی الجمعة الغسل، قال ابو داؤد اذا اغتسل الرجل بعد طلوع الفجر اجزاہ من غسل الجمعة وان اجنب

ترجمہ

یزید بن خالد رملی نے بروایت مفضل بن فضالہ بطریق عیاش بن عباس بسند بکیر بواسطہ نافع عن ابن عمر عن حفصہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے آپ نے فرمایا کہ ہر بالغ پر جمعہ کے لئے جانا اور ہر جانے والے پر غسل لازم ہے۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص جمعہ کے دن طلوع فجر کے بعد غسل کرے تو وہ غسل جمعہ کی طرف سے کافی ہوگا اگرچہ وہ غسل جنابت ہی ہو :- تشریح

قولہ باب الخ۔ جمعہ کے روز غسل کرنا واجب ہے کہ اس کے ترک سے گنہگار ہو یا واجب نہیں؟

علامہ نووی فرماتے ہیں کہ بعض صحابہ سے اس کا وجوب مروی ہے اور اہل ظاہر اسی کے قائل ہیں۔ ابن المنذر نے حضرت ابو ہریرہ اور عمار بن یاسر سے وجوب نقل کیا ہے۔ علامہ خطابی نے حضرت حسن بصری کا بھی یہی نقل کیا ہے۔ علامہ زبیدی کہتے ہیں کہ امام شافعی اور امام احمد سے بھی وجوب ہی منقول ہے لیکن ابن سریج نے شرح منیہ میں اس کو امام شافعی کا قول قدیم بتایا ہے اور امام احمد سے استحباب مشہور ہے۔ دلیل وجوب چند احادیث ہیں۔

(۱) حدیث عمر۔ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا جاء احدکم الجمعۃ فلیغتسل (صحیحین، ترمذی، ابن ماجہ)

(۲) حدیث ابو سعید خدری۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال غسل یوم الجمعۃ واجب علی کل محتلم (صحیحین، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

(۳) حدیث ابی ہریرہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال حق اللہ علی کل مسلم ان یغتسل فی کل سبعۃ ایام (صحیحین، طحاوی، بزار) (۴) حدیث عمر۔ انہ سمعوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اذا اتی احدکم الجمعۃ فلیغتسل (صحیحین، ترمذی، ابوداؤد، نسائی) (۵) حدیث عائشہ۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یامر بالغسل یوم الجمعۃ (ابن خزیمہ، طحاوی)

لیکن بقول علامہ خطابی، قاضی عیاض و ابن عبدالبر وغیرہ جمہور علماء سلف و خلف اور عام فقہاء کے نزدیک غسل جمعہ واجب نہیں سنت مستحب ہے اور متعدد احادیث سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ

(۱) حضرت عمر فاروق کی حدیث باب میں ہے کہ آپ نے حضرت عثمان کو تنبیہ فرمائی لوٹنے اور غسل کرنے کا حکم نہیں فرمایا۔ معلوم ہوا کہ غسل جمعہ واجب نہیں ورنہ حضرت عمر اور دیگر حاضرین جمہور صحابہ اس پر سکوت نہ فرماتے۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ اس مسئلہ میں اکثر مصنفین ابن خزیمہ، طبرانی، طحاوی، ابن حبان، ابن عبدالبر وغیرہ نے اسی پر اعتماد کیا ہے۔

(۲) حدیث عائشہ۔ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لو انکم تطہرتم لیومکم ہذا (صحیحین، ابوداؤد) اس حدیث کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ غسل جمعہ واجب نہیں کیونکہ اس کا مطلب یہی ہے کہ اگر تم اس دن غسل کر لیا کرو تو بہت اچھا ہو۔

(۳) حدیث سمرہ بن جندب۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من توضأ یوم الجمعۃ فبہا ونعمت ومن اغتسل فہو افضل (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، احمد، بیہقی، ابن ابی شیبہ، ابن خزیمہ، ابن حبان، طبرانی)

یہ حدیث حضرت سمرہ بن جندب کے علاوہ چند صحابہ سے مروی ہے، چنانچہ ابن ماجہ، طحاوی، بزار، طبرانی نے حضرت انس سے اور بیہقی، بزار نے حضرت ابو سعید خدری سے اور بزار، ابن عدی نے حضرت ابو ہریرہ سے اور عبد بن حمید، عبدالرزاق، ابن عدی نے حضرت جابر سے اور طبرانی، عقیلی نے حضرت عبدالرحمن بن سمرہ سے اور حافظ بیہقی نے حضرت ابن عباس سے یہی مضمون روایت کیا ہے۔

علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں بیان واضح ہے کہ جمعہ کے لئے وضو کر لینا کافی ہے اور غسل کرنا فضیلت ہے فریضہ نہیں ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس پر دال ہے کہ جمعہ کے روز غسل کرنے میں فضیلت ہے اور واجب نہیں ہے۔ جن احادیث سے وجوب مفہوم ہوتا ہے جمہور کی جانب سے اس کے جواب کے دو طریقے ہیں، اول یہ کہ جن احادیث میں حکم غسل بصیغہ امر ہے

۲۳۹

ان میں امر استحباب پر محمول ہے نہ کہ وجوب پر اور جن احادیث میں لفظ واجب ہے اس سے مراد وجوب اختیار و استحباب ہے نہ کہ وجوب فرض۔ حضرت عائشہ کی حدیث لو انکم تطہرتم لیومکم ہذا۔ اور حضرت عمر فاروق کا حضرت عثمان کو غسل کا حکم نہ کرنا اور جماعت صحابہ کا اس پر خاموش رہنا دلیل نہ کہ وہ کا صحت کا واضح ثبوت ہے۔ نمبر (۳) حضرت ابن عباس سے عکرمہ روایت کرتے ہیں کہ عراقی لوگوں نے حضرت ابن عباس سے دریافت کیا کہ کیا آپ جمعہ کے روز نہانے کو واجب سمجھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں لیکن میں نہیں سمجھتا بلکہ غسل کر لینا بہتر ہے اور غسل نہ کرے اس پر واجب نہیں اور میں تم کو اس کا منشا بتاتا ہوں کہ غسل جمعہ بتدا کیسے ہوئی۔ بات یہ ہے کہ شروع میں مسلمان تنگدست تھے اور وہ لباس میں کمبل استعمال کرتے، پیٹھوں پر بوجھ لادتے تھے۔ مسجد بھی تنگ تھی اس کی چھت بہت نیچی تھی تو ایک مرتبہ گرمی کے ایام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لئے تشریف لائے دیکھا کہ لوگوں کو کمبلوں میں پسینہ آ رہا ہے اور اس کی بدبو پھیل رہی ہے جس کی بنا پر ایک کو دوسرے سے تکلیف پہنچ رہی ہے۔ یہ دیکھ کر آپ نے ارشاد فرمایا، لوگو! جب یہ دن ہوا کرے تو غسل کر کے بہتر سے بہتر خوشبو اور تیل وغیرہ جو میسر ہو لگا لیا کرو۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ پھر حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو مالدار کر دیا اور یہ تمام چیزیں جو تکلیف دہ تھیں جاتی رہیں اس لئے اب غسل میں اختیار ہے لیکن غسل کر لینا بہتر اور افضل ہے۔

اس حدیث کو صاحب کتاب نے باب الرخصۃ فی ترک الغسل یوم الجمعۃ کے ذیل میں اور حاکم نے مستدرک میں اور حافظ بیہقی نے سنن میں روایت کیا ہے۔ طریق دوم یہ ہے کہ حکم وجوب غسل جمعہ حضرت سمرہ کی حدیث سے منسوخ ہے۔

(تنبیہ) ابن المنذر، خطابی اور صاحب ہدایہ وغیرہ نے امام مالک سے غسل جمعہ کا وجوب نقل کیا ہے لیکن ابن عبد البر مالکی نے استذکار میں لکھا ہے کہ میں نہیں جانتا کہ کسی نے غسل جمعہ کو واجب کہا ہو بجز فرقہ ظاہریہ کے۔ نیز خود امام مالک سے اس کے واجب ہونے کو دریافت کیا گیا آپ نے فرمایا کہ سنت اور بھلائی کی بات ہے۔ سائل نے کہا کہ حدیث میں تو اس کو واجب کہا گیا ہے۔ فرمایا، یہ ضروری نہیں کہ جو بات حدیث میں آئے وہ واجب ہی ہو۔ نیز اشہب کی روایت ہے کہ امام مالک نے غسل جمعہ کو حسن کہا ہے۔ قاضی شوکانی نے بھی امام مالک کا مشہور مذہب یہی بتایا ہے کہ واجب نہیں ہے۔ وقال القاضی عیاض لیس ذلک، ای الوجوب، بمعروف فی مذہبہ۔

قولہ قال ابوداؤد الخ[۱۵۳] یعنی اگر کوئی شخص جمعہ کے روز طلوع فجر کے بعد غسل کرے تو اس کو اس غسل سے غسل جمعہ کی فضیلت حاصل ہو جائے گی گو یہ غسل غسل جنابت ہی ہو گویا غسل جمعہ اور جنابت دونوں متداخل ہو جائیں گے۔ ابن المنذر کہتے ہیں کہ اکثر اہل علم سے یہی محفوظ ہے کہ جنابت اور جمعہ کے لئے ایک ہی غسل کافی ہے۔ ابن بطال نے حضرت ابن عمر، مجاہد، مکحول، ثوری، اوزاعی اور ابو ثور سے یہی نقل کیا ہے۔ اشہب اور مزنی کا بھی یہی قول ہے۔

عبد العزیز بن یحیی الحرانی قال نا محمد بن سلمۃ و حدثنا موسی بن اسماعیل نا حماد و ھذا حدیث محمد بن سلمۃ عن محمد بن اسحاق عن محمد بن ابراھیم عن ابی سلمۃ بن عبد الرحمن قال ابو داؤد قال یزید و عبد العزیز فی حدیثھما عن ابی سلمۃ بن عبد الرحمن و ابی امامۃ بن سھل عن ابی سعید الخدری و ابی ھریرۃ قالا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اغتسل یوم الجمعۃ و لبس من احسن ثیابہ و مس من طیب ان کان عندہ ثم اتی الجمعۃ فلم یتخط اعناق الناس ثم صلی ما کتب اللہ تعالی لہ ثم انصت اذا خرج امامہ حتی یفرغ من صلوتہ کانت کفارۃ لما بینھا و بین جمعتہ التی قبلھا قال و یقول ابو ھریرۃ و زیادۃ ثلاثۃ ایام و یقول ان الحسنۃ بعشر امثالھا، قال ابو داؤد و حدیث محمد بن سلمۃ اتم و لم یذکر حماد کلام ابی ھریرۃ

حل لغات

طیب خوشبو، فلم یتخط تخطیاً پھاند نا تجاوز کرنا، اعناق جمع عنق گردن، انصت خاموش رہا۔ **ترجمہ**

یزید بن خالد بن یزید بن عبد اللہ بن موہب رملی ہمدانی اور عبد العزیز بن یحیی حرانی نے بروایت محمد بن سلمہ اور موسی بن اسماعیل نے بروایت حماد، ان دونوں نے بروایت محمد بن اسحاق بطریق محمد بن ابراہیم بسند ابو سلمہ بن عبد الرحمن و ابو امامہ بن سہل حضرت ابو سعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جو شخص جمعہ کے روز غسل کرکے اپنے اچھے کپڑے پہن کر اور میسر ہو تو خوشبو لگا کر جمعہ کے لئے آئے اور لوگوں کی گردنوں کو نہ پھلانگے پھر جو اللہ نے اسکی قسمت میں لکھا ہے نماز پڑھے اور خطبہ کے لئے امام کے نکلنے سے لیکر نماز سے فارغ ہونے تک خاموش رہے تو یہ اس کے لئے گذشتہ جمعہ سے آئندہ جمعہ تک کے گناہوں کا کفارہ ہوگا۔ حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ تین دن کے گناہ اور معاف ہوں گے کیونکہ ایک نیکی کا ثواب دس گنا ہوتا ہے۔ ابو داؤد کہتے ہیں کہ محمد بن سلمہ کی حدیث اتم ہے اور حماد نے حضرت ابو ہریرہ کا کلام ذکر نہیں کیا۔ **تشریح**

قولہ قال ابو داؤد قال یزید الخ (۱۵۱) یعنی صاحب کتاب کے شیخ یزید بن خالد اور عبد العزیز بن یحیی نے حدیث کی سند میں ابو سلمہ کے ساتھ ابو امامہ بن سہل کو ذکر کرتے ہوئے یوں روایت کیا ہے عن ابی سلمۃ بن عبد الرحمن و ابی امامۃ بن سھل عن ابی سعید الخ لیکن شیخ موسی بن اسماعیل نے ابو امامہ کو ذکر نہیں کیا۔ . . . . ابو امامہ بن سہل بن حنیف انصاری کا نام اسعد یا سعد ہے یہ اکابر علماء انصار میں سے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ہی میں پیدا ہوئے لیکن بقول امام بخاری آپ سے کچھ سنا نہیں ابو حاتم اور ابن سعد وغیرہ نے انکو ثقہ مانا ہے۔

قولہ قال ابو داؤد و حدیث محمد الخ (۱۵۲) حدیث مذکور کو صاحب کتاب کے شیخ یزید بن خالد اور عبد العزیز بن یحیی نے محمد بن سلمہ سے روایت کیا ہے اور مذکورہ بالا الفاظ انہیں کی روایت کے ہیں۔ صاحب کتاب کے تیسرے شیخ موسی بن اسمٰعیل نے اس کو حماد سے روایت

کیا ہے صاحب کتاب ان دونوں کی روایت کے متعلق کہتے ہیں کہ حدیث حماد کی بہ نسبت حدیث محمد بن مسلمہ اتم ہے حماد کی روایت میں حضرت ابوہریرہ کا کلام "وزیادة ثلاثة ایام" ولیقول ان الختنہ بشر اشاہا" مذکور نہیں ہے۔

(۶۹) باب المنی یصیب الثوب

(۵۰۰) حدثنا موسی بن اسمعیل نا حماد بن سلمة عن حماد بن ابی سلیمان عن ابراھیم عن الاسود ان عائشة قالت کنت افرک المنی من ثوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیصلی فیہ قال ابو داؤد وافقہ مغیرة وابو معشر وواصل ورواہ الاعمش کما رواہ الحکم

ترجمہ

موسیٰ بن اسمٰعیل نے بروایت حماد بن سلمہ بسند حماد بن ابی سلیمان بواسطہ ابراہیم اسود سے روایت کیا ہے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی کھرچ ڈالتی پھر آپ اسی کپڑے میں نماز پڑھ لیتے تھے۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ مغیرہ، ابو معشر اور واصل نے حماد بن ابی سلیمان کی موافقت کی ہے اور اعمش نے اس حدیث کو حکم کی طرح روایت کیا ہے۔

تشریح

قولہ باب الخ۔ یعنی منی ناپاک ہے کہ اگر کپڑے کو لگ جائے تو اس کی تطہیر ضروری ہو یا پاک ہے کہ منی سے آلودہ کپڑے کا پاک کرنا ضروری نہ ہو۔ سو امام طحاوی اور علامہ نووی وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ اس سلسلہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ، امام مالک، اوزاعی، ثوری، لیث بن سعد اور حسن بن حیی کے یہاں منی ناپاک ہے۔ امام احمد سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ البتہ احناف و مالکیہ کے یہاں اتنا فرق ہے کہ ان حضرات کے یہاں دھونے کے علاوہ طہارت کا اور کوئی طریقہ نہیں ہے، منی خشک ہو یا تر۔ احناف کے یہاں اگر منی خشک ہو تو کھرچنے سے بھی طہارت حاصل ہو جاتی ہے۔ لیث بن سعد کہتے ہیں کہ منی ناپاک ہے لیکن اگر اس کے ساتھ نماز پڑھ لی گئی تو اعادہ کی ضرورت نہیں۔ حضرت حسن فرماتے ہیں کہ اگر منی سے آلودہ کپڑے میں نماز پڑھی گئی تو اعادہ کی ضرورت نہیں گو منی کافی مقدار میں لگی ہو اور اگر بدن پر منی لگی ہو تو اعادہ ضروری ہے گو منی کم ہو۔

شوافع، حنابلہ، اسحاق اور داؤد ظاہری کے یہاں انسان کی منی پاک ہے۔ امام نووی کہتے ہیں کہ حضرت علی، سعد بن ابی وقاص، ابن عمر اور حضرت عائشہ سے بھی یہی مروی ہے۔ بقول نووی شوافع کا ایک ضعیف و شاذ قول یہ ہے کہ مرد کی منی پاک اور عورت کی منی ناپاک ہے۔ اور اس سے زیادہ شاذ قول یہ ہے کہ دونوں کی منی ناپاک ہے۔

اسی طرح ان حضرات کے یہاں حیوانات میں بھی ماکول و غیر ماکول کی تقسیم ہے کہ غیر ماکول حیوانات میں سے کتے، خنزیر اور ان دونوں کے کسی ماکول جانور کے ساتھ میل کھانے کے نتیجہ میں جو نسل پیدا ہو اس کی منی نجس ہے۔ ان کے علاوہ دیگر جانوروں کی منی میں تین قول ہیں اصح یہ ہے کہ ان کی منی پاک ہے ماکول ہوں یا غیر ماکول۔ دوم یہ کہ ناپاک ہے۔ سوم یہ کہ ماکول کی منی پاک ہے اور غیر ماکول کی ناپاک ہے۔ عبارت

منی کے بارے میں شوافع و حنابلہ کے مختلف دلائل ہیں۔

(۱) حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "وھو الذی خلق من الماء بشرا" اس میں منی کو ماء سے تعبیر کیا گیا جس کا مقصد یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ دونوں چیزیں ایک ہیں۔ کیونکہ منی اور پانی میں کھلا فرق ہے۔ پس اس کا مقصد اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ ان دونوں کا حکم طہارت و نجاست کے باب میں ایک ہے اور وہ یہ کہ پانی کی طرح منی بھی پاک ہے۔

جواب یہ ہے کہ دوسری آیت "واللہ خلق کل دابۃ من ماء" میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ ہر جاندار کی تخلیق ماء سے ہوتی ہے اگر منی کو ماء سے تعبیر کرنا اس کی دلیل ہے تو پھر ہر جانور کی منی کو پاک کہنا چاہئے حالانکہ شوافع اس کے قائل نہیں۔

(۲) ابن ماجہ میں ہے کہ منی انبیاء علیہم السلام کی اصل ہے اور انبیاء علیہم السلام بالکل پاک اور مقدس ہیں اس لئے ان کی اصل میں جو بھی چیز ہو اس کو پاک ہونا چاہئے۔

جواب یہ ہے کہ علقہ اور مضغہ سے انسان کا تعلق نطفہ کے مقابلہ میں بہت قریبی ہے تو ان کو ضرور طاہر ماننا چاہئے حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔ نیز دم حیض سب ہی کی غذا ہے اور یہ ثابت نہیں کہ ان ایام میں انبیاء علیہم السلام کو حیض کے علاوہ کوئی اور غذا دی جاتی تھی تو کیا شوافع دم حیض کو بھی پاک کہیں گے؟

علاوہ ازیں نطفہ جس طرح انبیاء علیہم السلام کی اصل ہے اسی طرح فرعون وہامان، نمرود و شداد وغیرہ کی بھی اصل ہے۔ تو اگر انبیاء علیہم السلام کا مقدس ہونا منی کی طہارت کی دلیل ہے تو ان شیاطین کا سراپا شیطنت ہونا نجاست کا بیّن ثبوت ہے۔

۲۴۳

(۳) حضرت عائشہ کے متعدد بیانات ایسے ہیں کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے کو رگڑ رگڑ کر صاف کر دیا کرتی تھیں۔ ہمام بن حارث کی روایت ترمذی میں موجود ہے کہ یہ حضرت عائشہ کے یہاں مہمان ہوئے آپ نے زرد رنگ میں رنگی ہوئی چادر اوڑھنے کے لئے دی۔ ان کو نہانے کی ضرورت ہو گئی اور چادر پہ دھبے لگ گئے۔ آلودہ چادر واپس کرنے میں ان کو شرم دامنگیر ہوئی . . . . اس لئے انھوں نے اس کو دھو دیا۔ چادر کا رنگ چونکہ کچا تھا وہ کٹ گیا۔ اس پر حضرت عائشہ نے فرمایا: "لم افسد علینا ثوبنا" انھوں نے ہمارا کپڑا خراب کیوں کر دیا؟ پھر فرمایا: اس کو تو رگڑ دینا کافی تھا۔ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے کو رگڑ رگڑ کر صاف کر دیا کرتی تھی۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ اگر منی ناپاک ہوتی تو اس کا کھرچ دینا جائز نہ ہوتا بلکہ دوسری ناپاک چیزوں کی طرح اس کا دھونا بھی ضروری تھا۔

جواب یہ ہے کہ اگر منی پاک ہوتی تو نہ پھر اس کے دھونے کی ضرورت تھی نہ کھرچنے کی۔ بیان جواز کے لئے کم از کم عمر میں ایک بار تو ایسا ہونا چاہئے تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آلودہ کپڑے میں نماز ادا فرماتے۔ کیونکہ بیان جواز تو پیغمبر علیہ السلام کا وظیفہ ہے جس کو معمولی معمولی چیزوں میں بھی آپ نے اختیار فرمایا ہے۔ لیکن منی کی طہارت کے باب میں پوری عمر میں کبھی آپ سے اس کا ثبوت نہیں ملتا۔

حافظ ابن حجر نے اس کے نسبت میں مسلم کی روایت "لقد رایتنی افرکہ من ثوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

فیصلی فیہ: پیش کی ہے حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ مجھے خوب یاد ہے کہ میں آپ کے کپڑے سے منی کو کھرچ دیتی اور آپ اسی میں نماز ادا فرماتے۔ اس پر یہ سوال ہو سکتا ہے کہ ممکن ہے نماز سے پہلے پہلے حضرت عائشہ نے اس مفروک کپڑے کو دھو دیا ہو۔

حافظ اس کا جواب دیتے ہیں کہ روایت مذکورہ میں فاء تعقیب ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ فرک کے فوراً بعد نماز کا عمل ہوا اس درمیان میں اور کوئی عمل نہیں کیا گیا۔ پھر حافظ کہتے ہیں کہ اس سے زیادہ صریح روایت صحیح ابن خزیمہ میں ہے: "انہا کانت تحک المنی من ثوبہ صلی اللہ علیہ وسلم وہو یصلی"۔ یعنی حضرت عائشہ آپ کے کپڑے سے منی کو رگڑ کر صاف کر دیتی تھیں اور آپ نماز پڑھ رہے تھے۔

جواب یہ ہے کہ جب منی پاک ٹھہری تو پھر نماز جیسی اہم عبادت کے دوران اس غیر ضروری عمل کی جو بجز امکان خشوع وخضوع کے لئے قاطع یا نقصان دہ ہو سکتا ہے کیا ضرورت تھی۔ ہم حضرت عائشہ کے بارے میں ہرگز ایسا خیال نہیں کر سکتے کہ وہ آپ کی نماز کے دوران کوئی ایسا کام کریں جس میں الٹا ضرر تو ہو اور فائدہ کچھ نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ جس کپڑے کا فرک کر چکی تھیں فرک کے بعد اس کا غسل بھی کر چکی تھیں اسی میں آپ نے نماز ادا فرمائی۔ اب اس روایت کا اور دوسری صحیح روایات کا مفہوم تقریباً ایک ہو گیا کہ اگر منی خشک ہو کر جسم ہو گئی ہو تو دھونے کی ضرورت نہیں بلکہ رگڑ دینا کافی ہے اور مفروک کپڑے میں نماز کا جواز احناف بھی مانتے ہیں۔

رہا فاء تعقیبیہ کا مسئلہ سو فاء واقعی تعقیب کے لیے آتی ہے لیکن ہر چیز کی تعقیب کی مدت اس کے مناسب حال ہوتی ہے کہا جاتا ہے "تزوج فلان فولد لہ" فلاں نے شادی کی پھر اس کے بچہ پیدا ہوا۔ یہاں فاء کا استعمال ہے حالانکہ نکاح اور بچہ کی پیدائش میں کئی ماہ کا فصل ہوتا ہے۔ پس ہو سکتا ہے کہ فوری طور پر فرک کر دیا گیا ہو اس کے بعد دھو دیا ہو اور نماز کا عمل بعد میں ہوا ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ فاء بمعنی ثم ہو جیسے آیت "ثم خلقنا النطفۃ علقۃ، فخلقنا العلقۃ مضغۃ فخلقنا المضغۃ عظاما فکسونا العظام لحما" تینوں جگہ فاء بمعنی ثم ہے۔ صحیح ابن خزیمہ میں دوسری جگہ "ثم یصلی فیہ" کے الفاظ وارد بھی ہیں۔ جو لوگ منی کو پاک کہتے ہیں ان کے مستدلات میں سے چند احادیث یہ ہیں۔

(۱) حدیث عائشہ۔ قالت کنت اغسل الجنابۃ من ثوب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیخرج الی الصلوٰۃ وان بقع الماء فی ثوبہ (صحیحین) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں آپ کے کپڑوں سے منی کو دھو دیتی تھی اور آپ ایسی حالت میں نماز کے لئے نکلتے تھے کہ آپ کے کپڑوں پر پانی کے دھبے ہوتے تھے۔

اصل رنگ کے خلاف جو بھی صورت ہو وہ بقعہ ہے۔ اگر گیلا ہے اور وہ الگ ممتاز معلوم ہو رہا ہے وہ بھی بقعہ ہے اور سوکھ گیا ہو تو اس جگہ سے زیادہ صاف ہونے کی وجہ سے ممتاز ہو گیا اس لئے وہ بھی بقعہ ہے۔

اس حدیث میں لفظ کنت سے معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت عائشہ کا استمراری عمل پیغمبر علیہ السلام

۔۔۔۔ کے کپڑوں کے ساتھ ہی تھا ۔ پھر اغسل مضارع کا صیغہ ہے جس کا حاصل استمرار و دوام ہے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہؓ کا عمل صرف دھونے کا رہا ہے ۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ تو حضرت عائشہ کے فعل کی حکایت ہے جس سے کسی چیز کا وجوب ثابت نہیں کیا جا سکتا جواب یہ ہے کہ یہ مذہب پرستی ہے ورنہ کیا حافظ کہہ سکتے ہیں کہ ایک مرتبہ بھی کسی عمل کو ترک کئے بغیر ساری عمر کی مواظبت اور ہمیشگی وجوب کی دلیل نہیں ہے ؟ علاوہ ازیں حضرت عائشہ جو کچھ کرتی تھیں وہ آپ کے علم و دانست سے باہر نہیں ہوتا تھا اس لئے آپ اس کو برقرار رکھتے تھے ۔

(۲) حدیث عمار ۔ قال مر بی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وانا اسقی راحلتی فی رکوۃ اذ تنخمت ، فاصابت نخامتی ثوبی فاقبلت اغسلہا فقال : یا عمار ! ما نخامتک ولا دموعک الا بمنزلۃ الماء الذی فی رکوتک ، انما یغسل الثوب من خمس من البول والغائط والمنی والدم والقیء (دار قطنی ابن عدی)

حضرت عمار کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس سے گذرے میں اپنی سواری کو ایک برتن میں پانی پلا رہا تھا اسی درمیان میں نے تاک جھاڑی تو ریزش میرے کپڑے پر گر گئی میں اس کو دھونے لگا تو آپ نے فرمایا عمار ! ناک کی ریزش اور آنسو ایسے ہی ہیں جیسے اس برتن کا پانی ۔ اور کپڑا تو پانچ چیزوں کی وجہ سے دھونا چاہئے یعنی پیشاب ، پاخانہ ، منی ، خون اور قئی سے ۔

حافظ دار قطنی کہتے ہیں کہ اس کا راوی ثابت بن حماد ضعیف ہے اور اس کو متہم بالکذب کہا گیا ہے ۔ جواب یہ ہے کہ جہاں بعض نے اس کی تضعیف کی ہے وہیں بزار نے اس کی توثیق بھی کی ہے ۔ شیخ علاء الدین فرماتے ہیں کہ تفتیش تام کے بعد بھی معلوم ہوا کہ بیہقی کے علاوہ کسی نے اس کو متہم بالوضع نہیں کہا ، بلکہ خود بیہقی نے کتاب المعرفۃ میں اس حدیث کو ذکر کیا ہے اور اسکو منسوب بالوضع نہیں کیا ۔

حافظ بیہقی کہتے ہیں کہ اس کا راوی علی بن زید لائق حجت نہیں ۔ جواب یہ ہے کہ ترمذی کے نزدیک یہ راوی صدوق ہے اور موصوف نے اس کی کئی حدیثوں کو حسن کہا ہے ۔ عجلی بھی اس میں کوئی مضائقہ نہیں بتاتے بلکہ امام مسلم نے دوسروں کے ساتھ ملا کر ان سے روایت کی ہے حاکم بھی ان سے روایت کرتے ہیں ۔ امام احمد نے تو مسند میں ان سے کئی روایتیں کی ہیں ۔ علاوہ ازیں طبرانی نے معجم کبیر میں اس روایت کو ابراہیم بن زکریا عجلی کی متابعت سے بھی بیان کیا ہے ۔

اس سلسلہ میں بہت سے آثار بھی جو ابن ابی شیبہ نے حضرت عمر سے اور امام طحاوی وغیرہ نے حضرت عمر ، ابوہریرہ ، جابر بن سمرہ وغیرہ حضرات سے روایت کئے ہیں جن میں ان حضرات کا منی کو دھونا اور دھونے کا حکم دینا مذکور ہے ۔ حتی کہ حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ جب جگہ معلوم نہ ہو کہ منی کس طرف لگی ہوئی ہے تو کل کپڑے کو دھونا چاہئے ۔ اس سے معلوم ہوا کہ منی ناپاک ہے ۔

قولہ قال ابوداؤد الخ (۱۵۵) اس کا حاصل یہ ہے کہ ابراہیم نخعی کے شاگردوں میں سے حکم بن عتیبہ نے اس حدیث کو عن ابراہیم عن ہمام بن الحارث عن عائشہ روایت کیا ہے اور حماد بن ابی سلیمان نے عن ابراہیم عن الاسود عن عائشہ روایت کیا ہے پھر مغیرہ بن مقسم ابو معشر اور واصل نے حماد بن ابی سلیمان کی موافقت کی ہے اور اعمش نے حکم بن عتیبہ کی اور یہ سب رواۃ حفاظ و ثقات ہیں اس لئے ان کا یہ اختلاف قادح حدیث نہیں ہے مغیرہ کی حدیث مسلم نے، اعمش کی حدیث امام طحاوی و ترمذی نے روایت کی ہے:۔

(۸۰) باب بول الصبی یصیب الثوب

(۱۳۱) حدثنا مجاھد بن موسی وعباس بن عبد العظیم المعنی قالا نا عبد الرحمن بن مھدی حدثنی یحیی بن الولید حدثنی محل بن خلیفۃ حدثنی ابو السمح قال کنت اخدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم فکان اذا اراد ان یغتسل قال ولنی قفاک قال فاولیہ قفای فاسترہ بہ فاتی بحسن او حسین رضی اللہ عنھما فبال علی صدرہ فجئت اغسلہ فقال یغسل من بول الجاریۃ ویرش من بول الغلام قال عباس حدثنا یحیی بن الولید، قال ابو داؤد وھو ابو الزعراء وقال ھارون بن تمیم عن الحسن قال الابوال کلھا سواء

حل لغات

بول پیشاب۔ صبی جوہری نے ذکر کیا ہے کہ صبی لڑکے کو کہتے ہیں اس کی جمع صبیہ اور صبیان ہے۔ ابن سیدہ نے ثابت سے نقل کیا ہے کہ دودھ پیتے بچے کو صبی کہتے ہیں۔ لسان العرب میں ہے کہ پیدائش سے لے کر دودھ چھڑانے تک بچہ کو صبی کہتے ہیں۔ منتخب میں ہے کہ اول پیدائش میں بچہ کو ولید طفل اور صبی کہتے ہیں بعض ائمہ لغت نے ذکر کیا ہے کہ بچہ جب تک شکم مادر میں ہو اس کو جنین کہتے ہیں اور جب پیدا ہو جائے تو دودھ پینے کے زمانہ تک اس کو صبی کہتے ہیں اور جب دودھ چھڑا دیا جائے تو سات سال تک کی عمر والے کو غلام کہتے ہیں (ذکرہ العلامۃ العینی) یصیب اصابۃ پہنچنا، اخدم دن، خدمۃ خدمت کرنا۔ ولنی تولیۃ سے امر حاضر ہے بمعنی انصراف قال تعالیٰ ثم ولیتم مدبرین۔ معنی قولہ ولنی، ای اصرف عنی وجہک، وقولہ، فاولیہ مضارع متکلم ہے۔ قفا یعنی پشت، صدر سینہ، جاریہ لڑکی، یرش (ن) رشا چھڑکنا، ابوال جمع بول۔ ترجمہ

مجاہد بن موسیٰ اور عباس بن عبد العظیم نے بطریق عبد الرحمٰن بن مہدی بسند یحییٰ بن الولید بحدیث محل بن خلیفہ حضرت ابو السمح سے روایت کیا ہے کہ میں سرکار کی خدمت کیا کرتا تھا۔ جب غسل کا قصد کرتے تو مجھ سے فرماتے کہ پیٹھ موڑ کر کھڑا ہو جا میں پیٹھ موڑ کر کھڑا ہو جاتا اور آڑ کئے رہتا۔ ایک بار حضرت حسن یا حسین آگئے اور آپ کے سینہ مبارک پر پیشاب کر دیا میں دھونے کے لئے آیا تو آپ نے فرمایا: لڑکی کا

پیشاب دھونا چاہیے اور لڑکے کے پیشاب پر پانی چھڑک دینا چاہیے۔ عباس نے کہا ہم سے یحییٰ بن ولید نے حدیث بیان کی۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ یہ ابوالزعراء ہیں۔ ہارون بن تمیم نے حسن سے نقل کیا ہے کہ پیشاب سب برابر ہیں۔ **تشریح**

قولہ باب الخ۔ بچوں کے پیشاب کا کیا حکم ہے پاک ہے یا ناپاک؟ اور ناپاک ہے تو اس کی تطہیر کا کیا طریقہ ہے؟ اس سلسلہ میں تقریباً تمام ائمہ و فقہاء کا اتفاق ہے کہ پیشاب بچے کا ہو یا بچی کا، دونوں ہی کا ناپاک ہے۔ البتہ بچے کے پیشاب میں بچی کے پیشاب کے مقابلہ پر طریق تطہیر میں تخفیف رکھی گئی ہے۔ بچی اگر پیشاب کردے تو غسل کی ضرورت ہوگی اور اس کو مل مل کر دھویا جائے گا لیکن بچے کے پیشاب میں (اگر وہ غذا نہ کھاتا ہو) دھار دینا ہی کافی ہے ملنے کی ضرورت نہیں۔

فرق کی اصل وجہ یہ ہے کہ لڑکے کے مزاج میں حرارت غالب ہونے کی وجہ سے لطافت ہوتی ہے تو اس کے پیشاب میں بھی لطافت ہوگی اور صرف دھار دینے سے اس کے اجزاء کپڑے سے نکل جائیں گے اور لڑکی کے مزاج میں برودت غالب ہونے کی وجہ سے اس کے پیشاب میں کثافت، لزوجت اور غلظت ہوگی اور صرف دھار دینے سے ازالہ نہ ہوگا۔

ان دونوں کے پیشاب کے طریق تطہیر میں فرق کے قائل حضرت علی، عطاء بن ابی رباح، حسن بصری، احمد، اسحاق بن راہویہ، ابن وہب، اصحاب حدیث اور سلف کی ایک جماعت ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ لڑکے کا پیشاب ناپاک نہیں ہے۔ ناپاک ہے مگر طریق تطہیر میں تخفیف ہے (تنقیح) اور الحسن بن النعمان اور قاضی عیاض نے امام شافعی کی طرف منسوب کیا ہے کہ ان کے یہاں لڑکے کا پیشاب پاک ہے لیکن امام نووی فرماتے ہیں کہ یہ نسبت غلط ہے ہمارا یہ مسلک نہیں ہے۔ خطابی کہتے ہیں کہ جن لوگوں کے نزدیک لڑکے کے پیشاب میں نضح (چھڑکنا) کافی سمجھا گیا ہے ان کے نزدیک لڑکے کا پیشاب پاک نہیں ناپاک ہی ہے۔

نووی کہتے ہیں کہ اس باب میں ہمارے یہاں تین قول ہیں (۱) لڑکے کے پیشاب میں پانی کا چھڑک دینا کافی ہے اور لڑکی کے پیشاب کو دوسری نجاستوں کی طرح دھویا جائے گا صحیح اور مختار قول یہی ہے (۲) دونوں کے پیشاب میں پانی کا چھڑک دینا کافی ہے (۳) چھڑکنا کسی میں بھی کافی نہیں، صاحب تتمہ نے آخر کے دونوں قولوں کو نقل کیا ہے لیکن یہ دونوں قول شاذ اور ضعیف ہیں۔

قولہ ویرش من بول الغلام الخ۔ لڑکے کے پیشاب کو دھونے کی بابت روایات میں بڑا تنوع ہے مختلف الفاظ استعمال کئے گئے ہیں شیخین، امام مالک، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، طحاوی، دارمی، احمد، ابن خزیمہ، حاکم اور بیہقی کی روایت میں نضح، امام مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، بزار، ابن خزیمہ اور حاکم کی روایت میں رش کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ بخاری کی روایت میں اتباع کا لفظ بھی ہے نیز کسی جگہ صب کی تعبیر اختیار کی گئی ہے اور کہیں لم یغسلہ غسلاً وارد ہوا ہے۔ ان پانچ تعبیرات میں سے تین تعبیریں صراحت کے ساتھ ہمارے مسلک کو ثابت کرتی ہیں۔

صب کے معنی بہانے کے ہیں اتباع الماء کے معنی دھار دینے کے ہیں اور لم یغسلہ غسلاً کا ترجمہ یہ ہے کہ دھویا تو ضرور لیکن اس طرح نہیں دھویا جیسے دوسری نجاستیں مبالغہ کے ساتھ دھوئی جاتی ہیں۔

اب دو الفاظ رہ جاتے ہیں ایک نضح اور دوسرے رش، نضح کا لفظ مشترک ہے، جوہری، فیروز آبادی، ابن الاثیر، صاحب مصباح اور صاحب لسان العرب وغیرہ نے اس کے چند معانی ذکر کئے ہیں اول پانی چھڑکنا دوم غسل یعنی دھونا، دم حیض کو دھونے کے سلسلہ میں یہی لفظ آیا ہے، بخاری میں حضرت اسماء کی روایت کے الفاظ ہیں "تحتہ ثم تقرصہ بالماء ثم تنضحہ ثم تصلی فیہ" اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے "وتنضح الدم عن جبینہ" ان میں بالاتفاق لفظ نضح سے دھونا ہی مراد ہے۔ پس یہ لفظ بھی ان حضرات کے لئے نص صریح نہیں ہو سکتا جو بول صبی کو کسی درجہ میں طاہر مانتے ہیں۔ اب صرف لفظ رش رہ گیا جس کے معنی چھڑکنے کے ہیں، لیکن یہ لفظ بھی دھونے کے معنی میں آیا ہے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وضوء کی حکایت میں آتا ہے۔

"فرش علی رجلہ الیمنی حتی غسلہا" نیز دم حیض کو دھونے کے سلسلہ میں ترمذی کی روایت ہے "حتیہ ثم اقرصیہ ثم رشیہ ثم صلی فیہ" ان میں صریح طور پر دھونا مراد ہے، معلوم ہوا کہ ان تعبیرات میں سے کسی تعبیر میں بھی عدم غسل کی گنجائش نہیں ہے البتہ بعض روایات میں لفظ لم یغسل ہے جس کے معنی ہیں کہ دھویا نہیں لیکن امام مسلم کی روایت میں لم یغسلہ غسلا آیا ہے اور غسلا مفعول مطلق ہے جو تاکید کے لئے آتا ہے تو اب لم یغسلہ غسلا میں اصل فعل یعنی غسل کی نفی نہیں ہوگی بلکہ صرف تاکید کی نفی ہوگی اور مطلب یہ ہوگا کہ اس طرح نہیں دھویا جس طرح دوسری نجاستوں کو مبالغہ کے ساتھ دھویا جاتا ہے۔

(۱۰۶)

۲۴۸ **قولہ قال ابوداؤد وہذا** | یعنی یحیی بن الولید کی کنیت ابو الزعراء ہے اور ہارون بن تمیم نے حضرت حسن بصری کا قول نقل کیا ہے کہ بچے اور بچی صغیر و کبیر سب کا پیشاب برابر ہے یعنی ناپاک ہے۔ شیخ نے بذل میں لکھا ہے کہ میں نے تتبع کے باوجود کتب حدیث میں حضرت حسن کی اس تعلیق کو نہیں پایا۔ صاحب عون نے بھی یہی کہا ہے۔ اس کے بعد لکھا ہے۔ ثم اخرج الطحاوی عن حمید عن الحسن انہ قال بول الجاریۃ یغسل غسلا وبول الغلام یتتبع بالماء۔

(۱۰) باب الارض یصیبہا البول

(۱۰۷) حدثنا موسی بن اسمعیل نا جریر یعنی ابن حازم قال سمعت عبد الملک یعنی ابن عمیر یحدث عن عبد اللہ بن معقل بن مقرن قال صلی اعرابی مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم بہذہ القصۃ قال فیہ وقال یعنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم خذوا ما بال علیہ من التراب فالقوہ واہریقوا علی مکانہ ماء قال ابو داؤد وہو مرسل ابن معقل لم یدرک النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ترجمہ

موسیٰ بن اسمٰعیل نے بروایت جریر بن حازم بسماع عبد الملک بن عمیر، عبد اللہ بن معقل بن مقرن سے

روایت کیا ہے کہ ایک اعرابی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی پھر پورا قصہ بیان کیا۔ اس حدیث میں یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس جگہ اس نے پیشاب کیا ہے وہاں کی مٹی اٹھا کر پھینک دو اور اس جگہ پانی بہا دو۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ یہ روایت مرسل ہے۔ کیونکہ ابن معقل نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں پایا۔ — **تشریح**

قولہ باب الخ۔ اگر زمین پر نجاست لگ جائے پھر اس کا اثر زائل ہو جائے تو احناف کے یہاں وہ (نماز کے لئے) پاک ہو جاتی ہے خواہ ازالۂ اثر پانی کے ذریعہ سے ہو یا دھوپ، آگ اور ہوا وغیرہ کے ذریعہ سے خشک ہونے کی صورت میں ہو۔ امام شافعی کا ایک قول اور شوافع میں سے نووی کی رائے ہمارے موافق ہے۔ حضرت ابوقلابہ سے بھی یہی مروی ہے۔ ذکاۃ قال جفوف الارض طہورہا۔ زمین کی پاکی اس کا خشک ہو جانا ہے۔

امام شافعی اور امام احمد کے یہاں پانی کے بغیر زمین پاک نہیں ہوتی ان کی دلیل یہی حدیث اعرابی ہے جس میں اس کے پیشاب پر پانی کا ڈول ڈالنے کا حکم ہے۔ حافظ کہتے ہیں کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نجاست زائل کرنے کے لئے پانی کا استعمال ہی ناگزیر ہے اس لئے کہ اگر ہوا یا دھوپ سے خشک ہونے پر بھی پاکی حاصل ہو سکتی تھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پانی کا ڈول منگانے اور اس پر بہانے کا حکم دینے کی ضرورت نہ تھی بلکہ آپ فرما دیتے کہ چھوڑ دو سوکھنے کے بعد خود ہی پاک ہو جائے گی۔

جواب یہ ہے کہ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ زمین کی پاکی کا طریقہ صرف پانی بہانے ہی میں منحصر ہے کیونکہ ابن ابی شیبہ نے ابوجعفر محمد بن علی سے "زکاۃ الارض یبسہا" اور ابن الحنفیہ و ابوقلابہ سے "اذا جفت الارض فقد زکت" اور عبدالرزاق نے ابوقلابہ سے "جفوف الارض طہورہا" کے الفاظ روایت کئے ہیں۔

والموطأ المرصوع میں ہے کہ حضرت عائشہ سے بھی "زکاۃ الارض یبسہا" الفاظ مروی ہیں۔ نیز زمین کی تطہیر کا ایک طریقہ اس کو کھودنا اعرابی کی اسی حدیث میں اسی واقعہ سے متعلق دو مسند طریقوں سے حافظ دارقطنی نے اور دو مرسل طریقوں سے دارقطنی اور صاحب کتاب نے روایت کیا ہے معلوم ہوا کہ زمین کی طہارت کا طریقہ صرف پانی بہانے ہی میں منحصر نہیں علاوہ ازیں خود صاحب کتاب نے اس کے بعد باب طہور الارض اذا یبست کے ذیل میں حضرت ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ ہم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں شب کو مسجد میں سوتے تھے اور میں غیر شادی شدہ نوجوان تھا۔ مسجد میں کتے آکر پیشاب کر جاتے لیکن صحابہ اس پر پانی نہیں چھڑکتے تھے۔ پس اگر زمین کا پاک ہونا خشک ہونے کے لحاظ سے معتبر نہ مانا جائے تو اس کو ناپاک چھوڑ دینا لازم آئے گا جو تطہیر مسجد کے بالکل خلاف ہے۔

قولہ قال ابوداؤد الخ (۱۰۷) یعنی عبداللہ بن مغفل کی یہ حدیث مرسل ہے کیونکہ انھوں نے آپ کو نہیں پایا۔ حافظ ابن حجر تلخیص میں لکھتے ہیں کہ طریق مرسل صحت اسناد کیساتھ جب احادیث باب کے موافق اور ان کے ساتھ منضم ہو تو اس میں قوت آجاتی ہے پھر کہتے ہیں کہ یہ دو موصول سندوں کے ساتھ مروی ہے ایک حضرت ابن مسعود سے جس کو دارمی اور حافظ دارقطنی نے روایت کیا ہے اور ایک حضرت واثلہ بن الاسقع سے جس کو امام احمد اور حافظ طبرانی نے روایت کیا ہے۔

کتاب (۲) الصلوٰۃ

(۴۲) باب فی المواقیت

(۱۰۸) حدثنا مسدد نا یحیی عن سفیان حدثنی عبد الرحمن بن فلان بن ابی ربیعۃ، قال ابوداؤد وھو عبد الرحمن بن الحارث بن العیاش بن ابی ربیعۃ اھ

قولہ (۲) کتاب الصلوٰۃ الخ۔ صاحب کتاب بیان طہارت کے بعد کتاب الصلوٰۃ لا رہے ہیں اس واسطے کہ اصل مقصود تو نماز ہی ہے طہارت تو صرف ایک ذریعہ اور وسیلہ ہے۔ نماز اسلامی عبادت کی جان ہے اسی لئے قرآن پاک میں دعوت ایمان کے بعد اقامت صلوٰۃ کی تاکید کی گئی ہے اور حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ بین الایمان والکفر ترک الصلوٰۃ (مسلم) ملت اسلامیہ اور ملت مشرکہ کے درمیان فرق و امتیاز صرف نماز ہے۔

لغت کے اعتبار سے لفظ صلوٰۃ صلی سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں ٹیڑھی لکڑی کو آگ دکھا کر سیدھا کرنا۔ اسلام میں اہم ترین عبادت کو بھی صلوٰۃ اسی لحاظ سے کہا جاتا ہے کہ نفس کی اس کجی کو جو اسکی فطرت میں داخل ہے یہ عبادت دور کر دیتی ہے۔

امام نووی کہتے ہیں کہ لفظ صلوٰۃ کا صلی سے مشتق ہونا باطل ہے اس واسطے کہ لفظ صلوٰۃ میں لام کلمہ واؤ ہے کیونکہ اس کی جمع صلوات آتی ہے اور صلی میں لام کلمہ یاء ہے تو حروف اصلیہ کے اختلاف کے باوجود یہ اشتقاق کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔

جواب یہ ہے کہ اتفاق حروف اصلیہ کی شرط اشتقاق صغیر میں ہے نہ کہ اشتقاق کبیر و اکبر میں۔ بہر کیف اشتقاق مذکور صحیح ہے اور صلوٰۃ کے یہ معنی مضمون آیت " ان الصلوٰۃ تنہی عن الفحشاء والمنکر" کے بہت مناسب ہیں۔

پھر یہ لفظ مختلف معنی میں استعمال ہوتا ہے اول دعاء، قال تعالیٰ: وصلّ علیهم ای ادع لهم وفی الحدیث وان کان صائماً فلیصل ای فلیدع لهم بالخیر والبرکة وقال الاعشیٰ ؎

علیک مثل الذی صلیت فاغتمضی، عینا فان لجنب المرء مضطجعا

دوم رحمت قال تعالیٰ: اولٰئک علیهم صلوات من ربهم۔ ای رحمة، قال المتنبی ؎

صلاة الله خالقنا حنوط، علی الوجه المکفن بالجمال

سوم ثناء، قال تعالیٰ: ان الله وملٰئکته یصلون علی النبی: قیل ہی ثناء۔ چہارم قرأت قال تعالیٰ: ولا تجہر بصلوتک: ای بقراءتک۔ پنجم تقرب، یعنی قولهم شاة مصلیة۔ ای قربت الی النار۔ ششم لزوم، قاله الزجاج۔ قال الشاعر ؎

لم اکن من جناتها علم الله وانی بحرها الیوم صالی

پس یہ عبادت ایک پہلو سے حرارت ہے تو دوسرے پہلو سے دعا، و رحمت ہے کہ اس کی وہ حرارت جو دنیا میں نفس پر شاق گذرتی ہے آخرت میں وہ رحمت کی شکل اختیار کرلیتی ہے۔ شریعت میں ارکان مخصوصہ و افعال مخصوصہ کا نام صلوٰۃ ہے۔ قاله الاکمل والعینی وغیرہما۔

قولہ باب فی المواقیت الخ نماز جو چوبیس گھنٹے میں پانچ مرتبہ ادا کی جاتی ہے تو اوقات خمسہ کی تعیین ضروری ہے نیز وجوب ادائیگی نماز کے لئے وقت سبب ہے اور سبب شئی شئی سے پہلے ہوتا ہے اس لئے صاحب کتاب پہلے ان احادیث کی تخریج کر رہے ہیں جو اوقات خمس کی ابتداء وانتہاء کی تفصیلات پر مشتمل ہیں۔

مواقیت میقات بروزن مفعال کی جمع ہے اور وقت الشئی لغتہ سے مشتق ہے کسی چیز کی حد بیان کرنے کو کہتے ہیں خواہ زمانہ ہو جیسے اوقات نماز یا مکان اور جگہ ہو جیسے میقات حج وقال الصغانی المیقات ہو الوقت المضروب للفعل والموضع۔ قرآن پاک میں اوقات صلوٰۃ کے متعلق اجمالی طور پر حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا: یعنی نماز ایک وقت معین میں فرض ہے کہ سفر و حضر، اطمینان و خوف ہر حالت میں اسی وقت ادا کرنا ضروری ہے۔ یہ نہیں کہ جب چاہو پڑھ لو۔ اور اوقات خمسہ کا تذکرہ اس آیت میں موجود ہے: فسبحان الله حین تمسون (المغرب والعشاء)، وحین تصبحون (الفجر)، وله الحمد فی السمٰوٰت والارض وعشیا (العصر)، وحین تظہرون (الظہر)، اس سلسلہ میں مفصل گفتگو اگلی حدیث کے ذیل میں ہوگی ان شاء الله

قولہ قال ابوداؤد الخ اس کا مقصد صرف سفیان ثوری کے شیخ عبدالرحمٰن بن فلاں کا تعارف ہے کہ یہ عبدالرحمٰن بن الحارث بن العیاش بن ابی ربیعہ ہے۔ اس کی کنیت ابوالحارث ہے اور اس کے پردادا ابو ربیعہ کا نام عمرو ہے۔ اوپر کا سلسلۂ نسب یوں ہے۔ ابوربیعہ عمرو بن المغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم۔

۲۵۱

ابو حاتم، ابن سعد، عجلی اور ابن حبان نے اس کو ثقہ مانا ہے لیکن امام نسائی، ابن المدینی اور امام احمد نے اس کی تضعیف کی ہے۔

۳۹۴۔ حدثنا محمد بن سلمة المرادي نا ابن وهب عن أسامة بن زيد الليثي أن ابن شهاب أخبره أن عمر بن عبد العزيز كان قاعدا على المنبر فأخر العصر شيئا فقال له عروة بن الزبير أما إن جبريل عليه السلام قد أخبر محمدا صلى الله عليه وسلم بوقت الصلاة فقال له عمر اعلم ما تقول فقال عروة سمعت بشير بن أبي مسعود يقول سمعت أبا مسعود الأنصاري يقول سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول نزل جبريل فأخبرني بوقت الصلاة فصليت معه ثم صليت معه ثم صليت معه ثم صليت معه ثم صليت معه يحسب بأصابعه خمس صلوات فرأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم صلى الظهر حين تزول الشمس وربما أخرها حين يشتد الحر ورأيته يصلي العصر والشمس مرتفعة بيضاء قبل أن تدخلها الصفرة فينصرف الرجل من الصلاة فيأتي ذا الحليفة قبل غروب الشمس ويصلي المغرب حين تسقط الشمس ويصلي العشاء حين يسود الأفق وربما أخرها حتى يجتمع الناس وصلى الصبح مرة بغلس ثم صلى مرة أخرى فأسفر بها ثم كانت صلاته بعد ذلك التغليس حتى مات ولم يعد إلى أن يسفر. قال أبو داود روى هذا الحديث عن الزهري معمر ومالك وابن عيينة وشعيب بن أبي حمزة والليث بن سعد وغيرهم لم يذكروا الوقت الذي صلى فيه ولم يفسروه وكذلك أيضا روى هشام بن عروة وحبيب بن أبي مرزوق عن عروة نحو رواية معمر وأصحابه إلا أن حبيبا لم يذكر بشيرا. قال أبو داود وروى وهب بن كيسان عن جابر عن النبي صلى الله عليه وسلم وقت المغرب قال ثم جاءه للمغرب حين غابت الشمس يعني من الغد وقتا واحدا. قال أبو داود وكذلك روي عن أبي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال ثم صلى بي المغرب يعني من الغد وقتا واحدا وكذلك روي عن عبد الله بن عمرو بن العاص من حديث حسان بن عطية عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده عن النبي صلى الله عليه وسلم

حل لغات

أما بالتخفیف حرف تنبیہ ہے۔ اعلم علم بمعنی دانست یا اعلام بمعنی اخبار سے امر حاضر ہے اور یہ بھی

احتمال ہے کہ اعلم بصیغہ متکلم ہو الا ان الاولیٰ ہو الصحیح۔ یحتسب بضم سین مع الیاء مضارع کا واحد غائب ہے اور فاعل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں بعض حضرات نے بجائے یاء کے نون کے ساتھ جمع متکلم مانا ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ اس صورت میں یہ قول کے فاعل سے حال ہے ای یقول ہو من ذلک القول ونحن نحسب بعقد اصابعہ۔ لیکن شیخ میرک فرماتے ہیں لکن صح فی اصل سماعنا من البخاری ومسلم والمشکاۃ یحسب بالتحتانیہ۔ خمس صلوۃ بقول شیخ ولی الدین صلیت کا مفعول ہے یا یحسب کا۔ بیضاء سفید، روشن۔ صفرۃ زردی۔ ذوالحلیفۃ۔ مدینہ سے چھ یا سات میل کے فاصلہ پر بنی جشم کا ایک چشمہ ہے۔ تسقط ای تغرب۔ افق آسمان کا کنارہ۔ غلس بقول ابن الاثیر آخر شب کی تاریکی جبکہ اس میں صبح کی کچھ روشنی آجائے۔ اسفر اسفار اصبح کا روشن ہونا فی القاموس سفر الصبح یسفر اضاء واشرق۔ ترجمہ

محمد بن سلمہ مرادی نے بروایت ابن وہب بطریق اسامہ بن زید لیثی بسند ابن شہاب حضرت عمر بن عبدالعزیز سے روایت کیا ہے کہ آپ مسجد میں منبر پر جلوہ افروز تھے۔ عصر کی نماز میں قدرے تاخیر ہو گئی تو حضرت عروہ بن الزبیر نے کہا تم کو معلوم نہیں حضرت جبرئیل نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کا وقت بتا دیا۔ حضرت عمر نے کہا سمجھ کر بولو۔ حضرت عروہ نے کہا میں نے بشیر بن ابی مسعود سے سنا ہے وہ کہتے تھے کہ میں نے ابومسعود انصاری سے سنا ہے وہ کہتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ حضرت جبرئیل نازل ہوئے اور انھوں نے مجھے نماز کے وقت سے باخبر کیا میں نے ان کے پیچھے نماز پڑھی پھر پڑھی پھر پڑھی پھر پڑھی پھر پڑھی اس طرح اپنی انگلیوں پر پانچ نمازوں کو شمار کیا۔ پھر میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے سورج ڈھلتے ہی ظہر کی نماز پڑھی اور گرمی کی شدت کے وقت تاخیر کے ساتھ پڑھی اور عصر کی نماز پڑھی اس حال میں کہ آفتاب بلند اور سفید تھا زردی بالکل نہ تھی۔ آدمی عصر کی نماز سے فارغ ہو کر سورج ڈوبنے سے پہلے ذوالحلیفہ میں پہنچ جاتا تھا۔ اور میں نے دیکھا کہ آپ سورج ڈوبتے ہی مغرب کی نماز ادا کرتے اور جب آسمان کے کناروں میں سیاہی آجاتی تو آپ عشاء کی نماز پڑھتے اور کبھی آپ لوگوں کے جمع ہونے کے لئے عشاء میں دیر کرتے تھے۔ اور فجر کی نماز آپ نے ایک بار اندھیرے میں پڑھی اور ایک بار روشنی میں پڑھی اس کے بعد آپ ہمیشہ اندھیرے میں پڑھتے رہے یہاں تک کہ آپ وفات فرما گئے اور کبھی روشنی میں نماز نہیں پڑھی۔

ابوداؤد کہتے ہیں کہ اس حدیث کو زہری سے معمر، مالک، ابن عیینہ، شعیب بن ابی حمزہ اور لیث بن سعد وغیرہ نے بھی روایت کیا ہے لیکن انہوں نے اس وقت کو ذکر نہیں کیا جس میں آپ نے نماز پڑھی اور نہ انھوں نے اس کی تفسیر کی اسی طریقہ سے ہشام بن عروہ اور حبیب بن ابی مرزوق نے عروہ سے روایت کیا ہے جس طرح معمر اور ان کے اصحاب نے روایت کیا ہے مگر حبیب نے بشیر کو ذکر نہیں کیا۔

ابوداؤد کہتے ہیں کہ وہب بن کیسان نے بواسطہ جابر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے وقت مغرب کو ذکر کیا ہے کہ حضرت جبرئیل دوسرے دن مغرب کے لئے غروب شمس کے بعد آئے یعنی دونوں دن ایک ہی وقت میں۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ اسی طرح حضرت ابوہریرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت

کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت جبرئیل نے مجھے دوسرے دن مغرب کی نماز ایک ہی وقت میں پڑھائی۔ اسی طرح عبداللہ بن عمرو بن العاص حدیث حسان بن عطیہ عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم روایت کرتے ہیں۔ تشریح

قولہ فاخر العصر شیئاً الخ۔ یعنی ایک مرتبہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے عصر کی نماز میں قدرے تاخیر کی اتنی کہ وقت مستحب نکل جانے کے قریب تھا اور تاخیر کی وجہ یہ ہوئی کہ آپ مصالح مسلمین میں مشغول تھے جیسا کہ حدیث کے الفاظ۔ کان قاعداً علی المنبر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ظاہر ہو رہا ہے۔ وفی الحول لعلہ اخرہ عن وقتہ المختار ویکون محل الانکار بناء علی طریق الاخبار۔

قولہ اعلم ما تقول الخ۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے عصر کی نماز میں تاخیر کی۔ حضرت عروہ بن الزبیر نے ان کو تنبیہ فرمائی کہ آپ کو معلوم نہیں حضرت جبرئیل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کس وقت سے باخبر کیا تھا۔ اس پر حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا عروہ! سوچ سمجھ کر بولو۔ کیونکہ آپ کو یہ شبہ ہوا کہ اوقات نماز تو حق تعالیٰ نے آپ کو بلا واسطہ شب معراج میں بتا دیئے تھے اس میں حضرت جبرئیل کا واسطہ کہاں۔ یا حضرت جبرئیل کی امامت میں شبہ ہوا کہ حضرت جبرئیل نے آپ کی امامت کیونکر کی جبکہ آپ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے رتبہ میں کم ہیں۔ یا اس روایت میں شبہ ہوا کیونکہ حضرت عروہ نے اس کو بلا سند بیان کیا تھا۔ اس پر حضرت عروہ نے اس حدیث کو سند کے ساتھ بیان کرنا شروع کر دیا۔

۲۵۴ **قولہ** سمعت ابا مسعود الخ۔ علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو پیش کرنے سے عروہ کا مقصد یہ ہے کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں سوچ سمجھ کر کہہ رہا ہوں اور سند کے ساتھ کہہ رہا ہوں کیونکہ میں نے بشیر بن ابی مسعود سے اور انھوں نے حضرت ابو مسعود سے اور انھوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے پس میں نماز کی کیفیت اور اس کے اوقات و ارکان سے بخوبی واقف ہوں۔

لیکن حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ظاہر یہی ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے بیان اوقات پر نکیر نہیں کی بلکہ امامت جبرئیل و اقتدار نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو مستبعد سمجھا تھا۔ امام مالک کی روایت کے الفاظ "وان جبرئیل امام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقت الصلوٰۃ" اسی پر دال ہیں۔

قولہ صلی الظہر الخ۔ ظہر کا ابتدائی وقت زوال الشمس کے بعد سے شروع ہو جاتا ہے جب سورج آسمان کے وسط سے ذرا مغرب کی طرف ڈھل آئے۔ حدیث جبرئیل سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔ مبسوط وغیرہ میں ہے کہ اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ ابن عبدالبر، صاحب مغنی، شوکانی، ابن رشد اور زرقانی وغیرہ نے بھی اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ البتہ بعض حضرات سے یہ منقول ہے کہ ظہر کا آغاز اس وقت سے ہوتا ہے جب سایہ بقدر شراک ہو جائے باب کی حدیث ابن عباس میں "حین کان قدر الشراک" کے الفاظ موجود بھی ہیں۔

جواب یہ ہے کہ اس میں فراغت نماز کا وقت مذکور ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ ظہر کا وقت ہی بقدر شراک سایہ ہو جانے کے بعد ہوتا ہے۔ کیونکہ دوسری روایات ابن عباس، جابر، عمرو بن

حزم ابریدہ، ابن عمرو، ابوہریرہ اور ابوموسیٰ اشعری جو صحاح وغیرہ میں مروی ہیں ان سب میں اول ظہر زوال آفتاب کے وقت مذکور ہے۔ آیت اقم الصلوٰۃ لدلوک الشمس کی صحیح تفسیر بھی زوال آفتاب کی ہے۔ بہرکیف ظہر کا ابتدائی وقت باتفاق فقہاء زوال شمس سے شروع ہو جاتا ہے۔

البتہ ظہر کے آخری وقت میں اختلاف ہے کہ آیا ایک مثل سایہ کے بعد ظہر کا وقت ختم ہو جاتا ہے یا نہیں؟ امام مالک، عبداللہ بن المبارک، اسحٰق بن راہویہ اور محمد بن جریر طبری کے نزدیک ایک مثل سایہ کے بعد عصر کا وقت تو داخل ہو جاتا ہے لیکن ظہر کا وقت بھی رہتا ہے۔ ان حضرات کا کہنا ہے کہ چار رکعات کے بقدر ایسا وقت رہتا ہے جس میں ظہر و عصر دونوں کی صلاحیت ہوتی ہے یہاں تک کہ اگر کوئی شخص اس وقت میں ظہر کی نماز پڑھے اور اسی وقت میں دوسرا شخص عصر کی پڑھے تو ان حضرات کے یہاں دونوں نمازوں کو ادا ہی کہا جائے گا۔

دلیل حدیث امامت جبرئیل ہے کہ آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک دن سایہ مثل کے وقت عصر کی نماز پڑھائی اور دوسرے دن اسی وقت میں ظہر کی نماز پڑھائی جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ چار رکعات کے بقدر وقت میں ظہر و عصر دونوں مشترک ہیں۔ لیکن اکثر علماء اشتراک کے قائل نہیں بلکہ ان کے یہاں جب عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے تو ظہر کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ صحیح مسلم کی مرفوع حدیث کے الفاظ ہیں: "وقت الظہر اذا زالت الشمس وکان ظل الرجل کطولہ ما لم یحضر العصر"

اور حدیث جبرئیل کا جواب یہ ہے کہ آپ دوسرے روز ظہر کی نماز سے اس وقت فارغ ہوئے جس وقت میں پہلے روز عصر کی نماز شروع کی تھی کیونکہ حدیث امامت جبرئیل کا مقصد اول و آخر وقت کی تحدید کرنا ہے نہ کہ بیان عدد رکعات اور نماز کے احکام و صفات۔

پھر ظہر کے آخر وقت میں اختلاف ہے۔ صاحبین، زفر، مالک، شافعی، احمد، سفیان ثوری اور امام صاحب کی ایک روایت کے مطابق ظہر کا آخری وقت ایک مثل سایہ تک رہتا ہے۔ در مختار وغیرہ میں امام صاحب کے اسی قول کو ترجیح دی گئی ہے لیکن ظاہر الروایہ یہ ہے کہ ظہر کا آخری وقت، سایہ اصلی کے علاوہ ہر چیز کا سایہ دو چند ہونے تک ہے۔

قولہ ویؤخر الظہر الخ. موسم گرما میں ظہر کی تاخیر مستحب ہے تاکہ دھوپ کی شدت اور حرارت میں خنکی پیدا ہو جائے حدیث کے الفاظ ویؤخرہا حین فیئہ الحرّ اسی پر دال ہیں۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "اذا اشتد الحر فابردوا عن الصلوٰۃ فان شدۃ الحر من فیح جہنم" جب گرمی شدید ہو تو ظہر کی نماز ٹھنڈے وقت میں پڑھو کیونکہ گرمی کی شدت دوزخ کی بھاپ سے ہوتی ہے (رواہ الستۃ عن ابی ہریرۃ، والطبرانی عن عبدالرحمٰن بن حارث وابی موسیٰ وعمرو بن عبسۃ وصفوان والحاکم الباہلی وابن مسعود والمغیرۃ بن شعبۃ)

بخاری میں حضرت انس کی حدیث ہے: "کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا اشتد البرد بکّر بالصلوٰۃ واذا اشتد الحر ابرد بالصلوٰۃ" جب سردی سخت ہوتی تو آپ جلدی نماز پڑھتے اور جب گرمی سخت ہوتی تو آپ ٹھنڈے وقت میں نماز پڑھتے۔

۲۵۶

اخراج صحیحین میں حضرت ابوذر کی حدیث ہے کہ ایک مرتبہ مؤذن نے ظہر کی اذان کہی آپ نے فرمایا ابرد ابرد۔ پھر ارشاد فرمایا: ان شدۃ الحر من فیح جہنم فاذا اشتد الحر فابردوا عن الصلوٰۃ:

امام شافعی کے یہاں ہر موسم میں تعجیل مستحب ہے۔ کیونکہ صحیح مسلم میں حضرت خباب بن الارت کی حدیث ہے۔ شکونا الی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم الصلوٰۃ فی الرمضاء فلم یشکنا: ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گرمی کی تیزی کی شکایت کی لیکن آپ نے قبول نہیں فرمائی۔ دوسری حدیث میں ہے کہ زہیر نے ابو اسحاق سے دریافت کیا: ظہر کی تعجیل کے متعلق؟ فرمایا: ہاں۔ نیز ترمذی میں حضرت ام سلمہ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تم سے زیادہ ظہر میں تعجیل فرماتے تھے اور تم لوگ عصر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ جلدی کرتے ہو۔ اسی طرح حضرت عائشہ کی حدیث ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر و عمر سے زیادہ عجلت کرنے والا کسی کو نہیں دیکھا۔

پہلی حدیث کا جواب یہ ہے کہ اول تو حدیث کے الفاظ فلم یشکنا کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ لم یحوجنا الی الشکوٰی بعد یعنی آپ نے اس کے بعد شکایت کا موقع نہیں دیا اور ظہر کی نماز میں تاخیر فرمانے لگے۔

دوسرے یہ کہ حدیث مغیرہ سے منسوخ ہے جس میں ہے کہ تعجیل و ابراد میں سے آپ کا آخری عمل ابراد رہا ہے۔ امام احمد وغیرہ نے اس کی تخریج کی ہے اور اس کی صحت کو ترجیح دی ہے۔

امام بخاری سے اس کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے اس کو محفوظ شمار کیا۔ حافظ بیہقی نے بھی اس کا منسوخ ہونا بیان کیا ہے۔ دوسری اور تیسری حدیث کا جواب یہ ہے کہ ان سے صرف تعجیل نکلتی ہے اور وہ بھی ہمیشگی کے طور پر نہیں نکلتی موسم سرما میں ہم بھی تعجیل کو مستحب مانتے ہیں۔

قولہ ویصلی العصر الخ۔ ظہر کے آخر وقت میں جو اختلاف ہے وہی عصر کے اول وقت میں ہے یعنی امام صاحب کے نزدیک العصر کا وقت دو مثل کے بعد ہوگا اور صاحبین، امام مالک، امام شافعی، امام احمد، اسحاق اور سفیان ثوری کے نزدیک ایک مثل کے بعد۔ امام صاحب سے بھی ایک روایت یہی ہے اور در مختار وغیرہ میں اسی کو ترجیح دی گئی ہے۔ حدیث کے الفاظ۔ فینصرف الرجل من الصلوٰۃ فیاتی ذا الحلیفۃ سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔

اور عصر کا آخری وقت جمہور کے نزدیک غروب آفتاب تک ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: من ادرک رکعۃ من قبل ان تغرب الشمس فقد... ادرکہا؟ امام شافعی کے اس میں دو قول ہیں ایک یہ کہ جب سایہ دو مثل ہو جائے تو عصر کا وقت ختم ہو جاتا ہے لیکن مغرب کا وقت داخل نہیں ہوتا جب تک کہ آفتاب غروب نہ ہو گویا عصر و مغرب کے درمیان اتنا وقت مہمل ہوتا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ دو مثل کے بعد مستحب وقت تو ختم ہو جاتا ہے لیکن اصل وقت غروب شمس تک باقی رہتا ہے۔

قولہ ویصلی المغرب الخ۔ مغرب کا اول وقت تو بالاتفاق غروب آفتاب کے بعد سے شروع ہوتا ہے لیکن اس کا آخری وقت کب تک رہتا ہے اس میں اختلاف ہے۔ امام شافعی، امام مالک۔۔۔

۔۔ اور امام اوزاعی کے نزدیک مغرب کے لئے صرف ایک ہی وقت ہے جس کی مقدار یہ ہے کہ انسان طہارت حاصل کر کے اذان و اقامت کے بعد تین (یا پانچ) رکعات کے بقدر نماز پڑھ سکے۔ قال الامام الشافعی فی کتاب الام: لا وقت للمغرب الا واحدا وذلک حین تجب الشمس۔

احناف، امام احمد، سفیان ثوری، اسحاق، ابو ثور، داؤد اور ابن المنذر کے نزدیک عشاء کا آخری وقت غروب شفق تک ہے۔ امام شافعی کا قول قدیم بھی یہی ہے اور ابن خزیمہ، خطابی، بیہقی، بغوی، غزالی جیسے اہل علم حضرات نے اسی کو لیا ہے بلکہ ابن الصلاح اور نووی نے بھی اسی کی تصحیح کی ہے۔

امام شافعی قول جدید میں حدیث امامت جبرئیل سے استدلال کرتے ہیں جو حضرت ابن عباس، ابو مسعود انصاری، ابوہریرہ، عمرو بن حزم، ابو سعید خدری اور ابن عمر سے مروی ہے۔ اس میں یہی ہے کہ حضرت جبرئیل نے مغرب کی نماز دونوں دن ایک ہی وقت میں پڑھائی۔ احناف کی تائید میں بکثرت احادیث ہیں جو حد تواتر تک پہنچ گئی ہیں۔ ان میں سے چند احادیث یہ ہیں۔

(۱) حدیث عبد اللہ بن عمرو بن العاص (وفیہ) "وقت صلوٰۃ المغرب اذا غابت الشمس ما لم یسقط الشفق" اس کو امام مسلم نے صحیح میں روایت کیا ہے اور مسند امام احمد میں اس روایت کے الفاظ یہ ہیں "وقت صلوٰۃ المغرب ما لم یسقط ثور الشفق"۔

(۲) حدیث ابوہریرہ (وفیہ) "وان اول وقت المغرب حین تغرب الشمس وان آخر وقتہا حین یغیب الافق" (ترمذی، طحاوی، احمد، دارقطنی) اس حدیث کو محمد بن فضیل نے عن اعمش عن ابی صالح مرفوعاً روایت کیا ہے۔ ترمذی نے امام بخاری سے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث خطا ہے اور خطا ابن فضیل سے واقع ہے۔ حافظ دارقطنی کہتے ہیں کہ یہ حدیث مسنداً صحیح نہیں بلکہ یہ ابن فضیل کا وہم ہے کیونکہ دوسرے رواۃ نے اس کو عن الاعمش عن مجاہد مرسلاً روایت کیا ہے۔

علامہ ابن الجوزی "التحقیق" میں اس کا جواب دیتے ہیں کہ ابن فضیل راوی ثقہ ہے تو ہو سکتا ہے کہ اعمش نے اس کو مجاہد سے مرسلاً سنا ہو اور ابو صالح سے مسنداً۔ ابن القطان نے بھی کہا ہے کہ ممکن ہے اعمش کے پاس اس حدیث کے دو طریق ہوں ایک مرسل اور ایک مسند۔ اور جس نے مسند روایت کیا ہے یعنی محمد بن فضیل وہ صدوق اور اہل علم ہے جس کو ابن معین نے ثقہ کہا ہے۔

(۳) حدیث جابر بن عبد اللہ۔ "ان عمر جاء یوم الخندق بعد ما غربت الشمس فجعل یسب کفار قریش فقال یا رسول اللہ! ما کدت اصلی العصر حتی کادت الشمس ان تغرب فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم واللہ ما صلیتہا فنزلنا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم بطحان فتوضاء وتوضأنا فصلی العصر بعد ما غربت الشمس ثم صلی بعدہا المغرب" (صحیحین)

حضرت جابر سے روایت ہے کہ حضرت عمر غزوہ خندق کے موقع پر غروب آفتاب کے بعد آئے اور کفار قریش کو برا بھلا کہنے لگے۔ اس کے بعد عرض کیا یا رسول اللہ! میں تو عصر کی نماز بھی نہیں پڑھ سکا یہاں تک کہ آفتاب غروب ہونے لگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بخدا میں بھی نہیں پڑھ سکا۔ چنانچہ ہم آپ کے ساتھ بطحان میں اترے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور ہم نے وضو کیا پھر غروب آفتاب کے بعد عصر کی نماز پڑھی اس کے بعد مغرب کی نماز ادا کی۔

ظاہر ہے کہ ان تمام امور میں جو وقت صرف ہوا ہے وہ تین پانچ رکعات کی مقدار سے کہیں زائد ہے۔

(۴) حدیث انس بن مالک: اذا قدم العشاء فابدؤا به قبل ان تصلوا صلوٰة المغرب (صحیحین)
جب شام کا کھانا سامنے آجائے تو مغرب کی نماز پڑھنے سے پہلے کھانے سے فارغ ہو جاؤ۔ معلوم ہوا کہ اتنے وقت کے بعد بھی مغرب کا وقت باقی رہتا ہے۔

(۵) ابوداؤد میں اس کے بعد حضرت ابو موسیٰ اشعری کی حدیث آرہی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔ قبیل الشفق قبیل ان یغیب الشفق۔ ان کے علاوہ اور بہت سی احادیث ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ مغرب کا وقت غروب شفق تک رہتا ہے۔ شوافع وغیرہ کا حدیث امامت جبرئیل سے استدلال کرنا سو ابن الجوزی التحقیق میں لکھتے ہیں کہ اس کے تین جواب ہیں۔ اول یہ کہ ہماری احادیث حدیث جبرئیل کی بہ نسبت اصح الاسناد ہیں۔ دوم یہ کہ امامت جبرئیل کا واقعہ مکہ کا ہے اور پیغمبر علیہ السلام کا فعل مدینہ کا ہے جو مؤخر ہے اور اعتبار آخری فعل پر ہی ہونا چاہیے۔ سوم یہ کہ مغرب کی نماز کو دونوں دن ایک ہی وقت میں ادا کرنا یہ نہیں بتاتا کہ اس کے بعد مغرب کا وقت ختم ہو جاتا ہے اس واسطے کہ اصفرار شمس کے بعد عصر کا وقت رہتا ہے اگر اس وقت کوئی عصر کی نماز پڑھے تو اس کی نماز صحیح ہے۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل کے ساتھ عصر کی نماز دونوں دن اصفرار شمس سے پہلے پڑھی ہے تو جیسے آپ کے اس فعل سے اصفرار شمس کے بعد وقت عصر کی نفی نہیں ہوتی۔ اسی طرح مغرب میں بھی اس کی نفی نہ ہوگی۔

پھر جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ مغرب کا وقت غروب شفق تک رہتا ہے ان کے یہاں شفق کی بابت اختلاف ہے کہ شفق سے مراد کیا ہے؟ سو امام صاحب کے نزدیک شفق سے مراد وہ سفیدی ہے جو سرخی کے بعد نمایاں ہوتی ہے۔ لغویین کی ایک جماعت نے جن میں مبرد و ثعلب بھی ہیں یہی بیان کیا ہے۔ ابو العباس احمد بن یحییٰ سے مروی ہے انہ قال الشفق البیاض لانه لابانی النجم۔

حتی اذا اللیل جلاه المجتلی ۔ بین سماطی شفق مهول

یرید به البیاض، حضرت ابوبکر صدیق، انس بن مالک، معاذ بن جبل، عائشہ، عمر بن عبد العزیز، اوزاعی، زفر، مزنی، ابن المنذر، خطابی، اور ایک روایت کے مطابق ابن عباس و حضرت ابو ہریرہ اسی کے قائل ہیں۔ علامہ ہیثمی نے "الزوائد" میں حضرت جابر کی حدیث مطولاً ذکر کی ہے، جس میں یہ الفاظ ہیں: "ثم اذن للعشاء حین ذهب بیاض النهار وهو الشفق" موصوف کہتے ہیں کہ اس کو حافظ طبرانی نے معجم اوسط میں روایت کیا ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔ مسند امام احمد میں حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص کی حدیث کے الفاظ ہیں قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقت صلوٰة المغرب ما لم یسقط نور الشفق۔ ان دونوں روایتوں سے امام صاحب کے نظریہ کی تائید ہوتی ہے کیونکہ نور کا اطلاق بیاض پر ہی ہوتا ہے۔ نیز حدیث میں ہے کہ مغرب کا آخری وقت کنارہ پر سیاہی چھا جانے تک ہے (ابوداؤد، ابن حبان)

صاحبین کے نزدیک شفق سے مراد شفق احمر ہے۔ حضرت عمر، ابن عمر، شداد بن اوس، عبادہ بن الصامت، علی بن ابی طالب، ابن عباس اور ابن مسعود سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت مکحول

عطاء، طاؤس، امام مالک، سفیان ثوری، ابن ابی لیلیٰ، امام شافعی، امام احمد اور اسحاق بن راہویہ اسی کے قائل ہیں۔ صاحبین سے قوت دلیل سے بھی یہی مروی ہے۔ امام صاحب سے اسد بن عمرو کی روایت بھی یہی ہے۔

قولہ ولیصلی العشاء الخ۔ مغرب کے آخری وقت میں جو اختلاف اوپر مذکور ہوا اس کے مطابق عشاء کا اول وقت شروع ہو جاتا ہے اور احناف کے یہاں بلا کراہت نصف شب تک اور بطور جواز طلوع فجر تک باقی رہتا ہے۔ عطاء بن ابی رباح، طاؤس اور عکرمہ اسی کے قائل ہیں۔ حضرت ابن عباس سے بھی یہی مروی ہے کہ عشاء کا وقت فجر تک فوت نہیں ہوتا۔ نیز امام طحاوی نے نافع بن جبیر سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر فاروق نے حضرت ابو موسیٰ کے پاس لکھا تھا۔ "وصل العشاء ای اللیل شئت ولا تغفلہا" کہ عشاء کی نماز رات کے جس حصے میں چاہو پڑھو لیکن اس سے غافل نہ رہو۔

اسی طرح تعریس سے متعلق صحیح مسلم میں حضرت ابو قتادہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے۔ "لیس فی النوم تفریط انما التفریط فی تاخیر صلوۃ حتی یدخل وقت الاخری"۔ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر نماز کا آخری وقت دوسری نماز کے وقت تک پہنچتا ہے۔ البتہ فجر کی نماز اس عموم سے مستثنیٰ ہے کیونکہ اس کا وقت بالاجماع طلوع آفتاب سے ختم ہو جاتا ہے۔

سفیان ثوری، ابن المبارک، اسحاق بن راہویہ اور امام شافعی کے قول قدیم میں عشاء کا وقت نصف شب تک رہتا ہے۔ ان حضرات کی دلیل حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث "وقت العشاء الی نصف اللیل" ہے۔ امام شافعی کا قول جدید یہ ہے کہ تہائی رات تک رہتا ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز بھی اسی کے قائل ہیں اور یہ حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت ابوہریرہ سے بھی مروی ہے۔

اس سلسلہ میں امام طحاوی کی تقریر بہت عمدہ ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مجموعہ احادیث سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ عشاء کا آخری وقت طلوع فجر تک ہے چنانچہ حضرت ابن عباس، ابو موسیٰ الاشعری اور حضرت ابوسعید خدری نے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز کو تہائی رات تک مؤخر فرمایا اور حضرت ابوہریرہ و حضرت انس کی روایت میں نصف شب تک تاخیر مروی ہے اور حضرت ابن عمر نے دو تہائی رات تک مؤخر کرنا بیان کیا ہے اور حضرت عائشہ کی روایت میں عامۃ اللیل کا لفظ ہے اور یہ سب روایات صحیح ہیں۔ معلوم ہوا کہ عشاء کا وقت پوری رات تک رہتا ہے لیکن اس کے تین درجے ہیں کہ شروع وقت سے تہائی رات تک سب سے افضل ہے اور نصف شب تک اس سے کم فضیلت ہے اور نصف شب کے بعد سب سے کم درجہ ہے۔

قولہ وصلی الصبح الخ۔ فجر کا اول وقت صبح صادق طلوع ہونے کے بعد سے شروع ہوتا ہے اور آخری وقت طلوع آفتاب تک رہتا ہے۔ چنانچہ حدیث امامت جبرئیل میں ہے کہ پہلے روز آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فجر کی نماز صبح صادق ہوتے ہی پڑھائی اور دوسرے روز اس وقت پڑھائی جب اچھی طرح روشنی ہو گئی اور آفتاب نکلنے کے قریب ہو گیا اور آخر میں حضرت جبرئیل نے کہا کہ ان دونوں وقتوں کے درمیان

جو وقت ہے وہ آپ کے اور آپ کی امت کے لیے وقت ہے۔

لیکن فجر کی نماز میں تغلیس افضل ہے یا اسفار یعنی فجر کی نماز کو اندھیرے میں پڑھنا بہتر ہے یا روشنی اور اجالے میں؟ سو امام شافعیؒ کے یہاں چونکہ ہر نماز کو اول وقت میں پڑھنا مستحب ہے اس لئے ان کے یہاں فجر میں تغلیس ہی افضل ہے۔ امام مالک، امام احمد، اسحٰق، ابو ثور، اوزاعی، داؤد بن علی، اور ابو جعفر طبری بھی اسی کے قائل ہیں۔ حضرت عمر فاروقؓ، عثمان غنیؓ، ابن الزبیر، انس بن مالک اور حضرت ابوہریرہؓ سے بھی یہی مروی ہے۔ امام حازمیؒ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت علیؓ، ابن مسعودؓ، ابو مسعود انصاریؓ اور اہل حجاز کا بھی یہی قول نقل کیا ہے۔

علماء کوفہ، امام ابوحنیفہ، اصحاب ابی حنیفہ، سفیان ثوری، حسن بن حی اور اکثر اہل عراق کے یہاں اسفار افضل ہے۔ حضرت علیؓ و ابن مسعودؓ سے بھی یہی مروی ہے۔ فریق اول نے چند احادیث سے استدلال کیا ہے:

(۱) حدیث ام فروہؓ۔ سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ای الاعمال افضل؟ قال: الصلوٰۃ فی اول وقتہا۔ (ابوداؤد، ترمذی، دارقطنی، حاکم) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا کہ سب سے افضل عمل کونسا ہے؟ آپ نے فرمایا: نماز کو اس کے اول وقت میں پڑھنا۔ پس جب فجر کی نماز کو اول وقت میں پڑھا جائے گا تو یہ تغلیس ہوگی نہ کہ اسفار۔

جواب یہ ہے کہ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کی تخریج کے بعد کہا ہے کہ یہ حدیث صرف عبداللہ بن عمر العمری سے مروی ہے جو محدثین کے نزدیک قوی نہیں اور اس حدیث میں اضطراب ہے۔ نیز حافظ دارقطنیؒ نے کتاب العلل میں اس حدیث میں کافی اختلاف و اضطراب ذکر کیا ہے۔ الامام میں ہے کہ اس حدیث کا اضطراب اور قاسم و ام فروہ کے درمیان واسطہ کا ہونا نہ ہونا، عبداللہ بن عمر العمری کی طرف راجع ہے اور محدثین نے اس کی تضعیف کی ہے۔

سوال۔ ابن حبان و ابن خزیمہ نے صحیح میں اور ابونعیم نے مستخرج میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے یہ الفاظ روایت کیے ہیں۔ ای الصلوٰۃ افضل؟ قال: الصلوٰۃ فی اول وقتہا۔ جواب ابن حبان نے کہا ہے کہ "فی اول وقتہا" الفاظ میں عثمان بن عمر متفرد ہے۔ شعبہ بن الحجاج اور علی بن مسہر نے "الصلوٰۃ لوقتہا" کے الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ نماز پڑھنے میں سستی اور کاہلی نہ کرنی چاہیے بلکہ اس کو اس کے وقت پر پڑھنا چاہیے۔ صحیحین کی روایت کے الفاظ "الصلوٰۃ علی مواقیتہا" سے اسی معنی کی تائید ہوتی ہے۔ نیز حضرت ابن مسعودؓ جن کی روایت اول وقت نماز کی فضیلت میں پیش کی جا رہی ہے انہی کی روایت ہے کہ فجر کی نماز اسفار میں مستحب ہے۔

(۲) حدیث ابن عمرؓ۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الوقت الاول من الصلوٰۃ رضوان اللہ والوقت الآخر عفو اللہ (ترمذی، حاکم) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ نماز کا اول وقت حق تعالیٰ کی خوشنودی کا باعث ہے اور آخری وقت عفو و درگذر کے درجہ میں ہے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جو چیز حق تعالیٰ کی خوشنودی کا باعث ہو اس پر کسی چیز کو ترجیح نہیں دی جا سکتی کیونکہ عفو و درگذر تو تقصیر و کوتاہی کے بعد ہی ہوتا ہے۔

جواب یہ ہے کہ اس کے راوی یعقوب بن الولید مدنی کے متعلق ابن حبان نے لکھا ہے کہ یہ حدیثیں

گھڑ گھڑ کر ثقات کی طرف منسوب کرتا تھا اس کی احادیث لکھنا حلال نہیں الایہ کہ از راہ تعجب ہو۔ اور اس حدیث کو اسی نے روایت کیا ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ یہ بڑے جھوٹے لوگوں میں سے تھا۔ ابوداؤد نے اس کو لیس بثقۃ اور امام نسائی نے متروک الحدیث کہا ہے۔ ابوحاتم کہتے ہیں کان یکذب والحدیث الذی رواہ موضوع۔

سوال حافظ دارقطنی نے اس کو حضرت جریر بن عبداللہ سے روایت کیا ہے جس میں یعقوب بن الولید مدنی نہیں ہے۔ نیز موصوف نے حضرت ابومحذورہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ "اول الوقت رضوان اللہ ووسطہ رحمۃ اللہ وآخرہ عفو اللہ"

جواب یہ تو بعینہ وہی مثل مشہور "فر من المطر وقام تحت المیزاب" یعنی بارش سے بھاگ کر پرنالے تلے کھڑا ہوتا ہے اس واسطے کہ حدیث جریر کی سند میں حسین بن حمید ہے جس کے متعلق حافظ احمد بن عبدہ نے ذکر کیا ہے کہ یہ ایک مرتبہ حافظ مطین کے پاس گئے، تو حافظ مطین نے فرمایا۔ ہٰذا کذاب ابن کذاب ابن کذاب۔ اور حدیث ابومحذورہ کی سند میں ابراہیم بن زکریا ہے جس کے متعلق ابن الجوزی نے ابوحاتم کا قول نقل کیا ہے کہ یہ مجہول ہے اور اس کی روایت منکر ہے۔ ابن عدی کہتے ہیں کہ یہ ثقات سے بھی باطل حدیثیں روایت کرتا تھا۔ امام احمد بن حنبل سے حدیث "اول الوقت رضوان اللہ" کی بابت سوال ہوا آپ نے فرمایا کہ یہ ثابت نہیں ہے۔

سوال۔ ابن عدی نے "الکامل" میں حضرت انس سے جو حدیث روایت کی ہے اس میں نہ یعقوب بن الولید مدنی ہے اور نہ حسین بن حمید، الفاظ یہ ہیں۔ "اول الوقت رضوان اللہ وآخرہ عفو اللہ"

جواب۔ خود ابن عدی ہی نے اس کی بھی تصریح کی ہے کہ یہ ان احادیث میں سے ہے جس کو بقیہ مجہولین سے روایت کرتا ہے۔ چنانچہ اس کا شیخ عبداللہ مولیٰ عثمان بن عفان اور شیخ الشیخ عبدالعزیز دونوں غیر معروف ہیں۔ علاوہ ازیں امام نووی نے خلاصہ میں خود اعتراف کیا ہے کہ حدیث "ای الاعمال افضل قال الصلوۃ لاول وقتہا" اور حدیث "اول الوقت رضوان اللہ وآخرہ عفو اللہ" سب ضعیف ہیں۔ حافظ بیہقی کتاب المعرفۃ اور سنن کبریٰ میں کہتے ہیں کہ حدیث "الصلوٰۃ فی اول الوقت رضوان اللہ" صرف یعقوب بن الولید سے معروف ہے اور اسی کو امام احمد اور دیگر تمام حفاظ نے کذاب کہا ہے اور یہ حدیث گو مختلف سندوں سے مروی ہے مگر سب ضعیف ہیں۔

(۳) حدیث عائشہ۔ "ما صلی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ لوقتہا الآخر الا مرتین حتی قبضہ اللہ" (ترمذی، دارقطنی، بیہقی) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ کے علاوہ کبھی آخری وقت میں نماز نہیں پڑھی۔ معلوم ہوا کہ غلس میں نماز پڑھنا آپ کا دائمی معمول تھا۔

جواب یہ ہے کہ اس سند میں اسحاق بن عمر ہے جس کو ابوحاتم، ابن القطان اور ابن عبدالبر وغیرہ نے مجہول کہا ہے۔ نیز دارقطنی اور بیہقی نے اعتراف کیا ہے کہ یہ روایت مرسل ہے کیونکہ اسحاق بن عمر نے حضرت عائشہ کو نہیں پایا۔ دارقطنی نے اس کو عن عمرۃ عن عائشۃ بھی روایت کیا ہے لیکن اس کی سند میں معلی بن عبدالرحمٰن ہے جس کو ابوحاتم نے متروک الحدیث کہا ہے۔

(۴) حدیث ابومسعود الانصاری اور فیہ "ثم کانت صلوتہ بعد ذٰلک بالغلس حتی مات" (ابوداؤد، ابن حبان)

دارقطنی، بیہقی) حضرت ابو مسعود الانصاری کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ صبح کی نماز غلس میں پڑھی اور دوسری مرتبہ اسفار میں ادا کی اس کے بعد آپ کی نماز تا وفات غلس ہی میں رہی۔

جواب یہ ہے کہ صاحب کتاب نے خود ذکر کیا ہے کہ اس روایت کو زہری سے معمر، مالک، ابن عیینہ، شعیب بن ابی حمزہ اور لیث بن سعد وغیرہ نے بھی روایت کیا ہے۔ لیکن ان میں کسی نے نہ اوقات نماز کا تذکرہ کیا اور نہ کسی نے ان کی تفسیر ذکر کی صرف اسامہ بن زید لیثی کی روایت میں اس کا ذکر ہے۔ اور اسامہ بن زید کو یحییٰ بن سعید، امام احمد، ابن معین، ابو حاتم، نسائی اور دارقطنی نے ضعیف کہا ہے۔

علاوہ ازیں صحیحین میں حضرت ابن مسعود سے مروی ہے کہ میں نے ہمیشہ آپ کو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وقت پر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا بجز مزدلفہ میں دو نمازوں کے، ایک مغرب و عشاء جو غیر وقت میں پڑھیں اور ایک صبح کی نماز کہ اس کو آپ نے وقت سے پہلے غلس میں پڑھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمیشہ غلس میں نماز پڑھنا آپ کا دائمی معمول نہیں تھا۔

(۵) حدیث عائشہ۔ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیصلی الصبح فینصرف النساء متلفعات بمروطہن ما یعرفن من الغلس (صحیحین) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز سے ایسے وقت میں فارغ ہو جاتے تھے کہ برقعہ پوش عورتیں واپسی میں تاریکی کی وجہ سے پہچانی نہیں جاتی تھیں۔

جواب یہ ہے کہ یہ آپ کے فعل کی حکایت ہے جس کی مختلف وجوہ ہو سکتی ہیں۔ ممکن ہے آپ غلس میں اس لئے پڑھتے ہوں کہ وہ خیر کا زمانہ تھا اور صحابہ کرام نماز کے لئے اول وقت میں بلکہ اس سے بھی پہلے حاضر ہو جاتے تھے۔ اس صورت میں تاخیر سے پڑھنا ان کے لئے تعب و مشقت کا باعث تھا۔ جو لوگ اسفار کو مستحب کہتے ہیں ان کے دلائل یہ ہیں۔

(۱) قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ اسفروا بالفجر فانہ اعظم للاجر۔ صبح کی نماز خوب روشنی میں پڑھا کرو کیونکہ اس طرح اجر و ثواب بہت زیادہ ہوتا ہے۔ یہ حدیث صحابہ کی ایک جماعت سے مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہے۔ چنانچہ اصحاب سنن اربعہ، طحاوی، ابن حبان، طبرانی نے حضرت رافع بن خدیج سے، بزار نے حضرت انس سے، طبرانی و بزار نے حضرت بلال و حضرت قتادہ بن النعمان سے طبرانی نے حضرت عبد اللہ بن مسعود سے، ابن حبان نے حضرت ابو ہریرہ سے، اور طبرانی نے حواء انصاریہ سے روایت کیا ہے۔

امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے اس کے بعد موصوف نے اسفروا کے معنی میں ایک تاویل پیش کی ہے۔ لکھتے ہیں کہ امام شافعی، امام احمد اور اسحاق نے کہا ہے کہ اسفار کے یہ معنی نہیں کہ نماز کو تاخیر کے ساتھ پڑھا جائے بلکہ معنی یہ ہیں کہ صبح کاذب اور صبح صادق میں اچھی طرح فرق ہو جائے تاکہ التباس نہ رہے، مگر یہ تاویل اس لئے غلط ہے کہ اول تو جب تک صبح صادق نہ ہو نماز ہی نہیں ہوتی چہ جائیکہ اجر و ثواب زیادہ ہو۔ دوسرے یہ کہ اس حدیث کے الفاظ ابن حبان کے نزدیک کلما اصبحتم بالصبح فہو اعظم للاجر۔ اور امام نسائی کے۔ ما اسفرتم بالفجر فانہ اعظم للاجر۔ اور حافظ

طبرانی نے نکلا "اسفروا بالفجر فانہ اعظم للاجر" روایت کیے ہیں جن سے صاف ظاہر ہے کہ اسفار سے مراد تنویر و تاخیر ہے نہ کہ تبیین و ظہور فجر۔ بلکہ حضرت رافع بن خدیج کی حدیث جس کو ابن ابی شیبہ، اسحٰق بن راہویہ اور ابوداؤد طیالسی نے اپنے مسانید میں اور طبرانی نے معجم میں اور ابن عدی نے الکامل میں روایت کیا ہے ایک اس معنی کی تصریح موجود ہے الفاظ یہ ہیں۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لبلال: نور بصلوۃ الصبح حتی یبصر القوم مواقع نبلہم من الاسفار۔

امام نووی نے حدیث اسفار کی توجیہ یہ کی ہے کہ اس سے نماز صبح پڑھنا مراد نہیں بلکہ صبح صادق سے پہلے نیت تعجیل پر اجر و ثواب ملنا مراد ہے۔ مگر یہ توجیہ بھی غلط ہے اس واسطے کہ اعظم للاجر سے مراد تو نماز کا اجر ہے نہ کہ نیت کا۔

(۲) حدیث ابو برزہ اسلمی کہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز سے ایسے وقت میں سلام پھیر کر فارغ ہوتے کہ آدمی اپنے جلیس کو پہچان لیتا تھا (نسائی، طبرانی، طحاوی)

(۳) حدیث ابوہریرہ۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تزال امتی علی الفطرۃ ما اسفروا بصلوۃ الفجر (بزار، طبرانی) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت ہمیشہ بھلائی میں رہے گی جب تک کہ وہ صبح کی نماز روشنی میں پڑھتی رہے۔ لیکن اس کی سند میں حفص بن سلیمان ہے جس کو ابن معین، ابو حاتم، ابن حبان، ابن خراش، امام احمد اور امام بخاری نے ضعیف کہا ہے گو ایک روایت میں امام احمد سے اس کی توثیق بھی کی ہے۔

۲۶۳ (۴) حدیث انس۔ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی الصبح حین یفسح البصر (ابن حزم فی غریب الحدیث)۔ اس میں لفظ یفسح ہے جس کے معنی دور سے کسی چیز کو دیکھ لینے کے ہیں۔ یقال فسح۔ البصر و افسح اذا رای الشئ عن بعد۔ تو حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ آپ ایسے وقت میں نماز پڑھتے تھے کہ ہر چیز اچھی طرح دکھائی دینے لگتی تھی۔

ان کے علاوہ بہت سے آثار بھی ہیں۔ چنانچہ یزید اودی سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت علی ہم کو نماز پڑھاتے اور ہم لوگ نماز سے فارغ ہو کر آفتاب دیکھنے لگتے کہ کہیں نکل تو نہیں آیا۔ عبدالرحمٰن بن یزید کہتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود ہم کو فجر کی نماز روشنی میں پڑھاتے تھے۔ ابراہیم نخعی سے مروی ہے کہ صحابہ جس قدر اسفار فجر پر متفق ہوئے ہیں کسی دوسرے مسئلہ پر نہیں ہوئے۔

ان سب احادیث و آثار سے نماز صبح کا اسفار بلا غبار ثابت ہو رہا ہے اور فریق اول کی احادیث سے تغلیس ثابت ہوتی ہے تو یہ دونوں قسم کی احادیث متعارض ہیں۔ اب یا تو ان میں تطبیق دی جائے گی کہ نماز فجر کی ابتداء تو غلس میں ہوتی تھی اور انتہاء اسفار میں (چنانچہ امام طحاوی نے ہمارے ائمہ ثلاثہ کا یہی قول نقل کیا ہے) اور چونکہ اس وقت مسجد میں ایک طرح کی تاریکی ہوتی ہے اس لیے بعض صحابہ نے اس کو غلس سے تعبیر کر دیا۔ یا یہ کہا جائے گا کہ احادیث تغلیس منسوخ ہیں، جیسا کہ امام طحاوی کی رائے ہے۔ یا یہ کہا جائے گا کہ احادیث اسفار راجح ہیں کیونکہ یہ احادیث تغلیس کی بہ نسبت اصح ہیں نیز حضرت ابن مسعود کی حدیث "اسفروا بالفجر" متعدد صحابہ سے مروی ہے اور قولی ہے بخلاف احادیث تغلیس کے کہ وہ سب فعلی ہیں۔

(۱۵۹) قولہ قال ابوداؤد روی ہذا الحدیث الخ اصحاب زہری کی روایات میں جو اختلاف ہے اس کو بیان کرنا چاہتے ہیں کہ اسامہ بن زید لیثی نے اس حدیث کو زہری سے روایت کرتے ہوئے اولاً اوقات صلوٰۃ کو مجملاً ذکر کیا ہے اس کے بعد ان کی تفصیل ذکر کی ہے اس کے علاوہ زہری کے دیگر اصحاب معمر، مالک، ابن عیینہ، شعیب بن ابی حمزہ اور لیث بن سعد وغیرہ یعنی اوزاعی اور محمد بن اسحاق نے اس حدیث میں اوقات صلوٰۃ کو صرف اجمالاً ذکر کیا ہے ان کی تفسیر نہیں کی تو حدیث کے الفاظ "فرأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی الظہر حین تزول الشمس الخ" اسامہ کی روایت میں زائد ہیں زہری کے دیگر اصحاب مذکورہ کی روایات میں یہ زیادتی نہیں ہے اور یہ سب جانتے ہیں کہ زیادتی ثقہ راوی ہی کی مقبول ہوتی ہے نہ کہ ضعیف کی اور اسامہ بن زید لیثی ضعیف ہے یحییٰ بن سعید القطان اور امام بخاری نے اس کو متروک، امام احمد نے لیس بشئ، ابن معین نے ضعیف، امام نسائی نے غیر قوی اور ابوحاتم نے ناقابل احتجاج مانا ہے البتہ عبدالرحمٰن داری نے لیس بہ بأس اور عجلی نے ثقہ کہا ہے۔

روایت معمر عن الزہری کی تخریج عبدالرزاق نے، روایت مالک کی تخریج امام مسلم نے صحیح میں اور امام احمد نے مسند میں، روایت سفیان بن عیینہ و روایت شعیب بن ابی حمزہ کی تخریج بیہقی نے اور روایت لیث بن سعد کی تخریج امام مسلم نے صحیح میں کی ہے واما روایۃ الاوزاعی وابن اسحاق فقال الشیخ لم اجدہا۔

۲۶۴

(**فائدہ**) مذکورہ بالا قول میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ تفصیل اوقات کے سلسلہ میں اسامہ بن زید متفرد ہے لیکن حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں ذکر کیا ہے کہ یہ زیادتی بعض دوسری روایات میں بھی پائی جاتی ہے جس سے اسامہ بن زید کی روایت کو قوت حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ باغندی نے مسند عمر بن عبدالعزیز میں اور حافظ بیہقی نے سنن کبری میں بطریق یحییٰ بن سعید انصاری عن ابی بکر بن حزم عن ابی مسعود روایت کیا ہے مگر یہ روایت منقطع ہے لیکن طبرانی نے اس کو دوسرے طریق سے عن ابی بکر عن عروہ روایت کیا ہے تو حدیث حضرت عروہ پر دائر رہی اور یہ واضح ہو گیا کہ اس کی کچھ نہ کچھ اصل ہے اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ امام مالک وغیرہ کی روایات میں اختصار ہے۔

صاحب عون لکھتے ہیں کہ امام مالک وغیرہ کی روایات میں دو وجہ سے اختصار ہے ایک تو یہ کہ انھوں نے اوقات کی تعیین نہیں کی دوسرے یہ کہ انھوں نے امامت جبرئیل میں پنجگانہ نمازوں کو صرف ایک مرتبہ ذکر کیا ہے۔ لیکن ابوداؤد و ترمذی نے حضرت ابن عباس سے، دارقطنی نے حضرت انس سے، عبدالرزاق نے مصنف میں اور ابن راہویہ نے مسند میں حضرت عمرو بن حزم سے، ترمذی، نسائی اور دارقطنی نے حضرت جابر سے، امام احمد نے حضرت ابوسعید سے، بزار نے حضرت ابوہریرہ سے اور دارقطنی نے حضرت ابن عمر سے پنجگانہ نمازوں کو دو مرتبہ مع تعیین اوقات روایت کیا ہے فہذہ الروایات تعضد روایۃ اسامۃ بن زید اللیثی وتدفع علۃ الشذوذ۔

(۱۲۰) قولہ قال ابوداؤد روی وہب بن کیسان الخ صاحب کتاب یہاں تینوں تعلیقیں ذکر کر رہے ہیں یعنی روایت جابر، روایت ابوہریرہ اور روایت عبداللہ بن عمرو بن العاص، ان تینوں تعلیقوں کے ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ان حضرات کی روایات میں مغرب کی نماز دونوں دن ایک ہی وقت میں پڑھنا مذکور ہے جیسا کہ اسامہ بن زید کی روایت میں ہے، لیکن دوسری احادیث سے مغرب کی نماز کو مختلف اوقات میں پڑھنا بھی ثابت ہو جیسا کہ امام مسلم نے حضرت بریدہ، ابوموسیٰ الاشعری اور عبداللہ بن عمرو بن العاص سے اور امام ترمذی نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے۔

(۱۲۱) قولہ قال ابوداؤد وکذلک روی عن ابی ہریرہ الخ روایت وہب بن کیسان کی تخریج دار قطنی نے سنن میں اور امام نسائی نے مجتبیٰ میں کی ہے دار قطنی کے الفاظ یہ ہیں۔ جاءہ للمغرب حین غابت الشمس وقتا واحدا لم یزل عنہ۔ اور حدیث ابوہریرہ کی تخریج دار قطنی نے کی ہے الفاظ یہ ہیں۔ ثم جاءہ من الغد ثم صلی المغرب حین غربت الشمس فی وقت واحد اور روایت عبداللہ بن عمرو بن العاص کی تخریج حافظ بیہقی نے سنن میں کی ہے۔

(۱۰۱) حدثنا مسدد نا عبد اللہ بن داؤد نا بدر بن عثمان نا ابوبکر بن ابی موسی عن ابی موسی ان سائلا سأل النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلم یرد علیہ شیئا حتی امر بلالا فاقام الفجر حین انشق الفجر فصلی حین کان الرجل لا یعرف وجہ صاحبہ او ان الرجل لا یعرف من الی جنبہ ثم امر بلالا فاقام الظہر حین زالت الشمس حتی قال القائل انتصف النہار وہو اعلم ثم امر بلالا فاقام العصر والشمس بیضاء مرتفعۃ وامر بلالا فاقام المغرب حین غابت الشمس وامر بلالا فاقام العشاء حین غاب الشفق فلما کان من الغد صلی الفجر وانصرف فقلنا اطلعت الشمس فاقام الظہر فی وقت العصر الذی کان قبلہ وصلی العصر وقد اصفرت الشمس او قال امسی وصلی المغرب قبل ان یغیب الشفق وصلی العشاء الی ثلث اللیل ثم قال این السائل عن وقت الصلوۃ الوقت فیما بین ہذین، قال ابوداؤد روی سلیمان بن موسی عن عطاء عن جابر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی المغرب نحو ہذا قال ثم صلی العشاء قال بعضہم الی ثلث اللیل وقال بعضہم الی شطرہ، وکذلک روی ابن بریدۃ عن ابیہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم

حل لغات ــــــــــــــــــــــــــــــــ

انشق۔ الفجر طلوع ہونا یعنی افق سے تاریکی چھٹ گئی اور روشنی ہوگئی۔ ابن الاثیر نے نہایہ میں لکھا ہے یقال شق وانشق طلع کأنہ شق محل طلوعہ فخرج منہ وانتصف النہار مرقات الصعود اور عون المعبود میں شیخ ولی الدین کا قول نقل کیا ہے کہ انتصف بفتح ہمزہ علی سبیل الاستفہام ہے اور ہمزہ وصل محذوف ہے جیسے آیت۔ اصطفی البنات۔ اور افتری علی اللہ کذبا۔ میں ہے۔ شیخ بذل میں فرماتے ہیں کہ یہ بھی ممکن ہے کہ ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ ہو اور خبر ہو بلکہ یہی بہتر ہے۔ کیونکہ صحیح مسلم میں حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ والقائل یقول قد انتصف النہار۔ اطلعت الشمس بہمزۃ الاستفہام واخرجہ مسلم فی صحیحہ وفیہ قد طلعت الشمس۔

ترجمہ ——————————

مسدد نے بروایت عبد اللہ بن داؤد بطریق بدر بن عثمان بسند ابو بکر بن ابی موسی حضرت ابو موسی اشعری سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اوقات نماز کے متعلق سوال کیا آپ نے (زبانی) جواب نہیں دیا بلکہ حضرت بلال کو حکم کیا پھر طلوع صبح صادق ہوتے ہی فجر کی نماز پڑھی جبکہ کوئی ایک دوسرے کا چہرہ نہ پہچان سکتا تھا یا جو شخص اپنے پہلو میں ہوتا اس کو نہ پہچان سکتا تھا۔ پھر حضرت بلال کو حکم کیا اور انھوں نے ظہر کو قائم کیا جبکہ آفتاب ڈھل گیا تھا اور کہنے والا کہتا تھا کیا دوپہر ہوگئی؟ اور آپ خوب جانتے تھے پھر حضرت بلال کو حکم کیا اور انھوں نے عصر کو قائم کیا جبکہ آفتاب بلند اور روشن تھا پھر حضرت بلال کو حکم کیا اور انھوں نے مغرب کو قائم کیا جبکہ آفتاب ڈوب گیا تھا پھر حضرت بلال کو حکم کیا اور انھوں نے عشاء کو قائم کیا جبکہ شفق غروب ہو چکا تھا پھر دوسرے روز آپ نے فجر کی نماز پڑھی اور فراغت کے بعد ہم لوگ کہنے لگے کیا آفتاب نکل آیا؟ اور ظہر کی نماز اس وقت پڑھی جس وقت پہلے روز عصر کی نماز پڑھی تھی اور عصر کی نماز اس وقت پڑھی جبکہ آفتاب زرد ہو گیا تھا یا شام ہو گئی تھی اور مغرب کی نماز شفق کے غائب ہونے سے پہلے پڑھی اور عشاء کی نماز تہائی رات میں پڑھی پھر فرمایا کہاں ہے اوقات نماز دریافت کرنے والا؟ وقت ان دونوں کے درمیان ہے۔

ابو داؤد کہتے ہیں کہ سلیمان بن موسی نے بواسطہ عطاء عن جابر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مغرب کے متعلق اسی طرح روایت کیا ہے اس میں یہ ہے کہ پھر آپ نے عشاء کی نماز پڑھی بعض نے کہا تہائی رات میں اور بعض نے کہا آدھی رات میں۔ اسی طرح ابن بریدہ نے بواسطہ بریدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔

تشریح

قولہ ما فی وقت العصر الذی کان قبلہ الخ اس پر یہ اشکال نہیں ہونا چاہیے کہ اس سے اشتراک وقت ظہر و عصر معلوم ہوتا ہے اس واسطے کہ اس کا مطلب ہم پہلے عرض کر چکے کہ آپ نے جس وقت میں دوسرے دن ظہر کی نماز پوری کی پہلے روز اسی وقت سے متصل ساعت میں عصر کی نماز شروع کی۔ اب چونکہ دونوں وقتوں میں قدرے اتصال ہے اس لئے یہ کہہ دیا گیا کہ آپ نے ظہر کی نماز عصر کے وقت میں پڑھی۔

قولہ من قبل ان یغیب الشفق الخ امام شافعی اور امام مالک جو مغرب کے وقت میں عدم امتداد کے قائل ہیں ان پر یہ حدیث حجت ہے۔

(۱۴۲) قولہ قال ابوداؤد الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ سلیمان بن موسیٰ کی روایت عن عطاء عن جابر اور ابوبکر بن ابی موسیٰ کی روایت عن ابی موسیٰ اس سلسلہ میں دونوں موافق ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے روز مغرب کی نماز اول وقت میں ادا کی اور دوسرے روز آخر وقت میں غیبوبت شفق سے قبل پڑھی۔ اسی طرح روایت ابن بریدہ عن ابیہ میں بھی یہی مروی ہے کہ آپ نے مغرب کی نماز اول وآخر دو مختلف وقتوں میں ادا فرمائی۔

روایت سلیمان بن موسیٰ کی تخریج حافظ بیہقی نے سنن میں اور روایت ابن بریدہ کی تخریج امام مسلم نے صحیح میں اور حافظ بیہقی نے سنن میں کی ہے وفی العون حدیثہ اخرجہ الجماعۃ الا مسلماً۔

قولہ قال ثم صلی العشاء الخ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت جابر نے اپنی حدیث میں تذکرہ مغرب کے بعد ذکر کیا ہے کہ پھر آپ نے عشاء کی نماز پڑھی جس کے متعلق بعض صحابہ کا اندازہ ہے کہ تہائی رات گذر چکی تھی اور بعض کا اندازہ ہے کہ آدھی رات گذر چکی تھی۔ اس صورت میں قال کی ضمیر مرفوع جابر کی طرف راجع ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ضمیر مرفوع سلیمان بن موسیٰ کی طرف راجع ہو۔ اس صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ سلیمان نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ پھر آپ نے عشاء کی نماز پڑھی۔ اب حضرت جابر سے بعض رواۃ نے الی ثلث اللیل روایت کیا ہے اور بعض نے الی شطرہ۔ تیسرا احتمال یہ بھی ہے کہ قال کی ضمیر حضرت جابر کی طرف راجع ہو اور ان کی حدیث ثم صلی العشاء پر ختم ہوگئی ہو اس کے بعد قال بعضہم سے صاحب کتاب ذکر کر رہے ہوں کہ آخر وقت عشاء کے سلسلہ میں صحابہ نے اختلاف کیا ہے بعض نے الی ثلث اللیل کہا ہے اور بعض نے الی شطرہ چنانچہ حضرت ابوموسیٰ وحضرت بریدہ کی حدیث ثلث لیل پر دال ہے اور اس کے بعد میں آنے والی حدیث عبداللہ بن عمرو بن العاص نصف لیل پر دال ہے۔

(۳) باب فی وقت صلوٰۃ الظہر

(۱۱۱) حدثنا ابوالولید الطیالسی نا شعبۃ اخبرنی ابوالحسن، قال ابوداؤد ابو الحسن ھو مہاجر قال سمعت زید بن وھب یقول سمعت اباذر یقول کنا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاراد المؤذن ان یؤذن الظہر فقال أَبْرِدْ ثم اراد ان یؤذن فقال ابرد مرتین او ثلثا حتی رأینا فیئ التلول ثم قال ان شدۃ الحر من فیح جہنم فاذا اشتد الحر فابردوا بالصلوٰۃ۔

حل لغات

أَبْرِدْ۔ الشئ ٹھنڈا کرنا۔ قال الخطابی معنی الابراد فی ہذا الحدیث انکسار شدۃ الظہیرۃ۔ فیئ سایہ۔ التلول جمع تل بفتح تاء وتشدید لام سنگی یا ریت وغیرہ کا چھوٹا ٹیلہ فیح بفتح فاء وسکون یاء کشادگی۔ ترجمہ

ابو الولید طیالسی نے بروایت شعبہ باخبار ابو الحسن مہاجر بسماع زید بن وہب حضرت ابوذر سے روایت کیا ہے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، مؤذن نے چاہا کہ ظہر کی اذان کہے آپ نے فرمایا ذرا خنکی ہونے دے (کچھ دیر بعد) اس نے پھر اذان کہنے کا ارادہ کیا آپ نے پھر یہی فرمایا۔ اسی طرح دو بار یا تین مرتبہ فرمایا یہاں تک کہ ہم نے ٹیلوں کا سایہ دیکھا پھر آپ نے فرمایا کہ گرمی کی شدت جہنم کی بھاپ سے ہوتی ہے سو جب گرمی شدید ہو تو نماز ٹھنڈے وقت میں پڑھو، متفق علیہ

قولہ قال ابوداؤد الخ (۱۴۳) صرف شعبہ بن الحجاج کے شیخ ابو الحسن کا نام بتانا مقصود ہے کہ اس کا نام مہاجر ہے۔ یہ کوفی ہے اور صائغ سے مشہور ہے امام احمد ابن معین، امام نسائی، یعقوب بن سفیان، عجلی اور ابن حبان سب نے ثقہ مانا ہے۔

قولہ حتی رأینا الخ۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ غایت تعلق ابرد سے متعلق ہے اور مطلب یہ ہے کہ آپ رویت فئی سے قبل حضرت بلال سے فرماتے تھے کہ ذرا خنکی ہونے دو، یا لفظ ابرد سے متعلق ہے۔ یعنی آپ نے فرمایا کہ سایہ نظر آنے تک توقف کرو۔ یا محذوف سے متعلق ہے ای قال لہ ابرد فابرد الی ان رأینا اھ۔

قولہ ان شدۃ الحر الخ۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے معنی میں علماء کا اختلاف ہے بعض حضرات نے اس کو اس کے حقیقی اور ظاہری معنی پر محمول کیا ہے کہ ممکن ہے آفتاب اور جہنم کی آگ کے درمیان منجانب اللہ ایک خاص ربط اور تعلق ہو جس کے ذریعہ سے اس کی حرارت آفتاب تک پہنچتی ہو۔

ایک دوسری حدیث جو صحیحین میں موجود ہے اس سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے۔ حدیث میں ہے کہ جہنم کی آگ نے حق تعالیٰ سے شکایت کی کہ گرمی کی شدت اور گھٹن کی وجہ سے میرے بعض اجزاء بعض کو کھا گئے تو حق تعالیٰ نے اس کو دو سانس لینے کی اجازت دی ایک جاڑے میں ایک گرمی میں۔ پس جاڑے کے موسم میں وہ سانس اندر کو کھینچتی ہے اور گرمی کے موسم میں باہر کو پھینکتی ہے۔

اور بعض حضرات نے اس کو تشبیہ پر محمول کیا ہے کہ دنیا کی گرمی گویا جہنم کا ایک نمونہ ہے۔ علامہ خطابی نے بھی یہ دونوں احتمال ذکر کئے ہیں جن میں سے امام نووی نے پہلے احتمال کی تصویب کی ہے۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ پھر اس وقت میں نماز نہ پڑھنے کی حکمت، آیا دفع مشقت ہے یا یہ معنی کہ اس وقت میں خشوع وخضوع فوت ہو جاتا ہے یا یہ ہے کہ یہ انتشار عذاب کی حالت ہے؟ حافظ کہتے ہیں کہ ظاہر تو یہی ہے کہ حکمت دفع مشقت ہے کہ ایسے وقت میں نماز پڑھنے سے پڑھنے والوں کو تکلیف ہوتی ہے اور نماز میں خشوع وخضوع نہیں رہتا۔

لیکن دوسرے احتمال کی تائید میں ایک حدیث بھی موجود ہے جو صحیح مسلم میں حضرت عمرو بن عبسہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا کہ استواء شمس کے وقت نماز پڑھنے سے توقف کرو کیونکہ اس وقت جہنم میں ایندھن ڈال کر اس کو گرم کیا جاتا ہے۔

لیکن اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ نماز تو رحمت کا سبب ہے جس سے تخفیف عذاب کی قوی امید ہے پھر اس سے روکنے کی کیا وجہ؟ حافظ ابوالفتح یعمری اس کا جواب دیتے ہیں کہ جب شارع کی جانب سے کوئی تعلیل وارد ہو تو اس کو قبول کرنا ضروری ہے گو اس کے معنی سمجھ میں نہ آئیں۔ لیکن حافظ زین ابن المنیر نے اس کی ایک مناسب توجیہ مستنبط کی ہے اور وہ یہ کہ نماز اول سے آخر تک دعاء و طلب پر مشتمل ہوتی ہے اور بوقت ظہور اثر غضب دعاء طلب بے سود ہوتی ہے اس لئے ایسے وقت میں نماز پڑھنے سے منع کر دیا گیا۔

قولہ فابردوا بالصلوٰۃ الخ۔ بالصلوۃ میں بار برائے تعدیہ ہے یا زائدہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ گرمی کے وقت ظہر کی نماز ٹھنڈے وقت میں پڑھا کرو۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ ابراد سے مراد ظہر کی تاخیر ہے یعنی ظہر کی نماز میں تاخیر کی جائے یہاں تک کہ وقت میں خنکی آجائے، ہوا چلنے لگے اور سایہ پڑنے لگے۔ بعض اہل لغت نے حدیث کے معنی صلوٰہا لاول وقتہا ذکر کئے ہیں کیونکہ برد النہار اول وقت کو کہتے ہیں۔ مگر یہ معنی الفاظ حدیث "ان شدۃ الحر من فیح جہنم" اور "کان اذا اشتد الحر" سے بعید معلوم ہوتے ہیں۔ پھر بالصلوٰۃ میں صلوٰۃ سے مراد ظہر کی نماز ہے کیونکہ عموماً گرمی کی شدت اسی نماز کے وقت ہے حضرت ابو سعید اور حضرت ابو موسیٰ کی حدیث میں اس کی تصریح موجود ہے۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ بعض حضرات نے اس کو عموم پر رکھا ہے کیونکہ مفرد معرف میں تعمیم ہوا کرتی ہے۔ چنانچہ اشہب تاخیر عصر کے اور ایک روایت میں امام احمد تاخیر عشاء کے قائل ہیں البتہ مغرب اور فجر کی تاخیر کے استحباب کا کوئی قائل نہیں کیونکہ ان میں وقت کم ہوتا ہے۔

(۴) باب التشدید فی الذی تفوتہ صلوٰۃ العصر

(۱۰۲) حدثنا عبد اللہ بن مسلمۃ عن مالک عن نافع عن ابن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الذی تفوتہ صلوٰۃ العصر فکانما وُتِرَ اہلہ ومالہ، قال ابو داؤد وقال عبید اللہ بن عمر اُتِرَ واختلف علی ایوب فیہ وقال الزہری عن سالم عن ابیہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال وُتِرَ

ترجمہ

عبد اللہ بن مسلمہ نے بروایت مالک بواسطہ نافع حضرت ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس شخص کی عصر کی نماز جاتی رہی گویا اس کے اہل و عیال تباہ ہو گئے اور اس کا مال لٹ گیا۔ ابو داؤد کہتے ہیں کہ عبید اللہ بن عمر نے لفظ اُتِر کہا ہے اور اسمیں ایوب پر اختلاف ہے۔ اور زہری نے سالم سے انھوں نے اپنے والد سے اور ان کے

والد نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لفظ "وُتِرَ" نقل کیا ہے۔ ۔ تشریح

قولہ قال ابوداؤد الخ (۳۶) پیش نظر حدیث جو امام مالک نے حضرت نافع سے روایت کی ہے اسمیں لفظ "وُتِرَ" واو کیساتھ ہے اور عبید اللہ بن عمر نے نافع سے "اُتِرَ" ہمزہ کیساتھ روایت کیا ہے۔ دونوں وجہیں بالکل صحیح ہیں کیونکہ اس واؤ کا ہمزہ سے بدل جانا شائع ذائع ہے جیسے وُجوہ میں اُجوہ، وُدری میں اُدری وغیرہ قال تعالیٰ: اِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ، لیکن بخاری میں عبید اللہ بن عمر کی روایت عن نافع عن ابن عمر "وُتِرَ" واؤ کے ساتھ ہے۔

قولہ واختلف علی ایوب الخ حدیث مذکور کو حضرت نافع سے ایوب سختیانی نے بھی روایت کیا ہے لیکن ان کے اصحاب کی روایات میں بھی وُتِرَ اور اُتِرَ کا اختلاف ہے۔ چنانچہ ابو مسلم الکجی نے بطریق حماد بن سلمہ عن نافع لفظ "وُتِرَ" روایت کیا ہے اور حماد بن سلمہ کے علاوہ دوسرے شاگردوں کی روایت میں اُتِرَ ہے۔ امام زہری نے بھی عن سالم عن ابیہ لفظ "وُتِرَ" ہی روایت کیا ہے جس کی تخریج امام مسلم، نسائی اور ابن ماجہ نے کی ہے۔ پس صاحب کتاب لفظ "وُتِرَ" کی روایت کو ترجیح دے رہے ہیں کیونکہ اس پر اکثر حفاظ کا اتفاق ہے۔

(۵۷) باب فی من نام عن الصلوٰۃ او نسیہا

(۳۰۱) حدثنا موسیٰ بن اسماعیل نا ابانُ نا معمر عن الزہری عن سعید بن المسیب عن ابی ہریرۃ فی ہذا الخبر قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تحوّلوا عن مکانکم الذی اصابکم فیہ الغفلۃ قال فامر بلالاً فاذن واقام وصلّی۔ قال ابوداؤد رواہ مالک وسفیان بن عیینۃ والاوزاعی وعبد الرزاق عن معمر وابن اسحاق لم یذکر احدٌ منہم الاذانَ فی حدیث الزہری ہذا ولم یُسنِدْہ منہم احدٌ الّا الاوزاعی وابان العطار عن معمر

۲۷۰

ترجمہ

موسیٰ بن اسماعیل نے بطریق ابان بروایت معمر بسند زہری بواسطہ سعید بن المسیب حضرت ابوہریرہ سے اسی حدیث میں کہا ہے کہ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ سے چلنے کو فرمایا جہاں پہ غفلت طاری ہوئی تھی۔ پھر آپ نے حضرت بلال کو حکم دیا انھوں نے اذان دی، تکبیر کہی اور نماز پڑھی۔ ابوداؤد کہتے ہیں اس حدیث کو مالک، سفیان بن عیینہ اور اوزاعی نے (بلا واسطہ) اور عبد الرزاق نے بواسطہ معمر اور ابن اسحاق نے زہری سے روایت کیا ہے لیکن ان میں سے کسی نے زہری کی حدیث میں اذان کو ذکر نہیں کیا اور نہ اسکو مسند روایت کیا، مگر اوزاعی نے اور ابان عطار نے معمر سے اس کو مسند روایت کیا ہے۔ ۔ تشریح

قولہ فاذن واقام الخ۔ امام احمد، امام ابو حنیفہ اور دیگر اہل علم کے نزدیک قضا نماز کے لئے اذان بھی کہنا چاہئے اور اقامت بھی اور امام شافعی سے مختلف اقوال ہیں اظہر یہ ہے کہ وہ اقامت پر اکتفاء کرنیکو کہتے ہیں کیونکہ صحیح مسلم میں قصہ تعریس متعلق حضرت ابو ہریرہ کی حدیث کے الفاظ ہیں: ثم توضا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وامر بلالا فاقام الصلوۃ فصلی بہم الصبح الخ۔ اس میں اذان کا ذکر نہیں صرف اقامت کا تذکرہ ہے۔

جواب یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ کی یہی حدیث صاحب کتاب نے پیش کی ہے جس میں فامر بلالا فاذن واقام وصلی الخ کی تصریح موجود ہے۔ رہی یہ بات کہ حدیث زہری میں مالک اور سفیان بن عیینہ وغیرہ نے اذان کو ذکر نہیں کیا سو اس کا جواب ہم قال ابوداؤد کے ذیل میں عرض کریں گے۔

اس کے علاوہ قصہ تعریس متعدد صحابہ سے مروی ہے جنہوں نے اذان واقامت دونوں کو ذکر کیا ہے چنانچہ ابوداؤد، احمد، ابن حبان، طحاوی، دارقطنی، حاکم اور ابن خزیمہ نے حضرت عمران بن حصین سے، ابوداؤد نے حضرت عمرو بن امیہ ضمری اور حضرت ذی مخبر حبشی سے۔ ابن حبان نے حضرت ابن مسعود سے اور بزار نے حضرت بلال سے احادیث کی تخریج کی ہے جن میں اذان واقامت ہر دو کی تصریح موجود ہے۔

قولہ قال ابوداؤد الخ ۱۲۵/۱ عبارت وعبد الرزاق عن معمر وابن اسحق میں ابن اسحاق کا عطف مالک پر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس حدیث کو امام مالک، سفیان بن عیینہ اور امام اوزاعی نے بلا واسطہ اور عبد الرزاق نے بواسطہ معمر اور ابن اسحاق نے ابن شہاب زہری سے روایت کیا ہے لیکن ان میں سے کسی نے اذان کو ذکر نہیں کیا پس ان سب کی روایت معمر کی روایت کے خلاف ہے کہ اس نے زہری کی حدیث میں اذان کو ذکر کیا ہے۔ نیز عبد الرزاق نے بواسطہ معمر ابن شہاب کی حدیث میں اذان کو ذکر نہیں کیا اور ابان بن یزید العطار نے بواسطہ معمر اس حدیث میں اذان کو ذکر کیا ہے تو عبد الرزاق کی روایت ابان کی روایت کے خلاف ہوئی۔

۲۷۱

پھر ان حضرات میں سے امام اوزاعی اور ابان بن یزید کے علاوہ کسی نے اس حدیث کو موصولا روایت نہیں کیا بلکہ سب نے مرسلاً روایت کیا ہے بخلاف امام اوزاعی اور ابان بن یزید کے کہ انہوں نے اس کو موصولا روایت کیا ہے۔

جواب یہ ہے کہ امام مسلم، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے اس حدیث بطریق ابن وہب عن یونس عن ابن شہاب عن سعید بن المسیب عن ابی ہریرۃ موصولاً روایت کیا ہے اور یونس ثقات وحفاظ میں سے ہیں جن سے ائمہ ستہ نے احتجاج کیا ہے۔ پھر امام اوزاعی اور محمد بن اسحاق نے انکی متابعت کی ہے تو یہی کہا جائے گا کہ امام زہری نے اس حدیث کو مرسل وموصول دونوں طریق سے بیان کیا ہے۔ فروایۃ الارسال لا تقدح فی روایۃ من وصلہ۔

(۴۶) بابٌ فی بناءِ المساجد

(۱۱۳) حدثنا محمد بن یحیی بن فارس و مجاهد بن موسی وهو اتم قالا نا یعقوب بن ابراهیم ثنا ابی عن صالح قال نا نافع ان عبد الله بن عمر اخبره ان المسجد کان علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم مَبْنِیًّا باللَّبِن والجرید وعَمَدُهُ قال مجاهد عُمُدُهُ من خشب النخل فلم یزد فیه ابوبکر شیئا وزاد فیه عمر وبناه علی بنائه فی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم باللَّبِن والجرید واعاد عَمَدَهُ وقال مجاهد عُمُدُهُ خَشَبًا وغیَّره عثمان فزاد فیه زیادة کثیرة وبنی جداره بالحجارة المنقوشة والقَصَّة وجعل عمده من حجارة منقوشة وسقفه بالسَّاج قال مجاهد وسقّفه السَّاج، قال ابو داؤد القَصَّة الجَصُّ

حل لغات

بنار عمارت، تعمیر کرنا، مَبْنِیًّا بنی (ض)، بناءٌ سے اسم مفعول ہے۔ لَبِن کچی اینٹیں، پکی کو آجُر کہتے ہیں۔ الجرید کھجور کی ٹہنی جو پتوں سے صاف کرلی گئی ہو۔ نہایہ میں ہے کہ جریدۃ کھجور کی شاخ کو کہتے ہیں۔ اس کی جمع جرید ہے۔ قاموس میں ہے کہ جریدۃ کھجور کی لمبی شاخ کو کہتے ہیں خشک ہو یا تر، یا اس شاخ کو کہتے ہیں جو پتوں سے صاف کرلی گئی ہو۔ ای وسقفہ الجرید کما فی روایۃ البخاری، عمد بفتحتین وبضمیم دونوں عمود بمعنیٰ ستون کی جمع کثرت ہے اور جمع قلت اعمدہ ہے۔ خَشَب موٹی لکڑی، النخل کھجور کا درخت، جدار دیوار۔ الحجارۃ المنقوشۃ نقشین پتھر، سقف تسقیفا وسقف (ف، ن)، سقفہ البیت چھت پاٹنا۔ الساج ہند میں ایک خاص قسم کی عمدہ لکڑی ہوتی ہے جس کو ساگون کہتے ہیں۔

ترجمہ

محمد بن یحییٰ بن فارس اور مجاہد بن موسیٰ نے بحدیث یعقوب بن ابراہیم بروایت ابراہیم بسند صالح بواسطہ نافع حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ مسجد نبوی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کچی اینٹوں اور کھجور کی شاخوں سے بنی ہوئی تھی۔ مجاہد نے کہا ہے کہ اس کے ستون کھجور کی لکڑی کے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس میں کوئی ——— اضافہ نہیں کیا البتہ حضرت عمر فاروقؓ نے عہد خلافت میں کچھ اضافہ کیا لیکن جیسے بنا آپ کے زمانہ میں تھی ویسے ہی رکھی یعنی کچی اینٹوں اور کھجور کی شاخوں کی اور اس کے ستون نئی لکڑی کے لگادیے۔ حضرت عثمانؓ نے اس کو بالکل بدل دیا اور اس میں کافی اضافہ کیا اس کی دیواریں چونے اور منقش پتھروں سے تیار کیں، اور ستون بھی نقشین پتھروں کے لگائے اور اس کی چھت ساگون کی لکڑی سے بنائی۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ قصہ بمعنی گچ ہے۔

تشریح

قولہ باب الخ۔ حسب ضرورت مسجد کی توسیع اور استحکام و مضبوطی بنا کرنا ہمیشہ جائز ہے۔

لیکن بطریق فخر و مباہات اور ریا و سمعہ کے طور پر اس کی تزیین و تحسین مکروہ ہے۔ حضرت انس کی حدیث میں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قیامت قائم نہ ہوگی جب تک لوگ مسجدوں پر فخر نہ کریں گے۔ یعنی ایک دوسرے پر فخر کرے گا کہ ہماری مسجد بلند و بالا اور عمدہ و مزین ہے۔

معلوم ہوا کہ ضرورت سے زیادہ مسجدوں کی آرائش ممنوع ہے۔ مسجد کی حقیقی آرائش یہ ہے کہ اس میں سنت کے مطابق اذان و اقامت اپنے وقت پر ہو۔ پنجگانہ نمازیں جماعت کے ساتھ ادا ہوں، نمازیوں کی ضروریات کا انتظام ہو۔ اس کا امام عالم دین، متدین و متقین، پرہیزگار و خلق ترس ہو۔ قرأت سے اچھی طرح واقف ہو وغیرہ۔ نیز اگر مسجد کی آرائش نمازیوں کے خشوع میں خلل انداز ہو تو یہ بھی مکروہ ہے۔ کیونکہ تعمیر مسجد کا مقصد تو یہی ہے کہ اس میں خشوع و خضوع کے ساتھ حق تعالیٰ کی عبادت کی جائے۔

قولہ قال مجاہد عُمُدُہ الخ اپنے شیخ محمد بن یحییٰ اور مجاہد بن موسیٰ کے الفاظ کا اختلاف بیان کرنا چاہتے ہیں کہ محمد بن یحییٰ نے "عُمُدُہ" بضم عین و میم ذکر کیا ہے اور مجاہد بن موسیٰ نے "عَمَدُہ" بفتح عین و میم اور یہ دونوں اعراب صحیح ہیں۔ اور یہ مقصد بھی ہو سکتا ہے کہ محمد بن یحییٰ نے "عمدہ" کو بنی پر معطوف روایت کیا ہو اور اس کے بعد من خشب النخل کو ذکر نہیں کیا، اور مجاہد بن موسیٰ نے عمدہ کو بصورت مبتدا مضموم روایت کیا ہے اس کے بعد اس کی خبر من خشب النخل ذکر کی ہے

قولہ قال ابوداؤد الخ (۱۶۶) صرف لفظ قصہ کے معنی بیان کرنا چاہتے ہیں کہ قصہ جص کو کہتے ہیں جو بقول صاحب قاموس و علامہ عینی گچ کا معرب ہے جس کو چونہ کہتے ہیں۔ مجمع، نہایہ، قاموس اور لسان العرب وغیرہ میں اس کے یہی معنی مذکور ہیں۔ امام خطابی فرماتے ہیں کہ چونے کی طرح ایک چیز ہے بعینہ چونہ نہیں ہے۔ مگر یہ اہل لغت کی تصریح کے خلاف ہے۔

(۷۷) بَابٌ فی کراهیة البزاق فی المسجد

(۱۱۵) حدثنا سلیمان بن داؤد ثنا حماد ثنا ایوب عن نافع عن ابن عمر قال بینما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخطب یوماً اذ رای نخامة فی قبلة المسجد فتغیظ علی الناس ثم حکہا قال واحسبہ قال فدعا بزعفران فلطخہ بہ وقال ان اللہ تعالیٰ قبل احدکم اذا صلی فلا یبزق بین یدیہ قال ابوداؤد رواہ اسماعیل وعبدالوارث عن ایوب عن نافع ومالک وعبیداللہ وموسی بن عقبة عن نافع نحو حماد الا انہ لم یذکروا الزعفران ورواہ معمر عن ایوب واثبت الزعفران فیہ وذکر یحیی بن سلیم عن عبیداللہ عن نافع

الخلوق

حل لغات

البزاق لعاب دہن، تھوک، قاموس میں ہے کہ بصاق مثل غراب اور بساق و بزاق آب دہن کو کہتے ہیں جبکہ وہ منہ سے باہر ہو جائے اور جبتک منہ میں رہے اس کو ریق کہتے ہیں۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ اگر تھوک کم ہو تو اس کو بزق کہتے ہیں۔ اس کے بعد نقل ہے پھر نفث پھر نفخ، نخامہ بلغم، امام نووی نے اہل لغت کا قول نقل کیا ہے کہ مخاط رینٹ کو کہتے ہیں اور بساق و بزاق تھوک کو کہتے ہیں، اور نخامہ و نخاعہ بلغم کو کہتے ہیں دماغ سے آئے یا سینہ سے اٹھے۔ تنخع (ن) کھکار گرانا، مراد صاف کرنا۔ زعفران مشہور خوشبو ہے۔ لطخ (ف) لطخًا آلودہ کرنا۔ فلا یبزق (ن)، بزقًا تھوکنا، الخلوق ایک قسم کی خوشبو ہے جس کا جزء اعظم زعفران ہے :۔ ترجمہ

قولہ باب الخ۔ علامہ نووی نے لکھا ہے کہ مسجد میں تھوکنا جرم ہے خواہ ضرورت سے ہو یا بلا ضرورت۔ ضرورت کی صورت میں کپڑے پر تھوک لینا چاہیے اگر مسجد میں تھوکے گا تو مجرم قرار پائے گا اور تھوک کو دفن کرنا یعنی چھپانا ضروری ہوگا علماء کی رائے یہی ہے۔

قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ مسجد میں تھوکنا جرم اس وقت ہے جب اس کو دفن نہ کرے ورنہ جرم نہیں ہے۔ علامہ نووی فرماتے ہیں کہ یہ قول بالکل باطل اور صریح حدیث کے خلاف ہے۔ حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ حاصل نزاع یہ ہے کہ یہاں دو عموم متعارض ہیں ایک تو یہ کہ مسجد میں تھوکنا جرم ہے دوسرے یہ کہ اپنی بائیں جانب یا قدموں کے نیچے تھوکنا چاہیے۔ اب امام نووی کی رائے تو یہ ہے کہ امر اول عام ہے یعنی مسجد میں تھوکنا علی الاطلاق جرم ہے اور امر ثانی اس صورت کے ساتھ خاص ہے جبکہ وہ مسجد میں نہ ہو۔ اس کے برخلاف قاضی عیاض امر ثانی کو عام مانتے ہیں یعنی مسجد میں ہو یا خارج از مسجد بہر صورت اپنی بائیں جانب یا قدموں کے نیچے تھوکنا چاہیے اور امر اول کو اس شخص کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں جو اس کو نہ چھپائے۔

ابن مکی نے تنقیب میں اور حافظ قرطبی نے المفہم میں قاضی عیاض کی موافقت کی ہے۔ اس کی تائید امام احمد اور طبرانی کی حدیث سے بھی ہوتی ہے جو حضرت ابو امامہ سے مرفوعًا مروی ہے۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من تنخع فی المسجد فلم یدفنہ فسیئۃ وان دفنہ فحسنۃ۔ جو شخص مسجد میں تھوکے اور اسکو دفن نہ کرے تو یہ جرم ہے اور اگر دفن کردے تو یہ اچھائی ہے۔ یہ حدیث جید الاسناد ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسجد میں تھوکنا جرم اس وقت ہے جب اس کو دفن نہ کرے۔

صحیح مسلم میں حضرت ابوذر کی مرفوع حدیث۔ "قال وجدت فی مساوی اعمال امتی النخاعۃ تکون فی المسجد لا تدفن"۔ بھی اسی پر دال ہے

بعض حضرات نے ان دونوں میں یوں تطبیق دی ہے کہ تھوکنے کا جواز تو اس وقت ہے جب کوئی عذر ہو۔ مثلاً مسجد سے نکلنا ممکن نہ ہو اور ممانعت اس وقت ہے جب کوئی عذر نہ ہو وہ ہو توفیق حسن :۔

٢٧٣

قولہ قال ابوداؤد الخ (۱۹۶) الفاظ حدیث میں اختلاف رُواۃ کا بیان ہے کہ ایوب سختیانی سے حماد بن زید اور معمر کی روایت میں "فذھا بزعفران" کے الفاظ ہیں۔ ایوب سختیانی سے اسماعیل اور عبدالوارث کی روایت اور حضرت نافع سے امام مالک، عبیداللہ اور موسیٰ بن عقبہ کی روایت بھی روایت حماد بن زید کے مثل ہے لیکن انکی روایات میں زعفران کا ذکر نہیں بلکہ یحییٰ بن سلیم کی روایت عن عبیداللہ عن نافع میں زعفران کے بجائے الخلوق ہے:

(۷۸) بابُ متیٰ یُؤمرُ الغلامُ بالصَّلوٰۃ

(۱۱۲) حدثنا مؤمل بن ھشام یعنی الیشکری ثنا اسمٰعیل عن سوّار ابی حَمْزَۃ، قال ابوداؤد وھو سوار بن داؤد ابو حمزۃ المُزنی الصَّیرفی عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مُروا اولادکم بالصلوٰۃ وھم ابناء سبع سنین واضربوھم علیھا وھم ابناء عشر وفرقوا بینھم فی المضاجع۔

ترجمہ

مؤمل بن ہشام یشکری نے بروایت اسمٰعیل بواسطہ سوار بن داؤد ابو حمزہ مزنی صیرفی عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اپنی اولاد کو نماز پڑھنے کا حکم کرو جب وہ سات برس کے ہوں اور ان کو نماز نہ پڑھنے پر مارو جب وہ دس برس کے ہوں اور ان کی خوابگاہیں جدا جدا کردو:۔ **تشریح**

قولہ باب الخ اسلام قبول کرنے کے بعد ہر عاقل بالغ شخص پر نماز فرض ہے مرد ہو یا عورت، اور یہ ایسی اہم عبادت ہے کہ کسی حالت میں بھی اس کا ترک جائز نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ "الصلوٰۃ عماد الدین فمن اقامھا فقد اقام الدین ومن ھدمھا فقد ھدم الدین" نماز دین کا ستون ہے جس نے اس کو قائم رکھا تو اس نے اپنے دین کو قائم رکھا اور جس نے اس کو قائم نہ رکھا تو گویا اس نے اپنے دین کو ڈھا دیا۔ اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ بچوں کو شروع ہی سے اس کی تعلیم دی جائے اور نماز پڑھنے کے لئے کہا جائے تاکہ وہ اس کے عادی ہوں اور بلوغ کے بعد نماز کو ترک نہ کریں۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے کہ تم اپنی سات سال اولاد کو نماز کا حکم کرو اور جب وہ دس سال کے ہو جائیں اور پھر بھی نہ پڑھیں تو ان کو مارو کیونکہ نماز کا وجوب گو بلوغ کے بعد ہی ہوتا ہے لیکن اس سے پیشتر ان کو عادی بنانا ضروری ہے:۔

قولہ قال ابوداؤد الخ (۱۹۸) اسمٰعیل بن علیہ کا شیخ سوار جو عمرو بن شعیب سے راوی ہے اسکا تعارف مقصود ہے کہ اسکا نام سوار ہے اور کنیت ابو حمزہ اور اسکے باپ کا نام داؤد ہے جو قبیلہ مزینہ کیطرف منسوب ہو کر مزنی اور سونے چاندی کی تجارت کی طرف منسوب ہو کر صیرفی کہلاتا ہے

اس تعارف کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ امام وکیع نے اس کے اور اس کے باپ کے نام میں قلب کرتے ہوئے داؤد بن سوار ذکر کیا ہے جیسا کہ اگلی حدیث میں آرہا ہے صاحب کتاب اسی پر تنبیہ کررہے ہیں:

قولہ واضربوہم علیہا الخ. اگر کوئی شخص بلوغ کے بعد بھی نماز کو ترک کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟ امام مالک اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ اس کو قتل کردیا جائے گا کیونکہ اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اولاد جب دس برس کی ہوجائے تو اس کو مارنا چاہیے معلوم ہوا کہ اگر وہ بلوغ کے بعد بھی نہ پڑھے تو وہ اس سے زیادہ عقوبت کا مستحق ہے اور ضرب کے بعد شدید عقوبت قتل ہی ہے۔

حماد بن زید، وکیع بن الجراح اور حضرت مکحول کہتے ہیں کہ اس سے توبہ کرائی جائے گی۔ اگر توبہ کرلے تو بہتر ہے ورنہ قتل کردیا جائے گا۔ مگر چونکہ حدیث صحیح "لا یحل دم امرأ مسلم الا باحدی ثلث الخ" کے خلاف ہے۔ اسی لیے امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ قتل تو نہیں کیا جائے گا البتہ توبہ کرنے تک قید رکھا جائے گا۔ امام زہری سے منقول ہے کہ وہ فاسق ہے لہٰذا اس کو سخت ترین مار لگائی جائے گی اور قید کیا جائیگا ابراہیم نخعی، ایوب سختیانی، عبداللہ بن المبارک، اسحاق بن راہویہ اور امام احمد کے نزدیک تارک صلوٰۃ کافر ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ جان بوجھکر نماز ترک کرنے والے کے علاوہ کوئی مسلمان کسی گناہ کی وجہ سے کافر نہیں ہوتا۔ ان کا مستدل حدیث جابر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیس بین العبد وبین الکفر الا ترک الصلوٰۃ ہے۔

۲۷۶ (۱۱۷) حدثنا زهير بن حرب ثنا وكيع حدثني داؤد بن سوار المزني باسناده ومعناه وزاد فيه واذا زوج احدكم خادمه عبده او اجيره فلا ينظر الى ما دون السرة وفوق الركبة، قال ابو داؤد وهم وكيع في اسمه وروى عنه ابو داؤد الطيالسي هذا الحديث فقال ثنا ابو حمزة سوار الصيرفي

ترجمہ

زہیر بن حرب نے بروایت وکیع داؤد بن سوار مزنی سے اس کی سند کے ساتھ حدیث سابق کے ہم معنی روایت کیا ہے اس میں اتنی زیادتی ہے کہ جب کوئی اپنی باندی کا نکاح اپنے غلام یا نوکر سے کردے تو پھر اس کی ناف کے نیچے اور گھٹنوں کے اوپر نہ دیکھے۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ وکیع کو داؤد بن سوار کے نام میں وہم ہوا ہے۔ ابوداؤد طیالسی نے اس سے اس حدیث کو روایت کرتے ہوئے یوں کہا ہے حدثنا ابوحمزہ سوار الصیرفی۔

تشریح

قولہ قال ابوداؤد الخ (۱۹۹) یعنی وکیع نے اپنے شیخ کا نام داؤد اور اس کے باپ کا نام سوار ذکر کیا ہے۔ مگر یہ وکیع کا وہم ہے۔ ان کے شیخ کا نام سوار اور ان کے باپ کا نام داؤد ہے۔ دلیل یہ ہے کہ ابوداؤد طیالسی نے اس حدیث کو روایت کرتے ہوئے یوں کہا ہے۔ حدثنا ابوحمزہ سوار الصیرفی۔ گزشتہ حدیث میں اسمٰعیل بن علیہ نے بھی اس کا نام سوار ہی بتایا ہے جس کی تفصیل قول ۱۹۸ میں گزرچکی۔ نضر بن شمیل اور عبداللہ بن بکر نے بھی انھیں

کی متابعت کی ہے۔ ثانیهما قال احدثنا ابو حمزة العسکری ح سوار بن داؤد۔ ان دونوں کی متابعت سنن دارقطنی میں موجود ہے۔

(۷۹) باب کیف الاذان

(۱۱۸) حدثنا محمد بن منصور الطوسی ثنا یعقوب ثنا ابی عن محمد بن اسحاق حدثنی محمد بن ابراهیم بن الحارث التیمی عن محمد بن عبد اللہ بن زید بن عبد ربہ حدثنی ابی عبد اللہ بن زید قال لما امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالناقوس یعمل لیضرب بہ للناس لجمع الصلوٰۃ طاف بی وانا نائم رجل یحمل ناقوسا فی یدہ فقلت یا عبد اللہ اتبیع الناقوس فقال ما تصنع بہ فقلت ندعوا بہ الی الصلوٰۃ قال افلا ادلک علی ما هو خیر من ذلک فقلت لہ بلی قال فقال تقول اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اشهد ان لا الہ الا اللہ اشهد ان لا الہ الا اللہ اشهد ان محمدا رسول اللہ اشهد ان محمدا رسول اللہ حی علی الصلوٰۃ حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح حی علی الفلاح اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ قال ثم استاخر عنی غیر بعید ثم قال تقول اذا اقمت الصلوٰۃ اللہ اکبر اللہ اکبر اشهد ان لا الہ الا اللہ اشهد ان محمدا رسول اللہ حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح قد قامت الصلوٰۃ قد قامت الصلوٰۃ اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ فلما اصبحت، اتیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاخبرتہ بما رأیت فقال انها لرؤیا حق ان شاء اللہ فقم مع بلال فالق علیہ ما رأیت فلیؤذن بہ فانہ اندی صوتا منک فقمت مع بلال فجعلت القیہ علیہ ویؤذن بہ قال فسمع ذلک عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ وهو فی بیتہ فخرج یجر رداءہ ویقول والذی بعثک بالحق یا رسول اللہ لقد رأیت مثل ما رای فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فللہ الحمد، قال ابو داؤد وهکذا روایۃ الزهری عن سعید بن المسیب عن عبد اللہ بن زید وقال فیہ ابن اسحاق عن الزهری اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر وقال معمر ویونس عن الزهری فیہ اللہ اکبر اللہ اکبر لم یثنیا۔

۲۷۷

حل لغات

الاذان لغت میں اذان کے معنی مطلق اعلام یعنی خبر دینے کے ہیں قال تعالیٰ واذان من اللہ ورسولہ اذن بمعنی استماع سے مشتق ہے۔ بعض کے نزدیک زبان کے وزن پر مصدر ہے اور بعض کے نزدیک اسم مصدر ہے کیونکہ اس کی ماضی اذن اور مصدر تاذین ہے۔ اصطلاح شرع میں اذان چند مخصوص الفاظ کے ساتھ ساعات مخصوصہ میں اوقات نماز شروع ہونے کی اطلاع دینا ہے۔ ناقوس قاموس میں ہے کہ ناقوس وہ بیل کو کہتے ہیں جس کو عیسائی لوگ اوقات نماز کے وقت بجاتے ہیں۔ یہ چھوٹی بڑی دو لکڑیاں ہوتی ہیں ایک چھوٹی لکڑی بڑی لکڑی کو بجاتے ہیں کبھی لفظ ناقوس گھنٹہ کیلئے بھی استعمال کر لیتے ہیں۔ طاف ای مر طیفاً۔ یہ الخیال خواب میں نظر آنا۔ قال الجوہری طیف الخیال مجیئہ فی النوم یقال منہ طاف الخیال یطیف طیفاً ومطافاً۔ رجل بقول ملاعلی قاری طاف کا فاعل ہے والاظہر ان تقدیرہ جاء فی رجل فی عالم الخیال۔ ادلک دن۔ دلالۃ رہنمائی کرنا۔ اللہ اکبر ای کبیر کقولہ تعالیٰ وھو اھون علیہ ای ہین علیہ۔ او اکبر من کل شئ قالہ الکسائی والفراء وہشام۔ قال ابن الانباری وعاز ابوالعباس اللہ اکبر۔ حی اسم فعل بمعنی ہلم امر حاضر ہے نماز کے لئے آؤ۔ الفلاح فوز کامیابی رؤیا خواب۔ القہ القاء سے امر حاضر ہے بمعنی املاء کرانا۔ اندیٰ بلند آواز۔ اقیم مضارع کا واحد متکلم ہے اور ہا ضمیر منصوب ہے۔ رداء چادر۔ یجرہ وائہ سرعت سے کنایہ ہے۔ ترجمہ

محمد بن منصور طوسی نے بطریق یعقوب بن ابراہیم بن سعد بروایت ابراہیم بن سعد بسند محمد بن اسحق بتحدیث محمد بن ابراہیم بن الحارث تیمی بواسطہ محمد بن عبداللہ بن زید بن عبدربہ حضرت عبداللہ بن زید سے روایت کیا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کی خبر کرنے کے لئے ناقوس بنانے کا حکم دیا تو مجھے ایک شخص خواب میں دکھائی دیا جو اپنے ہاتھ میں ناقوس لئے ہوئے تھا۔ میں نے اس سے کہا: بندۂ خدا! ناقوس بیچتا ہے؟ وہ بولا تم اس کا کیا کرو گے؟ میں نے کہا ہم اس کے ذریعہ سے لوگوں کو نماز کے واسطے بلایا کریں گے۔ وہ بولا میں تم کو اس سے بہتر چیز نہ بتا دوں؟ میں نے کہا: ہاں! ضرور بتاؤ۔ اس نے کہا: یوں کہا کرو، اللہ اکبر اللہ اکبر الخ پھر وہ تھوڑا پیچھے ہٹا اس کے بعد بولا کہ تکبیر کے لئے یوں کہا کرو۔ اللہ اکبر اللہ اکبر الخ جب صبح ہوئی تو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خواب کا پورا قصہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا: ان شاء اللہ یہ خواب سچا ہے تو یہ کلمات بلال کو املاء کرا دے وہ اذان دیگا کیونکہ اس کی آواز بلند ہے۔ چنانچہ میں بلال کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا اور ان کو وہ کلمات بتاتا گیا اور وہ اذان کہتے گئے۔ جب حضرت عمر فاروق نے یہ سنا تو وہ جلدی سے چادر کھینچتے ہوئے آئے اور بولے قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو سچا نبی بنا کر بھیجا ہے میں نے بھی خواب ایسا اسی طرح دیکھا ہے۔ آپ نے فرمایا: الحمد للہ۔ ۴۷۸

ابوداؤد کہتے ہیں کہ زہری کی روایت بواسطہ سعید بن المسیب حضرت عبداللہ بن زید سے اسی طرح ہے اور ابن اسحاق نے زہری سے اس حدیث میں اللہ اکبر چار مرتبہ روایت کیا ہے اور معمر و یونس نے زہری سے اللہ اکبر، اللہ اکبر روایت کیا ہے اس کو مکرر ذکر نہیں کیا۔ تشریح

قولہ باب الخ - اس باب میں اذان کی کیفیت بیان کر رہے ہیں - اذان کے سلسلہ میں کئی اعتبار سے کلام ہے - اول یہ کہ اس کی مشروعیت کب ہوئی ہجرت سے قبل یا ہجرت کے بعد؟ دوم یہ کہ سنہ مشروعیت کیا ہے؟ سوم یہ کہ اذان و اقامت کا حکم کیا ہے یعنی واجب ہے یا سنت؟ چہارم یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں بنفس نفیس اذان کہی ہے یا نہیں؟ پنجم یہ کہ اذان میں ترجیع ہے یا نہیں؟ ششم یہ کہ اذان و اقامت کے کلمات کتنے ہیں؟

امر اول کی تشریح یہ ہے کہ مشروعیت اذان کے متعلق روایات مختلف ہیں بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی مشروعیت ہجرت سے قبل مکہ میں ہوئی ہے - چنانچہ حافظ طبرانی نے حضرت ابن عمر سے، دارقطنی نے اطراف میں حضرت انس سے ابن مردویہ نے حضرت عائشہ سے اور بزار وغیرہ نے حضرت علی سے یہی روایت کیا ہے - ابوبکر رازی نے بھی احکام القرآن میں یہی کہا ہے کہ اذان کی ابتداء شب معراج میں ہوئی ہے۔

لیکن یہ تمام روایات ضعیف الاسناد ہیں کیونکہ حدیث ابن عمر کی سند میں طلحہ بن زید متروک ہے اور حدیث انس بقول حافظ ضعیف ہے - حدیث عائشہ کی اسناد میں ایک مجہول راوی ہے - اسی طرح حدیث علی کی اسناد میں زیاد بن المنذر ابوالجارود متروک ہے - اس لئے محققین علما کی رائے یہ ہے کہ اذان کی مشروعیت ہجرت کے بعد ہوئی ہے - چنانچہ ابن المنذر نے جزم کے ساتھ کہا ہے کہ قیام مکہ کے زمانے میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بلا اذان نماز پڑھتے تھے اور لوگ خود بخود اندازے سے ایک وقت معین پر جمع ہو جاتے تھے یہاں تک کہ آپ نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی اور یہاں آکر اس کے متعلق مشورہ ہوا جس کی تصریح حدیث ابن عمر و حدیث عبداللہ بن زید میں موجود ہے۔

بہرکیف جمہور علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اذان کی مشروعیت ہجرت کے بعد ہوئی، شیخ تقی الدین کہتے ہیں صحیح یہ ہے کہ اذان کی ابتداء مدینہ طیبہ میں ہوئی ہے - امام بخاری نے بھی صحیح میں آیت "واذا نادیتم الی الصلوٰۃ اتخذوہا ہزوا ولعبا" اور آیت "اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ" سے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے - وفیہ عن ابن عباس ان فرض الاذان نزل مع ہذہ الآیۃ اخرجہ ابوالشیخ۔

لیکن ہجرت کے بعد کس سنہ میں ہوا؟ اس میں اختلاف ہے بعض حضرات نے ذکر کیا ہے کہ اس کی مشروعیت ۲ھ میں ہوئی ہے - صاحب مواہب لکھتے ہیں وکان فیما قیل فی السنۃ الثانیۃ - ملا علی قاری کہتے ہیں وکان شرعیۃ الاذان فی السنۃ الثانیۃ وقیل فی اولہا اھ۔
لیکن جمہور کے نزدیک سنہ مشروعیت ہجرت کا پہلا سال ہے - چنانچہ عام اہل تاریخ نے اس کو سنہ ایک ہجری کے واقعات میں شمار کیا ہے - زرقانی و شوکانی کے نزدیک یہی راجح ہے اسی کو امام نووی نے تہذیب اللغات میں اور صاحب درمختار نے اپنی کتاب میں اختیار کیا ہے، وبہ جزم الحافظ فی تہذیبہ۔

حکم اذان و اقامت کے متعلق قاضی شوکانی نے نیل میں لکھا ہے کہ اکثر اہل بیت، امام احمد

مالک اور اصطخری وغیرہ ان کے وجوب کی طرف گئے ہیں۔ عطاء بن ابی رباح اور بقول صاحب بحر امام اوزاعی کے نزدیک اقامت واجب ہے نہ کہ اذان اور ابوطالب کے نزدیک اس کا عکس ہے یعنی اذان واجب ہے نہ کہ اقامت۔ احناف اور امام شافعی کے نزدیک دونوں سنت ہیں۔ تحفہ، محیط، کافی، قاضی خان، بدائع اور ہدایہ وغیرہ کتب احناف میں یہی مذکور ہے کہ اذان واقامت دونوں سنت موکدہ ہیں۔ حافظ ابن عبد البر نے امام مالک اور آپکے اصحاب سے بھی یہی نقل کیا ہے۔

امر چہارم کے متعلق حافظ کہتے ہیں کہ سہیلی کے نزدیک یہ امر واقع ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ سفر میں بنفس نفیس اذان کہی ہے جس کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے امام نووی نے بھی اس پر جزم ظاہر کیا ہے۔

لیکن جس طریق سے امام ترمذی نے روایت کیا ہے اسی طریق پر مسند امام احمد میں روایت کے الفاظ یہ ہیں۔ "فامر بلالا اھ" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان کہنے والے حضرت بلال ہیں اور ترمذی کی روایت میں اختصار ہے۔ نیز روایت میں "اذن" کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے وہ بطریق مجاز ہے۔ کما یقال اعطی الخلیفۃ العالم الفا لکونہ امر اھ۔ باقی مباحث پر گفتگو حدیث کے ذیل میں آرہی ہے۔

قولہ لما امر رسول اللہ الخ۔ اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ باب "بدء الاذان" کے ذیل میں گذر چکا ہے کہ آپ نے ناقوس کو شعار نصاریٰ قرار دے کر ناپسند فرما دیا تھا پھر اس کے تیار کرنے کا حکم کیسے فرمایا؟ جواب یہ ہے کہ امر بالناقوس بمعنی ارادہ یا امر ہے۔ یعنی آپ ناقوس بنوانا چاہتے تھے اور آپ کا میلان اس طرف ہو چلا تھا کہ اتنے میں حضرت عبد اللہ بن زید نے خواب دیکھا اھ یا یہ کہا جائے کہ اولاً آپ نے شبور اور ناقوس دونوں کو ناپسند فرمایا تھا کیونکہ شبور یہود کا اور ناقوس نصاریٰ کا شعار ہے لیکن نصاریٰ یہود کی بہ نسبت اقرب الی المودۃ ہیں۔ قال تعالیٰ "ولتجدن اقربھم مودۃ للذین آمنوا الذین قالوا انا نصاریٰ" اس لئے آپ نے اس کو اختیار فرمالیا یہ تو اس وقت ہے جب لفظ امر بصیغہ معروف ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ بصیغہ مجہول ہو یعنی اشیر یعنی بعض صحابہ نے آپ کو ناقوس بنوانے کا مشورہ دیا۔ لیکن یہ صاحب کتاب کے سیاق کے تو مناسب ہے مگر سنن دارمی کے الفاظ "فھم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یجعل بوقا کبوق الذین یدعون بھم لصلاتھم ثم کرھہ ثم امر بالناقوس اھ" اسی طرح ابن ماجہ کے الفاظ "کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد اھتم بالبوق وامر بالناقوس فنحت اھ" اسی پر دال ہیں کہ لفظ امر بصیغہ معروف ہے (تامل)۔

قولہ بالناقوس الخ۔ اس سے پہلی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی ایسے طریقہ کی ضرورت تھی جس کے ذریعہ لوگوں کو نماز کی اطلاع ہو چنانچہ بعض صحابہ نے آپ کو قنع کا مشورہ دیا (جس کو قبع، قتع، تنع بھی کہتے ہیں)، اسی حدیث میں قنع کی تفسیر شبور سے کی گئی ہے۔ بخاری کی روایت میں لفظ بوق اور امام مسلم وامام نسائی کی روایت میں لفظ قرن ہے۔ یہ چاروں لفظ

یعنی نفخ، مشہور، بوق اور قرن محد المعنی ہیں بگل کو کہتے ہیں۔ مگر آپ نے ان کو نا پسند فرمایا کیونکہ یہ شعار یہود میں سے ہیں اس کے بعد آپ کو ناقوس کا مشورہ دیا گیا اولاً آپ نے اس کو بھی ناپسند فرمایا کیونکہ یہ نصاریٰ کا طریق تھا مگر بعد میں آپ کا ارادہ اسی کا ہو چلا تھا اھ۔

قولہ قم مع بلال الخ۔ علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ ان الفاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ اذان کھڑے ہو کر کہنا ضروری ہے۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں قاضی عیاض وغیرہ سے بھی یہی نقل کیا ہے۔ ابن خزیمہ اور ابن المنذر نے بھی اسی سے احتجاج کیا ہے۔ لیکن امام نووی فرماتے ہیں کہ قم مع بلال کا منشاء یہ ہے کہ ذرا بلند جگہ پر جاؤ اور وہاں اذان کہو تاکہ لوگ سن سکیں۔ ان الفاظ میں اس سے کوئی تعرض نہیں کہ اذان کی حالت میں کھڑا ہونا ضروری ہے اسی لئے ابوثور اور ابوالفرج مالکی وغیرہ اکثر علماء اسی کے قائل ہیں کہ بیٹھ کر اذان کہنا بھی جائز ہے۔ احناف کے یہاں بھی یہی مشہور ہے البتہ کھڑے ہو کر اذان کہنا سب کے نزدیک مسنون ہے۔ قال ابن المنذر انہم اتفقوا علی ان القیام من السنۃ۔

قولہ فسمع ذلک عمر الخ۔ روایت کے ان الفاظ سے یہ معلوم ہوا کہ اذان کی ابتداء حضرت عبداللہ بن زید کے خواب سے ہوئی۔ عام روایات جن کی تخریج ابوداؤد، ابن ماجہ، بیہقی، حاکم، ابن خزیمہ اور ابن حبان وغیرہ نے کی ہے وہ بھی اسی پر دال ہیں اور یہی محدثین کے یہاں مشہور ہے۔

لیکن صحیحین اور سنن بیہقی وغیرہ میں حضرت ابن عمر کی حدیث میں تصریح ہے کہ اذان کا آغاز حضرت عمر فاروق کے قول سے ہوا۔ صحیح بخاری کی روایت کے الفاظ ہیں: فقال عمر اولا تبعثون رجلا ینادی بالصلوۃ فقال صلی اللہ علیہ وسلم یا بلال قم فناد بالصلوۃ اھ: تو یہ دونوں قسم کی روایتیں باہم متعارض ہیں۔ نیز مسند امام احمد اور طبرانی کی معجم اوسط کی بعض روایات میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق نے یہ خواب دیکھا اور آپ ہی نے سب سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی بلکہ امام غزالی کی وسیط میں کچھ اوپر دس اور جیلی کی شرح تنبیہ میں چودہ اشخاص کے متعلق بھی یہی مذکور ہے۔ لیکن ابن الصلاح، نووی اور مغلطائی وغیرہ نے اس کی تردید کی ہے۔

علامہ قرطبی نے حدیث عبداللہ بن زید اور حدیث ابن عمر کے تعارض کو دور کرنے کیلئے یہ جواب دیا ہے کہ حضرت عمر کا یہ قول عبداللہ بن زید کے خواب سے بعد کا ہے یعنی: فقال عمر اھ میں فاء فصیحہ ہے اور تقدیر عبارت یوں ہے: فافترقوا فرأی عبداللہ بن زید فجاء الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقص علیہ فصدقہ اھ۔

لیکن بقول حافظ ابن حجر عبداللہ بن زید کی حدیث کے الفاظ فسمع ذلک عمر الخ۔ اسی پر دال ہیں کہ جب حضرت عبداللہ بن زید نے اپنے خواب کا قصہ بیان کیا اس وقت حضرت عمر وہاں موجود نہیں تھے اور حضرت عبداللہ بن زید کے خواب کا قصہ حضرت عمر کے قول مذکور کے بعد ہے۔

حافظ ابوبکر بن العربی کی رائے یہ ہے کہ حدیث ابن عمر ضعیف ہے۔ چنانچہ موصوف نے امام ترمذی کی تصحیح پر تعجب کرتے ہوئے کہا ہے: والعجب لابی عیسیٰ یقول حدیث ابن عمر صحیح وفیہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم امر بالاذان لقول عمر وانما امر بہ لقول عبداللہ بن زید وانما جاء عمر بعد ذلک حین سمعہ اھ۔

مگر یہ نظریہ اس لئے صحیح نہیں کہ حدیث ابن عمر کی تصحیح صرف امام ترمذی ہی نے نہیں کی بلکہ دوسرے حضرات نے بھی اس کو صحیح مانا ہے۔ حافظ ابن مندہ نے تو اس کی صحت پر اجماع نقل کیا ہے۔

قاضی عیاض نے شرح مسلم میں ان دونوں روایتوں کے درمیان اس طرح تطبیق دی ہے کہ حضرت عمر کا قول شرعی اذان کے طریق پر نہ تھا بلکہ اس میں صرف اوقات نماز کی اطلاع تھی گویا حضرت بلال جیسے الصلوٰۃ جامعۃ کے الفاظ سے ندا دیتے تھے اس کے بعد حضرت عبداللہ بن زید کے خواب سے شرعی اذان کا طریقہ جاری ہوا۔ مذکورہ بالا توجیہات کی بہ نسبت یہ توجیہ مناسب معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ علامہ عینی اور امام نووی وغیرہ نے اسی کو پسند کیا ہے۔

حدیث ابوبکر بن تطبیق کی یہ صورت ممکن ہے کہ آپ نے اپنا خواب ہمکان پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش گذار کیا۔ جب آپ باہر تشریف لائے تو حضرت عبداللہ بن زید نے اپنا خواب نقل کیا اور حضرت بلال کی اذان سنکر حضرت عمر فاروق حاضر ہوئے اھ۔

۲۸۲ **قولہ فلما اصبح الخ**۔ حضرت عبداللہ بن زید کی حدیث سے چند باتیں ثابت ہوئیں۔ اول یہ کہ اذان کے شروع میں تکبیر ترجیع کے ساتھ ہے یعنی لفظ اللہ اکبر چار مرتبہ ہے۔ دوم یہ کہ اذان کے کلمات پندرہ ہیں۔ سوم یہ کہ اذان میں ترجیع نہیں ہے۔ چہارم یہ کہ تکبیر کے کلمات گیارہ ہیں۔ ہم ترجیع تکبیر کی تفصیل قال ابوداؤد کے ذیل میں اور ترجیع اذان کی بحث قول ع۱۴۲ کے بعد والی حدیث کے ذیل میں اور تکبیر کی مفصل بحث باب الاقامۃ کے ذیل میں پیش کریں گے۔

(۱۴۰)
قولہ قال ابوداؤد الخ زیر بحث حدیث کو محمد بن ابراہیم بن الحارث نے بواسطہ محمد بن عبداللہ بن زید حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ سے روایت کیا ہے جس میں اذان کے شروع میں ترجیع ہے یعنی لفظ اللہ اکبر چار مرتبہ مذکور ہے۔ اور اقامت کے شروع میں صرف دو مرتبہ ہے اور اقامت کے کل کلمات مفرد ہیں (کیونکہ لفظ اللہ اکبر اللہ اکبر کلمہ واحدہ کے درجہ میں ہے) سوائے قد قامت الصلوٰۃ کے کہ یہ دو مرتبہ ہے۔

صاحب کتاب اس کے متعلق کہتے ہیں کہ زہری کی روایت عن سعید بن المسیب عن عبداللہ بن زید بن عبدربہ بھی اسی طرح ہے لیکن زہری کی حدیث میں اصحاب زہری کا اختلاف ہے چنانچہ محمد بن اسحاق نے تو زہری سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے جس طرح اس نے محمد بن ابراہیم بن الحارث سے روایت کیا ہے جس کی تفصیل اوپر مذکور ہوئی۔

لیکن زہری سے معمر اور یونس کی روایت میں اذان کے شروع میں تکبیر صرف دو مرتبہ مذکور ہے

چار مرتبہ نہیں ہے۔ امام مالک، امام ابو یوسف، زید بن علی، صادق، ہادی اور قاسم وغیرہ جملہ حضرات اسی کے قائل ہیں۔ ائمہ ثلاثہ اور بقول امام نووی جمہور علماء ترجیع کے قائل ہیں۔ امام مالک کی دلیل حدیث ابو محذورہ ہے جس میں اللہ اکبر اللہ اکبر صرف دو مرتبہ ہے۔ نیز حدیث میں ہے کہ آپ نے حضرت بلال کو تشفیع اذان وایتار اقامت کا حکم فرمایا۔ جمہور علماء کی دلیل حضرت عبد اللہ بن زید کی حدیث ہے جس میں تکبیر چار مرتبہ ہے اور حدیث ابو محذورہ کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابو محذورہ سے ترجیع اور تثنیہ دونوں مروی ہیں اور اکثر ثقات وحفاظ کی روایت میں ترجیع ہی ہے۔

حدیث زہری کی تخریج امام احمد نے مسند میں اور حاکم نے مستدرک میں اور روایت سمرۃ یونس کی تخریج حافظ بیہقی نے سنن کبریٰ میں کی ہے:۔

(۱۱۹) حدثنا الحسن بن علی ثنا ابو عاصم وعبد الرزاق عن ابن جریج قال اخبرنی عثمان بن السائب اخبرنی ابی وام عبد الملک بن ابی محذورة عن ابی محذورة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نحو هذا الخبر وفیه الصلوٰة خیر من النوم الصلوٰة خیر من النوم فی الاولی من الصبح، قال ابو داؤد وحدیث مسدد ابین قال فیه وقال وعلمنی الاقامة مرتین اللہ اکبر اللہ اکبر اشهد ان لا الٰه الا اللہ اشهد ان لا الٰه الا اللہ اشهد ان محمدا رسول اللہ اشهد ان محمدا رسول اللہ حی علی الصلوٰة حی علی الصلوٰة حی علی الفلاح حی علی الفلاح اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰه الا اللہ، قال ابو داؤد وقال عبد الرزاق واذا اقمت الصلوٰة فقلها مرتین قد قامت الصلوٰة قد قامت الصلوٰة اسمعت قال فکان ابو محذورة لا یجز ناصیته ولا یفرقها لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم مسح علیها۔

۲۸۳

ترجمہ

حسن بن علی نے بطریق ابو عاصم وعبد الرزاق بروایت ابن جریج بسند عثمان بن السائب باخبار سائب وام عبد الملک بن ابی محذورہ بواسطہ ابو محذورہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی حدیث کے مثل روایت کیا ہے اور اس میں یہ ہے کہ الصلوٰۃ خیر من النوم، الصلوٰۃ خیر من النوم فجر کی پہلی اذان میں ہے۔ ابو داؤد کہتے ہیں کہ مسدد کی حدیث زیادہ واضح ہے اس میں حضرت ابو محذورہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اقامت دو دو کلمات کے ساتھ سکھائی یعنی اللہ اکبر اللہ اکبر الخ

ابو داؤد کہتے ہیں کہ عبد الرزاق نے کہا ہے کہ جب تو تکبیر کہے تو اس میں قد قامت الصلوٰۃ دو مرتبہ کہہ۔ تو نے سنا؟ سائب کہتے ہیں کہ حضرت ابو محذورہ اپنی پیشانی کے بال نہ کترواتے تھے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ اپنا دست مبارک پھیرا تھا۔ - تشریح

قولہ قال ابو داؤد وحدیث مسدد الخ (۱۴۱) صاحب کتاب نے زیر بحث حدیث سے قبل جو حدیث مسدد کی تخریج کی ہے اس کے متعلق کہتے ہیں کہ حسن بن علی کی اس حدیث کی بہ نسبت مسدد کی حدیث کلمات اذان کے سلسلہ میں زیادہ واضح اور مصرح ہے اگرچہ حسن بن علی کی حدیث میں الفاظ اقامت کی زیادتی ہے جو مسدد کی حدیث میں نہیں ہے مزید تشریح اگلے قول میں ملاحظہ ہو۔

قولہ قال ابو داؤد وقال عبدالرزاق الخ (۱۴۲) ابن جریج سے روایت کرنے والے ابو عاصم اور عبدالرزاق دو راوی ہیں اور ان دونوں کی روایت میں الفاظ کا اختلاف ہے مصنف اسی اختلاف کو بیان کرنا چاہتے ہیں کہ حسن بن علی نے بواسطہ ابو عاصم ابن جریج سے اقامت کے الفاظ بھی تفصیل کے ساتھ ذکر کئے ہیں جو مسدد کی روایت میں نہیں ہیں اور یہ بھی ذکر کیا ہے کہ اقامت کے الفاظ دو دو ہیں۔ لیکن حسن بن علی نے ابو عاصم کے واسطہ سے اس روایت میں لفظ قد قامت الصلوٰۃ کو ذکر نہیں کیا۔ پھر حسن بن علی نے عبدالرزاق کے واسطہ سے بھی اقامت کا تذکرہ کیا ہے مگر یہ تذکرہ تفصیلی نہیں اجمالی ہے۔ نیز اس واسطہ سے لفظ قد قامت الصلوٰۃ کو بھی دو مرتبہ ذکر کیا ہے۔

(تنبیہ) صاحب کتاب نے ابو عاصم کی روایت کے متعلق کہا ہے کہ اس میں قد قامت الصلوٰۃ کا ذکر نہیں ہے لیکن امام طحاوی نے حدیث ابو عاصم کی تخریج اسی سند کے ساتھ کی ہے اس میں اس کا ذکر موجود ہے۔ امام نسائی نے اس کی تخریج بطریق حجاج عن ابن جریج اسی سند کے ساتھ کی ہے اس میں بھی اس کا ذکر ہے۔ اسی طریق اور اسی سند کے ساتھ اس کو دارقطنی نے روایت کیا ہے ان کے الفاظ یہ ہیں " وعلمنی الاقامة مرتین اھ "

قولہ اسمعت الخ۔ یہ لفظ ہمزہ استفہام کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے اور اسماع مصدر سے بصیغہ خطاب بھی ہو سکتا ہے۔ بہر دو تقدیر یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے۔ پہلی صورت میں مطلب یہ ہے کہ آپ نے ابو محذورہ سے فرمایا: میں نے جو کچھ کہا ہے وہ تم نے اچھی طرح سنا اور محفوظ کیا یا نہیں؟ بر تقدیر ثانی معنی یہ ہیں کہ بوقت اقامت جب تم یہ کلمات کہہ چکے تو تم نے پوری جماعت کو سنا دیا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ عبدالرزاق کا قول اپنے شاگرد کے لئے ہو۔ ای اسمعت ما حدثت لک۔

(۲۰) حدثنا محمد بن داؤد الاسکندرانی ثنا زیاد یعنی ابن یونس عن نافع بن عمر یعنی الجمحی عن عبدالملک بن ابی محذورة اخبرہ عن عبداللہ بن محیریز الجمحی عن ابی محذورة ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علمہ الاذان یقول اللہ اکبر اللہ اکبر اشھد ان لا الہ الا اللہ اشھد ان لا الہ الا اللہ ثم ذکر مثل اذان حدیث ابن جریج عن عبدالعزیز بن عبدالملک ومعناہ قال ابو داؤد وفی حدیث مالک بن دینار قال

سألتُ ابن ابی محذورۃ قلت حدثنی عن اذان ابیک عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فذکر فقال اللہ اکبر اللہ اکبر قط وکذلک حدیث جعفر بن سلیمان عن ابن ابی محذورۃ عن عمہ عن جدہ الا انہ قال ثم ترجع فترفع صوتک اللہ اکبر اللہ اکبر

ترجمہ

محمد بن داؤد اسکندرانی نے بطریق زیاد بن یونس بروایت نافع بن عمر جمحی بر عبد الملک بن ابی محذورہ باخبار عبد اللہ بن محیریز جمحی حضرت ابو محذورہ سے روایت کیا ہے کہ انھیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اذان سکھائی، اللہ اکبر اللہ اکبر الخ۔ پھر حدیث ابن جریج عن عبد العزیز بن عبد الملک کے مثل اذان ذکر کی۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ مالک بن دینار کی حدیث میں یہ ہے کہ میں نے حضرت ابو محذورہ کے صاحبزادے سے کہا کہ تم مجھے اپنے والد کی اذان سناؤ، انھوں نے اذان سنائی اور کہا اللہ اکبر اللہ اکبر جعفر بن سلیمان کی روایت عن ابن ابی محذورہ عن عمہ عن جدہ بھی اسی طرح ہے مگر اس میں یہ ہے کہ آپ نے فرمایا، پھر ترجیع کر اور اللہ اکبر اللہ اکبر میں اپنی آواز بلند کر۔ **تشریح**

قولہ یقول اللہ اکبر الخ۔ اس روایت میں اذان کی ابتدائی تکبیر صرف دو مرتبہ ہے۔ امام مالک وغیرہ اسی کے قائل ہیں جس کی تفصیل گذر چکی اور روہیں ہم یہ بھی عرض کر چکے کہ حضرت ابو محذورہ سے اکثر ثقات و حفاظ کی روایات میں تربیع ہے۔ خود صاحب کتاب نے اس سے قبل جو ابن جریج سے حدیث کی تخریج کی ہے اس میں بھی تربیع ہے۔

قولہ ثم ذکر مثل اذان الخ۔ یعنی نافع بن عمر اور ابن جریج کی روایت میں صرف اتنا فرق ہے کہ نافع کی روایت میں تکبیر صرف دو مرتبہ ہے اور ابن جریج کی روایت میں چار مرتبہ ہے باقی جو کلمات اذان ابن جریج کی روایت میں ہیں وہی نافع کی روایت میں ہیں۔ نیز جس طرح ابن جریج کی روایت میں ترجیع ہے اسی طرح نافع کی روایت میں بھی ترجیع ہے۔

ترجیع کی صورت یہ ہوتی ہے کہ تکبیر کے بعد دو مرتبہ شہادتین کو آہستہ کہہ کر پھر دو مرتبہ بلند آواز سے کہے۔ شرح مہذب، تحقیق، دقائق، تحریر اور نیل وغیرہ میں اس کی یہی صورت مذکور ہے۔

امام مالک اور امام شافعی ترجیع کی سنیت کے قائل ہیں۔ امام ابوحنیفہ اور امام احمد اس کے قائل نہیں امام نووی نے لکھا ہے کہ محدثین کی ایک جماعت کے نزدیک ترجیع اور ترک ترجیع دونوں میں اختیار ہے امام مالک اور امام شافعی کی دلیل حدیث ابو محذورہ ہے جس کو اصحاب خمسہ، بیہقی، دارقطنی اور حاکم نے روایت کیا ہے اس میں تفصیلی طور پر ترجیع مذکور ہے۔ بلکہ بعض طرق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صریح حکم ارجع فمد بہا صوتک بھی موجود ہے۔ احناف کی دلیل حضرت عبد اللہ بن زید کی حدیث ہے جو باب الاذان کے شروع میں گذر چکی۔ اس کی تخریج ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، احمد، ابن حبان ابن خزیمہ اور ابن الجارود وغیرہ نے کی ہے۔ ابن الجوزی نے التحقیق میں لکھا ہے کہ احادیث اذان میں اصل یہی حدیث ہے اور اس میں ترجیع نہیں ہے۔ حافظ بیہقی نے کتاب المعرفۃ میں اور ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں محمد بن یحییٰ ذہلی کا قول نقل کیا ہے کہ فضل اذان کے سلسلہ میں حضرت عبد اللہ بن زید کی

حدیث سے زیادہ اصح کوئی حدیث نہیں ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ میں نے امام بخاری سے اس حدیث کی بابت پوچھا آپ نے فرمایا میرے نزدیک یہ حدیث صحیح ہے۔

نیز ابوداؤد، نسائی، ابن خزیمہ، ابن حبان، ابوعوانہ، دارقطنی اور بیہقی نے حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت کیا ہے انہ قال "انما کان الاذان علی عہد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مرتین مرتین و الاقامۃ مرۃ الخ" اس میں بھی ترجیع نہیں ہے ۔ ابن الجوزی کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور اس بات کی دلیل ہے کہ اذان میں ترجیع نہیں ہے۔ اسی طرح حضرت بلال جو سفر و حضر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں آپ کے سامنے اذان کہتے تھے اس میں بھی ترجیع نہیں ہے۔

حدیث ابومحذورہ کا جواب یہ ہے کہ اول تو حافظ طبرانی نے معجم اوسط میں حضرت ابومحذورہ سے یوں روایت کیا ہے "حدثنا احمد بن عبدالرحمٰن بن عبداللہ البغدادی حدثنا ابوجعفر النفیلی حدثنا ابراہیم بن اسمٰعیل بن عبدالملک بن ابی محذورۃ یقول انہ سمع اباہ ابامحذورۃ یقول القی علیّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الاذان حرفا حرفا اللہ اکبر اللہ اکبر الخ" اس روایت میں ترجیع کا ذکر نہیں ہے پس حضرت ابومحذورہ کی دونوں روایتیں متعارض ہونے کی وجہ سے ساقط ہو گئیں اور احناف کی حجت عبداللہ بن زید کی روایات معارضہ سے محفوظ ہیں جن میں ترجیع نہیں ہے۔

حافظ ابن حجر کا یہ کہنا کہ طبرانی کی روایت مختصر ہے اس لئے بے سود ہے کہ جب روایت میں ایک ایک حرف کی تعلیم کا ذکر ہے تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اذان میں ترجیع ہو اور اس کا ذکر نہ کیا جائے اور اگر معارضہ سے محفوظ بھی مان لیں تب بھی حدیث ابومحذورہ سے ترجیع کی سنیت ثابت نہیں ہوتی اس واسطے کہ بقول امام طحاوی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم حضرت ابومحذورہ کو اذان کی تعلیم دے رہے تھے اور تعلیم کے موقعہ پر اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک ایک بات کو بار بار دہرانے کی نوبت آتی ہے چنانچہ یہاں بھی ایسا ہی ہوا کہ حضرت ابومحذورہ نے پہلے شہادتین کو آہستہ کہا تھا اس لئے آپ نے بلند آواز سے دہرانے کا حکم دیا ابومحذورہ اس سے یہ سمجھے کہ یہ ترجیع ہمیشہ کے لئے ہے۔

علامہ ابن الجوزی نے التحقیق میں حدیث ابومحذورہ کی توجیہ یوں کی ہے کہ عام طور پر اہل مکہ اور خود ابومحذورہ کو چونکہ توحید و رسالت میں ابھی پورا رسوخ نہیں ہوا تھا اس لئے آپ نے انھیں کلمات پر زیادہ زور دیا تاکہ اس میں رسوخ تام حاصل ہو جائے۔

دارقطنی بیہقی اور امام نسائی وغیرہ نے جو حضرت ابومحذورہ کی اذان کا مفصل قصہ روایت کیا ہے اس کے الفاظ "فسمعنا صوت المؤذن ونحن متنکبون فصرخنا نحکیہ ونستہزئ بہ" اور "فقال ثم فاذن بالصلوۃ فقمت ولا شیٔ اکرہ الی من النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولا مما یامرنی بہ" سے اس توجیہ کی تائید ہوتی ہے۔ بہرکیف مشہور روایات میں کہیں ترجیع کا ذکر نہیں ہے اسی لئے احناف و حنابلہ کے قائل نہیں۔

فائدہ : مذاہب ائمہ کا خلاصہ یہ ہوا کہ احناف وحنابلہ نے حضرت بلال وعبداللہ بن زید کی اذان کو اختیار کیا ہے جس میں اذان کے کلمات پندرہ ہیں اور امام مالک اہل مدینہ کے عمل کو لیتے ہیں اس لئے ان کے یہاں کلمات اذان سترہ ہیں کیونکہ وہ ترجیع کے قائل ہیں لیکن اذان کے شروع میں تربیع تکبیر کے قائل نہیں اور امام شافعی حضرت ابو محذورہ کی اذان کو اختیار کرتے ہیں اور ترجیع وتربیع دونوں کے قائل ہیں اس لئے ان کے یہاں کلمات اذان انیس ہیں۔

سوال : حضرت ابو محذورہ کی حدیث میں تو وارد کی تصریح ہے کہ اذان کے کلمات انیس ہیں پھر احناف وحنابلہ نے پندرہ کا قول کیسے کیا؟ جواب۔ انیس کلمات ترجیع سمیت ہیں اور ہم پہلے عرض کر چکے کہ ترجیع کی سنیت ثابت نہیں تو ترجیعی چار کلمے نکلنے کے بعد پندرہ ہی رہتے ہیں۔

قولہ قال ابوداؤد الخ (۱۷۳) اس میں صرف یہ بتانا ہے کہ جس طرح نافع بن عمر جمحی کی روایت میں اذان کی ابتدائی تکبیر صرف دو مرتبہ ہے اسی طرح مالک بن دینار کی روایت میں بھی وہی ترتیب ہے۔

لیکن حافظ دارقطنی نے جو حدیث مالک بن دینار کی تخریج کی ہے اس میں لفظ اللہ اکبر اللہ اکبر مرتین نہیں ہے بلکہ اس میں یہ ہے : اخبرنی عن اذان ابیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال کان یبدأ فیکبر ثم یقول اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمدا رسول اللہ۔

قولہ عن ابن ابی محذورۃ عن عمہ الخ۔ اس سند پر ایک قوی اشکال ہے اور وہ یہ کہ ابن ابی محذورہ اپنے چچا سے روایت نہیں کرتے کیونکہ ان کے چچا کا اسلام قبول کرنا ثابت نہیں بلکہ حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں ابن جریر وغیرہ کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت ابو محذورہ کے ایک انیس نامی بھائی تھے جو جنگ بدر میں کفر پر مارے گئے تھے۔

پس ابن ابی محذورہ کی روایت عن عمہ ناممکن ہے۔ نیز ابن ابی محذورہ کی روایت عن عمہ عن جدہ بھی محال ہے کیونکہ ابن ابی محذورہ کے دادا (ابو محذورہ کے والد) کا بھی مسلمان ہونا ثابت نہیں اور نہ ان سے اذان مروی ہے، پس اس عبارت کو کیسے حل کیا جائے؟ سو اس کے حل کی یہی صورت ہو سکتی ہے کہ ابن ابی محذورہ سے مراد ان کے پوتے عبدالعزیز بن عبدالملک بن ابی محذورہ ہیں جو اپنے چچا عبداللہ بن محیریز سے راوی ہیں اور عبداللہ بن محیریز اگرچہ ان کے حقیقی چچا نہیں لیکن ان کو مجازی طور پر چچا بھی کہا جا سکتا ہے کیونکہ وہ یتیم تھے اور ابو محذورہ کی پرورش میں رہے تھے اس لحاظ سے ان کو ابو محذورہ کا لڑکا اور عبدالعزیز کا چچا کہہ سکتے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ابن سے مراد پڑپوتے ابراہیم بن اسمٰعیل بن عبدالملک بن ابی محذورہ ہوں اور وہ اپنے چچا عبدالعزیز بن عبدالملک بن ابی محذورہ سے راوی ہوں اور عبدالعزیز بن عبدالملک حضرت ابو محذورہ سے راوی ہوں کیونکہ عبدالعزیز کو عبدالملک، عبداللہ بن محیریز اور حضرت ابو محذورہ تینوں سے روایت حاصل ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ سیاق مذکور کے ساتھ کتب حدیث میں اس روایت کا پتہ نہیں چلتا اسی لئے شیخ نے بذل میں کہا ہے : ولم اجد فی کتب ذی علم من اسمہ عمہ غالبا۔

(۱۳۱) حدثنا عمرو بن مرزوق انا شعبة عن عمرو بن مُرّة قال سمعت ابن ابي ليلیٰ ح
وحدثنا ابن المثنى ثنا محمد بن جعفر عن شعبة عن عمرو بن مرة قال سمعت ابن ابي ليلى
قال أُحيلت الصلوة ثلثة احوال قال وحدثنا اصحابنا ان رسول الله صلى الله
عليه وسلم قال لقد اعجبني ان تكون صلوة المسلمين او المؤمنين واحدة حتى لقد هممتُ
ان ابثّ رجالا في الدّور ينادون الناس بحين الصلوة وحتى هممتُ ان آمُر رجالا
يقومون على الآطام ينادون المسلمين بحين الصلوة حتى نقّسوا او كادوا ان ينقّسوا
قال فجاء رجل من الانصار فقال يا رسول الله صلى الله عليه وسلم اني لما رجعت
لما رأيتُ من اهتمامك رأيتُ رجلا كان عليه ثوبَين اخضرَين فقام على المسجد فاذن ثم
قعد قعدة ثم قام فقال مثلها الا انه يقول قد قامت الصلوة ولولا ان يقول الناس قال
ابن المثنى ان يقولوا لقلت اني كنت يقظانا غير نائم فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم
وقال ابن المثنى لقد اراك الله خيرا ولم يقل عمرو لقد فمُر بلالا فليؤذن قال فقال عمر اما اني
قد رأيتُ مثل الذي رأى ولكني لما سُبقتُ استحييتُ قال وحدثنا اصحابنا قال كان
الرجل اذا جاء يسئل فيخبَر بما سُبق من صلاته وانهم قاموا مع رسول الله صلى الله
عليه وسلم من بين قائم وراكع وقاعد ومُصلّ مع رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ابن المثنى
قال عمرو وحدثني بها حُصَين عن ابن ابي ليلى حتى جاء معاذ قال شعبة وقد سمعتها من حصين
فقال لا اراه على حال الى قوله كذلك فافعلوا قال ابو داود ثم رجعت الى حديث عمرو
بن مرزوق قال فجاء معاذ فاشاروا اليه قال شعبة وهذه سمعتها من حُصَين قال فقال
معاذ لا اراه على حال الا كنت عليها قال فقال ان معاذا قد سنّ لكم سنة كذلك فافعلوا
قال وحدثنا اصحابنا ان رسول الله صلى الله عليه وسلم لما قدم المدينة امرهم بصيام
ثلثة ايام ثم انزل رمضان وكانوا قومًا لم يتعوّدوا الصيامَ وكان الصيام عليهم شديدا
فكان من لم يصم اطعم مسكينا فنزلت هذه الآية فمن شهد منكم الشهر فليصمهُ
فكانت الرخصة للمريض والمسافر فامروا بالصيام قال وحدثنا اصحابنا قال وكان الرجل
اذا افطر فنام قبل ان يأكل لم يأكل حتى يصبح قال فجاء عمر فاراد امرأتَه فقالت اني قد نمت
فظن انها تعتَلّ فاتاها فجاء رجل من الانصار فاراد الطّعام فقالوا حتى نسخّن لك
شيئًا فنام فلما اصبحوا انزلت هذه الآية فيها احل لكم ليلة الصّيام الرفث الى نسائكم

حل لغات

تُحیلت احالۃً ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل کرنا یعنی نماز میں تین تحویلات اور تین
تبدیلیاں ہوئیں وقالہ ابن الاثیر فی النہایہ، اعجبنی اعجاباً خوش کرنا، پسند کرنا۔ قال فی ساللاح
ابجہ الاقمر سرہ، بثثت (ن) ہمّاً ہمیۃ ارادہ کرنا، ابثت (ن، ض) بثاً پھیلانا، مراد بھیجنا، بث السلطان
الجند فی البلاد بادشاہ نے لشکر کو شہروں میں پھیلا دیا کذا فی المصباح المنیر، دُوْر جمع دار گھر، مراد
قبائل و محلات، بحین ابن رسلان کہتے ہیں کہ با بمعنی فی ہے ای بحیز منہم فی وقت الصلوٰۃ کقولہ تعالیٰ
وبالاسحار ہم یستغفرون ای فی وقت الاسحار، وکقولہ تعالیٰ "وانکم لتمرون علیہم مصبحین وبالیل" پھر کہتے
ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ جو ظرفیت فی کے معنی میں ہو وہ معرفہ پر بھی داخل ہوتی ہے جیسے آیات مذکورہ میں
ہے اور نکرہ کے ساتھ بھی ہوتی ہے جیسے آیت "نجیناہم بسحر" میں ہے۔ ابن الفتح کہتے ہیں کہ بعض
لوگوں کو یہ وہم ہو گیا کہ ظرفیت بمعنی فی صرف نکرہ کے ساتھ ہوتی ہے جیسے کنا بالبصرۃ، اقمنا با
لمدینۃ، الآطام جمع اُطُم بالضم قلعہ۔ بقول ابن رسلان بلند عمارت، وآطام المدینۃ حصونہا کانت
لاہلہا، ینقسوا فتح الودود میں ہے کہ نقسوا باب نصر سے ہے بمعنی ناقوس بجانا، بعض نے اس کو نخس
بمعنی الضرب بالناقوس سے لیا ہے۔ اخضرین سبز کپڑے۔ یقظان بیدار، مُرّ امر یامر سے امر حاضر
ہے سَبَقت ای صرت مسبوقاً یعنی دوسرا مجھ پر سبقت لے گیا۔ سنّ (ن) سنۃً طریقہ مقرر کرنا۔
لم یتعودوا خوگر نہیں تھے تشق اعتلالاً بہانہ کرنا۔ تاما بائی جامعاً، سخن تسخیناً۔ الشیٔ گرم کرنا۔ ۲۸۹
الرفث جماع، علامہ سیوطی نے تفسیر در منثور میں ذکر کیا ہے کہ عبد الرزاق، عبد بن حمید، ابن المنذر
اور بیہقی نے حضرت ابن عباسؓ روایت کیا ہے کہ دخول، تغشی، افضاء، مباشرۃ، رفث، لمس، مس
اور مسیس سب کے معنی جماع کے ہیں اور باب صوم میں رفث سے مراد جماع اور باب حج میں جماع
پر اکسانا ہے:۔ ترجمہ۔

عمرو بن مرزوق نے اور محمد بن جعفر کے واسطے سے ابن المثنیٰ نے بطریق شعبہ بروایت عمرو بن مرہ
بسماع ابن لیلیٰ روایت کیا ہے کہ نماز میں تین تبدیلیاں ہوئیں۔ ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ ہم سے
ہمارے اصحاب نے بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے یہ بات بھلی معلوم ہوتی
ہے کہ مسلمانوں کی نماز ایک جماعت کے ساتھ مل کر ہوا کرے اور میں نے یہ ارادہ کیا ہے کہ لوگوں
کو گھروں پر بھیجا کروں جو یہ پکار آیا کریں کہ نماز کا وقت آگیا۔ یہاں تک کہ لوگ ناقوس بجانے
لگے یا بجانے کے قریب ہو گئے اتنے ہی میں ایک انصاری شخص آکر بولا: یا رسول اللہ! میں جب
سے آپ کے پاس سے گیا مجھے اسی کا خیال رہا جس کا آپ اہتمام کر رہے تھے تو میں نے ایک شخص کو
دیکھا گویا وہ سبز رنگ کے دو کپڑے پہنے ہوئے ہے۔ اس نے مسجد میں کھڑے ہو کر اذان کہی پھر ذرا
تھوڑی دیر بیٹھ کر اٹھا اور جو کلمے اس نے اذان میں کہے تھے وہی پھر کہے مگر اس میں قد قامت الصلوٰۃ
کے الفاظ زائد کہے۔ اگر لوگ مجھے جھوٹا نہ کہیں تو میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ میں بیدار تھا سویا نہ تھا۔ آپ نے
فرمایا حق تعالیٰ نے تجھے بہتر خواب دکھایا ہے یہ جملہ ابن المثنیٰ کا ہے عمرو بن مرزوق نے اسکو ذکر نہیں کیا

سو تو بلال سے کہہ دو اذان دے۔ اتنے میں حضرت عمرؓ نے کہا، میں نے بھی ایسا ہی خواب دیکھا ہے لیکن چونکہ وہ مجھ سے پہلے بیان کر چکے تھے اس واسطے میں نے کہنے میں شرم محسوس کی۔ ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ ہم سے ہمارے اصحاب نے بیان کیا ہے کہ جب کوئی شخص مسجد میں آتا اور دیکھتا کہ جماعت ہو رہی ہے تو پوچھتا کتنی رکعتیں ہو گئیں؟ سو جتنی رکعتیں ہو چکی ہوتیں اس کو بتا دیا جاتا اور وہ اس قدر نماز پڑھ کر شریک ہو جاتا تھا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے لوگ مختلف حالتوں میں ہوتے تھے کوئی کھڑا ہے کوئی رکوع میں ہے کوئی قعدے میں ہے کوئی آپ کے ساتھ پڑھ رہا ہے (ابن المثنیٰ کہتے ہیں کہ عمرو بن مرہ نے کہا کہ یہ مجھ سے حصین نے ابن ابی لیلیٰ سے بیان کیا ہے یعنی حتیٰ جاء معاذ واحد، شعبہ کہتے ہیں کہ یہ میں نے حصین سے براہ راست بھی سنا ہے یعنی فقال لا اراہ سے کذلک فافعلوا تک)

ابوداؤد کہتے ہیں کہ پھر میں عمرو بن مرزوق کی حدیث کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت معاذؓ آئے اور ان کو اشارہ سے بتایا گیا (کہ اتنی رکعتیں ہو چکیں، شعبہ کہتے ہیں کہ یہ میں نے حصین سے سنا ہے) حضرت معاذؓ نے کہا میں تو جس حال میں آپ کو دیکھوں گا وہی کروں گا (یعنی آتے ہی نماز میں شریک ہو جاؤں گا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ معاذؓ نے تمہارے واسطے ایک سنت جاری کر دی تو تم اسی طرح کیا کرو۔ ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ جب آپ مدینہ تشریف لائے تو لوگوں کو تین دن کے روزوں کا حکم فرمایا پھر رمضان کے روزے فرض ہو گئے اور ان لوگوں کو روزے کی عادت نہ تھی اور روزہ ان پر نہایت گراں تھا تو جو شخص روزہ نہ رکھتا وہ ایک مسکین کو کھانا کھلا دیتا تھا پھر یہ آیت نازل ہوئی کہ تم میں سے جو شخص رمضان کا مہینہ پائے وہ روزہ رکھے پس رخصت نہ رہی مگر مریض اور مسافر کے لئے، باقی سب لوگوں کو روزہ رکھنے کا حکم ہوا۔

ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ ہم میں سے ہمارے اصحاب نے بیان کیا ہے کہ اوائل اسلام میں اگر کوئی شخص روزہ افطار کر کے سو رہتا اور کھانا نہ کھاتا تو پھر دوسرے روزے کے افطار تک اس کا کھانا درست نہیں تھا۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے اپنی بی بی سے صحبت کا قصد کیا وہ بولی میں سو گئی تھی، حضرت عمرؓ نے یہ سمجھا کہ بہانہ کر رہی ہے اس لئے اس سے صحبت کر لی۔ ایک اور انصاری شخص نے افطار کے بعد کھانے کا ارادہ کیا لوگوں نے کہا ذرا ٹھہرو ہم کھانا گرم کر لیں وہ سو گیا۔ جب صبح ہوئی تو یہ آیت نازل ہوئی کہ تمہارے لئے روزوں کی راتوں میں اپنی عورتوں سے جماع کرنا حلال ہے۔

تشریح

قولہ احیلت الصلوۃ الخ۔ یعنی ابتداء اسلام میں فریضہ نماز اور اس کے متعلقات میں تین تحویلات اور تین تغیرات واقع ہوئے ہیں جن میں سے تحویل اول کی تفصیل "وحدثنا اصحابنا" سے "ولکن لما سبقت التحیت" تک اور تحویل ثانی کی تفصیل "قال وحدثنا اصحابنا" سے "ان معاذا قد سن لکم سنۃ کذلک فافعلوا" تک ہے۔ نماز کی تیسری تحویل کا تذکرہ اس حدیث میں نہیں ہے بلکہ اس کی تفصیل اس کے بعد والی حدیث میں ہے "ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قدم المدینۃ فصلی یعنی نحو بیت المقدس ثلاثۃ عشر شہرا"

اسی طرح روزہ میں بھی تین تحویلیں واقع ہوئی ہیں۔ تحویل اول کا تذکرہ "ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لما قدم المدینۃ" سے "ثم انزل رمضان" تک، اور تحویل ثانی کا تذکرہ "وکانوا قوما" سے "فامروا بالصیام" تک اور تحویل ثالث کا تذکرہ "قال وکان الرجل" سے آخر حدیث تک ہے۔

قولہ وحدثنا اصحابنا الخ۔ حافظ بیہقی نے کتاب المعرفہ میں کہا ہے کہ حدیث عبد الرحمن بن ابی لیلی کی سند میں کافی اختلاف ہے۔ بعض روایات میں "عن ابن ابی لیلی عن عبد اللہ بن زید" ہے۔ اور بعض میں "عن معاذ بن جبل" اور بعض میں "عنہ قال حدثنا اصحاب محمد" ہے۔

جواب یہ ہے کہ اصحاب سے مراد صحابہ کرام ہیں۔ کیونکہ ابو بکر بن ابی شیبہ، ابن خزیمہ، طحاوی اور بیہقی کی روایات میں حدثنا اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصریح ہے۔ بلکہ امام احمد، دار قطنی اور صاحب کتاب کی اگلی روایت میں "عن معاذ بن جبل" کی اور طحاوی، دار قطنی، بیہقی اور ترمذی کی روایت میں "عن عبد اللہ بن زید" کی تعیین بھی موجود ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ حدیث مسند ہے نہ کہ مرسل وباقی تفصیلہ ان شاء اللہ۔

قولہ ولم یقل عمرو لقد الخ۔ ابن المثنی اور عمرو بن مرزوق کی روایت کے الفاظ کا اختلاف بیان کر رہے ہیں کہ ابن المثنی نے "لقد اراک اللہ خیرا" کہا ہے اور عمرو بن مرزوق نے لفظ لقد ذکر نہیں کیا۔ یہ تو بعض ہندی نسخوں کے لحاظ سے ہے لیکن بعض مصری نسخوں میں اور عون المعبود کے حاشیہ پر عبارت یوں ہے "ولم یقل عمرو لقد اراک اللہ خیرا" ان نسخوں کے لحاظ سے روایت کا اختلاف پورے جملہ سے متعلق ہے۔ یعنی ابن المثنی نے لقد اراک اللہ خیرا، پورا جملہ ذکر کیا ہے اور عمرو بن مرزوق نے یہ جملہ ذکر نہیں کیا۔

۲۹۲

قولہ لکن لما سبقت التحیۃ الخ۔ یہاں تک نماز کے تغیرات ثلثہ میں سے پہلے تغیر کا بیان ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ابتدا اسلام میں جماعت واجب نہیں تھی بلکہ لوگ بلا جماعت تنہا تنہا نماز پڑھ لیتے تھے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش یہ تھی کہ سب لوگ جمع ہو کر ایک امام کے پیچھے جماعت کے ساتھ پڑھا کریں مگر سب لوگ ایک وقت معین پر کیسے جمع ہوں اس کے لئے کسی مناسب طریق کی فکر تھی چنانچہ آپ کو بوق ونا قوس وغیرہ کے مختلف مشورے دیئے گئے اور آپ نے ان کو ناپسند فرما دیا یہاں تک کہ عبد اللہ بن زید نے خواب دیکھا۔ اذان کی مشروعیت ہوئی اور وحدت و انفراد کی حالت جو ابتداء میں تھی وہ جماعت کی صورت میں تبدیل ہو گئی۔

قولہ قال وکان الرجل اذا جاء الخ۔ یہاں سے نماز کی تحویل ثانی کا آغاز ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حکم جماعت مستقر ہو جانے کے بعد آنے والے لوگ ان لوگوں سے جو مسجد میں پہلے سے حاضر تھے اور ان سے یا نماز پڑھنے والوں سے پوچھ لیتے تھے کہ کتنی رکعتیں ہو چکیں؟ اور وہ زبانی یا اشارہ سے جواب دیتے تھے پس مسبوق جماعت میں داخل ہو کر فوت شدہ نماز ادا کرتا اور حالت یہ ہوتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کوئی رکوع میں ہے تو کوئی سجدے میں ہے۔ کوئی قیام میں ہے تو کوئی قعدے میں ہے اور مسبوق اپنی چھوٹی ہوئی نماز ادا کر کے امام کے ساتھ شریک ہوتا تھا

روایت کتاب کے ظاہر سیاق سے یہی مفہوم ہوتا ہے لیکن امام احمد کی روایت کے الفاظ فیصلیہا ثم یدخل مع القوم فی صلوتہم اھ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنے والا جماعت میں شریک ہونے سے پہلے علیحدہ ہوکر اپنی چھوٹی ہوئی نماز ادا کرتا پھر جماعت میں شریک ہوجاتا تھا۔ بہرکیف اس وقت تک یہ طریقہ نہ تھا کہ آتے ہی امام کے ساتھ شریک ہوجائے اور امام کے سلام پھیرنے کے بعد چھوٹی ہوئی نماز پوری کرے یہاں تک کہ ایک روز حضرت معاذؓ آئے اور انھوں نے کہا کہ میں تو جس حال میں آپ کو دیکھوں گا آتے ہی اسی میں شامل ہوجاؤں گا چنانچہ وہ آتے ہی نماز میں شریک ہوگئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سلام پھیرنے کے بعد اپنی چھوٹی ہوئی نماز پوری کی اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ معاذ نے تمہارے لئے ایک سنت جاری کردی تو اب ایسا ہی کیا کرو۔ اس وقت سے یہ دستور ہوگیا کہ مسبوق آتے ہی نماز میں شریک ہوجائے پھر امام کی فراغت کے بعد اپنی بقیہ نماز ادا کرے۔

نماز کی تحویل ثالث کا تذکرہ اس حدیث میں نہیں ہے بلکہ اگلی حدیث میں ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ نے سولہ یا سترہ ماہ تک بیت المقدس کی جانب نماز پڑھی اس کے بعد آیت قد نری تقلب وجہک فی السماء نازل ہوئی اور بیت المقدس کے بجائے کعبہ کو قبلہ قرار دیدیا گیا۔

قولہ قال ابوداؤد الخ اس قول کی تشریح یہ ہے کہ صاحب کتاب کو شعبہ سے یہ حدیث دو شیخوں کے واسطے سے پہنچی ہے ایک عمرو بن مرزوق کے واسطے سے اور ایک ابن المثنیٰ کے واسطے سے اور شعبہ اس حدیث کو دو طریق سے روایت کرتے ہیں۔ ایک عن عمرو بن مرۃ عن ابن ابی لیلیٰ۔ اس طریق پر حدیث اول سے آخر تک ہے اور ایک طریق عن حصین عن ابن ابی لیلیٰ ہے اس طریق پر متن حدیث شروع سے ان معاذا قد سن لکم سنۃ کذلک فافعلوا تک ہے۔ پھر شعبہ کے شیخ عمرو بن مرہ بھی اس کو دو طریق سے روایت کرتے ہیں ایک عمرو بن مرہ عن ابن ابی لیلیٰ (یعنی بلا واسطہ حصین) اور ایک عمرو بن مرہ عن حصین عن ابن ابی لیلیٰ۔ ان دو طریقوں میں سے جو طریق بلا واسطہ حصین ہے اس پر حدیث کا متن اطول و اکمل ہے اور جو طریق بواسطہ حصین ہے اس پر متن حدیث حتی جاء معاذ تک ہے۔ اب صاحب کتاب حتی جاء معاذ تک حدیث کا متن روایت کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ میں حدیث عمرو بن مرزوق کی طرف لوٹتا ہوں کیونکہ وہ حدیث ابن المثنیٰ کی بہ نسبت اتم السیاق اور اکمل البیان ہے۔

۲۹۲

قولہ لما قدم المدینۃ الخ۔ یہاں سے تحویلات صوم کی تفصیل ہے کہ روزہ میں بھی تین تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں جن کی تشریح یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کرکے مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ نے ہر ماہ تین دن روزہ رکھنے کا حکم فرمایا (اگلی حدیث میں ہے کہ عاشورا کے دن بھی روزہ رکھنے کا حکم فرمایا) پھر فرضیت رمضان کے سلسلہ میں آیت یاایہا الذین آمنوا کتب علیکم الصیام الخ نازل ہوئی اور ماہ رمضان کے روزے فرض کردیے گئے۔ مگر عام طور سے لوگ چونکہ اسکے

عادی نہ تھے اور یہ حکم ان کے لئے مشقت کا باعث تھا اس لئے اوائل اسلام میں چند روز تک روزہ فرض اختیاری رہا جو شخص روزہ رکھنا چاہتا وہ رکھ لیتا اور جو نہ چاہتا وہ ہر دن ایک مسکین کو کھانا کھلا دیتا تھا اس کے بعد آیت "فمن شہد منکم الشہر فلیصمہ" نازل ہوئی جس میں مریض اور مسافر کو رخصت دی گئی ان کے علاوہ سب پر روزہ ضروری قرار دے دیا گیا۔ اس کے بعد آیت "احل لکم لیلۃ الصیام الرفث الی نسائکم" نازل ہوئی جس میں رمضان کی راتوں میں مفطرات ثلٰثہ (کھانے، پینے اور جماع) کو مباح کر دیا گیا۔ کیونکہ اس سے قبل حکم یہ تھا کہ اگر کوئی شخص افطار کے بعد کھانا کھانے سے پہلے سو جاتا تو اس کے بعد اس کے لئے کھانا جائز نہ تھا نہ دن میں نہ رات میں، یہاں تک کہ وہ دوسرے دن شام کو افطار کرتا اس کے بعد کھانا کھاتا تھا (کذا فی روایۃ البخاری) فنسخ ہذا الحکم وابیح لہم فی جمیع لیلۃ الصیام المفطرات الثلٰث۔

(۸۰) باب فی الاقامۃ

(۱۳۲) حدثنا محمد بن بشار ثنا محمد بن جعفر ثنا شعبۃ قال سمعت ابا جعفر یحدث عن مسلم ابی المثنی عن ابن عمر قال انما کان الاذان علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرتین مرتین والاقامۃ مرۃ مرۃ غیر انہ یقول قد قامت الصلوۃ قد قامت الصلوۃ فاذا سمعنا الاقامۃ توضأنا ثم خرجنا الی الصلوۃ قال ابوداؤد قال شعبۃ لم اسمع عن ابی جعفر غیر ہذا الحدیث۔ ۲۹۳

ترجمہ

محمد بن بشار نے بطریق محمد بن جعفر بروایت شعبہ بسماع ابوجعفر بحدیث مسلم ابوالمثنی حضرت ابن عمر سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ عہد نبوی میں اذان دو دو بار اور اقامت ایک ایک بار ہوتی تھی بجز آنکہ قد قامت الصلوۃ کو دو بار کہتے تھے سو جب ہم تکبیر سنتے تو وضو کرتے اور نماز کے لئے آتے۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ شعبہ نے کہا ہے کہ میں نے ابوجعفر سے اس حدیث کے علاوہ اور کوئی حدیث نہیں سنی:۔

تشریح

قولہ باب صاحب کتاب اذان کے بعد اقامت کو بیان کر رہے ہیں۔ دونوں کی مناسبت ظاہر ہے کیونکہ جس طرح اذان مخصوص الفاظ کے ساتھ غائبین کے لئے اطلاع کا ایک خاص طریقہ ہے اسی طرح اقامت بھی مخصوص الفاظ کے ساتھ حاضرین کے لئے اطلاع کا ایک شرعی طریقہ ہے۔ پھر اقامت کے سلسلہ میں علماء کا دو جگہ اختلاف ہے ایک تو اقامت کے کل کلمات میں اور ایک قد قامت الصلوۃ کے علاوہ باقی الفاظ میں۔ سو ربیعہ اور اہل مدینہ کے نزدیک کل کلمات مفرد ہیں۔ قاضی

عیاض فرماتے ہیں کہ امام مالک کا مشہور قول یہی ہے تو بقول ابوعمر امام مالک کے یہاں اقامت کے کل کلمات دس ہیں امام شافعی کا قول قدیم بھی یہی ہے۔

امام شافعی، امام احمد، اسحاق، داؤد، ابن المنذر، حسن بصری، مکحول، زہری اور امام اوزاعی کے نزدیک بھی اقامت کے کل کلمات مفرد ہیں البتہ ان کے یہاں قد قامت الصلوٰۃ مستثنیٰ ہے کہ یہ دو مرتبہ ہے۔ علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ اکثر علماء امصار کا یہی مذہب ہے اور حرمین شریفین، حجاز، بلاد شام و یمن اور دیار مصر و نواحی مغرب میں اسی پر عمل درآمد ہے تو ان حضرات کے یہاں کلمات اقامت گیارہ ہیں۔

حضرت سلمہ بن الاکوع، ثوبان، ابو محذورہ، مجاہد، امام ابوحنیفہ، اصحاب حنیفہ، ثوری، ابن المبارک اور اہل کوفہ کے نزدیک کلمات اذان کی طرح کلمات اقامت میں بھی تکرار ہے یعنی دو دو مرتبہ ہیں تو ان حضرات کے یہاں کلمات اقامت سترہ ہیں۔

فریق اول کی دلیل حضرت انس بن مالک کی حدیث باب ہے: "قال اُمر بلال ان یشفع الاذان ویوتر الاقامۃ" اس حدیث کو بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، طحاوی، بیہقی، دارمی، طیالسی، عبدالرزاق اور دارقطنی وغیرہ نے مختلف طرق سے روایت کیا ہے جس میں جمیع الفاظ اقامت کے ایتار کا صریح حکم موجود ہے۔

دوسرے فریق کی جانب سے اس کا جواب یہ ہے کہ بخاری، مسلم، ابوداؤد اور بیہقی وغیرہ کی روایات عن اسمٰعیل بن علیہ عن ایوب السختیانی میں "الا الاقامۃ" کا استثناء موجود ہے۔ مالکیہ اس کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ حدیث میں یہ لفظ مسند نہیں ہے بلکہ مدرج ہے چنانچہ ابن مندہ اور ابو محمد اصیلی کا کے مدعی ہیں کہ یہ ایوب سختیانی کا قول ہے۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ یہ دعویٰ محل نظر ہے اس واسطے کہ عبدالرزاق نے اس کو عن معمر عن ایوب متصلاً روایت کیا ہے الفاظ یہ ہیں۔ "کان بلال یثنی الاذان ویوتر الاقامۃ الا قولہ قد قامت الصلوٰۃ" صحیح ابوعوانہ مسند سراج اور مصنف عبدالرزاق میں بھی اسی طرح ہے پس ایوب کی روایت میں ایک ثقہ اور حافظ راوی کی زیادتی ہے جو لامحالہ مقبول ہوگی۔ دوسرے فریق کا استدلال چند احادیث سے ہے۔

(۱) حدیث انس جس کی تفصیل اوپر مذکور ہوئی (۲) زیر بحث حدیث ابن عمر: "قال انما کان الاذان علی عہد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مرتین مرتین والاقامۃ مرۃ مرۃ غیر انہ یقول قد قامت الصلوٰۃ قد قامت الصلوٰۃ"

اس حدیث کی تخریج ابوداؤد، نسائی، دارقطنی، بیہقی، حاکم، دارمی، طیالسی، شافعی، ابوعوانہ، ابن خزیمہ، احمد اور ابن حبان نے کی ہے۔ حاکم کہتے ہیں کہ یہ صحیح الاسناد ہے۔ حافظ ذہبی نے بھی اس کو صحیح کہا ہے۔ وسیأتی الجواب عنہ (۳) حدیث سعد القرظ: "ان اذان بلال کان مثنیٰ والاقامۃ مفردۃ" اس کی تخریج ابن ماجہ، بیہقی اور طبرانی نے معجم صغیر میں کی ہے مگر اس کی سند میں عبدالرحمٰن بن سعد اور اس کا باپ سعد بن عمار دونوں ضعیف ہیں۔ حافظ نے عبدالرحمٰن کے ترجمہ میں ابن ابی خیثمہ کا قول نقل کیا ہے کہ یہ ضعیف ہے۔ امام بخاری فرماتے ہیں فیہ نظر، حاکم کہتے ہیں۔ حدیثہ لیس

بالقائم، اور اس کے باپ کے ترجمہ میں ابن القطان کا قول نقل کرتے ہیں کہ اس کا اور اس کے باپ کا دونوں کا حال معلوم نہیں۔

(۴) حدیث ابو رافع: "قال رأیت بلالا یؤذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثنی مثنی ویقیم واحدة"۔ اس کی تخریج ابن ماجہ اور ابو الشیخ وغیرہ نے کی ہے مگر یہ بھی ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں معمر بن محمد بن عبید اللہ بن ابی رافع ہے جس کے متعلق امام بخاری فرماتے ہیں کہ یہ منکر الحدیث ہے۔ عقیلی کہتے ہیں کہ اس کی حدیث پر کوئی متابعت نہیں کرتا۔ ابن حبان کہتے ہیں کہ یہ اپنے باپ کی ایک نسخہ کی روایت میں منفرد ہے جس کی اکثر احادیث مقلوب ہیں جن سے احتجاج جائز نہیں۔ ابو حاتم نے بعض محدثین سے نقل کیا ہے کہ یہ کذاب ہے۔ اور اس کے باپ کے متعلق امام بخاری فرماتے ہیں کہ منکر الحدیث ہے۔ ابن معین کہتے ہیں کہ یہ کچھ نہیں ہے۔ ابو حاتم کہتے ہیں کہ یہ ضعیف الحدیث اور بہت ہی گیا گذرا ہے۔ دارقطنی کہتے ہیں کہ یہ متروک ہے۔

(۵) حدیث ابو محذورہ: "ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم امرہ ان یشفع الاذان ویوتر الاقامة"۔ اس کی تخریج دارقطنی اور بیہقی وغیرہ نے کی ہے لیکن یہ بھی ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں ابراہیم بن عبد العزیز بن عبد الملک بن ابی محذورہ ہے جس کو ابن معین نے ضعیف کہا ہے۔ ازدی کہتے ہیں کہ ابراہیم اور اس کے بھائی سب ضعیف ہیں۔

احناف کا استدلال مندرجہ ذیل احادیث سے ہے۔

(۱) حدیث عبد اللہ بن زید: "کان اذان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شفعا شفعا فی الاذان والاقامة"۔ اس کی تخریج ابو داؤد اور ترمذی نے کی ہے جس میں تصریح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اذان اور اقامت ہوتی تھی اس کے کلمات دو دو مرتبہ ہیں۔ ابن حزم نے محلی میں اور شیخ ابن دقیق العید نے الامام میں اس کی تصحیح کی ہے قال ابن حزم ہذا اسناد فی غایة الصحة، وقال الشیخ فی الامام ہو متصل علی مذہب الجماعة فی عدالة الصحابة وان جہالة اسمائہم لا تضر۔

فریق مخالف کی طرف سے اس کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ یہ حدیث منقطع ہے۔ امام ترمذی کہتے ہیں کہ عبد الرحمن بن ابی لیلی نے حضرت عبد اللہ بن زید سے نہیں سنا۔ ابن خزیمہ کہتے ہیں کہ نہ حضرت عبد اللہ بن زید سے سنا اور نہ حضرت معاذ سے۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ نہ ان دونوں سے سنا اور نہ حضرت بلال سے۔ کیونکہ حضرت معاذ نے طاعون عمواس کے سال ۱۸ھ میں اور حضرت بلال نے ۲۰ھ میں وفات پائی ہے اور عبد الرحمن بن ابی لیلی کی پیدائش فاروقی خلافت کے اختتام سے چھ روز قبل ہے۔ حافظ بیہقی کہتے ہیں کہ ان تمام امور سے حدیث کا منقطع ہونا ثابت ہوتا ہے۔

جواب یہ ہے کہ عبد الرحمن بن ابی لیلی کا سماع صحابہ کی ایک جماعت سے ثابت ہے جن میں حضرت عمر، عثمان، سعد بن ابی وقاص، ابی بن کعب، مقداد، کعب بن عجرہ، زید بن ارقم، حذیفہ بن الیمان، صہیب اور حضرت بلال وغیرہ ہیں۔ خود ابن ابی لیلی کا بیان ہے کہ میں نے ایک سو بیس انصاری صحابہ کو پایا ہے۔ نیز عبد اللہ بن زید کی وفات سنہ ۳۲ھ میں ہے۔ لان الواقدی ذکر بسندہ عن محمد بن عبد اللہ بن زید قال توفی ابی بالمدینة سنة اثنتین وثلثین وصلی علیہ عثمان بن عفان۔ اور ابن ابی لیلی کی پیدائش سنہ ۱۷ھ میں ہے۔

پس عبد اللہ بن زید سے ابن ابی لیلیٰ کے امکانِ سماع میں کوئی اشکال ہی نہیں۔

(۲) حدیث سوید بن غفلہ: "قال سمعت بلالاً یؤذن مثنیٰ ویقیم مثنیٰ"۔ اس کی تخریج حاکم نے مستدرک میں بیہقی نے خلافیات میں اور امام طحاوی نے شرح معانی الآثار میں کی ہے۔ حاکم نے اس میں انقطاع کا دعویٰ کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ سوید نے عہدِ نبوی میں حضرت بلال کی اذان و اقامت نہیں سنی۔

جواب یہ ہے کہ اول تو امام طحاوی کی روایت میں "سمعت بلالاً" کی تصریح موجود ہے جس کا اعتراف حافظ نے بھی کیا ہے دوسرے یہ کہ یہ دعویٰ شوافع کے اس نظریہ پر مبنی ہے کہ حضرت بلال نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیق کے دور میں اذان نہیں کہی اور یہ نظریہ غلط ہے کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق کے دور میں حضرت بلال کا اذان کہنا ثابت ہے جس کی تصریح سعد قرظ کی حدیث میں موجود ہے جس کو ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے "قال اذن بلال حیوۃ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ثم اذن لابی بکر فی حیوتہ اھ"۔ اور حضرت سوید بن غفلہ گو مدینہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین کے دن آئے تھے تاہم آپ کی حیات میں مسلمان تھے جس کی تصریح کتب اسماء رجال میں موجود ہے۔ تو عہدِ نبوی میں حضرت بلال کی اذان و اقامت نہ سننے سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ کے بعد بھی انہوں نے حضرت بلال کی اذان و اقامت نہیں سنی۔ حافظ طبرانی نے مسند شامیین میں بطریق جنادہ بن ابی امیہ حضرت بلال سے روایت کیا ہے "انہ کان یجعل الاذان والاقامۃ مثنیٰ مثنیٰ" اس روایت کی اسناد میں گو قدرے ضعف ہے مگر اس سے حدیث سوید بن غفلہ کی تائید ضرور ہوتی ہے۔

(۳) حدیث ابومحذورہ: "یقول علمنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الاقامۃ سبع عشرۃ کلمۃ"۔ اس حدیث کی تخریج ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، طحاوی، طبرانی، دارمی، دارقطنی اور بیہقی نے کی ہے اس کے متعلق چند باتیں قابلِ لحاظ ہیں۔ اول یہ کہ اس حدیث کو ہمام سے اخذ کرنے والے حجاج بن المنہال، ابوعمر حفص بن عمر الحوضی، ابوالولید طیالسی، عفان، موسیٰ بن داؤد، محمد بن سنان، سعید بن عامر اور عبد اللہ آٹھ حضرات ہیں۔ دوم یہ کہ جمہور محدثین نے ہمام کی توثیق کی ہے اور شیخین و اصحاب سنن نے اس سے احتجاج کیا ہے۔ سوم یہ کہ دوسرے حضرات نے اس کی متابعت کی ہے جیسا کہ طبرانی نے بروایت سعید بن ابی عروبۃ عن عامر اور امام نسائی و حافظ بیہقی وغیرہ نے بطریق حجاج بن المنہال عن ابن جریج عن عثمان بن السائب عن ابیہ وام عبد الملک بن ابی محذورۃ عن ابی محذورۃ کی تخریج کی ہے۔ پس ان امور ثلاثہ کے بعد اس حدیث کی صحت میں ذرہ برابر بھی شک نہیں رہتا۔ اسی لئے شیخ ابن دقیق العید نے طریق ترمذی وغیرہ کے متعلق کہا ہے، "ہذا اسناد علی شرط الصحیح" اور ابوداؤد وغیرہ کے طریق کی بابت کہتے ہیں "رجالہ رجال الصحیح"۔ خود امام ترمذی، ابن خزیمہ اور ابن حبان نے بھی اس کی تصحیح کی ہے۔ قاضی شوکانی نے ابن حجر سے نقل کیا ہے "ان حدیث ابی محذورۃ فی تثنیۃ الاقامۃ مشہور عند النسائی وغیرہ اھ"۔ اس کے بعد کہتے ہیں کہ حدیث بلال جس میں ایتارِ اقامت کا حکم ہے اس سے حدیث ابومحذورہ مؤخر ہے کیونکہ حضرت

بلال کو افراد اقامت کا حکم اس وقت ہوا تھا جب اذان کی مشروعیت ہوئی تھی اور ابو محذورہ کی حدیث فتح مکہ کے بعد کی ہے لان ابا محذورۃ من مسلمۃ الفتح۔ لہٰذا حدیث محذورہ کے ذریعہ حدیث بلال منسوخ ہوگی۔

حافظ بیہقی نے اس حدیث پر یہ اعتراض کیا ہے کہ میرے نزدیک یہ چند وجوہ کی بنا پر غیر محفوظ ہے اول یہ کہ امام مسلم نے اس کی تخریج نہیں کی اگر یہ محفوظ ہوتی تو وہ اس کی تخریج کرتے۔ شیخ تقی الدین الامام میں اس کا جواب دیتے ہیں کہ امام مسلم کا روایت نہ کرنا عدم صحت پر دال نہیں کیونکہ موصوف نے ہر صحیح حدیث کے اخراج کا التزام نہیں کیا۔ دوم یہ کہ حضرت ابو محذورہ سے اسکے خلاف مروی ہے۔

جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں انیس کلمات اذان اور سترہ کلمات اقامت کی تعیین کے بعد عدد میں غلطی واقع ہونے کا امکان ہی نہیں بخلاف دیگر روایات کے جن میں عدد کی تصریح نہیں ہے کہ ان میں اختلاف واسقاط کا امکان ہو سکتا ہے۔ سوم یہ کہ اس حدیث کے مضمون پر نہ حضرت ابو محذورہ نے مداومت کی نہ ان کی اولاد نے۔ اگر یہ حکم ثابت ہوتا تو وہ اس کے خلاف نہ کرتے۔

جواب یہ ہے کہ اس کا تعلق باب ترجیح سے ہے نہ کہ باب تضعیف سے۔ کیونکہ تصحیح کا رکن اعظم راوی کی عدالت ہے۔ بعض حضرات نے یہ بھی اعتراض کیا ہے کہ ناسخ کے لئے اصح الاسناد ہونا شرط ہے اور حدیث ابو محذورہ میں یہ بات نہیں ہے۔ جواب یہ ہے کہ ناسخ کے لئے صرف صحت ضروری ہے، نہ کہ اصحیت۔

بہر کیف حضرت عبد اللہ بن زید، حضرت بلال اور حضرت ابو محذورہ کی احادیث سے اور اسود سلمہ بن الاکوع اور ثوبان کے آثار سے جو طحاوی میں موجود ہیں یہ بات واضح ہوگئی کہ اقامت کا مسنون طریقہ وہی ہے جو احناف کا مذہب ہے۔ اور ایتار و افراد بعد کی ایجاد ہے جیسا کہ حافظ بیہقی نے خلافیات میں حضرت ابراہیم نخعی کا قول روایت کیا ہے کہ اذان کی طرح اقامت بھی دو دو بار تھی۔ سب سے پہلے معاویہ بن ابی سفیان نے اس میں کمی کی۔ ابو الفرج ابن الجوزی کی تحقیق بھی یہی ہے جیسا کہ زیلعی شارح کنز نے نقل کیا ہے۔ امام طحاوی، عبد الرزاق اور ابن ابی شیبہ نے حضرت مجاہد سے بھی یہی روایت کیا ہے کہ تثنیہ اقامت اصل ہے اور افراد محدث ہے۔

قولہ قال ابوداؤد الخ (۱۷۵) یعنی شعبہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو جعفر سے اس حدیث کے علاوہ اور کوئی حدیث نہیں سنی لیکن حافظ ابن حجر نے تہذیب میں ذکر کیا ہے۔ ولہ عند ابی داؤد والترمذی حدیث ابن عمر فی الصلوۃ قبل العصر۔

(۸۱) باب فی الاذان قبل دخول الوقت

(۱۲۳) حدثنا موسى بن اسمٰعيل و داؤد بن شبيب المعنى قالا ثنا حماد عن ايوب عن نافع عن ابن عمر ان بلالا اذن قبل طلوع الفجر فامره النبي صلى الله عليه وسلم ان يرجع فينادي الا ان العبد نام زاد موسى فرجع فنادي الا ان العبد نام

قال ابوداؤد وهذا الحديث لم يروه عن ايوب الا حماد بن سلمة ۔

ترجمہ

موسیٰ بن اسمٰعیل اور داؤد بن شبیب نے بتحدیث حماد بروایت ایوب بواسطہ نافع حضرت ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ حضرت بلال نے طلوع فجر سے قبل اذان دیدی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو حکم فرمایا: جاؤ آواز لگاؤ کہ بندہ سو گیا تھا۔ موسیٰ نے اتنا زیادہ ذکر کیا ہے کہ حضرت بلال لوٹے اور آپ نے یہی آواز لگائی۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ اس حدیث کو ایوب سے حماد بن سلمہ کے علاوہ اور کسی نے روایت نہیں کیا۔ **تشریح**

قولہ باب الخ ۔ وقت سے پہلے اذان کہنا جائز ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں جمہور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ فجر کے علاوہ کسی اور نماز کے لئے قبل از دخولِ وقت اذان کہنا جائز نہیں البتہ صرف فجر کے لئے وقت سے پہلے اذان کو بعض علماء نے جائز کہا ہے۔ حضرت جابر (کما فی العرف)، امام مالک، امام شافعی، امام احمد (کما فی النیل)، امام اوزاعی، (کما فی المحلی)، اسحاق بن راہویہ (کما فی المعالم)، عبداللہ بن المبارک، داؤد طبری (کما قال العینی) اور احناف میں سے امام ابویوسف کا آخری قول یہی ہے۔ قاضی شوکانی نے جمہور کا یہی قول بتایا ہے مغنی اور میزان وغیرہ میں امام احمد کا یہ قول رمضان کے لئے خاص ہے ممکن ہے امام احمد سے دو روایتیں ہوں پھر فجر سے پہلے کس وقت اذان کہی جائے؟ اس میں بھی ان حضرات کے یہاں اختلاف ہے کسی نے تو یہ کہا ہے کہ جب رات کا سدس اخیر باقی رہ جائے تب کہی جائے۔ علامہ باجی نے اسی کو اظہر بتایا ہے اور کسی نے یہ کہا ہے کہ نصف شب ہی سے جائز ہے۔ روضہ میں اسی کی تصحیح ہے۔ قسطلانی کہتے ہیں کہ احناف میں امام ابویوسف اور مالکیہ میں سے ابن حبیب کا یہی مذہب ہے۔ عینی کہتے ہیں کہ امام مالک کا قول بھی یہی ہے۔ کسی نے عشاء کے بعد ہی سے جائز مانا ہے۔ کسی نے ثلث لیل کے متعلق کہا ہے اور کسی نے جمیع شب میں کہا ہے لیکن علامہ سبکی نے شرح منہاج میں اس کو اختیار کیا ہے کہ سحر کے وقت اذان کہی جائے۔ موصوف نے قاضی حسین سے اسکی تصحیح بھی نقل کی ہے۔ الاحکام میں ابن دقیق العید کا میلان بھی اسی طرف ہے

طرفین کے یہاں جیسے اور نمازوں کے لئے وقت سے پہلے اذان جائز نہیں اسی طرح فجر کے لئے بھی جائز نہیں (مکروہ ہے) اگر وقت سے پہلے کہی بھی گئی تو وقت میں اس کا اعادہ کیا جائے گا۔ حسن بصری سفیان ثوری، ابراہیم نخعی اور علقمہ وغیرہ کا مذہب یہی ہے اور اصحاب ظواہر میں سے ابن حزم بھی اسی کا قائل ہے۔ امام بخاری اور امام نسائی کا میلان بھی اسی طرف ہے۔

فریق اول کا استدلال حضرت بلال کی اذان سے ہے جس کو حضرت ابن عمر، عائشہ اور انیسہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابن عمر کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ ان بلالاً ینادی بلیل فکلوا واشربوا حتی ینادی ابن ام مکتوم

"بلال رات ہی سے اذان کہہ دیتے ہیں لوگوں کو چاہیے کہ کھاتے پیتے رہا کریں تاوقتیکہ ابن ام مکتوم اذان نہ کہہ دیں۔ اس کی تخریج بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، طحاوی، طیالسی، احمد، شافعی، ابو حنیفہ، دارمی اور بیہقی نے کی ہے۔ الفاظ سب کے تقریباً برابر ہیں معمولی سا فرق ہے۔ فریق ثانی کا استدلال چند احادیث سے ہے۔

(۱) حدیث بلال۔ "ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لہ لا تؤذن حتی یستبین لک الفجر ہکذا ومد یدیہ عرضاً" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بلالؓ سے فرمایا کہ تو اس وقت تک اذان مت کہا کر جب تک کہ تجھ کو فجر کی روشنی اس طرح معلوم نہ ہو جائے اور آپ نے عرضاً ہاتھ پھیلا کر اشارہ سے بتایا۔

حافظ بیہقی نے کتاب المعرفہ میں اس کو منقطع کہا ہے۔ صاحب کتاب بھی منقطع ہی مان رہے ہیں۔ ہم اس کے متعلق قول ۱۸ کے ذیل میں کچھ عرض کریں گے۔

(۲) حدیث حفصہ بنت عمر۔ "ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا اذن المؤذن بالفجر قام فصلی رکعتی الفجر ثم خرج الی المسجد فحرم الطعام وکان لا یؤذن حتی یصبح" جب مؤذن فجر کی اذان کہتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر فجر کی دو رکعتیں ادا فرماتے پھر مسجد تشریف لاتے اور کھانا پینا حرام ہو جاتا اور آپ کے زمانہ میں فجر کی اذان صبح ہونے پر ہی ہوتی تھی۔ اس کی تخریج امام طحاوی اور حافظ بیہقی نے کی ہے۔

شیخ نے الامام میں اثرم سے نقل کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حفصہ کی اس حدیث کو نافع سے اور لوگوں نے بھی روایت کیا ہے لیکن کسی نے وہ کچھ ذکر نہیں کیا جو عبد الکریم بن مالک جزری نے ذکر کیا ہے۔

حافظ بیہقی کہتے ہیں کہ یہ اذان ثانی پر محمول ہے۔

جواب یہ ہے کہ بقول علامہ ابن الترکمانی عبد الکریم ثقہ راوی ہے۔ امام احمد، ابن معین اور ابن المدینی نے ان کو ثبت و ثقہ کہا ہے۔ سفیان ثوری کہتے ہیں کہ میں نے تو ان جیسا دیکھا ہی نہیں ابن عیینہ کہتے ہیں، "کان لا یقول الا حدثنا او سمعت"۔ شیخین نے ان سے روایت کی ہے تو جس شخص کا یہ مقام ہو اس کا ذکر کردہ مضمون کب قابل نکیر ہو سکتا ہے۔ حافظ بیہقی کے نزدیک بھی حدیث جید الاسناد ہے تب ہی تو وہ تاویل کے چکر میں پڑے۔ علاوہ ازیں روایت شیبان میں حدیث حفصہ کی شہادت بھی موجود ہے جس کو طبرانی نے معجم اوسط اور معجم کبیر میں روایت کیا ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس کی اسناد صحیح ہے۔ دوسری شہادت حدیث عائشہ ہے۔

(۳) حدیث عائشہ۔ "کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا سکت المؤذن بالاذان من صلوۃ الفجر قام فرکع رکعتین خفیفتین" اثرم کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد سے سنا ہے وہ زہری سے اوزاعی کی حدیث کو ضعیف کہتے تھے۔

جواب یہ ہے کہ شیخ نے الامام میں کہا ہے "لیس ہذا بتعلیل جید"۔ اور ہر انصاف پسند کو یہی کہنا پڑے گا کیونکہ اوزاعی امام المسلمین ہیں۔ اور تماشا تو یہ ہے کہ خود اثرم نے اس کو بطریق اوزاعی عن الزہری روایت کیا ہے اور کہا ہے "اسنادہ جید" فیا للعجب۔ ابو الشیخ اصبہانی نے کتاب الاذان میں اور

ابن ابی شیبہ نے مصنف میں حضرت عائشہ سے یہ الفاظ روایت کئے ہیں: قالت ما کانوا یؤذنون حتی یطلع الفجر۔ حافظ ابن حجر نے درایہ میں اور علامہ ابن الترکمانی نے اس کی سند کو صحیح مانا ہے ابن حزم نے بھی محلی میں اس کو ذکر کر کے سکوت اختیار کیا ہے۔

(۴) حدیث امرأۃ من بنی نجار، قالت کان بیتی من اطول بیت حول المسجد وکان بلال یؤذن علیہ الفجر فیاتی بسحر فیجلس علی البیت ینظر الی الفجر فاذا رآہ تمطی ثم قال اللھم انی احمدک واستعینک علی قریش ان یقیموا دینک قالت ثم یؤذن۔ بنو نجار کی ایک عورت سے روایت ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ مسجد کے آس پاس کے گھروں میں میرا گھر سب سے اونچا تھا اور بلال اس پر اذان دیا کرتے تھے تو وہ پہلے سے آکر وہاں بیٹھ جاتے اور صبح صادق کو دیکھتے رہتے جب صبح صادق ہو جاتی تو انگڑائی لیتے پھر یہ دعا کرتے: پروردگار! میں تیرا شکر ادا کرتا ہوں اور قریش پر تجھ ہی سے مدد چاہتا ہوں تاکہ وہ تیرے دین کو قائم کریں۔ اس کے بعد حضرت بلال اذان کہتے تھے۔ صاحب کتاب نے اس کی تخریج باب الاذان فوق المنارۃ کے ذیل میں کی ہے جو اس سے چند ابواب قبل ہے۔ حافظ نے درایہ میں اس کی سند کو حسن کہا ہے۔

(۵) زیر بحث حدیث ابن عمرؓ۔ ان بلالا اذن قبل طلوع الفجر الخ۔ اس کے متعلق ہم قال ابوداؤد کے ذیل میں کچھ عرض کریں گے۔

رہی حضرت بلال کی اذان، جس سے فریق اول نے قبل از وقت جواز اذان پر استدلال کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت بلال کی اذان فجر کی نماز کے لئے نہیں ہوتی تھی بلکہ ایک اور مقصد کیلئے ہوتی تھی جس کو بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، بیہقی، احمد، طیالسی اور امام طحاوی کی روایت عبداللہ بن مسعودؓ (لایمنعن احدکم اذان بلال من سحورہ فانہ ینادی بلیل، او یؤذن لیرجع قائمکم ولینتبہ نائمکم) نے بیان کیا ہے کہ حضرت بلال کی اذان اس لئے ہوتی تھی کہ تہجد میں قیام کرنے والوں کو آرام اور آرام کرنے والوں کو قیام کا موقع مل جائے۔

امام طحاوی کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت بلال کی نظر میں خرابی تھی اور وہ طلوع فجر کے گمان سے اذان کہہ دیتے تھے اور واقع میں فجر طلوع نہ ہوتی تھی۔ اس تاویل پر بہت سے لوگ چراغ پا ہوئے ہیں مگر یہ تاویل اپنی طرف سے نہیں بلکہ حدیث کی روشنی میں ہے۔ چنانچہ امام احمد، طحاوی اور ابویعلی نے حضرت انسؓ سے، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، احمد، دارقطنی اور بیہقی نے حضرت سمرہ بن جندبؓ سے اور حاکم نے حضرت ابو محذورہ سے روایت کیا ہے: لا یغرنکم اذان بلال فان فی بصرہ سوءً۔ تم کو بلال کی اذان دھوکے میں نہ ڈالے کیونکہ ان کی بینائی میں ضعف ہے۔

علامہ ہیثمی نے زوائد میں اس کی سند کے متعلق کہا ہے رجالہ رجال الصحیح، علامہ ابن الترکمانی فرماتے ہیں اخرجہ الطحاوی باسناد جید۔ ان کے شاگرد شیخ عبدالقادر الحاوی میں کہتے ہیں اسنادہ صحیح سوی احمد بن اشکاب روی عنہ البخاری فقط۔

علامہ ابن الجوزی نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس حدیث کو ایک جماعت نے روایت کیا ہے لیکن کسی نے الفاظ فان فی بصرہ سوء ذکر نہیں کئے۔ جواب یہ ہے کہ امام طحاوی نے اس کو عن سعید بن ابی عروبۃ عن قتادۃ عن انس اور امام احمد نے عن سوادۃ بن حنظلۃ القشیری قال سمعت سمرۃ

روایت کیا ہے جس میں ان الفاظ کی تصریح موجود ہے اور سعید وسوادہ ثقہ راوی ہیں اور ثقہ رواۃ کی زیادتی مقبول ہوتی ہے۔

شیخ تقی الدین نے الامام میں اس تاویل کے لئے حضرت شیبان کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔ قال تسحرت ثم اتیت المسجد فاستندت الی الحجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فرآنیہ تیسحر فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ابو یحییٰ؟ قلت نعم، قال ہلم الی الغداء قلت: انی ارید الصیام، قال: وانا ارید الصیام ولکن مؤذننا ہذا فی بصرہ سوء او قال شیٔ وانہ اذن قبل طلوع الفجر۔

حضرت شیبان کہتے ہیں کہ میں سحری کھا کر مسجد میں آیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرے سے لگ کر بیٹھ گیا۔ دیکھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سحری کھا رہے تھے آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا: ابو یحییٰ؟ میں نے کہا نعم یا رسول اللہ آپ نے کھانے کے لئے بلایا۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ میں تو روزہ رکھنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا میرا بھی ارادہ ہے مگر ہمارے اس مؤذن کی نظر میں کچھ خرابی ہے جو اس نے طلوع فجر سے پہلے اذان کہہ دی۔ اس حدیث کو طبرانی نے معجم اوسط اور معجم کبیر میں روایت کیا ہے۔ اس کی سند کے متعلق حافظ ابن حجر درایہ میں کہتے ہیں اسنادہ صحیح۔

اس پوری تفصیل سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ وقت سے پہلے اذان کہنا جائز نہیں فجر کی ہو یا کسی اور نماز کی، کیونکہ آپ کے زمانہ میں فجر کی اذان بھی صبح ہو جانے کے بعد ہوا کرتی تھی۔ اسی لئے صحابہ عام طور سے رات کی اذان پر نکیر فرماتے تھے۔ بلکہ فجر سے پہلے اذان بلال پر خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خفگی کا اظہار فرمایا ہے۔ ابن عبد البر ابراہیم نخعی سے روایت کرتے ہیں کہ صحابہ کی شان یہی تھی کہ جب کوئی مؤذن اتنی بے وقت اذان دیتا تو اس سے فرماتے کہ اللہ سے ڈر اور اپنی اذان کا اعادہ کر۔

امام طحاوی نے حضرت علقمہ سے روایت کیا ہے کہ یہ کہ میں مجھے رات میں ایک مؤذن کی اذان سنی۔ تو آپ نے فرمایا کہ اس نے سنت نبویہ کے خلاف کیا ہے اگر یہ سوتا ہی رہتا اور طلوع فجر کے بعد اذان کہتا تو بہتر ہوتا۔ امام قاسم بن ثابت سرقسطی نے کتاب غریب الحدیث میں حضرت حسن بصری سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے رات میں مؤذن کی اذان سنی تو فرمایا۔ "علوج تباری الدیوک ولی کان الاذان علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا بعد ما یطلع الفجر"۔

قولہ قال ابوداؤد ‹۱۷۲› زیر بحث حدیث ابن عمر کہ حضرت بلال نے طلوع فجر سے قبل اذان کہی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: جاؤ آواز لگاؤ کہ بندہ سو گیا تھا۔ اس کو دارقطنی اور بیہقی نے بھی روایت کیا ہے۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ اس کے رجال سب ثقہ اور حفاظ ہیں لیکن ائمہ حدیث علی بن المدینی، احمد بن حنبل، بخاری، ذہلی، ابو حاتم، ابوداؤد، ترمذی، اثرم اور دارقطنی وغیرہ سب کا اتفاق ہے کہ حماد بن سلمہ نے اس کو مرفوع روایت کرنے میں غلطی کی ہے۔ صاحب کتاب بھی یہی فرما رہے ہیں کہ اس کو ایوب سختیانی سے مرفوعاً روایت کرنے میں حماد بن سلمہ متفرد ہے۔ عبید اللہ بن عمر نے عن نافع عن ابن عمر اور زہری نے عن سالم عن ابیہ اس کو موقوفاً روایت کیا ہے۔ جواب قولہ ۱۷۹ کے ذیل میں آرہا ہے:-

(۱۲۴) حدثنا ایوب بن منصور ثنا شعیب بن حرب عن عبد العزیز بن ابی رواد انا نافع عن مؤذن لعمر یقال له مسروح اذن قبل الصبح فامره عمر فذکر نحوه، قال ابو داؤد وقد رواه حماد بن زید عن عبید الله بن عمر عن نافع او غیره ان مؤذنا لعمر یقال له مسروح، قال ابو داؤد ورواه الدراوردی عن عبید الله عن نافع عن ابن عمر قال کان لعمر مؤذن یقال له مسعود وذکر نحوه، قال ابو داؤد وهذا اصح

ترجمہ

ایوب بن منصور نے بطریق شعیب بروایت عبد العزیز بن ابی رواد باخبار نافع حضرت عمر کے مؤذن جس کو مسروح کہا جاتا تھا روایت کیا ہے کہ اس نے صبح صادق سے قبل اذان کہی تو حضرت عمر نے اس کو حکم کیا پھر پہلی حدیث کی طرح ذکر کیا۔ ابو داؤد کہتے ہیں کہ اسے حماد بن زید نے بواسطہ عبید اللہ بن عمر حضرت نافع یا کسی اور سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر کا ایک مؤذن تھا جس کا نام مسروح تھا۔ ابو داؤد کہتے ہیں کہ اس کو دراوردی نے بروایت عبید اللہ بواسطہ نافع حضرت ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر کا ایک مسعود نامی مؤذن تھا پھر اسی طرح ذکر کیا۔
ابو داؤد کہتے ہیں کہ یہی اصح ہے :۔ تشریح۔

(۱۴۷) **قولہ قال ابو داؤد وقد رواہ حماد الخ** اس کا مقصد عبد العزیز بن ابی رواد کی روایت کو تقویت پہنچانا ہے کہ عبید اللہ بن عمر نے اس بات میں عبد العزیز کی متابعت کی ہے کہ اس واقعہ میں حکم کرنے والے حضرت عمر ہیں نہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قبل از وقت اذان کہنے کا مذکورہ بالا قصہ حضرت عمر کے مؤذن کا ہے نہ کہ حضرت بلال کا۔ نیز مؤذن کا نام مسروح (بن صبرہ بنشلی) ہے جیسا کہ عبد العزیز کی روایت میں ہے۔

(۱۴۸) **قولہ قال ابو داؤد ورواہ الدراوردی الخ** روایت حماد بن زید کی متابعت مقصود ہے کیونکہ حماد بن زید اور دراوردی دونوں حضرت عبید اللہ سے راوی ہیں اور دونوں نے یہ واقعہ حضرت عمر کے مؤذن کا قرار دیا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ دراوردی نے مؤذن کا نام مسروح کے بجائے مسعود ذکر کیا ہے۔

(۱۴۹) **قولہ قال ابو داؤد وہذا اصح الخ** یعنی مؤذن عمر سے نافع کی حدیث جس کو عبد العزیز بن ابی رواد اور عبید اللہ بن عمر نے روایت کیا ہے۔ یہ حدیث ایوب عن نافع کی بہ نسبت اصح ہے۔ کیونکہ حماد بن سلمہ نے ایوب سختیانی سے جو اس کو مرفوع روایت کیا ہے انہیں اس سے غلطی ہوئی ہے۔

جواب یہ ہے کہ حماد بن سلمہ اس کے رفع میں متفرد نہیں بلکہ سعید بن زربی نے اس کی متابعت کی ہے جیسا کہ دارقطنی اور بیہقی نے اس کو روایت کیا ہے۔ اور سعید بن زربی گو ضعیف ہے مگر متابعت کیلئے

کافی ہے۔ نیز معمر نے بھی ایوب سے اسی طرح روایت کیا ہے جس کی تخریج دارقطنی نے کی ہے اور یہ روایت گو معضل ہے مگر اس سے کوئی نقصان نہیں اس واسطے کہ جب راوی ثقہ ہو تو ہمارے نزدیک معضل روایت بھی قابل احتجاج ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں دارقطنی نے عن ابی یوسف القاضی عن سعید بن ابی عروبۃ عن قتادہ عن انس روایت کیا ہے۔ "ان بلالا اذن قبل الفجر فامرہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یعید فنادی ان العبد نام ففعل وقال لیت بلالا لم تلدہ امہ وابتل من نضح دم جبینہ" یہ روایت حماد بن سلمہ کی روایت کے لئے شاہد ہے کیونکہ اس کو قاضی ابو یوسف نے سعید بن ابی عروبۃ سے مرفوعاً روایت کیا ہے اور حافظ بیہقی نے "باب المستحاضۃ تغتسل عنہا اثر الدم" کے ذیل میں قاضی ابو یوسف کی توثیق کی ہے۔ ابن حبان نے بھی ان کو ثقہ مانا ہے۔ اس لئے ان کی مرفوع روایت مقبول ہوگی کیونکہ ثقہ راوی کی زیادتی مقبول ہوتی ہے۔ دارقطنی نے قاضی ابو یوسف کی روایت کی تخریج کے بعد اس کو مرسلاً روایت کیا ہے اور مرسل کو اصح کہا ہے تو یہ بھی ہمارے لئے مضر نہیں کیونکہ ہمارے یہاں مرسل روایت بھی حجت ہے۔

(۳۵) حدثنا زهير بن حرب ثنا وكيع ثنا جعفر بن برقان عن شداد مولى عياض بن عامر عن بلال ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال له لا تؤذن حتى يستبين لك الفجر هكذا ومد يديه عرضا، قال ابو داؤد شداد لم يدرك بلالا

ترجمہ

زہیر بن حرب نے بروایت وکیع بتحدیث جعفر بن برقان بواسطہ شداد مولی عیاض بن عامر حضرت بلال سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اذان مت کہا کرو جب تک تم کو فجر کی روشنی اس طرح معلوم نہ ہو جائے پھر آپ نے عرضاً ہاتھ پھیلا کر اشارہ کیا۔ ابو داؤد کہتے ہیں کہ شداد نے حضرت بلال کو نہیں پایا۔

تشریح

قولہ قال ابو داؤد الخ احناف کے مستدلات میں سے ایک مستدل یہ بھی ہے جس کو صاحب کتاب منقطع بتا رہے ہیں کیونکہ شداد نے حضرت بلال کو نہیں پایا۔ عبارت "قال ابو داؤد شداد لم یدرک بلالا" اکثر نسخوں میں نہیں ہے صرف بعض نسخوں کے حاشیہ پر یہ عبارت ملتی ہے۔

بہر حال صاحب کتاب اور حافظ بیہقی نے اس روایت کو منقطع کہا ہے سو اول تو امام ابو حنیفہ امام مالک اور ایک قول پر امام احمد کے نزدیک حدیث منقطع علی الاطلاق مقبول ہے۔ تحریر میں ہے "فمذهب جمهور المحدثين الى التوقف لبقاء الاحتمال وهو احد قولي احمد وثانيهما وهو قول المالكين والاكثرين يقبل مطلقا"

دوسرے یہ کہ قبل از وقت اذان کا عدم جواز اسی پر موقوف نہیں بلکہ دیگر صحیح احادیث سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ جائز نہیں ہے جس کی مفصل بحث گذر چکی ہے۔

یحییٰ بن وثاب سے منقول ہے کہ امام تکبیر اس وقت کہے جب مؤذن فارغ ہو جائے۔ شوافع کا مذہب یہ ہے کہ جبتک مؤذن اقامت سے فارغ نہ ہو جائے اس وقت تک کھڑا نہ ہونا مستحب ہے۔ امام ابو یوسف بھی اسی کے قائل ہیں۔

امام مالک سے روایت ہے کہ سنت یہ ہے کہ نماز اقامت کے بعد شروع کی جائے۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ جب مؤذن قد قامت الصلوٰۃ کہے تو کھڑا ہو جانا چاہئے۔ امام زفر فرماتے ہیں کہ جب مؤذن ایک مرتبہ قد قامت الصلوٰۃ کہے تو کھڑا ہو جانا چاہئے اور جب دوبارہ کہے تو نماز شروع کر دینا چاہئے۔ امام ابو حنیفہ اور امام محمد فرماتے ہیں کہ جب مؤذن حی علی الصلوٰۃ کہے تو صف میں کھڑا ہو جانا چاہئے۔ یہ پوری تفصیل اس وقت ہے جب امام مسجد میں موجود ہو اور اگر موجود نہ ہو تو جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ جبتک امام کو نہ دیکھ لیں کہ وہ آچکا ہے اس وقت تک کھڑے نہ ہوں۔

قولہ فلا تقوموا حتی ترونی الخ۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں علامہ قرطبی کا قول ذکر کیا ہے کہ ظاہر حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے قبل ہی جماعت کھڑی ہو جاتی تھی حالانکہ صحیح مسلم میں حضرت جابر بن سمرہ کی حدیث میں ہے "ان بلالا کان لا یقیم حتی یخرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم" بلال تکبیر نہ کہتے تھے یہاں تک کہ آپ تشریف لے آتے۔ نیز مستخرج ابو نعیم میں حضرت ابو ہریرہ کی حدیث کے الفاظ ہیں "فصف الناس صفوفہم ثم خرج علینا" لوگ صفیں بنا لیتے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے۔ صحیح مسلم میں حدیث ابو ہریرہ کے الفاظ ہیں "اقیمت الصلوٰۃ فقمنا فعدلنا الصفوف قبل ان یخرج الینا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاتی فقام مقامہ" اقامت کہی گئی، ہم لوگ کھڑے ہو گئے اور آپ کے تشریف لانے سے قبل ہم نے صفیں سیدھی کر لیں تب آپ تشریف لائے اور مصلے پر کھڑے ہوئے۔ ابو داؤد میں حدیث ابو ہریرہ کے الفاظ یہ ہیں "ان الصلوٰۃ کانت تقام لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیاخذ الناس مقامہم قبل ان یجیٔ النبی صلی اللہ علیہ وسلم" اقامت کہی جاتی اور آپ کی تشریف آوری سے قبل ہی لوگ اپنی اپنی جگہ کھڑے ہو جاتے۔

پس یہ سب احادیث متعارض ہیں۔ قاضی عیاض وغیرہ نے ان میں جمع کی صورت یہ ذکر کی ہے کہ حضرت بلال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے لئے چشم براہ رہتے تھے اور جب دیکھتے کہ آپ نکل چکے ہیں تو فوراً تکبیر شروع کر دیتے پھر عام لوگ دیکھتے کہ آپ تشریف لا رہے ہیں تو کھڑے ہو جاتے اور آپ کے مصلے پر آنے سے قبل ہی صفیں سیدھی کر لیتے تھے۔

عبد الرزاق کی روایت عن ابن جریج عن ابن شہاب "ان الناس کانوا ساعۃ یقول المؤذن اللہ اکبر یقومون الی الصلوٰۃ فلا یاتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم مقامہ حتی تعتدل الصفوف" سے اس کی تائید ہوتی ہے اور حضرت ابو ہریرہ کی حدیث میں جو یہ ہے کہ آپ کو دیکھنے سے قبل ہی لوگ کھڑے ہو گئے اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک آدھ دفعہ ایسا بھی ہوا ہے اور یہی اس کا سبب بنا کہ حضرت ابو قتادہ کی زیر بحث حدیث میں آپ کو منع کرنے کی نوبت آئی۔

قولہ قال ابوداؤد الخ | اس قول میں اختلاف سند اور اختلاف متن دونوں کو بیان کرنا مقصود ہے۔

اول کا حاصل یہ ہے کہ زیر بحث حدیث کو ابان بن یزید العطار نے یحییٰ بن ابی کثیر سے بصیغہ عن روایت کیا ہے۔ صاحب کتاب کہتے ہیں کہ ایوب سختیانی اور حجاج صواف (ابو الصلت بن ابی عثمان) کی روایت بھی یحییٰ سے بصیغہ عن ہے۔ لیکن ہشام دستوائی کی روایت کے الفاظ یہ ہیں کتب الی یحییٰ جس کے متعلق حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں کہا ہے کہ اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث کو ہشام نے یحییٰ سے نہیں سنا۔ لیکن اسماعیلی نے بطریق ہشیم عن ہشام عن یحییٰ اس روایت کیا ہے تو ان کے یہاں ہشام کی روایت بھی بصیغہ عن ہے اور ابو نعیم نے مستخرج میں ایک دوسرے طریق سے یوں روایت کیا ہے۔ عن ہشام ان یحییٰ کتب الیہ ان عبد اللہ بن ابی قتادۃ حدثہ اھ۔ ان الفاظ سے یحییٰ کی تدلیس کا خدشہ ختم ہوجاتا ہے۔

ایوب سختیانی کی روایت کا تو پتہ نہیں چل سکا البتہ حجاج صواف کی روایت صحیح مسلم میں موجود ہے دوسرا اختلاف متن میں ہے کہ معاویہ بن سلام اور علی بن المبارک نے بھی اس کو یحییٰ سے بصیغہ عن ہی روایت کیا ہے۔ لیکن ان کی روایت میں الفاظ وعلیکم السکینۃ زائد ہیں جو ابان وایوب اور حجاج وہشام کی روایات میں نہیں ہیں:۔

(۱۲۷) حدثنا ابراھیم بن موسی انا عیسی عن معمر عن یحیی باسنادہ مثلہ قال حتی ترونی قد خرجت، قال ابوداؤد لم یذکر قد خرجت الا معمر ورواہ ابن عیینۃ عن معمر لم یقل فیہ قد خرجت

ترجمہ

ابراہیم بن موسیٰ نے باخبار عیسیٰ بواسطہ معمر یحییٰ سے باسناد سابق اسی کے مثل روایت کیا ہے اور کہا ہے یہاں تک کہ تم مجھ کو دیکھو کہ میں نکل چکا ہوں۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ لفظ قد خرجت معمر کے علاوہ کسی نے ذکر نہیں کیا اور اس کو ابن عیینہ نے بھی معمر سے روایت کیا ہے۔ اس نے بھی قد خرجت نہیں کہا:۔ تشریح

قولہ قال ابوداؤد الخ (۱۴۳) اس کا حاصل یہ ہے کہ معمر بن راشد سے لفظ قد خرجت میں اختلاف ہے۔ عیسیٰ بن یونس نے معمر سے اس لفظ کو ذکر کیا ہے اور ابن عیینہ نے ذکر نہیں کیا۔ صاحب کتاب کہتے ہیں کہ لفظ قد خرجت صرف معمر ہی نے روایت کیا ہے۔ لیکن یہ حصر صحیح نہیں۔ اس واسطے کہ صحیح مسلم میں بروایت اسحاق بن ابراہیم حدیث شیبان میں بھی لفظ قد خرجت موجود ہے معمر سے سفیان بن عیینہ کی روایت کی تخریج امام مسلم نے صحیح میں کی ہے۔

(۸۳) باب التشدید فی ترک الجماعۃ

(۱۲۸) حدثنا ھارون بن زید بن ابی الزرقاء ثنا ابی ثنا سفیان عن عبد الرحمن

بن عابس عن عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ عن ابن ام مکتوم قال یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان المدینۃ کثیرۃ الھوام والسباع فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم تسمع حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح فحی ھلا، قال ابو داؤد وکذا رواہ القاسم الجرمی عن سفیان لیس فی حدیثہ حی ھلا۔

حل لغات

ہوام تشدید میم جمع ہامۃ ہر زہر دار کیڑا جو مار ڈالے جیسے سانپ وغیرہ اور جو کیڑا زہر دار تو ہو لیکن جان تلف نہ کرے اس کو سام کہتے ہیں جیسے بچھو اور بھڑ وغیرہ۔ کبھی ہوام کا اطلاق ان کیڑوں پر بھی ہوتا ہے جو زہر دار نہیں ہیں جیسے حدیث میں ہے ایؤذیک ہوام راسک اس میں ہوام راس سے مراد جوئیں ہیں۔ سباع جمع سبع درندہ جیسے شیر، بھیڑیا وغیرہ فحی ہلا: علامہ طیبی کہتے ہیں کہ یہ کلمہ حث واستعجال ہے جو اجیب کے قائم مقام ہے۔ ابن الاثیر نے نہایہ میں ذکر کیا ہے کہ یہ دو کلمے علیحدہ علیحدہ ہیں مگر دونوں کو ملا کر ایک کر دیا گیا حی بمعنی اقبل اور ہلا بمعنی اسرع ہے۔ شرح مفصل میں ہے کہ یہ اسم فعل ہے اصل میں حی اور ہلا سے مرکب ہے اور یہ حضرموت و بعلبک کی طرح غیر منصرف ہے مگر فعل امر کے موقعہ پر صہ و مہ کی طرح مبنی ہوتا ہے پھر اس میں کئی لغتیں ہیں کبھی صرف حی استعمال ہوتا ہے یقال حی علی الصلوٰۃ نماز کے لئے آؤ (قال الفراء بحثت الیاء من حی لسکون الیاء التی قبلہا) اور کبھی صرف ہلا استعمال ہوتا ہے مگر یہ استعمال کم ہے۔ حافظ عینی نے اس میں علامہ انباری سے چھ لغتیں نقل کی ہیں، حیَّ ہلا، حیَّ ہلاً، حیَّ ہلَ، حیَّ ہلن، حی ہلین۔ ترجمہ

ہارون بن زید بن ابی الزرقاء نے بطریق زید بن ابی الزرقاء بحدیث سفیان بروایت عبد الرحمٰن بن عابس بواسطہ عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ حضرت ابن ام مکتوم سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مدینہ میں زہریلے کیڑے اور درندے بہت ہیں (تو مجھ کو گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت دیدیجئے) آپ نے فرمایا: تو حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح سنتا ہے؟ تو پھر ضرور آ۔ ابو داؤد کہتے ہیں کہ اس کو سفیان سے قاسم جرمی نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ لیکن اس کی حدیث میں لفظ حی ہلا نہیں ہے:۔ تشریح

قولہ قال ابو داؤد الخ یعنی جس طرح سفیان سے اس حدیث کو زید بن ابی الزرقاء نے روایت کیا ہے اسی طرح اس کو سفیان سے قاسم بن یزید جرمی نے بھی روایت کیا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ قاسم کی روایت میں لفظ حی ہلا نہیں ہے عبارت لیس فی حدیثہ حی ہلا۔ بعض نسخوں میں ہے اور بعض میں نہیں ہے۔

پھر امام نسائی نے روایت قاسم بن یزید جرمی عن سفیان کی جو تخریج کی ہے اس میں یہ الفاظ ہیں۔ فحی ہلا ولم یرخص لہ۔ تو ممکن ہے صاحب کتاب کو حدیث ان الفاظ کے ساتھ نہ پہنچی ہو۔

والحاصل ان القاسم ذکر ہذا اللفظ مرۃ ولم یذکرہ اخرٰی:

(۸۴) باب ما جاء فی فضل المشی الی الصلوٰۃ

(۱۲۹) حدثنا محمد بن عیسی ثنا ابو معاویۃ عن هلال بن میمون عن عطاء بن یزید عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الصلوٰۃ فی جماعۃ تعدل خمسا و عشرین صلوٰۃ فاذا صلاها فی فلاۃ فاتم رکوعها وسجودها بلغت خمسین صلوٰۃ قال ابو داؤد قال عبد الواحد بن زیاد فی هذا الحدیث صلوٰۃ الرجل فی الفلاۃ تضاعف علی صلوٰتہ فی الجماعۃ وساق الحدیث

ترجمہ

محمد بن عیسیٰ نے بتحدیث ابو معاویہ بروایت ہلال بن میمون بواسطہ عطاء بن یزید حضرت ابو سعید خدری سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جماعت کی نماز پچیس نمازوں کے برابر ہے اور جب نماز جنگل میں پڑھی جائے اور رکوع وسجدہ اچھی طرح ادا کیا جائے تو پچاس نمازوں کا ثواب ملے گا۔ ابو داؤد کہتے ہیں کہ عبد الواحد بن زیاد نے اس حدیث میں کہا ہے کہ جنگل میں آدمی کی نماز جماعت کی نماز سے ثواب میں زیادہ ملی جاتی ہے۔ پھر آخر تک حدیث بیان کی۔ **تشریح**

قولہ قال ابو داؤد الخ (۱۴۳) حدیث کے الفاظ "فاذا صلاها فی فلاۃ فاتم رکوعها وسجودها بلغت خمسین صلوٰۃ" میں تو مصرح ہے کہ مسافر کے لئے بحالت سفر ایک نماز پڑھنے کا ثواب پچاس نمازوں کے برابر ہے لیکن یہ جماعت کے ساتھ پڑھنے پر ہے یا تنہا پڑھنے پر بھی اس کو پچاس ہی کا ثواب ملے گا؟ علامہ عینی اور حافظ ابن رسلان کا رجحان اول کی طرف ہے کیونکہ ظاہر سیاق حدیث سے یہی معلوم ہوتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک نماز پر پچیس نمازوں کا ثواب تو جماعت کی وجہ سے ہے اور مسافر کے لئے مزید پچیس نمازوں کا ثواب اس لئے ہے کہ اس نے مشقت سفر کے باوجود جماعت کے ساتھ نماز پڑھی جبکہ مسافر کے حق میں جماعت مؤکد نہیں ہے۔

قاضی شوکانی کے نزدیک دوسری صورت راجح ہے یعنی مسافر کو سفر کی حالت میں تنہا نماز پڑھنے پر بھی پچاس نمازوں کا ثواب ملے گا۔ وہ فرماتے ہیں کہ صلاہا میں ہا ضمیر کا مرجع مطلق صلوٰۃ ہے نہ کہ مقید بالجماعۃ۔

صاحب کتاب نے عبد الواحد بن زیاد کی حدیث کے جو الفاظ "صلوٰۃ الرجل فی الفلاۃ تضاعف علی صلوتہ فی الجماعۃ" نقل کئے ہیں وہ اسی پر دال ہیں۔ لانہ جعل فیها صلوۃ الرجل فی الفلاۃ مقابلۃ لصلوتہ فی الجماعۃ۔ پھر حدیث عبد الواحد بن زیاد کے متعلق شیخ نے بذل میں لکھا ہے۔ لم اجد ہذا التعلیق موصولا۔

(۸۵) باب التشدید فی ذلک

(۱۳) حدثنا ابو معمر حدثنا عبد الوارث ثنا ایوب عن نافع عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لو ترکنا ھذا الباب للنساء قال نافع فلم یدخل منہ ابن عمر حتی مات قال ابوداؤد رواہ اسمعیل بن ابراھیم عن ایوب عن نافع قال قال عمر وھذا اصح قال ابوداؤد وحدیث ابن عمر وھم من عبد الوارث

ترجمہ

ابو معمر نے بسند عبد الوارث بحدیث ایوب بواسطہ نافع حضرت ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اگر ہم اس دروازہ کو عورتوں کے لئے چھوڑ دیں (تو مناسب ہے)، نافع کا بیان ہے کہ حضرت ابن عمر اس دروازہ سے زندگی بھر داخل نہیں ہوئے ابوداؤد کہتے ہیں کہ اس کو اسمٰعیل بن ابراہیم نے بواسطہ ایوب نافع سے روایت کیا ہے کہ یہ حضرت عمر نے فرمایا اور یہی اصح ہے۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ ابن عمر کی حدیث وہم ہے عبد الوارث سے۔

تشریح

قولہ باب الخ۔ عورتوں کو نماز کے لئے مسجد میں آنا جائز ہے یا نہیں؟ صاحب کتاب نے اس سے قبل باب ما جاء فی خروج النساء الی المسجد کے ذیل میں جن احادیث کی تخریج کی ہے ان سے جواز نکلتا ہے اس لئے بعض حضرات نے اس کو علی الاطلاق جائز رکھا ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "لا تمنعوا اماء اللہ مساجد اللہ" بلکہ علامہ خطابی نے تو عموم حدیث سے یہاں تک استدلال کیا ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو حج کے لئے جانے سے نہیں روک سکتا کیونکہ مسجد حرام جس میں طواف و حج کے لئے جاتے ہیں اشہر المساجد اور اعظم المساجد ہے۔ جب دیگر مساجد میں جانے سے روکنا ممنوع ہے تو مسجد حرام تک جانے سے روکنا بطریق اولیٰ ممنوع ہوگا۔ مگر یہ استدلال صحیح نہیں اس واسطے کہ اگر عورت اور مسجد حرام کے درمیان مسافت سفر ہو تو اس کے لئے بلا محرم سفر کرنا ناجائز ہے کیونکہ آپ کا ارشاد ہے "لا یحل لامرأۃ تؤمن باللہ والیوم الآخر ان تسافر" الخ۔ ہاں اگر اس کے درمیان شرعاً مسافت نہ ہو تو جیسے عام مساجد میں جانا جائز ہے اسی طرح مسجد حرام میں بھی جائز ہوگا۔

بعض حضرات کے نزدیک عورت کو خوشبو لگا کر، عمدہ لباس زیب تن کر کے زینت فاخرہ کیا تھ مسجد میں جانا جائز نہیں اگر یہ چیزیں نہ ہوں تو جائز ہے جیسا کہ حضرت ابوہریرہ کی حدیث میں ہے "لا تمنعوا اماء اللہ مساجد اللہ ولکن لیخرجن وھن تفلات"۔ صحیح مسلم میں حضرت زینب کی حدیث کے الفاظ "لا تمس الرجال طیباً" میں اس کی تصریح موجود ہے۔ بہت سے فقہاء مالکیہ اور ...

دیگر علماء نے بوڑھی اور جوان عورتوں میں فرق کیا ہے۔ بوڑھی کے لئے اجازت ہے جوان کے لئے اجازت نہیں۔ بعض حضرات نے رات اور دن کا فرق کیا ہے کہ عشاء اور فجر کے وقت جانا جائز ہے اور اوقات میں جائز نہیں کیونکہ حدیث ابن عمر میں ہے۔ ائذنوا للنساء الی المساجد باللیل۔ بعض علماء نے صرف فجر کی اجازت دی ہے۔

لیکن اکثر علماء کے نزدیک علی الاطلاق ممانعت ہے کیونکہ یہ زمانہ شر و فساد کا زمانہ ہے اور جب حضرت عائشہ اپنے دور کی عورتوں کے متعلق یہ فرما رہی ہیں: لو ادرک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما احدث النساء لمنعہن المسجد۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ حال دیکھتے جو اب عورتوں نے نکالا ہے تو آپ ان کو مسجد میں جانے سے ضرور روک دیتے۔ تو آج کے دور میں اس کی کب اجازت ہو سکتی ہے جبکہ طرح طرح کی خوشبو، سرخی، پوڈر لگانا، چست لباس زیب تن کرنا، زینت فاخرہ میں رہنا اور بے پردہ پھرنا عورتوں کا عام شیوہ بن چکا ہے۔

امام احمد اور طبرانی نے ام حمید ساعدیہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ! میں چاہتی ہوں کہ آپ کے ساتھ نماز پڑھا کروں۔ آپ نے فرمایا: تو جانتی ہے؟ تیری نماز کوٹھری میں بہتر ہے حجرے سے اور حجرے میں بہتر ہے آنگن سے اور آنگن میں بہتر ہے محلے کی مسجد سے اور محلے کی مسجد میں بہتر ہے جامع مسجد سے۔

قولہ فلم یدخل منہ الخ۔ یہ اقتداء آثار نبویہ اور اتباع سنت رسول کا ادنیٰ نمونہ ہے جو حضرت عبداللہ بن عمر کی سیرت سے مشہور ہے۔ ابن ماجہ نے ابو جعفر سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت ابن عمر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث سنتے تو نہ اس سے آگے بڑھتے اور نہ اس میں کوتاہی کرتے۔

بزار نے حضرت ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ جب مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک درخت سے ہو کر گذرتے تو تھوڑی دیر اس کے نیچے قیلولہ کرتے اور فرماتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے نیچے قیلولہ فرماتے تھے۔ بزار ہی نے زید بن اسلم سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت ابن عمر کو محلول الازار دیکھا آپ نے فرمایا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو محلول الازار ہی دیکھا ہے۔

قولہ قال ابوداؤد ورواہ اسماعیل الخ (۵۸۱) اس کا حاصل یہ ہے کہ عبدالوارث اور اسماعیل بن ابراہیم نے اس حدیث کو ایوب سے روایت کرتے ہوئے دو چیزوں میں اختلاف کیا ہے ایک تو یہ کہ عبدالوارث نے اس کو عن ابن عمر قال، قال رسول اللہ الخ مرفوعاً روایت کیا ہے اسمٰعیل نے مرفوع روایت نہیں کیا بلکہ حضرت عمر پر موقوف کیا ہے۔ دوسرے یہ کہ عبدالوارث نے نافع کے بعد ابن عمر کو ذکر کیا ہے اسماعیل نے ذکر نہیں کیا تو روایت منقطع ہے اور یہی اصح ہے۔

قولہ قال ابوداؤد حدیث ابن عمر الخ (۵۸۲) یہ عبارت بعض نسخوں میں ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ عبدالوارث نے جو اس حدیث کو مرفوع روایت کیا ہے یہ اس کا وہم ہے۔ صاحب کتاب نے اس سے قبل بعینہ یہی حدیث اسی سند کے ساتھ باب فی اعتزال النساء فی المساجد عن الرجال کے ذیل میں روایت کی ہے اسکے بعد بکیر بن عبداللہ

بن الاشج سے حضرت عمرؓ کے متعلق روایت کیا ہے۔ "کان ینہیٰ ان یدخل من باب المسجد" تو ممکن ہے موقوف روایت کی اہمیت کی وجہ یہ ہو کہ اس کو کبیر کی روایت سے تائید حاصل ہے (وفیہ ما فیہ)۔

(۸۲) باب السعی الی الصلوٰۃ

(۱۳۱) حدثنا احمد بن صالح نا عنبسۃ اخبرنی یونس عن ابن شہاب اخبرنی سعید بن المسیب و ابو سلمۃ بن عبد الرحمٰن ان ابا ہریرۃ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا تاتوھا تسعون واتوھا تمشون وعلیکم السکینۃ فما ادرکتم فصلوا وما فاتکم فاتموا، قال ابو داؤد وکذا قال الزبیدی وابن ابی ذئب وابراہیم بن سعد ومعمر وشعیب بن ابی حمزۃ عن الزہری وما فاتکم فاتموا وقال ابن عیینۃ عن الزہری وحدہ فاقضوا وقال محمد بن عمرو عن ابی سلمۃ عن ابی ہریرۃ وجعفر بن ربیعۃ عن الاعرج عن ابی ہریرۃ فاتموا وابن مسعود عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابو قتادۃ وانس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کلہم فاتموا

ترجمہ

احمد بن صالح نے بحدیث عنبسہ باخبار یونس بروایت ابن شہاب بواسطہ سعید بن المسیب و ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب تکبیر کہی جائے تو دوڑتے ہوئے مت آؤ بلکہ اطمینان سے چلتے ہوئے آؤ جو مل جائے اس کو پڑھ لو اور جتنی جاتی رہے اس کو پورا کر لو۔

ابو داؤد کہتے ہیں کہ زبیدی، ابن ابی ذئب، ابراہیم بن سعد، معمر اور شعیب بن ابی حمزہ نے زہری سے لفظ "فاتموا" روایت کیا ہے۔ زہری سے صرف ابن عیینہ نے لفظ "فاقضوا" روایت کیا ہے۔ محمد بن عمرو نے بواسطہ ابو سلمہ حضرت ابو ہریرہ سے اور جعفر بن ربیعہ نے بواسطہ اعرج حضرت ابو ہریرہ سے لفظ فاتموا ذکر کیا ہے نیز حضرت ابن مسعود، ابو قتادہ اور حضرت انس سب نے فاتموا ہی ذکر کیا ہے۔

تشریح

قولہ باب الخ۔ نماز کے لئے دوڑنا جائز ہے یا نہیں؟ حدیث باب کے پیش نظر عام علماء کی رائے یہی ہے کہ نماز میں شامل ہونے کے لئے دوڑنا نہیں چاہئے گو جماعت فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو بلکہ اطمینان وسکون کے ساتھ شامل ہونا چاہئے۔ ممکن ہے اس پر کسی کو یہ اشکال ہو کہ یہ آیت فاسعوا الی ذکر اللہ کے خلاف ہے۔ مگر یہ اشکال اس لئے صحیح نہیں کہ آیت میں سعی سے مراد

قصد و ارادہ ہے جیسا کہ آیت کے الفاظ "وذروا البیع" سے مفہوم ہوتا ہے فامعنیٰ اشتغلوا بامر المعاد واترکوا امر المعاش۔ نیز لفظ سعی جس طرح عدو یعنی دوڑنے کے لئے استعمال ہوتا ہے قال تم "وجاء من اقصی المدینۃ رجل یسعی"۔ اسی طرح عمل کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے جیسے آیت میں ہے "وان لیس للانسان الا ما سعی"۔ اور کبھی سعی کے معنی میں بھی آتا ہے آیت "فاسعوا الی ذکر اللہ" میں یہی مراد ہیں اور مشی کو سعی سے تعبیر کرنے میں اہتمام صلوٰۃ کی طرف اشارہ ہے۔

قولہ فما ادرکتم فصلوا الخ۔ فما ادرکتم میں فاء کلمہ شرط محذوف کا جواب ہے۔ ای اذا بینت لکم ما ہو اولیٰ بکم فما ادرکتم فصلوا الخ قالہ الکرمانی۔ پھر علماء کی ایک جماعت نے حدیث کے ان الفاظ سے اس پر استدلال کیا ہے کہ امام کے ساتھ نماز کا کوئی ایک جزء مل جانے سے جماعت کا ثواب حاصل ہوجاتا ہے کیونکہ فما ادرکتم فصلوا میں قلیل و کثیر کی کوئی تفصیل نہیں۔ بعض حضرات کے یہاں جماعت پانے کے لئے کم از کم ایک رکعت کا ملنا ضروری ہے کیونکہ حدیث میں ہے۔ "من ادرک رکعۃ من الصلوٰۃ فقد ادرکہا"۔

قولہ وما فاتکم فاتموا الخ۔ علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ لفظ فاتموا اس بات کی دلیل ہے کہ مسبوق کو امام کے ساتھ جتنی نماز ملے وہ اس کی نماز کا پہلا حصہ ہوگا اور وہ افعال و اقوال ہر دو میں اسی پر بناء کرے گا امام شافعی اور اوزاعی اسی کے قائل ہیں۔ حضرت علی، ابوالدرداء، سعید بن المسیب، حسن بصری، عطاء اور مکحول سے بھی یہی مروی ہے۔ اور امام مالک و امام احمد سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ دلیل حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث باب ہے جس میں فرمایا گیا ہے فما ادرکتم فصلوا وما فاتکم فاتموا اس میں لفظ فاتموا اتمام سے ہے جس کا اطلاق شئی کے باقی ماندہ حصہ پر ہوتا ہے جبکہ اس باقیماندہ کے علاوہ اور پورا حصہ پہلے ہوچکا ہو۔ بقول صاحب کتاب حضرت ابوہریرہ کی حدیث میں اکثر رواۃ کے الفاظ یہی ہیں نیز حافظ بیہقی نے بواسطہ حارث حضرت علی سے روایت کیا ہے "ما ادرکت فہو اول صلوٰتک" حضرت ابن عمر سے بھی جید اسناد کے ساتھ اسی طرح مروی ہے۔

امام مالک یہ فرماتے ہیں کہ مسبوق نماز کا جو حصہ امام کے ساتھ پائے وہ افعال کے لحاظ سے تو اس کی نماز کا اول حصہ ہوگا اور وہ اس پر بنا کرے گا۔ لیکن اقوال کے لحاظ سے وہ اس کی نماز کا آخری حصہ ہوگا پس جس طرح وہ فوت ہوا ہے اسی طرح اس کی قضا کرے گا یعنی فاتحہ اور سورۃ کی قرأت کریگا دلیل حضرت علی کا اثر ہے جس کو حافظ بیہقی نے روایت کیا ہے الفاظ یہ ہیں "ما ادرکت مع الامام فہو اول صلوٰتک واقض ما سبقک بہ من القرآن"۔

امام مزنی، اسحاق بن راہویہ اور اہل ظاہر کا قول یہ ہے کہ جو حصہ اس کو امام کے ساتھ ملے وہ اول صلوٰۃ ہے لیکن اس میں وہ امام کے ساتھ الحمد اور سورۃ دونوں کی قرأت کرے گا اور جب باقیماندہ کی قضاء کے لئے اٹھے تو اس میں صرف سورہ فاتحہ پڑھے گا۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک نماز کا وہ حصہ افعال و اقوال دونوں لحاظ سے آخر صلوٰۃ ہے۔ سفیان ثوری، مجاہد، ابن سیرین اور ایک روایت کے لحاظ سے امام احمد کا بھی یہی قول ہے۔ ابن بطال کہتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود، ابن عمر، ابراہیم نخعی، شعبی اور ابوقلابہ سے بھی یہی مروی ہے اور ابن القاسم نے امام مالک سے بھی یہی روایت کیا ہے۔ اشہب اور ابن الماجشون بھی اسی کے قائل ہیں۔ ابن حبیب وغیرہ

نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "وما فاتکم فاقضوا" اس کو ابن ابی شیبہ نے بسند صحیح حضرت ابوذر سے، ابن حزم نے حضرت ابوہریرہ سے اور حافظ بیہقی نے حضرت معاذ بن جبل سے روایت کیا ہے۔

شوافع اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ قضاء کا اطلاق گو اکثر فائت پر ہوتا ہے لیکن اس کا اطلاق ادا پر بھی ہوتا ہے اور یہ فراغ کے معنی میں آتا ہے قال تعالیٰ: "فاذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا" تو "ما فاتکم فاقضوا" کو معنی ادا پر محمول کیا جائے گا تاکہ یہ فاتموا کے منافی نہ ہے۔

جواب یہ ہے کہ اتمام کے ایک معنی تو وہ ہیں جو شوافع نے ذکر کئے اور اس کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ شئی کو پورے طور پر ادا کیا جائے۔ قال تعالیٰ: "واتموا الحج والعمرۃ للّٰہ" اب روایت کے دو سیاق ہیں ایک میں فاتموا ہے اور ایک میں فاقضوا اور ان میں سے ہر ایک میں دو دو معنی کا احتمال ہے لہٰذا یہ دونوں سیاق ساقط الاحتجاج ہوئے اور ہم نے ایک تیسرے سیاق کو دیکھا جس میں یہ ہے "صل ما ادرکت واقض ما سبقک" اس کو امام مسلم نے بطریق ہشام بن حسان عن محمد بن سیرین حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے۔ ابوداؤد کی روایت کے الفاظ یہ ہیں "فصلوا ما ادرکتم واقضوا ما سبقکم" ابوداؤد کہتے ہیں کہ ابن سیرین اور ابورافع نے بھی حضرت ابوہریرہ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔

پس یہ سیاق پہلے دونوں سیاقوں کے علاوہ ہے اور محتمل المعنی نہیں بلکہ محکم ہے کیونکہ اقض ما سبقک کے معنی یہ ہیں کہ جو حصہ پہلے فوت ہو چکا ہے اس کو قضا کرے اور اسی وقت صادق آسکتا ہے جب مسبوق کی نماز کے اس حصہ کو آخر صلوٰۃ مانا جائے جو اس نے امام کے ساتھ پایا ہے۔

۳۱۳ **قولہ قال ابوداؤد الخ** (ص۸۴) یعنی جس طرح یونس نے ابن شہاب زہری سے حدیث کے الفاظ "وما فاتکم فاتموا" روایت کئے ہیں اسی طرح ابن ابی ذئب، ابراہیم بن سعد، معمر، شعیب بن ابی حمزہ نے بھی زہری سے یہی الفاظ روایت کئے ہیں۔ اس کے برخلاف زہری سے تنہا ابن عیینہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: "وما فاتکم فاقضوا"

روایت ابن ابی ذئب کی تخریج امام بخاری نے، روایت ابراہیم بن سعد کی تخریج امام مسلم نے روایت معمر کی تخریج امام ترمذی نے اور روایت شعیب بن ابی حمزہ کی تخریج امام بخاری نے کی ہے۔

لیکن صاحب کتاب کا یہ دعویٰ کہ زہری سے ان الفاظ کی روایت میں سفیان بن عیینہ متفرد ہے محل نظر ہے اس لئے کہ امام طحاوی نے اپنی سند کے ساتھ لیث سے یوں روایت کیا ہے: "قال حدثنی ابن الہاد عن ابن شہاب عن ابی سلمۃ فذکر باسنادہ مثلہ غیر انہ قال فاقضوا" معلوم ہوا کہ اس لفظ کی روایت میں سفیان بن عیینہ غیر متفرد ہے باقی تحقیق اگلے قول کے ذیل میں آرہی ہے۔

(۳۰۳) حدثنا ابو الولید الطیالسی ثنا شعبۃ عن سعد بن ابراھیم قال سمعت ابا سلمۃ عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ایتوا الصلوٰۃ وعلیکم السکینۃ فصلوا ما ادرکتم واقضوا ما سبقکم، قال ابوداؤد وکذا قال ابن سیرین عن ابی ھریرۃ ولیقض وکذا قال ابو رافع عن ابی ھریرۃ وابوذر روی عنہ فاتموا

واقضوا واختلف فیہ عنہ -

ترجمہ

ابو الولید طیالسی نے بحدیث شعبہ بروایت سعد بن ابراہیم بسماع ابو سلمہ بواسطہ ابوہریرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے آپ نے فرمایا کہ نماز کے لئے سکون وقار کے ساتھ آؤ اور جتنی پاؤ اسکو پڑھ لو اور جتنی جاتی رہے اس کو بعد میں پڑھ لو۔ ابو داؤد کہتے ہیں کہ ابن سیرین نے بھی حضرت ابوہریرہ سے ولیقض روایت کیا ہے۔ اسی طرح حضرت ابوہریرہ سے ابو رافع نے ذکر کیا ہے اور حضرت ابوذر سے فاتموا اور واقضوا دونوں طرح مروی ہے۔ آپ سے ان الفاظ میں اختلاف مروی ہے۔

تشریح

قولہ قال ابوداؤد الخ (۱۸۸) قول کے ذیل میں ذکر کردہ تعلیقات کا مقصد لفظ فاتموا کی روایت کو ترجیح دینا ہے کہ اکثر رواۃ نے یہی روایت کیا ہے لیکن اس سے ترجیح ثابت نہیں ہوتی اس واسطے کہ یہ لفظ متعدد روایات میں دونوں طرح مروی ہے۔ چنانچہ ابونعیم اصبہانی نے "وما فاتکم فاقضوا" روایت کیا ہے۔ اسماعیلی نے بھی حدیث شیبان میں یہی ذکر کیا ہے مسلم کی روایت کے الفاظ "فاقض ما سبقک" اور ابوداؤد کی روایت کے الفاظ "فاقضوا ما سبقکم" ہیں۔ امام احمد نے زہری کی حدیث میں سفیان بن عیینہ سے "وما فاتکم فاقضوا" روایت کیا ہے محلی میں حدیث ابن جریج عن عطاء عن ابی ہریرۃ کے الفاظ "وما فات فلیقض" اور مسند ابو قرہ میں زہری کی روایت کے الفاظ "فاقضوا" ہیں۔

(۸۷) باب من احق بالامامۃ

(۳۳۳) حدثنا ابن معاذ ثنا ابی عن شعبۃ بھذا الحدیث قال فیہ ولا یؤم الرجلُ الرجلَ قال ابوداؤد وکذا قال یحیی القطان عن شعبۃ اقدمہم قراءۃ

ترجمہ

عبید اللہ بن معاذ نے اپنے والد معاذ بن نصر کے طریق پر شعبہ سے اس حدیث کو روایت کرتے ہوئے یہ الفاظ ذکر کئے ہیں "لا یؤم الرجلُ الرجلَ" کوئی شخص دوسرے کے یہاں امامت نہ کرے۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ شعبہ سے یحیی القطان نے بھی یہی کہا ہے کہ جو قرأت میں مقدم ہو اسے آگے کیا جائیگا۔

تشریح

قولہ باب الخ - امامت کی دو قسمیں ہیں، امامت صغریٰ، امامت کبریٰ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بطور نیابت لوگوں کی دینی و دنیاوی مصالح کی حفاظت کے لئے ریاست عامہ کو امامت کبریٰ کہتے ہیں اور امام کی نماز کے ساتھ مقتدی کی نماز کے وابستہ ہونے کو امامت صغریٰ کہتے ہیں۔ یہاں امامت صغریٰ اور اس کے مراتب کا بیان ہے۔

حدیث باب میں اس کی ترتیب یوں ہے کہ امامت کا سب سے زیادہ مستحق بہتر قرأت کرنے والا ہے۔ ۱- جب قرأت میں سب برابر ہوں تو جو عالم بالسنۃ ہو اس کو مقدم کیا جائے گا، جیساکہ

حدیث باب سے اگلی حدیث میں ہے۔ امام احمد بن حنبل، امام ابو یوسف، سفیان ثوری اور اسحٰق بن راہویہ ظاہر حدیث کے پیش نظر اسی کے قائل ہیں کہ امامت کے لئے قاری سب سے مقدم ہے کیونکہ قرأت نماز کا ایک رکن ہے جس کے بغیر نماز ہی نہیں ہوتی بخلاف علم کے کہ اس کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جب نماز میں کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آجائے

امام ابو حنیفہ، امام محمد، امام مالک، امام شافعی، عطاء بن ابی رباح، اوزاعی اور ابو ثور وغیرہ اکثر علماء کے نزدیک افقہ اور عالم بالسنۃ سب سے مقدم ہے بشرطیکہ وہ بقدر ما یجوز بہا الصلوٰۃ قرأت کرسکتا ہو اس واسطے کہ قرأت کی ضرورت صرف ایک رکن کی وجہ سے ہے اور علم کی ضرورت تمام ارکان میں ہے تو تمام ارکان کی ضرورت مقدم ہوگی۔

دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اقرأکم أبی" اس کے باوجود آپ نے حضرت ابو بکر صدیق کو دوسروں پر ترجیح دی اور آپ کو آگے بڑھایا۔ معلوم ہوا کہ امامت کے لئے افقہ اور عالم بالسنۃ مقدم ہے اور حدیث باب میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قاری کو مقدم ذکر فرمایا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ صحابہ میں جو قاری قرآن ہوتا تھا وہ عالم بالسنۃ بھی ہوتا تھا۔ حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں کہ جب ہم میں سے کوئی کسی سورت کی قرأت کرتا تو جبتک اس کے حلال وحرام کا پورے طور پر علم حاصل نہ کرلیتا اس وقت تک آگے نہیں بڑھتا تھا۔

بہرکیف صحابہ میں جو اقرأ ہوتا تھا وہ افقہ بھی ہوتا تھا اور آجکل اس کا عکس ہے کہ اکثر و بیشتر قاری خوبی قرأت میں کامل ہوتے ہیں لیکن دین کی طرف عموماً توجہ نہیں ہوتی اس لئے آجکل عالم ہی کو مقدم کیا جاتا۔ پھر اگر علم و قرأت میں سب برابر ہوں تو حدیث باب میں ہے کہ جو ہجرت میں مقدم ہو وہ حق ہے لیکن بقول ابن ملک ہجرت کی تقدیم و تاخیر کا لحاظ دور صحابہ میں تھا آجکل اس کا لحاظ نہیں ہے بلکہ ہجرت معنویہ یعنی ہجرت عن المعاصی معتبر ہے۔ لہٰذا ان میں جو اورع ہو وہ اولیٰ ہوگا۔

قولہ ولا یؤم الرجل الرجل الخ۔ یؤم فعل معروف ہے اور رجل اول اس کا فاعل اور رجل ثانی مفعول بہ ہے اور بقول علامہ خطابی مطلب یہ ہے کہ صاحب خانہ اپنے گھر میں امامت کا زیادہ حق ہے بشرطیکہ وہ قرأت و علم کے لحاظ سے اس کا اہل ہو اس کی اجازت کے بغیر دوسرے کو امامت کا حق نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت مالک بن الحویرث نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے: من زار قوما فلا یؤمہم۔

قولہ قال ابو داؤد الخ (۱۰۹) یعنی جس طرح شعبہ سے ابو الولید طیالسی نے: اقدمہم قرأۃ کے الفاظ روایت کئے ہیں۔ اسی طرح یحیی القطان نے بھی ان الفاظ کو ذکر کیا ہے گویا روایت ابو الولید طیالسی کی تقویت مقصود ہے۔ روایت یحیی القطان کی تخریج امام احمد نے مسند میں کی ہے:-

(۱۳۴) حدثنا الحسن بن علی ثنا عبداللہ بن نمیر عن الاعمش عن اسمٰعیل بن رجاء عن اوس بن ضمعج الحضرمی قال سمعت ابا مسعود عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم بہذا الحدیث قال فان کانوا فی القراءۃ سواء فاعلمہم بالسنۃ فان کانوا فی السنۃ

سواء فاقدمهم هجرة ولم يقل فاقدمهم قراءة، قال ابوداؤد رواه حجاج بن ارطاة عن اسمعيل قال ولا تقعد على تكرمة احد الا باذنه۔

ترجمہ

حسن بن علی نے بتحدیث عبداللہ بن نمیر بطریق اعمش بروایت اسمٰعیل بن رجاء بواسطہ اوس بن ضمعج بسماع حضرت ابو مسعود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی حدیث روایت کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر قرأت میں برابر ہوں تو وہ شخص امامت کرے جو حدیث زیادہ جانتا ہو اور اگر اس میں بھی برابر ہوں تو وہ امامت کرے جس کی ہجرت پہلے ہو۔ اس حدیث میں فاقدمہم قرأۃ نہیں ہے۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ اسکو حجاج بن ارطاۃ نے اسماعیل سے روایت کرتے ہوئے کہا ہے کہ کسی کی خاص مسند پر اس کی اجازت کے بغیر نہ بیٹھے۔ **تشریح**

قولہ قال ابوداؤد الخ (۱۹۰) اسماعیل بن رجاء کے شاگرد شعبہ، اعمش اور حجاج بن ارطاۃ کی روایت کے الفاظ کا اختلاف بیان کرنا مقصود ہے۔ صاحب کتاب نے شعبہ کی حدیث کی تخریج... باب کے ذیل میں کی ہے جس میں اولاً قرأت کا پھر ہجرت کا اس کے بعد سنۃ کا ذکر ہے اور اقدمہم قرأۃ کا ذکر نہیں ہے۔ پھر شعبہ کی روایت میں ولا یجلس علی تکرمتہ الا باذنہ ہے۔ اور حجاج بن ارطاۃ کے الفاظ یہ ہیں۔ ولا تقعد علی تکرمۃ احد الا باذنہ۔

(۱۳۵) حدثنا قتيبة ثنا وكيع عن مسعر بن حبيب الجرمي ثنا عمرو بن سلمة عن ابيه انهم وفدوا الى النبي صلى الله عليه وسلم فلما ارادوا ان ينصرفوا قالوا يا رسول الله من يؤمنا قال اكثركم جمعا للقرآن او اخذا للقرآن قال فلم يكن احد من القوم جمع ما جمعتُ قال فقدموني وانا غلام وعلي شملة لي قال فما شهدت مجمعا من جرم الا كنتُ امامهم وكنت اصلي على جنائزهم الى يومي هذا، قال ابوداؤد ورواه يزيد بن هارون عن مسعر بن حبيب الجرمي عن عمرو بن سلمة قال لما وفد قومي الى النبي صلى الله عليه وسلم لم يقل عن ابيه۔

ترجمہ

قتیبہ نے بتحدیث وکیع بطریق مسعر بن حبیب جرمی بروایت عمرو بن سلمہ بواسطہ سلمہ روایت کیا ہے کہ ان کے کچھ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جب یہ لوگ واپس ہونے لگے تو انھوں نے پوچھا: یا رسول اللہ ہماری امامت کون کرے؟ آپ نے فرمایا جس کو قرآن زیادہ یاد ہو۔ عمرو بن سلمہ کہتے ہیں کہ میرے برابر کسی کو قرآن یاد نہ تھا انھوں نے مجھے آگے کر دیا جبکہ میں نابالغ بچہ تھا، اور ایک تہبند باندھے ہوئے تھا۔ پھر میں قبیلہ جرم کے کسی مجمع میں نہ ہوتا مگر میں ہی ان کا امام ہوتا تھا اور آج تک میں ان کے جنازوں پر نماز پڑھاتا رہا۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ اس کو یزید بن ہارون نے بواسطہ مسعر بن حبیب روایت کیا ہے اس میں عن ابیہ نہیں کہا۔ **تشریح**

قولہ فقد مونی وانا غلام الخ۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اور نواب صدیق حسن خاں نے سبل السلام میں کہا ہے کہ فرض نمازوں میں صبی ممیز کی امامت کے جواز کی بابت یہ حدیث شوافع کے لئے حجت ہے کیونکہ حضرت عمرو بن سلمہ کی حدیث میں تصریح ہے کہ یہ سات یا آٹھ برس کے تھے اور امامت کرتے تھے معلوم ہوا کہ صبی ممیز بچے کی امامت بلا کراہت جائز ہے فرائض میں ہو یا نوافل میں حضرت حسن بصری اور اسحاق بن راہویہ اس سلسلہ میں امام شافعی کے ساتھ ہیں۔ جمعہ کے متعلق امام شافعی کے دو قول ہیں کتاب الام میں ہے کہ جمعہ میں بچے کی امامت جائز نہیں اور املاء میں ہے کہ جمعہ میں بھی جائز ہے۔ حضرت عطاء، شعبی اور مجاہد کے نزدیک بچے کی امامت مکروہ ہے۔ احناف میں سے مشائخ بلخ نے نوافل مطلقہ اور تراویح میں بچے کے پیچھے بالغ کی اقتداء کو جائز مانا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ نماز فرض ہو یا نفل، واجب ہو یا سنت کسی میں بھی اقتداء صحیح نہیں سعید بن المسیب، ابراہیم نخعی، زہری، ثوری، اوزاعی، یحییٰ بن سعید، امام مالک اور امام احمد سب کا یہی قول ہے (امام مالک اور امام احمد سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ نوافل میں جائز ہے)

وجہ یہ ہے کہ بچہ کی نماز نفل ہوتی ہے اور اقتداء مفترض خلف المتنفل جائز نہیں کیونکہ صحت و فساد ہر دو اعتبار سے امام کی نماز مقتدی کی نماز کو متضمن ہوتی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "الامام ضامن" اور ظاہر ہے کہ شئی اپنے سے کم کو متضمن ہوتی ہے نہ کہ اپنے سے مافوق کو لہذا بچے کے پیچھے بالغ کی نماز جائز نہیں۔

رہا حضرت عمرو بن سلمہ کا قصہ سو اس سے امامت صبی کا جواز ثابت نہیں ہوتا اس واسطے کہ یہ فعل بحکم نبی نہ تھا بلکہ قوم کا اجتہاد تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ان لوگوں سے صرف اتنا فرمایا تھا۔ "لیؤمکم اکثرکم قرآنا" قوم نے آپ کے اس خطاب کو عام سمجھا اور حضرت عمرو کے پیچھے نماز پڑھنے لگے کیونکہ قوم کے مقابلہ میں ان کو قرآن زیادہ یاد تھا۔

بہر حال حضرت عمرو کا امام ہونا قوم کے اجتہاد سے تھا نہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اسی لئے امام احمد حضرت عمرو کے اس معاملہ کو کمزور کہتے تھے بلکہ ایک مرتبہ تو آپ نے یہ بھی فرما دیا تھا دعہ لیس بشئ بین "پھر حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر، حضرت عمر فاروق، حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود جیسے کبار صحابہ اس کے خلاف ہیں چنانچہ اثرم نے حضرت ابن عباس سے "لا یؤم الغلام حتی یحتلم" اور حضرت ابن مسعود سے "لا یؤم الغلام الذی لا تجب علیہ الحدود" روایت کیا ہے۔ تعجب ہے کہ شوافع حضرات کبار صحابہ کے اقوال وافعال کو ترک کرتے ہیں اور سات آٹھ برس کے بچے کے فعل پر زور لگاتے ہیں۔

قولہ قال ابوداؤد الخ مسعر بن حبیب کے شاگرد وکیع اور یزید بن ہارون کی روایت کے لفظ کا اختلاف بیان کرنا چاہتے ہیں کہ وکیع نے عمرو بن سلمہ کے بعد "عن ابیہ" کا اضافہ کیا ہے یزید بن ہارون نے اس کو ذکر نہیں کیا تو روایت وکیع کا مفاد یہ ہے کہ جو وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اس میں عمرو بن سلمہ نہیں تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امامت وغیرہ کے سلسلہ میں جو کچھ ارشاد فرمایا تھا اس کو انھوں نے براہ راست پیغمبر علیہ السلام سے نہیں سنا بلکہ اپنے والد کے واسطہ سے سنا تھا اور یزید بن ہارون کی روایت میں دونوں احتمال ہیں۔

(۸۸) بَابُ الإِمَامِ يُصَلِّي مِنْ قُعُودٍ

(۶۰۲) حدثنا سليمان بن حرب ومسلم بن ابراهيم المعنى عن وُهيب عن مُصْعب بن محمد عن ابي صالح عن ابي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم انما جعل الامام ليؤتم به فاذا كبر فكبروا ولا تكبروا حتى يكبر واذا ركع فاركعوا ولا تركعوا حتى يركع واذا قال سمع الله لمن حمده فقولوا اللهم ربنا لك الحمد قال مسلم ولك الحمد واذا سجد فاسجدوا ولا تسجدوا حتى يسجد واذا صلى قائما فصلوا قياما واذا صلى قاعدًا فصلوا قعودًا اجمعون، قال ابو داؤد اللهم ربنا لك الحمد افهمني بعض اصحابنا عن سليمان۔

ترجمہ

سلیمان بن حرب اور مسلم بن ابراہیم نے بطریق وہیب بروایت مصعب بن محمد بواسطہ ابو صالح حضرت ابوہریرہؓ روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: امام اس لئے ہے کہ اس کی پیروی کی جائے سو جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی کہو اور جب تک وہ نہ کہے تم بھی نہ کہو، جب وہ رکوع کرے تم بھی رکوع کرو اور جبتک وہ نہ کرے تم بھی نہ کرو۔ جب وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم اللہم ربنا لک الحمد کہو مسلم کی روایت میں اللہم ربنا ولک الحمد ہے۔ اور جب وہ سجدہ کرے تم بھی سجدہ کرو اور جب تک وہ نہ کرے تم بھی نہ کرو جب وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھے تم بھی کھڑے ہو کر پڑھو اور جب وہ بیٹھ کر پڑھے تو تم سب بیٹھ کر پڑھو۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ جملہ اللہم ربنا لک الحمد مجھے میرے بعض اصحاب نے سمجھایا ہے۔

تشریح

قولہ باب الخ۔ من قعود میں لفظ من بمعنی باء ہے یا زائد ہے بعض نسخوں کے حاشیہ پر ترجمہ باب یہ ہے "باب اذا صلى الامام قاعدا" معنی مقصودی پر اس ترجمہ کی دلالت زیادہ واضح ہے۔

جب امام بیٹھ کر نماز پڑھے تو مقتدی کیا کریں بیٹھ کر اقتدا کریں یا کھڑے ہو کر؟ امام مالک اور امام محمد کے نزدیک قائم قاعد کی اقتدا نہیں کر سکتا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "لا يؤمن احد بعدي جالسا" مقتضائے قیاس بھی یہی ہے کیونکہ اس صورت میں مقتدی کی حالت امام کی حالت سے قوی ہے۔ امام احمد، اوزاعی اور اسحاق بن راہویہ کہتے ہیں کہ جب امام کسی عذر کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھے تو مقتدی بھی بیٹھ کر پڑھیں اگرچہ ان کو کوئی عذر نہ ہو۔ دلیل حضرت انس کی حدیث باب ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے پر سے گر گئے اور آپ کی داہنی کروٹ چھل گئی اس لئے آپ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی اور لوگوں نے آپ کے پیچھے بیٹھ کر نماز پڑھی۔ اسی حدیث میں آپ کا یہ ارشاد بھی موجود ہے "اذا صلى جالسا فصلوا جلوسا"

لیکن امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، امام شافعی، سفیان ثوری اور ابو ثور وغیرہ اکثر فقہاء کے نزدیک

کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والا بیٹھ کر رکوع سجدہ کرنے والے کی اقتدار کر سکتا ہے۔ دلیل حضرت عائشہ کی حدیث ہے جو صحیحین میں موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آخری نماز بیٹھ کر پڑھی (یعنی اتوار کے روز ظہر کی سب سے آخری نماز) اور قوم نے آپ کے پیچھے کھڑے ہو کر اقتدار کی۔ اس کے علاوہ اس سلسلہ میں باقی تمام احادیث منسوخ ہیں جس کی تصریح امام بخاری وغیرہ نے کی ہے۔

علامہ خطابی نے معالم السنن میں کہا ہے کہ امام ابوداؤد نے حدیث باب حضرت انس بن مالک، جابر بن عبداللہ، ابوہریرہ اور حضرت عائشہ سے روایت کی ہے یہ سب احادیث اوائل کی ہیں جو جمہور علماء کے نزدیک منسوخ ہیں۔ مرض الموت والی حدیث کو جس میں یہ ہے کہ آپ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی اور صحابہ نے آپ کے پیچھے کھڑے ہو کر پڑھی اس کو روایت نہیں کیا۔ حالانکہ اکثر فقہاء کا یہی مذہب ہے اور صاحب کتاب کی عادت بھی یہی ہے کہ جب متعارض حدیثیں ہوں تو وہ ایک باب میں احادیث کی تخریج کے بعد دوسرے باب میں اس کے معارض احادیث کو لاتے ہیں لیکن آپ کے مرض الموت سے متعلق حضرت عائشہ کی حدیث ابوداؤد کے کسی نسخے میں نہیں ہے فلست ادری کیف اغفل ذکر ہذہ القصۃ وہی من امہات السنن۔

قولہ قال ابوداؤد الخ (۱۹۲) صاحب کتاب نے زیر بحث حدیث اپنے شیخ سلیمان بن حرب سے روایت کی ہے اس کے متعلق کہتے ہیں کہ میں نے یہ پوری حدیث شیخ کی زبانی سنی بجز جملہ اللہم ربنا لک الحمد کے کہ اس کی خبر مجھے شیخ کے بعض اصحاب نے دی ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ جب شیخ نے یہ حدیث بیان کی تو میں موصوف سے اس لفظ کو نہیں سمجھ سکا بلکہ سماع حدیث میں جو رفقاء میرے ساتھ تھے انہوں نے مجھے بتایا وہذا یدل علی کمال الاحتیاط والاتقان فی اداء لفظ الحدیث۔

(۱۲۷) حدثنا محمد بن آدم المصیصی نا ابو خالد عن ابن عجلان عن زید بن اسلم عن ابی صالح عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال انما جعل الامام لیؤتم بہ بھذا الخبر زاد واذا قرأ فانصتوا، قال ابوداؤد وھذہ الزیادۃ واذا قرأ فانصتوا لیست بمحفوظۃ والوھم عندنا من ابی خالد —

ترجمہ

محمد بن آدم مصیصی نے بحدیث ابو خالد بطریق ابن عجلان بروایت زید بن اسلم بواسطہ ابو صالح عن ابی ہریرۃ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے آپ نے فرمایا: امام اس لئے ہے کہ اس کی پیروی کی جائے پھر پوری حدیث بیان کی اور اتنا زیادہ کیا کہ جب وہ قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ یہ زیادتی یعنی اذا قرأ فانصتوا محفوظ نہیں اور ہمارے نزدیک یہ ابو خالد کا وہم ہے۔ **تشریح**

قولہ قال ابوداؤد الخ (۱۹۳) حدیث کے الفاظ "واذا قرأ فانصتوا" کے متعلق کلام ہے۔ صاحب کتاب کہتے ہیں کہ یہ محفوظ نہیں بلکہ ابو خالد کا وہم ہے۔ جواب یہ ہے کہ اول تو ابو خالد احمر سلیمان بن حیان ثقہ راوی ہے جس کی حدیث سے بخاری اور مسلم نے احتجاج کیا ہے اور ثقہ راوی کی زیادتی مقبول ہوتی ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ اس زیادتی میں منفرد نہیں بلکہ ابو سعید محمد بن سعد انصاری اشہلی مدنی نزیل بغداد نے اس کی متابعت کی ہے۔ امام نسائی نے اس زیادتی کو ان دونوں حضرات سے

روایت کیا ہے۔ نیز امام مسلم نے صحیح میں بروایت سلیمان تیمی حضرت ابو موسیٰ اشعری کی حدیث میں بھی اس زیادتی کو روایت کیا ہے ہم اس پر مفصل گفتگو باب التشہد کے ذیل میں کریں گے۔

(۱۳۸) حدثنا عبدة بن عبد الله نا زيد يعني ابن الحباب عن محمد بن صالح ثني حُصَين من وُلد سعد بن معاذ عن أُسَيد بن حُضَير انه كان يؤمهم قال فجاء رسول الله صلى الله عليه وسلم يعوده فقال يا رسول الله ان امامنا مريض فقال اذا صلى قاعدًا فصلوا قعودًا، قال ابو داؤد وهذا الحديث ليس بمتصل

ترجمہ

عبدہ بن عبد اللہ نے بحدیث زید بن الحباب بطریق محمد بن صالح بروایت حصین بن عبد الرحمن بن عمرو ابن سعد بن معاذ حضرت اسید بن حضیر سے روایت کیا ہے کہ یہ امامت کرتے تھے وہ ایک مرتبہ بیمار ہو گئے، آپ ان کی عیادت کیلئے تشریف لائے لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ہمارا امام بیمار ہے، آپ نے فرمایا جب امام بیٹھکر نماز پڑھے تم بھی بیٹھکر پڑھو۔ ابو داؤد کہتے ہیں کہ یہ حدیث متصل (الاسناد) نہیں ہے۔ تشریح:۔

(۱۹۳) **قولہ قال ابو داؤد الخ** وہذا الحدیث میں لفظ سند مضاف محذوف ہے یعنی اس حدیث کی سند متصل نہیں کیونکہ حصین بن عبد الرحمن بن سعد بن معاذ جو حضرت اسید بن حضیر سے راوی ہیں انھوں نے حضرت اسید کو نہیں پایا۔ صاحب عون نے اس موقع پر علامہ منذری کا قول نقل کیا ہے کہ اس کا متصل نہ ہونا ظاہر ہے کیونکہ حصین صرف تابعین سے روایت کرتے ہیں صحابہ سے انکی کوئی روایت محفوظ نہیں بالخصوص حضرت اسید بن حضیر کے کہ آپ قدیم الوفات ہیں سنہ ۲۰ھ یا سنہ ۲۱ھ میں وفات پاگئے تھے۔

لیکن تہذیب التہذیب کی عبارت روی عن اسید بن حضیر ولم یدرکہ وانس وابن عباس وعبد الرحمن بن ثابت الاشہلی ومحمود بن لبید ومحمود بن عمرو الانصاری وزید بن سلمۃ سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ حصین نے حضرت اسید بن حضیر کے علاوہ دیگر حضرات کو پایا ہے اور یہ کچھ بعید بھی نہیں کیونکہ حضرت انس بن مالک کی وفات ۹۳ھ میں ہے اور حصین کی وفات سنہ ۱۲۶ھ میں۔ تو یہ ان سے بلا واسطہ روایت کرسکتے ہیں۔ اسی طرح محمود بن لبید کی وفات سنہ ۹۶ھ میں ہے۔ فلا دلیل علی عدم لقائہ ایاہ۔

(۸۹) باب الامام يتطوع في مكانه

(۱۳۹) حدثنا ابو توبة الربيع بن نافع ثنا عبد العزيز ثنا عطاء الخراساني عن المغيرة بن شعبة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يصلي الامام في الموضع الذي صلى فيه حتى يتحول، قال ابو داؤد عطاء الخراساني لم يدرك المغيرة بن شعبة

ترجمہ

ابوتوبہ ربیع بن نافع نے بسند عبدالعزیز بحدیث عطاء خراسانی حضرت مغیرہ بن شعبہ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جس جگہ امام نماز پڑھائے پھر اسی جگہ نماز نہ پڑھے جبتک کہ وہاں سے تھوڑا ہٹ نہ جائے۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ عطار خراسانی نے حضرت مغیرہ بن شعبہ کو نہیں پایا۔ **تشریح**

قولہ باب الخ ۔ امام نے جہاں نماز پڑھائی ہے وہاں وہ نفل نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ حدیث باب میں ہے کہ اگر امام ایک نماز کے بعد دوسری نماز پڑھنا چاہے تو اس نے جہاں نماز پڑھی ہے اس کو وہاں سے ہٹ جانا چاہیے۔ امام کے علاوہ دوسروں کے لئے بھی یہی حکم ہے۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث "عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال ایعجز احدکم اذا فرغ من صلوۃ ان یتقدم او یتاخر او عن یمینہ او عن شمالہ" میں عموم ہے جو امام اور مقتدی وغیرہ سب کو شامل ہے۔

بقول امام بخاری و علامہ بغوی وجہ اس کی یہ ہے کہ اس میں مواضع عبادت کی تکثیر ہے جو امر مرغوب ہے کیونکہ قیامت کے روز نمازی کے حق میں اس کے مواضع سجود شہادت دیں گے۔" یومئذ تحدث اخبارہا اس تخبر بما عمل علیہا" مفسرین نے آیت " فما بکت علیہم السماء والارض" کے ذیل میں ذکر کیا ہے کہ جب مومن کا انتقال ہوتا ہے تو اس کی سجدہ گاہ اس کے لئے روتی ہے۔

بہرحال فرض سے نفل اور نفل سے فرض کی طرف منتقل ہوتے وقت ایک جگہ سے دوسری جگہ ہٹ جانا چاہیے اور یہ بھی نہ ہو تو کم از کم کلام وغیرہ کے ذریعہ سے فصل کر لینا چاہیے۔ لحدیث النہی عن ان توصل صلوۃ بصلوۃ حتی یتکلم المصلی او یخرج (اخرجہ مسلم و ابوداؤد)۔

قولہ قال ابوداؤد الخ (۱۴۵) مطلب یہ ہے کہ عطار خراسانی جو حضرت مغیرہ سے راوی ہیں انھوں نے حضرت مغیرہ کو نہیں پایا تو ان کی یہ حدیث منقطع ہے۔ عطار کے صاحبزادے عثمان کا بیان ہے کہ میرے والد عطار کی پیدائش سنہ ۵۰ھ میں ہے اور یہی حضرت مغیرہ کا سنہ وفات ہے تو بقول علامہ منذری عطار خراسانی کا حضرت مغیرہ کو نہ پانا بالکل ظاہر ہے۔ حافظ طبرانی کہتے ہیں کہ عطار خراسانی نے بجز حضرت انس کے کسی صحابی سے نہیں سنا۔

(۹۰) باب ما یؤمر بہ الماموم من اتباع الامام

(۱۴۰) حدثنا زہیر بن حرب وھارون بن معروف المعنی قالا ثنا سفیان عن ابان بن تغلب، قال ابوداؤد قال زہیر ثنا الکوفیون ابان وغیرہ عن الحکم عن عبدالرحمن بن ابی لیلی عن البراء قال کنا نصلی مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلا یحنو احد منا ظہرہ حتی یری النبی صلی اللہ علیہ وسلم یضع۔

ترجمہ

زہیر بن حرب اور ہارون بن معروف نے بتحدیث سفیان بطریق ابان بن تغلب بروایت حکم بواسطہ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ حضرت براء سے روایت کیا ہے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے اور ہم میں سے کوئی رکوع کے لئے اپنی پیٹھ خم نہ کرتا تھا جب تک کہ وہ آپ کو رکوع میں نہ دیکھ لیتا۔ **تشریح**

قولہ قال ابوداؤد الخ (۹۰) اس قول میں دو چیزیں بیان کرنا چاہتے ہیں ایک تو زہیر بن حرب اور ہارون بن معروف کی روایت کا اختلاف کہ ہارون نے اس حدیث کو بواسطہ سفیان صرف ابان بن تغلب سے روایت کیا ہے اس کے علاوہ اور کسی کو ذکر نہیں کیا بخلاف زہیر بن حرب کے کہ اس کی روایت یوں ہے عن سفیان قال حدثنا الکوفیون ابان وغیرہ جس سے یہ معلوم ہو گیا کہ سفیان نے اس حدیث کو ابان کے علاوہ اوروں سے بھی روایت کیا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس حدیث کی سند پر ایک اعتراض ہے اس کا جواب دینا ہے۔ اعتراض یہ ہے کہ ابان بن تغلب نے تمام حفاظ کے خلاف عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کو ذکر کیا ہے حفاظ نے اس کو ذکر نہیں کیا بلکہ سب نے عبداللہ بن یزید الخطمی کو ذکر کیا ہے۔

جواب کا حاصل یہ ہے کہ اس سلسلہ میں ابان متفرد نہیں بلکہ بہت سے کوفیین بھی اس میں شریک ہیں نیز ابان ثقہ راوی ہے اس لئے اس کی نقل مقبول ہوگی پھر عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ اور عبداللہ بن یزید خطمی دونوں سے حدیث کے مروی ہونے میں کوئی استحالہ نہیں۔

(۹۱) باب فی الرجل یصلی فی قمیص واحد

(۶۳۱) حدثنا محمد بن حاتم بن بزیع ثنا یحیی بن ابی بکیر عن اسرائیل عن ابی حومل العامری، قال ابوداؤد کذا قال وھو ابو حرمل عن محمد بن عبد الرحمن بن ابی بکر عن ابیہ قال امنا جابر بن عبد اللہ فی قمیص لیس علیہ رداء فلما انصرف قال انی رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فی قمیص۔

ترجمہ

محمد بن حاتم بن بزیع نے بتحدیث یحییٰ بن ابی بکیر بطریق اسرائیل بروایت ابو حومل عامری (ابوداؤد کہتے ہیں کہ میرے شیخ محمد بن حاتم نے اسی طرح کہا ہے مگر یہ ابو حرمل ہے) بواسطہ محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی بکر ان کے والد بزرگوار سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت جابر بن عبداللہ نے ہم کو ایک قمیص پہن کر نماز پڑھائی جبکہ آپ کے بدن پر چادر نہ تھی اور فارغ ہونے کے بعد فرمایا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک قمیص میں نماز پڑھتے دیکھا ہے۔ **تشریح**

قولہ قال ابوداؤد الخ (۹۰) اس سے صرف یہی بتانا ہے کہ میرے استاد محمد بن حاتم نے اسرائیل کے شیخ کو ابو حومل واؤ کے ساتھ ذکر کیا ہے مگر صحیح ابو حرمل راء کے ساتھ ہے۔ چنانچہ بعض نسخوں میں اس تصویب کی تصریح موجود ہے جس کی عبارت یہ ہے۔ قال ابوداؤد کذا قال والصواب ابو حرمل۔

(۹۲) باب الاسبال فی الصلوٰۃ

(۴۳) حدثنا زید بن اَخزَم ثنا ابوداؤد عن ابی عَوَانَۃ عن عاصم عن ابی عثمان عن ابن مسعود قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من اسبل ازارہ فی صلوٰتہ خُیَلاءَ فلیس من اللہ جل ذکرہ فی حل ولا حرام، قال ابوداؤد روی ھذا جماعۃ عن عاصم موقوفًا علی ابن مسعود منہم حماد بن سلمۃ وحماد بن زید وابو الاحوص وابو المعاویۃ

ترجمہ

زید بن اخزم نے بحدیث ابوداؤد بطریق ابوعوانہ بروایت عاصم بواسطہ ابوعثمان حضرت ابن مسعود سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص نماز میں اپنا تہبند ٹخنوں سے، ازراہ تکبر لٹکائے تو اللہ جل جلالہ نہ اس کے لئے جنت حلال کرے گا اور نہ اس پر دوزخ حرام کرے گا۔

ابوداؤد کہتے ہیں کہ اس کو عاصم سے ایک جماعت نے حضرت ابن مسعود پر موقوف کیا ہے جن میں حماد بن سلمہ، حماد بن زید، ابو الاحوص اور ابو معاویہ ہیں۔ **تشریح**

قولہ من اسبل الخ۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ازراہ تکبر وغرور نماز میں ٹخنوں سے نیچے تہبند لٹکائے تو وہ حق تعالیٰ کی طرف سے نہ حل میں ہے نہ حرام میں (۱) یعنی خداوند قدوس نہ اس کے لئے جنت حلال کرے گا اور نہ اس پر دوزخ حرام کرے گا (۲) نہ اس کے گناہ بخشے گا اور نہ برے کاموں سے اس کی حفاظت ہوگی (۳) وہ حق تعالیٰ سے جدا ہوگیا کہ اس کو حلال وحرام سے کچھ غرض نہ رہی۔

حدیث باب میں ہے کہ ایک شخص کو آپ نے مُسْبِل الازار دیکھا تو کئی بار وضوء کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ حق تعالیٰ مسبل الازار کی نماز قبول نہیں کرتا۔ یہ سب بطور تشدید وتغلیظ ہے کیونکہ شریعت کی نظر میں ٹخنوں سے نیچے کپڑا پہننا نہایت مبغوض ہے اسی لئے امام ابوحنیفہ اور امام شافعی وغیرہ اس کو نماز وغیر نماز ہر حال میں مکروہ کہتے ہیں۔

(۱۹۸) قولہ قال ابوداؤد الخ مطلب ظاہر ہے کہ زیر بحث حدیث کو ابوعوانہ نے عاصم سے مرفوعاً روایت کیا ہے اور حماد بن سلمہ، حماد بن زید وغیرہ جماعت حفاظ نے اس کو حضرت عبداللہ بن مسعود پر موقوف کیا ہے لیکن ہم کو ان حضرات کی روایات کا تخرج معلوم نہیں ہو سکا واللہ اعلم۔

(۹۳) باب فی کم تصلی المرأۃ

(۴۳۴) حدثنا مجاهد بن موسى ثنا عثمان بن عمر ثنا عبد الرحمن بن عبد الله يعني ابن دينار عن محمد بن زيد بهذا الحديث قال عن ام سلمة انها سألت النبي صلى الله عليه وسلم اتصلي المرأة في درع وخمار ليس عليها ازار قال اذا كان الدرع سابغا يغطي ظهور قدميها، قال ابو داؤد روى هذا الحديث مالك بن انس وبكر بن مضر وحفص بن غياث واسمعيل بن جعفر وابن ابي ذئب وابن اسحق عن محمد بن زيد عن امه عن ام سلمة لم يذكر احد منهم النبي صلى الله عليه وسلم قصروا به على ام سلمة

حل لغات

دِرع عورت کی قمیص، خمار بکسر خار دوپٹہ، پردہ، ہر وہ چیز جو سر کو چھپائے جیسے اوڑھنی اور عمامہ وغیرہ۔ اس کی جمع اخمرہ، خُمُر آتی ہے دلکم، لسان، ازار چادر، تہبند، ہر وہ چیز جو تم کو چھپالے۔ سابغ کامل اور وسیع و فراخ، یغطی تغطیۃ۔ الشئ چھپانا۔ ترجمہ

مجاہد بن موسیٰ نے بسند عثمان بن عمر بحدیث عبد الرحمن بن عبد اللہ یعنی ابن دینار بواسطہ محمد بن زید اس حدیث کو حضرت ام سلمہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کیا عورت بلا ازار ایک سربند اور ایک قمیص میں نماز پڑھ سکتی ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ جب قمیص کامل ہو کہ اس کو پاؤں تک چھپالے۔

ابوداؤد کہتے ہیں کہ اس حدیث کو مالک بن انس، بکر بن مضر، حفص بن غیاث، اسمٰعیل بن جعفر، ابن ابی ذئب اور ابن اسحاق نے محمد بن زید سے عن امہ عن ام سلمہ روایت کیا ہے کسی نے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ذکر نہیں کیا بلکہ سب نے حضرت ام سلمہ پر موقوف کیا ہے۔ تشریح

قولہ باب الخ۔ صحت نماز کے لئے ستر کا چھپانا تو سب کے نزدیک فرض اور ضروری ہے کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "خذوا زینتکم عند کل مسجد"۔ اس میں زینت سے مراد ساتر ستر اور مسجد سے مراد نماز ہے۔ لیکن عورت کو نماز میں اپنے بدن کا کتنا حصہ چھپانا ضروری ہے؟ ابو بکر بن عبد الرحمن بن الحارث بن ہشام کہتے ہیں کہ عورت کا کل بدن حتیٰ کہ اس کے ناخن بھی ستر میں داخل ہیں۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ عورت کو نماز اس طرح پڑھنی چاہئے کہ اس کے بدن کا کوئی حصہ بلکہ ناخن بھی نہ دیکھے۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ اگر نماز میں عورت کے بال یا اس کے قدم کا ظاہری حصہ کھل جائے تو وقت کے اندر اندر نماز کا اعادہ ضروری ہے۔

احناف، امام شافعی، امام اوزاعی کے نزدیک آزاد عورت کا کل بدن ستر ہے لیکن چہرہ اور دونوں ہتھیلیاں اس سے مستثنیٰ ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عباس اور عطاء سے بھی یہی مروی ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ "ولا یبدین زینتہن الا ما ظہر منہا" اور نہ دکھائیں اپنی زینت مگر جو کھلی چیز ہے اس میں ہی اس کی تفسیر میں حضرت عائشہ، ابن عباس اور عبد اللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ عورت کا چہرہ اور اس کی ہتھیلیاں الا ما ظہر منہا کے استثناء میں داخل ہیں۔ پھر اس آیت میں اظہار زینت سے ممانعت ہے

اور ماظہر منہا کا استثناء ہے اور قدمین بھی ظاہر میں بایں معنیٰ کہ رفتار کی حالت میں یہ کھل جاتے ہیں نیز دینی و دنیاوی جو ضرورت چہرہ اور ہتھیلیوں کو کھلا رکھنے پر مجبور کرتی ہے اس کا تحقق ان کی بہ نسبت قدمین میں کہیں زیادہ ہے تو یہ بدرجہ اولیٰ مستثنیٰ ہوں گے۔

پھر نماز میں عورت کی پنڈلی، بال، پیٹ، ران، عورت غلیظہ (قبل و دبر) کے چوتھائی حصہ سے کم کا کھل جانا جواز صلوٰۃ سے مانع نہیں ہے کیونکہ اتنی بےپردگی تو کبھی کبھی ہو ہی جایا کرتی ہے اگر اس کو بھی مانع نماز قرار دیا جائے تو حرج لازم آئے گا۔ اگر چوتھائی حصہ کھل جائے تو ایسی صورت میں طرفین کے نزدیک نماز کا اعادہ ضروری ہے۔

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اگر نصف سے کم حصہ کھلا ہو تو اعادہ واجب نہیں کیونکہ کسی چیز کو کثرت کا وصف اسی وقت دیا جاتا ہے جب اس کا مقابل اس سے کم ہو جیسے چھ، چار کے مقابلہ میں کثیر ہے اور چار، چھ کے مقابلہ میں قلیل ہے تو جب تک پنڈلی وغیرہ کا کشف نصف سے کم ہو تو وہ اقل ہی ہے۔ طرفین کی دلیل یہ ہے کہ چوتھائی سے کل کی تعبیر ہوتی ہے جیسے سر کے مسح میں اور بحالت احرام چوتھائی سر کے منڈانے میں۔

صاحب عون المعبود وغیرہ نے حدیث کے الفاظ "اذا کان سابغا یغطی ظہور قدمیہا" سے اس پر استدلال کیا ہے کہ عورت کے بدن کا کچھ حصہ کھل جانا بھی جواز صلوٰۃ سے مانع ہے۔ مگر یہ استدلال صحیح نہیں اس واسطے کہ اول تو اس حدیث کا رفع شاذ ہے جیسا کہ صاحب کتاب نے ذکر کیا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کو ۔ ۔ ۔ تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ عضو کامل کا کھل جانا مانع ہے۔ لان ثبا من العضو یمنع جوازہا۔

قولہ تصلی المرأۃ الخ۔ عورت کتنے کپڑوں میں نماز پڑھے؟ یعنی اس کے لئے کوئی عدد مطلوب ہے؟ صرف ستر چھپانا ضروری ہے۔ کپڑوں کی گنتی سے کوئی سروکار نہیں؟ حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ اگر عورت نے ایک کپڑے سے اپنا جسم ڈھانک لیا تو اس کی نماز درست ہے حضرت ام سلمہ کی زیر بحث حدیث میں ہے کہ عورت قمیص اور اوڑھنی میں نماز پڑھے۔ امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ عورت کو قمیص اور دوپٹے میں نماز پڑھنی چاہیے۔ حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ تین کپڑوں میں نماز پڑھے وہ ازار کا بھی اضافہ کرتے ہیں۔ حضرت ابن سیرین چار کے قائل ہیں۔ ان کے یہاں ازار کے بعد چادر بھی ہونی چاہیے۔ لیکن اس اختلاف اقوال کا یہ مطلب نہیں کہ ان حضرات کے نزدیک عورت کے لئے نماز کی صحت کسی گنتی پر موقوف ہے بلکہ منشاء یہ ہے کہ چونکہ عورت کا پورا جسم ستر ہے اس لئے یہ حضرات ایک سے زائد کپڑوں کے استعمال کی ہدایت فرما رہے ہیں۔ لیکن اگر ستر پوشی کا مقصد صرف ایک ہی کپڑے سے حاصل ہو جائے تو یہ بھی کافی ہے۔

قولہ قال ابوداؤد الخ (۱۹۹) مطلب بالکل واضح ہے کہ زیر بحث حدیث کو مرفوعاً صرف عبد الرحمٰن بن عبد اللہ نے روایت کیا ہے اسکے علاوہ مالک بن انس، بکر بن مضر وغیرہ تمام ثقات نے حضرت ام سلمہ پر موقوف کیا ہے۔

(۹۳) باب المرأۃ تصلی بغیر خمار

(۱۴۴) حدثنا محمد بن المثنی ثنا حجاج بن منہال ثنا حماد عن قتادة عن محمد بن سیرین عن صفیة بنت الحارث عن عائشة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال لا یقبل اللہ صلوٰة حائض الا بخمار قال ابو داؤد رواہ سعید یعنی ابن ابی عروبة عن قتادة عن الحسن عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ترجمہ

محمد بن المثنیٰ نے بسند حجاج بن منہال بحدیث حماد بطریق قتادہ بروایت محمد بن سیرین بواسطہ صفیہ بنت حارث عن عائشہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے آپ نے فرمایا حق تعالیٰ جوان عورت کی نماز اوڑھنی کے بغیر قبول نہیں کرتا۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ اس کو سعید بن ابی عروبہ نے بروایت قتادہ بواسطہ حسن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔

تشریح

قولہ لا یقبل اللہ الخ۔ یعنی بالغ عورت کی نماز سر بند ھن کے بغیر صحیح نہیں ہوتی کیونکہ نفی قبول میں اصل نفی صحت ہے علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ حائض سے مراد وہ عورت نہیں جو ایام حیض میں ہو کیونکہ اس پر تو نماز ہی نہیں بلکہ اس سے مراد وہ عورت ہے جو حیض کے زمانے کو پہنچ گئی ہو یعنی بالغ ہو گئی ہو۔

۳۲۶ اہل ظاہر وغیرہ نے آزاد عورت اور باندی دونوں کا ستر برابر مانا ہے اور اسی حدیث کو استدلال کیا ہے کیونکہ اس میں لفظ حائض عام ہے جو آزاد اور باندی دونوں کو شامل ہے لیکن امام ابوحنیفہ اور امام شافعی وغیرہ جمہور علماء کے نزدیک مرد کے جسم کا جتنا حصہ ستر ہے اتنا ہی باندی کا ستر ہے۔ مزید برآں اس کا پیٹ اور پیٹھ بھی ستر ہے (اور پہلو پیٹ کے تابع ہے) اس کے علاوہ باندی کے باقی حصے ستر میں داخل نہیں۔

حافظ بیہقی نے صفیہ بنت ابی عبید سے روایت کی ہے کہ ایک عورت خمار و جلباب (اوڑھنی و چادر) اوڑھے ہوئے نکلی۔ حضرت عمرؓ نے دریافت کیا یہ کون ہے؟ کسی نے کہا: فلاں کی باندی ہے اور حضرت عمرؓ کی اولاد میں سے کسی کا نام بتایا۔ آپ نے حضرت حفصہ کے پاس کہلا بھیجا: کیا وجہ ہے کہ تم نے اس عورت کو خمار و جلباب پہنا کر آزاد عورتوں کے مشابہ بنایا؟ میں تو اس کو آزاد عورت خیال کر کے سزا دینے کا قصد کر چکا تھا، خبردار! اپنی باندیوں کو آزاد عورتوں سے مشابہ مت بناؤ۔ عبدالرزاق ابن ابی شیبہ اور امام محمد نے بھی اسی کے ہم معنی روایت کی تخریج کی ہے۔

حافظ ابن عبدالبر نے الاستذکار میں امام مالک سے نقل کیا ہے کہ باندی کے بالوں کے علاوہ باقی کل بدن آزاد عورت کی طرح ستر ہے۔ لیکن حافظ عراقی نے شرح ترمذی میں کہا ہے کہ امام مالک کا بھی مشہور مذہب جمہور مذہب کی طرح ہے۔

قولہ قال ابوداؤد الخ (۳۰۰) اس کا مقصد یہ ہے کہ زیر بحث حدیث کو حماد اور سعید بن ابی عروبہ دونوں نے حضرت قتادہ سے روایت کیا ہے اور دونوں کی روایت

میں فرق یہ ہے کہ حماد نے اس کو عن قتادہ عن محمد بن سیرین عن صفیہ عن عائشہ عن النبی موصولاً روایت کیا ہے اور سعید بن ابی عروبہ نے بواسطہ قتادہ حضرت حسن سے مرسلاً روایت کیا ہے کیونکہ حسن بصری تابعی ہیں۔

(۳۵) حدثنا محمد بن عبید ثنا حماد بن زید عن ایوب عن محمد ان عائشۃ نزلت علی صفیۃ ام طلحۃ الطلحات فرأت بنات لها فقالت ان رسول الله صلی الله علیہ وسلم دخل وفی حجرتی جاریۃ فألقی الی حقوہ قال لی شقیہ بشقتین فاعطی هذہ نصفا والفتاۃ التی عند ام سلمۃ نصفا فانی لا اراها الا قد حاضت او لا اراهما الا قد حاضتا. قال ابوداؤد وکذلک رواہ هشام عن ابن سیرین۔

حل لغات

حقو بفتح حاء مہملہ اصل میں معقد الازار یعنی تہبند باندھنے کی جگہ کو کہتے ہیں اس کے بعد علی سبیل التوسع ازار ہی کو حقو کہنے لگے (کذا فی المجمع) قال فی القاموس الحقو الکشح والازار ویکسر۔ ومعنٰی شقیہ بشقتین ای اجعلیہ قطعتین۔

ترجمہ

محمد بن عبید نے بحدیث حماد بن زید بواسطہ ایوب محمد بن سیرین سے روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ، صفیہ ام طلحہ طلحات کے پاس گئیں۔ ان کی لڑکیوں کو دیکھا تو کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے حجرے میں تشریف لائے میرے پاس ایک لڑکی تھی آپ نے اپنی لنگی مجھے دی اور کہا اسے پھاڑ کر دو ٹکڑے کر کے ایک اس لڑکی کو دے اور ایک اس کو جو ام سلمہ کے پاس ہے کیونکہ میں اسکو (یا ان دونوں کو) جوان سمجھتا ہوں۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ اس کو ہشام نے بھی محمد بن سیرین سے اسی طرح روایت کیا ہے۔

تشریح

قولہ ام طلحۃ الخ۔ طلحۃ الطلحات سے مراد طلحہ بن عبداللہ بن خلف خزاعی ہیں۔ یہ چونکہ تمام مشہور طلحہ نامی اشخاص میں سخی ترتھے اس لئے ان کو طلحۃ الطلحات کہتے ہیں۔ امام اصمعی نے جود وکرم میں مشہور طلحات کے مذکورہ ذیل اسماء گنائے ہیں۔

(۱) طلحۃ الفیاض یعنی طلحہ بن عبید اللہ تیمی (۲) طلحۃ الجواد یعنی طلحہ بن عمر بن عبید اللہ بن معمر (۳) طلحۃ الندی یعنی طلحہ بن عبداللہ بن عوف زہری (۴) طلحۃ الخیر یعنی طلحہ بن حسن بن علی (۵) طلحۃ الطلحات یعنی طلحہ بن عبداللہ بن خلف خزاعی۔

قولہ قال ابوداؤد الخ: یعنی حضرت محمد بن سیرین سے ہشام کی روایت بھی روایت قتادہ کے مثل ہے۔ علامہ منذری اور حافظ ابن حجر نے ابو حاتم رازی کا قول نقل کیا ہے کہ محمد بن سیرین نے حضرت عائشہ سے کچھ نہیں سنا۔ پس یہ روایت منقطع ہے۔

(۹۵) باب ما جاء فی السدل فی الصلوٰۃ

(۲۴۲) حدثنا محمد بن عیسیٰ بن الطباع ثنا حجاج عن ابن جریج قال اکثر ما رأیت عطاء یصلی سادلاً، قال ابو داؤد رواہ عسل عن عطاء عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن السدل فی الصلوٰۃ، قال ابو داؤد وھذا یضعّف ذلک الحدیث۔

ترجمہ

محمد بن عیسیٰ بن الطباع نے بواسطہ حجاج ابن جریج سے روایت کیا ہے کہ میں نے عطاء کو اکثر بحالت سدل نماز پڑھتے دیکھا ہے۔ ابو داؤد کہتے ہیں کہ پہلی حدیث کو عسل نے بواسطہ عطاء حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں سدل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ابو داؤد کہتے ہیں کہ یہ اس حدیث کو کمزور کر دیتا ہے۔

تشریح

قولہ باب الخ۔ ائمہ لغت نے سدل کی مختلف تفسیریں کی ہیں۔ جوہری نے لکھا ہے سدل ثوبہ یسدلہ بالضم سدلاً ای ارخاہ۔ یعنی کپڑا لٹکانا۔ ابو عبیدہ کہتے ہیں کہ کپڑے کو اس کے دونوں کنارے سمیٹے بغیر لٹکا ہوا چھوڑ دینا اور بکل نہ مارنا سدل کہلاتا ہے۔ علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ سدل کے معنی یہ ہیں کہ کپڑے کو اس طرح چھوڑ دے کہ وہ زمین تک لٹکتا رہے۔ صاحب نہایہ لکھتے ہیں کہ اوپر سے کپڑا اوڑھ کر دونوں ہاتھ اندر کر کے نماز پڑھنا سدل کہلاتا ہے۔ اس کا تحقق قمیص وغیرہ ہر کپڑے میں ہو سکتا ہے۔ بعض حضرات نے سدل کو جبہ کے ساتھ خاص کیا ہے کہ اس کو پہن کے ہاتھ آستینوں کے اندر نہ کرے۔

بہر کیف سدل کی جو بھی صورت ہو شریعت کی نظر میں یہ فعل ناپسندیدہ ہے کیونکہ یہ شیوۂ یہود ہے۔

خلال نے العلل میں اور ابو عبید نے الغریب میں بطریق عبد الرحمن بن سعید بن وہب حضرت علی سے روایت کیا ہے کہ آپ نے کچھ لوگوں کو کپڑا لٹکائے ہوئے نماز پڑھتے دیکھ کر فرمایا، یہ سب یہود تھا میں اللہ ایک ہی مدرسہ سے نکلے ہیں۔

زیر بحث حدیث میں بھی اس کی ممانعت ہے۔ اسی لئے حضرت ابن عمر، مجاہد، ابراہیم نخعی، سفیان ثوری، امام ابو حنیفہ اور امام شافعی نے بھی اس فعل کو مکروہ کہا ہے نماز میں ہو یا غیر نماز میں۔ امام احمد صرف نماز کی حالت میں مکروہ کہتے ہیں۔ حضرت جابر بن عبد اللہ، عطاء بن ابی رباح، حسن بصری، ابن سیرین، مکحول، زہری اور امام مالک کے یہاں اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

قولہ قال ابو داؤد رواہ الخ (۲۰۲) حدیث باب جس کو صاحب کتاب نے حسن بن ذکوان سے روایت کیا ہے اس کے متعلق کہتے ہیں کہ اس کو عسل بن سفیان نے بھی عن عطاء عن ابی ہریرہ مرفوعاً روایت کیا ہے لیکن جمہور محدثین کے نزدیک عسل بن سفیان ضعیف ہے۔ الحسن بن ذکوان کی حدیث باب صحیح ہے جس کو حاکم نے شیخین کی شرط پر بتلایا ہے۔ اور امام ترمذی نے جو یہ کہا ہے "لا نعرفہ من حدیث عطاء عن ابی ہریرۃ مرفوعاً الا من حدیث عسل" تو ممکن ہے موصوف کو حسن بن ذکوان کے طریق پر حدیث نہ پہنچی ہو۔

قولہ قال ابو داؤد وھذا الخ (۲۰۳) یعنی حضرت عطاء کا جو فعل ہم نے ابن جریج کے واسطے سے اوپر روایت کیا ہے کہ وہ اکثر اوقات سدل کی حالت میں نماز پڑھتے تھے۔

یہ نقل ان کی اس روایت کو ضعیف کر دیتا ہے کہ جس میں انھوں نے سدل سے ممانعت کی روایت کی ہے۔ اس واسطے کہ راوی جب اپنی روایت کردہ حدیث کے خلاف کرے تو اس کی روایت ضعیف ہو جاتی ہے۔

حافظ بیہقی نے سنن کبریٰ میں اس کی یہ توجیہ کی ہے کہ ممکن ہے حضرت عطاء ممانعت سدل والی حدیث کو بھول گئے ہوں۔ یا وہ اس ممانعت کو از راہ تکبر دغرور سدل کرنے پر محمول کرتے ہوں۔

(۹۲) بَابُ تَسْوِيَةِ الصُّفُوفِ

(۷۷) حدثنا عيسى بن ابراهيم الغافقي ثنا ابنُ وهب ح وحدثنا قتيبة بن سعيد ثنا الليث وحديث ابن وهب اتم عن معاوية بن صالح عن ابى الزاهرية عن كثير بن مرة عن عبد الله بن عمر قال قتيبة عن ابى الزاهرية عن ابى شجرة لم يذكر ابن عمر ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال اقيموا الصفوف وحاذوا بين المناكب وسدّوا الخلل ولينوا بايدى اخوانكم لم يقل عيسى بايدى اخوانكم ولا تذروا فُرُجات للشيطان ومن وصل صفاً وصله الله ومن قطع صفاً قطعه الله، قال ابو داؤد ابو شجرة كثير بن مرة قال ابو داؤد ومعنى ولينوا بايدى اخوانكم اذا جاء رجل الى الصف فذهب يدخل فيه فينبغى ان يلين له كل رجل منكبيه حتى يدخل فى الصف۔

حل لغات

تسویۃ درست کرنا، سیدھا کرنا، صفوف جمع صف، سیدھی قطار، حاذوا محاذاۃ ایک دوسرے کے مقابل ہونا۔ مناکب جمع منکب شانہ مونڈھا۔ سدّوا دن، سدّا۔ الخلۃ رخنہ درست کرنا، الخلل شگاف۔ لینوا دمن، لینًا نرم ہونا۔ لا تذروا مت چھوڑو۔ فرجات جمع فرجۃ دو چیزوں کے درمیان کشادگی۔

ترجمہ

عیسیٰ بن ابراہیم غافقی نے بواسطہ ابن وہب اور قتیبہ بن سعید نے بواسطہ لیث۔ معاویہ بن صالح سے بطریق ابو الزاہریہ بروایت کثیر بن مرہ حضرت عبد اللہ بن عمر سے روایت کیا ہے (قتیبہ کی روایت یوں ہے عن ابی الزاہریۃ عن ابی الشجرۃ، اس میں عبد اللہ بن عمر کا ذکر نہیں ہے) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا صفوں کو قائم، مونڈھوں کو برابر اور ان جگہوں کو بند کیا جائے جائیں اور نرم ہو جاؤ اپنے بھائیوں کے لئے (عیسیٰ بن ابراہیم نے "بایدی اخوانکم" الفاظ ذکر نہیں کئے) اور شیطان کے واسطے صفوں میں جگہ نہ چھوڑو۔ جو شخص صف کو ملائے گا حق تعالیٰ اسکو اپنی رحمت سے ملا دیگا

اور جو صف کو کاٹے گا حق تعالیٰ اس کو اپنی رحمت سے جدا کر دے گا۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ ابوشجرہ راوی کثیر بن مرہ ہے۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ ولینوا بایدی اخوانکم کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی شخص صف میں داخل ہونا چاہے تو ہر شخص کو اپنے مونڈھیں سکیڑ لینا چاہئے تاکہ اس کے لئے جگہ ہو جائے۔ **تشریح**

قولہ باب الخ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تسویہ صفوف کا بہت زیادہ اہتمام فرماتے تھے اور امت کو بھی اس کی تاکید فرمائی ہے۔ صاحب کتاب نے اس سلسلہ میں حضرت جابر بن سمرہ، نعمان بن بشیر، براء بن عازب، عبداللہ بن عمر، انس بن مالک اور عبداللہ بن عباس سے روایات کی تخریج کی ہے جن سے تسویہ صفوف کی اہمیت ثابت ہوتی ہے۔ ابن حزم نے تو بخاری کی روایت کے الفاظ فان تسویۃ الصف من اقامۃ الصلوۃ سے اس کے وجوب پر استدلال کیا ہے۔ حضرت عمر اور حضرت بلال سے بھی اسی قسم کی روایت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کے نزدیک بھی تسویہ صفوف واجب ہے۔ لیکن حضرت ابوہریرہ کی روایت کے الفاظ "فان اقامۃ الصف من حسن الصلوۃ" سے سنیت و استحباب ہی مفہوم ہوتا ہے۔ چنانچہ ابن بطال نے اسی سے استدلال کیا ہو۔ حضرت انس کی حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اپنی صفوں کو برابر کرو، کیونکہ صف کا برابر کرنا نماز کو پورا کرنا ہے یعنی صفوں کو برابر کرنا فضول نہ سمجھو بلکہ جیسے نماز کا اہتمام کرتے ہو اسی طرح اس کا بھی اہتمام کرو۔

حضرت نعمان بن بشیر کی حدیث میں آپ کا ارشاد ہے کہ اپنی صفوں کو برابر کرو ورنہ حق تعالیٰ تمہارے درمیان پھوٹ ڈال دے گا۔ افسوس کہ آجکل لوگوں نے صفوں کا اہتمام چھوڑ دیا تو حق تعالیٰ نے ان کا جتھا توڑ دیا۔ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ کوئی آگے بڑھا ہوا ہے کوئی پیچھے ہٹا ہوا ہے۔ اگلی صفوں میں جگہ باقی ہے اور لوگ پچھلی صفوں میں کھڑے ہوئے ہیں۔ کہیں صف ٹیڑھی ہے تو کہیں بیچ میں خلا ہے غرض جو اہتمام ہونا چاہئے وہ بالکل نہیں ہوتا حق تعالیٰ ہم سب کو ہدایت نصیب فرمائے (آمین)۔ ۳۳۰

(۳۰۴)
قولہ قال ابوداؤد ابوشجرۃ الخ صرف ابوالزاہریہ حدیر بن کریب کے شیخ ابوشجرہ کا نام بتاتا ہے کہ یہ کثیر بن مرہ حضرمی رہاوی مشہور تابعی ہیں۔ ابن سعد، عجلی، نسائی، ابن خراش اور ابن حبان وغیرہ نے ان کی توثیق کی ہے۔ یزید بن ابی حبیب کہتے ہیں کہ انھوں نے ستر بدری صحابہ کو پایا ہے۔

(۳۰۵)
قولہ قال ابوداؤد ومعنی الخ حدیث کے الفاظ "ولینوا بایدی اخوانکم" کا مطلب بیان کر رہے ہیں کہ جب کوئی شخص صف کی طرف آئے اور جماعت میں شریک ہونا چاہے تو جماعت والوں کو چاہئے کہ وہ اپنے مونڈھے سکیڑ لیں تاکہ اسکے لئے بھی جگہ ہو جائے اخوت کا تقاضہ یہی ہے۔

(۴۸۲) حدثنا ابن بشار ثنا ابوعاصم ثنا جعفر بن یحییٰ بن ثوبان اخبرنی عمی عمارۃ بن ثوبان عن عطاء عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیارکم الینکم مناکب فی الصلوۃ، قال ابوداؤد جعفر بن یحییٰ من اھل مکۃ

ترجمہ

ابن بشار نے بسند ابو عاصم بحدیث جعفر بن یحیٰ بن ثوبان باخبار عمارہ بن ثوبان بواسطہ عطاء حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، تم میں بہتر لوگ وہ ہیں جن کے مونڈھے نماز میں نرم ہیں۔ ابو داؤد کہتے ہیں کہ جعفر بن یحیٰ اہل مکہ میں سے ہے۔

تشریح

قولہ قال ابوداؤد الخ (۲۰۶) صرف ابو عاصم کے شیخ جعفر بن یحیٰ بن ثوبان کا تعارف مقصود ہے کہ یہ اہل مکہ میں سے ہے۔ ابن المدینی کہتے ہیں کہ یہ مجہول ہے۔ ابو عاصم کے علاوہ کسی نے اس سے روایت نہیں کی۔ ابن القطان نے بھی اس کو مجہول الحال بتایا ہے لیکن ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔

(۹۷) باب الرجل یرکع دون الصف

(۶۷۹) حدثنا موسی بن اسمٰعیل ثنا حماد انا زیاد الاعلم عن الحسن ان ابا بکرۃ جاء ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راکع فرکع دون الصف ثم مشی الی الصف فلما قضی النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰتہ قال ایکم الذی رکع دون الصف ثم مشی الی الصف فقال ابوبکرۃ انا فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم زادک اللہ حرصا ولا تعد۔ قال ابوداؤد زیاد الاعلم زیاد بن حسان بن قرۃ وھو ابن خالۃ یونس بن عبید

۳۳۱

ترجمہ

موسیٰ بن اسماعیل نے بحدیث حماد باخبار زیاد اعلم حضرت حسن سے روایت کیا ہے کہ ابو بکرہ نماز کیلئے آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں تھے انھوں نے جلدی سے صف کے پیچھے رکوع کر لیا۔ پھر چل کر صف میں مل گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز سے فارغ ہو کر پوچھا تم میں سے وہ کون ہے جس نے صف کے پیچھے رکوع کیا پھر چل کر صف میں شامل ہوا؟ حضرت ابو بکرہ نے کہا حضور! میں ہوں۔ آپ نے فرمایا! حق تعالیٰ تمہاری حرص بڑھائے آئندہ ایسا نہ کرنا۔ ابو داؤد کہتے ہیں کہ زیاد اعلم زیاد بن حسان بن قرہ ہے جو یونس بن عبید کا خالہ زادہ ہے۔ تشریح

قولہ ولا تعد الخ۔ حضرت ابو بکرہ نماز کے لئے آئے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں ہیں تو جلدی سے صف کے پیچھے رکوع کر لیا پھر بڑھ کر صف میں مل گئے۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے دعا کی زادک اللہ حرصا۔ کیونکہ عبادت کے سلسلہ میں حرص والالچ محمود ہے لیکن اسی وقت جب شریعت کے موافق ہو۔ اسی لئے آپ نے فرمایا۔ لا تعد آئندہ ایسا نہ کرنا۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ہم نے اس لفظ کو جمیع روایات میں تاء کے فتح اور عین کے ضمہ کے ساتھ

ضبط کیا ہے، جو موجود ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آئندہ ایسا نہ کرنا کہ صف کے پیچھے ہی رکوع کر لو بلکہ صف میں آکر رکوع کرنا چاہئے۔

امام طحاوی نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے: "قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اتی احدکم الصلوٰۃ فلا یرکع دون الصف حتی یاخذ مکانہ من الصف" جب تم میں سے کوئی شخص نماز کے لئے آئے تو صف کے پیچھے رکوع نہ کرے جبتک صف میں داخل نہ ہو جائے۔ اس روایت سے اسی معنی کی تائید ہوتی ہے۔

بعض شراح مصابیح نے نقل کیا ہے کہ یہ تا کے ضمہ اور عین کے کسرہ کے ساتھ بھی مروی ہے اس وقت یہ اعادہ سے ہوگا اور معنی یہ ہوں گے کہ جو نماز پڑھ چکے ہو اس کے لوٹانے کی ضرورت نہیں۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ لا تعد بسکون عین وضم دال بھی مروی ہے یعنی نماز میں دوڑ کر شریک نہ ہونا بعض حضرات نے یہ معنی کئے ہیں کہ اب نماز کے لئے آنے میں دیر نہ کیجو تاکہ پھر اس کی ضرورت نہ ہو۔

(فائدہ) جو شخص صف کے پیچھے اکیلا کھڑا ہو کر نماز پڑھے تو اس کی نماز درست ہے یا نہیں؟ ابراہیم نخعی، حسن بن صالح، امام احمد، اسحٰق بن راہویہ، حماد، ابن ابی لیلی اور وکیع عدم جواز کے قائل ہیں۔ دلیل حضرت وابصہ کی حدیث ہے جس کی تخریج صاحب کتاب نے اس سے قبل "باب الرجل یصلی وحدہ خلف الصف" کے ذیل میں کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو صف کے پیچھے اکیلا نماز پڑھتے دیکھ کر نماز لوٹانے کا حکم فرمایا۔ نیز امام احمد اور ابن ماجہ نے علی بن شیبان کی حدیث روایت کی ہے جس میں یہ الفاظ ہیں۔ "فقال له استقبل صلوتک فلا صلوٰۃ لمنفرد خلف الصف"۔ ۲۳۲

لیکن حسن بصری، اوزاعی، امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ نماز تو ہو جائے گی مگر ایسا کرنا مکروہ ہے دلیل حضرت ابوبکرہ کی یہی حدیث ہے جس میں تصریح ہے کہ انھوں نے نماز کا کچھ حصہ صف کے پیچھے پڑھا پھر صف میں داخل ہوئے اور آپ نے نماز لوٹانے کا حکم نہیں فرمایا فافاد جواز جزء من الصلوٰۃ حال الانفراد وجاز سائر اجزائہا۔

قولہ قال ابوداؤد الخ (۲۰۰) حماد بن سلمہ کے شیخ زیاد اعلم کا تعارف مقصود ہے کہ یہ زیاد بن حسان بن قرۃ ہیں اور یونس بن عبید کے خالہ زاد ہیں اور اعلم دہبمعنی مشقوق الشفۃ العلیاء کے ساتھ مشہور ہیں۔ امام احمد، ابن معین، ابوداؤد، نسائی، ابوزرعہ، ابن سعد اور ابن حبان وغیرہ نے ان کو ثقہ کہا ہے۔

(۹۸) باب الخط اذا لم یجد عصًا

(۱۵۰) حدثنا محمد بن یحیی بن فارس حدثنا علی یعنی ابن المدینی عن سفیان عن اسمعیل بن امیۃ عن ابی محمد بن عمرو بن حریث عن جدہ حریث رجل من بنی عذرۃ عن ابی ہریرۃ عن ابی القاسم صلی اللہ علیہ وسلم قال فذکر حدیث الخط قال

سفیان ولم نجد شیئا نشد به هذا الحدیث ولم یجیء الا من هذا الوجه قال قلت لسفیان انهم یختلفون فیه فتفکر ساعة ثم قال ما احفظ الا ابا محمد بن عمرو قال سفیان قدم هنا رجل بعد ما مات اسمٰعیل بن امیة فطلب هذا الشیخ ابا محمد حتی وجده فسأله عنه فخلط علیه، قال ابوداؤد وسمعت احمد یعنی ابن حنبل سئل عن وصف الخط غیر مرة فقال هکذا عرضا مثل الهلال، قال ابوداؤد وسمعت مسددا قال قال ابن داؤد الخط بالطول۔

ترجمہ

محمد بن یحییٰ بن فارس نے بتحدیث علی ابن المدینی بسند سفیان بطریق اسمٰعیل بن امیہ بروایت ابو محمد بن عمرو بن حریث بواسطہ حریث عن ابی ہریرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث خط روایت کی ہے۔

سفیان کہتے ہیں کہ ہم نے کوئی ایسی دلیل نہیں پائی جس سے اس حدیث کو مضبوط کریں اور یہ حدیث صرف اسی اسناد سے مروی ہے۔ علی ابن المدینی نے سفیان سے کہا کہ ابو محمد کے متعلق محدثین اختلاف کرتے ہیں تو انھوں نے تھوڑی دیر سوچ کر کہا کہ مجھے تو ابو محمد بن عمرو ہی یاد ہے۔ سفیان کہتے ہیں کہ اسمٰعیل بن امیہ کی وفات کے بعد ایک شخص کوفہ میں آیا اور اس نے شیخ ابو محمد کو تلاش کیا۔ وہ اسے مل گئے اس نے ان سے سوال کیا تو ان پر خلط ہو گیا۔

ابوداؤد کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد سے متعدد بار خط کی یہ کیفیت سنی ہے کہ عرضا ہونا چاہیے۔

ابوداؤد کہتے ہیں کہ میں نے مسدد سے سنا ہے انھوں نے ابن داؤد کے حوالہ سے ذکر کیا ہے کہ خط لمبائی میں کھینچنا چاہیے۔

تشریح

قولہ باب الخ۔ اگر نماز پڑھنے والا اپنے سامنے سترہ قائم کرنے کیلئے عصا وغیرہ نہ پائے تو کیا خط کھینچ لینا بھی کافی ہے؟ سو زیر بحث حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو اپنے سامنے ایک خط کھینچ لینا چاہیے لیکن یہ حدیث قابل استدلال نہیں چنانچہ خود صاحب کتاب نے سفیان بن عیینہ سے اس کی تضعیف نقل کی ہے۔ امام شافعی اور علامہ بغوی نے بھی اس کو ضعیف کہا ہے۔

علامہ خطابی نے امام احمد سے نقل کیا ہے کہ حدیث خط ضعیف ہے۔ حافظ عراقی نے الفیہ میں اسکی سند میں کافی اضطراب ذکر کیا ہے (جسکی تفصیل ہم نے حاشیے میں بذل سے نقل کر دی ہے) حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ ابن الصلاح نے اس کو حدیث مضطرب کی مثال بنایا ہے اسی لئے ائمہ ثلاثہ اور

۳۲۳

عہ فقال بعضهم عن ابی عمرو بن محمد بن حریث عن جده وقال بعضهم عن ابی محمد بن عمرو بن حریث عن جده وقال بعضهم عن ابی عمرو بن حریث عن ابیه فنسب ابا عمرو الی جده وجعله اباه وقال بعضهم عن ابی عمرو بن حریث عن جده حریث وقال بعضهم عن ابی عمرو بن محمد بن حریث عن جده حریث بن سلیم وقال بعضهم عن حریث بن عمار عن ابی هریرة ۱۲۔

عام فقہاء کا اس حدیث پر عمل نہیں ہے ۱۔

قولہ قال ابوداؤد سمعت احمد الخ (۲۰۸) صاحب کتاب کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد سے متعدد بار خط کھینچنے کی یہ کیفیت سنی ہے کہ خط یمین سے شمال کی طرف شکل ہلال مقوّر و مدوّر ہونا چاہیے۔ پس امام احمد نے محراب کی طرح خط مقوس کو اختیار کیا ہے۔ مگر یہ اسی وقت ہے جب امام احمد کے نزدیک حدیث خط صحیح ہو جیسا کہ ابن عبد البر نے الاستذکار میں نقل کیا ہے ورنہ علامہ خطابی نے تو امام احمد سے اس کے خلاف نقل کیا ہے ۱۔

قولہ قال ابوداؤد سمعت مسدد قال الخ (۲۰۹) یعنی عبداللہ بن داؤد خریبی کہتے ہیں کہ خط بجانب قبلہ مغرب سے مشرق کی طرف مستقیم ہونا چاہیے گرا ضعف حدیث کے باوجود جو لوگ بحالت عجز خط کھینچنے کے قائل ہیں ان کے یہاں اس کی کیفیت میں بھی اختلاف ہے۔

(۹۹) باب لدنو من السترۃ

۶۵۵ حدثنا محمد بن الصباح بن سفیان انا سفیان ح وحدثنا عثمان بن ابی شیبۃ وحامد بن یحیی وابن السرح قالوا ثنا سفیان عن صفوان بن سُلیم عن نافع بن جُبیر عن سھل بن ابی حثمۃ یبلغ بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا صلی احدکم الی سُترۃ فلیدن منہا لا یقطع الشیطان علیہ صلوتہ۔ قال ابوداؤد ورواہ واقد بن محمد بن صفوان عن محمد بن سھل عن ابیہ او عن محمد بن سھل عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقد قال بعضھم عن نافع بن جُبیر عن سھل بن سعد واختلف فی اسنادہ ۲۳۴

ترجمہ

محمد بن الصباح بن سفیان، عثمان بن ابی شیبہ، حامد بن یحییٰ اور ابن السرح نے بتحدیث سفیان بسند صفوان بن سلیم بطریق نافع بن جبیر بواسطہ سہل بن ابی حثمہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا، جب تم میں سے کوئی سترے کی آڑ میں نماز پڑھے تو اسے سترے سے قریب تر ہو جانا چاہیے تاکہ شیطان اس کی نماز نہ توڑے۔

ابوداؤد کہتے ہیں کہ اس کو واقد بن محمد نے بطریق صفوان عن محمد بن سہل عن ابیہ یا عن محمد بن سہل عن النبی روایت کیا ہے اور بعض نے یوں کہا ہے عن نافع بن جبیر عن سہل بن سعد۔ بہر کیف اس کی اسناد میں اختلاف ہے۔

تشریح

قولہ باب الخ۔ نمازی کو چاہیے کہ وہ اپنے سامنے ایک سترہ قائم کرے اور اس سے نزدیک کھڑا ہو کر نماز پڑھے۔ اگر سترے سے دور کھڑا ہو گا تو کتا، بلی، عورت، گدھا وغیرہ اس کے اندر کو گزرے گا اور

اس کے خشوع وخضوع میں فرق آئے گا اس لئے سترہ کے قریب کھڑا ہونا چاہئے۔ اب انکے اور سترہ کے درمیان کتنا فصل ہونا چاہئے؟ علامہ بغوی فرماتے ہیں کہ اہل علم کے نزدیک مستحب یہ ہے کہ اس کے اور سترے کے درمیان اتنا فصل ہونا چاہئے جس میں سجدہ ممکن ہو۔ حضرت سہل بن سعد کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے قیام اور قبلہ کے درمیان بکری کی گذرگاہ کے بقدر فصل تھا۔ حضرت بلال کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ میں نماز پڑھی آپ کے اور جدار کعبہ کے درمیان تین ذراع فصل تھا۔ امام شافعی اور امام احمد نے اسکو لیا ہے۔ امام داؤدی نے ان دونوں حدیثوں میں یوں تطبیق دی ہے کہ پہلی صورت حالت قیام پر محمول ہے اور دوسری حالت رکوع وسجود پر۔

(لطیفہ) علامہ خطابی کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ امام مالک سترہ سے کچھ دور ہٹ کر نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک شخص جو ان کو پہچانتا نہ تھا سامنے سے گذرا اور بولا ایہا المصلی ادن من سترتک (یہ سنکر امام آگے بڑھے اس وقت آپ یہ پڑھ رہے تھے "وعلمک مالم تکن تعلم وکان فضل اللہ علیک عظیما")

قولہ قال ابوداؤد الخ (۲۱۰) اس کا حاصل یہ ہے کہ حدیث باب کو سفیان۔۔۔ بن عیینہ نے بواسطہ صفوان بن سلیم عن نافع بن جبیر عن سہل بن ابی حثمہ روایت کیا ہے صاحب کتاب اس کے متعلق کہتے ہیں کہ واقد بن محمد نے اس کو صفوان سے اس طرح روایت کیا ہے عن صفوان عن محمد بن سہل عن ابیہ او عن محمد بن سہل اھ ابوداؤد کے اکثر نسخوں میں یہی ہے۔ لیکن حافظ نے الاصابہ میں بطریق شعبہ یوں نقل کیا ہے عن واقد بن محمد سمعت صفوان بن سلیم یحدث عن محمد بن سہل بن ابی حثمہ او عن سہل بن ابی حثمہ عن النبی اھ۔

اب اگر یہ روایت محمد بن سہل سے محفوظ ہو تو مرسل ہے کیونکہ محمد بن سہل تابعی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ایک زمانہ بعد پیدا ہوتے ہیں۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ان کے والد سہل بن ابی حثمہ کی عمر صرف آٹھ برس کی تھی۔ اور اگر روایت سہل بن ابی حثمہ سے محفوظ ہو تو منقطع ہے کیونکہ صفوان بن سلیم کو حضرت سہل سے سماع حاصل نہیں۔ اس تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ واقد بن محمد کے طریق پر جو ابوداؤد میں محمد بن سہل ہے یہ غلط ہے۔

(۱۵۲) حدثنا القعنبی والنفیلی قالا ثنا عبد العزیز بن ابی حازم اخبرنی ابی عن سهل قال وكان بين مقام النبي صلى الله عليه وسلم وبين القبلة ممر عنز، قال ابوداؤد الخبر للنفيلي

ترجمہ

قعنبی اور نفیلی نے بحدیث عبد العزیز بن ابی حازم باخبار ابوحازم حضرت سہل بن سعد سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے قیام اور قبلہ کے درمیان ایک بکری کے گذرنے کی جگہ رہتی تھی۔

تشریح

ابوداؤد کہتے ہیں کہ حدیث کے الفاظ نفیلی کے ہیں۔

قولہ قال ابو داؤد الخ (۲۱۱) صاحب کتاب نے زیر بحث حدیث کو اپنے دو شیوخ سے روایت کیا ہے۔ ایک عبد اللہ بن مسلمہ بن قعنب القعنبی سے اور ایک عبد اللہ بن محمد النفیلی سے، اس کے متعلق کہتے ہیں کہ ہم نے حدیث کے جو الفاظ روایت کئے ہیں وہ شیخ نفیلی کے ہیں۔

(۱۰۰) باب ما یقطع الصلوٰۃ

(۳۵۲) حدثنا مسدد ثنا یحیی عن شعبة ثنا قتادة قال سمعت جابر بن زید یحدث عن ابن عباس رفعه شعبة قال یقطع الصلوٰۃ المرأة الحائض والکلب، قال ابو داؤد اوقفه سعید وهشام وهمام عن قتادة عن جابر بن زید علی ابن عباس

ترجمہ

مسدد نے بحدیث یحیی بسند شعبہ بروایت قتادہ بسماع جابر بن زید حضرت ابن عباس سے دشعبہ نے مرفوعاً) روایت کیا ہے کہ جوان عورت، اور کتا نماز کو توڑ دیتا ہے (اگر یہ سامنے سے نکل جائیں)، ابو داؤد کہتے ہیں کہ سعید و ہشام اور ہمام نے بروایت قتادہ بواسطہ جابر بن زید، اس کو حضرت ابن عباس پر موقوف کیا ہے۔

تشریح

قولہ باب الخ. اگر نمازی کے سامنے سترہ نہ ہو اور سامنے سے کتا وغیرہ گذر جائے تو کیا نماز فاسد ہو جائے گی؟ قاضی شوکانی کہتے ہیں کہ احادیث باب اسی پر دال ہیں کہ کتے، عورت اور گدھے کے گذر جانے سے نماز باطل ہو جائے گی۔

امام احمد فرماتے ہیں کہ اگر کالا کتا سامنے سے گذر جائے تو نماز فاسد ہو جائے گی (اسحٰق بن راہویہ کا قول بھی یہی ہے)، اور عورت اور گدھے کی بابت مجھے تردد ہے (کذا حکاہ عنہ الترمذی) بعض علماء کے نزدیک ان تینوں کے گذر جانے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ صحابہ میں سے حضرت ابو ہریرہ، انس بن مالک اور ایک روایت میں حضرت ابن عباس۔ تابعین میں سے حسن بصری، ابو الاحوص اور اصحاب ظواہر اسی کے قائل ہیں۔ حضرت ابو ذر اور حضرت ابن عمر سے بھی یہی منقول ہے۔ لیکن امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور جمہور سلف کے نزدیک کسی چیز کے گذر جانے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ ہاں اگر گذرنے والا آدمی ہو تو وہ گنہگار ضرور ہوگا۔

اور حدیث باب میں جو یہ آیا ہے کہ ان چیزوں کے گذر جانے سے نماز جاتی رہتی ہے اس سے مراد نقص صلوٰۃ ہے۔ یعنی ان چیزوں کے سامنے آنے سے اس کا قلب ان میں مشغول ہو جاتا ہے، جس کی وجہ سے نماز میں نقص آجاتا ہے۔ قالہ العلامۃ السندی۔ یا یہ کہا جائے کہ قطع صلوٰۃ والی احادیث دوسری احادیث سے منسوخ ہیں۔ چنانچہ دارقطنی اور امام مالک نے حضرت ابن عمر سے، دارقطنی نے حضرت ابو ہریرہ سے، طبرانی نے معجم اوسط میں حضرت جابر سے اور معجم کبیر میں

حضرت ابو امامہ سے اور امام طحاوی نے حضرت حذیفہ سے روایات کی تخریج کی ہے جن کا حاصل یہ ہے کہ کسی چیز کے گذرنے سے نماز باطل نہیں ہوتی۔ ان روایات میں سے بعض روایتیں گو ضعیف ہیں مگر بعض صحیح اور حسن بھی ہیں چنانچہ حضرت جابر کی حدیث جس کو طبرانی نے معجم اوسط میں روایت کیا ہے اسکے راوی یحییٰ بن میمون التمار کو ضعیف کہا گیا ہے لیکن مجمع الزوائد میں ہے کہ ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔ اسی طرح ابو امامہ کی حدیث جس کو طبرانی نے معجم کبیر میں روایت کیا ہے مجمع الزوائد میں ہے کہ اس کی اسناد حسن ہے۔

قولہ قال ابوداؤد وہم (۲۱۴) اس کا حاصل یہ ہے کہ زیر بحث حدیث کو شعبہ نے قتادہ سے مرفوع روایت کیا ہے اور شعبہ کے علاوہ سعید و ہشام اور ہمام وغیرہ سب نے حضرت ابن عباس پر موقوف کیا ہے تو صاحب کتاب یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حدیث موقوف محفوظ ہے۔ اور شعبہ کی حدیث مرفوع شاذ ہے۔

(۱۵۴) حدثنا محمد بن اسمٰعیل البصری ثنا معاذ ثنا هشام عن يحيى عن عكرمة عن ابن عباس قال أحسبه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال اذا صلى احدكم الى غير سترة فانه يقطع صلوته الكلب والحمار والخنزير واليهودي والمجوسي والمرأة ويجزئ عنه اذا مروا بين يديه على قذفة بحجر قال ابوداؤد في نفسي من هذا الحديث شئ كنت اذاكر به ابراهيم وغيره فلم أر احدا جاء به عن هشام ولا يعرفه ولم أر احدا يحدث به عن هشام واحسب الوهم من ابن ابي سمينة والمنكر فيه ذكر المجوسي وفيه على قذفة بحجر وذكر الخنزير وفيه نكارة، قال ابوداؤد ولم اسمع هذا الحديث الا من محمد بن اسمٰعيل واحسبه وهم لانه كان يحدثنا من حفظه

۳۳۷

ترجمہ

محمد بن اسماعیل بصری نے بسند معاذ بحدیث ہشام بطریق یحییٰ بروایت عکرمہ بواسطہ ابن عباس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے آپ نے فرمایا، جب تم میں سے کوئی سترہ کے بغیر نماز پڑھے تو کتے، گدھے، خنزیر، یہودی، مجوسی اور عورت (کا سامنے سے گذرنا)، اس کی نماز کو توڑ دیتا ہے البتہ اگر یہ چیزیں ایک ڈھیلے کی زد سے پرے ہو کر نکلیں تو نماز ہو جائے گی۔

ابوداؤد کہتے ہیں کہ میرے قلب میں اس حدیث کی بابت تردد ہے۔ میں ابراہیم وغیرہ سے تذکرہ کرتا رہا لیکن میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ اس کو ہشام سے روایت کرتا ہو۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ ابن ابی سمینہ کا وہم ہے اور قابل نکیر بات یہ ہے کہ اس میں مجوسی، علی قذفۃ بحجر اور خنزیر کا ذکر ہے جو منکر ہے۔

ابوداؤد کہتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث صرف محمد بن اسماعیل سے سنی ہے خیال یہ ہے کہ ان کو وہم ہوا ہے کیونکہ وہ ہم کو اپنی یادداشت سے احادیث سناتے تھے۔ تشریح

قولہ قال ابوداؤد فی نفسی الخ (۲۱۳) یعنی مجھے اس حدیث کی بابت تردد ہے اور وجہ تردد یہ ہے کہ اس میں مجوسی، علی قذفۃ بحجر اور خنزیر کا ذکر منکر ہے جس کو ہشام سے صرف معاذ نے روایت کیا ہے اور کسی نے روایت نہیں کیا۔

قولہ قال ابوداؤد ولم اسمع الخ (۲۱۴) یعنی میں نے یہ حدیث صرف محمد بن اسمٰعیل ابن ابی سمینہ بصری سے سنی ہے اور میرا خیال ہے کہ یہ وہم انہی کا ہے، کیونکہ وہ ہم کو اپنے حافظہ سے احادیث سُنا تے تھے۔

مگر ابن ابی سمینہ کی طرف وہم کی نسبت بعید معلوم ہوتی ہے اس واسطے کہ اول تو یہ ثقہ راوی ہیں دوسرے یہ کہ اس حدیث کی تخریج امام طحاوی نے بھی کی ہے جس میں محمد بن اسمٰعیل نہیں ہے روایت کے الفاظ یہ ہیں۔ حدثنا ابن ابی داؤد قال ثنا المقدمی ثنا معاذ بن ہشام ثنا ابی عن یحیی عن عکرمۃ عن ابن عباس قال احسبہ قد اسندہ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یقطع الصلوۃ المرأۃ الحائض والکلب والحمار والیہودی والنصرانی والخنزیر یکفیک اذا کانوا منک قدر رمیۃ لم یقطعوا علیک صلوتک

(۱۵۵) حدثنا کثیر بن عُبَید یعنی المَذْحِجی ثنا ابو حَیْوَۃ عن سعید باسنادہ و معناہ زاد فقال قطع صلوتنا قطع اللہ اثرہ، قال ابوداؤد ورواہ ابو مسہر عن سعید قال فیہ ایضاً قطع صلاتنا۔

ترجمہ

کثیر بن عبید مذحجی نے بواسطہ ابوحیوہ سعید سے سنداً و متناً اسی طرح روایت کیا ہے اور اتنا زیادہ کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس نے ہماری نماز توڑی خدا اس کے پاؤں توڑ دے ابوداؤد کہتے ہیں کہ اس کو ابومسہر نے بھی سعید سے روایت کرتے ہوئے قطع صلاتنا کہا ہے۔ **تشریح**

قولہ قال ابوداؤد الخ (۲۱۵) اس میں صرف روایت کے الفاظ کا اختلاف بیان کرنا چاہتے ہیں کہ ابوحیوہ شریح بن یزید حمصی اور ابومسہر عبدالاعلی دونوں کے الفاظ یہ ہیں قطع صلاتنا اسکے برعکس وکیع کے الفاظ یہ ہیں۔ اللّٰھم اقطع اثرہ۔ وکیع کی روایت اس روایت سے پہلے گزری۔

(۱۰۱) باب من قال المرأۃ لا تقطع الصلوۃ

(۱۵۶) حدثنا مسلم بن ابراھیم ثنا شعبۃ عن سعد بن ابراھیم عن عروۃ عن عائشۃ قالت کنت بین النبی صلی اللہ علیہ وسلم وبین القبلۃ قال شعبۃ واحسبھا قالت وانا حائض، قال ابوداؤد ورواہ الزھری وعطاء وابوبکر بن حفص و ھشام بن عروۃ وعراک بن مالک وابوالاسود وتمیم بن سلمۃ کلھم عن عروۃ عن عائشۃ

وابراهيم عن الاسود عن عائشة وابو الضحى عن مسروق عن عائشة والقاسم بن محمد وابو سلمة عن عائشة لم يذكروا وانا حائض

ترجمہ

مسلم بن ابراہیم نے بتحدیث شعبہ بطریق سعد بن ابراہیم بواسطہ عروہ حضرت عائشہ کو روایت کیا ہے کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے قبلہ کے درمیان تھی شعبہ کہتے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ انہوں نے یہ بھی کہا کہ میں اس وقت حائضہ تھی۔

ابوداؤد کہتے ہیں کہ اس کو زہری، عطاء، ابوبکر بن حفص، ہشام بن عروہ، عراک بن مالک، ابوالاسود اور تمیم بن سلمہ سب نے بواسطہ عروہ، ابراہیم نے بواسطہ اسود، ابوالضحیٰ نے بواسطہ مسروق اور قاسم بن محمد و ابوسلمہ نے بلاواسطہ حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے لیکن کسی نے لفظ وانا حائض ذکر نہیں کیا۔ **تشریح**

قولہ قال ابوداؤد الخ (۲۱۴) مقصد صرف یہ ہے کہ سعد بن ابراہیم کی حدیث میں لفظ وانا حائض شاذ ہے۔ زہری، عطاء، ابوبکر بن حفص اور ہشام بن عروہ وغیرہ میں سے کسی نے بھی اس لفظ کو ذکر نہیں کیا۔

۳۳۹

(۱۰۷) باب من قال الحمار لا يقطع الصلوة

(۱۵۷) حدثنا عثمان بن ابی شیبة ثنا سفیان بن عیینة عن الزهری عن عبید الله بن عبد الله عن ابن عباس قال جئت علی حمار ح وثنا القعنبی عن مالك عن ابن شهاب عن عبید الله بن عبد الله بن عتبة عن ابن عباس انه قال اقبلت راكبا علی اتان وانا یومئذ قد ناهزت الاحتلام ورسول الله صلی الله علیه وسلم یصلی بالناس بمنی فمررت بین یدی بعض الصف فنزلت فارسلت الاتان ترتع ودخلت فی الصف فلم ینكر ذلك احد، قال ابو داؤد وهذا لفظ القعنبی وهو اتم قال مالك وانا اری ذلك واسعا اذا قامت الصلوة

حل لغات

الحمار گدھا، اقبلت اقبالا۔ آنا، متوجہ ہونا، الاتان گدھیا، ناہزت مناہزۃ۔ قریب ہونا۔ الاحتلام قریب البلوغ ہونا۔ فارسلت ارسالا چھوڑ دینا۔ ترتع رتعا۔ چرنا، آسودہ زندگی بسر کرنا۔

ترجمہ: عثمان بن ابی شیبہ نے بتحدیث سفیان بن عیینہ اور قعنبی نے بواسطہ مالک بسند زہری بروایت عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں گدھی

سوار ہو کر آیا جبکہ میں قریب البلوغ ہو چکا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ میں نماز پڑھا رہے تھے تو میں صف کے سامنے سے گذر کر گدھی پر سے اترا اور چھوڑ دیا وہ چرتی رہی اور میں صف میں شریک ہو گیا۔ کسی نے مجھ پر انکار نہیں کیا۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ یہ الفاظ قعنبی کے ہیں اور مکمل ہیں۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ نماز کھڑی ہونے کے وقت میں اسے جائز سمجھتا ہوں۔ تشریح

قولہ قال ابوداؤد الخ (۲۱۷) صاحب کتاب نے حدیث باب کی تخریج دو استادوں سے کی ہے۔ ایک عثمان بن ابی شیبہ اور ایک قعنبی سے اس کے متعلق کہتے ہیں کہ جن الفاظ کے ساتھ حدیث کی تخریج کی ہے یہ قعنبی کے ہیں۔ اور قعنبی کی حدیث عثمان بن ابی شیبہ کی حدیث کی بنسبت اتم و اکمل ہے۔

(۱۰۴) باب من قال لا یقطع الصلوٰۃ شیٔ

(۸۵) حدثنا مسدد ثنا عبد الواحد بن زیاد ثنا مجالد ثنا ابو الوداک قال مرّ شابٌ من قریش بین یدی ابی سعید الخدری وھو یصلی فدفعہ ثم عاد فدفعہ ثلاث مرات فلما انصرف قال ان الصلوٰۃ لا یقطعھا شیٌٔ ولکن قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ادرؤا ما استطعتم فانہ شیطانٌ۔ قال ابوداؤد واذا تنازع الخبران عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نظر الی ما عمل بہ اصحابہ من بعدہ

ترجمہ

مسدد نے بحدیث عبد الواحد بن زیاد بسند مجالد ابو الوداک سے روایت کیا ہے کہ ایک قریشی نوجوان نماز میں حضرت ابو سعید خدری کے سامنے سے جانے لگا آپ نے اسے روکا وہ پھر جانے لگا اسی طرح آپ نے اسے تین بار روکا۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو کہا کہ نماز کو کوئی چیز نہیں توڑتی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جہاں تک ہو سکے اس کو روکو کیونکہ وہ شیطان ہے۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث متعارض ہوں تو آپ کے بعد آپ کے صحابہ کے عمل کو دیکھا جائے گا۔ تشریح

قولہ قال ابوداؤد الخ (۲۱۸) یعنی جب مسئلہ مرور اشیاء مذکورہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث متعارض ہیں بعض میں قطع صلوٰۃ مروی ہے اور بعض میں عدم قطع صلوٰۃ تو اب صحابہ کرام کے عمل کو دیکھا جائے گا۔ چنانچہ ہم نے دیکھا کہ حضرت ابن عباس جن سے قطع صلوٰۃ مروی ہے انھیں کا فتویٰ ہے کہ گدھے، کتے اور عورت کے مرور سے نماز نہیں جاتی۔ حافظ بیہقی نے عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس سے پوچھا گیا اتقطع الصلوٰۃ المرأۃ والحمار والکلب ہے تو آپ نے فرمایا لا یقطع ہذا ولکن یکرہ۔ حضرت عائشہ سے بھی قطع صلوٰۃ مروی ہے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کے بعد آپ کا بھی فتویٰ یہی ہے کہ عورت کے مرور سے نماز نہیں جاتی۔

ابو داؤد میں حضرت عائشہ کی علاوہ روایتیں موجود ہیں جن میں مصرح ہے کہ عورت کے مرور سے نماز نہیں جاتی۔ امام زہری نے حضرت سالم سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عمر سے کہا گیا کہ عبداللہ بن عیاش بن ربیعہ مرور کلب و حمار سے قطع صلوٰۃ کے قائل ہیں آپ نے فرمایا لایقطع صلوۃ المومن شئی۔

ابن ابی شیبہ نے مصنف میں حضرت علی و حضرت عثمان سے روایت کیا ہے انہما قالا لایقطع الصلوۃ شئی فادرؤا عنکم ما استطعتم۔ امام طحاوی نے حضرت حذیفہ سے روایت کیا ہے لایقطع الصلوۃ شئی۔

حضرت ابوسعید خدری کی زیر بحث حدیث میں بھی یہی ہے ان الصلوۃ لایقطعہا شئی۔ دارقطنی اور طبرانی وغیرہ نے حضرت انس بن مالک، جابر بن عبداللہ اور حضرت ابوامامہ سے بھی یہی روایت کیا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابواب تفریع استفتاح الصلوٰۃ

(۱۰۳) باب رفع الیدین فی الصلوٰۃ۔

٣٤١ (١٥٩) حدثنا عبيد الله بن عمر بن ميسرة ثنا عبد الوارث بن سعيد ثنا محمد بن جحادة حدثني عبد الجبار بن وائل بن حجر قال كنت غلامًا لا اعقل صلوة ابي فحدثني وائل بن علقمة عن ابي وائل بن حجر قال صليت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فكان اذا كبر رفع يديه قال ثم التحف ثم اخذ شماله بيمينه وادخل يديه في ثوبه قال فاذا اراد ان يركع اخرج يديه ثم رفعهما واذا اراد ان يرفع راسه من الركوع رفع يديه ثم سجد ووضع وجهه بين كفيه واذا رفع راسه من السجود ايضًا رفع يديه حتى فرغ من صلوته قال محمد فذكرت ذلك للحسن بن ابي الحسن فقال هي صلوة رسول الله صلى الله عليه وسلم فعله من فعله وتركه من تركه۔ قال ابوداؤد روى هذا الحديث همام عن ابن جحادة لم يذكر الرفع مع الرفع من السجود

ترجمہ

عبید اللہ بن عمر بن میسرہ نے بسند عبد الوارث بن سعید بسند محمد بن جحادہ، عبد الجبار بن وائل بن حجر سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں میں بچہ تھا اپنے والد کی نماز مجھے محفوظ نہیں تھی تو مجھ سے وائل بن علقمہ نے میرے والد وائل بن حجر سے حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی۔ جب آپ نے تکبیر کہی تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور بائیں ہاتھ کو داہنے ہاتھ سے پکڑ لیا پھر دونوں ہاتھ کپڑے کے اندر کر لئے۔ جب رکوع کرنا چاہا تو دونوں ہاتھوں کو باہر نکال کر اٹھایا۔ اسی طرح جب رکوع سے سر اٹھانے لگے تو دونوں ہاتھ اٹھائے پھر سجدہ کیا اور اپنی پیشانی کو دونوں ہتھیلیوں کے درمیان رکھا اور جب سجدہ سے سر اٹھایا تب بھی دونوں ہاتھ اٹھائے یہاں تک کہ آپ نماز سے فارغ ہو گئے۔

محمد کہتے ہیں کہ میں نے حسن بن ابی الحسن سے ذکر کیا انہوں نے کہا یہ نماز ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کرنے والوں نے ایسا ہی کیا اور چھوڑنے والوں نے چھوڑ دیا۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ اسکو ہمام نے ابن جحادہ سے روایت کیا ہے اور اسمیں سجدہ سے اٹھتے وقت رفع یدین کو ذکر نہیں کیا :— تشریح

قولہ باب الخ مسئلہ رفع یدین چند مشہور و معرکۃ الآراء مسائل میں سے ایک ہے جس پر فاضل علماء کی مستقل تصانیف موجود ہیں جیسے امام بخاری کا جزء رفع الیدین، علامہ محمد بن احمد بن مسعود قونوی کا رسالہ رفع الیدین، محمد ہاشم بن عبد الغفور بن عبد الرحمن سندی کی کشف الرین عن مسئلہ رفع الیدین، شاہ اسماعیل صاحب شہید کی تنویر العینین، علامہ انور شاہ صاحب کی نیل الفرقدین اور بسط الیدین، مولوی اشفاق الرحمن کاندھلوی کی کشف العینین، مولوی سید محمد رحمت اللہ نذیری کی کحل العینین فی ترک رفع الیدین، مولوی ابوالمکارم محمد علی اعظمی کی کتاب مطلع القمرین فی تائید مسئلہ رفع الیدین، مولانا شوق نیموی صاحب کی کتاب جلاء العینین فی ترک رفع الیدین، حکیم محمد اسماعیل صاحب دہلوی کی کتاب جلاء العینین فی اثبات رفع الیدین عن رسول الثقلین، وغیرہ نیز شروح کتب حدیث فتح الباری، عمدۃ القاری، مرقاۃ، اوجز، فتح الملہم، اوجز المسالک اور بذل المجہود وغیرہ میں اسکی مفصل بحث موجود ہے، بنا بریں علیہ اس مسئلہ پر گفتگو کی چنداں ضرورت تو نہ تھی لیکن چونکہ رفع یدین اور ترک رفع یدین کا مسئلہ آج بھی اسی طرح سر اٹھائے ہوئے ہے جیسے ابتداء میں تھا اس لئے ہم بقدر ضرورت اس کی تشریح کر دینا مناسب سمجھتے ہیں۔

سمجھ لینا چاہیے کہ احادیث میں رفع یدین کا ثبوت مختلف مواقع پر ہوا ہے (۱) تکبیر تحریمہ کے وقت (۲) رکوع میں جاتے وقت (۳) رکوع سے اٹھتے وقت (۴) سجدہ میں جاتے وقت (۵) سجدہ سے اٹھتے وقت (۶) قعدۂ اولیٰ سے اٹھتے وقت (۷) ہر رفع وخفض کے وقت، تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین میں تو کسی کا اختلاف نہیں، چنانچہ علامہ نووی نے شرح مسلم میں اس پر امت کا اجماع نقل کیا

شرح مہذب میں ہے کہ تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کے استحباب پر امت کا اجماع ہے۔ ابن المنذر وغیرہ نے بھی اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ ابن حزم کے نزدیک آغاز نماز میں رفع یدین فرض ہے کہ اس کے بغیر نماز نہیں ہوگی، امام اوزاعی سے بھی یہی مروی ہے۔ قاضی حسین نے امام احمد سے، حاکم نے حمیدی و ابن خزیمہ سے، امام نووی نے قفال نے داؤد اور ابوالحسن بن سیار سے اور قرطبی نے اوائل تفسیر میں بعض مالکیہ سے اس کا وجوب نقل کیا ہے۔

حافظ ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ جن لوگوں سے وجوب منقول ہے ان کے یہاں ترک رفع یدین سے نماز باطل نہ ہوگی بجز امام اوزاعی اور حمیدی (شیخ بخاری) کے۔ دہو شذوذ وخطاء، بعض شوافع سے بھی وجوب منقول ہے۔ علامہ باجی نے بہت سے تو مالک سے اور بعض نے امام مالک سے ایک روایت عدم استحباب کی نقل کی ہے۔ لیکن شاہ صاحب نیل الفرقدین میں فرماتے ہیں کہ افتتاح صلوٰۃ کے

وقت رفع یدین جمہور علماء کے نزدیک مستحب ہے نہ کہ واجب فاسلم العبارات قول ابی عمر اجمع العلماء علی جواز رفع الیدین عند افتتاح الصلوٰۃ ۔ وقول ابن المنذر "لم یختلفوا ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کان یرفع یدیہ اذا افتتح الصلوٰۃ"۔

اور تشہد سے قیام کے وقت رفع یدین علامہ نووی نے امام شافعی کا ایک قول بتایا ہے لیکن حافظ ابن حجر کو اس سے انکار ہے ۔ نیز رفع یدین بین السجدتین کا بھی ائمہ اربعہ میں سے کوئی قائل نہیں ۔ اور باقی مقامات میں بھی رفع یدین ائمہ کے نزدیک منسوخ ہے ۔ تو اب صرف دو مقامات کا رفع باقی رہا ایک رکوع میں جاتے وقت اور ایک رکوع سے اٹھتے وقت جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا عمل مختلف منقول ہونے کی وجہ سے سلف و خلف میں اختلاف ہے۔

امام ترمذی نے ان دو جگہوں میں رفع یدین کے قائل چھ صحابی عبد اللہ بن عمرؓ، جابر بن عبد اللہؓ، ابو ہریرہ، انس بن مالک، ابن عباسؓ، ابن الزبیر اور سات تابعی حسن بصری، عطاء بن ابی رباح، طاؤس، مجاہد، نافع، سالم بن عبد اللہ، سعید بن جبیر اور ائمہ مجتہدین عبد اللہ بن المبارک، امام شافعی، امام احمد اور اسحاق بن راہویہ کو شمار کیا ہے ۔ محی السنۃ نے صحابہؓ سے حضرت ابوبکرؓ و علیؓ کو اور تابعین میں سے ابن سیرین، قتادہ، قاسم بن محمد، مکحول اور فقہاء میں سے اوزاعی اور امام مالک کو اور امام بخاری نے جزء رفع الیدین میں عمر بن عبد العزیز، نعمان بن ابی عیاش، عبد اللہ بن دینار، نافع، حسن بن مسلم اور قیس بن سعد کو بھی اسی فہرست میں شمار کیا ہے ۔

تارکین رفع یدین کے متعلق امام ترمذی نے صحابہ و تابعین کی تعیین تو نہیں کی البتہ اجمالی طور پر فرمایا ہے کہ بہت سے صحابہ و تابعین، سفیان ثوری اور اہل کوفہ کی رائے یہی ہے ۔ معلوم ہوا کہ صحابہ اور تابعین کی زیادہ تعداد عدم رفع پر ہے ۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق، عمر، علی، عبد اللہ بن مسعود، ابو ہریرہ، ابن عمر، براء بن عازب، کعب بن عجرہ، جابر بن سمرہ اور ابو سعید خدری سے اصح یہی ہے کہ رفع یدین نہیں کرتے تھے ۔ حافظ ابوبکر بن ابی شیبہ کہتے ہیں کہ جن لوگوں سے نفی رفع یدین مروی ہے وہ یہ ہیں ۔ اصحاب علی، اصحاب ابن مسعود، ابراہیم نخعی، خیثمہ بن ابی سبرہ، قیس، ابن ابی لیلیٰ، مجاہد، اسود، شعبی، ابو اسحاق، نیز علقمہ، وکیع، شعبی، حسن بن صالح بن حیی، جمہور اہل کوفہ، اکثر اہل مدینہ، عاصم بن کلیب، امام ابو حنیفہ، اصحاب ابی حنیفہ اور امام مالک کا مذہب بھی یہی ہے ۔

علامہ عینی شرح بخاری میں فرماتے ہیں کہ امام مالک سے ابن القاسم کی روایت ترک رفع یدین ہے ۔ اور یہی آپ کے اصحاب کے یہاں معمول بہا ہے ۔ امام نووی نے بھی امام مالک سے اسی کو اشہر الروایات کہا ہے ۔

ہم پہلے وہ روایات نقل کرتے ہیں جن سے متنازع فیہ رفع یدین کا ثبوت ملتا ہے ۔ سو جاننا چاہئے کہ بعض علماء نے تو رفع یدین کی روایات کو مجملاً ذکر کیا ہے بلکہ علامہ سیوطی تو ازہار متناثرہ میں تواتر کے قائل ہوگئے ہیں ۔ شاہ صاحب نے بھی نیل الفرقدین فی احادیث الرفع میں یہی ذکر کیا ہے کہ رفع یدین اسناد و عمل ہر دو اعتبار سے متواتر ہے جس میں کوئی شک نہیں ۔ علامہ مجد الدین فیروز آبادی نے سفر السعادۃ میں لکھا ہے کہ اس سلسلہ میں چار سو احادیث و آثار ثابت ہیں ۔

امام بخاری نے حسن اور حمید بن ہلال سے نقل کیا ہے کہ صحابہ رفع یدین کرتے تھے اور کسی کا استثناء نہیں کیا۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں شیخ ابو الفضل کا قول نقل کیا ہے کہ میں نے رفع یدین کا تتبع کیا تو مجھے پچاس صحابہ سے روایات ملیں۔ یہ اقوال تو صرف مجمل ہیں بعض حضرات نے رفع یدین کی روایت کو تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ چنانچہ امام ترمذی نے پندرہ صحابہ سے، امام بخاری نے سترہ سے اور قاضی شوکانی وحافظ بیہقی نے پچیس صحابہ سے روایت لی ہے جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) حدیث ابن عمرؓ قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قام فی الصلوٰۃ رفع یدیہ حتی تکونا حذو منکبیہ وکان یفعل ذلک حین یکبر للرکوع ویفعل ذلک اذا رفع راسہ من الرکوع ویقول سمع اللہ لمن حمدہ ولا یفعل ذلک فی السجود (صحیحین، ابو داؤد، بیہقی)

ابن عمرؓ کی یہ حدیث بطریق سالم وبطریق نافع دونوں طریق سے مروی ہے اور بخاری نے دونوں طریق کی تخریج کی ہے۔ سالم کے طریق پر اس روایت میں رفع یدین کا تین اوقات میں ذکر کیا ہے تکبیر تحریمہ کے وقت۔ رکوع میں جاتے وقت، رکوع سے اٹھتے وقت۔

جواب یہ ہے کہ اول تو یہ حدیث مرفوع نہیں موقوف ہے کیونکہ یہ ان چار احادیث میں سے ایک ہے جن کو سالم نے عن ابن عمر عن النبی مرفوع روایت کیا ہے اور نافع نے ان کو موقوف روایت کیا ہے۔ دوسری حدیث "من باع عبدا ولہ مال" ہے اور تیسری حدیث "الناس کابل مائۃ" اور چوتھی حدیث "فیما سقت السماء والعیون العشر" ہے۔ امام ابو داؤد نے "عن عبد الاعلیٰ بن عبد الاعلیٰ ثنا عبید اللہ بن عمر عن نافع عن ابن عمرؓ" کی تخریج کے بعد کہا ہے۔ "والصحیح انہ من قول ابن عمر ولیس بمرفوع"

شیخ نے الامام میں اسماعیلی کا قول نقل کیا ہے کہ "ہکذا یقولہ عبد الاعلیٰ واومأ الی انہ اخطأ فی رفعہ وقال خالفہ ابن ادریس وعبد الوہاب والمعتمر عن عبید اللہ عن نافع فذکرہ من فعل ابن عمرؓ"

دوسرے یہ کہ بقول علامہ ترکمانی اس حدیث سے ثبوت رفع یدین کا استدلال اس لئے غلط ہے کہ یہ حدیث بجمیع اجزائہ خود شوافع کے نزدیک بھی صحیح نہیں کیونکہ اس میں بطریق نافع قعدہ اولی سے اٹھتے وقت بھی رفع یدین کی تصریح ہے اور اس زیادت کی صحت کے امام بخاری جزء رفع یدین میں اور حافظ ابن حجر فتح الباری میں قائل ہیں۔ حالانکہ امام شافعی قعدہ اولی سے اٹھتے وقت رفع یدین کے قائل نہیں۔ ابن بطال کہتے ہیں کہ جو رفع کا قائل ہے اس کو اس زیادتی پر عمل کرنا واجب ہے۔ خطابی کہتے ہیں کہ امام شافعی اس وقت میں رفع کے قائل نہیں حالانکہ ان کو اپنے قاعدے پر قائل ہونا ضروری تھا۔ ابن خزیمہ کہتے ہیں کہ یہ رفع یدین سنت ہے حالانکہ امام شافعی سے ثابت نہیں۔

یہ سب اقوال حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں نقل کئے ہیں۔ پس ثبوت صحت زیادت کے بعد الزام میں فریقین شریک ہیں فما ہو جوابکم فہو جوابنا۔ نیز حضرت ابن عمرؓ سے طبرانی کی روایت میں ایک پانچواں وقت بھی مذکور ہے یعنی سجدے میں جاتے وقت اور جھکتے وقت جس کے الفاظ یہ ہیں: "وعند التکبیر حین یہوی ساجدا"۔

اس روایت کو مجمع الزوائد میں ہیثمی نے صحیح بھی کہا ہے اور اس کو سب مجتہدین منسوخ مانتے ہیں، حالانکہ نسخ کی کوئی صریح دلیل موجود نہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس کی ناسخ خود حضرت ابن عمرؓ سے بخاری کی معا

جس کو ہم نے نقل کیا ہے کہ اس میں "ولا یفعل ذلک فی السجود" موجود ہے تو یہ اس لئے بے سود ہے کہ اس سے مقصود رفع یدین بین السجدتین ہے۔ چنانچہ فی السجود کا لفظ ایک روایت میں اشارۃً اور لا یرفعہما بین السجدتین کے الفاظ دوسری روایت میں صراحۃً اسی پر دال ہیں۔ اس کے علاوہ دوسری روایات سے بھی رفع یدین بین السجدتین ثابت ہے۔ چنانچہ حضرت انس بن مالک کی روایت جس کو بخاری نے جزء رفع یدین میں بسند صحیح نقل کیا ہے اور وائل بن حجر سے دارقطنی کی روایت میں اور مالک بن الحویرث سے نسائی کی روایت میں رفع یدین للسجدتین موجود ہے اور یہ سب روایات درجۂ صحت کو پہنچی ہوئی ہیں تو لامحالہ یہ کہنا پڑے گا کہ رفع یدین بین السجدتین کی نفی نبوی سے نفی ہے اور جن روایات سے ثبوت ہے ان سے رفع یدین للسجدتین کا ثبوت ہے۔ پس جب رفع یدین للسجدتین کا ثبوت ہو گیا اور نفی کا یہ محل نہیں رہا تو اس کے نسخ کی کوئی دلیل نہیں رہی بجز ان دلائل کے جن سے حنفیہ متنازع فیہ رفع یدین کے نسخ کے قائل ہیں - - - - - - اور رفع یدین للسجدتین کے اکثر بلکہ جمہور علماء قائل ہیں لامحالہ انہیں متنازع فیہ رفع یدین کے نسخ کا بھی قائل ہونا پڑے گا جبکہ خود حضرت ابن عمر سے عدم رفع بھی منقول ہے۔ چنانچہ مجاہد جو کبار اصحاب ابن عمر سے ہیں فرماتے ہیں کہ میں نے عبد اللہ بن عمر کے پیچھے نماز پڑھی آپ تکبیر اولیٰ کے علاوہ رفع یدین نہیں کرتے تھے (رواہ الطحاوی وابو بکر بن ابی شیبہ والبیہقی فی المعرفۃ عن ابی بکر بن عیاش عن حصین عن مجاہد بسند صحیح) اور یہی مضمون عبد العزیز بن حکیم نے بیان کیا ہے (رواہ محمد فی الموطا) معلوم ہوا کہ حضرت ابن عمر نے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے رفع یدین کا فعل دیکھا تھا آپ کے نزدیک اس کا نسخ ثابت ہو چکا تھا۔ سوال حضرت طاؤس، ربیع، لیث، سالم، نافع، ابو الزبیر اور محارب بن دثار وغیرہ نے مجاہد کے خلاف روایت کیا ہے۔ جواب ان کی روایات ظہور نسخ سے قبل کی ہیں۔

۳۴۵

سوال۔ حاکم نے ذکر کیا ہے کہ ابوبکر بن عیاش حفاظ متقنین میں سے ہیں لیکن آخر میں ان کا حافظہ خراب ہو گیا تھا اور یہ احادیث میں اختلاط کرنے لگے تھے تو اس جیسی ضعیف روایت کے ذریعہ سے حدیث ابن عمر کے نسخ کا دعویٰ کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔

جواب ابوبکر بن عیاش ثقہ راوی ہیں۔ امام بخاری نے ان سے صحیح میں احتجاج کیا ہے۔ امام مسلم اور اصحاب سنن اربعہ نے ان سے تخریج کی ہے۔ سفیان ثوری، ابن المبارک، ابن مہدی سب نے ان کی تعریف کی ہے۔ حافظ ذہبی نے میزان میں ان کو صالح الحدیث کہا ہے۔ امام احمد نے صدوق اور یحییٰ بن معین نے ثقہ کہا ہے۔ حافظ ابن حجر تقریب میں فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ اور عابد ہیں مگر سن رسیدہ ہونے کے باعث ان کا حافظہ خراب ہو گیا تھا لیکن ان کی کتاب بالکل صحیح ہے۔ نیز موصوف نے فتح الباری میں ابن عدی کا قول نقل کیا ہے کہ ان سے ثقہ راویوں کی روایات میں میں نے ان کی کوئی حدیث منکر نہیں پائی۔

بہر حال ان کے ثقہ ہونے میں تو کوئی اشکال نہیں رہا تغیر حفظ سو اصول میں یہ بات طے شدہ ہے کہ اگر ثقہ راوی کا حافظہ متغیر ہو جائے تو جو لوگ تغیر حفظ سے قبل روایت کرتے ہیں ان کی روایات صحیح ہوتی ہیں اور زیر بحث اثر تغیر حفظ سے قبل کا ہے۔ کیونکہ احمد بن یونس کہ جو ان کے قدیم اصحاب میں سے

ہیں چنانچہ اس طریق سے امام بخاری نے کتاب التفسیر میں ان سے احتجاج کیا ہے فلینظر لا یضرہ تغیرہ بآخرہ۔ سوال امام بخاری نے جزء رفع الیدین میں یحیی بن معین سے نقل کیا ہے کہ حدیث ابی بکر بن عیاش عن حصین وہم محض ہے جس کی کوئی اصل نہیں۔

جواب یہ دعوی محض ہے جس پر کوئی دلیل نہیں۔ سوال شیخ نے الامام میں کہا ہے کہ دعوی نسخ حافظ بیہقی کی روایت سے باطل ہو جاتا ہے جس کو بیہقی نے بایں سند روایت کیا ہے۔ حسن بن عبداللہ بن حمدان الرقی ثنا عصمۃ بن محمد الانصاری ثنا موسی بن عقبہ عن نافع عن ابن عمران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا افتتح الصلوۃ رفع یدیہ واذا رکع واذا رفع راسہ من الرکوع وکان لا یفعل ذلک فی السجود فما زالت تلک صلوتہ حتی لقی اللہ تعالی ورواہ عن ابی عبداللہ الحافظ عن جعفر بن محمد بن نصر عن عبدالرحمن بن قریش بن خزیمہ الہروی ثنا عبداللہ بن احمد الدمجی عن الحسن ہو۔

جواب اس کی سند میں کئی آدمی وضاع وکذاب ہیں چنانچہ عصمہ بن محمد انصاری کے متعلق ابراہیم بن عبداللہ بن جنید نے یحیی بن معین سے اپنا سماع نقل کیا ہے کہ عصمۃ بن محمد انصاری امام مسجد انصار نہایت کذاب اور جھوٹی احادیث روایت کرتا تھا۔ محمد بن سعید کہتے ہیں کہ یہ امام مسلم کے نزدیک ضعیف الحدیث ہے۔ دارقطنی نے اس کو متروک اور ابو حاتم نے لیس بالقوی کہا ہے۔ عقیلی کہتے ہیں یحدث بالاباطیل عن الثقات۔ اسی طرح عبدالرحمن بن قریش بن خزیمہ کے متعلق ذہبی نے میزان میں ذکر کیا ہے کہ سلیمانی نے اس کو متہم بوضع الحدیث کہا ہے۔ خطیب اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں فی حدیثہ غرائب وافراد پھر حدیث ابن عمر سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو رفع یدین کرتے دیکھا ہے جس کا کوئی منکر نہیں۔ نیز امام مالک نے موطا میں روایت ابن عمر کی تخریج کی ہے اس کے باوجود مالکیہ کا مذہب عدم رفع کا ہے چنانچہ مدونہ جلد اول میں صاف موجود ہے۔ "قال مالک لا اعرف رفع الیدین فی شیء من تکبیر الصلوۃ لا فی رفع ولا فی خفض الا فی افتتاح الصلوۃ۔ قال ابن القاسم وکان رفع الیدین عند مالک ضعیفا۔"

پس قابل غور امر یہ ہے کہ امام مالک تابعین کے دیکھنے والے، مدینہ کے بڑے سنن نبوی کی جستجو رکھنے والے اور ابن عمر کی حدیث کو روایت کرنے والے رفع یدین کو ضعیف فرما رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ رفع یدین ابتداء میں تھا اور کسی خاص وجہ سے تھا بعد میں منسوخ ہو گیا۔

بہرکیف روایت ابن عمر کی تخریج گو ایک جماعت نے کی ہے اور ثبوت بھی صحیح ہے لیکن امور ذیل عارض ہونے کی وجہ سے حیثیت تغیرہ آ گئی ہے۔ (۱) خود روایت ابن عمر کا مواضع رفع یدین میں مختلف ہونا (۲) ابن عمر سے مرفوعا عدم رفع یدین کی روایت کا موجود ہونا (۳) ابن عمر سے موقوفا ترک رفع منقول ہونا (۴) مجاہد اور عبدالعزیز کا ابن عمر سے ترک رفع روایت کرنا (۵) امام مالک راوی حدیث ابن عمر کا رفع یدین کو ضعیف کہنا۔

رہی یہ بات کہ امام مالک کا صحیح مذہب روایت موطا پر ہے یا مدونہ پر سو حافظ ابن حجر نے تعجیل المنفعۃ میں کہا ہے کہ مالکیہ کے نزدیک قابل اعتماد ابن القاسم کی روایت ہے خواہ موطا کے موافق ہو یا نہ ہو اور ابن القاسم کی روایت وہ ہے جو ہم نے نقل کی۔

(۲) حدیث مالک بن الحویرث: اذا صلی کبر و رفع یدیہ واذا اراد ان یرکع رفع یدیہ واذا رفع راسہ من الرکوع رفع یدیہ وحدث ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صنع ہکذا (شیخین ابوداؤد بیہقی)

اس حدیث میں رکوع میں جانے وقت اور اس سے اٹھتے وقت رفع یدین مصرح ہے۔ جواب یہ ہے کہ حدیث کے الفاظ "حدث ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صنع ہکذا" تجدد و حدوث پر دلالت کی وجہ سے صرف وقوع واقعہ پر دال ہیں نہ کہ دوام پر اور وقوع رفع یدین سے احناف کو بھی انکار نہیں انکار تو صرف دوام رفع کا ہے اور وہ ثابت نہیں ہوتا کیونکہ خود حضرت مالک بن حویرث ملازم صحبت نہیں رہ تو صرف بیس روز حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہے ہیں جیسا کہ حافظ ابن حجر نے الاصابہ میں بیان کیا ہے۔ اور ان سے قل من روایتیں منقول ہیں پس جب ان کو دوام صحبت میسر نہیں تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی حالت کی نسبت دوام یا عدم دوام کا حکم کیسے لگا سکتے ہیں۔

علاوہ ازیں امام نسائی نے جو ان کی حدیث بطریق سعید بن ابی عروبہ عن قتادہ روایت کی ہے اس میں عند السجود اور بین السجدتین بھی رفع یدین مذکور ہے اور اس کو حافظ نے اصح بھی کہا ہے اس کے باوجود سب نے اس کو ترک کیا ہے۔ اگر علت ترک نہی نہ لا یرفع ذلک بین السجدتین قرار دی جائے تب بھی صحت کے بعد سقوط جائز نہیں بلکہ اس کا یہ محل ممکن ہے کہ رفع یدین للسجدتین کو مسنون کہا جائے اور بین السجدتین کو ممنوع۔

(۳) حدیث ابو حمید الساعدی: قال کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اذا قام الی الصلوٰۃ رفع یدیہ حتی یحاذی بہما منکبیہ الخ (بخاری فی الجزء، ابوداؤد، ترمذی، طحاوی، بیہقی)

اس حدیث میں تصریح ہے کہ حضرت ابو حمید ساعدی نے دس صحابہ کے مجمع میں رفع یدین کرکے دکھایا اور صحابہ نے آپ کی تصدیق کی۔

جواب یہ ہے کہ امام بخاری نے جو اس روایت کی تخریج کی ہے اس میں تو متنازع فیہ رفع یدین مذکور ہی نہیں البتہ ابوداؤد اور بیہقی وغیرہ کی روایت میں اس کا ذکر ہے جس میں چند وجوہ سے کلام ہے۔

اول یہ کہ اس کی سند میں اضطراب ہے۔ بخاری کی روایت میں محمد بن عمرو بن عطاء اور ابو حمید کے درمیان کوئی واسطہ مذکور نہیں۔ اور امام طحاوی نے ایک دوسرے طریقہ پر محمد بن عمرو اور ابو حمید ساعدی کے درمیان ایک رجل مجہول کا واسطہ ثابت کیا ہی معلوم ہوا کہ حدیث متصل الاسناد نہیں۔ ابن القطان اور ابن دقیق العید نے اس کی تصریح کی ہے۔

واسطہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ محمد بن عمرو نے جن دس صحابہ کے مجمع میں ابو حمید کا قول بنایا ہے ان میں حضرت ابو قتادہ بھی ہیں[عہ] اور حضرت ابو حمید و ابو قتادہ سے محمد بن عمرو کے سماع میں کلام ہے

عہ لان ابا قتادۃ مات فی خلافۃ علی وصلی علیہ علی۔ روی الطحاوی فی شرح الآثار و ابن ابی شیبۃ

نیز ابوداؤد وغیرہ نے اس حدیث کی تخریج عباس بن سہل ساعدی کے واسطہ سے کی ہے اور بیہقی نے ابوحمید و محمد بن عمرو کے درمیان عن عیاش او عباس بن سہل کہا ہے۔ پھر محمد بن عمرو کی اس حدیث کو ابوحمید ساعدی سے روایت کرنے والا عبدالحمید بن جعفر ہے جس کو فن جرح و تعدیل کے امام یحییٰ بن سعید قطان نے مطعون قرار دیا ہے۔

دوم یہ کہ اس کے متن میں اضطراب ہے کیونکہ عبدالحمید کی روایت میں جلسہ ثانیہ میں تورک مذکور ہے اور بیہقی کی روایت عن عباس بن سہل میں اس کے خلاف ہے "وتفکبا۔ حتی فرغ ثم جلس فافترش رجلہ الیسری واقبل بصدرہ الیمنی علی قبلتہ" اس پر مزید گفتگو قول ۲۳ کے ذیل میں آ رہی ہے۔

سوم یہ کہ عبدالحمید کی روایت میں قعدہ اولیٰ سے قیام کے وقت بھی رفع یدین مذکور ہے جو شوافع پر حجت ہے۔ چہارم یہ کہ اس حدیث میں صحابہ کا یہ فرمانا "فلم واللہ ما کنت باکثرنا لہ تبعۃ ولا اقدمنا لہ صحبۃ" دیکھیے؟ جبکہ تم نہ ہم سے زیادہ تابع ہو اور نہ صحبت میں آگے ہو، اس امر کی واضح دلیل ہے کہ ابوحمید ملازم صحبت نہیں۔ معلوم ہوا کہ آپ صرف ایک آدھ مرتبہ کا دیکھا ہوا واقعہ نقل کر رہے ہیں جس سے دوام ثابت نہیں ہوتا اور محل بحث دوام ہی ہے نہ کہ نفس ثبوت رفع یدین۔ پنجم یہ کہ اس روایت میں دیگر صحابہ کی تصدیق ثابت نہیں صرف ابوعاصم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں "فقالوا جمیعا صدقت" اب اگر ان الفاظ کو صحیح بھی مان لیں تب بھی تصدیق واقعہ ہوگی نہ لزوم علی الواقعات۔ ششم یہ کہ حافظ ابن حجر نے

صہ فی الجنائز والبیہقی، فی سننہ والخطیب فی تاریخہ کلہم من حدیث مسدد قال حدثنا موسی بن عبداللہ ان علیا صلی علی ابی قتادۃ فکبر علیہ سبعا قلت رجالہ ثقات، قال فی الجوہر قال ابوعمر فی الاستیعاب روی من وجوہ عن موسی بن عبداللہ بن یزید الانصاری وعن ابیہ انہما قالا صلی علی علی ابی قتادۃ فکبر علیہ سبعا و کذا قال الہیثم بن عدی و قال ابن عبدالبر ہو الصحیح، وفی الکمال وقیل توفی بالکوفۃ سنۃ ثمان وثلثین و بہذا قال ابن حزم ولعلہ وہم فیہ یعنی عبدالحمید، و قال ابن سعد فی طبقاتہ کان قد نزل الکوفۃ ومات بہا و علی بہا وصلی ہو علیہ۔ وکان قتل علی سنۃ اربعین وان محمد بن عمرو بن عطاء مات بعد سنۃ عشرین ومائۃ و ذیف وثمانون سنۃ، فعلی ہذا لم یدرک ابا قتادۃ، قال البیہقی ود انفق الحافظ والحم ابنہ ان ابا قتادۃ اختلف فی وقت موتہ فقیل مات سنۃ اربع وخمسین وعلی ہذا فلقاء محمد لہ ممکن، وقال محمد بن عمر الواقدی حدثنی یحیی بن عبداللہ بن ابی قتادۃ ان ابا قتادۃ توفی بالمدینۃ سنۃ اربع وخمسین۔ قلت وقد رجع الحافظ الی الاول فی التلخیص من الجنائز قال وعندای عن علی انہ صلی علی ابی قتادۃ فکبر علیہ سبعا رواہ البیہقی وقال انہ غلط لان ابا قتادۃ عاش بعد ذلک قلت وہذہ علۃ غیر قادحۃ لانہ قد قیل ان ابا قتادۃ مات فی خلافۃ علی وہذا ہو الراجح انتہی ما قال الحافظ ۱۲ نیل الفرقدین وتعلیق نصب الرایۃ۔

ان اصحاب کے اسماء تحریر فرماتے ہیں مثلاً ابو العباس سہل بن سعد، ابو اسید ساعدی، محمد بن مسلمہ وغیرہ روایۃ ابن ماجۃ من حدیث عباس بن سہل بن سعد واخرجہا احمد وغیرہ ایضاً اور ابو داؤد وغیرہ کی ایک روایت میں محمد بن مسلمہ کے بجائے ابو ہریرہ ہیں اور ابو داؤد و ترمذی و ابن خزیمہ کی ایک روایت میں ابو قتادہ ہیں مگر حضرت ابو حمید کہتے تھے دس میں جیسا کہ الفاظ فی عشرۃ منہم ظاہر ہے تو باقی پانچ اصحاب کی اور ابو حمید کے علاوہ مجہول جیسا کہ بخاری کی روایت کے الفاظ فی نفر سے معلوم ہوتا ہے تو باقی چھ اصحاب کی تعیین نہیں ہے۔

(۴) حدیث عمر عن الحکم بن عتیبۃ قال رأیت طاؤساً کبر فرفع یدیہ حذو منکبیہ عند التکبیر وعند رفع رأسہ من الرکوع فسألت رجلاً من اصحابہ فقال انہ یحدث عن ابن عمر عن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم (بیہقی)۔ جواب یہ ہے کہ اس روایت میں طاؤس کے اصحاب میں سے جس سے سوال ہوا ہے وہ مجہول ہے۔ لہذا یہ قابل احتجاج نہیں۔

نیز اس روایت کے مسند عمر ہونے میں علماء کو کلام ہے۔ چنانچہ بیہقی نے خلافیات میں صرف ابن عمر سے روایت کی ہے اور الامام میں حضرت عمر سے روایت ہونے کو آدم عسقلانی اور عمار بن عبد الجبار مروزی کا وہم اور ابن عمر سے محفوظ کہا ہے۔

علل خلال میں احمد بن اثرم سے منقول ہے کہ میں نے ابو عبد اللہ (احمد بن حنبل) سے اس حدیث کے متعلق دریافت کیا آپ نے فرمایا: اس کو شعبہ سے کون روایت کرتا ہے؟ میں نے کہا: آدم عسقلانی۔ آپ نے فرمایا: لیس بذا الشیئ انما ہو عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ نیز بیہقی کی خلافیات میں ہے ورواہ محمد بن جعفر غندر عن شعبۃ ولم یذکر فی اسنادہ عمر اھ۔

دارقطنی کہتے ہیں کہ ہکذا رواہ آدم بن ابی ایاس وعمار بن عبد الجبار المروزی عن شعبۃ ووہما فیہ والمحفوظ عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ علاوہ ازیں اس کے معارض حضرت عمر سے بسند صحیح تکبیر تحریمہ کے علاوہ میں عدم رفع ثابت ہے چنانچہ ابو بکر بن ابی شیبہ اور امام طحاوی نے ...... حضرت اسود سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت عمر کو اول تکبیر میں رفع یدین کرتے دیکھا اس کے بعد آپ رفع یدین کا اعادہ نہیں کرتے تھے۔

امام طحاوی اس کی تخریج کے بعد فرماتے ہیں کہ حدیث صحیح ہے اور یہ گو حسن بن عیاش پر دائر ہے مگر حسن بن عیاش حسب تصریح یحییٰ بن معین ثقہ اور حجت ہے۔

(۵) حدیث ابو بکر صدیق: انہ کان یرفع یدیہ اذا افتتح الصلوۃ واذا رکع واذا رفع رأسہ من الرکوع وقال صلیت خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فذکر مثلہ (بیہقی فی سننہ والدارقطنی فی غرائب مالک)

مــ وہو مذہب علقمۃ والاسود ابن اخی علقمۃ واسن منہ وکذا عبد الرحمن بن یزید ابن اخیہ واسن منہ واذا کان مذہبہما کذلک کما فی الاتحاف فقد رأیا عمر لا یرفع ولا یرد فقد صحب الاسود عمر سنتین کما فی آثار محمد وترکا التطبیق بقولہ کما فی الکبیر ص۱۲ ولم یترکا ترک الرفع وہذا کما یستدل فی النسخ بالقرائن یعتمد علیہ قد سبیلہ المحدثون وذہب الیہ المصنف وبہذہ القرائن یقول الطحاوی ثبت ذلک من عمر وصح عن علی وائل

اس حدیث کی تخریج حافظ بیہقی نے سنن میں کی ہے اور یہ کہا ہے کہ اس کے تمام رواۃ ثقہ ہیں، علامہ ہمانی جوہر نقی میں فرماتے ہیں کہ ابو اسمٰعیل محمد بن اسماعیل سلمی کے متعلق کلام ہے کیونکہ دار قطنی نیز ابن ابی حاتم سے اس کا متکلم فیہ ہونا نقل کیا ہے۔ اور محمد بن الفضل آخر عمر میں مختلط ہو گئے تھے۔ چنانچہ ابن حبان فرماتے ہیں کہ ان کا حافظہ اتنا خراب ہو گیا تھا کہ ان کی احادیث میں بہت سی منکر روایات خلط ہو گئی تھیں پس ان کی آخری عمر کی احادیث روایت کرنا جائز نہیں۔ اور یہ معلوم نہیں کہ روایت مذکورہ اختلاط سے قبل کی ہے یا بعد کی، اس لیے ترک ضروری ہے۔

نیز ابو اسمٰعیل قدیم تلامذہ میں سے نہیں ہیں اسی لئے اصحاب صحاح نے صحاح ستہ میں محمد ابن الفضل سے ابو اسماعیل کی روایات نہیں لیں۔ یہی وجہ ہے کہ حافظ بیہقی نے صرف رواۃ کی توثیق کی ہے۔ حدیث کی تصحیح نہیں کی اور واقعہ بھی یہی ہے کہ حدیث قابل تصحیح نہیں اس واسطے کہ الصفار راوی استاذ حاکم اس روایت میں متفرد ہیں کسی نے ان کی متابعت نہیں کی نیز حدیث کا متصل ہونا ضروری ہے اور صفار نے سلمی سے تحدیث کی تصریح نہیں کی۔

پھر حضرت ابو بکر صدیق سے بروایت دار قطنی عدم رفع ہی ثابت ہے چنانچہ عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر و عمر کے پیچھے نماز پڑھی تو کسی نے تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع یدین نہیں کیا۔ اس میں محمد بن جابر گو متکلم فیہ ہے لیکن جیسے حضرت ابو بکر صدیق سے ثبوت رفع یدین کی روایت ضعیف ہے ایسے ہی عدم رفع کی ہے۔ بلکہ عدم رفع کی حدیث اس سے قوی ہے کیونکہ حافظ ابن عدی نے ذکر کیا ہے کہ اسحٰق بن ابی اسرائیل، محمد بن جابر کو افضل و اوثق شیوخ کی ایک جماعت پر فوقیت دیتے تھے۔ نیز ان سے ایوب، ابن عون، ہشام بن حسان، سفیانین اور شعبہ وغیرہ کبار محدثین نے روایت کی ہے۔ اگر اس درجہ کے نہ ہوتے تو یہ حضرات ان سے روایت نہ کرتے اسی لیے شیخ فلاس نے ان کو صدوق کہا ہے اور ابن حبان نے ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔

(۶) حدیث علی: عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان اذا قام الی الصلوٰۃ المکتوبۃ کبر ورفع یدیہ حذو منکبیہ ویصنع مثل ذلک اذا قضی قرأتہ واراد ان یرکع ویصنعہ اذا فرغ ورفع من الرکوع ولا یرفع یدیہ فی شیٔ من صلوٰتہ وھو قاعد واذا قام من السجدتین رفع یدیہ کذلک وکبر۔
(بخاری فی الجزء، ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ، طحاوی، بیہقی)

اس کے متعلق امام طحاوی فرماتے ہیں کہ معلوم نہیں کہ عبد الرحمٰن بن ابی الزناد کے علاوہ کسی نے اس کو روایت کیا ہو۔ اور عبد الرحمٰن بن ابی الزناد کو امام احمد نے مضطرب الحدیث کہا ہے۔ ابو حاتم فرماتے ہیں کہ یہ قابل احتجاج نہیں۔ عمرو بن علی کہتے ہیں کہ ابن مہدی نے اس کو ترک کر دیا ہے۔

پھر حافظ بیہقی نے باب افتتاح الصلوٰۃ میں حضرت علی کی جو روایت ابن جریج سے لی ہے اس میں متنازع فیہ رفع یدین کا ذکر ہی نہیں اور ابن ابی الزناد کی بہ نسبت ابن جریج ثقہ ہیں بلکہ دونوں میں کوئی نسبت ہی نہیں۔ نیز صحیح مسلم میں بھی بروایت یوسف بن الماجشون عن الاعرج رفع یدین

کا ذکر نہیں (دیوراجح من حیث الروایۃ) اسی طرح جامع ترمذی کی کتاب الدعوات میں حضرت علی کی حدیث میں بروایت ابن ابی الزناد رفع یدین ہے اور بروایت ابن ماجشون رفع یدین کا ثبوت علاوہ ازیں ابن ابی شیبہ، بیہقی اور امام طحاوی نے عاصم بن کلیب سے روایت کیا ہے کہ حضرت علی تکبیر افتتاح کے علاوہ رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ ابوبکر بن ابی شیبہ کی روایت با ایں سند مروی ہے۔ قال حدثنا وکیع عن ابی بکر بن عبد اللہ بن قطاف النہشلی عن عاصم بن کلیب عن ابیہ ان علیاً کان یرفع یدیہ اذا افتتح الصلوۃ ثم لا یعود۔ اس کے متعلق حافظ ابن حجر درایہ میں کہتے ہیں رجالہ ثقات زیلعی فرماتے ہیں ہو اثر صحیح۔ علامہ عینی عمدۃ القاری میں لکھتے ہیں اسناد حدیث عاصم بن کلیب صحیح علی شرط مسلم۔ تو کیا حضرت علی کو ملازم صحبت ہونے کے باوجود رفع یدین کا علم نہیں تھا؟

عـہ وفی کتاب الامام ان ابراہیم عد علیاً من التارکین فہو ثابت عنہ۔ وفی السنن ما یفید ان حدیث علی قد شاع عن عاصم ولیس النہشلی بمدارہ۔ قال البخاری فی کتاب فی رفع الیدین وروی ابوبکر النہشلی عن عاصم بن کلیب عن ابیہ ان علیاً رفع یدیہ فی اول التکبیر ثم لم یعد۔ وحدیث عبید اللہ اصح ای ابن ابی رافع انتہی فجعلہ دون حدیث عبید اللہ بن ابی رافع فی الصحۃ وحدیث ابن ابی رافع نحو الترمذی وغیرہ ۱۲ حاشیہ نیل الفرقدین۔

عـہ فان قلت اخرجہ البیہقی من طریق عثمان بن سعید الدارمی ثم قال قال الدارمی فہذا قد روی من ہذا الطریق الواہی عن علی وقد روی عبد الرحمن بن ہرمز الاعرج عن عبید اللہ بن ابی رافع عن علی انہ رای النبی صلی اللہ علیہ وسلم یرفعہما عند الرکوع وبعد ما یرفع راسہ من الرکوع فلیس الظن بعلی انہ یختار فعلہ علی فعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولکن لیس ابوبکر النہشلی ممن یحتج بروایتہ او تثبت بہ سنۃ لم یات بہا غیرہ انتہی قلت قال العلامۃ ابن الترکمانی فی الجوہر النقی کیف یکون ہذا الطریق واہیا ورجالہ ثقات فقد رواہ عن النہشلی جماعۃ من الثقات ابن مہدی واحمد بن یونس وغیرہما واخرجہ ابن ابی شیبۃ فی المصنف عن وکیع عن النہشلی والنہشلی اخرج لہ مسلم والترمذی والنسائی وغیرہم ووثقہ ابن حنبل وابن معین وقال ابو حاتم شیخ صالح یکتب حدیثہ ذکرہ ابن ابی حاتم۔ قال الذہبی فی کتابہ رجل صالح تکلم فیہ ابن حبان بلا وجہ ثم قال وقولہ فلیس الظن بعلی الخ یحتمل ان یعکس ویجعل فعلہ بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم دلیلاً علی نسخ ما تقدم اذ لا یظن بہ انہ یخالف فعلہ علیہ السلام الا بعد ثبوت نسخہ عندہ انتہی کلامہ۔ وقال الشیخ العلامۃ ابن دقیق العید المالکی الشافعی فی کتاب الامام وما قالہ الدارمی ضعیف فانہ جعل روایۃ الرفع مع حسن الظن بعلی فی ترک المخالفۃ دلیلاً علی ضعف ہذہ الروایۃ وخصمہ یعکس الامر ویجعل فعل علی بعد الرسول صلی اللہ علیہ وسلم دلیلاً علی نسخ ما تقدم انتہی ۱۲ نیل الفرقدین۔

سـہ وفی اہل الکوفۃ اقام علی وہم العارفون بحالہ ولم یروا عنہ غیر الترک وکذا ابن مسعود وکذا رواہ ورواہ عن عمر واصحابہ ۱۲

(حاشیہ نیل الفرقدین)

(۷) حدیث وائل بن حجرؓ: "قال کنت غلاما لا اعقل صلوٰۃ ابی الخ" اس حدیث کو ابوداؤدؒ، نسائیؒ، ابن ماجہؒ اور امام احمدؒ نے روایت کیا ہے اور یہ چار طرق سے مروی ہے ۱۔ عاصم بن کلیب عن وائل بن حجرؓ ۲۔ عبدالجبار بن وائل عن وائل ۳۔ عبدالجبار بن وائل قال حدثنی اہل بیتی عن ابی ۴۔ عبدالجبار بن وائل حدثنی وائل بن علقمہ عن وائل بن حجرؓ۔

پہلے طریق میں شریک نے عاصم سے جو روایت کیا ہے اس میں رفع یدین کا ذکر نہیں ہے البتہ بشر بن المفضل، زائدہ، عبدالواحد، شعبہ اور سفیان نے اس طریق میں رفع یدین کو ذکر کیا ہے اور ان طرق کے ساتھ عاصم کی روایت گو صحیح ہے لیکن حافظ ابن حجرؒ نے تہذیب التہذیب میں ابن معین، نسائی اور احمد بن صالح سے عاصم کی توثیق نقل کرنے کے بعد ابن المدینیؒ کا قول نقل کیا ہے کہ عاصم تفرد کی حالت میں قابل احتجاج نہیں۔

دوسرا طریق مرسل ہونے کے ساتھ ساتھ رفع یدین کے ذکر سے خالی ہے تیسرے طریق میں اہل بیت مجہول ہونے کے علاوہ رفع یدین مذکور نہیں۔ چوتھے طریق میں وائل بن علقمہ صحیح نہیں بلکہ علقمہ بن وائل ہے۔ قال الحافظ فی التقریب: "وائل بن علقمۃ عن وائل بن حجر وعنہ عبدالجبار بن وائل صوابہ عن عبدالجبار عن علقمۃ عن ابیہ" اس کے ساتھ ساتھ علقمہ کا اپنے والد سے سماع مختلف فیہ ہے حافظ نے تہذیب التہذیب میں بواسطہ عسکری ابن معین کا قول نقل کیا ہے کہ "علقمہ بن وائل عن ابیہ مرسل ہے"۔

بہرکیف یہ حدیث مختلف طرق سے مروی ہے جن میں سے بعض میں متنازعہ فیہ رفع یدین مذکور ہے اور اکثر میں نہیں ہے۔ نیز بعض طرق میں رفع یدین بین السجدتین بھی مذکور ہے۔ اس اختلاف کے بعد یہ روایت اپنے مدلول میں اس درجہ قطعی نہ رہی جو ان امور کے نہ ہونے میں ہوتی۔

پھر وائل بن حجرؓ ملازم صحبت اور فقیہ صحابہ میں سے نہیں ہیں یہی وجہ ہے کہ جب ابراہیم نخعیؒ کے سامنے (جو کبار تابعین میں سے ہیں) حضرت وائل کی حدیث پیش کی گئی تو آپ نے فرمایا کہ اگر وائل نے ایک مرتبہ رفع یدین کرتے دیکھا ہے تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے پچاس مرتبہ نہ کرتے ہوئے دیکھا ہے (اخرجہ الطحاوی) مسند ابوحنیفہ اور دارقطنی وغیرہ میں ہے کہ وائل احکام اسلام کو اچھی طرح پہچانتے نہ تھے اور آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز بھی ایک آدھ مرتبہ ہی پڑھی ہے اور مجھے ابن مسعودؓ کی روایت اس کثرت سے پہنچی ہے جن کی شمار بھی ممکن نہیں کہ انہوں نے صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل بھی یہی بیان کیا۔

امام بخاریؒ نے جزء رفع یدین میں ابراہیم نخعیؒ کے وائل بن حجرؓ کی روایت کو رد کرنے پر حضرت وائل کا ابناء ملوک سے ہونا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اعزاز و اکرام فرمانا ثابت کیا ہے لیکن ظاہر بات ہے کہ اعزاز و اکرام امر دیگر ہے اور ملازم صحبت ہونا دوسری چیز ہے۔ نیز ایک واقعہ کو نقل کرنا اور اس کا صحیح ہونا اور بات ہے اور اس واقعہ پر مداومت اور عدم مداومت علیحدہ بات ہے اسی طرح امام بخاریؒ کا حضرت وائل کی دوبارہ حاضری ثابت کرنا بھی بے سود ہے کیونکہ ابراہیم نخعیؒ کا

ایک مرتبہ کی حاضری میں حصر مقصود نہیں بلکہ یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ یہ ملازم حجت نہیں۔ پھر حافظ بیہقی کا کتاب المعرفہ میں امام شافعی سے یہ نقل کرنا کہ وائل کبار صحابہ میں سے ہیں ان کی روایت ابراہیم نخعی کے قول کی وجہ سے متروک نہیں ہو سکتی اس لئے صحیح نہیں کہ حضرت وائل کی روایت ابراہیم نخعی کے قول کی وجہ سے ترک نہیں کی گئی بلکہ اس کا ترک ابن مسعود سے عدم رفع ثابت ہونے کی وجہ سے ہے۔

(۸) حدیث انس بن مالک: ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کان یرفع یدیہ اذا دخل فی الصلوۃ واذا رکع واذا رفع راسہ من الرکوع (ابن خزیمہ فی صحیحہ، بخاری فی جزئہ، ابن ماجہ، بیہقی)

اس حدیث کے رفع میں حفاظ حدیث کو کلام ہے کیونکہ اس کو حمید کے تلامذہ میں سے صرف عبدالوہاب بن عبدالمجید ثقفی نے مرفوعاً بیان کیا ہے ان کے علاوہ یحیی بن سعید اور عبدالاعلیٰ نے حمید سے اور عاصم احول نے حضرت انس سے موقوفاً روایت کیا ہے سنن دارقطنی میں ہے لم یروہ عن حمید مرفوعاً غیر عبدالوہاب والصواب من فعل انس اھ۔

(۹) حدیث ابوہریرہ قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یرفع یدیہ فی الصلوۃ حذو منکبیہ حین یفتتح الصلوۃ وحین یرکع وحین یسجد (ابوداؤد، ابن ماجہ، طحاوی)

یہ روایت ابن ماجہ میں بواسطہ اسمٰعیل بن عیاش عن کیسان مروی ہے اور غیر شامیین سے اسمٰعیل بن عیاش کی روایت ناقابل حجت ہے جس کا فریق مخالف بھی معترف ہے۔ اور ابوداؤد کی روایت میں گو اسمٰعیل بن عیاش موجود نہیں لیکن اول تو اس میں یحیی بن ایوب مختلف فیہ موجود ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کی روایت میں "واذا قام من الرکعتین فعل مثل ذلک" کی زیادتی ہے جس کے متعلق شیخ نے الامام میں کہا ہے: "ہو لا نعلم رجال الصحیح" اور اس متن پر یحیی بن ایوب کا متابع بروایت دارقطنی عثمان بن ابی الحکم حزامی اور بروایت ابن ابی حاتم، صالح بن ابی الاخضر موجود بھی ہے اس کے باوجود دارقطنی نے اول کو اور ابو حاتم نے ثانی کو معلول قرار دیا ہے کیونکہ یہ اپنے کچھ خلاف ہے فجزاہم اللہ عنا خیر الجزاء۔

دارقطنی نے اس کو علل میں ایک دوسرے طریق سے بھی روایت کیا ہے یعنی بطریق عمرو بن علی عن ابن ابی عدی عن محمد بن عمرو عن ابی سلمۃ عن ابی ہریرۃ انہ کان یرفع یدیہ فی کل خفض ورفع ویقول انا اشبہکم صلوۃ برسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لیکن خود دارقطنی کہتے ہیں کہ "یرفع یدیہ" الفاظ میں عمرو بن علی کا کوئی متابع موجود نہیں بلکہ دوسرے حضرات نے اس کو بلفظ تکبیر روایت کیا ہے اور یہی صحیح ہے۔

لے واعلم ان الدارقطنی انما اعل بعض ہذہ المغایرۃ لعلہ لمذہبہ من حیث زیادۃ العدد ودواتہ فی کل خفض ورفع اوانہ السجود ولہذا اعل نفظہ لا یرفع بین السجدتین وصوب ولا یرفع بعد ذلک ادنی السجود کما فی الاتحاف ص۲۰ من مسألۃ الرفع السجود مع وجودہ عند مسلم ولو من روایۃ غیر ہذا اہ ولکن مع ہذا جزاہ اللہ عنا خیرا ۱۲ حاشیہ نیل الفرقدین۔

حافظ ابو حاتم کی رائے بھی یہی ہے فانہ قال انما کان ہو یکبر فقط لیس فیہ رفع الیدین
(۱۰) حدیث ابو موسی الاشعری "قال ہل اریکم صلوٰۃ رسول صلی اللہ علیہ وسلم فکبر و رفع یدیہ ثم کبر و رفع یدیہ للرکوع ثم قال سمع اللہ لمن حمدہ و رفع یدیہ ثم قال ہکذا فاصنعوا ولا ترفع بین السجدتین"
(دارقطنی، بیہقی)
اس حدیث کو دارقطنی نے بواسطہ نضر بن شمیل اور دارقطنی و بیہقی نے بواسطہ زید بن حباب عن حماد بن سلمہ مرفوعاً روایت کیا ہے اور حماد بن سلمہ کے دیگر تلامذہ ابن المبارک وغیرہ موقوفاً حضرت ابو موسیٰ کا فعل بیان کرتے ہیں۔ قال الدارقطنی بعد تخریج الروایتین "رفعہ ہذان وقد وقفہ غیرہما عنہ"
ابن حزم نے بھی محلی میں اس کو موقوف ہی قرار دیا ہے؛ بہرکیف اس کا مرفوع وموقوف ہونا مختلف فیہ ہے والاکثر علی وقفہ۔
(۱۱) حدیث جابر بن عبداللہ "انہ اذا افتتح الصلوٰۃ رفع یدیہ واذا رکع واذا رفع راسہ واذا رکع فعل مثل ذلک ویقول رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فعل مثل ذلک"۔ (ابن ماجہ، حاکم، بیہقی فی الخلافیات)
جواب یہ ہے کہ اول تو ابن عبدالبر نے تمہید میں ذکر کیا ہے کہ اس کو اثرم نے ابو حذیفہ سے روایت کیا ہے لیکن رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کو ذکر نہیں کیا۔ دوسرے یہ کہ ابوحذیفہ موسیٰ بن مسعود ضعیف ہے۔ حافظ ذہبی میزان میں کہتے ہیں کہ امام احمد نے اس کے بارے میں کلام کیا ہے اور ترمذی نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ ابن خزیمہ کہتے ہیں کہ اس سے احتجاج نہیں کیا جا سکتا۔ عمرو بن علی کہتے ہیں لا یحدث عنہ من ینصر الحدیث ابواحمد حاکم کا قول ہے کہ یہ محدثین کے نزدیک قوی نہیں۔ بندار کا کہنا ہے کہ یہ ضعیف الحدیث ہے۔ تہذیب التہذیب میں ابن قانع کا قول ہے کہ اس میں ضعف ہے۔ ابوعبداللہ حاکم فرماتے ہیں کہ یہ کثیر الوہم اور سیئ الحفظ ہے۔ علامہ ساجی کہتے ہیں کان یصحف وہو لین۔ غرض وہ تمام کمزوریاں جو ہو سکتی ہیں وہ اس میں جمع ہیں
تیسرے یہ کہ بیہقی کی روایت بطریق سفیان ثوری عن ابی الزبیر عن جابر قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی صلوٰۃ الظہر یرفع یدیہ اذا رفع راسہ من الرکوع، میں صریح دلالت ہے کہ واقعہ صرف ظہر کی نماز کا ہے نہ کہ دائمی معمول۔
(۱۲) حدیث عمیر لیثی "قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یرفع یدیہ مع کل تکبیرۃ فی الصلوٰۃ المکتوبۃ" (ابن ماجہ) یہ روایت ابن ماجہ میں ہے لیکن غایت درجہ ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں رفدہ بن قضاعہ ہے جس کی ابن ماجہ میں صرف یہی ایک روایت ہے۔ ابوحاتم کہتے ہیں کہ یہ منکر الحدیث ہے۔ ابن حبان کہتے ہیں کہ یہ مشاہیر سے منکر احادیث روایت

؎ وقد ذکرہ فی التہذیب من عمیر وصوب فی اللباب انہ عمیر بن قتادۃ اللیثی وان ابن ماجہ وہم فیہ (ای فی ذکرہ عن عمیر بن حبیب) ۱۲

کرتا تھا اس کی تو موافق ثقات روایت بھی مقبول نہیں اور جب مقلوب اشیاء کے ساتھ منفرد ہو تو پھر کیا کہنا۔ پھر کہتے ہیں روی عن الاوزاعی بسندہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یرفع یدیہ فی کل خفض ورفع وہذا خبر اسنادہ مقلوب و متنہ منکر۔ امام بخاری کی رائے ملاحظہ ہو فرماتے ہیں فی حدیثہ بعض المناکیر لا یتابع فی حدیثہ۔ امام نسائی فرماتے ہیں لیس بالقوی۔ دارقطنی کہتے ہیں متروک۔ پھر اس روایت میں یہ ہے کہ فرض نماز میں ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے تھے حالانکہ یہ کسی کا بھی مذہب نہیں ہے۔

(۱۳) حدیث عبداللہ بن عباس۔ فی قصۃ صلوۃ ابن الزبیر (عند ابی داؤد والنسائی) یہ روایت ایک تو ابن ماجہ میں ہے جس کی سند میں عمر بن ریاح ہے جس کو بخاری نے دجال کہا ہے۔ ابن حبان کا ارشاد ہے کہ یہ موضوعات روایت کرتا تھا۔ نیز یہ روایت ابوداؤد و نسائی میں بھی ہے مگر وہ بھی ضعف سے خالی نہیں اول تو اس کی سند میں عبداللہ بن لہیعہ ہے جس کے متعلق ابن معین فرماتے ہیں ضعیف لا یحتج بہ۔ اور یحیی بن سعید سے منقول ہے کہ وہ اس کو کچھ بھی نہیں سمجھتے تھے۔ دوسرے میمون مکی مجہول ہے۔ تیسرے میمون مکی کا ابن زبیر کو رفع یدین کرتے دیکھ کر ابن عباس سے یہ کہنا کہ میں نے ان کو اس طرح نماز پڑھتے دیکھا ہے کہ کسی کو دیکھا ہی نہیں یہ بتا رہا ہے کہ رفع یدین صحابہ کا معمول نہ تھا۔

یہ تھیں وہ روایات جن کو مثبتین رفع یدین پیش کرتے ہیں۔ مجدد الدین فیروز آبادی نے صراط مستقیم میں لکھا ہے کہ "چہار صد خبر و اثر دریں باب صحیح شدہ"۔ اس افراط عظیم کی بابت شرح صراط مستقیم میں شیخ عبدالحق دہلوی کا یہ ارشاد کافی ہے کہ "مصنف دریں جا سخن بمبالغہ کردہ" نیز موضوع کا رفع یدین کے سلسلہ میں عشرہ مبشرہ سے فعل نبوی کا دوام نقل کرنا بھی غلط ہے کیونکہ دوام رفع یدین کے متعلق تو ایک بھی حدیث ثابت نہیں چہ جائیکہ عشرہ مبشرہ سے اس کا ثبوت ہو۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں نحو خمسین کے عدد کا دعویٰ کیا ہے، اور قاضی شوکانی نے الدراری المضیہ میں بیس اور نیل الاوطار میں انتہائی کوشش کے بعد چھبیس صحابہ سے رفع یدین نقل کیا ہے اور وہ بھی بایں صورت کہ ابو حمید ساعدی کی روایت کے دس شار الیہم بھی منضم کر لئے جائیں جن کی نسبت مشہور روایات میں ان کی تصدیق مذکور نہیں بلکہ اس زیادتی میں عام منفرد ہے اور کل صحابہ کے اسماء کا بھی پتہ نہیں لگتا۔ مع ابو حمید ساعدی صرف چار کا پتہ لگا ہے تو شوکانی کے کلام سے ابن حجر کے ذکر کردہ عدد کا نصف حصہ اڑ گیا۔ اور حافظ بیہقی نے امام بخاری سے نقل کیا ہے کہ سترہ صحابہ سے روایت کیا گیا ہے کہ وہ رفع یدین کرتے تھے پس بخاری کی شمار شوکانی کے مقابلہ میں تقریباً نصف کم ہے پھر بیہقی کہتے ہیں کہ صرف پندرہ حدیثیں ہیں جو باسانید صحیحہ مروی ہیں اور قابل احتجاج ہیں۔ اور ہم حدیث ابو بکر، عمر، انس اور حدیث ابو موسیٰ اشعری کے ذیل میں ثابت کر چکے کہ ان کا مرفوع ہونا ثابت نہیں بلکہ صحیح یہ ہے کہ یہ موقوف ہیں تو کل بارہ ہی رہ جاتی ہیں ان میں بھی نصف کے قریب میں کلام ہے۔ خلاصہ یہ کہ صرف پانچ چھ حدیثیں باقی رہ جاتی ہیں جن سے متنازع فیہ رفع یدین کی بابت احتجاج ممکن ہے اور اتنی ہی ترک رفع

کے سلسلہ میں موجود ہیں جن کو ہم انشاء اللہ عنقریب ذکر کریں گے۔
علامہ سیوطی نے الازہار المتناثرہ فی الاخبار المتواترہ میں احادیث رفع یدین کے تواتر کا دعویٰ کیا ہے اور بیس صحابہ سے احادیث نقل کی ہیں لیکن اول تو تواتر ہی محل کلام ہے اور اگر تسلیم بھی کریں تب بھی سب کا حاصل ایجاب جزئی اور ثبوت بوجہ تا ہے نہ کہ ایجاب کلی اور ثبوت فی کل الاوقات پس روایات عدم رفع روایات رفع سے معارض ہی نہیں یہاں تک کہ کثرت طرق کے سبب ترجیح دی جائے احناف تو خود ثبوت رفع کے قائل ہیں۔ گفتگو صرف اس امر میں ہے کہ احادیث رفع بقاء و استمرار پر دال ہیں یا نہیں؟ سو کسی حدیث سے دوام رفع ثابت ہے اور نہ آخر عمر میں آپ سے رفع یدین کا ثبوت ہے۔ اب ہم وہ احادیث پیش کرتے ہیں جن سے ترک رفع یدین ثابت ہوتا ہے۔

(۱) حدیث جابر بن سمرۃ: "قال خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال مالی اراکم رافعی ایدیکم کانہا اذناب خیل شمس اسکنوا فی الصلوٰۃ" (مسلم، ابوداؤد، نسائی، طحاوی، احمد)
حضرت جابر کی یہ قولی، صحیح، مرفوع، غیر مجروح اور صریح ممانعت رفع یدین والی حدیث کتب مذکورہ میں ایک تو اس مضمون سے منقول ہے جو ہم نے بیان کیا اور ایک حضرت جابر کے دوسرے شاگرد عبد اللہ بن قبطیہ کے واسطہ سے بایں مضمون منقول ہے کہ جب ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کرتے اور السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتے تو ہاتھوں سے سلام کا اشارہ بھی کرتے تھے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "مالی اراکم رافعی ایدیکم الخ"۔
ان دونوں مضمونوں کو دیکھنے سے دو ہی احتمال پیدا ہو سکتے ہیں ایک تو یہ کہ دونوں واقعے ایک ہیں لیکن حضرت جابر نے ایک شاگرد عبد اللہ بن قبطیہ سے تو مفصل اور پورا واقعہ بیان فرمایا اور دوسرے شاگرد تمیم بن طرفہ سے مختصر طور پر صرف ارشاد نبوی نقل فرما دیا۔ قائلین رفع امام بخاری وغیرہ محدثین کی رائے یہی ہے کہ یہ ایک ہی حدیث ہے اور اس میں مطلق رفع یدین کی ممانعت نہیں بلکہ خاص رفع یدین کی ممانعت ہے جس کے دو قرینے ہیں۔ پہلا قرینہ قاضی شوکانی کے کلام سے مترشح ہوتا ہے کہ تعدد واقعہ اور مطلق ممانعت ماننے کی صورت میں یہ متواتر رفع یدین کے ثبوت سے معارض ہیں اس لئے اس کو عام رفع یدین کی ممانعت پر محمول نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس سے خاص رفع یدین کی ممانعت مراد ہے۔ دوسرا قرینہ امام بخاری نے جزء رفع الیدین میں ذکر کیا ہے کہ اگر عام رفع یدین کی ممانعت مانی جائے تو تکبیر تحریمہ اور قنوت وتر و عیدین کے رفع کو بھی شامل ہوگی حالانکہ ان تینوں جگہ رفع یدین بلا اختلاف ثابت ہے۔ معلوم ہوا کہ دونوں حدیثیں ایک ہیں اور خاص رفع یدین کی ممانعت مراد ہے۔
دوسرا احتمال یہ ہے کہ دونوں حدیثیں واقع اور نفس الامر میں دو مستقل حدیثیں ہیں اور حدیث کا محل وہ رفع یدین ہے جو نماز پنجگانہ کے اندر رفع و خفض اور انتقال کے وقت ہے اور عیدین و قنوت کے رفع میں کسی صحابی سے اختلاف منقول نہیں اس لئے یہ ممانعت سے خارج ہیں۔ قائلین ترک رفع یدین کے یہاں یہی احتمال متعین ہے۔ پس ان کے نزدیک حدیث مطول میں

خاص رفع یدین کی ممانعت ہے اور حدیث مختصر میں عام رفع یدین کی ممانعت ہے جس کے متعدد قرائن موجود ہیں۔

۵۔ طول و اختصار کے لحاظ سے دونوں کا متغایر ہونا اھ۔ محدثین کا دونوں طریق کو جدا جدا نقل کرنا ۶۔ حدیث مختصر میں اسکنوا فی الصلوٰۃ کا ہونا اور مطول میں اس کا نہ ہونا کیونکہ اسکنوا فی الصلوٰۃ کے معنی یہ ہیں کہ نماز میں سکون اختیار کرو اور ظاہر ہے کہ سلام کے وقت رفع یدین نماز میں نہیں بلکہ نماز سے خروج کی حالت میں ہے۔ دونوں کا فرق حدیث کے الفاظ اذا سلم احدکم فلیلتفت الی صاحبہ ولا یومی بیدہ سے بالکل واضح ہے ۷۔ تغایر سیاق حدیث مطول و مختصر، چنانچہ حدیث مطول کا سیاق یوں ہے۔ "قال سمعت جابر بن سمرۃ یقول کنا اذا صلینا خلف النبی صلی اللہ علیہ وسلم قلنا: السلام علیکم، السلام علیکم، واشار بیدہ الی الجانبین فقال: ما بال ہولاء یومون بایدیہم کانہا اذناب خیل شمس؟ انما یکفی احدکم ان یضع یدہ علی فخذہ ثم یسلم علی اخیہ من عن یمینہ ومن عن شمالہ" جزء رفع یدین، صحیح مسلم، ابوداؤد، اور نسائی کا سیاق قریب قریب یہی ہے اور حدیث مختصر کا سیاق جزء رفع یدین میں یہ ہے۔ "دخل علینا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ونحن رافعوا ایدینا اھ اور مسلم، ابوداؤد اور نسائی کا سیاق یوں ہے۔ "خرج علینا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اھ۔" پس حدیث مطول سے تو یہ مفہوم ہوتا ہے کہ آپ کا ارشاد فراغت نماز کے بعد تھا اور حدیث مختصر یہ بتارہی ہے کہ یہ ارشاد مسجد میں داخل ہوتے ہی تھا جبکہ صحابہ ابھی اپنی نمازیں پڑھ رہے تھے ۸۔ حدیث مطول کے صریح الفاظ کنا اذا صلینا اھ اس پر دال ہیں کہ یہ حضرات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز میں رفع یدین کرتے تھے اور حدیث مختصر کے الفاظ خرج علینا دخل علینا، بتارہے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکان سے تشریف لائے اور کچھ لوگوں کو رفع یدین کرتے دیکھ کر فرمایا: "مالی اراکم اھ۔" مسند امام احمد کی روایت کے الفاظ "انہ علیہ السلام دخل المسجد فابصر قوما قد رفعوا ایدیہم اھ" سے یہ بات بالکل واضح ہے ۹۔ حدیث مطول اس پر دال ہے کہ ان کا ہاتھ اٹھانا اس طرح تھا جیسے بوقت سلام مصافحہ کیا جاتا ہے اور حدیث مختصر میں یہ معنیٰ ممکن نہیں لانہم کانوا فرادی۔ بہر کیف ان دونوں حدیثوں کا تغایر سیاق صاف بتلا رہا ہے کہ یہ جدا جدا دو حدیثیں ہیں۔

۳۵۷

(۲) حدیث ابن عمرؓ "کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یرفع یدیہ اذا افتتح الصلوٰۃ ثم لا یعود۔" (بیہقی فی الخلافیات) حافظ ابن حجر درایہ میں اس حدیث کو بلا سند نقل کرکے فرماتے ہیں کہ حاکم نے موضوع کہا ہے اور تلخیص الحبیر میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مقلوب و موضوع ہے مگر یہ کہنا صحیح نہیں اس واسطے کہ نصب الرایہ میں یہ حدیث با ایں سند مروی ہے۔ "عن عبد اللہ بن عون الخزاز ثنا مالک عن ابن شہاب عن سالم عن ابن عمرؓ" پس حضرت ابن عمرؓ تک چار راوی ہیں۔ عبد اللہ بن عون، امام مالک، زہری، سالم۔ راوی اول کے علاوہ باقی تینوں راوی اصح الاسانید کے رواۃ ہیں جن سے زائد صحیح سند کا میسر آنا اگر ناممکن نہیں تو نادر ضرور ہے۔ رہے عبد اللہ بن عون سو وہ بھی رجال مسلم میں سے ہیں اور ان پر کسی نے جرح نہیں کی بلکہ خطیب نے ثقہ

ثقہ ہیں تو پھر حدیث کا موضوع ہونا چہ معنی دارد۔

(۳) حدیث براء بن عازبؓ۔ "قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا کبر لافتتاح الصلوٰۃ رفع یدیہ حتی یکون ابہامیہ قریبا من شحمۃ اذنیہ ثم لا یعود" (طحاوی باسانید مختلفہ، ابوداؤد، دارقطنی، ابن عدی، احمد، ابن ابی شیبہ، بخاری فی الجزء، بیہقی)

یہ حدیث ابوداؤد میں بایں سند مذکور ہے۔ حدثنا محمد بن الصباح البزار نا شریک عن یزید بن ابی زیاد عن عبد الرحمٰن بن ابی لیلی عن البراء" تو حضرت براء تک اس کی سند میں چار واسطے ہیں راوی اوّل محمد بن الصباح، بزار و امام بخاری کے استاد، صحاح ستہ کے رواۃ اور حافظ و ثقہ ہیں۔ راوی دوم شریک سنن اربعہ اور صحیح کے راوی ہیں، امام بخاری نے ان سے تعلیقاً روایت لی ہے۔ حافظ ابن حجر نے تقریب میں اپنی اصطلاح کے مطابق لفظ صدوق سے ان کو درجہ رابعہ میں رکھا ہے اور اتنی سی جرح بھی کی ہے کہ یخطئی کثیرا تغیر حفظہ منذ ولی القضاء یعنی ان سے خطا کا صدور کافی ہوا اور قاضی ہونے کے بعد ان کا حافظہ متغیر ہو گیا تھا لیکن خلاصہ تہذیب میں ابن معین، عجلی اور یعقوب بن سفیان نے ان کی توثیق بھی نقل کی ہے۔

غرض یہ راوی اس بناء پر کہ اس جیسے رواۃ صحیح بخاری میں موجود ہیں شرط بخاری پر ہے اور مختلف فیہ ہونے کی وجہ سے ان کی روایت حسن کے درجہ میں ہے (ابوداؤد کا لفظ ثم لا یعود کی زیادتی کو ان کی طرف منسوب کرکے حدیث کو غیر محفوظ قرار دینا صحیح نہیں۔ خود امام بخاری کے قول پر بھی شریک کی زیادتی نہیں کیونکہ یزید کا اس زیادتی کو روایت کرنا انھیں بھی تسلیم ہے)

راوی سوم یزید بن ابی زیاد سے بھی اصحاب سنن اربعہ اور مسلم و بخاری نے تعلیقاً روایت لی ہے اور حافظ ابن حجر نے ان کو آٹھویں طبقہ میں رکھا ہے (جس میں وہ رجال ہیں جن کی توثیق کسی معتبر سے ثابت نہ ہوئی ہو) اور کہا ہے کہ عمر زیادہ ہو کر ان کا حافظہ متغیر ہو گیا تھا اور روایت میں کمی بیشی کرنے لگے تھے اب ان کو طبقہ ثامنہ اور ضعفاء میں شمار کرنے سے حافظ صاحب کا مقصد یا تو عمر بھر کی تمام روایات کو ضعیف قرار دینا ہے یا صرف آخر عمر کی روایات کی تضعیف مقصود ہے۔ اگر مراد ثانی ہے تب تو کوئی بات ہی نہیں اور اگر مراد اول ہے تو یہ بالکل غلط ہے کیونکہ یہ اقوال ذیل کے معارض ہے۔

خلاصہ تہذیب میں ابن عدی اور ابوزرعہ کا قول ہے یکتب حدیثہ، حافظ شمس الدین ذہبی فرماتے ہیں۔ صدوق روی الحفظ، ابوداؤد کہتے ہیں۔ لا اعلم احدا ترک حدیثہ وغیرہ احب الی منہ علامہ عینی شرح بخاری میں یعقوب بن سفیان کا قول نقل کرتے ہیں کہ یزید پر تغیر حفظ کی وجہ سے کلام کیا گیا ہے لیکن مقبول القول اور عادل و ثقہ ہیں۔ ابن معین نے کتاب الثقات میں احمد بن صالح کا قول نقل کیا ہے کہ یزید ثقہ ہے اور مجھے اس شخص کا قول پسند نہیں جس نے یزید پر کلام کیا ہے۔ ابن خزیمہ نے صحیح میں (جس میں شرط بخاری کے موافق صحیح روایات کی تخریج کا التزام کیا ہے) ان سے روایت لی ہے۔ علامہ ساجی اور ابن حبان نے ان کو صدوق کہا ہے۔ معلوم ہوا کہ اگر

متعلق حافظ صاحب کی رائے غلط ہے۔ راوی چہارم عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ بھی صحاح ستہ کے رواۃ میں سے ہیں۔ حافظ نے ان کو درجہ ثانیہ میں رکھا ہے۔ پس حضرت براء تک یہ چار راوی ہیں جن میں سے دو تو بالاتفاق صحاح ستہ کے رواۃ میں سے ثقہ ہیں جن کی روایت بالیقین صحیح ہے اور دو کے متعلق اختلاف ہے مگر درجہ حسن سے کسی صورت میں بھی کم نہیں ہو سکتی۔

پھر قائلین رفع یدین کی طرف سے اس حدیث پر کئی اعتراض کیے جاتے ہیں۔ اول یہ کہ بقول ابو داؤد اس روایت میں یزید کے تلامذہ میں سے صرف شریک نے ثم لا یعود کہا ہے باقی تلامذہ ہشیم، خالد،........ ابن ادریس میں سے کسی نے ثم لا یعود نہیں کہا گویا شریک کی یہ زیادتی شاذ یا منکر ہونے کی وجہ سے غیر محفوظ ہے۔

جواب یہ ہے کہ اول تو شریک اس زیادتی میں منفرد نہیں جیسا کہ ہم قول ۲۲۲ کے ذیل میں ثابت کریں گے اور اگر بالفرض واقع میں شریک ثم لا یعود کی زیادتی میں منفرد ہی ہو تب بھی شریک کے ثقہ ہونے کے باعث یہ زیادتی مقبول ہوگی کیونکہ حافظ ابن حجر نے نخبہ میں لکھا ہے۔

وزیادۃ راویہما ای الصحیح والحسن مقبولۃ ما لم تقع منافیۃ لروایۃ من ہو اوثق ممن لم یذکر تلک الزیادۃ لان الزیادۃ اما ان تکون لا تنافی بینہا وبین روایۃ من لم یذکرہا فہذہ تقبل مطلقا لانہا فی حکم الحدیث المستقل الذی یتفرد بہ الثقۃ ولا یرویہ عن شیخہ غیرہ واما ان تکون منافیۃ بحیث یلزم من قبولہا رد الروایۃ الاخری فہذہ التی تقع الترجیح بینہا وبین معارضہا فیقبل الراجح ویرد المرجوح اھ

یعنی حدیث صحیح یا حسن میں اگر ایک ثقہ راوی ایسی زیادتی روایت کرے جو اس جیسے ثقہ راوی کی روایت میں نہیں ہے اور یہ زیادتی اوثق راوی کی روایت کے منافی نہ ہو تو مطلقاً مقبول ہوگی کیونکہ یہ بمنزلہ مستقل حدیث کے ہے جس کو ثقہ راوی اپنے شیخ سے منفرد ہو کر روایت کرتا ہے اور اگر اوثق کی روایت کے منافی ہو یعنی طور کہ اس کو قبول کرنے سے دوسری کی روایت کا رد کرنا لازم آئے تو پھر اسباب ترجیح سے ایک کو دوسرے پر ترجیح دے کر راجح کو قبول اور مرجوح کو رد کر دیا جائے گا۔ اس قاعدے کے بعد حدیث براء پر ابو داؤد وغیرہ کا اعتراض نہیں پڑ سکتا۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ امام بخاری نے سفیان بن عیینہ کا قول نقل کیا ہے کہ یزید جب بوڑھے ہو گئے تو لوگوں نے ان کو ثم لا یعود کا لفظ تلقین کر دیا اور وہ اس کا اضافہ کرنے لگے۔ بعض نے اس کو یوں نقل کیا ہے کہ جب میں کوفہ میں آیا تو یزید سے سنا کہ وہ ثم لا یعود روایت کرتے ہیں۔

حافظ بیہقی نے اس زیادتی کی تلقین پر یہ دلیل نقل کی ہے کہ کبار و قدماء تلامذہ سفیان، شعبہ، ہشیم اور زہیر وغیرہ اس زیادتی کو ذکر نہیں کرتے۔ ابن حبان نے کتاب الضعفاء میں کہا ہے۔ یزید بن ابی زیاد کان صدوقا الا انہ لما کبر تغیر فکان یلقن فیتلقن فسماع من سمع منہ قبل دخولہ الکوفۃ فی اول عمرہ سماع صحیح وسماع من سمع منہ فی آخر قدومہ

الکوفۃ لیس بشئ"۔

یعنی یزید بن ابی زیاد صدوق تھے لیکن آخر عمر میں ان کا حافظہ متغیر ہو گیا تھا چنانچہ ان کو تلقین کیجاتی تھی اور یہ تلقین کو قبول کر لیتے تھے پس جن لوگوں نے ان سے ان کے کوفہ آنے سے پہلے سنا ہے ان کا سماع تو صحیح ہے، اور جنھوں نے ان کے کوفہ آنے کے بعد سنا ہے ان کا سماع لیس بشئ ہے۔

جواب یہ ہے کہ اول تو اہل تاریخ میں سے کسی نے یزید کا پہلے کوفہ کے علاوہ مکہ وغیرہ میں رہنا اور بعد میں کوفہ منتقل ہونا ذکر نہیں کیا۔ کتب رجال سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ اور ان کے بھائی برد بن ابی زیاد دونوں ہمیشہ سے کوفہ کے رہنے والے تھے۔ عـہ دوسرے یہ کہ یزید کا ثقہ ہونا ثابت ہو چکا لہذا ان کا کبھی ثم لا یعود روایت کرنا اور کبھی نہ کرنا موجب جرح نہیں ہو سکتا ہے۔ اس لئے یہ کہنا کہ یہ لفظ تغیر کے بعد تلقین ہوا ہے مسلّم نہیں بلکہ یہ سفیان کا ظن محض اور تخمینی بات ہے۔

پھر یزید سے اس زیادتی کو روایت کرنے والے آٹھ آدمی ہیں عـ۱ اسماعیل بن زکریا عـ۲ محمد بن عبدالرحمن ابن ابی لیلی (عند الدارقطنی)، عـ۳ شریک (عند ابی داؤد)، عـ۴ ہشیم (عند احمد وابن عدی) عـ۵ اسرائیل بن یونس (عند البیہقی)، عـ۶ وکیع عـ۷ خالد عـ۸ سفیان ثوری (عند الطحاوی)، جن میں یزید کے کبار اصحاب بھی شامل ہیں، مثلاً ہشیم لہذا بیہقی کا اس کو دلیل بنانا بھی غلط ہے۔ بلکہ یزید کے استاد عبدالرحمن بن ابی لیلی سے روایت کرنے والے متابع بھی موجود ہیں۔ چنانچہ بیہقی، طحاوی اور ابو داؤد نے عبدالرحمن بن ابی لیلی سے یزید کے متابعین میں عیسی بن عبدالرحمن بن ابی لیلی اور حکم

عـہ وفی التہذیب ان سفیان انتقل من کوفۃ الی مکۃ سنۃ (۱۶۳) ای بعد مائۃ فاستمر بہا الی ان مات و عمرہ نحو تسعین ویزید ولد سنۃ سبع واربعین وتوفی سنۃ ست وثلاثین ومائۃ فاین یدرکہ سفیان ساکنا بمکۃ او بکوفۃ وقد توفی قبل قدومہ بعمر بل قبل تحولہ الی مکۃ وعمرہ نحو عمر سفیان وادرک سفیان من عمرہ نحو ثلاثین وتقدمت ولادتہ نحو ستین فان سمع سفیان بمکۃ ففی سفرۃ من یزید بن ابی زیاد وسفیان ایضا واراہ غلط من ابراہیم والبرجاری ویکون سمعہ بالکوفۃ قبل تحولہ الی مکۃ فاذن کان یرویہا قدیما علی الوجہین وعن عدی بن ثابت ایضا علی الوجہین کما عند الدارقطنی والظاہر ایضا ان عبارۃ الشافعی فی اختلاف الحدیث وفی سنن البیہقی: الصواب فیہا ہو اللفظ الثانی بدون بیان مکۃ والکوفۃ ولذا اعادہا مکررۃ کأنہ تردد۔ والذی یظہر ان فی عبارۃ ابن حبان سقطا وتکون ہکذا فسماع من سمع منہ قبل دخولہ الکوفۃ وفی اول عمرہ بالزیادۃ، الا فیتناقض ما قالہ آخرون وبالجملۃ یستقیم کلام بتعیین مکۃ والکوفۃ وتقدیرہ بالاہمال ای الضمیر فی عبارۃ ابن حبان فی آخر قدومہ الکوفۃ للسامع لا لابن ابی زیاد وکذا یکون ما یناسبہ فی الجملۃ الاولی ای سماع من سمع منہ فی اول قدوم ذلک السامع الکوفۃ فی اول عمر یزید۔ واذن الامر اذ کونہ مستمرا وروی ہناک بالزیادۃ قدیما وحدیثا واقتصر علی الزیادۃ ویکون لما قدم مکۃ فی سفرۃ ان کان ابن بشار والبرجاری عند البیہقی حفظا روی لسفیان بدون زیادۃ ورجع الی الکوفۃ ثم قدم سفیان الکوفۃ فسمعہا ہناک ہذا ما ظہر لی ۱۲ نیل الفرقدین۔

عـہ۲ ثم ابن عیینۃ یقول انہ بعد ما خرج الی الکوفۃ زاد وعلی بن عاصم عند الدارقطنی یقول انہ انکر الزیادۃ فی الکوفۃ وہذا تضارب ۱۲

ابن عیینہ کو شمار کیا ہے اور طرفہ یہ ہے کہ عیسیٰ یزید سے بھی اقوی اور اثقہ ہیں۔

(۴) حدیث ابن عباس (۵) حدیث ابن عمرؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا ترفع الایدی الا فی سبعۃ مواطن فی افتتاح الصلوۃ وفی استقبال الکعبۃ وعلی الصفا والمروۃ وبعرفات و بجمع وفی المقامین وعند الجمرتین (بخاری فی جزئہ تعلیقاً۔ بزار، طبرانی، نسائی مرفوعاً، ابن ابی شیبہ، حاکم، بیہقی موقوفاً بالفاظ وتغییر یسیر)

اس حدیث پر بھی فریق مخالف کی جانب سے مختلف اعتراض کیے جاتے ہیں۔ اول یہ کہ محمد بن ابی لیلیٰ ضعیف ہے۔ بزار نے اپنے مسند میں کہا ہے کہ یہ حافظ نہیں تھے۔ بیہقی کہتے ہیں کہ یہ قوی نہیں تھا۔

جواب یہ ہے کہ جہاں ان کو ضعیف کہنے والے ہیں وہاں ایسے موثقین بھی موجود ہیں چنانچہ تہذیب التہذیب میں بواسطہ ابوحاتم، احمد بن یونس سے ان کے متعلق افقہ اہل دنیا اور عجلی سے فقیہ صدوق صاحب سنت، عالم بالقرآن اور جائز الحدیث ہونا منقول ہے۔ اور یعقوب بن سفیان سے ثقہ و ثبت مذکور ہے۔ دارقطنی کہتے ہیں محمد بن ابی لیلیٰ ثقۃ فی حفظہ شیء۔ اسی بنا پر حافظ ابن حجر نے تقریب میں لفظ صدوق سے ان کو درجہ رابعہ میں رکھا ہے اور علامہ ہیثمی نے مجمع الزوائد میں کہا ہے سیئ الحفظ وحدیثہ حسن انشاء اللہ تعالیٰ۔

بہر کیف شعبہ وسفیان اور وکیع جیسے ائمہ کا ان سے روایت لینا ان کے ثقہ ہونے کا بین ثبوت اور واضح دلیل ہے۔ ان کے حافظہ میں گو آخر عمر میں تغیر آ گیا تھا لیکن وکیع کی روایات تغیر سے قبل کی ہیں۔ علاوہ ازیں ابن ابی شیبہ کی روایت حدثنا ابن فضیل عن عطاء عن سعید بن جبیر عن عباس اھ نے یہ بھی بتا دیا کہ حدیث کا مدار ابن ابی لیلیٰ کے طریق پر نہیں ہے۔

اعتراض دوم یہ کہ بقول شعبہ حکم نے مقسم سے صرف چار حدیثیں سنی ہیں جن میں سے یہ حدیث نہیں ہے پس انقطاع کے باعث صحت حدیث میں کلام ہے۔ جواب یہ ہے کہ یہ صرف اپنے علم کے اعتبار سے ہے کیونکہ شعبہ اگر چار کے قائل ہیں تو امام احمد پانچ کے قائل ہیں اور اس روایت کو سماع والی احادیث میں شمار کرتے ہیں اور امام ترمذی صرف تین ہی بتاتے ہیں حالانکہ موصوف نے حکم کی بہت سی احادیث لفظ سماع وتحدیث سے بیان کی ہیں۔ پس روایات معدودہ میں شعبہ وابوداؤد، ترمذی وامام احمد کے مختلف اقوال ہونے کے باعث حصر مذکور حقیقی نہیں ہو سکتا۔ پھر قرون ثلثہ کے مرسلات جمہور علماء، امام مالک، امام احمد اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک حجت ہیں۔ اگر امام بخاری کے نزدیک حجت نہیں تو اس سے دوسرے پر کوئی الزام نہیں آتا۔

اعتراض سوم یہ کہ عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمر سے یہ حدیث مرفوعاً نہیں موقوفاً صحیح ہے جواب یہ ہے کہ امام بخاری نے جزء رفع الیدین میں وکیع کی روایت کو مرفوعاً بیان کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وکیع نے اس روایت کو ان دونوں حضرات سے رفعاً و وقفاً دونوں طرح نقل کیا ہے اور جب رفع و وقف میں تعارض ہو تو چونکہ رفع میں ایک شئ زائد کا اثبات ہوتا ہے رفع

کو ترجیح ہونی چاہئے اور اگر وقف ہی کو صحیح مان لیں تب بھی حدیث مرفوع ہونے سے نہیں نکل سکتی کیونکہ جو اقوال و افعال مدرک بالرای نہ ہوں وہ سب حکماً مرفوع ہوتے ہیں (پس صاحب نور العینین کا یہ کہنا کہ یہ حدیث مرفوع نہیں بلکہ قول عباس ہے صحیح نہیں)

اعتراض چہارم یہ کہ عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمر سے خود رفع یدین کرنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کو نقل کرنا بسند صحیح ثابت ہے۔ اور احناف کا اصول ہے کہ جب راوی خود اپنی روایت کے خلاف عمل کرے تو اس کا یہ عمل روایت میں جرح پیدا کر دیتا ہے۔

جواب یہ ہے کہ بیشک ان حضرات کے ثبوت عمل میں تعارض ہے جہاں ان کے تلامذہ میں سے طاؤس، محارب بن دثار، اور عطاء رفع یدین نقل کرتے ہیں وہیں مجاہد اور عبدالعزیز بن حکیم عمر اور میمون کی اشارۃً عدم رفع نقل کرتے ہیں اور جہاں ان سے حدیث رفع یدین منقول ہے وہیں ترک رفع یدین کی روایات بھی وارد ہیں۔ لیکن امام مالک کی ترجیح ترک رفع یدین بتا دیا کہ ان کا آخری عمل یا وہ عمل جس کو یہ حضرات عزیمۃً کرتے تھے وہ ترک رفع یدین تھا اور راوی کا خلاف روایت عمل اسی وقت جرح ہو سکتا ہے جب وہ عمل روایت کے بعد ہو۔ اگر وہ عمل روایت سے پہلے کا ہو یا معلوم نہ ہو کہ وہ عمل کس وقت کا ہے تو یہ موجب جرح نہیں ہوتا۔ قال فی التوضیح۔ وان عمل بخلافہ قبلہا او لم یعلم التاریخ لا یجرح اھ

(۶) حدیث عباد بن الزبیر[عـ۵]۔ "ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا افتتح الصلوۃ رفع یدیہ فی اول الصلوۃ ثم لم یرفعہما فی شیء حتی یفرغ" (بیہقی فی الخلافیات)

حافظ نے درایہ میں بیہقی نے خلافیات میں اور محمد ہاشم سندھی نے کشف الرین میں کہا ہے کہ اس حدیث کے تمام رجال ثقہ ہیں۔ پس یہ حدیث صحیح صریح مرفوع غیر مجروح ہے اس پر اگر جرح کی جاتی ہے (جیسا کہ شیخ ابن دقیق العید نے کی ہے) تو صرف یہ کہ عباد بن الزبیر صحابی نہیں تابعی ہیں لہٰذا حدیث مرسل ہے لیکن ہم پہلے عرض کر چکے کہ مراسیل ثقات خصوصاً قرون ثلثہ کے مراسیل جمہور علماء کے نزدیک مقبول ہیں۔ امام نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں مذہب مالک وابی حنیفۃ واحمد واکثر الفقہاء انہ یحتج بہ۔

عـ۵ وہذا ہو الذی وقع فی بعض کتب الحنفیۃ منسوباً لعبداللہ بن الزبیر فشنع علیہم ابن الجوزی و تلامذۃ الحافظ فی الدرایۃ بالنظر فی اسنادہ فما تشتلنا، محمد بن یعقوب بن یوسف ہو الاصم کما فی التہذیب من ترجمۃ الربیع بن سلیمان المرادی وکتاب الاسماء والصفات ص ۳۳ اکثر عند الحاکم کما فی کتاب القراءۃ للبیہقی وکتاب الاسماء والصفات لہ، ومحمد بن اسحٰق ہو الصغانی وابو العباس الاصم فی التذکرۃ ایضاً ص ۲۹ والتہذیب ص ۳۹ وشرح المواہب ص ۱۲۳ واما صاحب سند الشافعی فہو محمد بن جعفر بن مطر الامام کما فی الاتحاف من ذکرات فی وقطعت الثمرد سنن البیہقی ص ۳۹ وہو لآراجلاء ومن فوقہم من رجال التہذیب، ومحمد بن ابی یحییٰ وقد یسقط ابی من النساخ ہو الاسلمی ابو سمعان وکذا ابنہ ابراہیم شیخ الشافعی المشہور کلہم فی التہذیب وہم بیت علم الا ابنہ ابراہیم فتکلم فیہ فہو مرسل جید قد ساعدہ الحمل ۱۲ ذیل الفرقدین۔

(۷) حدیث ابن مسعود : الا اصلی بکم صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فصلی فلم یرفع یدیہ الا فی اول مرۃ۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، احمد، ابن ابی شیبہ، طحاوی، وصححہ ابن حزم والدارقطنی وابن القطان وغیرہم وحسنہ الترمذی)

حضرت عبداللہ بن مسعود کی یہ حدیث مختلف الفاظ سے مروی ہے بعض روایات مرفوع حقیقی ہیں جیسے: "ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یرفع یدیہ الا عند افتتاح الصلوٰۃ ولا یعود لشئ من ذلک (ابوحنیفہ فی مسندہ) اور بعض روایات میں یہ الفاظ ہیں۔ قال صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وعمر فلم یرفعوا ایدیہم الا عند استفتاح الصلوٰۃ" (دارقطنی، ابن عدی بطریق محمد بن جابر) اور بعض روایات میں یوں ہے: "وکان یرفع یدیہ اول مرۃ ثم لا یعود" روایت ابن جابر کو ابن جوزی نے گو موضوع کہا ہے لیکن حافظ ابن حجر نے القول المسدد فی الذب عن المسند میں ثابت کیا ہے کہ روایت میں محمد بن جابر یمامی صرف ضعیف ہے متہم بالکذب اور واضع نہیں، اس لئے حدیث موضوع نہیں ضعیف ہے۔ لیکن اس کا ضعیف ہونا بھی محل تامل ہے اس لئے کہ ابوحاتم نے محمد بن جابر کو ابن لہیعہ کے مقابلہ میں ترجیح دی ہے (کما فی التقریب) اور ابن لہیعہ کی روایات اصحاب سنن کے نزدیک درجہ حسن میں ہیں۔ چنانچہ ترمذی نے ابن لہیعہ کی تحسین کی ہے اور امام احمد نے اس کو ثقہ کہا ہے۔

علامہ ہیثمی مجمع الزوائد میں فرماتے ہیں کہ بہت سے لوگوں نے ابن لہیعہ سے احتجاج کیا ہے۔ پس جب محمد بن جابر، ابن لہیعہ سے افضل اور صدوق کے درجہ میں ہیں تو ان کی روایت کا درجہ حسن میں ہونا لازم ہے بالخصوص جبکہ اس روایت میں امام ابوحنیفہ متابع بھی موجود ہیں۔ پھر محمد بن جابر کے متعلق جرحات مبہم ہیں اس لئے معدلین کے قول کو ترجیح ہوگی۔

ابوداؤد وغیرہ کے حوالہ سے جو حدیث مرفوع حکمی ہم نے اوپر نقل کی ہے اس کو اکثر علماء نے صحیح اور بعض نے ضعیف کہا ہے۔ حافظ ابن حجر القول المسدد میں فرماتے ہیں کہ ترمذی نے اس کی تحسین کی ہے اور ابن حزم وابن قطان نے تصحیح۔ موصوف نے درایہ میں دارقطنی سے بھی تصحیح نقل کی ہے۔ اور عام طور پر ابوداؤد کے ہندی اور مصری نسخوں میں ابوداؤد کا سکوت بھی اسی پر دال ہے۔ صرف مجتبائی نسخہ کے حاشیہ پر ابوداؤد سے تضعیف مسطور ہے۔ البتہ ابن المبارک، امام بخاری، ابن المدینی اور ابن ابی حاتم سے تضعیف منقول ہے مگر صحیح نہیں۔ اس واسطے کہ امام ترمذی، نسائی اور ابن ابی شیبہ نے اس کی تحسین کی ہے۔ امام ابوحنیفہ نے مسند میں اس کی تخریج کی ہے اور اس کی اسانید شیخین کی شرط پر ہیں پھر ضعیف ہونے کے کیا معنی ہیں۔

ابوداؤد کی اس روایت میں حضرت ابن مسعود تک جو راوی ہیں اول عثمان بن ابی شیبہ جو صحاح ستہ کے رواۃ میں سے ہیں۔ حافظ ابن حجر نے تقریب میں (جس میں موصوف نے اقوال مختلفہ میں سے اعدل الاقوال نقل کرنیکا التزام کیا ہے) انکی نسبت فرماتے ہیں ثقہ حافظ شہیر

راوی دوم وکیع ۔ یہ بھی صحاح ستہ کے رواۃ میں سے ہیں ان کی نسبت فرماتے ہیں، ثقہ حافظ عابد من کبار التاسعۃ ۔ اور تہذیب التہذیب میں امام احمد بن حنبل کا قول نقل کرتے ہیں ما رأیت اوعی للعلم من وکیع ولا احفظ منہ قال وکان امام المسلمین فی وقتہ ۔ یحییٰ بن معین فرماتے ہیں ما رأیت افضل منہ، تذکرۃ الحفاظ میں ہے ۔ "من اجل رجال البخاری وکیع من تابع التابعین بالکوفۃ قال فی شانہ حماد بن زید لو شئت لقلت وکیع ارجح من سفیان، وقال احمد ہو احب الی من یحییٰ بن سعید وہو ثقۃ حافظ عابد من کبار التاسعۃ احد الاعلام"

راوی سوم سفیان ثوری ۔ یہ بھی صحاح ستہ کے رواۃ میں سے ہیں اور ثقاہت میں سب سے بڑھ کر ہیں ۔ حافظ ابن حجر ان کی نسبت لکھتے ہیں ثقہ حافظ امام عابد حجۃ من رؤس الطبقۃ السابعۃ ۔ ابو عاصم نے ان کو امیر المومنین فی الحدیث کہا ہے ۔ عبد اللہ بن المبارک فرماتے ہیں کہ میں نے گیارہ سو مشائخ سے حدیث لکھی ہے لیکن سفیان سے افضل کسی سے نہیں لکھی ۔ ابن معین کہتے ہیں کہ جب بھی کوئی سفیان ثوری کے خلاف روایت کرے تو سفیان کا قول معتبر ہوگا ۔ سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ میں تو سفیان ثوری کے غلاموں میں سے ہوں ۔ وہبؒ ان کو حفظ و اتقان میں امام مالک پر مقدم سمجھتے ہیں ۔

مخالفین نے ان پر تدلیس کا الزام لگایا ہے کہ یہ استاد کا اخفاء کرتے تھے لیکن اول تو یہ بحث حدیث میں تدلیس موجود نہیں کیونکہ عاصم بن کلیب سے سفیانؒ کا سماع ثابت ہے جیسا کہ خلاصہ میں موجود ہے ۔ دوم یہ کہ جمہور کے نزدیک ثقہ راوی کی تدلیس مضر نہیں کیونکہ ثقہ راوی کمال حفظ و اتقان کے باعث سند سے رجال کو حذف کیا کرتا ہے نہ کہ بغرض اخفاء ۔ یہی وجہ ہے کہ سفیان و اعمش کے مدلس ہونے کے باوجود سینکڑوں روایتیں سنن میں بلکہ صحیح بخاری و مسلم میں موجود ہیں مشکل سے کوئی جزء سفیان کی روایت سے خالی ملے گا اگر سند میں سفیان کا ہونا موجب ضعف ٹھہرایا جائے تو بخاری کا کوئی جزء بھی صحیح نہیں رہ سکتا ۔ سوم یہ کہ آمین بالجہر کے باب میں شعبہ اور سفیان کا تقابل ہے ۔ شعبہ آمین بالسر روایت کرتے ہیں اور سفیان بالجہر اور حفاظ محدثین میں شعبہ کو سفیان پر ترجیح ہے ۔ شعبہ جبل حفظ اور امیر المومنین ہیں اور سفیان مدلس اس کے باوجود ترمذی کے سوال پر خود امام بخاری نے سفیان کی روایت کو ترجیح دی ہے تو اب اس کے سوا اور کیا سبب ہو سکتا ہے کہ آمین کے مسئلہ میں اپنے مطلب پر سفیان کو احفظ سے تقابل کے باوجود تقدیم ہو گئی اور ترک رفع یدین میں عدم تقابل کے باوجود سفیان کی وجہ سے حدیث ضعیف ہو گئی ۔ استغفر اللہ

راوی چہارم عاصم بن کلیب ۔ تذکرۃ الحفاظ میں ہے عاصم بن کلیب بن شہاب بن المجنون الجرمی صدوق وثقہ یحییٰ بن معین والنسائی روی لہ مسلم واصحاب السنن الاربعۃ وعلق لہ البخاری"

۳۶۴

لہ قال الشیخ فی الالمام وقول الحاکم ان حدیثہ لم یخرج فی الصحیح غیر صحیح فقد اخرج لہ مسلم حدیثہ عن ابی بردۃ عن علی فی الہدی وحدیثہ عنہ عن علی نہانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اجعل خاتمی

یحییٰ ابن معین اور امام نسائی نے ان کے متعلق "ثقہ"۔ ابو حاتم نے "صالح"۔ احمد بن صالح مصری نے "ثقہ مامون"۔ ابن سعد نے "ثقہ صحیح، ولیس بکثیر الحدیث" اور امام احمد نے "لا بأس بحدیثہ" کہا ہے اور ابن حبان نے ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔ ابو داؤد فرماتے ہیں کان من العباد و افضل اہل الکوفہ۔

حافظ ابن حجر نے تہذیب میں ان کے متعلق امام احمد، ابو حاتم، ابن حبان، ابن شاہین، احمد بن صالح مصری، ابن سعد، ابو داؤد سات ائمہ سے توثیق مطلق نقل کی ہے اور ابن المدینی سے توثیق مقید (یعنی اگر یہ روایت میں متفرد ہوں تو حجت نہیں) اور شریک بن عبد اللہ سے جرح مبہم (یعنی مرجئہ ہونے کا الزام)

لیکن خود حافظ کے نزدیک یہ دونوں باتیں غیر مسلم ہیں اسی لئے موصوف نے تقریب میں صرف توثیق مطلق نقل کی ہے۔ ابن المدینی کے قول کی طرف التفات نہیں کیا اور وہ ثقہ بالا رہا۔ کہہ کر ظاہر کر دیا کہ شریک کا یہ قول صحیح نہیں بلکہ تہمت محضہ ہے۔ وجہ یہ ہے کہ صرف یہ کہنا کہ یہ مرجئہ تھے جرح مفسر نہیں مبہم ہے۔ نیز مولانا عبد الحی صاحب لکھنوی نے الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل میں دلائل سے ثابت کیا ہے کہ معتزلہ کی طرف سے مرجئہ کا اطلاق اہل سنت کے بھی مختلف فرقوں پر کیا گیا ہے تو جب تک یہ ثابت نہ ہو کہ قائل نے اس قول سے کس فرقہ کا ارادہ کیا ہے یہ جرح، جرح ہی نہیں۔

٣٦٥ پھر طرفہ یہ کہ شریک بن عبد اللہ جنہوں نے عاصم بن کلیب کو مرجئہ کہا ہے انھوں نے تو امام محمد کو بھی محض اس وجہ سے کہ آپ نماز کو جزء ایمان نہیں سمجھتے مرجئہ کہا ہے (کما فی لسان المیزان عن ابن ابی مکی) حالانکہ یہ کوئی باطل عقیدہ نہیں بلکہ صرف نزاع لفظی سا ہے۔ معلوم ہوا کہ مرجئہ سے شریک کی مراد فرقہ باطلہ ہی نہیں ہوتی بلکہ وہ اہل سنت کے فرقہ پر بھی اس کا اطلاق کرتے تھے۔

اور اگر ہم اس کو جرح مفسر ہی مان لیں تب بھی یہ جرح اصول محدثین پر جرح نہیں ہے کیونکہ حافظ نے نخبہ میں راجح قول یہ لکھا ہے کہ جس بدعتی میں ضبط و تقویٰ پایا جاتا ہو اور کسی متواتر الثبوت امر شرعی کا منکر نہ ہو اور اپنی بدعت کی تبلیغ نہ کرتا ہو اس کی حدیث مقبول ہے بشرطیکہ حدیث مؤید بدعت نہ ہو۔

راوی پنجم عبد الرحمٰن بن الاسود بن یزید بن قیس الکوفی التابعی صحاح ستہ کے راوی ہیں، تقریب میں ان کی توثیق بایں الفاظ ہے "ثقہ من الثالثۃ" اور تہذیب التہذیب میں ابن معین، نسائی، عجلی، ابن خراش اور ابن حبان سے توثیق منقول ہے۔ رہا ان کا علقمہ سے سماع و عدم سماع سو اس کی تحقیق اعتراض ہفتم کے ذیل میں آ چکی ہے۔

۔۔۔ فی ہذہ ۔۔۔ والی علیہا، وغیر ذلک ذالعیاً فلیس من شرط الصحیح التخریج عن کل عدل وقد اخرج فی المستدرک من جماعۃ لم یخرج لہم فی الصحیح وقال ہو علی شرط الشیخین وان اراد بقولہ ہذا الحدیث فلیس ذلک بعلۃ والا لفسد علیہ مقصودہ وکلا من کتابہ المستدرک انتہیٰ ۱۲ زیلعی

راوی ششم علقمہ۔ یہ بھی صحاح ستہ کے رواۃ میں سے ہیں۔ ان کی نسبت حافظ نے لکھا ہے ثقۃ ثبت، فقیہ، عابد من الثانیۃ۔ اس تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ روایت ابو داؤد کے کل رواۃ صحاح ستہ کے رواۃ ہیں صرف عاصم بن کلیب سے بخاری نے مسنداً تخریج نہیں کی صرف تعلیقاً کی ہے۔

اسی اسناد کے ساتھ یہ روایت جامع ترمذی میں بھی موجود ہے اس میں عثمان بن ابی شیبہ کے بجائے ہناد ہیں جن کی نسبت تقریب میں توثیق کے یہ الفاظ ہیں۔ ثقۃ من العاشرۃ: یہ صحیح مسلم اور سنن اربعہ کے رواۃ میں سے ہیں۔

اسی سند سے یہ حدیث نسائی میں ہے۔ اس میں ہناد کے بجائے محمود بن غیلان ہیں جو رجال صحیحین میں سے ہیں بلکہ ابو داؤد کے علاوہ کل صحاح ستہ میں ان کی روایت ہے۔ ابن ابی شیبہ نے بھی اس حدیث کو انہیں وسائط کے ساتھ روایت کیا ہے جو ابو داؤد کی روایت میں ہیں بلکہ اس میں عثمان بن ابی شیبہ کا ایک واسطہ اور کم ہو جاتا ہے۔ مسند امام اعظمؒ میں یہ روایت اس سند مروی ہے حماد عن ابراہیم عن علقمۃ والاسود عن ابن مسعودؓ

اس سند کے رواۃ میں سے ابراہیم، علقمہ اور اسود کی روایات صحیحین اور سنن اربعہ میں موجود ہیں صرف حماد بن ابی سلیمان ایسے ہیں جن کی روایت صحیح مسلم اور سنن اربعہ میں تو موجود ہے صحیح بخاری میں نہیں ہے^{عہ}۔ لیکن امام بخاری نے ادب المفرد میں ان سے بھی روایت لی ہے۔ یحیی القطان اور احمد بن عبداللہ عجلی نے ان کی توثیق کی ہے اور شعبہ نے ان کو صدوق اللسان کہا ہے۔ ۳۶۶

بہرکیف ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن ابی شیبہ، مسند ابی حنیفہ ان پانچوں کتابوں میں عبداللہ بن مسعود کی حدیث جس سند سے مروی ہے وہ شرط شیخین پر ہے۔ ان کے علاوہ ابن عدی اور دارقطنی نے بھی اس حدیث کو باسانید مختلفہ روایت کیا ہے۔ اب ہم وہ اعتراضات مع جوابات نقل کرتے ہیں جو قائلین رفع یدین علماء نے حدیث ابن مسعود پر کئے ہیں واللہ الموفق۔

اعتراض اول۔ ترمذی، دارقطنی اور بیہقی وغیرہ نے ابن مبارک سے نقل کیا ہے کہ میرے نزدیک حدیث ابن مسعود (عدم رفع کی) غیر ثابت ہے اور حدیث ابن عمر (رفع یدین کی) ثابت ہے^{عہ}۔

عہ وفی نیل الفرقدین انہ من رجال البخاری فی بعض نسخ صحیح کما فی الفتح من التشہد وقد اہملوہ فی الرموز فی ترجمتہ ۱۲

عہ اعلم ان قول ابن المبارک ہذا اوقع کثیرا من اہل الحدیث فی مغلطۃ وظنوا ان حدیث ابن مسعود الذی رواہ الترمذی وحسنہ ہو الذی قال فیہ ابن المبارک ولم یثبت، وہذا لیس بصحیح لان الحدیث الذی قال فیہ ابن المبارک ہو الذی ذکرہ الترمذی تعلیقاً انہ علیہ السلام لم یرفع یدیہ الا فی اول مرۃ ولفظہ عند الطحاوی انہ علیہ السلام کان یرفع یدیہ فی اول تکبیرۃ ثم لا یعود۔ ہذا الحدیث ہو الذی یحکی فعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم فہو الذی یدل علی السلب الکلی المنافی للایجاب الجزئی الذی یثبتہ حدیث ابن عمر، وہذا الحدیث رواہ الطحاوی فی شرح الآثار والدارقطنی وغیرہما

شیخ ابن دقیق العید مالکی اپنی کتاب الامام میں اس کا جواب دیتے ہیں کہ کسی حدیث کا ابن مبارک کے نزدیک ثابت نہ ہونا اس کو مستلزم نہیں کہ وہ دیگر محدثین کے نزدیک بھی ثابت نہ ہو۔ چنانچہ ابن حزم کی تصحیح، ترمذی کی تحسین اور یحیی بن سعید القطان کا یہ کہنا کہ میرے نزدیک حدیث صحیح ہے یہ قول ابن مبارک کے منافی ہے بالخصوص جبکہ روایت کے کل رجال ثقہ بلکہ بقول حافظ زیلعی شرط مسلم پر اور بقول علامہ سندھی شرط شیخین پر ہیں۔

علاوہ ازیں ابن مبارک نے سند بیان نہیں کی کہ ان کو کس سند سے حدیث پہنچی ہے جس کو وہ غیر ثابت کہہ رہے ہیں۔ ممکن ہے ان کو سند ضعیف سے پہنچی ہو اور جن حضرات نے اس کی تصحیح کی ہے ان کو سند صحیح سے پہنچی ہو اور اگر ہم یہ بھی مان لیں کہ ابن مبارک کو سند صحیح ہی کے ساتھ پہنچی تب بھی حدیث کا ضعیف ہونا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے لا یلزم من نفی الثبوت ثبوت الضعیف لاحتمال ان یراد بالثبوت الصحۃ فلا ینتفی الحسن۔

اعتراض دوم یحیی بن القطان نے کتاب الوہم والایہام میں کہا ہے کہ حدیث تو صحیح ہے لیکن لفظ ثم لا یعود وکیع کا اضافہ ہے۔

جواب یہ ہے کہ تلامذہ سفیان میں لفظ ثم لا یعود روایت کرنے والے صرف وکیع ہی نہیں یہاں تک کہ ان کا اضافہ کہا جاسکے بلکہ نسائی کی روایت میں عطیاً سے ابن مبارک راوی ہیں انھوں نے لفظ ثم لا یعود روایت کیا ہے اور ابوداؤد کی روایت میں سفیان کے تلامذہ معاویہ، خالد بن عمرو اور ابوحذیفہ نے بھی روایت وکیع کے ہم معنی الفاظ روایت کئے ہیں۔ پس سفیان سے روایت کرنے میں صرف وکیع متفرد نہیں بلکہ وکیع کے علاوہ سفیان کے چار اور تلامذہ وکیع کے ساتھ ہیں لہذا وکیع کا اضافہ قرار دینا صحیح نہیں۔

ص ولفظ عند الدارقطنی عن عبد اللہ قال صلیت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومع ابی بکر ومع عمر فلم یرفعوا ایدیہم الا عند التکبیرۃ الاولی فی افتتاح الصلوۃ وہذا ان ثبت یناقض حدیث ابن عمر فلیتہ النکتۃ اورده الترمذی عقیب حدیث ابن عمر فضعفہ ولم یورده بعد حدیث ابن مسعود الذی رواه من فعلہ۔ واما الحدیث الذی حکی بہ ابن مسعود فعلہ علیہ السلام بفعلہ فہو الذی رواه الترمذی وحسنہ وابن حزم فی المحلی وصححہ واحمد وغیرہم وہذا لا یعارض حدیث ابن عمر وہو ثابت عند الترمذی وبین المحدثین بون بائن ووقع فی الاشتباه من لم یعط النظر حقہ فجر قول ابن المبارک الی الحدیث الفعلی وہذا ابعد عن سواء الطریق، وہذا واضح لاسیما فی النسخۃ التی افرد فیہا بعد قول ابن المبارک باب من لم یرفع یدیہ الا فی اول مرۃ" وہذا ہو الموافق لعادۃ الترمذی اذا کان فی مسئلۃ اختلاف بین الحجازیین والعراقیین یورد مستدلہما فی ابواب متعاقبۃ واللہ اعلم ١٢ تعلیق بر نصب الرایہ

اعتراض سوم۔ حافظ دارقطنی کہتے ہیں کہ تلامذہ وکیع احمد بن حنبل، ابوبکر بن ابی شیبہ اور ابن نمیر وکیع سے روایت کرتے ہیں لیکن ثم لا یعود نہیں کہتے۔

جواب یہ ہے کہ ان کی روایت میں فلم یرفع یدیہ الا مرۃ موجود ہے تو اس کا اور ثم لا یعود کا حاصل ایک ہی ہے پس وکیع کے تلامذہ احمد بن حنبل (فی مسندہ) ابوبکر بن ابی شیبہ (فی مصنفہ) عثمان بن ابی شیبہ (عند ابی داؤد) ہناد (عند الترمذی) محمود بن غیلان (عند النسائی) نعیم بن حماد اور یحیی (عند الطحاوی) سب اس معنی میں متفق ہیں۔ لہذا نہ تلامذہ وکیع کی غلطی ہے اور نہ تلامذہ سفیان کی۔

اعتراض چہارم۔ امام بخاری نے جزء رفع الیدین میں اور ابن ابی حاتم نے بواسطہ ابو حاتم کتاب العلل میں سفیان ثوری کی طرف وہم کی نسبت کی ہے اس وجہ سے کہ عاصم کے تلامذہ نے سفیان کی روایت کے موافق نہیں کہا بلکہ امام احمد بن حنبل نے یحیی بن آدم سے یہ روایت کیا ہے کہ میں نے عبد اللہ بن ادریس کی کتاب میں عاصم کی روایت دیکھی اس میں ثم لم یعد نہیں تھا اور کتاب زیادہ قابل اعتماد ہوتی ہے معلوم ہوا کہ یہ سفیان کی غلطی ہے

جواب عنہ ابن ادریس کی کتاب میں جو روایت عن عاصم ہے وہ اور ہے اور سفیان ثوری کی روایت عن عاصم اور ہے جس پر دونوں حدیثوں کا سیاق بدرجہ اتم دال ہے لہذا ثوری کا مخالف ابن ادریس نہیں عے اگر دونوں روایتیں ایک ہی ہوں تب بھی سفیان ثوری ابن ادریس سے احفظ ہیں کیونکہ حافظ نے تقریب التہذیب کے ترجمہ میں کہا ہے "سفیان ثقہ، حافظ، امام حجۃ" لہذا سفیان کی روایت کو ترجیح ہوگی عہ غایۃ ما فی الباب یہ ہے کہ ثم لم یعد سفیان کی زیادتی ہے اور ثقہ کی زیادتی مقبول ہوتی ہے اس لئے زیادتی کو صحیح ماننا پڑے گا تا وقتیکہ روایت ابن ادریس کے اس طور پر منافی نہ ہو کہ اس کا صدق اس کے کذب کو مستلزم ہو (حسب قواعد محدثین) ورنہ ناطق و ساکت میں کبھی تعارض نہیں ہوتا عہ امام بخاری اور ابو حاتم سفیان کا وہم کہتے ہیں اور ابن القطان وکیع کا وہم بتاتے ہیں اور سنن دارقطنی سے تلامذہ وکیع کا وہم ہونا ٹپکتا ہے۔ پس اس تعارض کے ہوتے ہوئے یہ اقوال قابل اعتماد نہیں کیونکہ یہ جرح مبہم ہوگی عہ زیادہ سے زیادہ سفیان کی روایت ابن ادریس کی روایت سے معارض ہوگی اور ثقہ کی روایت کا تعارض ضعیف کی روایت سے ثقہ کی روایت کے ضعف کو مقتضی نہیں ہوتا عہ دارقطنی کی کتاب العلل میں جس عبارت کو علامہ شوق نیموی نے پٹنہ کے کتب خانہ سے نقل کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سفیان کے ایک متابع ابوبکر نہشلی بھی ہیں۔ عبارت یہ ہے۔

"وسئل عن حدیث علقمۃ عن عبد اللہ قال: الا اریکم صلوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرفع یدیہ فی اول تکبیرۃ ثم لم یعد، فقال یرویہ عاصم بن کلیب عن عبد الرحمن بن الاسود عن علقمۃ، حدث بہ الثوری عنہ ورواہ ابوبکر النہشلی عن عاصم بن کلیب عن عبد الرحمن بن الاسود عن ابیہ وعلقمۃ عن عبد اللہ وکذلک رواہ ابن ادریس عن عاصم بن کلیب عن عبد الرحمن بن الاسود عن علقمۃ واسنادہ صحیح"۔

عہ ولزم الدارقطنی ان یحکم قد اثبت الحدیث والبخاری ینکرہ وہذا تہافت ۱۲ حاشیہ نیل الفرقدین

یعنی دارقطنی سے حدیث ابن مسعود کی نسبت دریافت کیا گیا تو آپ نے عاصم بن کلیب سے تین راوی بیان کئے سفیان، ابوبکر نہشلی اور ابن ادریس۔ معلوم ہوا کہ سفیان متفرد نہیں بلکہ ابوبکر نہشلی اور ابن ادریس متابع بھی ہیں۔

اعتراض پنجم امام ابوداؤد کہتے ہیں: "ہذا مختصر من حدیث مطول ولیس بصحیح علی ہذا اللفظ"۔

جواب۔ یہ عبارت نہ ابوداؤد کے قلمی نسخوں میں ہے نہ مطبوعہ میں۔ نہ ہندی نسخوں میں ہے نہ مصری نسخوں میں صرف مجتبائی نسخہ کے حاشیہ پر یہ عبارت ملتی ہے اور اسی سے عون المعبود میں نقل کی گئی ہے۔ اس لئے امام ابوداؤد سے اس کے ثبوت میں کلام ہے اور اگر ثابت ہی مان لیں تب بھی اس سے مدعا ثابت نہیں ہوتا جس کی تحقیق گذر چکی۔ نیز تشریح قول ۲۴۲ کے ذیل میں آرہی ہے۔

اعتراض ششم۔ اس روایت کا مدار عاصم بن کلیب پر ہے اور وہ ضعیف ہے پھر عاصم کا قول تفرد کی حالت میں قابل قبول نہیں۔

جواب۔ ہم ثابت کر چکے کہ نہ عاصم ضعیف ہے اور نہ ان کا قول تفرداً غیر مقبول ہے علاوہ ازیں اس روایت میں متفرد ہے ہی نہیں۔ حماد بن ابی سلیمان، دارقطنی اور ابن عدی کی روایت میں بواسطہ محمد بن جابر اور امام ابوحنیفہ کی روایت میں بلا واسطہ متابع موجود ہیں۔

اعتراض ہفتم۔ شیخ ابو محمد منذری نے مختصر السنن میں بعض حضرات سے نقل کیا ہے کہ عبدالرحمٰن نے علقمہ سے نہیں سنا تو روایت منقطع ہونے کی وجہ سے صحیح نہیں۔ شیخ ابن دقیق العید فرماتے ہیں کہ یہ غیر قادح ہے کیونکہ یہ جرح رجل مبہم سے ہے۔ میں نے انتہائی تتبع کے باوجود اس قائل کو نہیں پایا اور نہ اس کو ابن حاتم نے اپنے مراسیل میں ذکر کیا۔ البتہ کتاب الجرح والتعدیل میں ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں: "وعبد الرحمٰن بن الاسود دخل علی عائشۃ وہو صغیر ولم یسمع منہا وروی عن ابیہ وعلقمۃ"۔ لیکن اس میں بھی ان کی روایت کو مرسل نہیں کہا تو اب سوال یہ ہے کہ ابن حبان نے عبدالرحمٰن کا سنہ ابراہیم نخعی کا سنہ بتایا ہے اور سنہ وفات ۹۹ھ اور علقمہ سے ابراہیم نخعی کا سماع بالاتفاق ثابت ہے تو عبدالرحمٰن کے سماع سے کون چیز مانع ہے؟ وہ بھی ممکن اللقاء والسماع ٹھہرے اور امام مسلم کے مذہب پر انقطاع ثابت نہ ہوا۔ علاوہ ازیں حافظ ابوبکر خطیب نے کتاب المتفق والمفترق میں عبدالرحمٰن کے تصریح کی ہے۔ انہ سمع اباہ وعلقمۃ۔

اعتراض ہشتم۔ ابن مسعود بھول گئے تھے جیسا کہ وہ تطبیق فی الرکوع کا نسخ بھول گئے تھے۔

جواب۔ یہ اعتراض تو زبان پر لانے ہی کے قابل نہیں کیونکہ حضرت ابن مسعود چھٹے شخص ہیں جو اسلام میں داخل ہوئے اور بیس سال تک آپ کی خدمت میں اس طرح شب و روز حاضر باش رہے کہ ایک عرصہ تک لوگ آپ کو اہل بیت کا ایک فرد سمجھتے تھے۔

جامع ترمذی میں آپ کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ابن ام عبد کے زمانہ کے ساتھ تمسک کرو۔ تو اب دیکھنا یہ ہے کہ جب حضرت ابن مسعود اتنے بھولنے

تھے کہ بیس سال سے زائد عرصہ تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق و عمر فاروق کو روزانہ صف اول میں پنجگانہ نمازوں میں سترہ مرتبہ رفع یدین کرتے دیکھنے کے باوجود بھول جاتے تھے تو یہ تمسک کیسے صحیح ہوگا۔

نیز صحیح بخاری میں حضرت حذیفہ بن الیمان سے روایت ہے: "ان اشبہ الناس دلاً و سمتاً و ہدیاً برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لابن ام عبد من حین یخرج من بیتہ الی ان یرجع الیہ لا ندری ما یصنع فی اہلہ اذا خلا"۔ یعنی سب سے زیادہ مشابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وقار و میانہ روی اور سیدھے راستے میں ام عبد کے بیٹے (ابن مسعود) ہیں جس وقت سے گھر سے نکلتے ہیں اور جس وقت لوٹتے ہیں اور گھر کا حال معلوم نہیں۔

غرض صحابہ کی رائے تو حضرت ابن مسعود کی نسبت یہ ہے کہ ان کے جملہ اقوال و افعال اشبہ برسول تھے اور ہمارے ابنائے زمان یہ کہتے ہیں کہ بجز فقط نمازوں میں بھی ترک رفع یدین کے باعث مشابہ رسول نہ تھے۔

چلئے مان لیا کہ حضرت ابن مسعود سے بھول ہوئی لیکن سوال یہ ہے کہ ابن مسعود سے تو صرف چھ سات مسئلوں میں بھول ہوئی۔ اور ابن عمر کی نسبت تو نواب صاحب بھوپال نے جلیب المنفعۃ میں ایسے بارہ مسئلے شمار کرائے ہیں تو احناف کہہ سکتے ہیں کہ اس شبہ کا احتمال ان سے زیادہ ہو سکتا ہے۔

(۲۳۸)

پھر حضرت ابن مسعود سے ترک رفع یدین کے علاوہ آٹھ سو اڑتالیس روایتیں محدثین نے لی ہیں جن میں سے چونسٹھ روایتیں صحیح بخاری میں موجود ہیں تو کیا وہ بھی اس شبہ کا محل بن سکتی ہیں؟ اگر نہیں بن سکتیں تو کیا وجہ؟ بس یا تو شبہات کو کافور کیجئے ورنہ صحیحین کی صحت سے ہاتھ دھو لیجئے۔

دراصل نسیان ابن مسعود کی سوء ادبی کا سہرا ابوبکر احمد بن اسحاق بن ایوب نیشاپوری کے سر ہے جن کے قول کو حافظ بیہقی نے سنن میں اور ان کے بعد ابن عبد الہادی نے تنقیح میں نقل کیا ہے۔ علامہ ابن الترکمانی نے جوہر نقی میں اس کی نہایت بسط کے ساتھ تردید کی ہے اور مولانا محمد یوسف صاحب بنوری نے تعلیق نصب الرایہ میں ان تمام مسائل کا تسلی بخش جواب دیا ہے جن کے متعلق ابوبکر بن اسحاق نے سہو و نسیان کا دعوی کیا ہے۔ من شاء نظیراجع الیہ، وہذا آخر البحث والحمد للہ رب العالمین۔

(۲۱۹) قولہ قال ابوداؤد الخ اس قول میں عبد الوارث اور ہمام کی روایت کا فرق ظاہر کر رہے ہیں کہ یہ حدیث ان دونوں حضرات نے محمد بن جحادہ سے روایت کی ہے۔ لیکن عبد الوارث کی روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سجدہ سے اٹھتے وقت رفع یدین کرنا بھی مذکور ہے ہمام نے اسکو ذکر نہیں کیا۔ حدیث وائل کی مفصل بحث رفع یدین کے تحت حدیث ۶ کے ذیل میں گذر چکی۔

(۳۰۱) باب افتتاح الصلوٰة

(۷۳۰) حدثنا احمد بن حنبل نا عبد الملك بن عمرو اخبرنی فُلَیحٌ حدثنی عباس بن سهل قال اجتمع ابو حُمَیْدٍ و ابو اُسَیدٍ و سهل بن سعد و محمد بن مسلمة فذکروا صلوٰة رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال ابو حُمَیدٍ انا اعلمکم بصلوٰة رسول الله صلى الله عليه وسلم فذکر بعض هذا قال ثم رکع فوضع یدیه علی رکبتیه کانّه قابض علیهما ووتّر یدیه فتجافی عن جنبیه وقال ثم سجد فامکن انفه وجبهته ونحّی یدیه عن جنبیه ووضع کفیه حذو منکبیه ثم رفع راسه حتی رجع کل عظم فی موضعه حتی فرغ ثم جلس فافترش رجله الیسرٰی واقبل بصدر الیمنٰی علی قبلته ووضع کفّه الیمنٰی علی رکبته الیمنٰی وکفّه الیسرٰی علی رکبته الیسرٰی واشار باصبعه. قال ابو داؤد روی هذا الحدیث عتبةُ بن ابی حکیم عن عبدُ الله بن عیسٰی عن العباس بن سهل لم یذکر التورّك وذکر نحو حدیث فلیح وذکر الحسنُ بن الحُرّ نحو جلسة حدیث فلیح وعتبة

۳۷۱

ترجمہ

احمد بن حنبل نے بسند عبد الملک بن عمرو باخبار فلیح بتحدیث عباس بن سہل روایت کیا ہے کہ حضرت ابو حمید، ابو اسید، سہل بن سعد اور محمد بن مسلمہ جمع ہوئے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نماز کا تذکرہ کیا تو حضرت ابو حمید نے کہا کہ میں آپ کی نماز کو سب سے زیادہ جانتا ہوں۔ پھر اس کا کچھ حصہ ذکر کیا۔ پھر آپ نے رکوع کیا اور دونوں ہاتھوں کو دونوں گھٹنوں پر رکھا گویا ان کو پکڑ لیا اور دونوں ہاتھوں کو اس طرح رکھا کہ وہ گویا کمان کے چلے ہوگئے اور ان کو پہلوؤں سے جدا رکھا پھر سجدہ کیا اور اپنی ناک اور پیشانی کو زمین پر لگایا اور دونوں ہاتھوں کو پہلوؤں سے جدا رکھا اور دونوں ہتھیلیوں کو مونڈھوں کے برابر رکھا پھر آپ نے اپنا سر اٹھایا یہاں تک کہ ہر ہڈی اپنے ٹھکانے پر آگئی (پھر دوسرا سجدہ کیا اور اسی طرح) فارغ ہوئے پھر بایاں پاؤں بچھا کر بیٹھے اور داہنے پاؤں کو کھڑا کرکے اس کی انگلیوں

عہ الصواب عیسٰی بن عبد اللہ قال فی تہذیب التہذیب قال بعضہم عبد اللہ بن عیسٰی بن مالک وہو وہم ۱۲ بذل عہ من التوتیر وہو جعل الوتر علی القوس قال فی النہایۃ ای جعلہا کالوتر من قولک وترت القوس واوترتہ شبہ ید الراکع اذا مدہا قابضا علی رکبتیہ بالقوس اذا وترت ۱۲ عون

کو قبلہ کی طرف کیا اور اپنی داہنی ہتھیلی کو داہنے گھٹنے پر اور بائیں ہتھیلی کو بائیں گھٹنے پر رکھا اور انگلی سے اشارہ کیا۔
ابوداؤد کہتے ہیں کہ اس حدیث کو عتبہ بن ابی حکیم نے بواسطہ عبداللہ بن عیسیٰ عباس بن سہل سے روایت کیا ہے اور اس میں تورک کو ذکر نہیں کیا اور فلیح کی طرح ذکر کیا ہے اور حسن بن حر نے حدیث فلیح اور عتبہ کے جلسہ کی طرح ذکر کیا ہے۔ تشریح

قولہ قال ابوداؤد الخ (۲۳۱) اس کی تشریح یہ ہے کہ صاحب کتاب نے اس باب میں حضرت ابوحمید ساعدی کی حدیث کو چند طرق سے روایت کیا ہے۔

۱ طریق عبدالحمید بن جعفر عن محمد بن عمرو بن عطاء یہ باب کا طریق ۱ ہے ۲ طریق محمد بن عمرو بن حلحلہ عن محمد بن عمرو العامری، یہ باب کا طریق ۲ ہے ۳ طریق حسن بن الحر عن عیسیٰ بن عبداللہ بن مالک، یہ باب کا طریق ۳ ہے ۴ طریق فلیح بن سلیمان عن عباس بن سہل، یہ باب کا طریق ۵ ہے اور یہی زیر بحث ہے ۶ طریق عتبہ بن ابی حکیم عن عبداللہ بن عیسیٰ، یہ باب کا طریق ۷ ہے جو زیر بحث حدیث کے بعد ہے۔
اب ان طرق میں ذکر تورک وعدم ذکر تورک کے سلسلہ میں اختلاف ہے۔ عبدالحمید بن جعفر اور محمد بن عمرو بن حلحلہ نے صرف جلسہ اخیرہ میں تورک کو ذکر کیا ہے اور حسن بن حر نے صرف دونوں سجدوں کے درمیان والے جلسہ میں تورک کو ذکر کیا ہے (قعدہ اولیٰ، قعدہ ثانیہ اور جلسہ استراحت ذکر نہیں کیا)، اور فلیح بن سلیمان وعتبہ بن ابی حکیم نے تورک کو بالکل ذکر ہی نہیں کیا نہ بین السجدتین وجلسہ استراحت میں اور نہ قعدہ اولیٰ وقعدہ اخیرہ میں۔ حضرت ابوحمید ساعدی کی اس حدیث پر احادیث رفع یدین کے تحت حدیث ۱ کے ذیل میں مفصل بحث گذر چکی اور تورک کی گفتگو باب من ذکر التورک فی الرابعۃ کے ذیل میں آئے گی انشاء اللہ۔

(۱۶۱) حدثنا عمرو بن عثمان نا بقیۃ حدثنی عتبۃ حدثنی عبداللہ بن عیسیٰ عن العباس بن سھل الساعدی عن ابی حمید بھذا الحدیث قال واذا سجد فرّج بین فخذیہ غیر حامل بطنہ علی شیء من فخذیہ۔ قال ابوداؤد ورواہ ابن المبارک انا فلیح سمعت عباس بن سھل یحدث فلم احفظہ فحدثنیہ اراہ ذکر عیسیٰ بن عبداللہ انہ سمعہ من عباس بن سھل قال حضرت ابا حمید الساعدی

ترجمہ
عمرو بن عثمان نے بسند بقیہ بحدیث عتبہ بروایت عبداللہ بن عیسیٰ بواسطہ عباس بن سہل ساعدی حضرت ابوحمید سے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ عتبہ نے کہا ہے کہ جب سجدہ کیا تو دونوں رانوں کو کشادہ رکھا اور پیٹ کو رانوں سے نہ لگایا۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ اس کو ابن المبارک نے بواسطہ فلیح لسماع عباس بن سہل روایت کیا ہے۔ فلیح کہتے ہیں کہ میں

یہ حدیث عباس بن سہل سے سنی مگر مجھے اچھی طرح محفوظ نہیں رہی بس مجھ کو عبد اللہ بن عیسیٰ نے یہ حدیث سنائی خیال ہے کہ انھوں نے یوں ذکر کیا۔ عیسیٰ بن عبد اللہ انہ سمعہ من عباس اھ۔ تشریح

قولہ قال ابوداؤد الخ (۲۲۱) ظرف مقدم اور فی نسخہ شیخ فلیح کا مقولہ ہے اور جملہ اراہ ذکر عیسیٰ بن عبد اللہ۔ عبد اللہ بن المبارک کا مقولہ ہے اور عیسیٰ بن عباس ذکر کا مفعول ہے اور فاعل ہو ضمیر ہے جو فلیح کی طرف راجع ہے۔ مطلب یہ ہے کہ فلیح کہتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث عباس بن سہل سے سنی تھی جو مجھے اچھی طرح محفوظ نہیں رہی بعد میں عیسیٰ بن عبد اللہ نے مجھے یہ حدیث سنائی۔

(۱۲۳) حدثنا نصر بن علی انا عبد الاعلی نا عبید اللہ عن نافع عن ابن عمر انہ کان اذا دخل فی الصلوٰۃ کبر ورفع یدیہ واذا رکع واذا قال سمع اللہ لمن حمدہ واذا قام من الرکعتین رفع یدیہ ویرفع ذلک الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ قال ابوداؤد الصحیح قول ابن عمر ولیس بمرفوع۔ قال ابوداؤد وروی بقیۃ اولہ عن عبید اللہ واسندہ ورواہ الثقفی عن عبید اللہ اوقفہ علی ابن عمر وقال فیہ واذا قام من الرکعتین یرفعہما الی ثدییہ وھذا ھو الصحیح۔ قال ابو داؤد ورواہ اللیث بن سعد ومالک وایوب وابن جریج موقوفا واسندہ حماد بن سلمۃ وحدہ عن ایوب ولم یذکر ایوب ومالک الرفع اذا قام من السجدتین وذکرہ اللیث فی حدیثہ قال ابن جریج فیہ قلت لنافع اکان ابن عمر یجعل الاولی ارفعھن قال لا سواءً قلت اشر لی فاشار الی الثدیین او اسفل من ذلک

ترجمہ

نصر بن علی نے باخبار عبد الاعلی بتحدیث عبید اللہ بواسطہ نافع حضرت ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ جب آپ نماز میں داخل ہوتے تو تکبیر کہتے اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب رکوع کرتے اور جب سمع اللہ لمن حمدہ کہتے اور جب دو رکعتیں پڑھکر کھڑے ہوتے تو دونوں ہاتھ اٹھاتے اور بیان کرتے تھے یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت ابن عمر کا قول ہے مرفوع نہیں ہے۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ بقیہ نے اس حدیث کے اول حصہ کو مرفوعاً روایت کیا ہے اور ثقفی نے بواسطہ عبید اللہ ابن عمر پر موقوف کیا ہے اور اس میں یہ ہے کہ جب دو رکعتیں پڑھ کر کھڑے ہوتے تو دونوں ہاتھ چھاتیوں تک اٹھاتے اور یہی صحیح ہے۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ اسے لیث بن سعد مالک، ایوب اور ابن

جریج نے موقوفاً روایت کیا ہے اور حضرت حماد بن سلمہ نے بواسطہ ایوب مرفوعاً
ایوب اور مالک نے سجدتین سے اٹھنے کے وقت رفع یدین کو ذکر نہیں کیا اور لیث نے
اپنی حدیث میں اسے ذکر کیا ہے۔

ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے نافع سے پوچھا: کیا حضرت ابن عمرؓ پہلی بار ہاتھ اونچے اٹھاتے
تھے؟ انھوں نے کہا: نہیں، ہر بار برابر اٹھاتے تھے۔ میں نے کہا: مجھے اشارہ سے بتاؤ،
تو انھوں نے چھاتیوں تک یا اس سے کچھ نیچے تک اشارہ کرکے بتایا۔ تشریح

قولہ قال ابوداؤد والصحیح الخ (۲۲۳) صاحب کتاب کی طرح امام بخاری نے عبد الاعلیٰ کی یہ حدیث صحیح بخاری میں مرفوعاً روایت کی ہے اور روایت حماد بن
سلمہ عن ایوب عن نافع عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کو مؤید کیا ہے۔ لیکن صاحب
کتاب کے نزدیک اس کا رفع صحیح نہیں بلکہ یہ حضرت ابن عمرؓ پر موقوف ہے۔ ہم اس پر احادیث
رفع یدین کے تحت حدیث ۱۔ کے ذیل میں مفصل گفتگو کر چکے ہ

قولہ قال ابوداؤد وروی بقیۃ الخ (۲۲۳) یعنی بقیہ نے اس حدیث کا اول حصہ کان اذا دخل سے سمع اللہ لمن حمدہ تک عبید اللہ کو مرفوعاً
روایت کیا ہے اور قعدہ اولیٰ سے اٹھتے وقت رفع یدین کو ذکر نہیں کیا۔ اور یہ
حدیث عبد الوہاب ثقفی نے بھی عبید اللہ ہی کی روایت کی ہے لیکن اس میں دو اعتبار
سے فرق ہے اول یہ کہ ان کی روایت حضرت ابن عمرؓ پر موقوف ہے۔ دوم یہ کہ اس
میں قعدہ اولیٰ سے اٹھتے وقت رفع یدین مذکور ہے۔ صاحب کتاب کہتے ہیں کہ ثقفی
نے جو اس کو موقوفاً روایت کیا ہے یہی صحیح ہے۔ اسماعیل کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن ادریس
اور معتمر نے بھی موقوفاً ہی روایت کیا ہے ہ

قولہ قال ابوداؤد ورواہ اللیث الخ (۲۲۴) یعنی حدیث مذکور کو لیث بن سعد، مالک، ایوب اور ابن جریج نے بھی موقوفاً ہی روایت
کیا ہے اس کو صرف حماد بن سلمہ نے عن ایوب عن نافع عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ
علیہ وسلم مرفوعاً روایت کیا ہے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ ایوب اور مالک نے اپنی حدیث میں
سجدتین سے قیام کے وقت رفع یدین کو ذکر نہیں کیا اور لیث بن سعد نے اس کو
بھی ذکر کیا ہے۔

بہرکیف صاحب کتاب کے ان تمام اقوال سے یہ بات واضح ہو گئی کہ ان کے نزدیک حدیث
ابن عمر موقوف ہے اور اس کا رفع صحیح نہیں :-

(۷۴۳) حدثنا القعنبی عن مالک عن نافع ان عبد اللہ بن عمر کان اذا ابتدأ الصلوٰۃ
یرفع یدیہ حذو منکبیہ واذا رفع رأسہ من الرکوع رفعھما دون ذلک. قال ابو
داؤد ولم یذکر رفعھما دون ذلک احد غیر مالک فیما اعلم

ترجمہ

قعنبی نے بواسطہ مالک نافع سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر جب نماز شروع کرتے تو دونوں ہاتھوں کو شانوں تک اٹھاتے تھے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو اس سے کچھ کم اٹھاتے تھے۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ یہ مالک کے علاوہ اور کسی نے روایت نہیں کیا کہ رکوع سے سر اٹھاتے وقت اس سے کچھ کم اٹھاتے تھے :۔ **تشریح**

قولہ قال ابوداؤد الخ (۲۲۵) لم یذکر رفعہما دون ذلک" میں لفظ رفعہما فعل ماضی بھی ہو سکتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ حدیث میں لفظ رفعہما دون ذلک" امام مالک کے علاوہ کسی نے نہیں کہا اور یہ بھی ممکن ہے کہ لفظ رفع مصدر ہو اور ضمیر تثنیہ کیطرف مضاف ہو کر مفعول ہو ای لم یذکر رفع الیدین فی الرکوع دون حذو منکبیہ احد غیر مالک

(۷۴۴) حدثنا الحسن بن علی نا سلیمان بن داود الہاشمی نا عبد الرحمن بن ابی الزناد عن موسی بن عقبة عن عبد اللہ بن الفضل بن ربیعة بن الحارث بن عبد المطلب عن عبد الرحمن الاعرج عن عبید اللہ بن ابی رافع عن علی بن ابی طالب عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان اذا قام الی الصلوة المکتوبة کبر ورفع یدیہ حذو منکبیہ ویصنع مثل ذلک اذا قضی قرأتہ واراد ان یرکع ویصنعہ اذا رفع من الرکوع ولا یرفع یدیہ فی شیء من صلوتہ وھو قاعد واذا قام من السجدتین رفع یدیہ کذلک وکبر، قال ابوداؤد وفی حدیث ابی حمید الساعدی حین وصف صلوة النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا قام من الرکعتین کبر ورفع یدیہ حتی یحاذی بہما منکبیہ کما کبر عند افتتاح الصلوة

ترجمہ

حسن بن علی نے بسند سلیمان بن داؤد ہاشمی بحدیث عبد الرحمن بن ابی الزناد بطریق موسی بن عقبہ بروایت عبد اللہ بن الفضل بن ربیعہ بن الحارث بن عبد المطلب بواسطہ عبد الرحمن الاعرج عن عبید اللہ بن ابی رافع حضرت علی بن ابی طالب سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب فرض نماز کو کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے اور دونوں ہاتھ شانوں تک اٹھاتے۔ اسی طرح جب آپ قرارت سے فارغ ہو کر رکوع کا ارادہ کرتے تو ہاتھ اٹھاتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تب بھی ہاتھ اٹھاتے اور بیٹھنے کی حالت میں ہاتھوں کو نہ اٹھاتے پھر جب دونوں سجدوں سے فارغ ہو کر اٹھتے تو اسی طرح ہاتھ اٹھاتے اور تکبیر کہتے تھے۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ ابو حمید ساعدی کی حدیث میں یہ ہے کہ جب دو رکعتیں پڑھ کر کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے اور دونوں ہاتھ شانوں تک اٹھاتے جیسے آپ نے شروع نماز میں تکبیر کہی تھی :۔ **تشریح**

قولہ حذو منکبیہ الخ. ملا علی قاری نے مرقاۃ میں لکھا ہے کہ اس پر تو امت کا اتفاق ہے کہ بوقت تکبیر تحریمہ رفع یدین مسنون ہے لیکن ہاتھوں کو کہاں تک اٹھایا جائے؟ اس میں اختلاف ہے کیونکہ اس سلسلہ میں روایتیں مختلف ہیں۔ کسی میں رفع یدیہ الی منکبیہ ہے اور کسی میں الی الاذنین اور کسی میں الی فروع الاذنین۔

حدیث ابن عمرؓ میں رفع یدین کی حد حذو منکبیہ ہے۔ پس امام مالکؒ اور امام شافعیؒ وغیرہ اس طرف گئے ہیں کہ تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین منکبین تک ہونا چاہیے۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ کیفیت رفع یدین میں ہمارا مشہور مذہب اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ ہاتھوں کو شانوں تک اس طرح اٹھایا جائے کہ اطراف اصابع کانوں کے بالائی حصہ سے ملجائیں اور دونوں انگوٹھے کانوں کی لو سے اور ہتھیلیاں منکبین سے۔ علامہ طیبی نے ذکر کیا ہے کہ جب امام شافعیؒ مصر تشریف لائے اور آپ سے کیفیت رفع یدین کی بابت سوال ہوا تو آپ نے یہی کیفیت بیان کی۔

لیکن بروایت ابو داؤد حضرت وائل بن حجرؓ کی روایت میں "حتی کانتا بحیال منکبیہ وحاذی بابہامیہ اذنیہ" ہے اور ایک اور روایت میں "حتی حاذتا اذنیہ" ہے اور ایک روایت میں "رفع یدیہ حیال اذنیہ قال ثم اتیتہم فرأیتہم یرفعون ایدیہم الی صدورہم" ہے اور ایک روایت میں "یرفع ابہامیہ فی الصلوۃ الی شحمۃ اذنیہ" ہے اور ایک روایت میں جو حضرت براءؓ سے مروی ہے "رفع یدیہ الی قریب من اذنیہ" ہے۔

یہ سب الفاظ ابو داؤد کے ہیں۔ مسلم کی روایت میں حضرت مالک بن حویرثؓ سے یہ الفاظ منقول ہیں۔ "حتی یحاذی بہما فروع اذنیہ" اور امام طحاوی کی روایت میں یہ الفاظ ہیں۔ "یرفع یدیہ حتی یحاذی بہما فوق اذنیہ" مستدرک اور دار قطنی میں بطریق عاصم حضرت انسؓ سے یہ الفاظ مروی ہیں "کبر فحاذی بابہامیہ اذنیہ"

یہ سب روایات اس پر دال ہیں کہ تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کانوں تک ہونا چاہیے اور یہ سب روایات صحیح ہیں اور ابن عمرؓ کی روایت اس پر دال ہے کہ رفع یدین منکبین تک ہونا چاہیے۔ گو ابن عمرؓ کی روایت میں لفظ یدیہ ہے جس میں یہ بھی احتمال ہے کہ اصابع کی محاذاۃ منکبین سے ہو اور اس صورت سے ہو کہ انگلیوں کی انتہا کانوں تک ہو اور انگوٹھے کانوں کے نچلے حصے کی اور ہتھیلیاں منکبین کی محاذاۃ میں ہوں اور یہ بھی احتمال ہے کہ انگلیوں کی انتہا تو کانوں تک ہو اور ہاتھوں کا زیریں حصہ منکبین کے مقابل ہو، تو ابن عمرؓ کی روایت کا ظاہری مدلول احتمال اول ہی تھا بشرطیکہ دوسری روایات متعارض نہ ہوتیں لیکن چونکہ دوسری روایتیں روایت ابن عمرؓ کے معارض ہیں اور ابن عمرؓ کی روایت اپنے مدلول میں غیر صریح اور "رفع ابہامیہ الی شحمۃ اذنیہ" صریح ہے اس لیے امام ابو حنیفہؒ نے ابن عمرؓ کی روایت کے وہ دوسرے معنی لیے جس سے جملہ روایات معنی اور مدلول میں بالکل منطبق اور متفق ہو گئیں کہ انگلیاں منتہا کانوں تک پہنچیں اور انگوٹھے کانوں کی لو تک اور ہاتھوں کا زیریں حصہ منکبین کے مقابل رہے۔

امام شافعی کے طریق جمع سے کہ اطراف اصابع کانوں سے ملیں اور ظہر کف منکبین سے "حاذی ابہامیہ اذنیہ" پر عمل نہیں ہوتا۔ نیز نسائی میں عبدالجبار بن وائل کی روایت کے الفاظ "حتی تکاد ابہاماہ تحاذی شحمۃ اذنیہ" بھی معمول بہا نہیں رہتے۔

صاحب ہدایہ نے اس انطباق کی ایک اور توجیہ کی ہے کہ رفع یدین الی المنکبین حالت عذر پر محمول ہے اور کانوں تک ہاتھ اٹھانا اصل ہے۔ اس معنی کی مؤید ابوداؤد میں حضرت وائل کی وہ روایت ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شروع نماز میں کانوں تک رفع یدین کرتے دیکھا اس کے بعد میں دوبارہ حاضر ہوا تو لوگوں کو سینوں تک رفع یدین کرتے دیکھا اس حال میں کہ ان پر چادریں تھیں۔

اس حدیث نے صاف طور پر بتا دیا کہ رفع یدین الی المنکبین عذر کی حالت میں تھا یعنی چادر وغیرہ کے اشتمال کی حالت میں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ احادیث میں امور تقریبی کا بیان ہو یعنی ید کا کچھ حصہ محاذی منکبین ہوتا تھا اور کچھ محاذی اذنین تو کسی نے اعلیٰ حصہ کو حذاء اذنین سے تعبیر کر دیا اور کسی نے اسفل حصہ کو حذاء منکبین سے تعبیر کر دیا۔

(فائدہ) احناف نے رفع یدین میں مرد و عورت کا فرق کیا ہے کہ مرد کانوں تک اور عورت مونڈھوں تک ہاتھ اٹھائے۔ اس کے متعلق قاضی شوکانی فرماتے ہیں کہ حنفیہ کے پاس اس تفریق کی کوئی دلیل نہیں۔ سو اول تو امام محمد سے دونوں قول منقول ہیں یعنی مرد و عورت دونوں کا ایک حکم ہونا اور دونوں میں فرق کا ہونا اور یہ ثانی قول ہی مشہور ہے دوسرے یہ کہ مجمع الزوائد میں بروایت طبرانی حضرت وائل بن حجر سے مرفوعاً مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ابن حجر! جب تو نماز پڑھے تو اپنے ہاتھ کو کانوں تک اٹھا اور عورت کو چاہئے کہ وہ چھاتیوں تک ہاتھ اٹھائے۔

علامہ ہیثمی نے اس روایت کے تمام رجال کو ثقہ کہا ہے صرف ام یحییٰ بنت عبدالجبار کو مجہول بتایا ہے۔ اس سے مردوں کا کانوں تک اور عورتوں کا سینہ تک ہاتھ اٹھانا ثابت ہوا۔ رہا ایک راوی کا مجہول ہونا سو وہ اس لئے مضر نہیں کہ احادیث رفع یدین عند التکبیر عورتوں کے حکم سے ساکت ہیں صرف قیاس جلی یہ چاہتا تھا کہ وہ اس حکم میں شامل ہوں اور مردوں کی طرح وہ بھی کانوں تک ہاتھ اٹھائیں اور قیاس خفی (جو جملہ نصوص سے مستنبط ہے کہ عورتوں کے لئے اکثر احکام میں ستر ملحوظ ہے) یہ چاہتا ہے کہ وہ شانوں تک ہاتھ اٹھائیں۔

پس اس روایت نے اور ام الدرداء کی روایت نے قیاس خفی کو ترجیح دیدی۔ روایت ام الدرداء کی تخریج امام بخاری نے جزء رفع الیدین میں کی ہے اور راوی بھی سب ثقہ ہیں سلیمان بن سعد کہتے ہیں کہ میں نے ام الدرداء کو منکبین تک ہاتھ اٹھاتے دیکھا ہے۔

(۲۲۴) **قولہ قال ابوداؤد الخ** اس کا مقصد یہ ہے کہ حضرت علی کی زیر بحث حدیث کے الفاظ "واذا قام من السجدتین رفع یدیہ" میں سجدتین سے مراد رکعتین ہیں کیونکہ حضرت ابو حمید ساعدی کی حدیث میں "واذا قام من الرکعتین" کی تصریح موجود ہے۔[ع]

(۵۰) باب من لم یذکر الرفع عند الرکوع

(۷۴۸) حدثنا عثمان بن ابی شیبۃ نا وکیع عن سفیان عن عاصم یعنی ابن کلیب عن عبد الرحمٰن بن الاسود عن علقمۃ قال قال عبد اللہ بن مسعود الا اصلی بکم صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فصلی فلم یرفع یدیہ الا مرۃ واحدۃ قال ابوداؤد وھذا حدیث مختصر من حدیث طویل ولیس ھو بصحیح علی ھذا اللفظ علی ھذا المعنی

ترجمہ

۷۴۸ عثمان بن ابی شیبہ نے بحدیث وکیع بسند سفیان بروایت عاصم بن کلیب بواسطہ عبد الرحمٰن بن الاسود علقمہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا کیا میں تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پڑھ کر نہ بتاؤں؟ پھر آپ نے نماز پڑھی تو ہاتھ نہیں اٹھائے مگر صرف ایک بار۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ یہ حدیث ایک طویل حدیث کا اختصار ہے جو ان الفاظ کے ساتھ اس معنی میں صحیح نہیں ہے۔ تشریح

ع قلت لیس فی حدیث ابی حمید دلالۃ علی ہذا فانہ لا یدل علی نفی الرفع بین الرکعتین الاولیین بعد السجدتین للرکعۃ الاولی ولا شیٔ فی الحدیث یدل علی نفی ذلک وتقییدہ ما تقدم من روایۃ محارب بن دثار عن ابن عمر قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قام فی الرکعتین علی احتمال ان یکون لفظۃ فی بمعنیٰ من ولکن قال الشوکانی فی النیل قولہ واذا قام من السجدتین وقع فی ہذا الحدیث وفی حدیث ابن عمر فی طریق ذکر السجدتین مکان الرکعتین والمراد بالسجدتین الرکعتان بلا شک کما جاء فی روایۃ الباقین کذا قال العلماء من المحدثین والفقہاء الا الخطابی فانہ ظن ان المراد السجدتان المعروفتان ثم استشکل الحدیث الذی وقع فیہ ذکر السجدتین وہو حدیث ابن عمر وہذا الحدیث مثلہ وقال لا اعلم احدا من الفقہاء قال بہ قال ابن رسلان ولعلہ لم یقف علی طرق الحدیث ولو وقف علیہا لحملہ علی الرکعتین کما حملہ الائمۃ ۱۲ بذل المجہود وعون المعبود۔

قولہ قال ابوداؤد الخ (۲۲۶) یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود کی زیر بحث حدیث ایک حدیث طویل کا اختصار ہے۔ اور حدیث طویل ہے جس کو امام بخاری نے جزء رفع الیدین میں بایں الفاظ روایت کیا ہے۔ "حدثنا الحسن بن الربیع ثنا ابن ادریس عن عاصم بن کلیب عن عبدالرحمٰن بن الاسود ثنا علقمۃ ان عبداللہ قال علمنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الصلوٰۃ فقام فکبر ورفع یدیہ ثم رکع وطبق یدیہ فجعلہما بین رکبتیہ فبلغ ذلک سعدا فقال صدق اخی الا انہ قد کان نفعل ذلک فی اول الاسلام ثم امرنا بھذا۔" قال البخاری وھذا المحفوظ عند اہل النظر من حدیث عبداللہ بن مسعود۔

صاحب کتاب کے قول "قال ابوداؤد" کے متعلق ہم احادیث ترک رفع یدین کے تحت اعتراض پنجم کے ذیل میں عرض کر چکے کہ اول تو یہ عبارت نہ ابوداؤد کے قلمی نسخوں میں ہے نہ مطبوعہ میں، نہ ہندی نسخوں میں ہے نہ مصری نسخوں میں۔ صرف مجتبائی نسخہ کے حاشیہ پر یہ عبارت ملحق ہے اور اسی سے عون المعبود میں نقل کی گئی ہے۔ اس لئے صاحب کتاب سے اس عبارت میں کلام ہے۔

دوسرے یہ کہ صاحب کتاب کا قول "لیس بصحیح" حدیث کے ضعیف ہونے پر دلالت نہیں کرتا کیونکہ نفی صحت ضعف کو مستلزم نہیں ہوتی بلکہ مقتضی حسن ہوتی ہے۔ چنانچہ امام ترمذی نے جامع ترمذی میں اس کو حسن کہا ہے اور ابن حزم، دارقطنی، ابن القطان وغیرہ نے اس کی تصحیح کی ہے والمثبت مقدم علی النافی۔

۳۷۹

تیسرے یہ کہ اگر ہم یہ تسلیم کرلیں کہ حدیث مختصر ہے تو حدیث مختصر میں ایک زیادتی ہے جو حدیث طویل میں نہیں ہے اور ثقہ راوی کی زیادتی سب کے نزدیک مقبول ہے۔ حدیث ابن مسعود کی مفصل بحث احادیث ترک رفع یدین کے تحت حدیث ۷ کے ذیل میں گذر چکی۔

(۷۶۶) حدثنا عبداللہ بن محمد الزھری نا سفیان عن یزید نحو حدیث شریک لم یقل ثم لا یعود قال سفیان قال لنا بالکوفۃ بعد ثم لا یعود، قال ابوداؤد روی ھذا الحدیث ھشیم و خالد وابن ادریس عن یزید لم یذکروا ثم لا یعود۔

ترجمہ

عبداللہ بن محمد زہری نے بسند سفیان یزید سے حدیث شریک کی طرح روایت کیا ہے اس میں ثم لا یعود نہیں کہا سفیان کہتے ہیں کہ اس نے ہم سے اس کے بعد کوفہ میں ثم لا یعود کہا۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ اس حدیث کو ہشیم، خالد، اور ابن ادریس نے یزید سے روایت کیا ہے۔ ان سب نے بھی ثم لا یعود ذکر نہیں کیا۔

تشریح

قولہ قال سفیان الخ۔ سفیان ثوری کے قول کا حاصل یہ ہے کہ یزید بن ابی زیاد نے اولاً یہ حدیث ہم سے لفظ ثم لا یعود کے بغیر بیان کی اور جب وہ کوفہ منتقل ہوگئے اور وہاں ہم کو یہ حدیث سنائی تو ثم لا یعود کا اضافہ کردیا۔ اس کا جواب ہم احادیث ترک رفع یدین کے تحت حدیث چہارم پر اعتراض ۷ کے ذیل میں پوری تفصیل کے ساتھ عرض کرچکے۔

(۲۲۸) **قولہ قال ابو داؤد الخ** یعنی اس روایت میں یزید کے تلامذہ ہشیم، خالد، ابن ادریس نے ثم لا یعود ذکر نہیں کیا گویا شریک کی یہ زیادتی شاذ یا منکر ہونے کی بناء پر غیر مقبول ہے۔ علامہ عینی شرح بخاری میں اس کا جواب دیتے ہیں کہ حافظ ابن عدی کی رائے امام ابو داؤد کی اس رائے کے خلاف ہے کہ ہشیم، شریک اور ایک جماعت نے اس کو یزید سے روایت کیا ہے۔ چنانچہ ہشیم والی روایت کی تخریج امام احمد نے مسند میں کی ہے۔ اس میں یہ زیادتی موجود ہے۔ اور دارقطنی نے اسماعیل بن زکریا کو اور بیہقی نے اسرائیل بن یونس بن اسحاق کو اور طبرانی نے اوسط میں حمزہ زیات کو اور امام طحاوی نے سفیان ثوری کو شریک کی طرح اس زیادتی کا راوی قرار دیا ہے اور لفظ ثم لا یعود کے معنی میں شعبہ بھی متفق ہیں چنانچہ سنن دارقطنی میں ہے۔ "حدثنا احمد بن علی بن العلاء ثنا ابو الاشعث ثنا محمد بن بکر ثنا شعبۃ عن یزید بن ابی زیاد قال سمعت ابن ابی لیلی یقول سمعت البراء فی ہذا المجلس یحدث قوما منہم کعب بن عجرۃ قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حین افتتح الصلوۃ یرفع یدیہ فی اول تکبیرۃ[عہ]"

پس اس زیادتی پر چار متابع اور نکلے اور صاحب کتاب کا اعتراض بے محل قرار پایا۔ اس کی باقی تفصیل حدیث براء پر اعتراض نمبر ۳ کے ذیل میں گذر چکی۔

۳۸۰ (۲۸۰) حدثنا حسین بن عبد الرحمن انا وکیع عن ابن ابی لیلی عن اخیہ عیسیٰ عن الحکم عن عبد الرحمن بن ابی لیلی عن البراء بن عازب قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رفع یدیہ حین افتتح الصلوۃ ثم لم یرفعہما حتی انصرف۔ قال ابو داؤد ہذا الحدیث لیس بصحیح

ترجمہ

حسین بن عبد الرحمن نے باخبار وکیع بسند ابن ابی لیلی بطریق عیسیٰ بروایت حکم بواسطہ عبد الرحمن بن ابی لیلی حضرت براء بن عازب سے روایت کیا ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے نماز شروع کرتے وقت ہاتھ اٹھائے اس کے بعد نماز سے فارغ ہونے تک ہاتھ نہیں اٹھائے ابو داؤد کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ **تشریح**

عہ فقول شعبۃ: فی اول تکبیرۃ: کاف فی المراد وان لم یقل: ثم لا یعود۔ ۱۲

لہ ہکذا فی النسخ الموجودۃ عندنا وفیہا سقوط من النساخ اسقطوا حرف العطف فان ہذا الحدیث اخرجہا الطحاوی ثم فیہ عن ابن ابی لیلی عن اخیہ عن الحکم ومثلہ فی مصنف ابن ابی شیبۃ وفی الجوہر النقی واخرجہ ابو داؤد من جہۃ عیسیٰ والحکم فعلی ہذا یکون معطوفا علی عن اخیہ ویکون روایۃ محمد بن ابی لیلی عن اخیہ عیسیٰ وعن الحکم بن عتیبۃ واما الحافظ فی تہذیبہ فلم یذکر فی ترجمۃ محمد بن عبد الرحمن بن ابی لیلی حکم بن عتیبۃ فی شیوخہ ولم یذکر فی ترجمۃ حکم بن عتیبۃ محمد بن عبد الرحمن بن ابی لیلی وذکر فی ترجمۃ عیسیٰ بن عبد الرحمن بن ابی لیلی فی شیوخہ حکم بن عتیبۃ فقال یا الحکم بن عتیبۃ ان کان محفوظا وذکر فی ترجمۃ الحکم بن عتیبۃ من شیوخہ ابن ابی لیلی وہو عبد الرحمن ولم یذکر فی تلامذتہ لا محمد بن عبد الرحمن ولا عیسیٰ بن عبد الرحمن ۱۲ بذل

قولہ قال ابوداؤد الخ (۲۲۹) صاحب کتاب نے حضرت براء بن عازب کی اس حدیث کے متعلق یہ تو کہہ دیا کہ یہ صحیح نہیں لیکن صحیح نہ ہونے کی کوئی وجہ بیان نہیں کی لیکن ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ ابن ابی لیلیٰ (یعنی محمد بن عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ) کے متعلق بعض محدثین نے کلام کیا ہے مگر ہم احادیث ترک رفع یدین کے تحت اعتراض ۲ کے ذیل میں ان کے متعلق موثقین کی آراء ذکر کر چکے ہیں۔

(۲۷۰) باب وضع الیمنی علی الیسریٰ فی الصلوٰۃ

(۷۴۸) حدثنا محمد بن قدامۃ بن اعین عن ابی بدر عن ابی طالوت عبد السلام عن ابن جریر الضبی عن ابیہ قال رأیت علیاً یمسک شمالہ بیمینہ علی الرسغ فوق السرۃ. قال ابوداؤد وروی عن سعید بن جبیر فوق السرۃ قال ابو مجلز تحت السرۃ وروی عن ابی ہریرۃ ولیس بالقوی

ترجمہ

محمد بن قدامہ بن اعین نے بسند ابو بدر بروایت ابوطالوت عبد السلام بواسطہ ابن جریر ضبی جریر سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت علی کو دیکھا کہ وہ اپنا بایاں ہاتھ داہنے ہاتھ سے گٹے پر ناف کے اوپر تھامے ہوئے تھے۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ سعید بن جبیر سے فوق السرۃ مروی ہے اور ابومجلز نے تحت السرہ کہا ہے اور یہ حضرت ابوہریرہ سے بھی مروی ہے مگر قوی نہیں ہے:۔ **تشریح**

قولہ باب الخ. تکبیر تحریمہ کے بعد بحالت قیام دونوں ہاتھوں کو چھوڑ دیا جائے یا باندھ لیا جائے، نیز ہاتھ باندھنے کی صورت میں زیر ناف باندھے جائیں یا بالائے ناف۔ سینہ پر باندھے جائیں یا سینہ کے نیچے؟ قاضی شوکانی نے نیل میں ذکر کیا ہے کہ جمہور علماء کا مذہب ہاتھ باندھنا ہے۔ ابن المنذر نے حضرت ابن الزبیر، حسن بصری، ابراہیم نخعی سے۔ امام نووی نے لیث بن سعد سے۔ اور ابن القاسم نے امام مالک سے ارسال (ہاتھوں کو چھوڑنا) نقل کیا ہے۔ اس کے خلاف ابن الحکم نے امام مالک سے وضع یدین نقل کیا ہے۔ لیکن امام مالک سے جمہور کی روایت ارسال کی ہے اور یہی انکے یہاں مشہور ہے شیخ ابن سید الناس نے امام اوزاعی سے نقل کیا ہے کہ وضع و ارسال میں اختیار ہے، علامہ ابن المنذر بھی اسکے قائل ہیں

ملہ وقد خالف البیہقی ہذا التعلیق وقال فی سننہ بعد ما ذکر اثر سعید بن جبیر بلفظ فوق السرۃ. وکذلک قال ابو مجلز. ظاہرہ یدل علی ان قول ابی مجلز یوافق قول سعید بن جبیر فی ان الیدین یوضعان فوق السرۃ. قال الشیخ قلت قول البیہقی ہذا مخالف لما ذکرہ ابوداؤد ولما اخرجہ ابن ابی شیبۃ ولما حکاہ عنہ ابو عمر فی التمہید من مذہبہ فاما ان یأول بان المشار الیہ بقولہ وکذلک ہو وضع الیدین فقط من غیر ان یقید بقید فوق السرۃ والا فیکون غلطا من النساخ ۱۲ بذل

ملہ وعن التفرقۃ بین الفریضۃ والنافلۃ ومنہم من کرہ الامساک ونقل ابن الحاجب ان ذلک حیث یمسک معتمدا لقصد الراحۃ، قالہ الحافظ ۱۲ عون

پھر جو لوگ ہاتھ باندھنے کے قائل ہیں ان کے یہاں موضع وضع میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ سفیان ثوری، اسحاق بن راہویہ، ابو اسحاق مروزی شافعی کا مذہب یہ ہے کہ ہاتھ زیر ناف باندھے جائیں۔ امام شافعی سے اس سلسلہ میں تین روایتیں ہیں۔ چنانچہ صاحب عون المعبود نے ذکر کیا ہے کہ علامہ ہاشم سندھی نے اپنے بعض رسائل میں امام شافعی سے تین روایتیں نقل کی ہیں۔
ﷺ داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر سینے کے نیچے اور ناف کے اوپر رکھا جائے۔ امام نووی نے یہی روایت نقل کی ہے۔ ﷺ اسی طرح سینہ پر رکھا جائے۔ صاحب ہدایہ نے امام شافعی سے یہی روایت نقل کی ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ حاوی وغیرہ کتب شوافع میں بھی یہی مذکور ہے۔ ﷺ ناف کے نیچے رکھا جائے
امام احمد سے بھی تین روایتیں ہیں ﷺ ناف کے نیچے رکھا جائے ﷺ سینے کے نیچے اور ناف کے اوپر رکھا جائے ﷺ دونوں میں اختیار ہے۔ امام مالک سے دو روایتیں ہیں ﷺ ارسال ﷺ وضع الیدین تحت الصدر۔
جو لوگ ارسال کے قائل ہیں ان کے نزدیک وضع یدین یا عدم وضع یدین کے سلسلہ میں کوئی حدیث ثابت نہیں چنانچہ حافظ ابن المنذر نے اپنی بعض تصانیف میں کہا ہے "لم یثبت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی ذلک شئی" اس لئے ان حضرات کے یہاں ہاتھ باندھنے اور چھوڑنے میں اختیار ہے۔
مگر یہ خیال صحیح نہیں کیونکہ وضع یدین کی بابت متعدد احادیث ثابت ہیں (۱) امام بخاری نے حضرت سہل بن سعد سے روایت کیا ہے "قال کان الناس یؤمرون ان یضع الرجل الید الیمنی علی ذراعہ الیسری فی الصلوٰۃ" اس کے متعلق ابو حاتم فرماتے ہیں "لا اعلمہ الا ان ینمی ذلک الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم" (۲) صحیح مسلم میں حضرت وائل بن حجر سے مروی ہے "انہ رأی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رفع یدیہ حین دخل فی الصلوٰۃ کبر وصفہما حیال اذنیہ ثم التحف بثوبہ ثم وضع یدہ الیمنی علی الیسری (مختصر)
(۳) ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ اور دارقطنی نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کیا ہے "انہ کان یصلی فوضع یدہ الیسری علی الیمنی فرآہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فوضع یدہ الیمنی علی الیسری" اس کی اسناد میں حجاج بن ابی زینب متکلم فیہ ہے۔ ابن المدینی نے ضعیف اور امام نسائی نے غیر قوی کہا ہے لیکن ابن معین فرماتے ہیں لیس بہ باس۔ ابن عدی کہتے ہیں "ارجو انہ لا باس بہ" بلکہ امام نووی نے تو خلاصہ اور شرح مہذب میں اس کی اسناد کو شرط مسلم پر بتایا ہے اور امام احمد و حافظ طبرانی نے اس کو حضرت جابر سے باسناد صحیح روایت کیا ہے۔ یہ دارقطنی میں بھی ہے مگر اس کی سند میں حجاج بن ابی زینب ہے۔
(۴) حافظ دارقطنی نے حضرت ابن عباس و حضرت ابوہریرہ سے مرفوعاً روایت کیا کہ "قال انا معشر الانبیاء امرنا ان نمسک بایماننا علی شمائلنا فی الصلوٰۃ" مگر حضرت ابن عباس والی روایت میں طلحہ ہے جس کو امام احمد نے متروک الحدیث اور ابن معین نے ضعیف اور لیس بشئ کہا ہے۔ اور امام بخاری، ابوداؤد، نسائی، ابوحاتم، ابوزرعہ، ابن حبان

دارقطنی اور ابن عدی نے اس کی بابت کلام کیا ہے۔ اور حضرت ابوہریرہ والی روایت کی سند میں نضر بن اسمٰعیل ہے جس کے متعلق ابن معین لیس بشئی۔ نسائی اور ابوزرعہ نے لیس بالقوی، اور ابن ابی لیلیٰ نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ لیکن علامہ ہیثمی نے مجمع الزوائد میں ذکر کیا ہے کہ حافظ طبرانی نے معجم کبیر میں اس کو بہ رجال صحیح روایت کیا ہے تو ممکن ہے ان کے پاس اسکا کوئی اور بہتر طریق ہو۔ (۵) امام ترمذی، ابن ماجہ اور دارقطنی نے حضرت ہلب سے روایت کیا ہے "قال کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یؤمنا فیاخذ شمالہ بیمینہ" امام ترمذی نے اس کو حسن کہا ہے۔

بہرکیف وضع یدین کی بابت متعدد احادیث وارد ہیں۔ اب رہی یہ بات کہ ہاتھ سینے پر باندھے جائیں یا زیر ناف، سو شوافع حضرات اول کے قائل ہیں۔ کیونکہ سنن بیہقی اور صحیح ابن خزیمہ میں حضرت وائل بن حجر سے مروی ہے "قال صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوضع یدہ الیمنیٰ علی یدہ الیسریٰ علی صدرہ۔"

یہ حدیث شوافع کی قوی ترین ادلہ میں سے ہے۔ اسی لئے امام نووی نے خلاصہ میں، شیخ تقی الدین ابن دقیق العید نے الالمام میں، حافظ ابن حجر نے بلوغ المرام میں حدیث وائل کے علاوہ اور کوئی حدیث ذکر نہیں کی۔ حتیٰ کہ قاضی شوکانی نے نیل میں تصریح کی ہے "ولاشیٔ فی الباب اصح من حدیث وائل" اس کے باوجود اس کا یہ حال ہے کہ یہ مؤمل بن اسمٰعیل پر دائر ہے جس کو اسے عاصم بن کلیب عن ابیہ عن وائل روایت کیا ہے اور لفظ "علی صدرہ" کی روایت میں منفرد ہے اور کسی نے اس کو ذکر نہیں کیا۔ ابن القیم نے اعلام الموقعین میں اس کی تصریح کی ہے۔

چنانچہ عاصم بن کلیب کے تلامذہ میں سے شعبہ، عبدالواحد، زہیر بن معاویہ (عند احمد) زائدہ (عند احمد وابی داؤد والبیہقی) بشر بن المفضل (عند ابی داؤد وابن ماجہ) عبداللہ بن ادریس (عند ابن ماجہ) سلام بن سلیم (عند الطیالسی) اور خالد بن عبداللہ (عند البیہقی) وغیرہ کی ایک جماعت نے اس کو روایت کیا ہے لیکن کسی نے لفظ "علی صدرہ" ذکر نہیں کیا۔

اسی طرح موسیٰ بن عمیر نے عن علقمۃ عن وائل (عند احمد والبیہقی والدارقطنی) موسیٰ بن قیس نے (عند النسائی)، عبدالجبار نے عن علقمۃ ومولی لہم (عند مسلم) اور عن وائل بن علقمۃ عن وائل بن حجر (عند ابی داؤد) اور عن اہل بیت وائل (عند البیہقی) اور عن ابیہ وائل (عند احمد والدارمی) صرف "وضع الیمین علی الشمال" روایت کیا ہے۔ "علی صدرہ" کسی نے ذکر نہیں کیا۔

اور مؤمل بن اسمٰعیل محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔ حافظ ذہبی الکاشف میں فرماتے ہیں "صدوق شدید فی السنۃ کثیر الخطاء وقیل دفن کتبہ وحدث حفظا فغلط۔" ابن حجر نے التہذیب میں امام بخاری کا قول نقل کیا ہے کہ یہ منکر الحدیث ہے۔ ابن سعد اور دارقطنی کا قول ہے کہ یہ ثقہ ہے لیکن کثیر الغلط ہے۔ ابن قانع کہتے ہیں کہ صالح یخطی۔ تقریب میں ہے صدوق سیٔ الحفظ۔ ابوحاتم فرماتے ہیں کثیر الخطاء۔ ابوزرعہ کہتے ہیں فی حدیثہ خطاء کثیر۔

اور یہ اصول مسلم ہے کہ اگر کوئی ضعیف راوی ثقات کے خلاف روایت کرے تو اسکی روایت قابل حجت نہیں ہوتی۔ علاوہ ازیں اس کے متن میں بھی اضطراب ہے۔ ابن خزیمہ نے علی صدرہ

۳۸۳

روایت کیا ہے اور حافظ بزار نے "عند صدرہ" (کما قال الحافظ فی التلخیص) اور ابن ابی شیبہ نے "تحت السرۃ"۔ پھر حدیث میں تکفیر کی ممانعت صراحۃً موجود ہے۔ جس کے معنی سینہ پر ہاتھ رکھنے کے ہیں۔ یہاں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ مؤمل نے "علی صدرہ" کی زیادتی عاصم بن کلیب سے روایت کی ہے اور عاصم بن کلیب وہی ہیں جو حضرت عبداللہ بن مسعود سے ترک رفع یدین کے راوی ہیں۔ جن کے متعلق شوافع نے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر ثابت کیا تھا کہ یہ قابل احتجاج بھی نہیں۔ اب شوافع حضرات یہاں کیا کہیں گے جبکہ ان کے پاس اس مسئلے میں وائل عاصم کے علاوہ اور کوئی مصالحہ بھی نہیں۔

سوال۔ صاحب عون المعبود نے کہا ہے کہ حافظ ابن سید الناس نے شرح ترمذی میں حدیث وائل ذکر کر کے کہا ہے کہ ابن خزیمہ نے اس کی تصحیح کی ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ علامہ محمد قاسم سندھی کو بھی اس کا اعتراف ہے کہ یہ ابن خزیمہ کی شرط پر ہے۔

جواب۔ حضرت وائل کی حدیث مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہے جن میں سے بعض کی صحت میں کوئی شک نہیں، گفتگو تو لفظ "علی صدرہ" کی زیادتی میں ہے۔ ابن خزیمہ نے جس کی تصحیح کی ہے اور ابن سید الناس نے اس کو نقل کیا ہے وہ وہ ہے جس کو حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں ذکر کیا ہے، فرماتے ہیں "وفی حدیث وائل عند ابی داؤد والنسائی، ثم وضع یدہ الیمنی علی ظہر کف الیسری والرسغ من الساعد، وصححہ ابن خزیمہ" اور یہ وہ حدیث جس میں "علی صدرہ" کی زیادتی ہے سو اس کے متعلق حافظ نے فتح الباری میں صرف یہ کہا ہے "وقد روی ابن خزیمۃ من حدیث وائل انہ وضعہما علی صدرہ والبزار عند صدرہ"

ابن خزیمہ سے اس زیادتی کی تصحیح ذکر نہیں کی نہ فتح الباری میں نہ تلخیص میں نہ درایہ میں نہ بلوغ المرام میں۔ اسی طرح امام نووی نے بھی اس کی تصحیح نقل نہیں کی نہ شرح مہذب میں نہ خلاصہ میں، نہ شرح مسلم میں، حالانکہ ان حضرات کو اس نقل کی زیادہ ضرورت تھی کیونکہ یہ حضرات برائے تقویت مذہب اس قسم کی جستجو میں سب سے پیش پیش رہتے ہیں۔ پس ان حضرات کا سکوت دلیل ہے اس بات کی کہ ابن خزیمہ نے اس کی تصحیح نہیں کی۔

سوال۔ قاضی شوکانی نے نیل الاوطار میں لکھا ہے کہ شوافع نے اپنے مذہب کے لئے حدیث وائل سے احتجاج کیا ہے جس کی تخریج ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں کی ہے اور اس کی تصحیح بھی کی ہے یعنی "صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوضع یدہ الیمنی علی الیسری علی صدرہ"۔

جواب۔ اگر قاضی صاحب حافظ ابن حجر و امام نووی وغیرہ کی طرح نقل تصحیح کے متعلق سکوت اختیار کرتے تو یہ ان کے حق میں بہتر ہوتا کیونکہ حافظ ابن حجر کے پاس تو ابن خزیمہ کی کتاب صحیح موجود ہے اور ان کی تصانیف تصحیحات ابن خزیمہ سے پر ہیں بالخصوص بلوغ المرام میں تو حافظ نے تصحیحات ابن خزیمہ سے زائد نقل کی ہیں۔

چنانچہ ایک حدیث کے سلسلہ میں موصوف نے تلخیص میں کہا ہے "الی راجعت صحیح ابن خزیمۃ فوجدتہ اخرجہ عن ابی ہریرۃ من ادرک من الصلوۃ رکعۃ الخ"

حافظ بیہقی نے بھی اس کتاب کا نسخہ پایا ہے جیسا کہ سنن کبریٰ کی اس عبارت میں تصریح ہے۔ "قال الشیخ وہذہ الزیادۃ ای زیادۃ (وربنا والیک المصیر) فی ہذا الحدیث لم اجدہا الا فی روایۃ ابن خزیمۃ وہو امام۔ وقد رأیتہ فی نسخۃ قدیمۃ لکتاب ابن خزیمۃ لیس فیہ ہذہ الزیادۃ ثم الحقت بخط آخر بحاشیتہ فالاشبہ ان تکون لحقۃ بکتابہ من غیر علمہ واللہ اعلم۔"

بدائع الفوائد میں علامہ ابن القیم کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی اصل کتاب پر مطلع ہیں۔ لیکن ان حضرات میں سے کسی نے بھی ابن خزیمہ سے تصحیح نقل نہیں کی۔ بخلاف قاضی شوکانی کے کہ انھوں نے صحیح ابن خزیمہ دیکھی تک نہیں کیونکہ صحیح ابن خزیمہ ان کتابوں میں سے ہے جو دنیا سے عنقا ہو چکیں، صرف مکتبہ لندن میں اس کی دو جلدیں بتائی جاتی ہیں۔

پس قاضی شوکانی گویا تو ابن سید الناس کے قول سے دھوکہ ہو گیا یا وہ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ ابن خزیمہ کا کسی حدیث کو روایت کرنا گویا اس کی تصحیح کرنا ہے جو قطعاً غلط ہے۔ اور یہ کوئی نئی بات نہیں بلکہ وہ تو اس قسم کے مواقع پر آنکھیں بند کر کے تصحیحات نقل کرتے ہی کہا کرتے ہیں۔ چنانچہ حدیث رکانہ کے متعلق بھی انھوں نے کہا ہے۔ "قال ابوداؤد ہذا حسن صحیح"۔ حالانکہ ابوداؤد کے کسی نسخہ میں بھی اس تصحیح کا وجود نہیں ہے۔

سوال۔ حافظ ابن حجر نے درایہ میں کہا ہے کہ اس حدیث کی تخریج ابن خزیمہ نے کی ہے اور یہ لفظ علی صدرہ "کے بغیر صحیح مسلم میں موجود ہے۔ مبارک پوری صاحب نے اس پر استدلال کیا ہے کہ حدیث ابن خزیمہ اسناد و متن ہر دو کے ساتھ بلا لفظ علی صدرہ "مسلم میں موجود ہے اور مسلم کی اسناد صحیح ہے تو اسناد ابن خزیمہ بھی صحیح ہوگی۔

جواب۔ اگر متن مع سند مذکور ہوتا اور پھر یہ کہا جاتا کہ یہ صحیح مسلم میں ہے تب تو کسی درجہ میں بات بن جاتی ورنہ یہ تو کھلا مغالطہ ہے کیونکہ اصول مذکور اس وقت ہے جب باوجود کل اسناد کے ساتھ مخرج متحد ہو۔ اگر صرف متن مذکور ہوا اور اسناد کا ذکر نہ ہو تو اس صورت میں اسناد مراد نہیں ہوتی۔

عہ انظر الی ما قال الحافظ فی الفتح وحدیث وائل عند ابی داؤد والنسائی۔ ثم وضع یدہ الیمنی علی ظہر کفہ الیسری والرسغ من الساعد۔ وصححہ ابن خزیمۃ وغیرہ واصلہ فی مسلم بدون الزیادۃ اھ فان مفاد ہذا القول بعینہ مفاد ما استدل صاحب العون ولکن لم یرد بہ الحافظ ان اسناد ابی داؤد والنسائی ہو اسناد مسلم من اولہ الی آخرہ ولو سلمنا ان اسناد زیادۃ حدیث وائل ہو الاسناد الذی اخرج بہ مسلم اصل الحدیث فکان ہذا ادل دلیل علی ان الزیادۃ غلط ووہم فیہ الراوی ولو ثقۃ لانا علی یقین من ان شیخا واحدا من مسلم وابن خزیمۃ لم یکن لیعنی بہذہ الزیادۃ عن مسلم ویذکر عند ابن خزیمۃ فقط۔ فاذا طرح مسلم ہذہ الزیادۃ وروی الحدیث بدونہا فلیس ہذا الا لما علم ان الزیادۃ وہم غلط فیہ الراوی۔

قال ابن القیم فی الہدی مجیبا عن اعتراض علی مسلم روایۃ عمن تکلم فیہم، لا عیب علی مسلم فی اخراج حدیثہ لانہ ینتقی من احادیث ہذا الضرب ما یعلم انہ حفظہ کما یطرح من احادیث الثقۃ ما یعلم انہ غلط فیہ اھ بل قد یشیر مسلم فی صحیحہ الی ذلک ایضا کما قال فی حدیث جابر زیادۃ حرف ترکنا ذکرہ۔ تعلیق بر نصب الرایہ لاحادیث الہدایۃ۔

سوال۔ ابن خزیمہ کا اپنی صحیح میں حدیث داخل کی تخریج کرنا گویا اس کی تصحیح کرنا ہے کیونکہ اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حدیث ابن خزیمہ کی شرط پر ہے۔

جواب۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری و بلوغ المرام وغیرہ میں اور امام نووی نے شرح مہذب وغیرہ میں جو احادیث پر ابن خزیمہ کا کلام نقل کیا ہے اس سے یہ بات بخوبی واضح ہوتی ہے کہ صحیح ابن خزیمہ مثل صحیحین یا سنن ابوداؤد و نسائی کی طرح نہیں بلکہ ان کا انداز تحریر و طرز نگارش ترمذی و حاکم کا سا ہے کہ ہر حدیث پر اس کے مناسب کلام کرتے ہیں، جہاں تصحیح مناسب سمجھتے ہیں تصحیح کرتے ہیں، کہیں تردد ظاہر کرتے ہیں، کہیں حدیث کو سنداً ذکر کرکے سکوت اختیار کرتے ہیں اور کہیں ضعف حدیث کے باوجود خاموشی سے گذر جاتے ہیں جس کا ثبوت صاحب فتح المغیث، حافظ ابن حجر اور زیلعی وغیرہ کی عبارات میں موجود ہے۔ فتح المغیث میں ہے: "وکم فی کتاب ابن خزیمۃ ایضاً من حدیث محکوم منہ بصحتہ وہو لا یرتقی عن رتبۃ الحسن اھ"۔ حافظ ابن حجر القول المسدد میں ابن خزیمہ کی روایت کردہ ایک حدیث کے متعلق کہتے ہیں۔ "لکن قال فی آخرہ۔ فی القلب من عبد الرحمن شئی"۔ حافظ زیلعی فرماتے ہیں، حدیث آخر اخرجہ ابن خزیمۃ فی صحیحہ عن ام سلمۃ ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قرأ بسم اللہ الرحمن الرحیم فی الفاتحۃ فی الصلوۃ وعدّہا آیۃ اھ۔ اور یہ وہی حدیث ہے جس کو حاکم نے مستدرک میں بطریق ابن خزیمہ روایت کیا ہے اس کی سند میں عمر بن ہارون ہے جس کے ضعف پر حافظ ذہبی نے اجماع نقل کیا ہے اور امام نسائی نے اس کو متروک کہا ہے۔

بہرکیف حافظ ابن خزیمہ کا کسی حدیث کو اپنی صحیح میں روایت کرنا اس بات کی دلیل نہیں کہ یہ تصحیح کردہ صحیح ہی ہے۔ اس پوری تفصیل سے یہ بات محقق ہو گئی کہ حدیث میں لفظ علی صدرہ کی زیادتی پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچی اسی لئے احناف زیر ناف ہاتھ باندھنے کے قائل ہیں کیونکہ حضرت علی کی حدیث میں اس کی تصریح ہے۔ "قال من السنۃ وضع الکف علی الکف فی الصلوٰۃ تحت السرۃ (ابو داؤد، احمد، دار قطنی، بیہقی)"

حضرت علی فرماتے ہیں کہ نماز میں داہنی ہتھیلی کو بائیں ہتھیلی پر ناف کے نیچے رکھنا سنت ہے اور محدثین کے یہاں لفظ سنت مرفوع کے حکم میں ہوتا ہے جیسا کہ حافظ ابن عبد البر نے التقصی میں تصریح کی ہے کہ جب کوئی صحابی لفظ سنت کو مطلق ذکر کرے تو اس سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہوتی ہے۔ اور اگر غیر صحابی یہ لفظ بولے تب بھی یہی مطلب ہوتا ہے تاوقتیکہ وہ اس کو صاحب سنت کی طرف منسوب نہ کرے۔

سوال۔ اس کی اسناد میں ایک راوی ضعیف ہے یعنی عبد الرحمن بن اسحاق ابو شیبہ واسطی اور ایک مجہول ہے یعنی زیاد بن زید سوائی۔ عبد الرحمن بن اسحاق کو امام احمد اور ابو حاتم منکر الحدیث اور ابن معین نے لیس بشئی کہا ہے۔ حافظ بیہقی کتاب المعرفۃ میں کہتے ہیں "لا یثبت اسنادہ تفرد بہ عبد الرحمن بن اسحاق الواسطی وہو متروک"۔ امام نووی خلاصہ اور شرح مسلم میں کہتے ہیں،

ہو حدیث متفق علی تضعیفہ قلت عبد الرحمٰن بن اسحاق ضعیف بالاتفاق۔

جواب۔ یہ ان حضرات کا تہور و مبالغہ اور انتہائی جسارت ہے اس واسطے کہ عبد الرحمٰن بن اسحاق ضعیف ہے یہ توضیح ہے لیکن اتنا ضعیف نہیں کہ اس کی ہر روایت کو بالاتفاق کہہ دیا جائے کیونکہ حافظ ابن حجر نے القول المسدد میں کہا ہے کہ امام ترمذی نے ان کے حافظہ کی جہت سے کلام کیا ہے اس کے باوجود ان کی ایک حدیث کی تحسین کی ہے۔ اسی طرح حاکم نے ان کے طریق پر ایک حدیث کی تصحیح کی ہے۔ نیز ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں انکی حدیث روایت کرکے صرف یہ کہہ کر وفی القلب من عبد الرحمٰن شئی۔ تردد ظاہر کیا ہے۔

پھر عبد الرحمٰن بن اسحاق میں جو ضعف ہے اس کا تدارک ابن ابی شیبہ کی روایت کو ہو جاتا ہے۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے: حدثنا وکیع عن موسیٰ بن عمیر و ہو التیمی العنبری الکوفی عن علقمہ بن وائل بن حجر عن ابیہ قال رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یضع یمینہ علی شمالہ تحت السرۃ

شیخ قاسم بن قطلوبغا تخریج احادیث الاختیار شرح المختار میں کہتے ہیں۔ ہذا اسناد جید۔ شیخ ابو الطیب مدنی شرح ترمذی میں کہتے ہیں کہ یہ حدیث سند کے لحاظ سے قوی ہے۔ شیخ عابد سندی طوالع الانوار میں فرماتے ہیں کہ اس کے رجال ثقہ ہیں۔

سوال۔ علامہ حیات سندی نے اپنے رسالہ فتح الغفور میں کہا ہے کہ اس حدیث میں لفظ تحت السرۃ محل نظر بلکہ غلط ہے کیونکہ میں نے مصنف ابن ابی شیبہ کے ایک نسخہ میں یہ حدیث اسی سند اور انہیں الفاظ کے ساتھ بچشم خود دیکھی ہے جس میں تحت السرۃ الفاظ نہیں ہیں۔

جواب۔ علامہ ابو المحاسن محمد قاسم سندی اپنے رسالہ فوز الکرام میں فرماتے ہیں کہ شیخ قاسم بن قطلوبغا نے ان الفاظ کو پورے جزم کے ساتھ مصنف ابن ابی شیبہ کی طرف منسوب کیا ہے اور میں نے مصنف کے ایک نسخہ میں بچشم خود دیکھا ہے۔ نیز شیخ عبد القادر کی لائبریری میں مصنف کا جو نسخہ ہے اس میں بھی یہ الفاظ موجود ہیں۔

پس اس جزم و مشاہدہ کے ہوتے ہوئے اس زیادتی کو غلط کہنا سراسر زیادتی ہے۔ رہا زیاد بن زید کا مجہول ہونا سو وہ اس لئے مضر نہیں کہ دارقطنی نے اس کو عن عبد الرحمٰن بن اسحاق عن النعمان بن علی عن علی بھی روایت کیا ہے جس میں زیاد بن زید نہیں ہے۔

قولہ قال ابوداؤد الخ صاحب کتاب یہاں دو تعلیقیں ذکر کر رہے ہیں ایک تعلیق سعید بن جبیر اور ایک تعلیق ابو مجلز۔ تعلیق سعید بن جبیر کو حافظ بیہقی نے سنن میں موصولاً روایت کیا ہے الفاظ یہ ہیں: اخبرنا ابو زکریا بن ابی اسحٰق انبا الحسن بن یعقوب ثنا یحیی بن ابی طالب انبا زید بن الحباب ثنا سفیان الثوری عن ابن جریج عن ابی الزبیر المکی قال امرنی عطاء ان اسأل سعیدا این تکون الیدان فی الصلوۃ فوق السرۃ او اسفل من السرۃ فسألتہ فقال فوق السرۃ۔

تعلیق ابی مجلز کی تخریج ابن ابی شیبہ نے مصنف میں موصولاً کی ہے الفاظ یہ ہیں: حدثنا یزید بن ہارون قال اخبرنا الحجاج بن حسان قال سمعت ابا مجلز او سألتہ قال قلت کیف

اضع قال تضع باطن كف يمينه على ظاهر كف شماله ويجعلها اسفل من السرة * حافظ ابو عمر ابن عبد البر نے التمہید میں حضرت ابو مجلز کا مذہب بھی یہی نقل کیا ہے کہ ہاتھوں کو زیر ناف باندھا جائے

(۶۹) حدثنا مسدد نا عبد الواحد بن زياد عن عبد الرحمن بن اسحق الكوفي عن سيار ابي الحكم عن ابي وائل قال قال ابو هريرة أَخْذُ الاكف على الاكف في الصلوة تحت السرة، قال ابو داؤد سمعت احمد بن حنبل يُضَعِّف حديث عبد الرحمن بن اسحق الكوفي

ترجمہ

مسدد نے بحدیث عبد الواحد بن زیاد بطریق عبد الرحمن بن اسحق کوفی بواسطہ ابو الحکم سیار، ابو وائل کر روایت کیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا، نماز میں ہتھیلی کو ہتھیلی پر پکڑنا ناف کے نیچے ہے۔
ابو داؤد کہتے ہیں کہ میں نے احمد بن حنبل سے سنا ہے وہ عبد الرحمن بن اسحاق کوفی کی حدیث کو ضعیف کہتے تھے۔

تشریح

(۲۳۱)
قولہ قال ابو داؤد الخ حضرت ابو ہریرہ کی یہ زیر بحث حدیث وہی ہے جس کے متعلق صاحب کتاب نے اس سے قبل کہا تھا۔ وروی عن ابی ہریرۃ ولیس بالقوی۔ اسکی سند میں عبد الرحمن بن اسحق ہے۔ امام احمد نے اسکی حدیث کو ضعیف کہا ہے جس کا جواب ہم اوپر عرض کر چکے ہیں۔

(۱۰۷) باب ما يُستفتح به الصلوة من الدعاء

(۷۰) حدثنا محمد بن رافع نا زيد بن الحباب اخبرني معاوية بن صالح اخبرني ازهر بن سعيد الحرازي عن عاصم بن حميد قال سألت عائشة بأي شيء كان يفتتح رسول الله صلى الله عليه وسلم قيام الليل فقالت لقد سألتني عن شيء ما سألني عنه احد قبلك كان اذا قام كبّر عشرا وحمد الله عشرا وسبّح عشرا وهلّل عشرا واستغفر عشرا وقال اللهم اغفر لي واهدني وارزقني وعافني ويتعوذ من ضيق المقام يوم القيمة، قال ابو داؤد ورواه خالد بن معدان عن ربيعة الجرشي عن عائشة نحوه

سلہ وفی ہذا تحسین لسوالہ وتحزین لمقالہ وتاسف علی غفلۃ الناس عن حالہ ۱۲ عون المعبود۔

ترجمہ

محمد بن رافع نے بحدیث زید بن الحباب باخبار معاویہ بن صالح بسند ازہر بن سعید حرازی، عاصم بن حمید سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ سے دریافت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رات کی نفلوں کو کس دعاء سے شروع کرتے تھے؟ حضرت عائشہ نے کہا کہ تو نے مجھ سے ایسی بات دریافت کی جو تجھ سے پہلے کسی نے دریافت نہیں کی، آپ جب کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر الحمد للہ، سبحان اللہ، لا الٰہ الا اللہ دس دس بار کہتے اور دس مرتبہ استغفار پڑھتے اور فرماتے اللھم اغفر لی واہدنی وارزقنی وعافنی اور پناہ مانگتے قیامت کے دن کھڑے ہونے کی تنگی سے۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ اس کو خالد بن معدان نے بواسطہ ربیعہ جرشی حضرت عائشہ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔

تشریح

قولہ باب الخ: تکبیر تحریمہ کے بعد نماز کے شروع میں کون سی دعا پڑھی جائے؟ ہمارے یہاں اس سلسلہ میں فرائض و نوافل میں فرق ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک فرائض میں صرف ثناء پڑھنا چاہیے۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ ثناء کے ساتھ انی وجہت وجہی للذی فطر السموات والارض حنیفا وما انا من المشرکین بھی جمع کرے۔ اس میں اسحاق بن راہویہ امام ابو یوسف کے ساتھ ہیں۔

دلیل حضرت ابن عمر کی حدیث ہے جس کو حافظ طبرانی نے معجم کبیر میں روایت کیا ہے۔ "قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا افتتح الصلوٰۃ قال وجہت وجہی للذی فطر السموات والارض حنیفا وما انا من المشرکین سبحانک اللھم الخ ان صلاتی ونسکی الخ"۔ مگر یہ حدیث عبداللہ بن عامر اسلمی کی وجہ سے معلول ہے حافظ ذہبی نے میزان میں ایک جماعت سے اس کی تضعیف نقل کی ہے اور ابن حبان نے کتاب الضعفاء میں لکھا ہے "کان یقلب الاسانید والمتون ویرفع المراسیل والموقوفات ثم اسند عن ابن معین انہ قال فیہ لیس بشیٔ"۔

۳۸۹

حضرت جابر سے بھی اسی طرح مروی ہے جس کو بیہقی نے روایت کیا ہے لیکن اس کے متعلق خود بیہقی نے کتاب المعرفۃ میں کہا ہے کہ اس کو محمد بن المنکدر نے کبھی حضرت ابن عمر سے روایت کیا ہے اور کبھی حضرت جابر سے اور یہ قوی نہیں ہے۔

طرفین کی دلیل حضرت انس کی روایت ہے جس کو دارقطنی نے سنن میں اور طبرانی نے معجم اوسط میں روایت کیا ہے۔ "قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا افتتح الصلوٰۃ کبر ثم رفع یدیہ حتی یحاذی بابہامیہ اذنیہ ثم یقول سبحانک اللھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک ولا الٰہ غیرک"۔

اس کے علاوہ حضرت ابوسعید خدری سے (سنن اربعہ اور مسند احمد میں) حضرت عائشہ سے (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، دارقطنی، طحاوی اور مستدرک حاکم میں) حکم بن عمیر ثمالی اور حضرت واثلہ سے (طبرانی میں) بھی روایات ہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت عمر سے مروی ہے "انہ کان یجہر بہؤلاء الکلمات یقول سبحانک اللھم وبحمدک الخ"۔ سعید بن منصور نے سنن میں حضرت ابوبکر صدیق سے، دارقطنی نے حضرت عثمان بن عفان سے اور ابن المنذر نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت

کیاہے کہ یہ حضرات سبحانک اللّٰھم سے شروع کرتے تھے۔ پس ان حضرات کا سبحانک اللّٰھم سے شروع کرنا اور حضرت عمرؓ کا اس کو بقصد تعلیم بآواز بلند پڑھنا دلیل ہے اس بات کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری اور اکثری فعل یہی تھا۔ لہٰذا اسی پر اعتماد کیا جائے گا گو بعض دیگر اذکار از روئے اسناد اس سے قوی تر ہیں اس واسطے کہ کبھی اسناد مرفوع پر غیر مرفوع کو ترجیح ہوتی ہے جبکہ اس کے ساتھ ایسے قرائن ہوں جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا استمراری فعل ہونا ثابت ہو۔ امام شافعی رسالۂ "اصول الفقہ" میں فرماتے ہیں۔ "فکان الذی نذھب الیہ ان عمر لا یعلم الناس علی المنبر بین ظہرانی اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا ما علمہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم"۔ امام احمد فرماتے ہیں۔ "اما انا فاذھب الی ما روی عن عمر ولو ان رجلا استفتح ببعض ما روی کان حسنا"۔

قولہ قال ابوداؤد الخ (۲۳۲) صرف اظہار متابعت مقصود ہے کہ خالد بن معدان نے بھی بواسطہ ربیعہ جرشی حضرت عائشہؓ سے اسیطرح روایت کیا ہے۔

(۱۰۸) باب من رای الاستفتاح بسبحانك

(۷۷۵) حدثنا عبد السلام بن مطهر نا جعفر بن سليمان عن علي بن علي الرفاعي عن ابي المتوكل الناجي عن ابي سعيد الخدري قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا قام من الليل كبّر ثم يقول سبحانك اللّٰهم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالى جدك ولا اله غيرك ثم يقول لا اله الا الله ثلاثا ثم يقول الله اكبر كبيرا ثلاثا اعوذ بالله السميع العليم من الشيطان الرجيم من همزه ونفخه ونفثه ثم يقرء؟ قال ابوداؤد وهذا الحديث يقولون هو عن علي بن علي عن الحسن مرسلا الوهم من جعفر ۲۴۰

ترجمہ

عبدالسلام بن مطہر نے بحدیث جعفر بن سلیمان بطریق علی بن علی رفاعی بواسطہ ابوالمتوکل ناجی حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو اٹھتے تو تکبیر کہتے اور سبحانک اللّٰھم الخ پڑھتے پھر لا الٰہ الا اللہ تین بار اور اللہ اکبر کبیرا تین بار کہتے۔ پھر اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم من ہمزہ ونفخہ ونفثہ پڑھ کر قرأت کرتے۔
ابوداؤد کہتے ہیں کہ محدثین کا کہنا ہے کہ یہ حدیث علی بن علی عن الحسن مرسلاً ہے اور وہم جعفر کا ہے۔

تشریح

(۲۳۳) **قولہ قال ابوداؤد الخ** حضرت ابو سعید خدری کی زیر بحث حدیث سنن اربعہ اور مسند احمد میں مروی ہے۔ امام ترمذی کہتے ہیں کہ اس باب میں مشہور ترین حدیث یہی ہے اس کے باوجود اس کی اسناد میں کلام ہے۔ چنانچہ یحیی بن سعید نے علی بن علی رفاعی کے متعلق کلام کیا ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح نہیں۔ حافظ ابن حجر نے تلخیص میں ابن خزیمہ کا قول نقل کیا ہے: "لانعلم فی الافتتاح بسبحانک اللهم خبرا ثابتا عند اہل المعرفة بالحدیث واحسن اسانیدہ حدیث ابی سعید" اس کے بعد ابن خزیمہ کہتے ہیں: "ولانعلم احدا ولا سمعنا به استعمل ہذا الحدیث علی وجهه"۔

صاحب کتاب بھی اس میں کلام کر رہے ہیں کہ محدثین کے نزدیک یہ حدیث عن علی بن علی عن الحسن البصری مرسل ہے۔ ابو سعید خدری کا ذکر نہیں ہے جعفر بن سلیمان ضبعی نے اس کو موصولاً روایت کر دیا جو اس کا وہم ہے۔

حاصل یہ کہ امام ترمذی نے تو اس میں علی بن علی کی جہت سے کلام کیا ہے اور صاحب کتاب نے جعفر بن سلیمان کی جہت سے تضعیف کی ہے۔ حالانکہ ان دونوں کے موثقین موجود ہیں۔ چنانچہ امام احمد نے علی بن علی کو صالح اور ابن معین و ابو زرعہ نے ثقہ کہا ہے اور امام وکیع نے ان کو روایت بھی کیا ہے اور ان کی توثیق بھی کی ہے۔

فضل بن دکین اور عفان کہتے ہیں کہ یہ مشابہ رسول تھے۔ محمد بن عبد اللہ بن عمار نے ذکر کیا ہے کہ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ دن رات میں چھ سو رکعات پڑھتے تھے اور ان کی آنکھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کے مشابہ تھیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ زیادہ سے زیادہ ان کی بیس روایتیں ہیں۔ لوگوں نے دریافت کیا: اکان ثقة؟ قال: نعم۔ یعقوب بن اسحاق کا بیان ہے کہ ایک بار ہمارے یہاں شعبہ تشریف لائے اور فرمایا: "اذہبوا بنا الی سیدنا علی بن علی الرفاعی"۔ اور امام احمد سے جو یہ منقول ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں سو یہ اس لئے مضر نہیں کہ آپ نے ضعف کی وجہ بیان نہیں کی۔

اسی طرح جعفر بن سلیمان کو ابن معین و ابن المدینی نے ثقہ کہا ہے۔ اور امام احمد نے لا بأس به۔ یزید کہتے ہیں کہ میں نے ان کو حدیث میں کسی کو طعن کرتے ہوئے نہیں سنا، ہاں ان کی شیعیت مشہور ہے لیکن حدیث مستقیم ہے۔

(۷۷۶) حدثنا حسین بن عیسی نا طلق بن غنام نا عبد السلام بن حرب الملائی عن بدیل بن میسرة عن ابی الجوزاء عن عائشة قالت کان رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا استفتح الصلوة قال سبحانك اللهم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالی جدك ولا اله غیرك. قال ابو داؤد وهذا الحدیث لیس بالمشهور عن عبد السلام بن حرب لم یروه عن عبد السلام الا طلق بن غنام وقد روی قصة الصلوة عن بدیل جماعة لم یذکروا فیه شیئا من هذا

ترجمہ

حسین بن عیسیٰ نے بتحدیث طلق بن غنام بسند عبد السلام بن حرب ملائی بطریق بدیل بن میسرہ بواسطہ ابو الجوزاء حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو فرماتے سبحانک اللھم الخ ابو داؤد کہتے ہیں کہ یہ حدیث عبد السلام بن حرب سے مشہور نہیں، اس کو عبد السلام سے صرف طلق بن غنام نے روایت کیا ہے اور بدیل سے نماز کا حال ایک جماعت نے نقل کیا ہے لیکن کسی نے اس میں یہ دعاء ذکر نہیں کی۔

تشریح

(۲۳۴) **قولہ قال ابو داؤد الخ** یعنی یہ حدیث عبد السلام بن حرب سے معروف نہیں اس کو عبد السلام سے صرف طلق بن غنام نے روایت کیا ہے. نیز بدیل بن میسرہ سے نماز کا حال ایک جماعت نے نقل کیا لیکن کسی نے دعاء استفتاح کو ذکر نہیں کیا۔ گویا یہ روایت شاذ ہے۔

مگر یہ اعتراض صحیح نہیں اس واسطے کہ ابو حاتم نے عبد السلام بن حرب کی توثیق کی ہے۔ شیخین نے اس سے روایت لی ہے اور حاکم نے اس کو مستدرک میں باسناد ابو داؤد روایت کرکے صحیح الاسناد کہا ہے۔ مجد الدین فیروز آبادی نے بھی اسے صحیح مانا ہے۔ محمد بن عبد الواحد کہتے ہیں کہ میں اسناد ابو داؤد میں کوئی راوی مجروح نہیں پاتا۔ حافظ نے تقریب میں کہا ہے کہ عبد السلام ثقہ اور حافظ ہے مگر چند حدیثیں ثقات کی روایت کے خلاف نقل کرتا ہے (اب زیر بحث حدیث ان احادیث میں سے ہے یا نہیں؟ دونوں احتمال ہیں)

بہرکیف عبد السلام بن حرب ثقہ ہے اور ثقہ کی زیادتی مقبول ہوتی ہے۔ سوال قاضی شوکانی نے نیل میں حافظ ابن حجر سے نقل کیا ہے کہ اس میں انقطاع ہے۔ جواب یہ امام بخاری کے مذہب پر ہے نہ کہ امام مسلم کے مذہب پر کیونکہ ابو الجوزاء (اوس بن عبد اللہ ربعی) ممکن اللقاء ہے۔

(۱۰۹) باب السكتة عند الافتتاح

(۱۴۳) حدثنا يعقوب بن ابراهيم نا اسماعيل عن يونس عن الحسن قال قال سمرة حفظت سكتتين في الصلوة سكتة اذا كبر الامام حتى يقرأ وسكتة اذا فرغ من فاتحة الكتاب وسورة عند الركوع قال فانكر ذلك عليه عمران بن حصين. قال فكتبوا في ذلك الى المدينة الى ابي فصدق سمرة، قال ابو داؤد كذا قال حميد في هذا الحديث وسكتة اذا فرغ من القرأة

ترجمہ

یعقوب بن ابراہیم نے بتحدیث اسماعیل بواسطہ یونس حضرت حسن بصری سے روایت کیا ہے کہ حضرت سمرہ کہتے ہیں کہ مجھے نماز میں دو جگہ سکتے یاد ہیں ایک تکبیر تحریمہ کے بعد قرأت تک دوسرے جب فاتحہ

اور سورت سے فراغت ہو رکوع کے وقت ۔ عمران بن حصین نے اس کا انکار کیا۔ لوگوں نے اس کی بابت مدینہ میں حضرت ابی کو لکھا آپ نے سمرہ کی تصدیق کی ۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ حمید نے بھی اس حدیث میں قرأت سے فارغ ہونے پر سکتہ روایت کیا ہے ؛ تشریح

قولہ باب الخ۔ ثنا رنماز میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے احادیث میں تین سکتات کا ذکر وارد ہے علے تکبیر تحریمہ کے بعد اور قرأت سے قبل ، یہ سکتہ روایات میں متفق علیہ ہے جس کو حضرت سمرہ اور حضرت ابوہریرہ نے ذکر کیا ہے اور یہ تکبیر تحریمہ کے بعد ثنار پڑھنے کے لئے ہے ۔ بعض کے نزدیک اس کا منشا ر یہ ہے کہ مقتدی نیت کر لیں ، تکبیر کہہ لیں اور ان کو فراغت حاصل ہو جائے ۔

صاحب عون نے ذکر کیا ہے کہ اس کا صحیح منشا ر یہ ہے کہ امام اس وقفہ میں ادعیہ استفتاح ۔ اللہم باعد بینی وبین خطایای الخ ۔ وغیرہ پڑھ سکے جیسا کہ حدیث ابوہریرہ میں مذکور ہے ۔ ابن بطال نے امام شافعی سے اس سکتہ کا سبب یہ نقل کیا ہے کہ مقتدی اس میں سورۂ فاتحہ پڑھ لیں اس پر وہ خود اعتراض کرتے ہیں کہ اگر اس کا سبب یہی ہوتا تو حدیث ابوہریرہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یوں نہ فرماتے ۔ "اسکت لکی یقرأ من خلفی" ابن المنیر نے گو اس اعتراض کا جواب دیا ہے مگر حافظ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ دراصل یہ نقل معروف ہی نہیں نہ امام شافعی سے اور نہ آپ کے اصحاب سے ۔ مشہور تو یہ ہے کہ مقتدی سورہ فاتحہ اس وقت پڑھیں جب امام فاتحہ اور سورہ کے درمیان سکوت کرے ۔ البتہ امام غزالی نے احیاء العلوم میں کہا ہے کہ جب امام دعاء افتتاح میں مشغول ہو تو مقتدی سورہ فاتحہ پڑھ لیں ۔ اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس صورت میں مقتدی کا قرأت فاتحہ میں امام پر مقدم ہونا لازم آتا ہے جو غلط ہے بلکہ ایک جہت سے تو نماز ہی باطل ہو جائے گی (جب مقتدی امام سے پہلے فاتحہ پڑھ کر فارغ ہو جائے ۔ قاضی عیاض وغیرہ نے امام شافعی سے یہی نقل کیا ہے) پھر امام شافعی نے خود تصریح کی ہے کہ امام کی طرح مقتدی بھی دعاء افتتاح پڑھیں ۔

علا قرأت فاتحہ کے بعد ، امام احمد ، اسحاق بن راہویہ اور اہل حدیث اس سکتہ کے استحباب کے قائل ہیں ۔ علا قرأت سورہ کے بعد رکوع سے پہلے ۔ امام اوزاعی اور امام شافعی اس کے بھی قائل ہیں ۔ امام ابوحنیفہ اور امام مالک ان دونوں کے قائل نہیں بلکہ ہمارے یہاں پہلا سکتہ ثنار پر اور دوسرا سکتہ آمین پر محمول ہے ۔

وجہ یہ ہے کہ ان کی بابت روایات مضطرب ہیں ۔ زیر بحث حدیث اسماعیل عن یونس عن الحسن میں تو یہ ہے ۔ "وسکتۃ اذا فرغ من فاتحۃ الکتاب وسورۃ عند الرکوع" ۔ اور تعلیق حمید میں یوں ہے "وسکتۃ اذا فرغ من القرأۃ" ۔ اور حدیث اشعث جو اس کے بعد ہے اس میں یہ ہے ۔ "کان یسکت سکتتین اذا استفتح واذا فرغ من القرأۃ کلہا" ان میں اول سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک سکتہ قرأت فاتحہ کے بعد ہے اور ایک قرأت سورہ کے بعد رکوع کے وقت ۔ اور تعلیق حمید میں مطلق قرأت کے بعد ہے ۔ اور حدیث اشعث میں "اذا فرغ من القرأۃ کلہا" کی تصریح ہے ۔ یہ تو ابوداؤد کے

۹۳-

الفاظ ہیں۔ حافظ دارقطنی نے بطریق اسماعیل اس کے خلاف یوں روایت کیا ہے: "وسکتۃ اذا فرغ من قراءۃ فاتحۃ الکتاب الخ" جس میں "وسورۃ عند الرکوع" نہیں ہے۔ موصوف نے روایت ہشیم عن یونس عن الحسن سے اس کی تائید بھی کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: "واذا قرا ولا الضالین سکت سکتۃ" امام احمد نے حدیث یونس کو مسند میں کئی جگہ روایت کیا ہے بعض ابوداؤد کے موافق ہیں اور بعض حافظ دارقطنی کے۔

قولہ قال ابوداؤد الخ (۲۳۵) تعلیق حمید کو امام احمد نے مسند میں بایں الفاظ موصولاً روایت کیا ہے: "حدثنا عبد اللہ حدثنی ابی ثنا یزید انا حماد بن سلمۃ عن حمید الطویل عن الحسن عن سمرۃ بن جندب ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کانت لہ سکتتان سکتۃ حین یفتح الصلوۃ وسکتۃ اذا فرغ من السورۃ الثانیۃ قبل ان یرکع فذکر ذلک لعمران بن حصین فقال کذب سمرۃ فکتب فی ذلک الی المدینۃ الی ابی بن کعب فقال صدق سمرۃ"۔

(۱۱۰) باب من لم یر الجهر ببسم اللہ الرحمن الرحیم

(۷۸۵) حدثنا قطن بن نسیر نا جعفر نا حمید الاعرج المکی عن ابن شهاب عن عروۃ عن عائشۃ و ذکر الافک قالت جلس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکشف عن وجهه وقال اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم ان الذین جاؤا بالافک عصبۃ منکم الایۃ، قال ابوداؤد وهذا حدیث منکر قد روی هذا الحدیث جماعۃ عن الزهری لم یذکروا هذا الکلام علی هذا الشرح و اخاف ان یکون امر الاستعاذۃ منه کلام حمید۔

۲۹۲

ترجمہ

قطن بن نسیر نے بسند جعفر بحدیث حمید اعرج کی بطریق ابن شہاب بواسطہ عروہ حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہوئے قصۂ تہمت بیان کیا ہے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ علیہ وسلم بیٹھے اپنا چہرہ مبارک کھولا اور اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم کے بعد یہ آیت تلاوت کی۔ ان الذین جاؤا بالافک عصبۃ منکم الخ۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ یہ حدیث منکر ہے اس کو زہری سے ایک جماعت نے روایت کیا ہے لیکن کسی نے یہ کلام اس طرح ذکر نہیں کیا۔ میں ڈرتا ہوں کہ

لہ ومناسبۃ ہذا الحدیث بالباب الا ان یقال انہ صلعم قرا الایۃ من وسط السورۃ ولم یقرا علیها بسم اللہ الرحمن الرحیم وترک التسمیۃ فی ابتداء السورۃ فلو کان قراءۃ التسمیۃ علی السورۃ تبرکا یقرا بها ایضا فعلم بذلک ان التسمیۃ فی اول السورۃ جزء منها ۱۲ بذل المجهود۔

اعوذ باللہ شاہد حمید کا قول ہے۔ تشریح

قولہ باب ہٰذا مسئلہ جہر و عدم جہر تسمیہ بھی ان اہم مسائل میں سے ایک ہے جو ائمہ کے درمیان بڑی شد و مد کے ساتھ مختلف فیہ رہا ہے، یہاں تک متقدمین اہل علم حافظ ابن خزیمہ، ابن حبان، دارقطنی بیہقی اور ابن عبد البر وغیرہ حضرات نے اس کو مستقل تصانیف میں جگہ دی ہے اس لئے ہم اس کو بھی شرح و مفصل طور پر پیش کرتے ہیں واللہ الموفق۔

تسمیہ کے بارے میں کئی جہت سے بحث ہے۔ اول یہ کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قرآن کا جزء ہے یا نہیں؟ دوم یہ کہ یہ سورۂ فاتحہ کا جزء ہے یا نہیں؟ سوم یہ کہ فاتحہ کے علاوہ باقی اور سورتوں کا بھی جزء ہے یا نہیں؟ چہارم یہ کہ تسمیہ مستقل اور تام آیت ہے یا نہیں؟ پنجم یہ کہ نماز میں اس کی قراءت ہے یا نہیں؟ ششم یہ کہ اس کی قراءت جہراً ہے یا سراً؟

بحث اول میں کی تشریح یہ ہے کہ تسمیہ سورۂ نمل "انہ من سلیمان وانہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" تو بالاجماع قرآن کی ایک آیت اور اس کا جزء ہے جس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ امام شعبی، ابو مالک، قتادہ، اور حضرت ثابت کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نامہائے مبارک میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم تحریر نہیں فرماتے تھے یہاں تک کہ سورۂ نمل نازل ہوئی (ابوداؤد فی مراسیلہ عن ابی مالک) نیز حدیبیہ کے موقعہ پر جب آپ نے اپنے اور سہیل بن عمرو کے درمیان کتاب العہد کی تحریر کا ارادہ کیا تو حضرت علی سے فرمایا "اکتب بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" تو اس پر سہیل نے کہا باسمک اللہم لکھئے کیونکہ رحمان کو تو ہم جانتے ہی نہیں پس اس کے بعد حق تعالیٰ نے سورۂ نمل میں اس کو نازل فرمادیا۔

لیکن اس میں اختلاف ہے کہ جو تسمیہ آغاز سور میں مکتوب ہے یہ بھی قرآن کا جزء ہے یا نہیں؟

علامہ زیلعی نے نصب الرایہ میں اسکے متعلق تین مذہب ذکر کئے ہیں۔ مذہب اول یہ کہ قرآن کا جزء نہیں۔ اس کو موصوف نے امام مالک اور احناف میں سے ایک جماعت کا قول اور امام احمد سے بقول بعض حنابلہ ایک روایت اور بقول بعض ان کا مذہب بتایا ہے۔ ان کے اس قول کی بنیاد اس اصل پر ہے کہ بسم اللہ تمام سورتوں کے اوائل میں تواتر کے ساتھ ثابت نہیں اور جو چیز متواتر نہیں اس کو قرآن کہنا درست نہیں۔

اس کی تشریح یہ ہے کہ محققین اہل سنت کے نزدیک قرآن کا اپنی اصل اور اپنے اجزاء نیز اس کے محل وضع و ترتیب غرض ہر چیز میں بتمامہ متواتر ہونا ضروری ہے ورنہ قرآن کے بہت سے حصہ کا سقوط اور بکثرت غیر قرآن کا قرآن میں شریک ہونا لازم آئے گا یہی وجہ ہے کہ قرآن کا جتنا حصہ آحاد روایتوں کے ذریعہ سے مروی ہے وہ متواتر نہ ہونے کی بنا پر قرآن کے خارج ہے۔ چنانچہ قاضی ابوبکر نے اپنی کتاب الانتصار میں بیان کیا ہے کہ فقہاء اور متکلمین کا ایک گروہ قرآن کا بلا استفاضہ بخبر واحد ہی کے ذریعہ سے ثابت ہونا عملی ثبوت قرار دیتا ہے اور اسکو علمی ثبوت نہیں مانتا۔ مگر ایک جتنے اس بات کو سخت ناپسند اور صحیح ماننے سے انکار کیا ہے۔

جواب یہ ہے کہ بہت سے متواتر اس قسم کے بھی ہیں جنکو ایک جماعت متواتر مانتی ہے اور دوسری نہیں مانتی یا وہ ایک وقت میں متواتر ہوتے ہیں اور دوسرے وقت میں نہیں رہتے۔ بسم اللہ

تواتر ثابت کرنے کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ صحابہ اور ان کے بعد آنیوالے لوگوں کے مصحفوں میں مصحف ہی کے رسم الخط کے ساتھ لکھی ہوئی ہے۔ اور اس بات کو سب جانتے ہیں کہ صحابہ نے تو اولاً کو کسی خارج از قرآن شئی کو مصحف میں درج کرنے سے نہایت سختی کے ساتھ روکا تھا۔ مثلاً سورتوں کے نام، آمین اور عشر وغیرہ۔ اگر بسم اللہ قرآن میں داخل نہ ہوتی تو اس کو مصحف میں اسی کے رسم الخط کے ساتھ بغیر کسی امتیازی علامت کے لکھنا وہ کبھی روا نہ رکھتے کیونکہ اس طرح وہ بھی داخل قرآن سمجھی جاسکتی تھی۔ صحابہ اپنے اس عمل سے حامل قرآن مسلمانوں کو اس دھوکے میں مبتلا کر دیتے کہ وہ لوگ خارج از قرآن شئی کو اس میں داخل مانیں۔ حالانکہ صحابہ کی نسبت اس طرح کا گمان کرنا باطل ہے۔

ابن خزیمہ اور بیہقی نے (کتاب المعرفہ میں) بسند صحیح سعید بن جبیر کے طریق پر حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ "شیطان نے لوگوں کے پاس سے قرآن کی بہت بڑی آیت چرائی ہے یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم"۔ بیہقی نے شعب الایمان میں اور ابن مردویہ نے سند حسن کے ساتھ مجاہد کے طریق پر حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ "لوگ کتاب اللہ کی ایک ایسی آیت کی طرف سے غافل ہوگئے ہیں جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور پیغمبر پر نازل نہیں ہوئی مگر یہ کہ سلیمان بن داؤد علیہما السلام پر بھی نازل ہوئی تھی یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم"۔

دار قطنی نے اور کتاب الاوسط میں حافظ طبرانی نے سند ضعیف کے ساتھ حضرت بریدہ سے روایت کیا ہے کہ "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اس وقت تک مسجد سے باہر نہ جاؤں گا جب تک کہ تجھ کو ایک ایسی آیت نہ بتادوں جو سلیمان بن داؤد کے بعد میرے سوا کسی اور نبی پر نازل نہیں ہوئی۔ پھر آپ نے فرمایا تم قرآن کو نماز کا آغاز کرتے وقت کس چیز کے ساتھ شروع کرتے ہو؟ میں نے کہا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے۔ آپ نے فرمایا وہ یہی ہے۔

امام مسلم نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ "ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان تشریف فرما تھے کہ یکایک آپ پر نیند کی ایک جھپکی طاری ہوئی پھر آپ نے سر اٹھا کر تبسم کرتے ہوئے فرمایا۔ مجھ پر ابھی ابھی ایک سورۃ نازل ہوئی ہے پھر آپ نے پڑھا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، انا اعطینٰک الکوثر۔" یہ تمام احادیث بسم اللہ کی نسبت قرآن منزل ہونے پر معنوی تواتر کا ثبوت بہم پہنچاتی ہیں (ذکرہ السیوطی)

مذہب دوم یہ کہ جزو قرآن ہے بلکہ ہر سورۃ کے شروع میں ایک آیت (یا جزو آیت) ہے یہ شوافع کا مشہور اور صحیح مذہب یہی ہے کیونکہ یہ سورہ فاتحہ اور ہر سورۃ کے آغاز میں بقلم وحی مکتوب ہے۔ وقد نقلوا ایضا جمیع ما فی المصحف علی انہ القرآن۔

مذہب سوم یہ کہ جزو قرآن تو ہے کیونکہ مکتوب بین الدفتین ہے اور ہر وہ چیز جو مکتوب بین الدفتین ہے وہ قرآن ہے (کذا ادی المعلی عن محمد) نیز اس کا ثبوت بھی متواتر ہے جیسا کہ ہم نے اوپر ثابت کیا ہے۔ لیکن کسی خاص سورۃ کی آیت یا اس کا جزو نہیں ہے (لان المنقول ہو کتبہا فی اوائل السور لا انہا منہ) بلکہ ہر سورۃ کے آغاز میں برائے فصل مکتوب ہے جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب تک بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا نزول نہیں ہوتا تھا اسوقت تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورۃ کا خاتمہ

ہوتا معلوم نہیں کرسکتے تھے (ابوداؤد، بیہقی، حاکم وقال انہ صحیح علی شرط الشیخین) حافظ بزار نے اتنا اور اضافہ کیا ہے کہ: جب بسم اللہ کا نزول ہو جاتا تو آپ سمجھ لیتے کہ اب سورۃ ختم ہو گئی یا کوئی دوسری سورۃ نازل ہونے لگی۔ محققین اہل علم کا قول یہی ہے۔ ابن المبارک، داؤد اور اتباع کا مذہب بھی یہی ہے اور یہی امام احمد سے منصوص ہے۔ امام احمد سے تیسری روایت یہ ہے کہ صرف سورہ فاتحہ کا جزء ہے۔

بحث دوم (کہ بسملہ سورہ فاتحہ کا جزء ہے یا نہیں؟) کی تفصیل یہ ہے کہ امام شافعی کے یہاں بسملہ سورہ فاتحہ کا (بلکہ ایک قول کے لحاظ سے ہر سورۃ کا) جزء ہے لیکن احناف کے یہاں جزء فاتحہ ہے یا نہیں؟ حافظ ابوبکر جصاص نے احکام القرآن میں ذکر کیا ہے کہ اس سلسلہ میں ہمارے اصحاب سے کوئی منصوص روایت نہیں ہے البتہ شیخ ابوالحسن کرخی نے جو ترک جہر بالبسملہ احناف کا مذہب نقل کیا ہے یہ اس پر دال ہے کہ ہمارے یہاں بسملہ جزء فاتحہ نہیں ہے۔

مجتبیٰ میں شیخ اسبیجابی کا قول منقول ہے کہ ہمارے اکثر مشائخ اسی پر ہیں کہ بسملہ سورہ فاتحہ کا جزء ہے لیکن یہ خلاف تحقیق ہے صحیح یہی ہے کہ ہمارے یہاں جزء فاتحہ نہیں ہے۔ امام شافعی کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو عبدالحمید بن جعفر نے بطریق نوح بن ابی ہلال بواسطہ سعید مقبری حضرت ابوہریرہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے: "انہ کان یقول الحمد للہ رب العالمین سبع آیات احداھن بسم اللہ الرحمٰن الرحیم"

جواب یہ ہے کہ اول تو اس کے مرفوع و موقوف ہونے میں اختلاف ہے دوسرے یہ کہ اخبار آحاد میں سے ہے حالانکہ کسی آیت کا جزء سورۃ ہونا دلیل متواتر کے بغیر ثابت نہیں ہو سکتا اور تواتر سے بسملہ کا بطرف مکتوب فی المصاحف ہونا ثابت ہے نہ کہ جزء سورۃ، اسی لئے اہل علم کے درمیان یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے چنانچہ اہل کوفہ اس کو سورۃ فاتحہ سے نہیں مانتے اور قراء اہل بصرہ سورۃ فاتحہ سے شمار کرتے ہیں جو عدم تواتر کی کھلی دلیل ہے۔

تیسرے یہ کہ حدیث مذکور سے اقوی واثبت اور اشہر حدیث اس کے معارض ہے جس کو سفیان بن عیینہ نے بروایت علاء بن عبدالرحمٰن بواسطہ عبدالرحمٰن حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے: "ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال قال اللہ تعالیٰ قسمت الصلوۃ بینی وبین عبدی نصفین فنصفہا لی ونصفہا لعبدی ولعبدی ما سأل فاذا قال الحمد للہ رب العالمین قال اللہ حمدنی عبدی الخ" (مسلم)

یہ حدیث کئی اعتبار سے عدم جزئیت بسملہ پر دال ہے۔ ایک تو یہ کہ اس میں ابتداء الحمد للہ

عہ وما سبق الی ہذا القول احد لان الخلاف بین السلف انما ہو فی انہا آیۃ من فاتحۃ الکتاب او لیست بآیۃ منہا ولم یعدہا احد آیۃ من سائر السور ۱۲ احکام القرآن۔

عہ وفی تہذیب الکمال نوح بن ابی بلال وفی الدارقطنی نوح بن ابی بلال ۱۲

رب العالمین سے ہے۔ اگر بسم اللہ الرحمن الرحیم سورہ فاتحہ کی آیت ہوتی تو ابتدا اسی سے ہوتی۔ دوسرے یہ کہ اس میں مناصفہ کی تصریح ہے اور تنصیف آیات سورۃ کی طرف راجع ہے کہ اس کی سات آیتیں ہیں جن میں سے تین میں حق تعالیٰ کی حمد و ثنا ہے یعنی الحمد للہ رب العالمین الرحمٰن الرحیم مالک یوم الدین اور تین میں بندے کی جانب سے دعا و سوال ہے یعنی اہدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین۔ اور ایک آیت بین اللہ و بین العبد مشترک ہے یعنی ایاک نعبد و ایاک نستعین۔

اب اگر بسملہ کو سورۃ فاتحہ کی ایک آیت شمار کیا جائے تو تنصیف متحقق نہیں ہوتی کیونکہ باری تعالیٰ کی جانب چار آیتیں ہو جاتی ہیں اور بندے کی جانب دو۔ حالانکہ حدیث کے الفاظ۔ ہٰؤلاء لعبدی سے کم از کم تین کا ہونا ضروری ہے

مذہب احناف (کہ بسملہ نہ فاتحہ کا جزء ہے نہ کسی اور سورۃ کا) کی تائید حضرت ابوہریرہ کی دوسری حدیث مرفوع سے بھی ہوتی ہے کہ "سورۃ فی القرآن ثلاثون آیۃ شفعت لصاحبہا حتی غفر لہ۔ تبارک الذی بیدہ الملک اھ" (سنن اربعہ، ابن حبان، حاکم، احمد) یعنی قرآن میں تیس آیتوں کی ایک سورت ہے جس نے اپنے قاری کے حق میں شفاعت کی یہاں تک کہ اس کو بخش دیا گیا۔ وہ سورۃ تبارک الذی بیدہ الملک الخ ہے

اس کے متعلق جمیع قرار و فقہاء امصار کا اتفاق ہے کہ اس کی تیس آیتیں بسم اللہ کے علاوہ ہیں اسی طرح فقہاء و قراء کا اجماع ہے کہ سورۃ کوثر کی تین اور سورۃ اخلاص کی چار آیتیں ہیں۔ اگر بسملہ کو جزء سور قرار دیا جائے جیسا کہ امام شافعی کا نظریہ ہے تو سورۃ کوثر کی چار اور سورۃ اخلاص کی پانچ آیتیں ہو جاتی ہیں جو خلاف اجماع ہے۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اور علامہ سیوطی نے اتقان میں متعدد روایات ذکر کی ہیں جن میں سورہ فاتحہ کی سات آیتوں میں سے ایک آیت بسم اللہ شمار کی گئی ہے لیکن حق بات یہ ہے کہ ان میں اس کی صراحت نہیں کہ بسم اللہ ساتویں آیت ہے۔ بلکہ ان سے بسم اللہ کا صرف ایک آیت ہونا ثابت ہوتا ہے جس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ بسم اللہ ایک آیت ہے اور سورہ فاتحہ کی سات آیات علیحدہ ہیں۔

حجت چہارم کی توضیح یہ ہے کہ بسملہ سورۂ نمل کی بابت تو اتفاق ہے کہ یہ مستقل آیت نہیں بلکہ جزء آیت ہے اور پوری آیت یوں ہے۔ "انہ من سلیمان وانہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" لیکن سورۂ نمل میں مستقل آیت نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسری جگہوں میں بھی مستقل آیت نہ ہو کیونکہ اس قسم کی بہت سی آیات ہیں جو ایک جگہ جزء آیت ہیں اور دوسری جگہ مستقل آیت جیسے الرحمٰن الرحیم سورۂ فاتحہ میں مستقل آیت ہے اور بسم اللہ میں اس کا جزء ہے۔ اسی طرح الحمد للہ رب العالمین سورہ فاتحہ میں مستقل آیت ہے اور سورۂ یونس میں جزء آیت ہے اور پوری آیت یوں ہے۔ "و آخر دعواہم ان الحمد للہ رب العالمین"

جب صورت یہ ہے تو بسم اللہ میں دونوں احتمال ہیں۔ ممکن ہے مستقل آیت ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ

جزء آیت ہو لیکن حضرت ام سلمہ کی حدیث "ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم کان یعد بسم اللہ الرحمن الرحیم آیۃ فاصلۃ" اور حدیث علی "انہ کان یعد بسم اللہ الرحمن الرحیم آیۃ" اور حدیث ابو بردہ "قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا اخرج من المسجد حتی اخبرک بآیۃ الخ" نے بتادیا کہ بسملہ مستقل آیت ہے۔ امام شافعی اور حمزہ وغیرہ اسی کے قائل ہیں کہ بسم اللہ ایک آیت ہے اور فاتحہ کا جزء ہے۔

بسم اللہ کے آیت ہونے سے تو احناف کو بھی انکار نہیں لیکن اس میں چونکہ پوری آیت نہ ہونے کا بھی احتمال ہے اس لئے امام صاحب کے نزدیک اس پر اکتفا کرنے سے فرض قرأت بوجہ شک ادا نہ ہوگا اور بنظر احتیاط و ترجیح حرمت جنبی و حائضہ کے حق میں بہ نیت قرآن اس کے پڑھنے کی ممانعت ہوگی۔

بحث پنجم کی تنقیح یہ ہے کہ مدونہ وغیرہ میں ہے کہ امام مالک کے یہاں نماز میں بسم اللہ کی قرأت مکروہ ہے، اور مسنون طریقہ یہ ہے کہ فرض نماز وں میں بسملہ کو نہ پڑھے نہ امام نہ مقتدی۔ نہ سراً نہ جہراً۔ وجہ وہی ہے جو ہم ذکر کر چکے ہیں کہ امام مالک بسملہ کو قرآن ہی سے نہیں مانتے وقد مر الکلام علیہ۔

امام شافعی چونکہ بسملہ کو جزء فاتحہ مانتے ہیں اس لئے ان کے یہاں اس کی قرأت ضروری ہے چنانچہ امام شافعی سے یہاں تک تصریح منقول ہے کہ اگر کسی نے نماز میں بسم اللہ کو چھوڑ دیا تو نماز کا اعادہ ضروری ہوگا۔

احناف میں سے ائمہ ثلاثہ، امام زفر، امام احمد (فی قولہ المشہور) حسن بن صالح، ابن ابی لیلیٰ اور سفیان ثوری اس کے قائل ہیں کہ نماز میں استعاذہ کے بعد فاتحہ سے پہلے بسم اللہ پڑھنی چاہئے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، خلفاء اربعہ، ابن عمر، ابن عباس سب سے فرض و نفل ہر نماز میں اس کی قرأت ثابت ہے۔ گو ہر رکعت میں اور افتتاح سورت کے وقت میں اس کے تکرار کی بابت اختلاف ہے۔ امام صاحب سے امام ابو یوسف کی روایت تو یہ ہے کہ قرأت فاتحہ کے وقت احتیاطاً ہر رکعت میں صرف ایک مرتبہ بسم اللہ پڑھ لے انضمام سورت کے وقت اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ ابراہیم نخعی سے بھی یہی منقول ہے۔ اور امام محمد و حسن بن زیاد کی روایت یہ ہے کہ پہلی رکعت میں قرأت فاتحہ کے وقت بسم اللہ پڑھ لینے کے بعد سلام پھیرنے تک اس کے پڑھنے کی ضرورت نہیں[عـه] لیکن اگر ہر سورت کے ساتھ پڑھ لے تو بہتر ہے۔ اور امام شافعی چونکہ بسملہ کو ہر سورت کا جزء مانتے ہیں اس لئے ان کے یہاں ہر سورت کے شروع میں اس کی قرأت ہوگی۔ حضرت ابن عباس اور مجاہد سے بھی ہر رکعت میں اس کی قرأت کا ہونا منقول ہے۔

بحث ششم کی تحقیق یہ ہے کہ امام شافعی کے یہاں چونکہ بسم اللہ سورۂ فاتحہ کا جزء ہے اس لئے

عـه ویؤیدہ حدیث ابی ہریرۃ قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا نہض فی الثانیۃ استفتح بالحمد للہ رب العالمین ولم یسکت ۱۲ عـه قال الحسن وان کان مسبوقاً فلیس علیہ ان یقرأہا فیما یقضی لان الامام قد قرأہا فی اول صلاۃ وقراءۃ الامام لہ قراءۃ ۱۲ احکام القرآن۔

ان کے یہاں جہری نمازوں میں اس کی قراءت بالجہر ہوگی ان کے نزدیک یہی مسنون ہے۔
تابعین وغیرہ حضرات میں سے سعید بن المسیب، طاؤس، عطاء، ابو وائل، سعید بن جبیر، علی بن حسین، سالم بن عبد اللہ، محمد بن المنکدر، ابن حزم، محمد بن کعب، نافع، مکحول، ابو الشعثاء، عمر بن عبد العزیز، حبیب بن ابی ثابت، ابو قلابہ، ازرق بن قیس، عبد اللہ بن مغفل، بن معقرن، عبید اللہ عمری، حسن بن زید، زید بن علی، ابن ابی ذئب، لیث بن سعد، عبد اللہ بن صفوان، محمد بن الحنفیہ، سلیمان تیمی اور معتمر بن سلیمان سے خطیب اور بیہقی وغیرہ نے یہی ذکر کیا ہے۔
اس کے برخلاف علماء کی ایک جماعت بسملہ کے عدم جہر کی قائل ہے جس کو امام ترمذی اور حازمی وغیرہ نے اکثر اہل علم کا قول بتایا ہے۔ چنانچہ عبد اللہ بن المبارک، سفیان ثوری، اسحق بن راہویہ، ابو جعفر محمد بن علی بن حسین، شعبی، اعمش، قتادہ، عکرمہ، مجاہد، زہری، ابن ابی خالد، حسن بن صالح، علی بن صالح، حسن بصری، ابن سیرین، حکم، حماد، ابراہیم نخعی، اوزاعی، ابو عبید، ابو علی بن ابی ہریرہ (احد اعیان الشافعی) امام احمد اور امام ابو حنیفہ اسی کے قائل ہیں ابن ابی لیلیٰ کے نزدیک دونوں میں اختیار ہے چاہے جہراً پڑھے چاہے سراً۔
صحابہ کرام سے اس کی بابت روایتیں مختلف ہیں۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ بن مسعود، عبد اللہ بن مغفل اور حضرت عمار بن یاسر سے عدم جہر اور حضرت ابو ہریرہ، نعمان بن بشیر اور حضرت ام سلمہ سے جہر مروی ہے اور حضرت ابو بکر صدیق، عثمان، علی، انس، ابن عمر، ابن عباس، حکم بن عمیر، عبد اللہ بن زبیر اور حضرت عائشہؓ سے جہر و عدم جہر دونوں طرح کی روایتیں ہیں لیکن عدم جہر اصح ہے جیسا کہ ہم ثابت کریں گے۔ اور حضرت عمر سے تین طرح کی روایتیں ہیں۔ اول یہ کہ اس کو بالکل نہ پڑھے دوم یہ کہ جہراً پڑھے سوم یہ کہ سراً پڑھے۔ شوافع حضرات نے مندرجہ ذیل احادیث سے استدلال کیا ہے۔
(۱) حدیث نعیم المجمر۔ قال: صلیت وراء ابی ہریرۃ فقرأ بسم اللہ الرحمن الرحیم ثم قرأ بام القرآن حتی قال غیر المغضوب علیہم ولا الضالین۔ قال آمین (وفی آخرہ) فلما سلم قال: انی لاشبہکم صلاۃ برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "(نسائی، ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم، دارقطنی، بیہقی، ابن جارود، طحاوی)
وجہ استدلال یہ ہے کہ نعیم مجمر نے تصریح کی ہے کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ کے پیچھے نماز پڑھی تو حضرت ابو ہریرہ نے بسم اللہ کی قراءت کی۔ احناف کی جانب سے اس کے چند جوابات ہیں۔
جواب اول: یہ حدیث معلول ہے کیونکہ ذکر بسم اللہ میں نعیم مجمر متفرد ہے۔ حضرت ابو ہریرہ کے آٹھ سو شاگردوں میں سے کسی نے بھی حضرت ابو ہریرہ سے یہ روایت نہیں کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں بسم اللہ کو جہراً پڑھا ہے۔ امام بخاری اور امام مسلم نے صفت صلوٰۃ سے متعلق حضرت ابو ہریرہ کی مکمل حدیث روایت کی ہے لیکن کہیں بسملہ کا ذکر نہیں ہے۔ سوال نعیم مجمر ثقہ راوی ہے اور ثقہ کی زیادتی مقبول ہوتی ہے۔
جواب یہ قاعدہ عام نہیں بلکہ اس میں تفصیل ہے کہیں مقبول ہوتی ہے کہیں غیر مقبول جیسا کہ مفصل

بحث ہم مقدمہ کتاب میں ذکر کر چکے۔ اور اگر زیادتی کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو بھی جہر بالجہر کے لئے حجت نہیں ہو سکتی اس واسطے کہ حدیث میں فقرا بسم اللہ الرحمن الرحیم یا فقال بسم اللہ الرحمن الرحیم کے الفاظ ہیں جو قرأت بالجہر اور قرأت بالسر دونوں سے عام ہیں۔ یہ تو ان لوگوں کے مقابلہ میں حجت ہوگی جو اس کی قرأت ہی کے قائل نہیں۔

سوال۔ اگر حضرت ابوہریرہ بسملہ کو سراً اور فاتحہ کو جہراً پڑھے ہوتے تو نعیم مجمر ان دونوں کو ایک ہی عبارت سے تعبیر نہ کرتے بلکہ یوں کہتے فاسر بالبسملۃ ثم جہر بالفاتحۃ۔

جواب اس قسم کے احتمال کو جس میں نہ قرأت بالجہر کا ہونا ظاہر ہے اور نہ اس کی تصریح ہے۔ نص صریح مقتضی اسرار پر مقدم نہیں کیا جا سکتا اور اگر اس اطلاق سے جہر ہی لیتا ہے تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ بسم اللہ سورہ فاتحہ کا جزء نہیں اس واسطے کہ اس میں "ثم قرأ ام القرآن" کا عطف "فقرا بسم اللہ الرحمن الرحیم" پر ہے اور عطف مقتضی مغایرت ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ بسملہ سورہ فاتحہ سے نہیں ہے حالانکہ شوافع اس کو جزء فاتحہ مانتے ہیں۔

جواب دوم یہ ہے کہ اول تو لفظ فقرا یا لفظ فقال میں اس کی تصریح نہیں کہ نعیم مجمر نے حضرت ابوہریرہ سے بحالت قرأت سنا تھا بلکہ ممکن ہے حضرت ابوہریرہ نے فراغت کے بعد زبانی فرمایا ہو کہ میں نے اس کی بھی قرارت کی تھی اور اگر بحالت قرأت ہی سنا ہو تب بھی اس سے بسملہ کا جہر ثابت نہیں ہوتا کیونکہ بعض اوقات سری قرأت بھی قریب کے مقتدی کو سنائی دیتی ہے چنانچہ صحیح مسلم میں صلوۃ ظہر کی بابت راوی نے کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سبح اسم ربک الاعلیٰ پڑھی۔ حالانکہ سب جانتے ہیں کہ ظہر میں قرارت سراً ہوتی ہے نہ کہ جہراً۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام وقعود، رکوع وسجود کے اذکار کی بابت روایات ہیں چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت علی سے مروی ہے کہ جب آپ نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو وجہت وجہی پڑھتے اور جب رکوع میں جاتے تو اللھم لک رکعت وبک آمنت ولک اسلمت پڑھتے اور سجدہ میں بھی اسی قسم کے الفاظ ادا فرماتے پھر تشہد میں یہ دعا پڑھتے اللھم اغفرلی ما قدمت وما اخرت بلکہ بعض روایات میں تصریح ہے کہ کبھی کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ظہر و عصر میں قرارت کرتے وقت ایک آدھ آیت سنا دیتے تھے۔ ظاہر ہے کہ صحابہ کا یہ سماع کسی کے نزدیک بھی جہر قرارت کے لئے حجت نہیں فکذا ہذا۔

پھر اگر لفظ فقرا سے بسملہ کے جہر پر حجت قائم ہو سکتی ہے تو مانعین قرارت بسملہ بالجہر حضرت ابوہریرہ کی حدیث پر اعتماد کرتے ہوئے جو صحیح مسلم میں بایں الفاظ مروی ہے۔ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا نھض من الرکعۃ الثانیۃ استفتح بالحمد للہ رب العالمین ولم یسکت۔ یہ کہہ سکتے ہیں کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم فاتحہ سے ہی نہیں ہے اس لئے کہ جو لوگ پہلی رکعت میں استحباب جہر بالبسملہ کے قائل ہیں وہ دوسری رکعت میں بھی اس کو مستحب کہتے ہیں اور حدیث مذکور میں دوسری رکعت کی بابت قرارت بسملہ کی نفی ہے تو پہلی رکعت میں بھی اس کی نفی ہو گئی۔

جواب سوم۔ حضرت ابوہریرہ نے انی لاشبہکم صلاۃ برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی نماز کو آپ کی نماز کے مشابہ دکھائی ہے اور تشبیہ کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ ہر ہر جزء میں ہو بلکہ اکثر افعال میں تشبیہ کا متحقق ہونا کافی ہے۔ جو یہاں اصل صلوۃ، مقادیر و ہیئات اور تکبیر وغیرہ میں متحقق ہے۔ اگر تشبیہ کے لئے من کل الوجوہ تشبیہ کا ہونا لازم ہو تو شوافع کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ انتقالات نماز میں غیر معمولی طوالت کو واجب یا کم از کم مستحب کہیں کیونکہ صحیحین میں حضرت انس سے مروی ہے: کان اذا رفع راسہ من الرکوع انتصب قائما حتی یقول القائل قد نسی و اذا رفع من السجود مکث حتی یقول القائل قد نسی۔

اس حدیث میں بھی تشبیہ موجود ہے حالانکہ شوافع کے یہاں اتنی اطالت مکروہ ہے بلکہ ایک وجہ پر تو ان کے یہاں نماز ہی باطل ہو جاتی ہے۔ نیز شوافع کے لئے یہ بھی ضروری ہوگا کہ وہ بسملہ کے ساتھ تعوذ کے جہر کو بھی مستحب کہیں کیونکہ خود امام شافعی نے صالح بن ابی صالح سے روایت کیا ہے۔ انہ سمع ابا ہریرۃ وہو یؤم الناس رافعا صوتہ فی المکتوبۃ اذا فرغ من ام القرآن ربنا انا نعوذ بک من الشیطان الرجیم۔ حالانکہ شوافع اس کے بھی قائل نہیں۔

(۲) حدیث علی و عمار۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یجہر فی المکتوبات ببسم اللہ الرحمن الرحیم (حاکم، ترمذی، بیہقی)، حاکم نے اس کے متعلق کہا ہے کہ یہ صحیح الاسناد ہے میں اس کے رواۃ میں سے کسی کو منسوب الی الجرح نہیں پاتا۔

جواب یہ ہے کہ حدیث کی تصحیح حاکم کا تساہل صریح ہے کیونکہ ذہبی نے اپنی مختصر میں اس کو خبر واہی قریب موضوع کہا ہے لان عبد الرحمن صاحب مناکیر ضعفہ ابن معین۔ نیز اس کی سند میں سعید بن عثمان الخزاز راوی اگر کریزی (یا کوبری) ہے تب تو ضعیف ہے ورنہ مجہول ہے۔ خود حافظ بیہقی نے کتاب المعرفہ میں اس حدیث کو بطریق حاکم اسی سند اور متن کے ساتھ روایت کر کے ضعیف کہا ہے پس حاکم کی تصحیح قابل اعتماد نہیں۔

سوال۔ دارقطنی نے اس کو دوسرے طریق پر بھی روایت کیا ہے۔ پس ایک طریق کے ضعیف ہونے سے حدیث کا ضعیف ہونا لازم نہیں آتا۔

جواب۔ یہ طریق پہلے طریق سے بھی کمزور ہے۔ کیونکہ اس میں ابو الطفیل تک تین راوی ہیں اور تینوں انتہائی ضعیف ہیں۔ اول اسید بن زید دوم عمرو بن شمر سوم جابر جعفی۔ اسید بن زید کو ابن معین نے کذاب، دارقطنی و ابن ماکولا نے ضعیف اور امام نسائی نے متروک قرار دیا ہے۔ ابن عدی کہتے ہیں عامۃ ما یرویہ لا یتابع علیہ۔ ابن حبان کہتے ہیں یروی عن الثقات المناکیر ویسرق الحدیث۔ عمرو بن شمر کو حاکم نے کثیر الموضوعات، جوزجانی نے زائغ وکذاب۔ امام بخاری نے منکر الحدیث، امام نسائی، دارقطنی اور ازدی نے متروک الحدیث کہا ہے۔ ابن حبان کہتے ہیں کہ یہ رافضی تھا۔ صحابہ کرام کو گالیاں دیتا تھا اور ثقہ راویوں سے موضوعات روایت کرتا تھا اس کی حدیث لکھنا حلال نہیں مگر از راہ تعجب۔ جابر جعفی کی بابت امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس سے زیادہ جھوٹا دیکھا ہی نہیں۔ میں جو مسئلہ قیاس سے مستنبط کرتا

یہ اس کی بابت کوئی نہ کوئی اثر گھڑ کر پیش کر دیتا تھا۔ ایوب، زائدہ، لیث بن ابی سلیم اور جوزجانی وغیرہ نے بھی اس کو کاذب کہا ہے۔

(۳) حدیث ابن عباس۔ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یجہر ببسم اللہ الرحمن الرحیم دعا کم، دارقطنی، بزار، ابوداؤد، ترمذی، بیہقی، ابن عدی۔ بطرق والفاظ) حاکم نے اس کے متعلق کہا ہے کہ اس کی اسناد صحیح ہے جس میں کوئی علت نہیں بلکہ اس کے رواۃ میں سے سالم (بن عجلان الافطس) سے امام بخاری نے اور شریک سے امام مسلم نے احتجاج کیا ہے۔

جواب۔ یہ حدیث نہ تو اثبات مدعا میں صریح ہے اور نہ فی نفسہ صحیح۔ غیر صریح تو اس لئے ہے کہ اس میں اس امر کی تصریح نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بسم اللہ کو نماز میں جہراً پڑھتے تھے اور صحیح اس لئے نہیں کہ اس کی سند میں عبد اللہ بن عمرو بن حسان واقعی دیا واقفی) ہے۔ جس کے متعلق امام المحدثین علی بن المدینی نے کہا ہے کہ یہ احادیث وضع کرتا تھا۔ عبد الرحمن بن ابی حاتم کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے اس کے متعلق دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا لیس بشی کان یکذب۔ ابن عدی کہتے ہیں کہ اس کی احادیث مقلوبات ہیں۔ پھر حاکم کا یہ کہنا کہ "امام مسلم نے شریک سے احتجاج کیا ہے" محل نظر ہے۔ اس واسطے کہ امام مسلم نے اس کی حدیث بطور اصول روایت نہیں کی بلکہ صرف بطور متابعت ذکر کی ہے۔ سوال۔ دارقطنی نے اس کو دوسرے طریق سے بھی روایت کیا ہے جس میں عبد اللہ بن عمرو بن حسان نہیں ہے۔

جواب۔ اگر اس میں عبد اللہ نہیں ہے تو اس کی جگہ ابو الصلت عبد السلام بن صالح ہروی، اس سے بھی اضعف ہے جس کے متعلق خود دارقطنی نے کہا ہے کہ "یہ خبیث رافضی تھا، جس کو حدیث "الایمان اقرار باللسان وعمل بالارکان" گھڑنے کے ساتھ متہم کیا گیا ہے۔ ابو حاتم کہتے ہیں لیس عندی بصدوق، ابو زرعہ کہتے ہیں لا احدث عنہ ولا ارضاہ۔

سوال۔ اس حدیث کو بزار، ابوداؤد، ترمذی، عقیلی اور ابن عدی وغیرہ نے بھی روایت کیا ہے جن کی اسناد میں یہ دونوں نہیں۔ جواب۔ ان حضرات نے جس سند سے روایت کیا ہے اس کے متعلق خود ان حضرات کی آراء ملاحظہ کیجئے۔ قال البزار: اسمٰعیل لم یکن بالقوی فی الحدیث وابو خالد احسبہ الوالبی۔ قال الترمذی: لیس اسنادہ بذاک۔ قال ابوداؤد: حدیث ضعیف۔ قال ابن عدی: حدیث غیر محفوظ۔ عقیلی کی سند میں بھی اسمٰعیل ہے۔ اس کے متعلق کہتے ہیں: حدیثہ غیر محفوظ ویرویہ عن مجہول ولا یصح فی الجہر بالبسملۃ حدیث مسند۔

غرض حدیث ابن عباس گو پانچ چھ طرق سے مروی ہے لیکن اول تو ہر طریق اسناد ایسا ہے کہ اس سے حجت تام نہیں ہو سکتی۔ دوسرے یہ کہ صحت اسناد ثقاہت رجال پر موقوف ہے۔ لیکن صرف رجال کے ثقہ ہونے سے حدیث کا صحیح ہونا ضروری نہیں جب تک کہ وہ شذوذ و علل سے پاک نہ ہو۔ تیسرے یہ کہ حدیث ابن عباس کا مشہور متن بلفظ افتتاح ہے نہ کہ بلفظ جہر۔ چوتھے یہ کہ لفظ جہر صرف ایک دو مرتبہ فعل کے وقوع پر دال ہے نہ کہ تکرار پر۔ پانچویں یہ کہ حضرت ابن عباس سے اس کے خلاف مروی ہے، چنانچہ امام احمد اور طحاوی نے آپ سے

"یجہر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قراءۃ الاعراب" روایت کیا ہے یعنی بسم اللہ کو جہراً پڑھنا دیہاتیوں کی قراءت ہے۔

(۴) حدیث نعمان بن بشیر۔ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امنی جبرئیل عند الکعبۃ فجہر ببسم اللہ الرحمٰن الرحیم" (دار قطنی) علامہ زیلعی نے نصب الرایہ میں لکھا ہے کہ یہ حدیث منکر بلکہ موضوع ہے اس کے رواۃ میں یعقوب بن یوسف ضبی غیر مشہور ہے میں نے متعدد کتب جرح و تعدیل میں کافی تفتیش کی لیکن کہیں اسکا ذکر نہیں پایا بہت ممکن ہے یہ حدیث اسی کی گھڑی ہوئی ہو۔ دوسرا راوی احمد بن حماد بھی بقول دار قطنی ضعیف ہے۔ دار قطنی اور خطیب وغیرہ حفاظ کا اس روایت کی تخریج کے بعد سکوت اختیار کرنا نہایت قبیح امر ہے۔

(۵) حدیث حکم بن عمیر: قال صلیت خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجہر ببسم اللہ الرحمٰن الرحیم فی صلاۃ اللیل وصلاۃ الغداۃ وصلاۃ الجمعۃ (دار قطنی)

یہ حدیث غریب منکر بلکہ کئی وجوہ سے باطل ہے۔ اول یہ کہ اس میں حکم بن عمیر کے متعلق تصریح ہے "وکان بدریا" حالانکہ نہ یہ بدری ہیں اور نہ اصحاب بدریین میں سے کسی کا نام حکم بن عمیر ہے بلکہ اس کا صحابی ہونا ہی محل نظر ہے اس واسطے کہ موسیٰ بن ابی حبیب طائفی جو اس سے راوی ہے اس کو کسی صحابی سے لقاء حاصل نہیں بلکہ رجل مجہول ہے جس کی حدیث قابل احتجاج نہیں۔ خود دار قطنی کہتے ہیں کہ یہ ضعیف الحدیث ہے۔ پھر ابراہیم بن اسحاق ضبی کوفی جو موسیٰ بن حبیب سے راوی ہے اس کو دار قطنی نے متروک الحدیث کہا ہے۔ ازدی کہتے ہیں کہ اس کے متعلق محدثین کو کلام ہے اور غالب یہ ہے کہ یہ حدیث اسی کی کرتوت ہے۔ کیونکہ بقی بن مخلد، ابن عدی اور طبرانی وغیرہ حضرات نے جو صحیفہ موسیٰ عن الحکم روایت کیا ہے ان میں سے کسی نے بھی یہ حدیث ذکر نہیں کی۔

حافظ طبرانی نے معجم کبیر میں حکم بن عمیر کی کچھ اوپر دس احادیث ذکر کی ہیں جو سب منکر ہیں اور موسیٰ بن ابی حبیب کی روایت سے ہیں۔ ابن عدی نے الکامل میں بیس احادیث کے قریب ذکر کی ہیں لیکن ان میں یہ حدیث نہیں ہے۔

ابن ابی حاتم نے کتاب الجرح والتعدیل میں لکھا ہے کہ حکم بن عمیر نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منکر احادیث روایت کی ہیں نہ اس کا سماع ثابت ہے نہ لقاء اور اس سے اس کا بھتیجا موسیٰ بن ابی حبیب راوی ہے جو ضعیف الحدیث ہے یہ سب ہیں لے اپنے الفاظ سے بنائی

عـــہ ولیقوی ہذہ الروایۃ عن ابن عباس بما رواہ الاثرم باسناد ثابت عن عکرمۃ تلمیذ ابن عباس لم قال انا اعرابی ان جہرت ببسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ وکانہ اخذہ عن شیخہ ابن عباس واللہ اعلم ۱۲ نصب الرایہ

عـــہ ووہم الدار قطنی فقال: ابراہیم بن حبیب وانما ہو ابراہیم بن اسحق وتبعہ الخطیب وزاد وہما ثانیا فقال: الضبی بالضاد والباء وانما ہو الضبی بضاد معجمۃ ونون ۱۲ نصب الرایہ

(۶) حدیث ام سلمہ۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرأ فی الصلوٰۃ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم فعدّھا آیۃ الحمد للہ رب العالمین آیتین الرحمٰن الرحیم ثلاث آیات اھ (حاکم)

علامہ زیلعی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث چند وجوہ سے قابل حجت نہیں اول یہ کہ اس میں بسملہ کے جہر کی تصریح نہیں۔ دوسرے یہ کہ حضرت ام سلمہ کا مقصد صرف اس کو ظاہر کرنا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایک حرف کو ترتیل کے ساتھ پڑھتے تھے جیسا کہ خود حاکم ہی نے حضرت ام سلمہ سے روایت کیا ہے۔ قالت کانت قرأۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فوصفت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم حرفاً حرفاً قرأۃ بطیئۃ۔ حاکم نے اس کو شیخین کی شرط پر بتایا ہے اور دارقطنی نے اس کی اسناد کو صحیح کہا ہے۔ ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے یعلی بن مملک کی حدیث سے روایت کیا ہے۔ انہ سأل ام سلمۃ عن قرأۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاذا ہی تنعت قرأۃ مفسرۃ حرفاً حرفاً۔ امام ترمذی نے اس کو حسن کہا ہے۔ تیسرے یہ کہ متن میں لفظ "فی الصلوٰۃ" غیر مشہور وغیر محفوظ ہے عمر بن ہارون کی زیادتی ہے جو مجروح و متکلم فیہ ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں لا اروی عنہ شیئاً۔ ابن معین کہتے ہیں لیس بشئی۔ ابن المبارک اور صالح نے اس کو کذاب کہا ہے اور امام نسائی نے متروک الحدیث۔ ابن حبان کہتے ہیں کہ یہ ثقات سے معضلات روایت کرتا ہے اور جن کو لوگوں کو اس نے دیکھا بھی نہیں ان کے شیوخ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے چوتھے یہ کہ اس سے زیادہ سے زیادہ ایک آدھ مرتبہ کا جہر ثابت ہوتا ہے یہ نہیں نکلتا کہ ہر امام ہمیشہ جہری نمازوں میں بسملہ کا جہر ہی کیا کرے۔

(۷) حدیث انس۔ قال صلیت خلف النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وعمر وعثمان وعلی فکلہم کانوا یجہرون بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (حاکم) اس حدیث میں تصریح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء اربعہ بسم اللہ کو جہراً پڑھتے تھے۔

جواب یہ ہے کہ اس کے متعلق حافظ ذہبی کا قول کافی ہے کہ کیا حاکم کو اس جیسی موضوع احادیث اپنی کتاب میں درج کرنے سے شرم نہیں آتی؟ موصوف کے الفاظ ہیں فانا اشہد باللہ واللہ انہ لکذب۔ دوسرے یہ کہ یہ روایت حضرت انس سے صحیح روایات کے صریح مخالف ہے۔ ابن خزیمہ اور طبرانی نے عن معتمر بن سلیمان عن ابیہ عن الحسن عن انس روایت کیا ہے۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یسر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم فی الصلوٰۃ وابوبکر وعمر۔

حافظ شعبہ کے سوال پر حضرت قتادہ نے بھی حضرت انس سے عدم جہر ہی نقل کیا ہے، تو حضرت انس سے ان باوثوق نقول کی موجودگی میں نہ حاکم کی روایت مقبول ہو سکتی ہے اور نہ انکی تصحیح ان صحیح روایات

۴۰۵

عہ قال النووی فی شرح المہذب قال ابو محمد لما وقف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی ہذہ المقاطیع اخبرہنا ان عند کل مقطع آیۃ لانہ جمع علیہ اصحابہ فبعض الرواۃ حین حدث بہذا الحدیث نقل ذلک زیادۃ فی البیان، وفی عمر بن ہارون ہذا کلام لبعض الحفاظ الا ان حدیثہ اخرجہ ابن خزیمۃ فی صحیحہ ۱۲ التعلیق۔

عہ زیادۃ "فی الصلوٰۃ" لابن خزیمۃ فی صحیحہ ۱۲

کے معارض ہو سکتی ہے کیونکہ تصحیح کے سلسلہ میں حاکم کا تساہل مشہور ہے اور علماء کا فیصلہ ہے کہ حاکم کی تصحیح کا درجہ ترمذی اور دارقطنی کی تصحیح سے کم ہے بلکہ ان کی تصحیح ترمذی کی تحسین کے درجہ میں ہوتی ہے اور بعض اوقات اس سے بھی کم ہوتی ہے۔

سوال۔ خطیب نے حضرت انس سے ایک دوسرے طریق پر روایت کیا ہے جس میں جہر کی تصریح ہے الفاظ یہ ہیں۔ عن ابن ابی داؤد عن ابن اخی ابن وہب عن عمہ عن العمری ومالک وابن عیینۃ عن حمید عن انس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یجہر ببسم اللہ الرحمٰن الرحیم فی الفرض

جواب۔ لفظ کان یجہر بے بقول ابن عبد الہادی کلمہ لا ساقط ہو گیا اصل میں یوں تھا۔ کان لا یجہر۔ عـــه
اسی مذکورہ نے ابن اخی ابن وہب سے اسی طرح روایت کیا ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ مسئلہ کا جہر ابن وہب نے کبھی بیان ہی نہیں کیا۔ امام مالک کی روایت سے اس کی بخوبی وضاحت ہوتی ہے جس کو موصوف نے موطا میں عن حمید عن انس یوں روایت کیا ہے۔ "قال قمت وراء ابی بکر الصدیق و عمر و عثمان فکلھم لا یقرء ببسم اللہ الرحمٰن الرحیم اذا افتتحوا الصلوۃ۔" اس کے متعلق ابن عبد البر نے التقصی میں کہا ہے کہ یہ ایک جماعت سے اسی طرح موقوفاً مروی ہے اور ابن اخی ابن وہب نے مالک، ابن عیینہ و عمری سے بواسطہ حمید عن انس مرفوعاً روایت کرتے ہوئے یوں کہا ہے "ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابا بکر و عمر و عثمان لم یکونوا یقرؤن" موصوف کہتے ہیں کہ اس کو مرفوعاً روایت کرنا ابن اخی ابن وہب کی غلطی ہے۔

پس ابن عبد البر کے قول سے خطیب کی دو غلطیاں ظاہر ہوئیں اول یہ کہ اس کا رفع خطا ہے دوسرے یہ کہ اس میں ذکر جہر غلط ہے۔ ۴۰۶

(۸) حدیث معاویہ۔ انہ صلی بالمدینۃ صلاۃ فجہر فیہا بالقراءۃ فبدأ ببسم اللہ الرحمٰن الرحیم لام القرآن ولم یقرأ للسورۃ التی بعدہا حتی قضی تلک الصلوۃ ولم یکبر حین یہوی حتی قضی تلک الصلوۃ فلما سلم ناداہ من سمع ذلک من المہاجرین والانصار ومن کان علی مکانہ: یا معاویۃ! اسرقت الصلوۃ ام نسیت؟ این بسم اللہ الرحمٰن الرحیم واین التکبیر اذا خفضت واذا رفعت فلما صلی بعد ذلک قرأ بسم اللہ الرحیم للسورۃ التی بعد ام القرآن وکبر حین یہوی ساجداً (حاکم، دارقطنی)

یعنی حضرت معاویہ نے مدینہ میں کوئی جہری نماز پڑھائی جس میں فاتحہ کی قرارت کے وقت بسم اللہ پڑھی لیکن سورت ملاتے وقت بسم اللہ نہیں پڑھی اور سجدے میں جاتے وقت تکبیر بھی نہیں کہی۔ فراغت کے بعد مہاجرین و انصار نے اعتراض کیا اور کہا، معاویہ! نماز میں چوری کی ہے یا بھول گئے؟ بسم اللہ اور تکبیر کہاں ہے؟ پس اس کے بعد جو آپ نے نماز پڑھائی اس میں بسم اللہ بھی پڑھی اور تکبیر بھی کہی۔ حاکم نے اس کو صحیح اور شیخین کی شرط پر مانا ہے اور دارقطنی نے کہا ہے کہ اس کے کل رواۃ ثقہ ہیں اور امام شافعی نے اثبات جہر کے سلسلہ میں اسی پر اعتماد کیا ہے۔ خطیب کا کہنا ہے کہ یہ اس باب میں سب سے اجود حدیث ہے۔

عـــه وفی نسخۃ نصب الرایۃ الباعدی۔ کما فی الدرایۃ ۱۲

جواب یہ ہے کہ یہ حدیث چند وجوہ سے قابل حجت نہیں اوّل یہ کہ اس کا مدار عبداللہ بن عثمان بن خثیم پر ہے اور یہ گو رجال مسلم میں سے ہے لیکن متکلم فیہ ہے۔ ابن عدی نے ابن معین کا قول نقل کیا ہے کہ اس کی احادیث قوی نہیں۔ امام نسائی نے اس کو لین الحدیث دغیر قوی دارقطنی نے ضعیف اور علی بن المدینی نے منکر الحدیث کہا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کی اسناد اور متن میں اضطراب ہے جو موجب ضعف ہے۔ اضطراب اسناد تو یہ ہے کہ ابن خثیم اس کو کبھی عن ابی بکر بن حفص عن انس روایت کرتا ہے اور کبھی عن اسماعیل بن عبید بن رفاعہ عن ابیہ (ان دونوں طریقوں پر روایت کی تخریج دارقطنی نے سنن میں، امام شافعی نے کتاب الام میں اور حافظ بیہقی نے کی ہے اور امام شافعی نے دوسرے طریق کو اور حافظ بیہقی نے کتاب المعرفہ میں پہلے طریق کو ترجیح دی ہے) اور کبھی عن اسماعیل بن عبید بن رفاعہ عن ابیہ عن جدہ روایت کرتا ہے جس میں عن جدہ کا اضافہ ہے۔

اضطراب متن یہ ہے کہ کبھی ابن خثیم یہ کہتا ہے "صلی فبدأ ببسم اللہ الرحمٰن الرحیم لام القرآن ولم یقرأ بہا للسورۃ التی بعدہا" (کما ہو عند الحاکم) اور کبھی یوں کہتا ہے "فقرأ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم حین افتتح القرآن وقرأ بام الکتاب" (کما ہو عند الدارقطنی فی روایۃ اسماعیل بن عیاش) اور کبھی یوں کہتا ہے "فلم یقرأ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لام القرآن ولا للسورۃ التی بعدہا" (کما ہو عند الدارقطنی فی روایۃ ابن جریج) پس سند و متن کا یہ اضطراب موجب ضعف حدیث ہے کیونکہ اس سے عدم ضبط کا پتہ چلتا ہے۔ تیسرے یہ کہ ثبوت حدیث کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ شاذ اور معلل نہ ہو اور یہ حدیث شاذ و معلل ہے کیونکہ حضرت انس سے ثقات کی روایت کے خلاف ہے۔

۴۷

چوتھے یہ کہ یہ تاریخی نقطۂ نظر سے بھی صحیح نہیں اس واسطے کہ یہ حدیث حضرت انس سے منقول ہے جو بصرہ میں مقیم تھے اور جب امیر معاویہ مدینہ آئے اس وقت حضرت انس کا ان کے ہمراہ ہونا کسی نے بھی ذکر نہیں کیا۔ پس ظاہر یہی ہے کہ آپ ساتھ نہیں تھے۔

پانچویں یہ کہ اہل مدینہ کا مذہب ترک جہر ہے بلکہ بعض مدنی علماء تو اس کی قرأت ہی کے قائل نہیں۔ حضرت عروہ بن الزبیر (احد الفقہاء السبعہ) اور عبدالرحمٰن الاعرج کہتے ہیں کہ ہم نے عام ائمہ کو اسی پر پایا ہے کہ وہ الحمد للہ رب العالمین ہی سے قرأت شروع کرتے تھے۔ عبدالرحمٰن بن القاسم کہتے ہیں کہ میں نے حضرت قاسم کو کبھی بسملہ کی قرأت کرتے ہوئے نہیں سنا پس جب امیر معاویہ کا یہ فعل اہل مدینہ کے عمل کے موافق تھا تو پھر ان کا اس پر نکیر کرنا کیسے باور ہو سکتا ہے۔

چھٹے یہ کہ اگر امیر معاویہ بسملہ کے جہر کی طرف رجوع کر لیتے جیسا کہ اس روایت میں ہے تو اہل شام کو اس کا علم ہوتا حالانکہ کسی سے بھی منقول نہیں بلکہ کل شامی خلفاء و علماء کا مذہب ترک جہر ہے۔

ساتویں یہ کہ اس میں جہر کا ذکر ہی نہیں اس میں تو یہ ہے کہ آپ نے بسم اللہ کی قراءت نہیں کی اور ترک قراءت کا ہمیں بھی انکار نہیں، گفتگو تو جہر و اخفاء میں ہے۔ بہرکیف ان متعدد وجوہ سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حدیث معاویہ باطل ہے۔

یہ تو وہ روایات ہیں جن سے شوافع حضرات بسملہ کے جہر پر استدلال کرتے ہیں جو صحیح ہیں نہ صحیح بلکہ ان کے رواۃ میں کذاب ووضاع، ضعفاء و مجاہیل ہر طرح کے راوی موجود ہیں جن کا تذکرہ نہ کتب تاریخ میں ہے نہ کتب جرح و تعدیل میں جیسے عمرو بن شمر، جابر جعفی، حصین بن مخارق، عمرو بن حفص مکی، عبداللہ بن عمرو بن حسان، ابو الصلت ہروی، عبدالکریم بن ابی المخارق، ابن ابی علی اصبہانی (جس کا لقب ہی جراب الکذب ہے) عمر بن ہارون بلخی اور عیسیٰ بن میمون مدنی وغیرہ۔

اور جب روایات کا یہ حال ہے تو ان آثار کا کیا عالم ہوگا جو شوافع کی جانب سے نقل کئے جاتے ہیں اگر شوق ہو تو نصب الرایہ اور طحاوی وغیرہ میں ان کو بھی دیکھ سکتے ہو۔

لیکن یہاں یہ بات ضرور یاد رکھنی چاہئے کہ شوافع حضرات نے رفع یدین کے سلسلہ میں سینہ تان کر یہ کہا تھا کہ احادیث رفع یدین صحیحین کی ہیں اور عدم رفع یدین کی بابت صحیحین میں کوئی حدیث نہیں۔ اب یہ حضرات یہاں کیا کہیں گے جبکہ بسملہ کے جہر کی احادیث کا وجود صحیحین میں کیا مسانید و سنن مشہورہ میں بھی نہیں ہے۔

حافظ عقیلی کا قول تو ہم پہلے ہی نقل کر چکے ہیں کہ لا یصح فی الجہر بالبسملۃ حدیث مسند۔ صاحب تنقیح کا فیصلہ اور سنئے، موصوف مستدلات شوافع ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ وہذہ الاحادیث فی الجملۃ لا یحسن بمن لہ علم بالنقل ان یعارض بہا الاحادیث الصحیحۃ اھ۔ اس سے زیادہ مزیدار بات اور سنئے۔

شیخ ابن تیمیہ نے اپنے فتاویٰ میں ذکر کیا ہے کہ جب حافظ دارقطنی مصر تشریف لائے تو انھوں نے بعض اہل مصر کی درخواست پر جہر بالبسملہ سے متعلق ایک رسالہ تصنیف کیا اور جب بعض مالکی علماء نے ان کو قسم دلا کر پوچھا کہ انہیں سے صحیح احادیث بتایئے تو بغلیں جھانکنے لگے اور یہی کہا پڑا کہ جہر کی بابت نبی کریم صلی اللہ سے کوئی حدیث صحیح نہیں البتہ آثار صحابہ میں کچھ بعض صحیح ہیں اور بعض ضعیف۔

خطیب نے بھی اس موضوع پر ایک رسالہ لکھا ہے مگر انھوں نے تو تجاہل و تعصب میں حد کردی کہ جان بوجھ کر موضوع احادیث معارضہ میں پیش کر گئے۔ اب ہم وہ احادیث پیش کرتے ہیں جن سے بسملہ کا عدم جہر ثابت ہوتا ہے۔

(۱) حدیث انس۔ قال صلیت خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وخلف ابی بکر وعمر وعثمان فلم اسمع احدا منہم یقرأ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (بخاری، مسلم، نسائی، احمد، ابن حبان، دارقطنی، بیہقی، ابو یعلی الموصلی، طبرانی، ابو نعیم، ابن خزیمہ، طحاوی، ابن عبدالبر، ابن جارود)

سے لعلہ فی سنتہ الکبری ۱۲

حضرت انس کی اس حدیث کے تمام رواۃ ثقہ ہیں اور یہ بارہ الفاظ کے ساتھ مروی ہے جو ایک ہی معنی پر دال ہیں ۱ کانوا یستفتحون القراءۃ ببسم اللہ الرحمن الرحیم (ہذا عند احمد) ۲ فلم اسمع احداً یقول او یقرأ بسم اللہ الرحمن الرحیم (ہو لاحمد والطحاوی والدارقطنی ولابن عبد البر فی الانصاف) ۳ فلم یکونوا یقرؤن بسم اللہ الرحمن الرحیم (کذا عند الطحاوی والبیہقی وابن عبد البر) ۴ فلم اسمع احداً منہم یجہر ببسم اللہ الرحمن الرحیم (للطحاوی وابن جارود والنسائی والدارقطنی) ۵ فکانوا لا یجہرون ببسم اللہ الرحمن الرحیم (رواہ احمد والدارقطنی) ۶ فکانوا یسرون ببسم اللہ الرحمن الرحیم (اخرجہ الطحاوی والطبرانی فی الکبیر والاوسط وابن خزیمہ) ۷ فکانوا یستفتحون القرآن بالحمد للہ رب العلمین (عند احمد) ۸ لم یجہروا ببسم اللہ الرحمن الرحیم (وہو فی روایۃ احمد وابن جارود والدارقطنی وابن عبد البر) ۹ فلم یسمعنا قراءۃ بسم اللہ الرحمن الرحیم (کذا رواہ النسائی وابن عبد البر) ۱۰ کانوا یستفتحون القراءۃ بعد التکبیر بالحمد للہ رب العلمین فی الصلوۃ (عند احمد) ۱۱ فکانوا یستفتحون القراءۃ بالحمد للہ رب العالمین ولا یذکرون بسم اللہ الرحمن الرحیم فی اول قراءۃ ولا فی آخرہا (لمسلم وللامام احمد) ۱۲ لا یقرؤن بسم اللہ الرحمن الرحیم فی اول قراءۃ ولا فی آخرہا (لابن عبد البر فی الانصاف)

یہ سب الفاظ صحیح ہیں بلکہ فکانوا یستفتحون القرآن بالحمد للہ رب العالمین کو تو خطیب جیسے متعصب نے بھی صحیح مانا ہے۔ اس میں تصریح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق اور عثمان غنی رضوان اللہ علیہم اجمعین قرأت کا آغاز الحمد للہ رب العالمین سے کرتے تھے۔ ۴۰۹
ظاہر ہے کہ اس سے قرارت بسملہ کی نفی مقصود نہیں کیونکہ انسان اسی چیز کی نفی کرسکتا ہے جس کے انتفاء کا علم اس کے لئے ممکن ہو اور عدم قرارت کا علم اسی وقت ہوسکتا ہے جب تکبیر قرأت کے درمیان سکوت نہ ہو حالانکہ صحیحین میں حضرت ابوہریرہ تکبیر و قراءت کے درمیان سکوت کی روایت موجود ہے اس لئے لا محالہ نفی جہر پر محمول کیا جائے گا جس کے لئے "فکانوا لا یجہرون ببسم اللہ الرحمن الرحیم" الفاظ شاہد عدل ہیں۔

خطیب نے اس کی یہ تاویل کی ہے کہ "کانوا یستفتحون بالحمد للہ رب العالمین" کا مطلب یہ ہے کہ سورہ فاتحہ سے شروع کرتے تھے اور سورۂ فاتحہ میں بسملہ بھی داخل ہے کیونکہ یہ اسکی ایک آیت ہے لہذا اس کے جہر کی نفی نہیں ہوتی۔

جواب یہ ہے کہ یہ تاویل وہی کرسکتا ہے جس کی آنکھوں پر تعصب کی پٹی بندھی ہو ورنہ کوئی کہہ سکتا ہے کہ "فلم یکونوا یقرؤن، فلم اسمع احداً منہم یجہر، فکانوا لا یجہرون، فلم یجہروا، ولا یذکرون اور فکانوا یسرون بسم اللہ الرحمن الرحیم" جیسے صریح الفاظ کے بعد اس لوچ تاویل کی گنجائش ہے؟ ع۔ حفظت شیئاً وغابت عنک اشیاء

نیز سورۂ فاتحہ سے شروع کرنا بھی کوئی ایسی نظری چیز ہے جس کو حضرت انس اس اہتمام کے ساتھ بیان کریں۔ تو بقول علامہ زیلعی بالکل ایسی ہی بات ہے جیسے فجر کی دو اور ظہر کی چار

رکعات کا ہونا، رکوع کا سجدہ سے پہلے اور تشہد کا جلوس کے بعد ہونا وغیرہ، بس یہ کہنا کہ قرأت کا آغاز سورۂ فاتحہ سے ہوتا تھا ایسا ہی ہے جیسے کوئی یوں کہے کہ سجدے سے پہلے رکوع کرتے تھے یا مغرب، وفجر میں قرأت بالجہر ہوتی تھی جس پر بچے بھی ہنسے بغیر نہیں رہ سکتے تو کیا حضرت انس کی شان میں ایسی گستاخی کی جاسکتی ہے؟ لاحول ولا قوۃ۔

علاوہ ازیں سورۂ فاتحہ کو الحمد سے تعبیر کرنا تو عرف متأخرین ہے فانہم یقولون فلان قرا الحمد، صحابہ کے یہاں تو اس کا نام فاتحۃ الکتاب اور ام القرآن وغیرہ ہے اگر سورۂ فاتحہ سے آغاز کو بیان مقصود ہوتا تو یوں کہتے کانوا یفتتحون القرأۃ بام القرآن او بفاتحۃ الکتاب۔

(۲) حدیث عبد اللہ بن مغفل: قال (ابن عبد اللہ بن مغفل) سمعنی ابی وانا اقول بسم اللہ الرحمن الرحیم فقال ای بنی! ایاک والحدث، قال ولم ار احدا من اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کان ابغض الیہ الحدث فی الاسلام (یعنی منہ) قال وصلیت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومع ابی بکر ومع عمر ومع عثمان فلم اسمع احدا منہم یقولہا فلا تقلہا انت اذا صلیت فقل الحمد للہ رب العالمین = (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، طحاوی، احمد، طبرانی، بیہقی فی المعرفۃ بالفاظ)

حضرت عبد اللہ بن مغفل کے صاحبزادے کہتے ہیں کہ میرے والد نے مجھ کو بسم اللہ الرحمن الرحیم (جہرا) پڑھتے سنکر فرمایا: خبردار دین میں نئی بات مت نکال کیونکہ صحابہ کے نزدیک بدعت کو زیادہ کوئی چیز مبغوض نہیں تھی۔ پھر فرمایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء ثلثہ (ابوبکر، عمر، عثمان) کے پیچھے نماز پڑھی لیکن ان حضرات میں سے کسی کو بسملہ کا جہر کرتے ہوئے نہیں سنا پس تو نماز شروع کرتے وقت یہ پڑھا کر الحمد للہ رب العالمین۔

امام ترمذی نے اس حدیث کی تحسین کے بعد کہا ہے کہ صحابہ کرام میں سے اہل علم کا جن میں خلفاء اربعہ بھی ہیں اور تابعین کا عمل اسی پہ ہے کہ نماز میں بسملہ کو جہراً نہ پڑھا جائے۔ معلوم ہوا کہ ترک جہر صحابہ میں متوارث تھا ورنہ خلفاء اربعہ کا یہ معمول ہوتا اور نہ حضرت عبد اللہ بن مغفل اس کو حدث فی الدین قرار دیتے۔ امام نووی نے خلاصہ میں کہا ہے کہ ابن خزیمہ، ابن عبد البر اور خطیب جیسے حفاظ نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے اور امام ترمذی کی تحسین پر نکیر کی ہے کیونکہ اس کا مدار ابن عبد اللہ بن مغفل پر ہے اور وہ مجہول ہے۔ حافظ بیہقی کتاب المعرفہ میں کہتے ہیں کہ اس حدیث میں ابو نعامہ قیس بن عبایہ متفرد ہے اور ابو نعامہ وابن عبد اللہ بن مغفل سے شیخین نے احتجاج نہیں کیا ہے۔

جواب۔ ابو نعامہ کے تفرد کا دعوی بالکل غلط ہے اس واسطے کہ طبرانی کی روایت میں ابو نعامہ کے دو متابع عبد اللہ بن بریدہ اور ابو سفیان طریف بن شہاب سعدی موجود ہیں۔ اسی طرح ابن عبد اللہ بن مغفل کا مجہول ہونا بھی غلط ہے کیونکہ معجم طبرانی اور مسند امام احمد میں انکے نام (یزید) کی تصریح موجود ہے۔

رہی یہ بات کہ شیخین نے ان سے احتجاج نہیں کیا سو صحت اسناد کے لئے شیخین کا احتجاج کرنا کسی کے نزدیک بھی شرط نہیں لاسیما فی الحدیث الذی فی درجۃ الحسن۔

(۳) حدیث عائشہؓ قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یستفتح الصلوٰۃ بالتکبیر والقراءۃ بالحمد للہ رب العالمین " (مسلم، ابوداؤد ولفظہ یفتتح، بیہقی، ابن عبد البر فی الانصاف)

حضرت عائشہ کی یہ حدیث بسملہ کے عدم جہر میں بالکل ظاہر ہے مگر اس پر بھی دو طرح سے اعتراض کیا جاتا ہے۔ ایک تو یہ کہ اس کو حضرت عائشہ سے ابوالجوزاء نے روایت کیا ہے اور حضرت عائشہ سے اس کا سماع معروف نہیں۔ دوسرے یہ کہ حضرت عائشہ سے اس کے خلاف جہر مروی ہے۔

جواب یہ ہے کہ ابوالجوزاء اوس بن عبد اللہ ربعی ثقہ اور سن رسیدہ راوی ہیں جن کے متعلق حضرت عائشہ سے سماع کا انکار نہیں کیا جا سکتا جبکہ محدثین کی ایک جماعت نے ان سے احتجاج کیا ہے اور حضرت عائشہ سے جو بسملہ کا جہر مروی ہے وہ سفید جھوٹ ہے کیونکہ اس کی سند میں حکم بن عبد اللہ بن سعد کذاب اور دجال ہے۔ ومن العجب القدح فی الحدیث الصحیح والاحتجاج بالباطل۔

(۴) حدیث عبد اللہ بن مسعود۔ قال ما جہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی صلاۃ مکتوبۃ ببسم اللہ الرحمٰن الرحیم ولا ابوبکر ولا عمرؓ (ابوبکر جصاص فی احکام القرآن) یہ حدیث گو ضعیف اور منقطع ہے بایں معنی کہ محمد بن جابر متکلم فیہ ہے اور حضرت عبد اللہ سے ابراہیم کو لقاء حاصل نہیں لیکن جب دارقطنی اور خطیب وغیرہ نے منکرات و موضوعات سے احتجاج کیا ہے تو کیا یہ حدیث احادیث صحیحہ کے لئے شاہد بھی نہیں ہو سکتی؟۔

(۵) حدیث ابن عباس۔ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قرأ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہزأ منہا المشرکین وقالوا محمد یذکر الٰہ الیمامۃ وکان مسیلمۃ یتسمی الرحمٰن الرحیم فلما نزلت ہذہ الآیۃ امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لا یجہر بہا۔" (طبرانی فی الکبیر والاوسط مسندًا، ابوداؤد، ابن جریر مرسلًا)

حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتے تو مشرکین تمسخر کرتے اور کہتے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو الٰہ یمامہ کو یاد کرتا ہے اور مسیلمہ کذاب اپنے کو رحمٰن و رحیم سے موسوم کرتا تھا پس جب یہ آیت نازل ہوئی (ولا تجہر بصلاتک ولا تخافت بہا) تو آپ کو جہر سے روک دیا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جن روایات میں بسملہ کا جہر مروی ہے وہ منسوخ ہیں۔ یہ تطبیق بین الاحادیث کی ایک صورت ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ بسم اللہ کے جہر کی احادیث تعلیم جواز پر محمول ہیں واللہ اعلم۔ وہذا آخر البحث والحمد للہ رب العالمین۔

(ص ۲۳۶)

قولہ قال ابوداؤد الخ

صاحب کتاب زیر بحث حدیث پر دو طرح سے اعتراض کرتے ہیں اول یہ کہ حدیث کا یہ سیاق زہری سے روایت کرنے والی ایک جماعت معمر اور یونس بن یزید وغیرہ کے سیاق کے خلاف ہے کہ ان حضرات نے اپنی روایات میں کشف وجہ اور تعوذ کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا آیت تلاوت کرنا ذکر نہیں کیا بلکہ ان سب کی روایت یوں ہے۔ ان عائشۃ ذکرت وانزل اللہ تعالٰی ان الذین جاؤا بالافک الآیۃ

لیکن صاحب کتاب نے اس کو منکر کہا ہے اور حدیث منکر وہ ہے جس کو ضعیف راوی ثقہ راوی کے خلاف روایت کرے اور ابو صفوان حمید بن قیس اعرج کی تضعیف نہیں بلکہ اس سے

شیخین نے احتجاج کیا ہے اور ابن سعد، ابن معین، ابوزرعہ، ابوداؤد، ابن خراش اور یعقوب بن سفیان نے اس کی توثیق کی ہے تو اس کی روایت شاذ ہوئی نہ کہ منکر۔ ممکن ہے صاحب کتاب نے بطریق مسامحت شاذ پر منکر کا اطلاق کر دیا ہو یا اس کو منکر کہنا امام احمد کے قول پر مبنی ہو کہ امام احمد نے حمید کے متعلق "لیس ہو بالقوی فی الحدیث" کہا ہے۔ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس حدیث میں استیاذہ نہیں ہے بلکہ یہ حمید کا کلام ہے۔ مگر اس دعوی پر صاحب کتاب کے وجدان کے علاوہ اور کوئی دلیل نہیں ۔

(۱۱۱) باب ما جاء من جهر بها

(۷۸۵) حدثنا زياد بن ايوب نا مروان يعني ابن معاوية الفزاري انا عوف الاعرابي عن يزيد الفارسي حدثني ابن عباس بمعناه قال فيه فقبض رسول الله صلى الله عليه وسلم ولم يبين لنا انها منها، قال ابو داؤد وقال الشعبي وابو مالك وقتادة وثابت بن عمارة ان النبي صلى الله عليه وسلم لم يكتب بسم الله الرحمن الرحيم حتى نزلت سورة النمل هذا معناه

ترجمہ

زیاد بن ایوب نے بتحدیث مروان بن معاویہ فزاری باخبار عوف اعرابی بواسطہ یزید فارسی حضرت ابن عباس سے اسی کے ہم معنی روایت بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے اور آپ نے یہ بیان نہیں کیا کہ سورہ برأت انفال میں سے ہے۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ شعبی و ابومالک، قتادہ اور ثابت بن عمارہ نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ نہیں لکھی یہاں تک کہ سورہ نمل نازل ہوئی ۔

تشریح

(۲۲۳) قولہ قال ابوداؤد الخ صاحب کتاب نے اس مضمون کو اپنے مراسیل میں ابومالک (غزوان غفاری کوفی) سے روایت کیا ہے۔ لیکن اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ سورہ توبہ کے علاوہ باقی سورتوں کے اوائل میں کتابت بسملہ مجمع علیہ ہے۔ زیر بحث حدیث سے پہلے والی حدیث میں حضرت عثمان سے ابن عباس کا سوال۔ "لم تکتبوا بینہما سطر بسم اللہ الرحمن الرحیم" اسی پر دال ہے کہ سورہ توبہ کے علاوہ باقی سورتوں کے اوائل میں بسملہ لکھا جاتا تھا تو جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ نمل کے نزول سے قبل بسملہ نہیں لکھا جیسا کہ ابومالک کی روایت سے معلوم ہوتا ہے تو پھر صحابہ نے آپکے خلاف کیوں کیا؟ جواب یہ ہے کہ عدم کتابت بسملہ کا مطلب یہ ہے کہ سورۂ نمل کے نزول سے قبل آپ نامہائے مبارک کے شروع میں "باسمک اللہم" تحریر فرماتے تھے اور سورۂ نمل کے نزول کے بعد بسم اللہ الرحمن الرحیم، یہ مطلب نہیں کہ نزول نمل سے قبل اوائل سور میں بھی بسملہ نہیں لکھتے تھے ۔

(۱۳۰) باب ما جاء فی القراءۃ فی الظھر

(۱۷۶) حدثنا مسدد نا یحیی عن ھشام بن ابی عبد اللہ ح قال وثنا ابن المثنی ثنا ابن ابی عدی عن الحجاج وھذا اللفظ عن یحیی عن عبد اللہ بن ابی قتادۃ قال ابن المثنی وابی سلمۃ ثم اتفقا عن ابی قتادۃ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی بنا فیقرأ فی الظھر والعصر فی الرکعتین الاولیین بفاتحۃ الکتاب وسورتین ویسمعنا الآیۃ احیانا وکان یطول الرکعۃ الاولی من الظھر ویقصر الثانیۃ وکذلک فی الصبح. قال ابو داؤد ولم یذکر مسدد فاتحۃ الکتاب وسورۃ

ترجمہ

مسدد نے بحدیث یحیی بواسطہ ہشام بن ابی عبد اللہ اور ابن المثنی نے بحدیث ابن ابی عدی بواسطہ حجاج (ہشام بن ابی عبد اللہ اور حجاج دونوں نے) بروایت یحیی (بن ابی کثیر) بطریق عبد اللہ بن ابی قتادہ (اور ابن المثنی کی روایت میں بطریق عبد اللہ بن ابی قتادہ و بطریق ابو سلمہ) حضرت ابو قتادہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو نماز پڑھاتے تو ظہر و عصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور دیگر سورت پڑھتے اور کبھی کبھی ہم کو ایک آدھ آیت سنا دیتے تھے اور ظہر کی پہلی رکعت کو دوسری رکعت سے لمبی کرتے اور ایسا ہی صبح کی نماز میں کرتے تھے۔ ابو داؤد کہتے ہیں کہ شیخ مسدد نے فاتحہ اور سورت کو ذکر نہیں کیا۔ تشریح

قولہ وابی سلمۃ الخ. اس کا عطف عبد اللہ بن ابی قتادہ پر ہے مطلب یہ ہے کہ ابن المثنی نے سند میں ابو سلمہ کو بھی ذکر کیا ہے۔ شیخ مسدد نے اس کو ذکر نہیں کیا تو مسدد کی روایت تو اس طرح ہے "عن یحیی بن ابی کثیر عن عبد اللہ بن ابی قتادہ عن ابی قتادۃ" اور ابن المثنی کی روایت یوں ہے "عن یحیی بن ابی کثیر عن عبد اللہ بن ابی قتادۃ وابی سلمۃ عن ابی قتادۃ"۔

قولہ قال ابو داؤد الخ (۲۳۰) شیخ مسدد اور ابن المثنی کی روایت کے الفاظ کا فرق ظاہر کر رہے ہیں کہ شیخ مسدد نے "بفاتحۃ الکتاب وسورتین" کو ذکر نہیں کیا اور ابن المثنی نے اس کو ذکر کیا ہے۔

(۱۳۱) باب من رای التخفیف فیھا

(۱۷۷) حدثنا موسی بن اسمعیل نا حماد انا ھشام بن عروۃ ان اباہ کان یقرأ فی صلوۃ المغرب بنحو ما تقرؤن والعادیات ونحوھا من السور

قال ابو داؤد وهذا يدل على ان ذلك منسوخ وقال ابو داؤد وهذا اصح ۔

ترجمہ

موسیٰ بن اسمٰعیل نے بتحدیث حماد بإخبار ہشام بن عروہ روایت کیا ہے کہ ان کے والد حضرت عروہ مغرب کی نماز میں والعادیات کے مثل سورتیں پڑھتے تھے۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ یہ اس پر دال ہے کہ قرأۃ طوال مفصل منسوخ ہے۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ یہی اصح ہے۔

تشریح

قولہ باب الخ مغرب کی نماز میں قرأت کی مقدار کتنی ہونی چاہئے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے طوال مفصل (سورہ حجرات سے بروج تک) اور قصار مفصل (لم یکن سے آخر قرآن تک) ہر دو کی قرأت ثابت ہے۔ چنانچہ حضرت ام الفضل کی حدیث میں قرأت مرسلات کی۔ حضرت جبیر بن مطعم کی حدیث میں قرأت طور کی۔ حضرت زید بن ثابت کی حدیث میں قرأت اعراف وانعام کی، حضرت عروہ کی روایت میں عادیات (وغیرہ) کی اور حضرت ابن مسعود کے اثر میں قل ہو اللہ احد کی تصریح موجود ہے۔

اس لئے صاحب بدائع وغیرہ نے قیاس کو اختیار کیا ہے کہ اس سلسلہ میں کوئی تحدید و تعیین نہیں بلکہ بتقاضائے وقت اور قوم و امام کے حالات کے لحاظ سے مختلف ہو سکتی ہے۔ لیکن صاحب درمختار و حلبی وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ اقامت کی حالت میں امام و منفرد دونوں کے لئے مغرب کی نماز میں قصار مفصل کی قرأت مسنون ہے۔　۴۱۴

صحابہ میں سے حضرت ابوبکر (عند عبد الرزاق) حضرت عبداللہ بن مسعود (عند ابن ابی شیبہ وابی داؤد والبیہقی) ابن عباس، عمران بن حصین (عند ابن ابی شیبہ) اور عمر فاروق (عند الطحاوی) سے اور تابعین وغیرہ میں سے سعید بن جبیر، حسن بصری، عمر بن عبدالعزیز، ابراہیم نخعی اور عروہ بن الزبیر سے یہی مروی ہے کہ یہ حضرات مغرب میں قصار مفصل کی قرأت کرتے تھے۔

سفیان ثوری، ابراہیم نخعی، عبداللہ بن المبارک، اسحٰق بن راہویہ، امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد کا یہی مذہب ہے۔ شیخ ابن دقیق العید فرماتے ہیں کہ صبح کی نماز میں تطویل اور مغرب کی نماز میں تقصیر قرأت ہی عمل مستمر ہے۔ امام نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان اور ابن خزیمہ نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کے پیچھے نماز نہیں پڑھی جو نماز میں فلاں شخص (لعلہ ہو عمر بن عبدالعزیز) سے زیادہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مشابہ ہو (اس کے آخر میں ہے کہ) وہ مغرب کی نماز میں قصار مفصل پڑھتے تھے اور عشاء میں اوساط مفصل اور صبح میں طوال مفصل۔ حضرت عمر فاروق نے تفصیل قرأت کی بابت جو مکتوب حضرت ابوموسیٰ اشعری کے نام لکھا تھا اس میں بھی یہی ہے جس کو ابن ابی شیبہ، عبد الرزاق اور امام طحاوی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

تطویل قرأت پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت معاذ کو تنبیہ کرنا اور یہ فرمانا "اذا صلی احدکم للناس فلیخفف" بھی اسی کا مقتضی ہے۔

رہیں وہ احادیث جن میں قرأت طوال مفصل وارد ہیں سوان کا ایک جواب تو یہ ہے کہ معمول تو قصار مفصل ہی پڑھنا تھا لیکن کبھی کبھی آپ نے طوال مفصل کو بھی پڑھا ہے جو یا تو بطور بیان جواز اور اس پر تنبیہ کے لئے تھا کہ مغرب کا وقت ممتد ہے جس میں اس کی گنجائش ہے اور یہ کہ قصار مفصل کی قرأت کوئی حتمی امر نہیں یا اس لئے کہ آپ کو معلوم تھا کہ میری قرأت مقتدیوں کے لئے باعث مشقت نہیں ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ قرأ والطور اور قرأ والمرسلات کا مطلب یہ ہے کہ اس کے بعض حصہ کی قرأت کی جس کو کل سے تعبیر کر دیا گیا کما یقال فلان یقرأ القرآن اذا کان یقرأ شیئاً منہ۔ یا پوری سورت کو دو رکعتوں میں متفرق کر کے پڑھا اس لحاظ سے رکعت واحدہ میں قرأت کی مقدار بقدر قصار مفصل رہی چنانچہ حضرت عائشہ کی حدیث میں جس کو امام نسائی نے روایت کیا ہے اس تفریق کی تصریح موجود ہے۔

لیکن اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ طوال المفصل سے متعلق جو مختلف سورتوں کی قرأت وارد ہے مثلاً طور، صافات، حٰم دخان اور مرسلات وغیرہ ان میں سے اس تفریق کا اثبات مشکل ہے کیونکہ بخاری وغیرہ میں حضرت جبیر بن مطعم کی روایت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے مغرب کی نماز میں پوری سورہ طور پڑھی۔ اور نسائی میں حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ آپ نے سورۂ اعراف کو دو رکعتوں میں پڑھا اور ظاہر ہے کہ نصف اعراف مقدار قصار سے زائد ہے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ قرأت طوال مفصل منسوخ ہے جیسا کہ صاحب کتاب نے ذکر کیا ہے مگر اس پر بھی اعتراض ہوتا ہے جس کو ہم قول کے ذیل میں ذکر کریں گے پس پہلا جواب ہی بہتر ہے۔

سوال۔ اعتراض سے تو یہ بھی خالی نہیں کیونکہ مروان بن حکم کی قرأت قصار مفصل تھا پر حضرت زید بن ثابت کی نکیر سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ قرأت طوال مفصل دائمی معمول تھا۔ جواب حافظ ابن حجر نے ذکر کیا ہے کہ حضرت زید بن ثابت کا مقصد یہ تھا کہ اس پر بھی عمل ہونا چاہئے نہ یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر مواظبت فرمائی ہے۔

(۲۳۹)

قولہ قال ابوداؤد وہذا یدل الخ یعنی حضرت عروہ کا مغرب میں والعادیات وغیرہ کی قرأت کرنا اس پر دال ہے کہ قرأت طوال مفصل منسوخ ہے۔ مگر صاحب کتاب نے اسکی کوئی دلیل ذکر نہیں کی ممکن ہے کہ اسکی وجہ بقول حافظ یہ ہو کہ حضرت عروہ جو راوی حدیث ہیں وہ اس کے خلاف عمل کر رہے ہیں تو اس سے یہی سمجھا جائیگا کہ حضرت عروہ کو اس کا نسخ معلوم تھا۔

(۲۴۰)

قولہ قال ابوداؤد ہذا اصح الخ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ترک قرأت طوال مفصل کا مدار احتمال نسخ پر ہے اور صرف احتمال سے نسخ ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس کے لئے ثبوت تاخر قرأت قصار مفصل ضروری ہے اور یہ ثابت نہیں کیونکہ حضرت ام الفضل کی حدیث میں تصریح ہے کہ آپ نے مغرب کی نماز میں والمرسلات کی قرأت کی اور آپ کی آخری

نماز تھی۔ حدیث بخاری کے الفاظ ہیں ثم ما صلی لنا بعد حتی قبضہ اللہ۔ فلو ثبت النسخ لثبت نسخ القصار الا انہ لیس (تدبر)۔

(۲۱۱) باب من کرہ القراءۃ بفاتحۃ الکتاب اذا جہر الامام

(۸۲۸) حدثنا القعنبی عن مالک عن ابن شہاب عن ابن اکیمۃ اللیثی عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انصرف من صلوۃ جھر فیھا بالقراءۃ فقال ھل قرأ معی احد منکم آنفا فقال رجل نعم یا رسول اللہ قال انی اقول مالی انازع القرآن قال فانتھی الناس عن القراءۃ مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیما جھر فیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالقراءۃ من الصلوات حین سمعوا ذلک من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ قال ابو داؤد روی حدیث ابن اکیمۃ ھذا معمر ویونس واسامۃ بن زید عن الزھری علی معنی مالک

ترجمہ

قعنبی نے بطریق مالک بروایت ابن شہاب بواسطہ ابن اکیمہ لیثی حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جہری نماز سے فارغ ہوئے اور فرمایا: تم میں سے کسی نے میرے ساتھ قرأت کی تھی؟ تو ایک شخص نے کہا: ہاں۔ یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: تب ہی تو میں کہتا تھا مجھے کیا ہوا کہ کوئی مجھ سے قرآن چھینے لیتا ہے۔

راوی کا بیان ہے کہ جب سے لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا تو جہری نمازوں میں قرأت کرنے سے رک گئے۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ ابن اکیمہ کی اس حدیث کو معمر، یونس اور اسامہ بن زید نے زہری سے بروایت مالک کے ہم معنی روایت کیا ہے۔

تشریح

قولہ باب الخ۔ قرأت خلف الامام کا مسئلہ بھی ان معرکۃ الآراء مسائل میں سے ہے جو عہد خیر القرون سے آج تک صحابہ و تابعین، فقہاء و محدثین، علماء سابقین ولاحقین، سلف صالحین و ائمہ مسلمین، مقلدین و غیر مقلدین و عامۃ المؤمنین کے درمیان مختلف ارباب فضل و کمال کی جولانی قلم اور خامہ فرسائی کے باوجود محل بحث و مباحثہ اور باعث مناظرہ و مجادلہ بنا ہوا ہے۔ حالانکہ اس موضوع پر امام بخاری کا جزء القراءۃ، بیہقی کی کتاب القراءۃ، علامہ ہاشم بن عبدالغفور سندھی کا رسالہ تنقیح الکلام فی النھی عن القراءۃ خلف الامام، مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی کی کتاب امام الکلام فیما یتعلق بالقراءۃ خلف الامام اور غیث الغمام علی حواشی امام الکلام، حضرت علامہ محمد انور شاہ صاحب کشمیری کا رسالہ فصل الخطاب فی مسئلۃ ام الکتاب، حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کا رسالہ ہدایۃ المعتد

فی قرأۃ المقتدی، حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کا رسالہ توثیق الکلام فی الانصات خلف الامام، حکیم نور الدین صاحب کا رسالہ فصل الخطاب فی مسئلۃ فاتحۃ الکتاب۔ اور نظیر حسن آزردی کا رسالہ خیر الکلام ترجمہ جزء القراءۃ خلف الامام وغیرہ بہت سی کتابیں معرض وجود میں آچکیں۔ بالخصوص علامہ ابو الزاہد محمد سرفراز خان صفدر کی کتاب احسن الکلام فی ترک القراءۃ خلف الامام اس موضوع پر بہترین اور اپنے انچھوتے انداز کی آخری کتاب ہے جس میں ہر پہلو سے مسئلہ کی توضیح و تنقیح کے ساتھ ساتھ مولوی عبد الصمد پشاوری (غیر مقلد) کی کتاب اعلام الاعلام فی القراءۃ خلف الامام۔ مولانا عبد الرحمن مبارکپوری (غیر مقلد) کی کتاب تحقیق الکلام، مولوی محمد صادق سرگودھوی (غیر مقلد) کی کتاب خیر الکلام کا محققانہ و عادلانہ رد بھی موجود ہے مگر افسوس کہ آج چشم بینا مفقود اور ہر طرف جہل وجمود ہے۔ مذکورہ بالا کتب میں سے اکثر ہمارے سامنے ہیں لیکن احسن الکلام کی موجودگی میں اس موضوع پر لکھتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے بار صرف بقدر ضرورت موصوف کی کتاب سے بطریق اختصار کچھ پیش کرتے ہیں واللہ الموفق۔

امام کے پیچھے مقتدی کے لئے قراءت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بر تقدیر اول لازم اور ضروری ہے یا صرف مباح و مستحب؟ بر تقدیر ثانی حرام ہے یا مکروہ؟ نیز جواز و عدم جواز اور استحباب و عدم استحباب سری و جہری ہر نماز میں ہے یا کسی ایک میں؟ اس کے متعلق صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین کا عظیم اختلاف ہے۔

۴۱۷

صحابہ میں سے حضرت ابوبکر صدیق، عثمان غنی، زید بن ثابت، عبد اللہ بن مسعود، ابو الدرداء، عبد الرحمن بن عوف، عبد اللہ بن عباس، سعد بن ابی وقاص، ابو سعید خدری، عقبہ بن عامر، حذیفہ بن الیمان۔ اور تابعین وغیرہ میں سے سوید بن غفلہ، محمد بن سیرین، اسود بن زید، علقمہ بن قیس، ابراہیم نخعی، ابو وائل شقیق بن سلمہ، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، حسن بن حی وغیرہ کے نزدیک سری و جہری کسی نماز میں بھی مقتدی کے لئے امام کے پیچھے قراءت کرنا جائز نہیں۔ امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد اسی کے قائل ہیں۔

شیخ عبد اللہ بن یعقوب حارثی سبذمونی نے کتاب کشف الاسرار میں بواسطہ عبد اللہ بن زید بن اسلم ان کے والد زید بن اسلم کا قول نقل کیا ہے کہ دس صحابہ کرام قراءت خلف الامام سے بڑی سختی کے ساتھ منع کرتے تھے۔ علامہ بدر الدین عینی نے بنایہ شرح ہدایہ میں اور شیخ فصیح الدین محمد نظامی نے شرح وقایہ میں اور صاحب کافی وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ اسی جلیل القدر صحابہ سے قراءت خلف الامام کی ممانعت مروی ہے جن میں علی مرتضیٰ اور عبادلہ ثلاثہ بھی ہیں۔ شیخ شمس الدین محمد قہستانی نے جامع الرموز (شرح نقایہ) میں بحوالہ کرمانی امام شعبی سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ستر بدری صحابہ کو پایا ہے جو امام کے پیچھے قراءت نہیں کرتے تھے۔

علامہ عینی نے رمز الحقائق شرح کنز الدقائق میں، شیخ بزدوی نے شرح کافی میں، شیخ برہان الدین مرغینانی نے ہدایہ اور مختارات النوازل میں۔ صاحب ذخیرہ نے ذخیرہ میں امام محمد کا یہ مسلک نقل کیا ہے کہ وہ سری نمازوں میں مقتدی کے لئے امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کو مستحسن سمجھتے تھے۔

مگر یہ نقل صحیح نہیں چنانچہ حافظ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ جو لوگ امام محمد کا یہ مذہب نقل کرتے ہیں وہ غلط فہمی کا شکار ہیں۔ ان کا قول شیخین کی طرح ممانعت کا ہے کیونکہ آپ کی کتابوں میں ممانعت قرأت کی تصریح موجود ہے چنانچہ کتاب الآثار میں علقمہ بن قیس کا اثر روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ "وبہ نأخذ لا نری القراءۃ خلف الامام فی شیء من الصلوات یجہر فیہ او لا یجہر" پھر اور آثار روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ "قال محمد لا ینبغی ان یقرأ خلف الامام فی شیء من الصلوات" اسی طرح مؤطا میں ممانعت قرأۃ کے آثار روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ "قال محمد لا قراءۃ خلف الامام فی ما جہر ولا فی ما لم یجہر فیہ بذالک جاءت عامۃ الآثار وہو قول ابی حنیفۃ"

صاحب درمختار کہتے ہیں کہ امام محمد کی طرف اس قول کی نسبت ضعیف ہے۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ احتیاط اسی میں ہے کہ قرأت کی جائے۔ اس کے متعلق علامہ شامی فرماتے ہیں۔ "ودعوی الاحتیاط ممنوعۃ بل الاحتیاط ترک القراءۃ لانہ العمل باقوی الدلیلین اھ" یعنی دعوی احتیاط ممنوع ہے بلکہ احتیاط ترک قرأۃ میں ہے کیونکہ احتیاط دو دلیلوں میں سے قوی تر دلیل پر عمل کرنا ہے اور یہاں اقوی دلیلین کا مقتضی ترک قرأۃ ہی ہے۔

صحابہ میں سے حضرت عائشہ، ابوہریرہ، عبداللہ بن مغفل، ابی بن کعب، عبداللہ بن عمرو، عبادہ بن الصامت اور تابعین وغیرہ میں سے حضرت عروہ بن الزبیر، قاسم بن محمد، ابن شہاب زہری نافع بن جبیر، حسن بصری، مجاہد بن جبر، محمد بن کعب قرظی، ابو عالیہ ریاحی، ابن ابی لیلی، شعبی، سعید بن المسیب، سعید بن جبیر، سالم بن عبداللہ، قتادہ، اسحق بن راہویہ، عبداللہ بن المبارک، (امام بخاری کے استاد الاستاد) اوزاعی، ابو ثور اور داؤد ظاہری کے نزدیک صرف سری نمازوں میں قرأت ہے جہری میں نہیں ہے۔

امام مالک کا بھی یہی مذہب ہے جو ان کی مشہور کتاب مؤطا میں، ابن عبدالبر کی الاستذکار میں، ابوبکر محمد بن موسی حازمی کی کتاب الناسخ والمنسوخ میں، علامہ بدرالدین عینی کی کتاب تحفۃ السلوک شرح تحفۃ الملوک میں، ملا علی قاری کی مرقاۃ شرح مشکوۃ میں اور تحفۃ الاحوذی وغیرہ میں منقول ہے۔

ان حضرات کے یہاں گو امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کی اجازت ہے مگر یہ حضرات وجوب قرأت کے قائل نہ تھے چنانچہ حافظ ابن عبدالبر نے الاستذکار میں تصریح کی ہے کہ "واصحاب مالک علی الاستحباب فی ذلک دون الایجاب"۔ مولانا مبارک پوری تحفۃ الاحوذی میں لکھتے ہیں کہ امام مالک سری نمازوں میں وجوب قرأت خلف الامام کے قائل نہ تھے۔

امام احمد کا بھی یہی مذہب ہے کہ آپ بھی جہری نمازوں میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کی قرأت کے قائل نہ تھے جیسا کہ مغنی ابن قدامہ، منتوج العبادات اور تحفۃ الاحوذی وغیرہ میں مذکور ہے۔ بعض حضرات نے امام مالک اور امام احمد کے مسلک میں یہ فرق کیا ہے کہ امام احمد کے یہاں اگر مقتدی جہری نمازوں میں امام کی قرأت نہ سنتا ہو تو اس میں بھی فاتحہ کی قرأت کرے اور اگر سنتا ہو تو قرأت مکروہ (ذکرہ ابن عبدالبر فی الاستذکار)

بہرکیف امام احمد بھی وجوب قرأت کے قائل نہ تھے بلکہ فتاوی ابن تیمیہ میں اس کی تصریح ہے کہ

بخلاف وجوبہا فی حال الجہر فانہ شاذ حتی نقل احمد الاجماع علی خلافہ" یعنی سورہ فاتحہ کا جہری نمازوں میں امام کے پیچھے بطور وجوب پڑھنا شاذ ہے حتی کہ امام احمد نے اس کے خلاف اجماع اور اتفاق نقل کیا ہے۔

زیر بحث مسئلہ میں امام شافعی کا صحیح مسلک کیا ہے؟ اس کی بابت ناقلین کی عبارتیں مختلف ہیں حافظ ابوبکر محمد بن موسیٰ حازمی نے الناسخ والمنسوخ میں۔ علامہ بدرالدین عینی نے عمدۃ القاری میں اسی طرح دوسرے ائمہ نے نقل کیا ہے کہ موصوف سری وجہری ہر نماز میں قرأت فاتحہ کے وجوب کے قائل تھے، حافظ بیہقی نے سنن کبریٰ میں، حافظ ابن کثیر نے تفسیر میں اور علامہ بدرالدین عینی نے بنایہ شرح ہدایہ میں نقل کیا ہے کہ آپ کا قول قدیم یہ ہے کہ جہری نمازوں میں قرأت نہ کی جائے اور قول جدید یہ ہے کہ سری وجہری ہر نماز میں قرأت واجب ہے۔ چنانچہ ابن عبدالبر نے الاستذکار میں تصریح کی ہے کہ جہری نمازوں میں عدم قرأت کا قول اس وقت کا ہے جب آپ عراق میں تھے اور ہر نماز میں وجوب قرأت کا قول اس وقت کا ہے جب آپ مصر تشریف لائے۔ امام مزنی نے مختصر میں۔ حافظ بیہقی نے کتاب القراءۃ میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے تنوع العبادات میں اور علامہ رافعی وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ امام شافعی کے دو قول ہیں ایک جہری نمازوں میں ممانعت کا اور دوسرا اجازت کا۔

صاحب احسن الکلام فرماتے ہیں کہ حقیقت ان تمام باتوں کے بالکل برعکس ہے چنانچہ موصوف نے خود امام شافعی کی تحریرات سے ثابت کیا ہے کہ امام شافعی کے یہاں مقتدی کے لئے جہری نمازوں میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنا درست نہیں اور نہ واجب ہے۔ بلکہ مقتدی صرف ان نمازوں میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھ سکتا ہے جن میں امام کی قرأت نہ سنی جاسکتی ہو اور وہ سری نماز ہو۔ ہم امام شافعی کی ان عبارات کو نقل کرتے ہیں۔

امام شافعی کتاب الام جلد ۱ صفحہ ۹۳ پر تحریر فرماتے ہیں "وانما فی ترک القراءۃ بام القرآن و الخطاء سواء فی ان لا تجزی رکعۃ الا بہا او بشئی معہا الا ما یذکر من الماموم ان شاء اللہ" یعنی سورہ فاتحہ کا دیدہ ودانستہ ترک کرنا اور بھول کر ترک کرنا دونوں کا حکم ایک ہے کہ کوئی رکعت سورہ فاتحہ اور اس کے ساتھ کچھ اور بھی پڑھنے کے بغیر جائز نہیں ہو سکتی۔ مگر مقتدی کا حکم آگے ذکر کیا جائے گا ان شاء اللہ

موصوف نے اس عبارت میں مقتدی کے لئے سورہ فاتحہ کے پڑھنے کو مستثنیٰ کیا ہے اس کے بعد کتاب الام جلد ۱ صفحہ ۹۳ پر تحریر فرماتے ہیں۔ "فواجب علی من صلی منفردا او اماما ان یقرأ بام القرآن فی کل رکعۃ لا یجزیہ غیرہا واحب ان یقرأ معہا شیئا آیۃ او اکثر وسأذکر الماموم ان شاء اللہ"

یعنی منفرد اور امام پر واجب ہے کہ وہ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھیں اس کے علاوہ کوئی اور صورت کفایت نہیں کر سکتی۔ اور میں اس کو بھی پسند کرتا ہوں کہ سورہ فاتحہ کے علاوہ کچھ اور بھی پڑھیں ایک آیت ہو یا اس سے زیادہ۔ اور مقتدی کا حکم میں آگے بیان کروں گا ان شاء اللہ۔

اس عبارت میں بھی موصوف نے امام و منفرد کی تصریح کرتے ہوئے مقتدی کا استثنیٰ کیا ہے اب مقتدی کا وہ کون سا حکم ہے جس کی بابت آپ دو مرتبہ وعدہ کر چکے ہیں اسکو ہم آگے بیان کریں گے

سننے کتاب الامام جلد ، صفحہ ۱۵۲ پر تحریر فرماتے ہیں۔ "ونحن نقول کل صلوٰۃ صلیت خلف الامام والامام یقرأ قراءۃ لا یسمع فیہا فاقرأ فیہا" یعنی ہم کہتے ہیں کہ ہر وہ نماز جو امام کے پیچھے پڑھی جائے اور امام ایسی قرأۃ کرتا ہو جو سنی نہ جاتی ہو ایسی نماز میں مقتدی قرأت کرے۔

پس موصوف نے قرأۃ لا یسمع ارشاد فرما کر جہری اور سری نمازوں میں مقتدی کا وظیفہ متعین کر دیا کہ مقتدی صرف ان نمازوں میں قرأت کر سکتا ہے جو سری ہوں معلوم ہوا کہ امام شافعی بھی بحالت جہر مقتدی کے لئے قرأۃ کے قائل نہ تھے۔

اب ہم فریقین کے مستدلات کو قدرے تفصیل کے ساتھ ذکر کرتے ہیں اور پہلے مجوزین قرأت کے دلائل مع جوابات پیش کرتے ہیں واللہ الموفق۔

(۱) حدیث عبادہ بن الصامت۔ "قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب"۔ (صحاح ستہ، بیہقی، دارقطنی، دارمی، ابوعوانہ) وجہ استدلال یہ ہے کہ اس میں لفظ مَن عام ہے جس میں امام، منفرد اور مقتدی کی اسی طرح سری اور جہری نماز کی تخصیص نہیں لہذا ہر نمازی پر ہر نماز میں سورۂ فاتحہ کی قرأت ضروری ہوگی۔

جواب۔ استدلال مذکور صحیح نہیں کیونکہ دعویٰ خاص اور دلیل عام ہے نیز لفظ مَن تعمیم میں نص قطعی نہیں بلکہ بسا اوقات اس میں تخصیص بھی مراد ہوتی ہے قرآن و حدیث میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ ہم صرف ایک ایک مثال پیش کرتے ہیں۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ "ویستغفرون لمن فی الارض"۔ فرشتے زمین پر بسنے والوں کے لئے طلب مغفرت کرتے ہیں۔ اس آیت میں لفظ مَن ہے اور ظاہر ہے کہ زمین پر سب بسنے والوں کے لئے فرشتے دعاء مغفرت نہیں کرتے بلکہ صرف مؤمنین کے لئے استغفار کرتے ہیں جیسا کہ دوسری آیت "ویستغفرون للذین آمنوا" میں اس کی تصریح موجود ہے۔

علامہ زمخشری، فخر الدین رازی اور علامہ آلوسی نے اپنی تفاسیر میں اور حافظ ابو بکر جصاص نے احکام القرآن میں اس کی تصریح کی ہے کہ یہاں لفظ مَن جنس کے لئے ہے نہ کہ عموم کے لئے۔ اور جنسیت کل افراد میں بھی متحقق ہو سکتی ہے اور بعض میں بھی لیکن یہاں بعض اہل ایمان مراد ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "رجس ارسل علی من کان قبلکم (صحیحین) طاعون حق تعالیٰ کا ایک عذاب ہے جو تم سے پہلے لوگوں پر نازل کیا گیا تھا"۔ امام اہل عربیت علامہ سید شریف جرجانی نے لکھا ہے۔ "الموصولات لم توضع للعموم بل ہی للجنس تحتمل العموم والخصوص" کہ جملہ موصولات عموم کے لئے موضوع نہیں بلکہ ان میں عموم و خصوص دونوں کا احتمال ہے۔

ابو بکر محمد بن احمد سرخسی لکھتے ہیں۔ "ومن ہذا القسم کلمۃ مَن فانہا کلمۃ مبہمۃ وہی عبارۃ عن ذات من یعقل وہی تحتمل الخصوص والعموم اھ"۔ کہ اسی قسم سے کلمہ مَن بھی ہے کہ وہ مبہم اور مجمل ہے اور عقل والی شخصیت پر دلالت کرتا اور عموم و خصوص ہر دو کا احتمال رکھتا ہے۔

بہر کیف لفظ مَن کو عموم پر رکھ کر ہر نمازی مراد لینا صحیح نہیں بلکہ اس سے صرف امام اور منفرد مراد ہے کیونکہ اسی حدیث میں بطریق معمر صحیح مسلم، صحیح ابوعوانہ اور نسائی وغیرہ میں فصاعدا کی

پر نازل کیا گیا۔

زیادتی موجود ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے سورۂ فاتحہ اور اس سے زیادہ کچھ اور نہ پڑھا تو اس کی نماز نہ ہوگی۔ اور مقتدی کے لئے سورۂ فاتحہ سے مزید کی قرأت کرنا شوافع کے نزدیک بھی جائز نہیں تو فصاعدًا کی زیادتی سے یہ بات متعین ہوگئی کہ لفظ مَن سے مراد مقتدی نہیں بلکہ امام اور منفرد ہے

سوال۔ جزء القراءۃ، تلخیص الحبیر، تعلیق المغنی اور تحقیق الکلام وغیرہ میں ہے کہ فصاعدًا کی زیادتی میں معمر منفرد ہے۔ جواب اول تو یہ تسلیم نہیں کہ معمر اس زیادتی میں منفرد ہے اس واسطے کہ ابوداؤد میں باسند صحیح سفیان بن عیینہ سے، کتاب القراءۃ میں امام اوزاعی، شعیب بن ابی حمزہ اور عبدالرحمٰن بن اسحٰق مدنی سے اور عمدۃ القاری میں صالح بن کیسان سے بھی منقول ہے۔ پھر ابوداؤد، مسند امام احمد اور سنن کبریٰ میں حضرت ابوسعید خدری سے مرفوع روایت میں فصاعدًا کے بجائے "ما تیسر" کی زیادتی مروی ہے جس کی اسناد کو حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں قوی، اور تلخیص الحبیر میں صحیح اور امام نووی نے شرح مہذب میں بخاری و مسلم کی شرط پر مانا ہے۔ قاضی شوکانی نے نیل الاوطار میں امام ابن سید الناس سے یہ نقل کیا ہے کہ اس کی سند صحیح اور راوی ثقہ ہیں۔ نواب صاحب نے بھی فتح البیان میں اس زیادت کی تصحیح نقل کی ہے اور عون المعبود میں مولانا شمس الحق صاحب کو بھی اس کا اقرار ہے اور جزء القراءۃ، کتاب القراءۃ، مستدرک، اور سنن الکبریٰ وغیرہ میں فصاعدًا اور ما تیسر کے بجائے "بما زاد" کی زیادت بھی مروی ہے۔ اس کے علاوہ ترمذی، ابن ماجہ میں "وسورۃ معہا"۔ جزء القراءۃ میں "وآیتین او ثلاث"۔ نصب الرایہ میں "والسورۃ او ثلاث آیات فصاعدًا"۔ مجمع الزوائد میں "وآیتین من القرآن" مسند امام احمد میں "ثم اقرأ بما شئت" ابوداؤد میں "وبما شاء اللہ ان تقرأ"۔ کتاب القراءۃ میں "وشیء معہا، ثم قراءت بما معک من القرآن، معہا غیرہا، بفاتحۃ الکتاب وشیء، الا بفاتحۃ الکتاب فما فوق ذلک" وغیرہ الفاظ بھی مروی ہیں جو ما زاد علی الفاتحہ کی اصلیت پر وضاحت سے دلالت کرتے ہیں۔

۴۲۲

اور اگر ہم تھوڑی دیر کے لئے تفرد ہی تسلیم کرلیں تب بھی کوئی نقصان نہیں اس واسطے کہ معمر بالاتفاق ثقہ، ثبت، حجت اور امام زہری کے تمام تلامذہ میں زیادہ قابل اعتماد ہیں اور ثقہ کی زیادتی قابل قبول ہوتی ہے۔

سوال۔ مان لیا کہ زیادت مذکور صحیح ہے مگر اس سے ما زاد علی الفاتحہ کا وجوب ثابت نہیں ہوتا چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ دو رکعت نماز پڑھائی اور ان میں صرف سورۂ فاتحہ ہی پڑھی (فتح الباری، مسند احمد وغیرہ) اگر ما زاد واجب ہوتا تو آپ ترک نہ فرماتے۔ نیز حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ سورہ فاتحہ سب نمازوں میں کافی ہے اگر زیادہ ہوجائے تو بہتر ہے۔ معلوم ہوا کہ ما زاد علی الفاتحہ واجب نہیں ہے اسی لئے حافظ ابن حجر نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔

جواب۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی یہ روایت نہایت کمزور اور ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں حنظلہ سدوسی راوی ہے جس کو امام نسائی نے ضعیف، امام احمد نے منکر الحدیث، ابن معین نے لیس بشیء، ابوحاتم نے غیر قوی کہا ہے۔ یحییٰ القطان کہتے ہیں کہ میں نے اس کو عمدًا ترک کردیا تھا۔

اور بعد کو یہ مختلط بھی ہو گیا تھا۔ ابن حبان اس کو ضعفاء میں لکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ ایسے، مختلط ہو گئے تھے کہ ان کی اگلی اور پچھلی سب روایتیں اس طرح خلط ملط ہو گئی تھیں کہ ان میں تمیز نہیں ہو سکتی۔

اور حضرت ابوہریرہ کی حدیث مرفوع نہیں موقوف ہے۔ پس ان سے احتجاج صحیح نہیں کیونکہ یہ حضرت ابوسعید خدری کی مرفوع اور صحیح حدیث "امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نقرأ بفاتحۃ الکتاب وما تیسر" کے خلاف ہے۔ کیونکہ اس حدیث میں ہے کہ جس طرح آپ نے سورۂ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا ہے اسی طرح آپ نے ما تیسر کی قراءت کا بھی حکم دیا ہے۔ اگر آپ کے حکم اور امر سے بھی وجوب ثابت نہ ہو تو پھر کس کے حکم سے ثابت ہوگا؟

رہا دعویٰ اجماع سو حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ امام نووی اور ابن حبان وغیرہ نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ما زاد علی الفاتحۃ کی قراءت بالاجماع مستحب ہے لیکن خود موصوف ان پر گرفت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ "فیہ نظر لثبوتہ عن بعض الصحابۃ ومن بعدہم (فتح الباری) کہ اجماع کا دعویٰ محل نظر ہے کیونکہ بعض صحابہ کرام اور بعد کے سلف سے قراءت ما زاد کا وجوب بھی ثابت ہے۔ قاضی شوکانی اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "وہذہ الاحادیث لا تقصر عن الدلالۃ علی وجوب قرآن مع الفاتحۃ (الی ان قال) وقد ذہب الی ایجاب قرآن مع الفاتحۃ عمر وابنہ عبداللہ وعثمان بن ابی العاص والہادی والقاسم والمؤید باللہ" کہ یہ حدیثیں (جن میں فصاعداً، ما تیسر، ما زاد کی زیادت موجود ہے) اس حکم پر دلالت کرنے سے قاصر نہیں ہیں کہ سورہ فاتحہ کے ساتھ قرآن کا کوئی اور حصہ بھی واجب ہے۔ چنانچہ حضرت عمر، ابن عمر، عثمان بن ابی العاص، ہادی، قاسم اور مؤید باللہ کا یہی مسلک ہے۔ اسکے بعد تحریر فرماتے ہیں۔ "والظاہر ما ذہبوا الیہ من ایجاب شئی من القرآن" کہ ان احادیث کے پیش نظر بظاہر ان کا یہ مسلک صحیح ہے کہ سورہ فاتحہ کے علاوہ قرآن کریم کا کوئی اور حصہ بھی واجب ہونا چاہیے۔

حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی فتح الملہم میں لکھتے ہیں۔ "ولہذا اوجب الحنفیۃ قراءۃ الفاتحۃ وضم السورۃ الیہا احد" کہ اسی لئے احناف نے سورۂ فاتحہ اور اس کے ساتھ کسی اور سورت کے ملانے کو واجب کہا ہے۔ حضرت مولانا انور شاہ صاحب فصل الخطاب میں تحریر فرماتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ کے ساتھ کسی اور سورت کا ملانا اور اس کو واجب قرار دینا مالکیہ وحنابلہ کا بھی ایک قول ہے پس اگر اتنی مخلوق خدا نکل جانے کے بعد بھی اجماع باقی رہتا ہے تو وہ کوئی عجیب ہی اجماع ہوگا۔

بہرکیف اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ زیر بحث حدیث کا اصلی مصداق صرف منفرد ہے اور ضمنی طور پر اس میں امام بھی داخل ہے۔ مگر مقتدی اس سے بہرحال خارج ہے۔ چنانچہ مؤطا، امام مالک اور ترمذی میں حضرت جابر بن عبداللہ سے، مؤطا میں حضرت عبداللہ بن عمر سے ترمذی میں امام احمد بن حنبل سے، ابوداؤد میں سفیان بن عیینہ سے منقول ہے کہ یہ حکم منفرد کے لئے ہے علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی مغنی میں لکھتے ہیں۔ "فاما حدیث عبادۃ الصحیح فہو محمول علی غیر الماموم وکذلک حدیث ابی ہریرۃ" کہ حضرت عبادہ کی جو حدیث صحیح ہے اسی طرح حضرت ابوہریرہ کی روایت ہے تو یہ غیر مقتدی پر محمول ہے۔

۴۲۲

جواب۔ حافظ ابن عبد البر لکھتے ہیں کہ جمہور فقہاء کا اس بات پر کلی اتفاق ہے کہ جس شخص نے امام کو رکوع کی حالت میں پالیا ہو اور سورۂ فاتحہ نہ پڑھی ہو اس کی وہ رکعت اور نماز صحیح ہے امام مالک، امام شافعی، امام ابوحنیفہ، ثوری، اوزاعی، ابو ثور، امام احمد، اسحٰق بن راہویہ کا یہی مسلک ہے اور صحابہ کرام میں حضرت علی، ابن مسعود، زید بن ثابت اور حضرت ابن عمر کا بھی مسلک ہے۔ امام شافعی نے کتاب الام میں، شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے منہاج السنہ میں، امام نووی نے شرح مسلم و شرح مہذب میں اس کی تصریح کی ہے۔ نواب صاحب نے بھی بدور الاہلہ اور دلیل الطالب میں جمہور کا یہی مسلک بتایا ہے۔ مولانا شمس الحق صاحب عظیم آبادی، عون المعبود میں لکھتے ہیں کہ قاضی شوکانی نے پہلے نیل الاوطار میں لکھا تھا کہ مدرک رکوع کی وہ رکعت شمار نہ ہوگی لیکن بعد کو جمہور کے مسلک کی طرف رجوع کر لیا تھا چنانچہ انھوں نے اپنے فتاوی فتح الربانی میں اس کی تصریح کی ہے۔ پس مقتدی کے علاوہ مدرک رکوع بھی اس حدیث سے مستثنیٰ ہوا اور حدیث اپنے عموم پر نہ رہا۔

جواب۔ اگر مجوزین قراءت کو اسی پر اصرار ہے کہ حضرت عبادہ کی یہ حدیث مقتدی کے حق میں بھی عام ہے تو ان کو امام کے پیچھے بآواز بلند قراءت کرنی چاہیے کیونکہ حضرت عبادہ جہراً قراءت کرتے تھے چنانچہ امیر یمانی حدیث۔ فلا تقرؤا بشیٔ من القرآن اذا جہرت الا بام القرآن: کی شرح میں لکھتے ہیں۔ فہذا عبادۃ راوی الحدیث قرا بہا جہراً خلف الامام لانہ فہم من کلامہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ یقرأ بہا خلف الامام جہراً وان نازعہ: (سبل السلام) کہ حضرت عبادہ نے جو اس حدیث کے راوی ہیں امام کے پیچھے بلند آواز سے سورۂ فاتحہ پڑھی اس لئے کہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے یہی سمجھا تھا کہ امام کے پیچھے بلند آواز سے سورۂ فاتحہ پڑھی جا سکتی ہے اگرچہ امام کے ساتھ منازعت ہی کیوں نہ ہو۔

(۲) حدیث ابوہریرہ۔ من صلی صلوۃ لم یقرأ فیہا بام القرآن فہی خداج فہی خداج فہی خداج غیر تمام قال فقلت یا ابا ہریرۃ انی اکون احیانا وراء الامام قال فغمز ذراعی وقال اقرأ بہا یا فارسی فی نفسک

(احمد، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، موطا امام مالک، صحیح ابو عوانہ، مسند طیالسی)

حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ جس نے نماز میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی تو وہ نماز ناقص ہے، ناقص ہے، ناقص ہے تام نہ ہوگی۔ ابوالسائب کہتے ہیں: میں نے عرض کیا، ابوہریرہ! میں بسا اوقات امام کے پیچھے ہوتا ہوں؟ تو آپ نے میرا بازو دبا کر فرمایا، اے فارسی! اپنے دل میں پڑھ لیا کر۔

مجوزین قراءت خلف الامام سورۂ فاتحہ کے وجوب اور اس کی رکنیت پر اس روایت کو نص سمجھتے ہیں مگر اس روایت سے استدلال امور ذیل کے ثبوت پر موقوف ہے ۱؎ لفظ من عموم کے لئے ہے ۲؎ جس چیز پر لفظ خداج بولا جائے وہ کالعدم ہوتی ہے ۳؎ لفظ غیر تام رکنیت پر دال ہے ۴؎ اقرأ بہا فی نفسک جہتی اور قطعی طور پر آہستہ پڑھنے پر دال ہے۔ لفظ من کے عموم میں نص قطعی نہ ہونے پر سیر حاصل بحث گزر چکی۔ لفظ خداج سے وجوب اور رکنیت پر استدلال کرنا اس لئے صحیح

نہیں کہ صحیح حدیث۔ الصلوٰۃ مثنیٰ مثنیٰ ان تشہد فی کل رکعتین وان تباس وتمسکن وتقنع بیدیک و تقول اللہم اللہم فمن لم یفعل فہی خداج (ابوداؤد، ابن ماجہ، احمد، طیالسی، بیہقی) میں عاجزی و مسکنت ہاتھ اٹھانے اور اللہم اللہم نہ کہنے والے کی نماز پر خداج کا اطلاق ہوا ہے۔ حالانکہ نماز اس کے بغیر بھی بالاتفاق جائز ہے اگر لفظ خداج مقتضی رکنیت ہے تو آپ نے ایسا کیوں فرمایا؟ غرض جیسے لفظ خداج کا اطلاق ایسے موقع پر ہوا ہے جو رکن نہیں اسی طرح لفظ غیر تمام بھی غیر رکن کے ترک پر بولا گیا ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں آپ کا ارشاد "اقامۃ الصف من تمام الصلوٰۃ" اور صحیح مسلم و مسند امام احمد میں "فان تسویۃ الصفوف من تمام الصلوٰۃ" وغیرہ الفاظ موجود ہیں ظاہر ہے کہ صفوں کی درستگی کے اہتمام کا تو کسی کو بھی انکار نہیں لیکن یہ آخر رکن صلوٰۃ بھی تو نہیں ہے کہ اس کے بغیر مطلقاً نماز ہی صحیح نہ ہو، ایک اور حدیث میں ہے "من تمام الصلوٰۃ الصلوٰۃ فی النعلین" (مجمع الزوائد) نماز کی تکمیل جوتوں میں نماز پڑھنا ہے۔ اگر من تمام الصلوٰۃ، غیر تمام وغیرہ الفاظ رکنیت کو چاہتے ہیں تو جوتوں میں نماز پڑھنا بھی رکن ہونا چاہیے۔

حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں۔ غیر تمام تفسیر لقولہ علیہ السلام وہذا اللفظ لایقتضی الرکنیۃ (فتاویٰ) کہ غیر تمام کا جملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تفسیر ہے۔ لیکن یہ لفظ رکنیت کو نہیں چاہتا۔ شیخ ابن دقیق العید احکام الاحکام میں لکھتے ہیں۔ تمام الشیٔ امر زائد علی وجود حقیقتہ۔ کہ اصل شئی کی حقیقت سے تمام کا مفہوم زائد ہے۔

چوتھا امر قراءۃ فی النفس ہے اس کے معنی زبان سے آہستہ آہستہ پڑھنے ہی کے نہیں بلکہ اس کے علاوہ دل ہی دل میں تدبر اور غور کرنے کے بھی آتے ہیں چنانچہ مفسرین کے ایک معتد بہ گروہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے ارشاد "قال بل انتم شر مکانا" (تم بدتر درجہ میں) کا یہی مطلب بیان کیا ہے کہ انھوں نے یہ بات اپنے دل میں کہی تھی۔

حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے شخص نماز پڑھ رہا ہو اور شیطان اس کے دل میں یہ وسوسہ ڈالے کہ تمہارا وضو ٹوٹ چکا ہے تو شخص اس وسوسہ کی بنا پر نماز نہ چھوڑ دینا بلکہ یہ کہدینا۔ کذبتَ (تو جھوٹ بک رہا ہے) مگر یہ کہنا فی نفسہ ہو ابن حبان نے فی نفسہ کی زیادت صحیح میں روایت کی ہے۔

ظاہر ہے کہ بحالت نماز دل میں شیطان لعین کو یہ کہنا کہ تو جھوٹ بکتا ہے غور و تدبر کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ مشہور تابعی حضرت قتادہ فرماتے ہیں "اذا طلق فی نفسہ فلیس بشیٔ" (بخاری) جب کوئی شخص اپنے دل میں طلاق دے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ طلاق فی النفس کا مطلب تدبر و غور ہی ہے ورنہ زبان سے طلاق کا لفظ بولنے پر طلاق واقع ہو جاتی ہے گو مسخرہ پن سے ہی کیوں نہ ہو۔ حضرت عمر نے ایک مشورہ کے موقع پر فرمایا تھا۔ کنت زورت فی نفسی مقالۃ (بخاری) میں نے اپنے دل میں ایک مقالہ تیار کیا تھا۔ دنیا جانتی ہے کہ قلبی مقالہ غور و تدبر کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں "اذا قرأتہا فی نفسک لم یکتبہا" (مدونہ) دل میں پڑھنے کا مطلب جس کو کراما کاتبین بھی نہیں لکھتے وہ غور و تدبر ہی ہے۔

ان تمام نقول سے یہ ثابت ہو گیا کہ دل میں غور و فکر کرنے پر بھی قرأت، قول، مقالہ اور کلام وغیرہ کا اطلاق ہوتا ہے۔ اسی لئے حافظ ابن عبد البر نے حضرت ابوہریرہ کے زیر بحث موقوف اثر کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ: "اے سائل! جب تو امام کے پیچھے اقتدار کر چکے تو اپنے دل ہی دل میں سورۂ فاتحہ کا تدبر کر، اور اقراء بہا فی نفسک زبان کو حرکت تک مت دے۔"

اس کے علاوہ احادیث خداج حضرت عائشہ، حضرت ابن عمرو، حضرت ابوامامہ اور حضرت جابر بن عبد اللہ وغیرہ سے بھی مروی ہیں مگر سب میں کچھ نہ کچھ کلام ہے۔

(۳) حدیث عبادہ بن الصامت۔ کنا خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی صلوۃ الفجر فقرأ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فثقلت علیہ القراءۃ فلما فرغ قال لعلکم تقرؤن خلف امامکم قلنا نعم ہذا یا رسول اللہ قال لا تفعلوا الا بفاتحۃ الکتاب فانہ لا صلوۃ لمن لم یقرأ بہا۔ (ابو داؤد، ترمذی، نسائی، دارقطنی، بیہقی، حاکم، طبرانی)

حضرت عبادہ فرماتے ہیں کہ ہم فجر کی نماز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تھے اور آپ قراءت کر رہے تھے کہ آپ پر قراءت ثقیل ہو گئی۔ جب آپ فارغ ہوئے تو فرمایا: شاید تم امام کے پیچھے قراءت کرتے ہو؟ ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم جلدی جلدی پڑھ لیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: کچھ مت پڑھا کرو سوائے فاتحہ کے کیونکہ اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔

اس میں خلف الامام اور سورۂ فاتحہ کی خاص قید موجود ہے جس کا مجوزین قراءت کافی سہارا لیتے ہیں۔

جواب: اس کی سند میں محمد بن اسحاق راوی گو تاریخ و مغازی کا امام ہے لیکن محدثین اور ارباب جرح و تعدیل کے نزدیک حدیث میں بالخصوص سنن و احکام میں اس کی روایت حجت نہیں ہو سکتی کیونکہ اس کو امام نسائی نے غیر قوی، ابو حاتم نے ضعیف، دارقطنی نے ناقابل احتجاج، سلیمان تیمی اور ہشام بن عروہ نے کذاب، وہیب بن خالد نے کاذب، امام مالک نے کذاب اور دجالوں میں کا ایک دجال، ابن معین نے ضعیف و غیر قوی کہا ہے، ابن نمیر کہتے ہیں کہ یہ مجہول رواۃ سے باطل روایات نقل کرتا ہے۔ جریر بن عبد الحمید کا بیان ہے کہ میرا یہ خیال نہ تھا کہ میں اس زمانہ تک زندہ رہوں گا جس میں لوگ محمد بن اسحق سے احادیث کی سماعت کریں گے۔

ابوزرعہ فرماتے ہیں کہ بھلا ابن اسحاق کے بارے میں بھی کوئی صحیح نظریہ قائم کیا جا سکتا ہے وہ تو بالکل ہیچ تھا۔ بیہقی کہتے ہیں کہ محدثین اور حفاظ حدیث ابن اسحاق کے تفردات سے گریز کرتے ہیں۔ علامہ ماردینی لکھتے ہیں کہ ابن اسحق میں محدثین کے نزدیک مشہور کلام ہے۔ امام احمد بن حنبل سنن و احکام میں اس سے احتجاج نہیں کرتے تھے۔

علی بن المدینی کا بیان ہے کہ میرے نزدیک ابن اسحق کو صرف اس بات نے ضعیف کر دیا ہے کہ وہ یہود و نصاریٰ سے روایتیں لے کر بیان کرتا ہے۔ امام نووی لکھتے ہیں کہ جو راوی صحیح کی شرطوں کے مطابق نہیں ہیں ان میں سے ایک محمد بن اسحق بھی ہے۔

علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ ابن اسحاق کی روایت مدِ وجہ صحت سے گری ہوئی ہے اور حلال و حرام میں اس سے احتجاج درست نہیں۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ مغازی میں تو ابن اسحق کی روایات لکھی جا سکتی ہیں لیکن جب حلال و حرام کا مسئلہ ہو تو اس میں ایسے ایسے راوی (یعنی ثقہ اور ثبت) درکار ہیں۔

غرض جرح کا ادنیٰ سے اعلیٰ تک شاید ہی کوئی ایسا لفظ ملے گا جو جمہور محدثین اور ارباب جرح و تعدیل نے محمد بن اسحق کے بارے میں نہ کہا ہو تو اس شدید جرح کے ہوتے ہوئے اس کی روایت سب قابل احتجاج ہو سکتی ہے۔

نیز اس کی سند میں ایک راوی نافع بن محمود ہے۔ علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ اس سے خلف الامام کی روایت کے علاوہ اور کوئی روایت مروی نہیں۔ امام طحاوی۔ ابن عبد البر، ابن قدامہ اور حافظ بیہقی وغیرہ نے اس کو مجہول اور حافظ ابن حجر نے مستور کہا ہے۔

جوابؔ ۔ یہ حدیث مضطرب ہے کیونکہ مکحول کبھی تو اس کو براہ راست حضرت عبادہ بن الصامت سے روایت کرتے ہیں (دارقطنی، کتاب القراءۃ) اور کبھی نافع بن محمود بن ربیع کے واسطے سے (ابو داؤد کتاب القراءۃ) اور کبھی عن محمود بن ربیع عن ابی نعیم عن عبادہ (مستدرک) اور کبھی عن نافع بن محمود عن محمود عن عبادہ (اصابہ) اور کبھی عن رجاء بن حیوہ عن عبد اللہ بن عمرو عن عبادہ (کتاب القراءۃ) اور کبھی عن رجاء بن حیوہ عن محمود بن ربیع عن عبادہ (کتاب القراءۃ) پھر ابو نعیم کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ حاکم کہتے ہیں کہ یہ وہب بن کیسان تھے اور ابو داؤد و دارقطنی کہتے ہیں کہ یہ ابو نعیم مؤذن تھے۔ پس جس روایت کی سند میں ایسا اضطراب ہو وہ کیونکر قابل احتجاج ہو سکتی ہے؟

جوابؔ ۔ یہ حدیث مرفوعاً نہیں بلکہ (یہ خلف الامام کی قید کے ساتھ) موقوف ہے۔ چنانچہ شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں: "ضعف ثابت بوجوہ وانما ہو قول عبادۃ بن الصامت" (تنوع العبادات) کہ یہ حدیث کئی وجوہ سے ضعیف ہے اور یہ مرفوع بھی نہیں بلکہ حضرت عبادہ کا قول ہے۔

سوال۔ شیخ ابن تیمیہ کے اس حدیث کو ضعیف کہنے کی وجہ ان کے خیال میں مکحول کا تفرد ہے ورنہ مرفوع و موقوف میں تو کوئی تعارض نہیں، کیونکہ مرفوع کو ترجیح ہوتی ہے جیسا کہ خود بعض حنفیہ کو بھی اس کا اقرار ہے۔ جوابؔ تفرد کی وجہ سے نہیں بلکہ وہ اس کو اس لئے معلول قرار دیتے ہیں کہ کمزور راویوں نے حضرت عبادہ کے موقوف قول کو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مرفوع حدیث میں ملا دیا۔ چنانچہ موصوف نے اپنے فتاویٰ میں تصریح کی ہے کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث جو بخاری و مسلم میں موجود ہے جس کو زہری، محمود بن ربیع کے طریق سے حضرت عبادہ سے روایت کرتے ہیں اس میں صرف یہ ہے لا صلوٰۃ الا بام القرآن (سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی) رہی یہ حدیث جس میں خلف الامام کی زیادتی ہے سو یہ بعض شامی رواۃ کی غلطی ہے۔ اور غلطی اس لئے ہوئی کہ حضرت عبادہ نے ایک دن بیت المقدس میں یہ حدیث بیان کی اور

اپنا قول ۔ ۔ ۔ ۔ خلف الامام بھی ذکر کیا اس سے راویوں پر مرفوع حدیث اور موقوف قول مشتبہ اور خلط ملط ہو گیا؟

جوابؒ ۔ الا ام القرآن کا استثناء کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں اور یہ ہم اپنی طرف سے نہیں کہہ رہے بلکہ یہ امام جرح و تعدیل شیخ ابن معین کا ارشاد ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ حضرت ابو قتادہ کی مرفوع روایت میں الا ام القرآن کا استثناء مذکور ہے ۔ علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں مجہول راوی ہے اور یہ حضرت عبد اللہ بن عمرو کی مرفوع حدیث میں بھی ہے لیکن اس کی سند میں سلمہ بن علی بقول ابن معین ودحیم لیس بشئ ۔ بقول بخاری و ابوزرعہ و ابن حبان منکر الحدیث ، بقول جوزقانی و یعقوب بن سفیان ونسائی و دارقطنی و برقانی متروک الحدیث ۔ بقول ابو علی نیشاپوری و ابن عدی و ابن یونس ضعیف الحدیث اور بقول حاکم ذاہب الحدیث ہے ۔ اسی مضمون کی حدیث معجم طبرانی میں ہے جس کی سند میں عبد اللہ بن لہیعہ نہایت ضعیف ہے ۔

جوابؒ ۔ لفظ خلف الامام مدرج ہے کیونکہ اس حدیث کو امام زہری سے بہت سے ثقہ راویوں نے روایت کیا ہے جیسے سفیان بن عیینہ ، یونس ، صالح ، معمر (عند مسلم و ابی عوانۃ) امام مالک (فی الموطاء) ، ابن جریج ، قرہ بن عبد الرحمن ، عقیل ، اسحاق بن عبد الرحمن مدنی ، اوزاعی ، شعیب بن ابی حمزہ (فی کتاب القراءۃ) ، لیث بن سعد (فی جزء القراءۃ) ، موسیٰ بن عقبہ (طبرانی فی الصغیر) ، عقیل بن عمیر (دارمی) ، لیکن ان میں سے کسی نے بھی لفظ خلف الامام ذکر نہیں کیا ۔ صرف مکحول و ابن اسحاق وغیرہ ضعیف و کمزور ۔ راویوں نے یہ پیوند لگایا ہے ۔ اور ضعیف راوی کی زیادتی قابل قبول نہیں ہوتی ۔ اسی لئے حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری نے فصل الخطاب میں تحریر فرمایا کہ لفظ خلف الامام یقیناً اور قطعاً مدرج ہے ۔ اگر کوئی شخص اس کے مدرج ہونے پر قسم کھائے تو وہ ہرگز حانث نہ ہوگا ۔

(۳) حدیث رجل من الصحابۃ ۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لعلکم تقرؤن والامام یقرأ قالوا انا نفعل قال فلا تفعلوا الا ان یقرأ احدکم بفاتحۃ الکتاب (بیہقی) ، یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا : شاید تم اس وقت قراءۃ کرتے ہو جب امام قراءۃ کرتا ہوتا ہے ؟ صحابہ نے عرض کیا : ہاں ، ہم قراءۃ کرتے ہیں ۔ آپ نے فرمایا : کچھ نہ پڑھا کرو الا یہ کہ تم میں سے کوئی سورۃ فاتحہ کی قراءۃ کرے ۔ حافظ بیہقی کہتے ہیں کہ اس کی اسناد بہت عمدہ ہے ۔

جوابؒ ۔ اس کی اسناد حافظ بیہقی کے نزدیک ہی عمدہ ہوگی ورنہ واقعہ تو اس کے خلاف ہے کیونکہ اس کی سند میں ابراہیم بن ابی اللیث ہے جس کے متعلق صالح جزرہ فرماتے ہیں کہ یہ بیس سال تک جھوٹ بولتا رہا ہے ۔ علامہ ساجی نے اس کو متروک اور ابن معین نے (ابو عبید کو) کذاب اور خبیث کہا ہے ۔ سب سے پہلے اس کے جھوٹ کی حقیقت دورقی نے واضح کی تھی ۔ یعقوب بن ابی شیبہ کہتے ہیں کہ لوگوں نے پہلے اس سے روایتیں لکھی تھیں مگر بعد کو سب نے اسے ترک کر دیا اس میں اتنی جراءت بڑھ گئی تھی کہ یہ جعلی اور موضوع حدیثیں بنا

کرنے سے بھی گریز نہیں کرتا تھا۔ امام نسائی فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ نہیں ہے۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ یہ حدیث میں ضعیف سمجھا جاتا ہے۔ امام احمد اور علی بن المدینی پر ابتداءً اس کا معاملہ مشکل رہا لیکن بعد کو اس کا جھوٹ واضح ہو گیا اور انھوں نے اس کی روایت کو ترک کر دیا۔ یہ ہے حافظ بیہقی کی جید اسناد کا حال۔

سوال۔ ممکن ہے موصوف نے کثرت شواہد کی بنا پر سند کو جید کہا ہو۔ جواب اگر اصل روایت میں معمولی ضعف ہوتا تو کثرت شواہد کی بات درست ہوتی۔ مگر یہاں تو کذاب، خبیث اور رافضی ہے اس کو سہارا دینے کے کیا معنی؟

یہ ہیں وہ احادیث جن سے مجوزین قراءت استدلال کرتے ہیں ان کے علاوہ بیہقی اور دارقطنی وغیرہ کی چند روایتیں اور ہیں مگر سب معلول اور ضعیف ہیں اس لئے ہم ان کو ذکر کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے بلکہ اب وہ آیات و احادیث پیش کرتے ہیں جن سے قراءت خلف الامام کی ممانعت ثابت ہوتی ہے۔

(۱) آیت۔ وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ: (جب قرآن کریم پڑھا جائے تو اس کی طرف کان لگائے رہو، اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم ہو۔ جمہور اہل اسلام کے نزدیک اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب امام قرآن کریم پڑھے تو مقتدی کا وظیفہ اس کو کان لگا کر سننا اور خاموش رہنا ہے اس کو قراءت کی مطلقاً اجازت نہیں، سورۂ فاتحہ کی ہو یا کسی اور سورت کی۔

یسیر بن جابر فرماتے ہیں۔ صلی ابن مسعود فسمع اناسا یقرؤن مع الامام فلما انصرف قال اما آن لکم ان تفقہوا اما آن لکم ان تعقلوا واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا کما امرکم اللہ تعالیٰ۔ (ابن جریر، ابن حمید، ابن ابی حاتم، ابو الشیخ، بیہقی) کہ حضرت عبداللہ بن عباس نے نماز پڑھی اور چند آدمیوں کو امام کے ساتھ قراءت کرتے سنا۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: کیا وہ وقت ابھی نہیں آیا کہ تم سمجھ اور عقل سے کام لو، اور جب قرآن کریم کی قراءت ہوتی ہو تو تم اس کی طرف توجہ کرو اور خاموش رہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے۔

یہ روایت وضاحت کے ساتھ یہ بات ثابت کرتی ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے قراءت کر رہے تھے حضرت ابن مسعود نے ان کو عقل و فہم سے کام نہ لینے پر تنبیہ کرتے ہوئے قراءت سے منع کر دیا اور یہ بھی عیاں کر دیا کہ اس آیت میں حق تعالیٰ نے ان لوگوں کو استماع و انصات کا حکم دیا ہے جو امام کی اقتدا میں نماز ادا کر رہے ہوں۔

اسی طرح ابو وائل شقیق بن سلمہ روایت کرتے ہیں۔ قال عبداللہ فی القراءۃ خلف الامام انصت للقرآن کما امرت فان فی القراءۃ لشغلا وسیکفیک ذلک الامام۔ (کتاب القراءۃ) کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ امام کے پیچھے خاموشی اختیار کرو جیسا کہ تمہیں حکم دیا گیا ہے کیونکہ خود پڑھنے میں آدمی امام کی قراءت سننے سے رہ جاتا ہے اور امام کا پڑھنا ہی تمہیں کافی ہے۔

یہ روایت بھی بالکل صحیح ہے جس میں امام کے پیچھے اقتدار کرنے والوں کو خطاب ہے اور یہ سری وجہری نمازوں نیز فاتحہ وغیر فاتحہ سب کو شامل ہے۔ اس کے علاوہ علی بن ابی طلحہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں: "فی قولہ تعالیٰ واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا لعلکم ترحمون یعنی فی الصلوٰۃ المفروضۃ" (ابن جریر، ابن المنذر، بیہقی فی کتاب القراءۃ) کہ آپ نے فرمایا: واذا قرئ القرآن الخ فرض نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

یعنی اس آیت میں استماع اور انصات کا جو حکم آیا ہے وہ شان نزول کے لحاظ سے صرف فرض نماز کو شامل ہے اور فرض نماز میں قراءت سے منع کرنا اس آیت کا اولین مصداق ہے لیکن ضمنی طور پر نماز عید، نماز جمعہ اور تراویح وغیرہ بھی اس میں داخل ہے۔ کیونکہ شان نزول کے حکم میں اس قسم کی وسعت ہوتی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے سعید بن جبیر کی روایت میں اس کی وضاحت موجود ہے۔ "قال المؤمن فی سعۃ من الاستماع الیہ الا فی صلوٰۃ المفروضۃ او المکتوبۃ او یوم جمعۃ او یوم فطر او یوم الاضحیٰ یعنی واذا قرئ القرآن الخ" (کتاب القراءۃ) کہ آیت واذا قرئ القرآن الخ کے پیش نظر مومن پر کوئی پابندی نہیں ہے اس کے لئے گنجائش ہے کہ سنے یا نہ سنے مگر فرض نماز، جمعہ، عید الفطر، عید الاضحیٰ کے موقعہ پر اس کے لئے گنجائش نہیں ہے (ان حالات میں اس کو خاموش رہنا اور توجہ کے ساتھ سننا ضروری ہے)

ان احادیث سے یہ بات واضح ہو گئی کہ آیت مذکورہ کا شان نزول فرض نماز کی بابت ہے اور عموم الفاظ کے پیش نظر جمعہ، خطبہ اور عیدین کو بھی شامل ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ اور عبد اللہ بن مغفل سے بھی اسی مضمون کی روایات ہیں کہ اس کا حکم امام کے پیچھے اقتدار کرنے والے کو ہے۔ تابعین حضرات سے بھی اس آیت کی تفسیر میں یہی منقول ہے۔ چنانچہ عبد بن حمید، ابن ابی حاتم، بیہقی، عبد الرزاق، سعید بن منصور، ابن ابی شیبہ، ابن المنذر، ابو الشیخ اور ابن جریر نے حضرت مجاہد سے، بیہقی نے حضرت سعید بن المسیب، ابن ابی شیبہ اور بیہقی نے حضرت حسن بصری سے، عبد بن حمید، ابو الشیخ اور بیہقی نے حضرت ابو العالیہ ریاحی اور ربیع بن مہران سے، ابن جریر اور بیہقی نے امام زہری سے، ابو الشیخ نے عطاء بن ابی رباح سے، ابن جریر اور ابن کثیر نے عبید بن عمیر سے، سعید بن منصور، ابن ابی حاتم اور بیہقی نے حضرت محمد بن کعب قرظی سے بھی یہی نقل کیا ہے۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ ضحاک، ابراہیم نخعی، قتادہ، شعبی، سدی اور عبد الرحمن بن زید بن اسلم کا بھی یہی قول ہے کہ آیت کا شان نزول نماز ہے۔ حافظ ابن جریر طبری اور امام بغوی

عہ اخرجہ ابن جریر وابن ابی حاتم وابو الشیخ وابن مردویہ وابن عساکر وابن ابی شیبۃ وابن المنذر والبیہقی عن ابی ہریرۃ، واخرجہ ابن ابی حاتم وابو الشیخ وابن مردویہ والبیہقی فی کتاب القراءۃ عن عبد اللہ بن مغفل بالفاظ مختلفۃ ۱۲ امام الکلام۔

حسین بن محمود نے اسی قول کو صحیح اور راجح بتایا ہے بلکہ ابن قدامہ حنبلی نے مغنی میں امام احمد سے بروایت ابوداؤد اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ اور علامہ ابوالسعود بن محمد عمادی نے لکھا ہے "و جمہور الصحابۃ علی انہ فی استماع المؤتم" کہ جمہور صحابہ کا مسلک یہ ہے کہ وجوبی طور پر خاموش رہنا صرف مقتدی کے لئے ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے تنوع العبادات میں لکھتے ہیں: "فالنزاع من الطرفین لکن الذین ینہون عن القراءۃ خلف الامام جمہور السلف والخلف ومعہم الکتاب و السنۃ الصحیحۃ والذین اوجبوا علی المأموم فحدیثہم ضعفہ الائمۃ" کہ زیر بحث مسئلہ میں نزاع تو طرفین سے ہے لیکن جو لوگ امام کے پیچھے قراءۃ سے منع کرتے ہیں وہ جمہور سلف و خلف ہیں اور ان کے پاس کتاب اللہ اور سنت صحیحہ ہے اور جو لوگ امام کے پیچھے مقتدی کیلئے قراءت کو واجب قرار دیتے ہیں ان کی حدیث کو ائمہ حدیث نے ضعیف قرار دیا ہے۔

پھر اس آیت کے سلسلہ میں فریق ثانی کی طرف سے کچھ اعتراضات کئے جاتے ہیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اعتراضات کے ساتھ ساتھ ان کے جوابات بھی نقل کرتے چلیں۔

اعتراض: آیت میں خطاب مومنوں کو نہیں بلکہ کافروں کو ہے جو تبلیغ کے وقت شور و غل مچایا کرتے تھے۔ اگر خطاب مومنوں کو ہوتا تو لفظ لعلکم جو ترجی کے لئے ہے نہ آتا۔ کیونکہ مومن بہر حال رحمت خداوندی کا مستحق ہے۔

جواب: ہم تمام مفسرین بلکہ پوری امت کے اجماع و اتفاق سے ثابت کر چکے ہیں کہ آیت میں خطاب نہ صرف یہ کہ مومنوں سے ہے بلکہ اس کا شان نزول ہی نماز ہے۔ رہا لفظ لعل کا اشکال سو مفسرین و ائمہ نحو نے تصریح کی ہے کہ یہ لفظ حق تعالیٰ کی طرف سے وجوب کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔ چنانچہ علامہ خازن لکھتے ہیں: "لعل وعسیٰ من اللہ واجب"۔ صاحب مدارک لکھتے ہیں کہ "لفظ لعل ترجی اور طمع دلانے کے لئے آتا ہے۔ لیکن ذات باری سے یہ حتمی اور ضروری وعدہ کے طور پر آتا ہے۔ سیبویہ اسی کا قائل ہے۔

علامہ جار اللہ زمخشری لکھتے ہیں کہ بادشاہوں کی عادت ہے کہ وہ جب کسی چیز کا وعدہ کرتے ہیں تو اپنی شان استغنیٰ کو ملحوظ رکھ کر لعل وعسیٰ استعمال کرتے ہیں۔ نیز قرآن کریم میں متعدد مقامات پر مومنوں کے لئے لفظ لعل استعمال ہوا ہے جیسے آیت۔ "کُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ" (پ۔ بقرہ)۔ "وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ" (پ۔ جمعہ) "وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ" (پ۔ نور) اگر لعلکم کے خطاب سے مومن مراد نہیں ہو سکتے تو ان آیات کا کیا مطلب ہوگا؟

اعتراض: حافظ بیہقی نے کتاب القراءۃ میں لکھا ہے کہ اس آیت کا شان نزول خطبہ ہے لہذا اس سے قراءت خلف الامام کے عدم جواز پر استدلال کرنا صحیح نہیں۔ جواب: اول تو ہم دلائل و براہین سے یہ ثابت کر چکے کہ آیت کا شان نزول نماز ہے اور خطبہ وغیرہ اس کے عمومی اور ضمنی حکم میں داخل ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر خطبہ سے مراد خطبہ جمعہ ہے تو یہ اس لئے صحیح نہیں کہ جمعہ کی فرضیت

مدینہ میں ہوئی ہے اور آیت مکی ہے۔ حافظ ابن جریر لکھتے ہیں کہ جمعہ کی فرضیت سنہ ھ میں ہوئی ہے۔ حالانکہ آیت مذکورہ بالاتفاق مکی ہے۔ خود مولانا عبدالصمد صاحب اعلام الاعلام میں اس کا اقرار کرتے ہیں کہ جو لوگ اس آیت کا شان نزول خطبہ بتلاتے ہیں وہ سخت غلطی پر ہیں کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور خطبہ کا حکم مدینہ میں ہوا ہے۔ اور اگر خطبہ سے مراد عید کا خطبہ ہے تو یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ عید کی نماز کا حکم بھی مدینہ طیبہ میں ہوا ہے۔

تیسرے یہ کہ جب امت کا ایک معتدبہ طائفہ اس کا قائل ہے کہ اسباب نزول میں تعدد جائز ہے جیسا کہ شیخ عبدالرحمٰن بن حسن نے فتح المجید شرح کتاب التوحید میں اس کی تصریح کی ہے اور صحیح احادیث سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے تو اس سے نماز کو بالیقین خارج کرنا کیونکر صحیح ہوسکتا ہے؟ اگر آیت کا شان نزول خطبہ بھی ہو اور نماز بھی ہو تو اس میں کیا قباحت ہے؟

اعتراض۔ زیر بحث آیت یعنی۔ اذا قرئ القرآن الخ دوسری آیت۔ فاقرؤا ما تیسر من القرآن۔۔ سے منسوخ ہے۔ پس اس سے مسئلہ خلف الامام ثابت نہیں ہوسکتا۔

وہ مکی یہ مدنی ہے۔

ابونصر مروزی لکھتے ہیں کہ آیت فاقرؤا الخ مدینہ میں نازل ہوئی ہے کیونکہ اس آیت میں جہاد اور قتال کا حکم ہے اور جہاد کی فرضیت مدینہ میں ہوئی ہے۔ علامہ سیوطی نقل کرتے ہیں کہ سورۂ مزمل مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے مگر آیت فاقرؤا ما تیسر الخ مدینہ میں نازل ہوئی ہے (اتقان)۔

۴۳۱

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ زکوٰۃ مدینہ طیبہ میں فرض ہوئی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ روزے بالاتفاق مدینہ میں فرض ہوئے ہیں اور حضرت قیس بن سعد فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ کی فرضیت سے قبل ہمیں صدقہ فطر ادا کرنے کا حکم تھا۔ جب زکوٰۃ فرض ہوئی تو نہ ہمیں فطرانہ ادا کرنے کا تاکیدی حکم دیا گیا اور نہ اس سے منع کیا گیا (فتح الباری) اور اسی آیت فاقرؤا ما تیسر الخ میں زکوٰۃ کا حکم ہے اور زکوٰۃ صدقہ فطر کے بعد فرض ہوئی۔ اور صدقہ فطر صوم رمضان کا تتمہ ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ آیت فاقرؤا ما تیسر الخ مدنی ہے لہذا یہ ناسخ اور آیت واذا قرئ القرآن الخ منسوخ ٹھہری اور منسوخ آیت سے استدلال واحتجاج باطل ہے۔

جواب۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ ابونصر کا یہ دعویٰ غلط ہے اس واسطے کہ باتفاق اہل اسلام سورۂ مزمل کی آخری آیت بھی مکی ہے۔ ابونصر کو جو قتال وجہاد کے حکم سے شبہ ہوا ہے یہ مردود ہے اس لئے کہ آیت۔ عَلِمَ اَنْ سَیَکُوْنُ مِنْکُمْ مَّرْضٰی وَاٰخَرُوْنَ یَضْرِبُوْنَ فِی الْاَرْضِ۔ الخ میں سیکون سے خوشخبری سنا کر وجود مشقت (مرض وسفر) سے پہلے ہی تہجد کی نماز کی فرضیت ساقط کی گئی ہے۔ اس سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ جہاد وقتال کا حکم اس وقت نازل ہوچکا تھا۔

اور حافظ سیوطی نے جہاں قول مذکور نقل کیا ہے۔ وہیں پورے زور کے ساتھ اس کی تردید بھی کی ہے کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ سورۂ مزمل کی آخری آیت مدینہ میں نازل ہوئی ہے وہ غلطی

کا انکار ہیں۔ کیونکہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ سورۂ مزمل کا آخری حصہ پہلے حصہ کے نزول سے ایک سال بعد نازل ہوا ہے۔ یہ کہنا بھی غلط ہے کہ زکوٰۃ کی فرضیت مدینہ میں ہوئی ہے بلکہ حافظ ابن خزیمہ، امام رازی، سید آلوسی وغیرہ اکثر علماء کی تحقیق یہ ہے کہ نفس زکوٰۃ کا حکم مکہ مکرمہ میں نازل ہو چکا تھا۔ کیونکہ سورۂ مؤمنون، حم سجدہ، اور سورۂ لقمان وغیرہ تمام مکی سورتوں میں زکوٰۃ کا حکم موجود ہے۔ اور حضرت جعفر طیارؓ نے دربار نجاشی میں جو تقریر کی تھی اس میں بھی زکوٰۃ کا ذکر موجود ہے۔ حالانکہ مہاجرین حبشہ ۵ھ میں ہجرت کر گئے تھے۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ سورۂ مزمل کی آخری آیت ان لوگوں کی تائید کرتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ نفس زکوٰۃ تو مکہ میں فرض ہو چکی تھی لیکن اس کے نصاب اور مقدار کی تعیین مدینہ میں ہوئی ہے حضرت ابن عمرؓ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کی مقدار اور تعیین نصاب سے پہلے اپنی ضرورت سے زائد سب مال صرف کر دینے کا حکم تھا (فتح الباری)، اس تحقیق کے پیش نظر حضرت قیس بن سعدؓ کی روایت کا یہ مطلب ہوگا کہ نصاب زکوٰۃ اور اس کی مقدار کی تعیین سے قبل صدقۂ فطر کی اس لئے تاکید کی جاتی تھی تاکہ فقراء اور مساکین کی امداد اور اعانت بخوبی ہو سکے اور جب ۲ھ کے لگ بھگ زکوٰۃ کا نصاب اور اس کی مقدار مقرر ہوئی تو صدقۂ فطر کا وہ تاکیدی اور فرضی حکم باقی نہ رہا۔ گو صدقۂ فطر روزہ کا حکم اور زکوٰۃ کی مقدار اور نصاب کی تعیین مدینہ طیبہ میں ہوئی اور صدقۂ فطر بعض ائمہ کی تحقیق میں اب بھی واجب ہے مگر فرض نہیں۔

اعتراض۔ آیت واذا قرئ القرآن الخ مکی ہے اور امام کے پیچھے قرأت کرنے کا حکم مدینہ طیبہ میں وارد ہوا لہٰذا متقدم حکم سے متاخر حکم کے خلاف استدلال درست نہیں۔ دلیل حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے جس میں یہ ہے کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ کے بغیر اور کچھ بھی نہ پڑھا کرو۔ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ اس پر اجماع ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ ۷ھ میں مسلمان ہوئے تھے (تلخیص الحبیر) حضرت عبادہ بن الصامتؓ بھی مدنی ہیں اور انھوں نے قرأت خلف الامام کا ذکر کیا ہے۔

جواب۔ اول تو حضرت عبادہؓ اور حضرت ابوہریرہؓ کی اخبار آحاد سے قرآن کریم کی آیت منسوخ نہیں ہو سکتی کیونکہ کسی آیت اور حکم کو منسوخ ٹھہرانے کے لئے محکم اور قطعی دلیل کی ضرورت ہے۔ دوسرے حضرت عبادہؓ کی کوئی روایت خلف الامام کی قید کے ساتھ صحیح نہیں، اور حضرت ابوہریرہؓ سے مؤطا مالک میں کوئی روایت ایسی نہیں جس کا مفہوم یہ ہو کہ اگر مقتدی فاتحہ نہ پڑھے تو اس کی نماز باطل ہے ہاں خداج والی روایت اور آپ کا قول اقرأ بہا فی نفسک یا فارسی موجود ہے۔ مگر اس کا مطلب بطلان صلوٰۃ نہیں جس کی بحث گذر چکی۔

تیسرے یہ کہ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ کسی متأخر الاسلام صحابی کی روایت سے متقدم الاسلام صحابی کی روایت کو باوجود محض تقدم و تأخر کی وجہ سے منسوخ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ پھر متأخر الاسلام صحابی کی روایت سے نص قرآنی کیسے منسوخ ٹھہرایا جا سکتا ہے؟ تیسرے یہ کہ کیا صرف عبادہؓ اور حضرت ابوہریرہؓ ہی مدنی تھے یا حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ، جابر بن عبداللہؓ، ابو الدرداءؓ، انسؓ

عہ مسلم، نسائی، ابو عوانہ اور مستدرک وغیرہ میں بسند صحیح مروی ہے اور یہ مضمون حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے ۱۲

بن مالک، زید بن ثابت، عبداللہ بن بحینہ اور حضرت ابوبکرہ بلکہ خود حضرت ابوہریرہ بھی جن سے قراءت خلف الامام کی ممانعت مروی ہے منع تھے؟

اعتراض۔ امام بیہقی لکھتے ہیں کہ آیت واذا قرئ القرآن کا شان نزول یہ ہے کہ صحابہ کرام اقتدار کی حالت میں بلند آواز سے تکلم کرتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ دلیل یہ ہے کہ ابو عیاض، مؤمل بن اسماعیل اور عبداللہ بن عامر حضرت ابوہریرہ سے اور عاصم بن عمر حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ صحابہ کرام نماز میں تکلم کیا کرتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اور ظاہر ہے کہ تکلم فی الصلوۃ ورفع اصوات اور چیز ہے اور قراءت فی الصلوۃ اور۔

جواب۔ آیت کا شان نزول عام تکلم اور رفع اصوات نہیں کیونکہ اس کی ممانعت تو آیت "قوموا للہ قانتین" سے ہوئی ہے جیسا کہ صحیحین میں حضرت زید بن ارقم سے مروی ہے۔ بلکہ اس کا شان نزول قراءت خلف الامام کا منفی پہلو ہے۔ اور جن روایات سے حافظ بیہقی نے احتجاج کیا ہے وہ سب ضعیف ومعلول ہیں۔ چنانچہ پہلی روایت میں محمد بن دینار راوی کو ابن معین، دارقطنی اور نسائی نے ضعیف، عقیلی نے اس کی حدیث کو وہم اور دوسرے راوی ابراہیم ہجری کو ابن معین، نسائی، ابوزرعہ، ترمذی، احمد، سعدی اور حربی نے ضعیف، امام بخاری اور ابو حاتم نے منکر الحدیث ابن عدی نے ناقابل احتجاج اور علی بن الحسین بن جنید نے متروک کہا ہے۔

دوسری روایت میں مؤمل بن اسماعیل کو امام بخاری نے منکر الحدیث، ابو حاتم، ابن حبان، ساجی، ابن سعد، دارقطنی اور ابوزرعہ نے کثیر الخطاء، محمد بن نصر مروزی نے سیئ الحفظ اور کثیر الخطا کہا ہے۔ یعقوب بن سفیان فرماتے ہیں کہ اہل علم کو ان کی روایات سے اجتناب کرنا چاہئے کیونکہ یہ منکر روایتیں بیان کرتے ہیں۔

تیسری روایت میں عبداللہ بن عامر کو امام احمد، ابوزرعہ، ابو حاتم، نسائی، ابوداؤد، دارقطنی، سعدی نے ضعیف، ابن المدینی نے ذیل ضعیف، ابو حاتم نے متروک، ابن معین نے لیس بشئ اور حاکم نے لیس بالقوی کہا ہے۔ چوتھی روایت میں عاصم بن عمر کو امام احمد، ابن معین، جوزجانی ضعیف، امام بخاری منکر الحدیث اور ترمذی متروک کہتے ہیں

اعتراض۔ امام بخاری و حافظ بیہقی وغیرہ فرماتے ہیں کہ آیت واذا قرئ القرآن میں استماع وانصات کا حکم ہے جس کا تحقق صرف ان نمازوں میں ہو سکتا ہے جن میں قراءت سنی جا سکتی ہو اور سری نمازوں میں چونکہ قراءت سنی نہیں جا سکتی اس لئے ان میں مقتدی کو امام کے پیچھے قراءت جائز ہوگی۔ لہٰذا آیت اپنے عموم پر نہ رہی اور منکرین قراءت خلف الامام کا علی الاطلاق اس آیت سے استدلال صحیح نہ ہوا۔

جواب۔ استماع کے معنی سننا نہیں بلکہ کان لگانا اور توجہ کرنا ہے خواہ قراءت سنی جا سکتی ہو یا نہ سنی جا سکتی ہو۔ مفردات راغب اور امام نووی کی شرح مسلم میں ہے "الاستماع الاصغاء" استماع کے معنی کان لگانا اور توجہ کرنا ہے۔ مختار الصحاح میں ہے "استمع لہ ای اصغی" امام رازی لکھتے ہیں "ان

والسماع غیرہ والاستماع غیرہ۔ سماع اور چیز ہے اور استماع اور صراح میں ہے "استماع گوش فرا داشتن" یعنی کان لگانا اور توجہ کرنا۔ نواب صاحب ہدیۃ المہدی میں لکھتے ہیں " و معبر استماع است نہ سماع پس ہر کہ باعتبار وقوف واقف شد و نمی شنود با ہم است یا صورت خطیب خفی است و مع ہذا ہیچ سامع است"۔

ادیب کامل امام ثعلب آیت کا مطلب بیان کرتے ہیں "معناہ اذا قرأ الامام فاستمعوا الی قرأتہ" یعنی جب امام قرأت کرے تو اس کی قرأت کی طرف توجہ کرو اور چپ رہو۔ صحیح مسلم، ابوعوانہ، سنن دارمی اور مسند طیالسی میں صحیح حدیث موجود ہے کہ جب آپ بسلسلہ جہاد کسی قصبہ یا شہر پر حملہ کرنا چاہتے تھے تو "کان یستمع الاذان فان سمع اذانا امسک والا اغار" پہلے آپ اذان کی طرف کان لگاتے اگر اذان سن لیتے تو حملے سے باز رہتے ورنہ ہلہ بول دیتے تھے۔

اگر استماع اور سماع دونوں کے ایک ہی معنی ہوں تو مطلب یہ ہوگا کہ آپ اذان سنتے تھے سو اگر آپ اذان سن لیتے تو حملہ نہ کرتے۔ جب آپ پہلے اذان سن چکے ہوتے تھے تو پھر "اگر اذان سن لیتے" کا کیا مطلب ہے؟ بہرکیف ان تصریحات سے ثابت ہو گیا کہ استماع اور سماع دو الگ الگ چیزیں ہیں اور استماع میں سننے کے معنی ملحوظ نہیں۔ پس آیت کو صرف جہری نمازوں کے ساتھ مخصوص کر دینا باطل ہے۔ پھر بقول حافظ بیہقی اہل عرب کے نزدیک انصات و سکوت میں کوئی فرق نہیں بلکہ بتصریح امام نووی دونوں کے معنی خاموش رہنا ہیں جیسا کہ مغرب، مختار الصحاح، تاج العروس، اور منجد وغیرہ کتب لغت میں مذکور ہے اور سکوت بقول امام راغب اصفہانی ترک کلام کیا تھ مختص ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ متکلم نے کلام کو بالکل ترک کر دیا اور کوئی بات نہیں کی۔ گویا مکمل خاموشی کے بغیر انصات و سکوت اور اسکات کا مفہوم کسی طرح متحقق نہیں ہو سکتا۔ بس جو لوگ جہری یا سری نمازوں میں امام کے پیچھے مقتدی کے لئے قرأت تجویز کرتے ہیں وہ کسی طرح انصات پر عامل تصور نہیں کئے جا سکتے۔

نیز جو لوگ بحالت اقتدار امام کے پیچھے آہستہ قرأت کرنے کو انصات اور استماع کے منافی نہیں سمجھتے وہ بھی غلطی پر ہیں کیونکہ صحیح حدیث میں ہے کہ جب حضرت جبرئیل وحی لے کر آتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن پڑھاتے تو آپ بھی ان کے ساتھ آہستہ آہستہ پڑھتے جاتے کہ ایسا نہ ہو میں بھول جاؤں۔ اس پر حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا لا تحرک بہ لسانک آپ اپنی زبان کو حرکت بھی نہ دیں۔ معلوم ہوا کہ آہستہ پڑھنا، زبان کو حرکت دینا، ہونٹ ہلانا وغیرہ سب چیزیں استماع و انصات کے بالکل منافی ہیں۔ اب ہم وہ احادیث پیش کرتے ہیں جو قرأت خلف الامام کی ممانعت پر دال ہیں۔

(۱) حدیث ابوموسی الاشعری (مرفوعہ) "فاذا کبر فکبروا واذا قرأ فانصتوا"۔ (مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ، احمد، دارقطنی، بیہقی، ابوعوانہ، بزار، ابن عدی)

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ قرأت کرنا امام کا کام ہے اور مقتدیوں کا کام صرف خاموش رہنا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں یہ نہیں فرمایا کہ جب امام جہر کرے تو تم خاموش رہو

ملکہ یہ فرمایا ہے کہ جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو لہٰذا یہ بطریق عموم عبارت النص سری اور جہری ہر نماز کو شامل ہوگا اور مقتدیوں کو کسی نماز میں امام کے پیچھے قرأت کرنے کی گنجائش نہ ہوگی۔

سوال۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند میں سلیمان تیمی مدلس ہے جو عنعنہ سے روایت کرتا ہے اس لئے یہ روایت حسب قاعدہ محدثین قابل استدلال نہیں۔

جواب۔ اول تو تمام محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مدلس راوی جب حدثنا وغیرہ الفاظ سے تحدیث کرے تو اس سے تدلیس کا الزام رفع ہو جاتا ہے اور صحیح ابو عوانہ اور سنن ابو داؤد کی سند میں حدثنا قتادہ کی تصریح موجود ہے۔ دوسرے یہ قاعدہ بھی مسلم ہے کہ اگر مدلس راوی کا کوئی متابع موجود ہو تو تدلیس کا طعن اٹھ جاتا ہے اور صحیح ابو عوانہ میں ابو عبیدہ المحداد اور دارقطنی وسنن کبریٰ بیہقی میں عمر بن عامر اور سعید بن ابی عروبہ یہ تین راوی سلیمان تیمی کے متابع موجود ہیں۔

سوال۔ عمر بن عامر اور سعید بن ابی عروبہ کی سند میں سالم بن نوح راوی غیر قوی ہے لہٰذا یہ روایت متابعت کے قابل نہیں۔

جواب سالم بن نوح سے امام مسلم، ابن خزیمہ اور ابن حبان نے احتجاج کیا ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ اس کی حدیث میں کوئی خرابی نہیں۔ ابن عدی نے ان کی حدیثوں کو اقرب الی الصواب کہا ہے۔ ابوزرعہ، ساجی، ابن قانع اور حافظ ابن حجر نے ان کو ثقہ کہا ہے۔ ابن حبان اور ابن شاہین نے ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ ان میں کوئی خرابی نہیں اس لئے یہ اعتراض محض دفع الوقتی ہے۔

سوال۔ امام بخاری، دارقطنی اور ابو داؤد نے "اذا قرأ فانصتوا" کی زیادت کو غیر محفوظ مانا ہے۔

جواب۔ اول تو یہ بات طے شدہ ہے کہ ثقہ راوی کی زیادتی مقبول ہوتی ہے جس کو ہم مقدمہ میں تفصیل کے ساتھ ذکر کر چکے اور بحمد اللہ سلیمان تیمی ثقہ اور حافظ ہیں لہٰذا ان کی زیادتی مقبول ہوگی دوسرے یہ کہ سلیمان تیمی اس زیادتی کے نقل کرنے میں متفرد نہیں بلکہ ابو عبیدہ عمر بن عامر اور سعید بن ابی عروبہ اس زیادتی کو بیان کرنے میں سلیمان تیمی کے ساتھ ہیں اس لئے یہ روایت بلا شک وشبہ بالکل صحیح ہے۔

سوال۔ حافظ ابن حجر وغیرہ نے لکھا ہے کہ "واذا قرأ فانصتوا" کی زیادتی تو صحیح ہے مگر اس سے مراد ما زاد علی الفاتحہ کی قرأت ہے۔ جواب صحیح مسلم اور صحیح ابو عوانہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔ "واذا قرأ فانصتوا واذا قال غیر المغضوب علیھم ولا الضالین فقولوا آمین۔" اور ظاہر ہے کہ غیر المغضوب علیھم ولا الضالین" سے پہلے کوئی ایسی سورت نہیں جس کی قرأت میں امام کا فریضہ قرأت کرنا اور مقتدی کا فریضہ خاموش رہنا ہو۔ شاید ان کے نزدیک اس اثنا میں سورۂ یٰسین کی قرأت مسنون ہو؟

(۲) حدیث ابوہریرہ: قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انما جعل الامام لیؤتم بہ فاذا کبر فکبروا واذا قرأ فانصتوا واذا قال سمع اللہ لمن حمدہ فقولوا اللھم ربنا لک الحمد ..... (ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ، احمد، دارقطنی، بیہقی، صححہ مسلم وابن حزم)

اس صحیح روایت سے بھی یہی معلوم ہوا کہ تمام نمازوں میں امام کا وظیفہ قراءت کرنا ہے اور مقتدیوں کا فریضہ خاموش رہنا۔ اس کے متعلق بھی امام بخاری اور حافظ بیہقی نے وہی اذا قرأ فانصتوا کی زیادتی والی رام کہانی کہی ہے کہ اس میں ابوخالد احمر سلیمان بن حبان راوی متفرد ہے۔ حالانکہ ابوخالد بالاتفاق ثقہ اور ثبت ہیں۔ امام بخاری اور امام مسلم نے ان سے احتجاج کیا ہے۔ نیز ابوسعید محمد بن سعد انصاری اشہلی مدنی اور ابوسعد محمد بن میسر صاغانی (عند احمد فی مسندہ) متابع بھی موجود ہیں اس لئے یہ کہانی مسموع نہیں ہو سکتی۔ بالخصوص جبکہ امام احمد، امام مسلم، علامہ ابن حزم، امام نسائی، دارقطنی، ابن جریر، ابن عبدالبر، ابن کثیر، علامہ ماردینی، منذری، زیلعی، صاحب عون المعبود اور نواب صدیق حسن خان صاحب جیسے حضرات نے اس حدیث کی تصحیح کی ہے۔

(۳) حدیث انس بن مالک: "ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا قرأ الامام فانصتوا" (بیہقی فی کتاب القراءۃ) اس حدیث کا حاصل بھی یہی ہے کہ مقتدی کا وظیفہ خاموشی اور امام کا وظیفہ قراءت ہے۔ اس حدیث پر بھی کوئی معقول اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔ گو حافظ بیہقی نے یہ فرمایا ہے کہ واذا قرأ فانصتوا کی زیادت بیان کرنے میں حسن بن علی بن شبیب المعمری متفرد ہیں لیکن جب معمری ثقہ، ثبت اور حافظ و امام ہیں تو ان کی یہ صحیح روایت اور زیادت کس طرح رد کی جا سکتی ہے۔

(۴) حدیث عبداللہ بن مسعود: "کانوا یقرؤن خلف النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال خلطتم علی القرآن" (طحاوی، احمد، ابویعلی الموصلی، بزار)

علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ یہ روایت مسند احمد، مسند ابویعلی اور مسند بزار میں مروی ہے اور مسند احمد کی روایت کے راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں۔ علامہ ماردینی لکھتے ہیں۔ "وہذا سند جید" کہ یہ عمدہ اور کھری سند ہے اور اس میں چونکہ جہری نماز کی قید نہیں اس لئے یہ سب نمازوں کو شامل ہوگی۔

(۵) حدیث ابوہریرہ: "ما کان من صلوٰۃ یجہر فیہا الامام بالقراءۃ فلیس لاحد ان یقرأ معہ" (بیہقی، فی کتاب القراءۃ) اس روایت میں تصریح ہے کہ جہری نمازوں میں امام کے پیچھے کسی مقتدی کو اس کی گنجائش نہیں کہ وہ امام کے پیچھے کسی قسم کی قراءت کرے۔ اور حافظ بیہقی کا یہ کہنا کہ یہ روایت منکر ہے، غلط ہے کیونکہ اصطلاح میں منکر روایت اس کو کہتے ہیں جس کی سند میں کوئی ایسا راوی ہو جو فاحش غلطی اور کثرت خطا کا مرتکب ہو یا اپنے سے زیادہ کسی ثقہ راوی کی مخالفت کرتا ہو اور یہاں روایت کے تمام راوی ثقہ اور ثبت ہیں اور نہ کوئی ایسا راوی ہے جو کسی ثقہ راوی کی مخالفت کر رہا ہو۔

(۶) حدیث ابوہریرہ: "کل صلوٰۃ لا یقرأ فیہا بام الکتاب فہی خداج الا صلوٰۃ خلف امام" (بیہقی فی کتاب القراءۃ) واخرجہ الدارقطنی فی سننہ عن جابر بن عبداللہ ولفظہ "کل صلوٰۃ لا یقرأ فیہا بام القرآن فہی خداج الا ان یکون وراء الامام")

یعنی ہر وہ نماز جس میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ ناقص ہوتی ہے مگر وہ نماز اس سے مستثنیٰ ہے جو

امام کے پیچھے پڑھی جائے۔ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام نمازوں میں سورۃ فاتحہ کی قرارت کو ضروری اور لازم ٹھہرایا ہے مگر مقتدی کے لئے اس کی قرارت کی مطلقاً گنجائش نہیں چھوڑی۔

حافظ بیہقی نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اصل روایت میں الا صلوٰۃ خلف الامام کا جملہ نہیں ہے جیسا کہ علاء بن عبدالرحمن نے حضرت ابوہریرہ کا موقوف اثر نقل کیا ہے اور اس میں یہ جملہ نہیں ہے۔ یہ خالد طحان کی غلطی ہے کہ وہ یہ جملہ بڑھا کر حدیث کا مطلب بگاڑ رہے ہیں۔

جواب یہ ہے کہ اول تو مرفوع حدیث کو موقوف اثر کے تابع بنا کر مطلب لینا خلاف اصول ہے دوسرے یہ کہ راوی کی مرفوع روایت کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ اس کی اپنی ذاتی رائے کا۔ تیسرے یہ کہ خالد طحان بالاتفاق ثقہ اور ثبت ہے بخلاف علاء بن عبدالرحمن کے کہ وہ مجروح ہے۔ حافظ ابن حجر، ابن عبدالبر اور حافظ ذہبی نے یحیی بن معین سے نقل کیا ہے کہ اس کی حدیث حجت نہیں ہو سکتی۔ ابو حاتم کا بیان ہے کہ ان کی بعض حدیثیں منکر ہوتی ہیں۔ ابو زرعہ کہتے ہیں کہ یہ زیادہ قوی نہیں تھے۔

امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ محدثین نے ان کی صیام شعبان کی حدیث ان کے مناکیر میں شامل کی ہے پس قرین قیاس یہی ہے کہ علاء بن عبدالرحمن کا اس جملہ کو ترک کرنا خود اس کی غلطی ہے اور خالد طحان کا اس کو بیان کرنا بلاشبہ صحیح ہے۔

(۴) حدیث ابوبکرہ۔ انہ دخل المسجد والنبی صلی اللہ علیہ وسلم راکع فرکع قبل ان یصل الی الصف فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم زادک اللہ حرصا ولا تعد" (بخاری، ابوداؤد، نسائی، احمد، بیہقی وغیرہ)

۴۳۷

جب حضرت ابوبکرہ مسجد میں داخل ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں تھے تو یہ صف میں ملنے سے قبل ہی (تکبیر تحریمہ کہہ کر) رکوع میں چلے گئے پھر آہستہ چل کر صف میں مل گئے اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تجھے نیکی کرنے پر اور حریص کرے پھر ایسا نہ کرنا۔

ظاہر ہے کہ حضرت ابوبکرہ سورۃ فاتحہ پڑھے بغیر رکوع میں شامل ہوگئے تھے مع ہذا ان کی اس رکعت کو اور ان کی اس نماز کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکمل اور صحیح سمجھا اور نماز کے اعادہ کا حکم نہیں فرمایا۔ اگر ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کا پڑھنا ضروری ہے تو حضرت ابوبکرہ کی نماز کیسے صحیح ہوگئی تھی؟

(۵) حدیث ابن عباس۔ "واخذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من القراءۃ من حیث کان بلغ ابوبکر" (ابن ماجہ، احمد) یہ ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے جو سنن کبری، مسند احمد، طحاوی، دارقطنی اور مسند ابویعلی الموصلی وغیرہ میں مروی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو آپ نے حضرت ابوبکر کو امامت سپرد کی تا کہ لوگوں کو نماز پڑھایا کریں پھر جب مرض میں تخفیف ہوئی تو آپ دو آدمیوں کے سہارے پر مسجد تشریف لائے اور حضرت ابوبکر کے پہلو میں جا پہنچے حضرت ابوبکر پیچھے ہٹ آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی جگہ بیٹھ کر نماز پڑھائی اور جہاں تک حضرت ابوبکر قرارت کر چکے تھے وہیں سے آپ نے قرارت شروع کی۔

اس حدیث کی سند کا ایک ایک راوی ثقہ ہے جس میں تصریح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سورۂ فاتحہ چھوٹ گئی تھی (پوری چھوٹی ہو یا اس کا اکثر حصہ) اس کے باوجود آپ نے نماز کا اعادہ نہیں فرمایا۔ اگر ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا مقتدی پر ضروری ہوتا تو آپ کی نماز صحیح نہ ہوتی۔

سوال۔ اس کی سند میں ابو اسحٰق سبیعی مدلس ہے جو عنعنہ سے روایت کرتا ہے اور آخر عمر میں مختلط بھی ہو گیا لہٰذا اس روایت سے استدلال صحیح نہیں۔ جواب محدثین کے بیان مدلسین کا ایک گروہ وہ بھی ہے جن کی تدلیس کسی طرح مضر نہیں اور ان کی معنعن حدیثوں کو صحیح سمجھا جاتا ہے۔ ان میں خصوصیت کے ساتھ ابو اسحاق سبیعی کا نام بھی ہے۔ رہا مختلط ہونا سو حافظ ذہبی نے تصریح کی ہے کہ ابو اسحاق سبیعی ائمہ تابعین اور اثبات میں سے تھے بڑھاپے کی وجہ سے ان پر کچھ نسیان طاری ہو گیا تھا لیکن وہ مختلط نہیں ہوئے تھے پھر اس کی بھی تصریح کرتے ہیں کہ اس زمانہ میں ان سے صرف ابن عیینہ نے سماعت کی ہے اور انھوں حدیث میں یہ بات طے شدہ ہے کہ تغیر یسیر اور معمولی وہم و نسیان سے ثقہ رواۃ کی روایتوں پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

سوال۔ ابو اسحاق سبیعی سے یہ حدیث اسرائیل بن یونس نے روایت کی ہے جن کی سماعت اختلاط کے بعد کی ہے۔ جواب امام ترمذی لکھتے ہیں کہ ابو اسحاق کے جملہ تلامذہ میں اسرائیل اثبت اور احفظ ہیں۔ ابن مہدی فرماتے ہیں کہ اسرائیل کو اپنے دادا ابو اسحاق کی جملہ روایتیں اس طرح یاد تھیں جیسے مسلمانوں کو سورۂ فاتحہ ازبر ہوتی ہے۔

علامہ ذہبی کا بیان ہے کہ اسرائیل صحیحین کے راوی ہیں جو حدیث بیان کرنے میں ایسے مضبوط تھے جیسے ستون۔ البتہ شعبہ ان سے زیادہ ثبت تھے لیکن ابو اسحاق سے روایت کرنے میں اسرائیل شعبہ سے بھی زیادہ ثبت تھے۔ حافظ ابن حجر نے اسرائیل عن ابی اسحاق کی سند کی تصحیح کی ہے بلکہ خود مولانا مبارک پوری نے پہلے تحقیق الکلام اور ابکار المنن میں اناپ شناپ لکھ مارا اور جب تحفۃ الاحوذی لکھنے کے وقت کچھ ہوش آیا تو یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے کہ اسرائیل ابو اسحاق سے روایت کرنے میں شعبہ اور سفیان ثوری سے بھی زیادہ قوی اور اثبت تھے۔ علاوہ ازیں اس روایت میں ایک ثقہ اور ثبت راوی زکریا بن ابی زائدہ اسرائیل کا متابع بھی موجود ہے۔ جب اسرائیل خود اوثق و اثبت ہیں اور ان کا متابع بھی ثقہ اور ثبت ہے تو پھر ان کی روایت کا صحیح نہ ہونا چہ معنی دارد؟

سوال۔ اس روایت سے یہ ثابت کرنا غلط ہے کہ آپ سے سورۂ فاتحہ چھوٹ گئی تھی اس کے باوجود آپ کی نماز درست ہو گئی۔ کیونکہ روایت سے ثابت ہے کہ آپ نماز پوری کئے بغیر حجرہ میں تشریف لائے، تو یقیناً آپ نے وہاں نماز مکمل کی ہوگی۔ چنانچہ سنن بیہقی کی روایت کے الفاظ ہیں۔ فما قضی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الصلوٰۃ حتی ثقل جدا فخرج یہادی بین الرجلین اھ یعنی ابھی آپ نے نماز مکمل نہ کی تھی کہ آپ کے مرض میں اضافہ ہو گیا پس آپ دو آدمیوں کے سہارے مسجد سے باہر تشریف لائے۔

جواب۔ اس کا مفہوم تو صرف اتنا ہے کہ تکمیل نماز سے قبل ہی آپ کا مرض بڑھ گیا تھا۔ اس سے یہ کہاں

سلام کر تکمیل نماز کے بغیر ہی آپ گھر تشریف لے آئے تھے۔ ع برین عقل و دانش بباید گریست۔
صحیح بخاری کی روایات کے الفاظ "فصلی بہم وخطبہم" اور "ثم خرج الی الناس فصلی بہم وخطبہم" سے تو
یہاں تک ثابت ہے کہ آپ نے جماعت کے ساتھ نماز کی تکمیل کی پھر صحابہ کرام سے خطاب بھی فرمایا
(۹) حدیث جابرؓ: "قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من کان لہ امام فقراۃ الامام لہ قراءۃ" (ابن ماجہ،
احمد، دارقطنی، بیہقی، طحاوی، ابن عدی واخرجہ الدارقطنی عن ابن عمر وابی ہریرۃ وابن عباس
والطبرانی وابن عدی عن ابی سعید الخدری، وابن عباس عن انس بن مالک)
اس حدیث میں سری اور جہری نماز کی کوئی قید نہیں اس لئے یہ اپنے عموم پر ہے اور مطلب بالکل
واضح ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی کو علیحدہ قراءت کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ امام کا پڑھنا ہی
مقتدی کا پڑھنا ہے۔ سوال: یہ حدیث مرفوع نہیں موقوف ہے۔ اگر مرفوع ہوتی تو محدثین کرام
سفیان ثوری، شریک اور جریر کو امام ابوحنیفہ کا مخالف نہ بتاتے۔
جواب: یہ دعویٰ کہ جریر، سفیان اور شریک وغیرہ امام ابوحنیفہ کی مخالفت کرتے ہوئے اس
کو مرسل روایت کرتے ہیں باطل ہے اس واسطے کہ علامہ نووی ان کی روایت کو کئی سندوں کے
ساتھ نقل کر کے لکھتے ہیں: "فہؤلاء سفیان وشریک وجریر وابوالزبیر رفعوہ بالطرق الصحیحۃ۔
فبطل عدہم فیمن لم یرفعہ" کہ سفیان ثوری، شریک، جریر اور ابوالزبیر وغیرہ، اکثر صحیح اسانید
کے ساتھ اس روایت کو مرفوع نقل کرتے ہیں۔ جن لوگوں کا یہ دعویٰ ہے کہ انھوں نے اس کو
مرفوع روایت نہیں کیا ان کا قول سراسر باطل ہے۔
نیز امام ابوحنیفہ سے نقل کرنے والے بھی اس کو مرفوع ہی بیان کرتے ہیں چنانچہ حافظ بیہقی
رقمطراز ہیں: "ہذا حدیث رواہ جماعۃ من اصحاب ابی حنیفۃ موصولاً وخالفہم عبداللہ بن المبارک
الامام فرواہ عنہ مرسلاً" کہ امام ابوحنیفہ کے اصحاب وتلامذہ میں سے ایک بڑی جماعت نے اسکو
مرفوع اور موصول بیان کیا ہے۔ البتہ عبداللہ بن مبارکؒ اسکو مرسل روایت کرتے ہیں۔
اسحق ازرق، ابویوسف اور یونس بن بکیر وغیرہ کی روایتیں دارقطنی میں اور محمد بن الحسن،
محمد بن الفضل البلخی، مکی بن ابراہیم، علی بن یزید الصدائی اور مروان بن شجاع کی روایتیں
عقود الجواہر المنیفہ میں موجود ہیں۔ پس اسحاق ازرق کی روایت کو شاذ، غلط اور ضعیف قرار دینا
جیسا کہ بعض لوگوں نے کیا ہے بالکل بے بنیاد ہے۔ علاوہ ازیں خود ابن مبارک کا بیان ہے کہ جب
امام ابوحنیفہ اور سفیان ثوری کسی بات پر متفق ہو جائیں تو میرا قول بھی وہی ہوگا۔ اور امام ابوحنیفہ
و امام ثوری اس روایت کو مرفوع اور موصول ہی بیان کرتے ہیں۔ اور اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے
کہ یہ روایت مرسل ہے تب بھی اس سے جمہور کا احتجاج صحیح ہے جیسا کہ ہم مقدمہ کتاب میں حدیث
مرسل کے متعلق دلائل کے ساتھ ثابت کر چکے کہ حدیث مرسل حجت ہے۔
سوال: حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ حدیث "من کان لہ امام فقراءۃ الامام لہ قراءۃ" کئی سندوں کے ساتھ جابر
سے مروی ہے اور یہ حضرت جابر کے علاوہ صحابہ کی ایک جماعت سے مروی ہے۔ مگر وہ سب طرق
معلول ہیں۔ جواب: امام حاکم اصول حدیث کی مشہور کتاب معرفۃ علوم الحدیث میں احادیث

مشہورہ بیان کرکے اس حدیث کو ذکر کرتے ہیں۔ اس کے بعد متعدد احادیث نقل کرکے لکھتے ہیں
فکل ہذہ الاحادیث مشہورۃ باسانیدہا وطرقہا اھ معلوم ہوا کہ حدیث مذکور نہ صرف یہ کہ مرفوع اور
صحیح ہے بلکہ مشہور بھی ہے۔
پس اگر قول مذکور سے حافظ کی مراد یہ ہے کہ دیگر صحابہ سے من وعن روایت کے ایسے ہی الفاظ
مروی ہیں جو حضرت جابر سے مروی ہیں اور وہ طرق معلول ہیں تب تو کسی حد تک صحیح ہے اور اگر مراد
یہ ہے کہ دیگر صحابہ سے جو روایتیں مروی ہیں گو ان کے الفاظ تو یہ نہیں ہیں لیکن ان کا مفہوم اور مضمون
اس سے ملتا جلتا ہے اور وہ تمام طرق معلول ہیں تو یہ بالکل باطل ہے۔
سوال۔ حافظ بیہقی نے لکھا ہے کہ حضرت جابر کی اس حدیث میں قرارت سے مازاد علی الفاتحہ
کی قرارت مراد ہے اور قرینہ یہ ہے کہ ایک شخص نے ظہر یا عصر کی نماز میں سبح اسم ربک الاعلیٰ کی
قرأت کی تو آپ نے اس موقع پر مقتدیوں کو قرارت سے منع کیا۔
جواب۔ حضرت جابر جو راوی حدیث ہیں وہ اس سے صرف سورۃ فاتحہ کی قرارت مراد لیتے ہیں۔
چنانچہ مؤطا امام مالک اور جامع ترمذی میں موقوفاً اور امام طحاوی کی معانی الآثار میں حضرت جابر
سے مرفوعاً موصولاً مروی ہے۔ من صلی رکعۃ لم یقرأ فیہا بام القرآن فلم یصل الا وراء الامام۔ اور ظاہر
ہے کہ راوی حدیث خصوصاً جبکہ وہ صحابی ہو، اپنی مروی حدیث کی مراد کو دوسروں سے زیادہ بہتر
جانتا ہے۔ لہٰذا حضرت جابر کی اس حدیث میں قرارت سے مراد مازاد علی الفاتحہ کی قرارت مراد لینا
غلط ہے۔ رہا ظہر یا عصر کی نماز میں ایک شخص کا سبح اسم ربک الاعلیٰ پڑھنا تو اس حدیث کا سیاق ہی
بالکل الگ اور جدا ہے اس میں۔ ان بعضکم خالجنیہا۔ کے الفاظ موجود ہیں اس لئے خارجی قرائن
ڈھونڈنے کے بجائے خود حضرت جابر کا بیان اور تفسیر زیادہ قابل قبول ہوگی۔
سوال۔ حضرت جابر کی حدیث سورۃ فاتحہ کے بارے میں نص صریح نہیں ہے اور حضرت عبادہ
بن الصامت کی روایت نص صریح ہے لہٰذا اسی کو ترجیح ہوگی۔
جواب۔ حضرت عبادہ کی روایت جو صریح و صحیح ہے وہ صرف امام اور منفرد کے حق میں ہے اس کا مقتدی
سے کوئی تعلق نہیں اور حضرت جابر کی حدیث مقتدی کے حق میں ہے اور حضرت جابر کی اپنی
صریح اور صحیح روایت میں مذکور ہے کہ قرارت سے سورۃ فاتحہ کی قراءۃ مراد ہے۔ علاوہ ازیں شیخ
الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ بقید خلف الامام حضرت عبادہ کی کوئی روایت صحیح نہیں۔ لہٰذا تعارض
کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بہرکیف حضرت جابر کی حدیث کا حضرت عبادہ کی حدیث سے تعارض قائم کرکے
ثانی کو اول پر ترجیح دینا غلط ہے۔
سوال:۔ فقراءۃ الامام لہ۔ میں لہ کی ضمیر حرف مَن کی طرف راجع نہیں بلکہ الامام کی طرف راجع
ہے اور مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے امام کی اقتداء کی تو امام کی قراءۃ صرف امام کے لئے ہے یعنی
مقتدی کو اپنے لئے الگ قرارت کرنا ہوگی۔ جواب۔ نحاۃ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جب جملہ خبر
واقع ہو تو اس میں ربط پیدا کرنے کے لئے کسی ضمیر کا ہونا ضروری ہے جو مبتدا کی طرف راجع ہو خواہ مذکور
ہو یا مقدر۔ اس حدیث میں من کان لہ امام۔ میں حرف مَن مبتدا ہے جو شرط کے معنی کو متضمن ہے

اور جملہ "فقراءۃ الامام لہ قراءۃ" اس کی خبر ہے جو جزاء پر مشتمل ہے۔ اگر لہ کی ضمیر حرف من کی طرف راجع نہ ہو تو سائل ہی بتلائے کہ من کی طرف کونسی ضمیر راجع ہوگی؟

نیز اس خود ساختہ قاعدہ کے تحت حدیث "من کان فی حاجۃ اخیہ کان اللہ فی حاجتہ" کے معنی یہ ہوں گے کہ حق تعالیٰ اپنی ہی حاجات پوری کرتا رہتا ہے (العیاذ باللہ) وعلی ہذا القیاس "من فرج عن مسلم کربۃ فرج اللہ عنہ۔ من بنی للہ مسجدا بنی اللہ لہ بیتا فی الجنۃ۔ من کان للہ کان اللہ لہ من کنت مولاہ فعلی مولاہ" وغیرہ۔

سوال۔ اگر امام کی قراءت مقتدیوں کے لئے کافی ہے تو مقتدیوں کو رکوع و سجود، تشہد، قعود وغیرہ کی بھی ضرورت نہیں امام ہی سب کچھ کرتا رہے گا۔ جواب۔ امام مقتدی کی طرف سے صرف قراءت کا ہی میں کفایت کرتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں تصریح موجود ہے کہ جب امام تکبیر کہے تو تم بھی کہو۔ جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو اور جب قراءت کرے تو تم خاموش رہو۔ اس لئے باقی امور کو قراءت پر قیاس کرنا مع الفارق ہونے کے ساتھ ساتھ نص کے مقابلہ میں ہے جو قطعاً مردود ہے۔

سوال۔ حضرت جابر کی حدیث "من کان لہ امام الخ" سنن ابن ماجہ میں مروی ہے جس کی سند میں حسن بن صالح اور ابو الزبیر محمد بن تدرس کے درمیان جابر جعفی کا واسطہ ہے اور جابر جعفی بقول امام ابوحنیفہ اکذب الکذاب ہے۔

جواب۔ اس سلسلہ میں سنن ابن ماجہ کے نسخے مختلف ہیں بعض نسخوں میں "عن جابر الجعفی عن ابی الزبیر عن جابر" ہے لیکن مطبع عمدۃ المطابع کے نسخہ میں یوں ہے "عن جابر الجعفی وعن ابی الزبیر" اور بظاہر یہی صحیح ہے۔ دلیل یہ ہے کہ مسند امام احمد میں یہ روایت بایں سند مروی ہے "ثنا اسود بن عامر ثنا حسن بن صالح عن ابی الزبیر عن جابر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم" یہ روایت متصل اور بالکل صحیح ہے جس میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ حافظ شمس الدین ابن قدامہ لکھتے ہیں "وہذا اسناد صحیح متصل رجالہ کلہم ثقات"

یہ روایت مصنف ابن ابی شیبہ میں بھی مروی ہے اس میں بھی جابر جعفی کا واسطہ نہیں ہے بسند یوں ہے "ثنا مالک بن اسماعیل عن حسن بن صالح عن ابی الزبیر عن جابر الخ" اس اسناد کے بھی تمام راوی ثقہ ہیں اور بقول علامہ ماردینی یہ سند بھی بالکل صحیح ہے۔ اسی طرح یہ روایت مسند عبد بن حمید میں بھی بروایت ابونعیم بواسطہ حسن بن صالح، حضرت ابو الزبیر سے بلا واسطہ جابر جعفی مروی ہے جس کو علامہ آلوسی نے روح المعانی میں شرط مسلم پر بتایا ہے۔ پھر حسن بن صالح کی ولادت سنہ ۱۰۰ھ میں ہے اور وفات سنہ ۱۶۹ھ میں۔ اور ابو الزبیر کا سنہ وفات سنہ ۱۲۸ھ ہے اور ظاہر ہے کہ اٹھائیس سال کے طویل عرصہ میں لقاء کا امکان ہی نہیں بلکہ غالب لقاء ہی ہے۔ چنانچہ شمس الدین ابن قدامہ نے تصریح کی ہے کہ "الحسن بن صالح ادرک ابا الزبیر" اس لئے یوں سمجھا جائے گا کہ حسن بن صالح نے یہ روایت براہ راست ابو الزبیر سے بھی سنی ہوگی اور جابر جعفی سے بھی۔

(۱۰) حدیث ابوالدرداء "سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افی کل صلوۃ قراءۃ قال نعم فقال رجل من الانصار وجبت ہذہ فقال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکنت اقرب القوم الیہ ما اری الامام اذا

ام القوم الا کفاہم" (نسائی، طحاوی، احمد، دارقطنی، بیہقی)

یعنی آپؐ سے سوال ہوا: کیا ہر نماز میں قرأت ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ بس ایک انصاری نے کہا: پھر تو قرأت واجب ہوگئی۔ حضرت ابوالدرداء فرماتے ہیں کہ میں قوم میں سب سے زیادہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب تھا۔ آپ نے مجھ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: میں تو یہی جانتا ہوں کہ امام کی قرأت مقتدیوں کو کافی ہے۔ علامہ ہیثمی نے اس کی اسناد کو حسن کہا ہے۔ اس روایت میں چونکہ سری اور جہری کی کوئی قید نہیں ہے اس لئے یہ تمام نمازوں کو شامل ہے۔

سوال۔ امام نسائی، دارقطنی اور حافظ بیہقی فرماتے ہیں کہ یہ روایت حضرت ابوالدرداء پر موقوف ہے اس کو مرفوع روایت کرنے میں زید بن حباب نے غلطی کی ہے۔

جواب۔ حضرت ابوالدرداء نے تصریح کی ہے کہ یہ مسئلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا اور آپ ہی نے جواب ارشاد فرمایا اور اس کی تصریح بھی کی ہے کہ میں سب سے زیادہ آپ کے قریب تھا اور آپ نے خطاب کرتے اور جواب دیتے وقت خاص طور پر میری طرف توجہ فرمائی تھی۔ پھر زید بن حباب بالاتفاق ثقہ ہیں اور متن وسند میں ثقہ راوی کی زیادتی مقبول ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں شیخ ابوصالح کاتب لیث بھی اس کو مرفوع ہی نقل کرتے ہیں۔ اگر اتنے قوی قرائن اور پختہ شواہد کے ہوتے ہوئے بھی روایت مرفوع نہیں تو پھر علم حدیث میں کون سی روایت مرفوع ہوگی؟۔

الغرض حضرت ابوموسیٰ الاشعری، حضرت ابوہریرہ، حضرت انس بن مالک، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابوبکرہ، حضرت ابن عباس، حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت ابوالدرداء کی ان احادیث کے علاوہ حضرت عبداللہ بن بجینہ، حضرت عائشہ، حضرت عبداللہ بن شداد، حضرت نواس بن سمعان، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت بلال رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بھی صحیح اور مرفوع روایات موجود ہیں۔ نیز موطا مالک، دارقطنی میں حضرت عبداللہ بن عمرو، مسلم، نسائی، طحاوی، صحیح ابوعوانہ میں حضرت زید بن ثابت، مصنف ابن ابی شیبہ، موطا امام محمد، سنن بیہقی، طحاوی میں حضرت عبداللہ بن مسعود، طحاوی میں حضرت ابن عباس، مصنف عبدالرزاق میں ابوبکر و عمر اور حضرت عثمان، دارقطنی میں حضرت علی، امام بخاری کے جزء القرأۃ اور موطا امام محمد میں حضرت سعد ابی وقاص کے آثار بھی بسند صحیح مروی ہیں۔

ہم یہاں صرف مذکورہ بالا دس احادیث پر اکتفاء کرتے ہوئے بحث قرأت خلف الامام کو ختم کرتے ہیں۔ مزید ادلہ کی تفصیل کے لئے احسن الکلام کی طرف مراجعت کی جائے۔

قولہ قال ابوداؤد الخ (۲۴۴) اس قول میں صاحب کتاب صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ معمر، یونس اور اسامہ بن زید نے بھی حدیث ابن اکیمہ (عمارہ) لیثی کو زہری سے اسی طرح روایت کیا ہے جس طرح ان سے مالک نے روایت کیا ہے۔ لیکن موافقت صرف معنوی ہے نہ کہ لفظی، یعنی ان حضرات کی روایت، روایت مالک کے ہم معنی ہے اور الفاظ میں قدرے اختلاف ہے۔

(۸۲۷) حدثنا مسدد و احمد بن محمد المروزی و محمد بن احمد بن ابی خلف و عبد الله بن محمد الزہری و ابن السرح قالوا نا سفیان عن الزہری قال سمعت ابن اکیمة یحدث سعید بن المسیب قال سمعت ابا ہریرة یقول صلی بنا رسول الله صلی الله علیه وسلم صلوة نظن انها الصبح بمعناه الی قوله مالی انازع القرآن قال ابو داؤد قال مسدد فی حدیثه قال معمر فانتہی الناس عن القراءة فیما جہر به رسول الله صلی الله علیه وسلم وقال ابن السرح فی حدیثه قال معمر عن الزہری قال ابو ہریرة فانتہی الناس وقال عبد الله بن محمد الزہری من بینهم قال سفیان وتکلم الزہری بکلمة لم اسمعها فقال معمر انه قال فانتہی الناس . قال ابو داؤد ورواه عبد الرحمن بن اسحاق عن الزہری وانتہی حدیثه الی قوله مالی انازع القرآن ورواه الاوزاعی عن الزہری قال فیه قال الزہری فاتعظ المسلمون بذلک فلم یکونوا یقرؤن معه فیما یجہر به صلی الله علیه وسلم. قال ابو داؤد سمعت محمد بن یحیی بن فارس قال قوله فانتہی الناس من کلام الزہری

ترجمہ

مسدد، احمد بن محمد مروزی، محمد بن احمد بن ابی خلف، عبداللہ بن محمد زہری اور ابن السرح نے بسند سفیان بروایت زہری بسماع ابن اکیمہ حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نماز پڑھائی شاید وہ فجر کی نماز تھی۔ پھر مالی انازع القرآن تک اسی طرح روایت کیا جیسے امام مالک نے روایت کیا ہے۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ مسدد نے اپنی حدیث میں معمر کا قول ذکر کیا ہے کہ پھر لوگ پڑھنے سے رک گئے ان نمازوں میں جن میں آپ جہراً قرات کرتے تھے اور ابن السرح نے اپنی حدیث میں بواسطہ معمر زہری سے حضرت ابوہریرہ کا قول ذکر کیا ہے کہ لوگ رک گئے۔ اور عبداللہ بن محمد زہری نے سفیان کا قول نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ امام زہری نے ایک کلمہ ذکر کیا جو میں ان سے براہ راست نہ سن سکا تو معمر نے بتایا کہ وہ جملہ فانتہی الناس ہے۔

ابوداؤد کہتے ہیں کہ اس کو عبدالرحمن بن اسحاق نے بھی زہری سے روایت کیا ہے اور ان کی حدیث مالی انازع القرآن پر ختم ہے اور اس کو اوزاعی نے بھی زہری سے روایت کیا ہے اس میں زہری کا یہ قول ہے کہ پھر مسلمانوں نے اس سے نصیحت حاصل کی اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان نمازوں میں قرات نہیں کرتے تھے جن میں آپ جہراً قرات کرتے تھے۔

ابوداؤد کہتے ہیں کہ میں نے محمد بن یحیی بن فارس سے سنا ہے وہ کہتے تھے کہ جملہ فانتہی الناس زہری کا کلام ہے۔ **تشریح**

سه قال کان ابن اکیمة یحدث بہذا الحدیث سعید بن المسیب وکنت حاضرا فی المجلس فسمعت من الحدیث ۱۲ بذل

(۲۴۲) قولہ قال ابوداود وقال مسدد الخ اس قول میں صاحب کتاب حدیث کے الفاظ "فانتہی الناس عن القراءۃ الخ" کی بابت اپنے شیوخ کا اختلاف بیان کرنا چاہتے ہیں جس کی تشریح یہ ہے کہ اس حدیث میں صاحب کتاب کے پانچ شیوخ ہیں۔ مسدد، احمد بن محمد مروزی، محمد بن احمد بن ابی خلف، عبد اللہ بن محمد زہری اور ابن السرح۔ یہ پانچوں شیوخ اس حدیث کو بواسطہ سفیان بن عیینہ امام زہری سے روایت کرتے ہیں۔ اور سفیان کے علاوہ اس حدیث کو امام زہری سے روایت کرنے والے معمر بن راشد، عبد الرحمن بن اسحق، اوزاعی، امام مالک، یونس، اسامہ بن زید، لیث بن سعد، ابن جریج بن یحیی بن فارس، بھی ہیں۔

اب صاحب کتاب کے شیخ مسدد کہتے ہیں کہ میرے شیخ سفیان نے "فانتہی الناس عن القراءۃ الخ" کے الفاظ ذکر نہیں کئے بلکہ ان کی حدیث "مالی انازع القرآن" پر ختم ہو جاتی ہے۔ البتہ دوسرے شیخ (معمر بن راشد) کی حدیث میں یہ الفاظ بھی مذکور ہیں۔ صاحب کتاب کے دوسرے شیخ ابن السرح بواسطہ معمر امام زہری سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "فانتہی الناس عن القراءۃ" حضرت ابوہریرہ کا کلام ہے (نہ کہ امام زہری کا)، صاحب کتاب کے تیسرے شیخ عبد اللہ بن محمد زہری سفیان بن عیینہ سے نقل کرتے ہیں کہ میں یہ جملہ براہ راست امام زہری سے نہیں سن سکا تو میں نے اپنے رفیق درس معمر بن راشد سے پوچھا کہ انھوں نے (یعنی امام زہری نے) کیا فرمایا؟ معمر بن راشد نے جواب دیا کہ انھوں نے جملہ "فانتہی الناس عن القراءۃ" بیان کیا ہے۔

(۲۴۳) قولہ قال ابوداود ورواہ عبد الرحمن الخ یعنی عبد الرحمن بن اسحاق نے بھی یہ حدیث زہری سے روایت کی ہے لیکن ان کی حدیث "مالی انازع القرآن" پر ختم ہو جاتی ہے جو اس پر دال ہے کہ امام زہری کا یہ جملہ "فانتہی الناس عن القراءۃ" ذکر نہیں کیا۔ امام اوزاعی بھی اس حدیث کو زہری سے روایت کرتے ہیں لیکن ان کی حدیث میں "فانتہی الناس عن القراءۃ" کے بجائے یوں ہے "قال الزہری فاتعظ المسلمون بذلک فلم یکونوا یقرؤن معہ فیما یجہر صلی اللہ علیہ وسلم"۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جملہ امام زہری کا مدرج ہے:۔

(۲۴۴) قولہ قال ابوداود سمعت الخ یعنی شیخ محمد بن یحیی بن عبد اللہ بن خالد بن فارس ذہلی نے تصریح کی ہے کہ جملہ "فانتہی الناس" امام زہری کا کلام ہے۔ صاحب کتاب کے اس پورے کلام کا حاصل یہ ہے کہ اس حدیث کو امام مالک نے امام زہری سے روایت کرتے ہوئے جملہ "فانتہی الناس" تو روایت کیا ہے لیکن اس کا قائل ذکر نہیں کیا کہ وہ امام زہری ہیں یا حضرت ابوہریرہ؟ پس امام مالک کی روایت سے اس جملہ کا زہری کے کلام سے ہونا متعین نہیں بلکہ دونوں احتمال ہیں۔ عبد الرحمن بن اسحق کی روایت میں یہ جملہ مذکور ہی نہیں یہاں تک کہ یہ فیصلہ کیا جائے کہ ان کے نزدیک یہ زہری کا کلام ہے یا حضرت ابوہریرہ کا؟

امام اوزاعی کی روایت میں بھی دونوں احتمال ہیں کیونکہ ان کی روایت کا حاصل یہ ہے کہ زہری نے "مالی انازع القرآن" کے بعد "فانتہی الناس عن القراءۃ" کے بجائے "فاتعظ المسلمون" کہا ہے۔ اب یہ جملہ انھوں نے اپنی طرف سے کہا ہے؟ (جس سے یہ ان کا قول قرار پائے) یا اپنی سند کے ساتھ حضرت

ابوہریرہ یا کسی اور صحابی سے روایت کیا ہے؟ دونوں احتمال ہیں۔ اور سفیان بن عیینہ نے یہ جملہ براہ راست زہری سے سنا ہی نہیں بلکہ معمر بن راشد سے سنا ہے۔

پس محل بحث صرف دو روایتیں رہیں، ایک روایت محمد بن یحییٰ اور ایک روایت معمر۔ محمد بن یحییٰ کا خیال یہ ہے کہ یہ جملہ امام زہری کا کلام ہے اور معمر بن راشد تصریح کرتے ہیں کہ یہ حضرت ابوہریرہ کا قول ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ان میں سے کس کی بات قابل وثوق ہے؟ سو ہم نے دیکھا کہ امام احمد بن حنبل اور امام جرح و تعدیل حضرت یحییٰ بن معین نے معمر بن راشد کو امام زہری کے تمام تلامذہ میں اثبت الناس کہا ہے لہٰذا زہری کی سب سے زیادہ معتبر اور مستند روایت صرف معمر بن راشد ہی کے طریق سے ہو سکتی ہے۔ اس لئے محمد بن یحییٰ وغیرہ کا جملہ مذکورہ کو امام زہری سے مدرج قرار دینا غلط ہے اور صحیح بات معمر بن راشد کی ہے کہ حدیث بالکل صحیح اور متصل ہے نہ کہ معلل و مدرج ہے:-

(۱۵) باب من رأى القراءة اذا لم يجهر.

(۸۰۱) حدثنا ابو الوليد الطيالسي نا شعبة ح و حدثنا محمد بن كثير العبدي انا شعبة المعنى عن قتادة عن زرارة عن عمران بن حصين ان النبي صلى الله عليه وسلم صلى الظهر فجاء رجل فقرأ خلفه بسبح اسم ربك الاعلى فلما فرغ قال ايكم قرأ قالوا رجل قال قد عرفت ان بعضكم خالجنيها، قال ابو داؤد قال ابو الوليد في حديثه قال شعبة فقلت لقتادة اليس قول سعيد انصت للقرآن قال ذاك اذا جهر به وقال ابن كثير في حديثه قال قلت لقتادة كانه كرهه قال لو كرهه نهى عنه

۴۴۵

ترجمہ

ابوالولید طیالسی نے بتحدیث اور محمد بن کثیر عبدی نے باخبار شعبہ بطریق قتادہ بواسطہ زرارہ حضرت عمران بن حصین سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز پڑھائی۔ ایک شخص آیا اور اس نے آپ کے پیچھے سبح اسم ربک الاعلیٰ پڑھی۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو دریافت فرمایا: تم میں سے کسی نے قرأت کی؟ لوگوں نے کہا: فلاں شخص نے۔ تو آپ نے فرمایا کہ میں سمجھ گیا تھا کہ تم میں سے کوئی مجھ سے قرآن میں جھگڑا کر رہا ہے۔

ابوداؤد کہتے ہیں کہ ابوالولید کی حدیث میں ہے کہ شعبہ نے قتادہ سے کہا: کیا سعید نے نہیں کہا کہ جب قرآن پڑھا جائے تو چپ رہو؟ انھوں نے کہا کہ یہ اس وقت ہے جب پکار کر پڑھا جائے، اور ابن کثیر کی روایت میں ہے کہ میں نے قتادہ سے کہا: شاید آپ نے قرأت کو ناپسند فرمایا۔ انھوں نے کہا اگر ناپسند

فرمائے تو اس سے منع کر دیتے :۔ کشف بحیحہ

قولہ باب الخ عون المعبود کے نسخہ میں یہاں کوئی ترجمہ مذکور نہیں لیکن اس کے علاوہ اکثر نسخوں میں یہی ترجمہ ہے جو ہم نے متن میں نقل کیا ہے اور مجتبائی نسخہ کے حاشیہ پر ترجمہ یوں ہے باب من لم یری القراءۃ اذا لم یجہر۔ باب کے ذیل میں جو احادیث مذکور ہیں وہ اسی ترجمہ کے مناسب ہیں نہ کہ اس ترجمہ کے جو متن میں منقول ہے :۔

قولہ قال ابو داود الخ (۲۴۵) اس کی تشریح یہ ہے کہ شعبہ کی زیر بحث حدیث چونکہ سری اور جہری نمازوں میں نہی عن القراءۃ کی بابت صریح ہے اس لئے انھوں نے اپنے شیخ قتادہ سے سوال کیا کہ آپ تو سری نمازوں میں قراءت کرتے ہیں حالانکہ آپ کے شیخ حضرت سعید بن المسیب فرماتے ہیں کہ جب قرآن کی قراءت کی جائے تو خاموش رہنا ضروری ہے۔ پھر آپ اسکے خلاف کیوں کرتے ہیں؟ قتادہ نے جواب دیا کہ حضرت سعید بن المسیبؒ جو انصات کہتے ہیں کہا ہے یہ اس وقت ہے جب قراءت جہراً ہو۔ اگر امام سراً قراءت کرے تو انصات کا حکم نہیں ہے قال الشیخ فی البذل وانت تعلم ان تخصیص لعموم اللفظ من غیر مخصص بل الحدیث الذی رواہ یدل علی خلافہ

(۱۶۷) باب تمام التکبیر

۸۳۶ (۱۸۱) حدثنا عمرو بن عثمان نا ابی وبقیۃ عن شعیب عن الزہری قال اخبرنی ابو بکر بن عبد الرحمن و ابو سلمۃ ان ابا ہریرۃ کان یکبر فی کل صلوۃ من المکتوبۃ وغیرہا یکبر حین یقوم ثم یکبر حین یرکع ثم یقول سمع اللہ لمن حمدہ ثم یقول ربنا ولک الحمد قبل ان یسجد ثم یقول اللہ اکبر حین یہوی ساجداً ثم یکبر حین یرفع راسہ ثم یکبر حین یسجد ثم یکبر حین یرفع راسہ ثم یکبر حین یقوم من الجلوس فی اثنتین فیفعل ذلک فی کل رکعۃ حتی یفرغ من الصلوۃ ثم یقول حین ینصرف والذی نفسی بیدہ انی لاقربکم شبہاً بصلوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کانت ہذہ لصلوتہ حتی فارق الدنیا۔ قال ابو داود ہذا الکلام الاخیر یجعلہ مالک والزبیدی وغیرہما عن الزہری عن علی بن حسین ووافق عبد الاعلی عن معمر شعیب بن ابی حمزۃ عن الزہری

ترجمہ

عمرو بن عثمان نے اپنے والد اور بقیہ سے بطریق شعیب بروایت زہری باخبار ابوبکر بن عبد الرحمن و ابوسلمہ روایت کیا ہے کہ حضرت ابوہریرہ تکبیر کہتے تھے ہر فرض و غیر فرض نماز میں پس پہلے تکبیر کہتے

جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے پھر رکوع کے لئے تکبیر کہتے پھر سمع اللہ لمن حمدہ پڑھتے اس کے بعد ربنا ولک الحمد سجدہ سے پہلے۔ اور جب سجدہ کے لئے جھکتے تو تکبیر کہتے اسی طرح سجدہ سے سر اٹھاتے وقت۔ دوسرے سجدے میں جاتے وقت اور اس سے سر اٹھاتے وقت تکبیر کہتے اور جب دو رکعت پر قعدہ کر کے اٹھتے اس وقت بھی اللہ اکبر کہتے اسی طرح ہر رکعت میں کرتے تھے ... فارغ ہونے تک اس کے بعد فرماتے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں تم سب سے زیادہ مشابہ ہوں نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی تھی آپ کی نماز یہاں تک کہ آپ دنیا سے رخصت ہو گئے۔

ابوداؤد کہتے ہیں کہ یہ آخری کلام مالک اور زبیدی وغیرہ نے بطریق زہری از علی بن حسین کو روایت کیا ہے اور عبد الاعلیٰ نے بواسطہ معمر زہری سے روایت کرتے ہوئے شعیب بن ابی حمزہ کی موافقت کی ہے :- تشریح

قولہ باب الخ- یعنی نماز میں عدد تکبیرات کو پورا کرنے کا بیان۔ جاننا چاہیئے کہ ہر دو رکعت والی نماز میں گیارہ اور تین رکعات والی نماز میں سترہ اور چار رکعات والی نماز میں بائیس تکبیریں ہیں پس پنجگانہ نمازوں میں تکبیرات کی کل تعداد چورانوے ہے۔ اب نماز شروع کرتے وقت تکبیر تحریمہ تو بالاجماع ضروری ہے (ہمارے یہاں بطریق شرط اور امام شافعی کے یہاں بطریق رکنیت) کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ تحریمہا التکبیر وتحلیلہا التسلیم" لیکن تحریمہ کے علاوہ قیام وقعود، رکوع وسجود وغیرہ انتقالات کی حالت میں بھی تکبیر مشروع ہے یا نہیں ؟۔ سو امام نووی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابوہریرہ کے دور میں اس کی بابت اختلاف تھا چنانچہ ابن سید الناس نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر، قتادہ، سعید بن جبیر، عمر بن عبد العزیز اور حسن بصری سے (اور بقول ابن المنذر، قاسم بن محمد اور سالم بن عبد اللہ بن عمر سے اور بقول ابن بطال، معاویہ بن ابی سفیان اور ابن سیرین سے) یہی نقل کیا جاتا ہے کہ تکبیر صرف تحریمہ کے وقت مشروع ہے۔

لیکن بعد میں اس پر سب کا اجماع ہو گیا کہ ہر خفض ورفع کی حالت میں تکبیر مشروع ہے۔ چنانچہ علامہ بغوی نے شرح السنہ میں ان تکبیرات کی مشروعیت پر امت کا اتفاق نقل کیا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود کی حدیث میں ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر رفع وخفض اور قیام وقعود میں تکبیر کہتے دیکھا ہے۔ اسی لئے جمہور علماء نے ان تکبیرات کو مستحب بلکہ سنت مانا ہے۔ امام احمد سے ایک روایت اور بعض اہل ظاہر کا قول وجوب کا ہے۔ بعض حضرات نے منفرد وغیر منفرد کے درمیان فرق کیا ہے کہ جماعت کی حالت میں مشروع ہے اور منفرد کے حق میں غیر مشروع، لان التکبیر شرع للایذان بحرکۃ الامام فلا یحتاج الیہ المنفرد :-

قولہ قال ابوداؤد الخ (۴۴۳) اس قول سے حدیث کے آخری جملہ "ان کانت ہذہ لصلوتہ حتی فارق الدنیا" کے متعلق اختلاف کو بیان کرنا چاہتے ہیں کہ شعیب بن ابی حمزہ نے زہری سے اس جملہ کو حضرت ابوہریرہ تک موصولاً روایت کیا ہے اور عبد الاعلیٰ نے بھی

بواسطہ معمر امام زہری سے اسی طرح روایت کیا ہے لیکن مالک بن انس ابو الہذیل محمد بن الولید بن عامر زبیدی اور سفیان بن عیینہ کی روایت ان کے خلاف ہے کیونکہ ان حضرات نے اس کو علی بن حسین بن علی بن ابی طالب کا قول روایت کیا ہے۔ چنانچہ موطا امام مالک میں یہ روایت یوں ہے۔ عن ابن شہاب عن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب انہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکبر فی الصلوۃ کلما خفض ورفع فلم تزل تلک صلوتہ حتی لقی اللہ۔

عبد الاعلی کی روایت سنن دارمی میں بایں سند مروی ہے۔ اخبرنا نصر بن علی ثنا عبد الاعلی عن معمر عن الزہری عن ابی بکر بن عبد الرحمن وعن ابی سلمۃ عن ابی ہریرۃ انہما صلیا خلف ابی ہریرۃ فلما رکع کبر فلما رفع راسہ قال سمع اللہ لمن حمدہ ثم قال ربنا ولک الحمد ثم سجد وکبر ثم رفع راسہ وکبر ثم کبر حین قام من الرکعتین ثم قال والذی نفسی بیدہ انی لاقربکم شبہا برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما زال ہذہ صلوتہ حتی فارق الدنیا۔

(۴۴۸) حدثنا محمد بن بشار وابن المثنی قالا نا ابو داؤد نا شعبۃ عن الحسن بن عمران قال ابن بشار الشامی، قال ابو داؤد ابو عبد اللہ العسقلانی عن ابن عبد الرحمن بن ابزی عن ابیہ انہ صلی مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکان لا یتم التکبیر، قال ابو داؤد معناہ اذا رفع راسہ من الرکوع واراد ان یسجد لم یکبر واذا قام من السجود لم یکبر

ترجمہ

محمد بن بشار اور ابن المثنی نے بسند ابو داؤد بحدیث شعبہ بطریق حسن بن عمران وحسن کی صفت ابن بشار نے الشامی۔۔ ذکر کی ہے۔ ابو داؤد کہتے ہیں کہ یہ ابو عبد اللہ عسقلانی ہیں بواسطہ ابن عبد الرحمن۔۔۔ ان کے والد عبد الرحمن بن ابزی سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی آپ تکبیر تمام نہیں کرتے تھے۔ ابو داؤد کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب آپ رکوع سے سر اٹھاتے اور سجدہ کا ارادہ کرتے تو تکبیر نہیں کہتے تھے اور جب سجدہ سے اٹھتے تب بھی تکبیر نہیں کہتے تھے۔

تشریح

(۴۴۷) **قولہ قال ابو داؤد ابو عبد اللہ الخ** یعنی شعبہ کے شیخ حسن بن عمران عسقلانی ہیں اور ان کی کنیت ابو عبد اللہ ہے۔ شیخ محمد بن بشار نے جو انکی صفت شامی ذکر کی ہے یہ اس کے منافی نہیں کیونکہ عسقلان بلاد شام کا ایک شہر ہے۔ فصح انہ شامی وانہ عسقلانی۔

(۴۴۸) **قولہ قال ابو داؤد معناہ الخ** صاحب کتاب کہتے ہیں کہ وکان لا یتم التکبیر کا مطلب یہ ہے کہ آپ رکوع سے اٹھتے وقت اور سجدے میں جاتے ہوئے اور سجدہ سے اٹھتے وقت تکبیر نہیں کہتے تھے مگر یہ مطلب صحیح نہیں اس واسطے کہ امام بخاری نے اپنی تاریخ میں ابو داؤد طیالسی سے نقل کیا ہے کہ یہ روایت ہمارے نزدیک باطل ہے۔

علامہ طبری تہذیب الآثار میں اور حافظ بزار لکھتے ہیں کہ اس روایت میں حسن بن عمران متفرد بھی ہے اور مجہول بھی۔ حافظ ابن حجر امام بخاری کے ذیل باب اتمام التکبیر فی الرکوع۔ کی شرح میں لکھتے ہیں کہ مصنف نے لفظ اتمام سے روایت ابوداؤد کی تضعیف کی طرف اشارہ کیا ہے۔
اور اگر روایت کو صحیح بھی مان لیا جائے تو یہ بیان جواز پر محمول ہے یا اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے تکبیر کو دراز نہیں کیا یا عدم اتمام سے مراد یہ ہے کہ آپ عدد تکبیرات صلوٰۃ کو رکوع سے اٹھتے وقت تکبیر کہہ کر تمام نہیں کرتے تھے بلکہ اس وقت سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تھے۔

(۱۱۰) باب ما جاء فی ما یقول اذا رفع راسہ من الرکوع

(۱۸۳) حدثنا محمد بن عیسی نا عبد اللہ بن نمیر وابو معاویۃ و وکیع ومحمد بن عبید کلھم عن الاعمش عن عبید بن الحسن قال سمعت عبد اللہ بن ابی اوفی یقول کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا رفع راسہ من الرکوع یقول سمع اللہ لمن حمدہ اللھم ربنا لک الحمد ملأ السموات و ملأ الارض وملأ ماشئت من شیء بعد۔ قال ابوداؤد وقال سفیان الثوری وشعبۃ بن الحجاج عن عبید ابی الحسن ھذا الحدیث لیس فیہ بعد الرکوع قال سفیان لقینا الشیخ عبیدا ابا الحسن فلم یقل فیہ بعد الرکوع۔ قال ابوداؤد ورواہ شعبۃ عن ابی عصمۃ عن الاعمش عن عبید قال بعد الرکوع

ترجمہ

محمد بن عیسی نے بطریق عبد اللہ بن نمیر، ابو معاویہ، وکیع ومحمد بن عبید بروایت اعمش بواسطہ عبید بن حسن بسماع عبد اللہ بن ابی اوفی روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع سے سر اٹھاتے تو فرماتے سمع اللہ لمن حمدہ الخ۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ سفیان ثوری اور شعبہ بن الحجاج نے عبید ابی الحسن کہا ہے۔ اس حدیث میں لفظ بعد الرکوع نہیں ہے۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ اس کو شعبہ نے بطریق ابو عصمہ بواسطہ اعمش شیخ عبید سے روایت کرتے ہوئے بعد الرکوع کہا ہے۔ **تشریح**

قولہ باب الخ۔ جب آدمی رکوع سے سر اٹھائے تو اس حالت میں اس کو کیا کہنا چاہیے؟ امام شافعی، مالک، عطاء بن ابی رباح، ابو بردہ، ابن سیرین، اسحاق بن راہویہ اور داؤد ظاہری کہتے ہیں کہ اس کو تسبیح وتحمید دونوں کہنا چاہئیں خواہ وہ امام ہو یا مقتدی ہو یا منفرد ہو۔ دلیل حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی کی زیر بحث حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رکوع سے سر اٹھاتے وقت سمع اللہ لمن حمدہ اور ربنا لک الحمد دونوں کہتے تھے۔ اس حدیث کو صاحب کتاب کے علاوہ امام

مسلم اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔ اسی طرح صحیحین میں حضرت ابوہریرہ سے، صحیح بخاری میں حضرت ابن عمر سے اور صحیح مسلم میں حضرت علی سے مروی ہے کہ آپ دونوں کو جمع کرتے تھے۔

امام ابوحنیفہ (اور ایک روایت میں امام مالک) فرماتے ہیں کہ امام اور منفرد صرف سمع اللہ لمن حمدہ کہے اور مقتدی صرف ربنا لک الحمد۔ حافظ ابن المنذر نے حضرت ابن مسعود، ابوہریرہ، شعبی، امام مالک اور امام احمد سے یہی حکایت کیا ہے۔ صاحبین فرماتے ہیں کہ امام اور منفرد دونوں کو جمع کرے اور مقتدی صرف ربنا لک الحمد کہے۔

امام ابوحنیفہ کی دلیل حضرت ابوہریرہ کی حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم ربنا لک الحمد کہو (اخرجہ عن انس، الجماعۃ عن ابی ہریرۃ، مسلم، ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ، احمد عن ابی موسی الاشعری، حاکم عن ابی سعید الخدری)

اس حدیث میں تقسیم ہے کہ امام کا وظیفہ سمع اللہ لمن حمدہ کہنا ہے اور مقتدی کا وظیفہ ربنا لک الحمد۔ اور دونوں کو جمع کرنا تقسیم کے منافی ہے۔

سوال - جیسے تسمیع و تحمید میں تقسیم ہے اسی طرح آمین کے متعلق بھی تقسیم ہے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب امام ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو۔ حالانکہ اس میں تقسیم کا اعتبار نہیں کیونکہ امام بھی آمین کہتا ہے۔ جواب آمین کے متعلق بعض روایات میں تصریح وارد ہے۔ ان الامام یقولہا اس لئے اس میں تقسیم جاری نہیں ہوسکتی بخلاف زیر بحث مسئلہ کے اس کے متعلق کسی روایت میں اس کی تصریح وارد نہیں۔

٢٥٠ قولہ اللہم ربنا لک الحمد الخ۔ احادیث صحیحہ میں اللہم ربنا ولک الحمد، اللہم ربنا لک الحمد، ربنا ولک الحمد اور ربنا لک الحمد، چاروں طرح مروی ہے۔ ذخیرہ میں ہے کہ ان میں سب سے افضل نمبر ۲ پھر ۳ پھر ۱ پھر ۴۔ پھر نمبر ۱ و ۳ میں جو واؤ ہے یا تو عاطفہ ہے جو بقول ابن دقیق العید ربنا کے بعد لفظ استجب مقدر پر اور بقول امام نووی حمدناک مقدر پر معطوف ہے یا واؤ زائدہ ہے جیسا کہ ابوعمرو ابن العلاء کی رائے ہے اور یا واؤ حالیہ ہے۔

(٢٤٩)

قولہ قال ابوداؤد وقال سفیان الخ یعنی زیر بحث حدیث کی سند میں سلیمان اعمش کی روایت عن عبید بن الحسن ہے اس کے خلاف سفیان ثوری اور شعبہ بن الحجاج کی روایت یوں ہے عن عبید ابی الحسن۔ مگر یہ صرف لفظی اختلاف ہے کیونکہ عبید کے والد کا نام حسن ہے اور عبید کی کنیت ابوالحسن ہے فصح انہ ابن الحسن وانہ ابوالحسن۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ سفیان اور شعبہ نے اس حدیث میں یہ ذکر نہیں کیا کہ اس دعاء کا محل رکوع کے بعد ہے۔ بخلاف اعمش کے کہ ان کی روایت میں اس کا محل بعد الرکوع ہے۔ کیونکہ انہوں نے تصریح کی ہے کہ آپ یہ دعاء رکوع سے سر اٹھانے کے بعد پڑھتے تھے۔ حدیث شعبہ عن عبید ابی الحسن کی تخریج امام مسلم نے صحیح میں اور امام احمد نے مسند میں کی ہے۔

قولہ قال سفیان لقینا الخ۔ مطلب یہ ہے کہ سفیان نے اولاً یہ حدیث عبید سے کسی شخص کے واسطے سے سنی تھی جس میں بعد الرکوع یا اس کے ہم معنی الفاظ تھے اس کے بعد

سفیان نے براہ راست شیخ عبید سے سنی لیکن انھوں نے کوئی ایسا لفظ ذکر نہیں کیا جو بعد الرکوع ہونے پر دال ہو۔

(۲۵۰)
قولہ قال ابوداؤد رواہ شعبۃ الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ اس حدیث کی سند اور اس کے متن سلیمان اعمش کے تلامذہ نے اختلاف کیا ہے بعض عن عبید بن الحسن کہتے ہیں بعض عن عبید ابی الحسن اور بعض صرف عن عبید وقد تقدم ان کلہا صحیحان۔ پھر بعض تلامذہ تو یہ کہتے ہیں کہ یہ دعا رکوع کے بعد پڑھتے تھے اور بعض اس کا کوئی محل ذکر نہیں کرتے۔

(۱۱۰) باب طول القیام من الرکوع وبین السجدتین

(۸۵۲) حدثنا مسدد وابو کامل دخل حدیث احدھما فی الاخر قالا نا ابو عوانۃ عن ھلال بن ابی حمید عن عبد الرحمن بن ابی لیلی عن البراء بن عازب قال رمقت محمدا صلی اللہ علیہ وسلم وقال ابو کامل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الصلوۃ فوجدت قیامہ کرکعتہ وسجدتہ واعتدالہ فی الرکعۃ کسجدتہ وجلستہ بین السجدتین وسجدتہ ما بین التسلیم والانصراف قریبا من السواء۔ قال ابو داؤد قال مسدد فرکعتہ واعتدالہ بین الرکعتین فسجدتہ فجلستہ بین السجدتین فسجدتہ فجلستہ بین التسلیم والانصراف قریبا من السواء

۲۵۱

ترجمہ

مسدد اور ابوکامل دونوں کی روایت کے الفاظ ایک دوسرے میں مدخول ہیں دو، بحدیث ابو عوانہ بطریق ہلال بن ابی حمید بروایت عبدالرحمن بن ابی لیلی حضرت براء بن عازب سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بقصد نماز میں دیکھا تو میں نے آپ کے قیام کو رکوع اور سجدے کے اسی طرح رکوع کو سجدے کی اعتدال اور دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنے پھر سجدہ کرنے پھر سلام تک بیٹھنے کو تقریباً برابر پایا۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ مسدد نے یوں کہا ہے کہ آپ کا رکوع دونوں رکعتوں کے درمیان جلسہ، دوسرا سجدہ پھر سلام پھیرنے تک جلسہ تقریباً برابر تھا۔ تشریح۔

(۲۵۱)
قولہ قال ابوداؤد الخ زیر بحث حدیث کو امام مسلم نے بطریق حامد بن عمر و ابوکامل اور امام احمد نے بطریق عفان جو روایت کیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔ فوجدت قیامہ فرکعتہ فاعتدالہ بعد رکوعہ فسجدتہ فجلستہ بین السجدتین فسجدتہ فجلستہ ما بین التسلیم والانصراف قریبا من السواء۔ اور امام نسائی کی روایت کے الفاظ بطریق محمود بن غیلان یہ ہیں۔ فوجدت قیامہ ورکعتہ واعتدالہ بعد الرکعۃ فسجدتہ فجلستہ بین السجدتین فسجدتہ فجلستہ بین التسلیم والانصراف قریبا من السواء۔

امام مسلم، امام احمد اور امام نسائی کی روایات یہ بتا رہی ہیں کہ صاحب کتاب نے ابوکامل کی روایت کے جو الفاظ روایت کئے ہیں اس میں غلطی واقع ہوئی ہے اور یہ مبنی بر تصحیف ہے اس واسطے کہ ان تمام حضرات نے تسلیم وانصراف کے درمیان جلسہ کو ذکر کیا ہے اور ابوکامل کی پیش نظر روایات میں سجدہ مذکور ہے۔

اصل میں یہ روایت یوں تھی "وسجدتہ وجلستہ ما بین التسلیم والانصراف" پس اس سے لفظ "وجلستہ" ساقط ہوگیا۔ اسی طرح پیش نظر روایت میں قیام کے بعد رکعتہ پر کاف کو داخل کرنا اور رکعہ کے بعد سجدتہ کو ذکر کرنا وہم ہے۔ غرض اس حدیث میں تقدیم وتاخیر، زیادہ ونقصان اور سقوط وتصحیف وغیرہ کی صورت میں کافی گڑبڑ ہے اور غالبا صاحب کتاب نے قال مسدد سے حدیث مسدد ذکر کر کے اسی وہم کی طرف اشارہ کیا ہے۔

لیکن یہ بھی اشکال سے خالی نہیں۔ اس واسطے کہ امام مسلم نے جو حامد بن عمر اور ابوکامل کے طریق سے حدیث کو روایت کیا ہے اس میں ان کے اختلاف کا ذکر نہیں کیا جس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات ان الفاظ سے متفق ہیں جو الفاظ حدیث مسدد کے موافق ہیں۔ اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ صاحب کتاب کے نزدیک حدیث ابوکامل کا سیاق سیاق مسلم کے خلاف ہے۔

بہرکیف اس روایت پر قوی ترین اشکال ہے۔ اس کے جواب میں زیادہ سے زیادہ یہی کہہ سکتے ہیں کہ جب شیخ ابوکامل نے یہ حدیث امام مسلم کو سنائی تھی اس وقت ان کو اس کے الفاظ علی وجہ الصحۃ محفوظ تھے اور جب امام ابوداؤد کو سنائی تو الفاظ محفوظ نہ تھے اس لئے بالمعنی روایت کر دیا اور اس میں غلطی واقع ہوگئی۔

یہ بھی ممکن ہے کہ اس غلطی کا صدور صاحب کتاب سے ہوا ہو جیسا کہ خود ان کے الفاظ "دخل حدیث احدہما فی الآخر" اس پر دال ہیں کہ ان میں سے ایک دوسرے کے الفاظ علیحدہ علیحدہ محفوظ نہیں اس کے بعد موصوف نے تجزیہ کر کے حدیث مسدد کے الفاظ کو حدیث ابوکامل کے الفاظ سے ممتاز کیا تو اس میں اختلاط ہوگیا۔ یعنی مسدد کے الفاظ ابوکامل کی طرف اور ابوکامل کے الفاظ مسدد کی طرف منسوب ہو گئے حالانکہ حقیقت میں وہ سیاق جس کو صاحب کتاب نے ابوکامل کی طرف منسوب کیا ہے وہ حدیث مسدد کا سیاق تھا۔

مگر یہ جواب اس پر موقوف ہے کہ حدیث مسدد کسی اور کتاب میں اسی سیاق پر موجود ہو حالانکہ اس کا کہیں وجود معلوم نہیں ہوتا فالاولی فی الجواب ان ہذا التصحیف من النساخ:۔

(۱۱۹) بابُ صلوۃِ مَنْ لایقیم صلبَہ فی الرکوع والسجود

(۸۰۵) حدثنا القعنبی نا انس یعنی ابن عیاض ح ونا ابن المثنی حدثنی یحیی بن سعید عن عبید اللہ وھذا لفظ ابن المثنی حدثنی سعیدُ بن ابی سعید عن ابیہ عن ابی ھریرۃ ان رسولَ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دَخَلَ المسجدَ

فدخل رجلٌ فصلّی ثم جاء فسلّم علی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فردّ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم السلامَ وقال فقال ارجع فصلِّ فانک لم تصلِّ فرجع الرجل فصلّی کما کان صلّی ثم جاء الی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فسلّم علیہ فقال لہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وعلیک السلام ثم قال ارجع فصلِّ فانک لم تصلِّ حتی فعل ذلک ثلاث مرار فقال الرجلُ والذی بعثک بالحق ما احسن غیر ھذا فعلّمنی قال اذا قمت الی الصلوۃ فکبّرْ ثم اقرأ ما تیسّر معک من القرآن ثم ارکع حتی تطمئن راکعًا ثم ارفع حتی تعتدل قائمًا ثم اسجُدْ حتی تطمئنّ ساجدًا ثم اجلسْ حتی تطمئنّ جالسًا ثم افعلْ ذلک فی صلوتک کلّھا۔ قال ابو داؤد قال القعنبی عن سعید بن ابی سعید المقبری عن ابی ھریرۃ وقال فی اٰخرہ فاذا فعلتَ ھذا فقد تمّت صلاتُک وما انتقصتَ من ھذا شیئًا فانما انتقصتہ من صلاتک وقال فیہ اذا قمت الی الصلوۃ فاسبغ الوضوءَ۔

ترجمہ

قعنبی نے انس بن عیاض سے اور ابن المثنیٰ نے یحییٰ بن سعید سے بطریق عبید اللہ روایت سعید بن ابی سعید بواسطہ اپنے والد ابو سعید حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد تشریف لائے ایک شخص داخل ہوا اور اس نے نماز پڑھ کر آپ کو سلام کیا آپ نے سلام کا جواب دے کر فرمایا: جا پھر نماز پڑھ تو نے نماز نہیں پڑھی۔ وہ شخص چلا گیا اور پہلے کی طرح نماز پڑھ کر واپس آیا اور اس نے سلام کیا آپ نے سلام کا جواب دے کر فرمایا: جا پھر نماز پڑھ تو نے نماز نہیں پڑھی غرض اسی طرح تین بار ہوا تو اس شخص نے کہا: قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو سچا نبی بنا کر بھیجا ہے میں اس سے بہتر نماز پڑھنا نہیں جانتا آپ مجھے سکھا دیجئے۔

آپ نے فرمایا: جب تو نماز کے لیئے اٹھے تو تکبیر کہہ اور جو کچھ ہو سکے قرآن میں سے پڑھ۔ پھر اطمینان سے رکوع کر اور رکوع سے اٹھ کر سیدھا کھڑا ہو اس کے بعد اطمینان سے سجدہ کر پھر اطمینان کے ساتھ بیٹھ اور پوری نماز میں اسی طرح کر۔ ابوداؤد کہتے ہیں قعنبی نے بواسطہ سعید بن ابی سعید مقبری حضرت ابوہریرہ سے روایت کرتے ہوئے اس کے آخر میں کہا ہے کہ جب تو ایسا کر چکا تو تیری نماز تمام ہو گئی اور تو نے اس میں سے جو کچھ کم کیا تو وہ اپنی نماز میں سے کم کیا۔ اور اس میں یہ بھی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب تو نماز کو کھڑا ہو تو مکمل وضو کر۔

تشریح

قولہ فدخل رجل الخ۔ یہ آنے والے حضرت خلاد بن رافع ہیں جیسا کہ حافظ ابن ابی شیبہ نے بیان کیا ہے۔ معلومات میں ہے کہ یہ غزوۂ بدر میں شہید ہو گئے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ قصہ غزوۂ بدر سے

پہلے کا ہے۔ اس پر یہ اشکال کرنا صحیح نہیں کہ اس قصہ کے راوی حضرت ابوہریرہ ہیں جو ۷ھ میں مشرف باسلام ہوئے ہیں اور غزوۂ بدر ۲ھ میں ہوا ہے اس واسطے کہ ممکن ہے کہ حضرت ابوہریرہ نے یہ قصہ کسی مشاہدہ کرنے والے صحابی سے سنا ہو۔

قولہ فانک لم تصل الخ۔ ای صلوۃ کاملۃ او صحیحۃ۔ شیخ ابن ملک نے ذکر کیا ہے کہ طرفین کے نزدیک لم تصل میں کمال صلوۃ کی نفی ہے چنانچہ آخر حدیث کے الفاظ۔ فانما انتقصت من صلوتک۔ اسی پر دال ہیں۔ کیونکہ وقوع نقص مستلزم بطلان نہیں ہے۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خلاد کو تعلیم کے بعد اعادہ صلوۃ کا حکم نہیں فرمایا۔ اگر نماز صحیح نہ ہوئی ہوتی تو آپ ضرور اعادہ کا حکم فرماتے امام ابو یوسف اس کو نفی جواز پر محمول کرتے ہیں۔

قولہ فی صلوتک کلہا الخ۔ علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ یہ دلیل ہے اس بات کی کہ رکوع اور سجدہ کی طرح ہر رکعت میں قراءت بھی فرض ہے۔ جواب یہ ہے کہ اگر اس کو اس کے عموم ہی پر رکھا جائے تو لازم آئے گا کہ تکبیر افتتاح اور جلسہ استراحت وغیرہ بھی ہر رکعت میں واجب ہو۔ فما ہو جوابکم عنہا فہو جوابنا عن ہذا۔

قولہ قال ابوداود الخ (۲۵۲) صاحب کتاب اپنے شیخ قعنبی اور شیخ ابن المثنی کی حدیث کے اختلاف سند و متن کو بیان کرنا چاہتے ہیں کہ شیخ ابن المثنی نے یہ حدیث عن سعید بن ابی سعید عن ابیہ عن ابی ہریرۃ روایت کی ہے اور قعنبی نے بھی اس کو سعید بن ابی سعید ہی کے واسطے سے روایت کیا ہے لیکن انھوں نے ایک تو سعید بن ابی سعید کے بعد المقبری صفت کو زیادہ کیا ہے دوسرے عن ابیہ کا واسطہ ذکر نہیں کیا بلکہ بلاواسطہ حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے۔ پھر شیخ قعنبی نے آخر حدیث میں۔ فاذا فعلت ہذا فقد تمت صلوتک وما انتقصت من ہذا شیئا فانما انتقصت من صلوتک۔ اور ابتدائے حدیث میں۔ اذا قمت الی الصلوۃ فاسبغ الوضوء۔ کا اضافہ کیا ہے۔ شیخ ابن المثنی نے اس کو ذکر نہیں کیا۔

۴۵۴

(۱۳۰) باب تفریع ابواب الرکوع والسجود ووضع الیدین علی الرکبتین

(۱۸۶) حدثنا حفص بن عمر نا شعبۃ عن ابی یعفور، قال ابوداود اسمہ وقدان عن مصعب بن سعد قال صلیت الی جنب ابی فجعلت یدی بین رکبتی فنہانی عن ذلک فعدت فقال لا تصنع ہذا فانا کنا نفعلہ فنہینا عن ذلک وامرنا ان نضع ایدینا علی الرکب

ترجمہ

حفص بن عمر نے بحدیث شعبہ بواسطہ ابو یعفور (ابوداود کہتے ہیں کہ ان کا نام وقدان ہے) حضرت مصعب بن سعد سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد حضرت سعد بن ابی وقاص

کے پہلو میں نماز پڑھی تو میں نے دونوں ہاتھوں کو دونوں گھٹنوں کے بیچ میں رکھ لیا۔ آپ نے مجھے اس سے منع کیا میں نے پھر ایسا ہی کیا تو انھوں نے فرمایا ایسا مت کر کیونکہ پہلے ہم بھی ایسا ہی کرتے تھے مگر بعد میں ہم کو اس کی مخالفت ہو گئی اور گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے کا حکم ہو گیا۔ تشریح

قولہ باب الخ۔ رکوع کی حالت میں دونوں ہاتھ کس طرح رکھے؟ آیا دونوں کو ملا کر دونوں گھٹنوں کے درمیان رکھے جس کو تطبیق کہتے ہیں یا انگلیوں کو کشادہ رکھ کر دونوں ہاتھوں سے سہارا لیتے ہوئے گھٹنوں کو پکڑ لے؟ سو حضرت ابن مسعود سے مروی ہے کہ "جب کوئی شخص رکوع کرے تو اس کو چاہئے کہ دونوں ہاتھ رانوں سے لگائے اور دونوں ہتھیلیاں ملا کر جوڑ لے" لیکن جمہور علماء کا فیصلہ ہے کہ یہ حکم (تطبیق) اوائل اسلام میں تھا بعد میں منسوخ ہو گیا اور ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھنے کا حکم دے دیا گیا۔ چنانچہ حافظ طبرانی نے معجم صغیر میں، ابو یعلی موصلی نے مسند میں، ابن عدی نے الکامل میں، ابو الولید محمد بن عبداللہ ازرقی نے تاریخ مکہ میں حضرت انس سے، ابن حبان نے صحیح میں اور طبرانی نے معجم میں حضرت ابن عمر سے مرفوعاً روایت کیا ہے: "اذا رکعت فضع کفیک علی رکبتیک" حضرت ابو حمید ساعدی، ابو مسعود عقبہ بن عمرو انصاری، سہل بن سعد اور حضرت ابو اسید کی حدیث میں بھی یہی حکم وارد ہے۔

بہرکیف حکم تطبیق منسوخ ہے جس کی دلیل حضرت سعد بن ابی وقاص کی زیر بحث حدیث ہے جس کو صاحب کتاب کے علاوہ شیخین اور اصحاب سنن نے بھی روایت کیا ہے اس میں "کنا نفعلہ فنہینا عن ذلک" کی تصریح موجود ہے۔ نیز امام ترمذی نے حضرت عمر بن الخطاب سے روایت کیا ہے "ان الرکب سنت لکم فخذوا بالرکب" واما فعل ابن مسعود فیحمل علی انہ لم یبلغہ النسخ او حملہ علی کراہۃ التنزیہ

455

قولہ قال ابو داؤد الخ (۲۵۳) اس میں صرف شعبہ کے شیخ ابو یعفور کا نام بتانا مقصود ہے کہ ان کا نام وقدان ہے بعض حضرات نے ان کا نام واقد بتایا ہے۔ یہ حضرت ابن ابی اوفی، حضرت ابن عمر اور حضرت انس سے روایت رکھتے ہیں اور ان سے ان کے صاحبزادے یونس اور شعبہ و ابو عوانہ اور ابو الاحوص راوی ہیں۔ امام احمد نے ان کو ثقہ کہا ہے۔ یہ ابو یعفور کبیر سے مشہور ہیں جیسا کہ حافظ مزی نے اس پر جزم ظاہر کیا ہے۔ اور علامہ ابن عبد البر کے صنیع سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ امام دارمی نے بطریق اسرائیل عن ابی یعفور اپنی روایت میں اس کی تصریح کی ہے کہ یہ عبدی ہیں والعبدی ہو الاکبر بلا نزاع وذکر النووی فی شرح مسلم انہ الاصغر وتعقب۔

(۱۳) باب ما یقول الرجل فی رکوعہ و سجودہ

(۱۸۷) حدثنا احمد بن یونس نا اللیث یعنی ابن سعید عن ایوب بن موسی او موسی بن ایوب عن رجل من قومہ عن عقبۃ بن عامر بمعناہ زاد قال فکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا رکع قال سبحان ربی العظیم و

بسجده ثلاثاً وادا سجد قال سبحان ربي الاعلى وبحمده ثلاثا قال ابوداؤد وهذه الزيادة نخاف ان لا تكون محفوظة

ترجمہ

احمد بن یونس نے بتحدیث لیث بن سعد بطریق ایوب بن موسیٰ یا موسیٰ بن ایوب ان کی قوم کے ایک آدمی کے واسطے حضرت عقبہ بن عامر سے اسی کے ہم معنی روایت کیا ہے اور اتنا اضافہ کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع کرتے تو تین بار سبحان ربی العظیم وبحمدہ کہتے اور جب سجدہ کرتے تو تین بار سبحان ربی الاعلیٰ وبحمدہ کہتے تھے۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ ہم کو خوف ہے کہ یہ زیادت محفوظ نہ ہو۔ **تشریح**

قولہ باب الخ جب آدمی رکوع وسجدے میں ہو تو اس کو کیا پڑھنا چاہئے؟ صاحب کتاب نے حضرت عقبہ بن عامر سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی "سبح باسم ربک العظیم" تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اجعلوہا فی رکوعکم (اس کو رکوع میں پڑھا کرو) اور جب یہ آیت نازل ہوئی "سبح اسم ربک الاعلیٰ" تو آپ نے فرمایا اجعلوہا فی سجودکم (اس کو سجدے میں پڑھا کرو)

اس میں اجعلوہا کا مرجع بعینہ یہ آیت نہیں ہے۔ کیونکہ رکوع وسجود کی حالت میں قرآن پڑھنا منہی عنہ اور ائمہ اربعہ کے نزدیک مکروہ ہے۔ بلکہ اس کا مرجع تسبیحات ہیں یعنی رکوع میں سبحان ربی العظیم اور سجدے میں سبحان ربی الاعلیٰ کہنا چاہئے۔ پھر یہ تسبیحات واجب ہیں یا سنت؟ قاضی شوکانی نے ذکر کیا ہے کہ اسحٰق بن راہویہ کے نزدیک تسبیح واجب ہے۔ اگر کسی نے عمداً ترک کر دیا تو نماز باطل ہو جائے گی۔ داؤد ظاہری بھی وجوب کا قائل ہے۔

امام احمد فرماتے ہیں کہ تسبیحات رکوع وسجود، سمع اللہ لمن حمدہ، ربنا لک الحمد اور تمام تکبیرات واجب ہیں اگر عمداً چھوڑ دیا تو نماز باطل ہو جائے گی اور اگر بھول کر چھوڑا تو سجدہ سہو کرنا ہوگا (ایک روایت یہ بھی ہے کہ تسبیح سنت ہے) امام ابوحنیفہ کے شاگرد ابومطیع بلخی بھی تین تسبیح فرض ہونے کے قائل ہیں۔

ان حضرات کی دلیل حضرت عقبہ بن عامر کی مذکورہ بالا حدیث ہے۔ لیکن امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور جمہور علماء کے نزدیک تسبیح سنت ہے نہ کہ واجب۔ اور دلیل وہ حدیث ہے جس میں آپ نے مسیٔ صلوٰۃ کو واجبات کی تعلیم فرمائی تھی اس میں ان اذکار کا ذکر نہیں ہے۔ اگر تسبیحات واجب ہوتیں تو ان کی بھی تعلیم فرماتے لان تاخیر البیان عن وقت الحاجۃ لا یجوز۔

(۲۵۴) **قولہ قال ابوداؤد الخ** یعنی لیث بن سعد نے زیر بحث حدیث میں جو زیادتی ذکر کی ہے وہ محفوظ نہیں ہے لیکن وہ کونسی زیادتی ہے جس کے متعلق صاحب کتاب فرما رہے ہیں کہ یہ غیر محفوظ ہے۔ صاحب عون المعبود کہتے ہیں کہ "وہذہ الزیادۃ" ای وبحمدہ یعنی سبحان ربی العظیم اور سبحان ربی الاعلیٰ کے بعد لفظ وبحمدہ کی زیادتی غیر محفوظ ہے۔ مگر موصوف کی یہ تشریح بعید از صواب ہے اور ظاہر یہی ہے کہ اس سے مراد وہ زیادتی ہے جس کی طرف صاحب کتاب نے اپنے قول "زاد فکان اذا" سے اشارہ کیا ہے اور وہ پورا کلام ہے نہ کہ صرف لفظ وبحمدہ۔

اس کے غیر محفوظ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ابوداؤد اور ابن ماجہ وغیرہ میں اس حدیث کو عبداللہ بن مبارک نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عقبہ بن عامر سے، مسند احمد، طحاوی اور دارمی میں ابوعبدالرحمٰن مقری نے حضرت عقبہ بن عامر سے، اسی طرح طحاوی میں عبداللہ بن وہب نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عقبہ بن عامر سے اور یحییٰ بن ایوب نے بطریق موسیٰ بن ایوب عن ایاس بن عامر حضرت علی بن ابی طالب سے روایت کیا ہے لیکن کسی نے اس زیادت کو ذکر نہیں کیا صرف لیث بن سعد نے ذکر کیا ہے لہذا یہ لاجل عدم حفظ ذلک الروایۃ صح کونہ ثقۃ۔

(۱۴۲) باب الدعاء فی الرکوع والسجود

(۱۸۸) حدثنا احمد بن صالح نا ابن وھب ح ونا احمد بن السرح انا ابن وھب اخبرنی یحیی بن ایوب عن عمارۃ بن غزیۃ عن سمی مولی ابی بکر عن ابی صالح عن ابی ھریرۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقول فی سجودہ اللّٰھم اغفرلی ذنبی کلّہ دِقّہ وجُلّہ واوّلہ واٰخرہ، قال ابوداؤد زاد ابن السرح علانیتہ وسرّہ۔

ترجمہ

احمد بن صالح نے بتحدیث ابن وہب اور احمد بن السرح نے باخبار ابن وہب بسند یحییٰ بن ایوب بطریق عمارہ بن غزیہ بروایت سمی مولیٰ ابوبکر بواسطہ ابوصالح حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں یہ دعا مانگتے تھے۔ خدایا! میرے چھوٹے اور بڑے، اگلے اور پچھلے گناہ معاف فرما۔

ابوداؤد کہتے ہیں کہ ابن السرح نے اتنا اور زیادہ کیا ہے کہ میرے کھلے اور چھپے گناہ معاف فرما۔

تشریح

قولہ قال ابوداؤد الخ (۲۵۵) اس میں صرف یہ بتانا ہے کہ شیخ احمد بن صالح کی حدیث میں علانیتہ وسرہ نہیں ہے بلکہ یہ شیخ احمد بن السرح کی حدیث میں ہے۔ صحیح مسلم میں یونس بن عبدالاعلیٰ نے بھی ان الفاظ کو ذکر کیا ہے۔

لہ جوھر باب العبودیۃ والاذعان والاستغفار وسلوک طریق التواضع وامتثال امرہ فی الرغبۃ الیہ والمراد بالذنب الزلۃ اوالغرض منہ تعلیم الامۃ ۱۲ بذل لہ بکسر اولہما ای قلیلہ وکثیرہ وقال فی القاموس الدقیق کالدق بالکسر ۱۲ بذل لہ ای ما صدر منہ فی اول الزمان وآخرہ ۱۲ بذل لہ ای عند غیرہ تعالیٰ والا فہما سواء عندہ تعالیٰ ۱۲ عون۔

(۱۲۳) باب الدعاء فی الصلوٰۃ

(۱۸۹) حدثنا زهير بن حرب نا وكيع عن اسرائيل عن ابی اسحٰق عن مسلم البطين عن سعيد بن جبير عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا قرأ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى قال سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى، قال ابو داؤد خُولِفَ وكيع فی هذا الحديث رواه ابو وكيع وشعبة عن ابی اسحٰق عن سعيد بن جبير عن ابن عباس موقوفاً

ترجمہ

زہیر بن حرب نے بتحدیث وکیع بسند اسرائیل بطریق ابواسحاق بروایت مسلم البطین بواسطہ سعید بن جبیر حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سبح اسم ربک الاعلیٰ پڑھتے تو کہتے سبحان ربی الاعلیٰ۔ ابو داؤد کہتے ہیں کہ اس حدیث میں وکیع کے خلاف کیا گیا ہے۔ اس کو ابو وکیع اور شعبہ نے بطریق ابواسحاق بواسطہ سعید بن جبیر حضرت ابن عباس سے موقوفاً روایت کیا ہے۔

تشریح

(۲۰۶)
قولہ قال ابو داؤد الخ ایس حرف زیر بحث حدیث کے رفع و وقف کا اختلاف ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ وکیع بن الجراح نے تو اس کو مرفوعاً روایت کیا ہے اور ابو وکیع اور شعبہ نے اس کو موقوفاً روایت کرتے ہوئے حضرت ابن عباس کا قول بتایا ہے۔

(۱۹۰) حدثنا محمد بن المثنیٰ حدثنی محمد بن جعفر نا شعبة عن موسى بن ابی عائشة قال کان رجل يصلی فوق بيته وكان اذا قرأ اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقَادِرٍ عَلٰى اَنْ يُّحْيِيَ الْمَوْتٰى قال سبحانك فبلٰى فسألوه عن ذلك فقال سمعته من رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال ابو داؤد قال احمد يعجبنی فی الفريضة ان يدعو بما فی القرآن

ترجمہ

محمد بن المثنیٰ نے بسند محمد بن جعفر بتحدیث شعبہ، موسیٰ بن ابی عائشہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص اپنے گھر کی چھت پر نماز پڑھا کرتا اور جب اس آیت پر پہنچتا الیس ذلک بقادر علی ان یحیی الموتی، تو کہا کرتا سبحانک فبلیٰ۔ لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی۔ اس نے کہا میں نے یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔

لہ وفی نسخۃ من سنن ابی داؤد فبلی بالفاء۔ قال ابن رسلان وکثر النسخ المعتمدۃ بالام بل الکاف وبلی حرف الایجاب المنفی والمعنی انت قادر علی ان تحیی الموتی، کذا فی النیل ۱۲ عون

ابوداؤد کہتے ہیں کہ امام احمد کا قول ہے کہ مجھے فرض نماز وں میں ان دعاؤں کا پڑھنا بھلا معلوم ہوتا ہے جو قرآن میں آئی ہیں۔ تشریح

قولہ قال ابو داؤد الخ (۲۵۶) صاحب عون المعبود نے لکھا ہے کہ امام احمد کے اس قول کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ فرض نماز میں تشہد کے بعد سلام سے پہلے وہ دعائیں پڑھنا پسندیدہ ہیں جو قرآن میں وارد ہیں۔ جیسے ربنا آتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار۔ ربنا انّنا سمعنا منادیا ینادی للایمان اور وغیرہ۔ دوسری صورت یہ ہے کہ جب نمازی فرض نماز میں قراءت کرتا ہوا آیت تسبیح پر پہنچے تو تسبیح پڑھے اور آیت سوال پر پہنچے تو سوال کرے اور آیت عذاب پر پہنچے تو استعاذہ کرے۔

گویا امام احمد ان اشیاء کو نوافل کے ساتھ مخصوص نہیں مانتے بلکہ فرائض میں بھی مستحب کہتے ہیں۔ حافظ بیہقی نے کتاب المعرفہ میں امام شافعی کا بھی قول قدیم یہی بتایا ہے۔ علامہ توربشتی فرماتے ہیں کہ نوافل میں یہ امام مالک کے یہاں بھی جائز ہے۔ احناف کے یہاں غیر نماز میں تو اس کی اجازت ہے نماز کی حالت میں اجازت نہیں۔

(۱۴۳) بابُ مقدارِ الرکوعِ والسُّجودِ

(۹۸) حدثنا عبد الملك بن مروان الاهوازی نا ابو عامر وابو داؤد عن ابن ابی ذئب عن اسحٰق بن یزید الهذلی عن عون بن عبد الله عن عبد الله بن مسعود قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا ركع احدكم فلیقل ثلاث مرات سبحان ربی العظیم وذلك ادناه واذا سجد فلیقل سبحان ربی الاعلی ثلاثا وذلك ادناه قال ابو داؤد هذا مرسل عون لم یدرك عبد الله ۴۵۹

ترجمہ

عبد الملک بن مروان اہوازی نے بحدیث ابو عامر و ابو داؤد بطریق ابن ابی ذئب بروایت اسحٰق بن یزید ہذلی بواسطہ عون بن عبد اللہ حضرت عبد اللہ بن مسعود سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی رکوع کرے تو چاہیے کہ سبحان ربی العظیم تین بار کہے یہ اس کا ادنیٰ درجہ ہے اور جب سجدہ کرے تو چاہیے کہ سبحان ربی الاعلیٰ تین بار کہے یہ اس کا ادنیٰ درجہ ہے۔

ابوداؤد کہتے ہیں کہ یہ حدیث مرسل ہے کیونکہ عون نے حضرت عبد اللہ بن مسعود کو نہیں پایا۔ تشریح

عـہ قال الترمذی اسناده لیس بمتصل عون بن عبد الله بن عتبة لم یلق ابن مسعود۔ وقال المنذری وذكره البخاری فی تاریخ الكبیر وقال مرسل ۱۲

قولہ باب الخ۔ رکنیت رکوع وسجود کی مقدار کیا ہے؟ ملا علی قاری نے شرح منیہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ رکوع میں اتنی دیر ٹھہرنا جس کو رکوع کہہ سکیں اور سجدے میں اتنی دیر ٹھہرنا جس کو سجدہ کہہ سکیں فرض ہے۔ اور تین مرتبہ تسبیح کہنا سنت ہے جیسا کہ زیربحث حدیث میں آپ کا ارشاد ہے۔ مبسوط سرخسی میں ہے کہ اس حدیث میں جو۔ وذلک ادناہ ہے۔ اس سے مراد جواز کا کمتر درجہ نہیں کہ اس سے کم جائز نہ ہو۔ کیونکہ رکوع وسجود تو تسبیح کے بغیر بھی جائز ہے۔ (جب بقدر رکوع کرلیا ہو) بلکہ اس سے مراد کمال سنت یا کمال تسبیح کا کمتر درجہ ہے۔

علامہ ماوردی فرماتے ہیں کہ کمال سنت گیارہ یا نو مرتبہ تسبیح کہنا ہے اور اوسط درجہ پانچ مرتبہ کہنا ہے اور اگر کسی نے صرف ایک بار تسبیح کہی تب بھی تسبیح کا حصول ہو جائے گا۔ امام ترمذی نے حضرت عبداللہ بن المبارک اور اسحٰق بن راہویہ سے نقل کیا ہے کہ امام کے لئے پانچ مرتبہ تسبیح کہنا مستحب ہے امام ثوری بھی اسی کے قائل ہیں۔ شرح اسبیجابی میں ہے کہ اگر کسی نے تین مرتبہ تسبیح نہ کہی یا اتنی مقدار نہ ٹھہرا تو اس کا رکوع اور سجدہ نہ ہوگا۔ مگر یہ قول شاذ ہے جیسے تسبیحات کے متعلق ابو مطیع بلخی کا فرضیت کا قول شاذ ہے۔ اسی طرح جن حضرات نے نو مرتبہ سے زائد تسبیح کہنے پر سجدہ سہو واجب کیا ہے وہ بھی بلادلیل ہے۔

قولہ قال ابوداؤد الخ (۲۵۸) | یہاں مرسل سے مراد منقطع ہے کیونکہ مرسل کی صورت یہ ہوتی ہے کہ تابعی (صغیر یا کبیر) یوں کہے، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کذا او فعل کذا او فعل کذا بحضرتہ۔ اور یہاں یہ صورت نہیں بلکہ انقطاع کی صورت ہے بایں معنی کہ ابوعبداللہ عون بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود ہذلی کوفی نے اس حدیث کو حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کیا ہے حالانکہ عون نے حضرت عبداللہ کو نہیں پایا معلوم ہوا کہ روایت میں انقطاع ہے اور عون وعبداللہ کے درمیان واسطہ ہے جو یہاں متروک ہے۔

(۲۹۰) حدثنا احمد بن صالح وابن رافع قالا نا عبداللہ بن ابراہیم بن کیسان حدثنی ابی عن وہب بن مانوس قال سمعت سعید بن جبیر یقول سمعت انس بن مالک یقول ما صلیت وراء احد بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشبہ صلوۃ برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ہذا الفتی یعنی عمر بن عبدالعزیز قال فحزرنا فی رکوعہ عشر تسبیحات وفی سجودہ عشر تسبیحات قال ابوداؤد قال احمد بن صالح قلت لہ مانوس او مابوس فقال اما عبدالرزاق فیقول مابوس واما حفظی فمانوس، قال ابوداؤد وہذا لفظ ابن رافع قال احمد عن سعید بن جبیر عن انس بن مالک

ترجمہ

احمد بن صالح اور ابن رافع نے بسند عبداللہ بن ابراہیم بن کیسان بحدیث ابراہیم بن کیسان بحدیث

وہب بن مانوس بصراً سعید بن جبیر حضرت انس بن مالک سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کے پیچھے ایسی نماز نہیں پڑھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے زیادہ مشابہ ہو سوائے اس جوان کے یعنی حضرت عمر بن عبد العزیز کے۔ انھوں نے کہا کہ ہم نے ان کے رکوع و سجود کا اندازہ دس دس تسبیحات سے کیا۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ احمد بن صالح نے عبد اللہ بن ابراہیم سے پوچھا کہ مانوس ہے یا ابوس؟ انھوں نے کہا کہ عبد الرزاق تو ابوس کہتے تھے لیکن مجھے مانوس یاد ہے۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ یہ ابن رافع کے الفاظ ہیں اور احمد بن صالح نے عن سعید بن جبیر عن انس بن مالک کہا ہے:- قسمہ یحیی

قولہ قال ابوداؤد قال احمد بن صالح الخ (۲۵۹) شیخ وہب کے والد کا نام مانوس ہے یا ابوس؟ اس کی تحقیق مطلوب ہے فرماتے ہیں کہ میرے شیخ احمد بن صالح نے اپنے شیخ عبد اللہ بن ابراہیم بن کیسان سے اس کے متعلق دریافت کیا کہ ان کا نام مانوس (نون کے ساتھ) ہے یا ابوس (باء کے ساتھ)؟ انھوں نے کہا کہ عبد الرزاق بن ہمام بن نافع حمیری (تلمیذ ابراہیم بن عمر بن کیسان) تو یہ کہتے تھے کہ میں نے اپنے شیخ ابراہیم بن کیسان سے ابوس (باء کے ساتھ) سنا ہے۔ لیکن مجھے اپنے شیخ اور والد ابراہیم بن کیسان سے جو محفوظ ہے وہ مانوس (نون کے ساتھ) ہے:-

قولہ قال ابوداؤد وہذا لفظہ الخ (۲۶۰) یعنی زیر بحث حدیث کے الفاظ جس میں حضرت سعید بن جبیر اور حضرت انس بن مالک سے سماع کی تصریح ہے۔ شیخ محمد بن رافع نیشاپوری کے ہیں اور شیخ احمد بن صالح کی روایت معنعن ہو یعنی عن سعید بن جبیر عن انس بن مالک

(۱۲۵) بابُ النّهي عن التّلقين

(۹۰۳) حدثنا عبدُ الوهّاب بن نَجْدَةَ ثنا محمد بن یوسف الفریابی عن یونس بن ابی اسحٰق عن ابی اسحٰق عن الحارث عن علی رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا علیُّ لا تَفْتَحْ علی الامام فی الصلوٰۃ. قال ابو داؤد ابو اسحٰق لم یَسْمَعْ من الحارث الّا اربعۃ احادیثَ لیس ھذا منھا

ترجمہ

عبد الوہاب بن نجدہ نے بتحدیث محمد بن یوسف فریابی بطریق یونس بن ابی اسحٰق بروایت

لہ فی التقریب وہب بن مانوس بالنون وقیل بالموحدۃ البصری نزیل الیمن مستور من السادسۃ، لہ فی تہذیب التہذیب یقال ابوس ویقال منابس بالنون فیہما۔ وفی الخلاصۃ وثقہ ابن حبان ۱۲ باخ عو

ابو اسحٰق بواسطہ حارث حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے علی! نماز میں امام کو مت بتا۔ ابو داؤد کہتے ہیں کہ ابو اسحٰق نے حارث سے نہیں سنیں مگر چار حدیثیں اور یہ حدیث ان میں سے نہیں ہے۔

تشریح

قولہ باب الخ۔ بحالت صلوٰۃ امام کو لقمہ دینا جائز ہے یا نہیں؟ علامہ خطابی نے معالم السنن میں ذکر کیا ہے کہ حضرت عثمان بن عفان اور حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ ان حضرات کے نزدیک اس کی کوئی مضائقہ نہیں حضرت عطاء، حسن البصری، ابن سیرین، امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور اسحٰق بن راہویہ کا یہی قول ہے لیکن حضرت عبد اللہ بن مسعود سے کراہت مروی ہے، امام شعبی اور سفیان ثوری بھی اس کو مکروہ سمجھتے ہیں۔

صاحب بدائع لکھتے ہیں کہ لقمہ دینے کی دو صورتیں ہیں، لقمہ دینے والا مقتدی ہوگا یا غیر مقتدی اگر غیر مقتدی ہو تو لقمہ لینے سے نمازی کی نماز فاسد ہو جائے گی خواہ لقمہ دہندہ خارج صلوٰۃ ہو یا داخل صلوٰۃ دہایں طور کہ وہ اپنی کوئی اور نماز پڑھ رہا ہو، بلکہ اگر لقمہ دہندہ نماز میں ہو تو اسکی نماز بھی فاسد ہو جائیگی کیونکہ یہ تو تعلیم وتعلم ہے جو منافی صلوٰۃ ہے اسی طرح اگر نماز پڑھنے والے نے کسی غیر نمازی کو لقمہ دیدیا تو نمازی کی نماز فاسد ہو جائیگی اور اگر لقمہ دہندہ مقتدی ہو اور وہ اپنے امام کو بتادے تو قیاس کی رو سے تو اس صورت میں بھی نماز فاسد ہو جانی چاہیے مگر استحساناً فاسد نہ ہوگی کیونکہ صحیح روایت سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ مؤمنون کی قراءت کی اور کوئی کلمہ چھوٹ گیا تو آپ نے نماز سے فراغت کے بعد حاضرین سے فرمایا: کیا تم میں ابی بن کعب نہیں ہیں؟ حضرت ابی نے عرض کیا: یا رسول اللہ حاضر ہوں۔ آپ نے فرمایا: تم نے مجھے لقمہ کیوں نہیں دیا؟ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ میں نے اس خیال سے لقمہ نہیں دیا کہ شاید یہ کلمہ منسوخ ہو گیا۔ آپ نے فرمایا: اگر منسوخ ہو جاتا تو میں تمہیں ضرور بتا دیتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ مقتدی کے لئے اپنے امام کو لقمہ دینا جائز ہے۔

جو لوگ اس کو مکروہ سمجھتے ہیں ان کی دلیل حضرت علی کی زیر بحث حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو لقمہ دینے سے منع فرمایا ہے۔

جواب یہ ہے کہ اول تو یہ حدیث ضعیف ہے جو حضرت ابی بن کعب کی حدیث کے ہم پلہ نہیں ہو سکتی کیونکہ اس کی اسناد میں ابو زہیر حارث بن عبد اللہ الکوفی الاعور ہے جس کو امام شعبی، ابو اسحاق سبیعی اور علی بن المدینی نے کاذب کہا ہے۔

دوسرے یہ کہ یہ روایت منقطع ہے جس کی تشریح قول کے ذیل میں آ رہی ہے۔ تیسرے یہ کہ بطریق ابو عبد الرحمٰن سلمی خود حضرت علی سے مروی ہے انہ قال۔ اذا استطعمکم الامام فاطعموہ ۔ کہ جب امام تم سے لقمہ چاہے تو اس کو لقمہ دیدو۔ حافظ ابن حجر نے تلخیص میں اس کی تصحیح کی ہے۔

چوتھے یہ کہ بتقدیر صحت لقمہ دینے کی جو ممانعت ہے وہ عدم ضرورت پر محمول ہے کہ بلا ضرورت لقمہ دینا جائز نہیں۔

قولہ قال ابو داؤد الخ | صاحب کتاب کہتے ہیں کہ ابو اسحاق نے حارث اعور سے صرف چار

حدیثیں سنی ہیں اور زیر بحث حدیث ان چار میں سے نہیں ہے۔ میزان الاعتدال میں حافظ شعبہ سے بھی یہی منقول ہے۔ بلکہ حافظ مجلی کے نزدیک تو وہ چاروں کتابی ہیں نہ کہ بطریق سماع۔ معلوم ہوا کہ اس روایت میں مذکورہ بالا ضعف کے علاوہ ایک علت انقطاع بھی ہے:۔

(۱۲۶) باب الرخصة فی ذلك

(۹۱۳) حدثنا الربیع بن نافع نا معاویة یعنی ابن سلّام عن زید انه سمع ابا سلّام قال حدثنی السلولیؒ عن سهل بن الحنظلیة قال ثُوِّبَ بالصلوٰة یعنی صلوٰة الصبح فجعل رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یصلی و هو یلتفت الی الشعب، قال ابو داؤد وکان ارسلَ فارسًا الی الشعب من اللیل یحرس۔

ترجمہ

ربیع بن نافع نے بحدیث معاویہ بن سلام بطریق زید بسماع ابوسلام بحدیث سلولی سہل بن حنظلیہ سے روایت کیا ہے کہ صبح کی نماز کی تکبیر ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے جاتے اور گھاٹی کی طرف دیکھتے جاتے تھے۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ آپ نے گھاٹی کی طرف نگہبانی کے لئے ایک سوار بھیجا تھا۔

تشریح

قولہ باب الخ۔ نماز میں ادھر اُدھر دیکھنا جائز ہے یا نہیں؟ حضرت سہل بن حنظلیہ کی زیر بحث حدیث سے اس کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ امام حازمی نے کتاب الاعتبار میں ذکر کیا ہے کہ حضرت عطاء، امام مالک، اوزاعی اور اہل کوفہ اس طرف گئے ہیں کہ گردن موڑے بغیر ادھر اُدھر دیکھ لینے میں کوئی حرج نہیں۔ چنانچہ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں دائیں بائیں دیکھتے تھے لیکن اپنی گردن پیٹھ کی طرف نہیں موڑتے تھے (ترمذی، نسائی، حاکم، دارقطنی، ابن حبان، بزار، ابن عدی) البتہ گردن موڑ کر دیکھنا مکروہ ہے اور اگر بوقت التفات سینہ جہت قبلہ سے ہٹ گیا تو نماز ہی فاسد ہو جائے گی۔

بعض حضرات نے فرض نماز میں اس کو مکروہ کہا ہے اور نوافل میں درست کیونکہ ترمذی میں حضرت انسؓ سے مروی ہے۔ قال لی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ایاک والالتفات فی الصلوٰة۔ فان الالتفات فی الصلوٰة هلکة فان كان لابد ففی التطوع لا فی الفريضة۔

لیکن صاحب کتاب نے "باب الالتفات فی الصلوٰة" اور "باب النظر فی الصلوٰة" کے ذیل میں جو احادیث کی تخریج کی ہے ان سے اس کی علی الاطلاق کراہت ثابت ہوتی ہے اسی لئے عام علماء نے اس کو علی الاطلاق مکروہ کہا ہے اور جن روایات سے اس کا جواز معلوم ہوتا ہے ان کو منسوخ مانا ہے چنانچہ حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے وقت آسمان کی طرف نظر اٹھا لیتے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ قد افلح المؤمنون الذین هم فی صلوٰتهم خاشعون۔

رہی حضرت سہل بن حنظلیہ کی زیر بحث حدیث سو اس سے متنازع فیہ التفات ثابت نہیں ہوتا اس واسطے کہ ممکن ہے وہ گھاٹی جس کی طرف آپ دیکھ رہے تھے وہ قبلہ کی جانب ہو۔ شیخ نے بذل میں تحریر کیا ہے کہ بہتر جواب یہ ہے کہ ادھر ادھر دیکھنا اگر بلا عذر ہو تو مکروہ ہے ورنہ مکروہ نہیں۔ امام بخاری نے باب ہل یلتفت لامر نزل بہ الخ ترجمہ قائم کرکے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے :۔

قولہ قال ابو داؤد الخ (۲۹۳) صاحب کتاب نے حضرت سہل بن حنظلیہ کی یہ حدیث یہاں مختصراً ذکر کی ہے اور کتاب الجہاد میں باب فضل الحرس فی سبیل اللہ کے تحت اس کو مطولاً روایت کیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گھاٹی کی طرف ایک سوار کو نگہبانی کے لئے بھیجا تھا اور آپ کو اس کا انتظار تھا اس لئے آپ گھاٹی کی طرف دیکھ رہے تھے کیونکہ اس طرف سے کفار کے آنے کا اندیشہ تھا :۔

(۱۲۰) باب العمل فی الصلوۃ

(۹۱۵) حدثنا محمد بن سلمۃ المرادی نا ابن وھب عن مخرمۃ عن ابیہ عن عمرو بن سلیم الزرقی قال سمعت ابا قتادۃ الانصاری یقول رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی للناس وامامۃ بنت ابی العاص علی عنقہ فاذا سجد وضعھا۔ قال ابو داؤد ولم یسمع مخرمۃ من ابیہ الا حدیثا واحدا ۲۹۴

ترجمہ

محمد بن سلمہ مرادی نے بتحدیث ابن وہب بطریق مخرمہ بن بکیر بروایت بکیر بن عبد اللہ بواسطہ عمرو بن سلیم زرقی حضرت ابو قتادہ انصاری سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ نماز پڑھا رہے تھے اور امامہ بنت ابی العاص آپ کی گردن پر سوار تھیں جب آپ سجدہ کرتے تو ان کو بٹھا دیتے تھے۔ ابو داؤد کہتے ہیں کہ مخرمہ نے اپنے والد سے صرف ایک حدیث سنی ہے :۔ **تشریح**

قولہ باب الخ۔ نماز پڑھنے والا اپنی نماز میں اگر کوئی ایسا عمل کرے جو جنس اعمال صلوۃ سے نہ ہو اور قلیل ہو تو نماز ہو جائے گی اور اگر کثیر ہو تو نماز فاسد ہو جائے گی لیکن قلیل و کثیر عمل کی مقدار کیا ہے اس میں اختلاف ہے۔ بعض حضرات نے تو یہ کہا ہے کہ جس عمل میں دونوں ہاتھوں کے استعمال کی ضرورت واقع ہو وہ کثیر ہے اور جس میں دونوں کی ضرورت واقع نہ ہو وہ قلیل ہے۔
اور بعض نے یہ کہا ہے کہ اگر اس عمل کو دیکھنے والا دور سے دیکھ کر یہ سمجھے کہ اس کا فاعل نماز میں نہیں ہے وہ کثیر ہے ورنہ قلیل ہے۔

پھر حضرت ابو قتادہ انصاری کی زیر بحث حدیث سے بعض حضرات نے اس پر استدلال کیا ہے کہ نماز پڑھنے کی حالت میں بچوں کو گود میں اٹھا لینا اور بٹھا دینا وغیرہ امور جائز ہیں اور ان سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ مگر یہ استدلال بے محل ہے اس واسطے کہ ممکن ہے آپ کا یہ فعل کثیر نہ ہو قلیل ہو یا آپ کے ساتھ مخصوص ہو یا یہ واقعہ آپ کے ارشاد۔ ان فی الصلوٰۃ لشغلا۔ سے پہلے کا ہو یا آپ نے بیان جواز کے لئے ایسا کیا ہو فانہ جائز مع الکراہۃ کما صرح بہ فی المنیۃ۔

(۲۶۳) قولہ قال ابوداؤد الخ صاحب کتاب کہتے ہیں کہ مخرمہ نے اپنے والد سے صرف ایک حدیث سنی ہے (یعنی حدیث وتر) پس یہ حدیث منقطع ہے۔ حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں ابو طالب کا قول نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد سے مخرمہ کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ ہے تو ثقہ لیکن اس نے اپنے والد سے کچھ نہیں سنا بلکہ یہ اپنے والد کی کتاب سے روایت کرتا ہے۔ یحییٰ بن معین فرماتے ہیں وقع الیہ کتاب ابیہ ولم یسمعہ۔ سعید بن ابی مریم اپنے ماموں موسیٰ بن سلمہ سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے مخرمہ سے دریافت کیا:
حدثک ابوک؟ انھوں نے کہا: لم ادرک ابی وہذہ کتبہ۔

(۱۲۸) بابُ ردِّ السّلام فِی الصّلوٰۃ

(۱۹۲) حدثنا محمد بن العلاء انا معاویۃ بن ھشام عن سفیان عن ابی مالك عن ابی حازم عن ابی ھریرۃ قال اراہ رفعہ قال لا غرار فی تسلیم ولا صلاۃ قال ابو داؤد ورواہ ابن فضیل علی لفظ ابن مھدی ولم یرفعہ۔

ترجمہ

محمد بن العلاء نے باخبار معاویہ بن ہشام بطریق سفیان بروایت ابو مالک بواسطہ ابو حازم حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے۔ معاویہ کہتے ہیں کہ میں سمجھتا ہوں کہ سفیان نے اس کو مرفوع روایت کیا ہے "کہ نہیں ہے نقصان سلام اور نماز میں"۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ اسکو ابن فضیل نے ابن مہدی کے الفاظ کی طرح روایت کیا ہے۔ لیکن اس نے اس کو مرفوعاً روایت نہیں کیا۔

تشریح: قولہ باب الخ نماز میں گفتگو کرنا، سلام کرنا اور اس کا جواب دینا وغیرہ جائز ہے یا نہیں؟ حافظ ابن المنذر نے اس پر اہل علم کا اجماع نقل کیا ہے کہ اگر کوئی شخص نماز میں عمداً گفتگو کرے اور وہ اصلاح نماز کیلئے نہ ہو تو اسکی نماز فاسد ہو جائیگی، لیکن بھول کر گفتگو کرنے کی بابت اختلاف ہے۔ امام ترمذی نے اکثر اہل علم

سے یہی نقل کیا ہے کہ اس سلسلہ میں عمد و نسیان دونوں برابر ہیں۔ چنانچہ امام ثوری، عبداللہ بن المبارک، ابراہیم نخعی، حماد بن ابی سلیمان اور امام ابوحنیفہ رح اسی کے قائل ہیں۔ پس ہمارے یہاں نماز میں کلام کرنا مفسد صلوٰۃ ہے، کم ہو یا زائد، عمداً ہو یا خطاءً، سہواً ہو یا نسیاناً، مجبوراً ہو یا اختیاراً، مصلحۃً ہو یا بلا مصلحت۔

بعض حضرات نے ناسی و عامد کے کلام میں فرق کیا ہے کہ عمداً کلام کرنا مفسد ہے نہ کہ نسیاناً۔ حافظ ابن المنذر نے عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن زبیر، عروہ بن الزبیر، عطاء بن ابی رباح، حسن بصری، عمرو بن دینار اور ابوثور سے اور امام حازمی نے اہل کوفہ کی ایک جماعت اور اکثر اہل حجاز و اہل شام سے اور امام نووی نے شرح مسلم میں جمہور سے یہی نقل کیا ہے۔

امام شافعی کے یہاں کچھ تفصیل ہے جس کو امام نووی نے شرح مہذب میں ذکر کیا ہے کہ اگر کلام عمداً اور بلا مصلحت ہو تو بالاجماع مفسد ہے اور اگر برائے اصلاح نماز ہو مثلاً پانچویں رکعت کے لئے اٹھتے وقت کہا کہ چار ہو چکیں تو یہ بھی مفسد ہے جمہور فقہاء کا یہی مذہب ہے اور اگر زبردستی مجبور کئے جانے پر بولا تو امام شافعی کے نزدیک اصح یہ ہے کہ یہ بھی مفسد ہے۔ ہاں بھول چوک سے بولنا ان کے نزدیک مفسد نہیں الا یہ کہ طویل ہو۔ امام مالک کے یہاں کلام مصلحت مفسد نہیں اور نسیان و جہل ملحق بالعمد ہیں۔ امام احمد کے کلام مصلحت کی بابت دونوں روایتیں ہیں۔ خلال نے مفسد ہونے کو اختیار کیا ہے۔ جو لوگ فرق کے قائل ہیں ان کی دلیل حضرت ذوالیدین کا قصہ ہے جس میں یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھول کر گفتگو کی کیونکہ آپ سمجھ رہے تھے کہ نماز پوری ہو چکی اور حضرت ذوالیدین نے بھی بھول کر کلام کیا کیونکہ آپ یہ سمجھ رہے تھے کہ شاید نماز میں قصر ہو گیا۔ لیکن نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز لوٹائی اور نہ حضرت ذوالیدین نے..... اور حضرت ابوبکر و عمر کو اعادہ کا حکم فرمایا۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "اللہ نے میری امت سے خطاء و نسیان اور اس چیز کو اٹھا لیا جس پر ان کو مجبور کیا جائے۔" (ابن ماجہ، ابن حبان، حاکم عن ابن عباس)

پھر بھول کر کلام کرنا ایسا ہے جیسے بھول کر سلام پھیرنا اور یہ مفسد صلوٰۃ نہیں لہذا بھول کر کلام کرنا بھی مفسد نہ ہوگا۔

امام ابوحنیفہ رح کی دلیل حضور اکرم کا ارشاد ہے "ولیبن علی صلوتہ مالم یتکلم" اس میں آپ نے بناء صلوٰۃ کے جواز کو تکلم تک محدود کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ اس کا جواز تکلم سے ختم ہو جائے گا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود سے مرفوعاً مروی ہے "ان اللہ قد احدث ان لا تکلموا فی الصلاۃ" امام مسلم نے نسخ کلام کے باب میں حضرت معاویہ بن الحکم سلمی سے طول کے ساتھ روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم کے پیچھے نماز پڑھی، ایک شخص کو چھینک آئی میں نے یرحمک اللہ کہہ دیا (اس میں ہے کہ) آپ نے فرمایا: ہماری نماز ایسی ہے کہ

اس میں کلام وغیرہ کرنا زیبا نہیں، یہ تو محض تسبیح و تہلیل اور قرأت قرآن ہے۔ نیز حضرت زید بن ارقمؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کی روایات میں تصریح ہے کہ "پہلے ہم لوگ نماز میں بات چیت کر لیا کرتے تھے بعد میں اس کی ممانعت ہو گئی"۔

حضرت ذوالیدین کی حدیث کا جواب یہ ہے کہ یہ اس حالت پر محمول ہے جس میں تکلم فی الصلوٰۃ مباح تھا۔ دلیل یہ ہے کہ حضرت ابوبکر و عمرؓ نے عمداً کلام کیا تھا اس کے باوجود آپ نے اعادہ کا حکم نہیں فرمایا حالانکہ عمداً کلام کرنا بالاجماع مفسد ہے۔ خطاء و نسیان والی حدیث کا جواب یہ ہے کہ اوّل تو اس کی صحت میں محدثین کو کلام ہے۔ ابن عدی کہتے ہیں کہ یہ حدیث منکرات جعفر بن جبیر میں سے ہے۔ ابن ماجہ الطبرانی اور ابو نعیم کہتے ہیں کہ یہ غریب ہے ابو حاتم فرماتے ہیں کہ یہ گویا موضوع ہے۔ عقیلی کہتے ہیں کہ یہ بالکل موضوع ہے۔

بتقدیر صحت و ثبوت ہماری احادیث اصح و اعلیٰ اور صریح ہیں جن کا مقابلہ امام شافعی والی احادیث نہیں کر سکتیں۔ اور اگر مساوات ہی تسلیم کر لیں تب بھی اس سے مدعا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ "ان اللہ وضع الخ" میں وضع سے مراد گناہ دُور کرنا ہے۔ یعنی بھول چوک اور استکراہ کی حالت میں گناہ اُٹھا دیا نہ یہ کہ اُمت سے بھول چوک اور اکراہ کو دور کر دیا کہ نہ کوئی بھولے گا اور نہ کبھی پر زبردستی ہو گی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز میں بھولنا ثابت ہے۔ معلوم ہوا کہ لفظ سے حقیقت مراد نہیں بلکہ حکم مراد ہے اور وہ بھی اخروی ورنہ ظاہر ہے کہ اگر کسی نے دُوسرے کو خطاءً قتل کر دیا تو نص قرآنی سے اس پر دیت اور کفارہ واجب ہے اور اگر بھُولے سے نماز کا کوئی رکن چھُوٹ جائے تو بالاجماع نماز فاسد ہے۔

اور بھول کر کلام کرنے کو نسیاناً سلام پھیرنے پر قیاس کرنا اس لئے غلط ہے کہ سلام عمد کی صورت میں نماز فی الجملہ باقی رہتی ہے چنانچہ التحیات میں السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین پڑھا جاتا ہے اور نسیان چونکہ عمد سے کم ہے اس لئے نسیاناً سلام پھیرنے کی صورت میں نماز باقی رہ سکتی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ سلام بایں حیثیت کہ اس میں دعا کے معنی ہیں بذاتِ خود منافی صلوٰۃ نہیں لیکن جب اس کے ذریعہ نماز سے نکلنے کا قصد ہو تو اس کو شرعاً سبب خروج مانا گیا ہے اور نسیان کی صورت میں نماز ابھی باقی ہے تو سلام اپنے محل میں نہ ہوا اس لئے یہ سبب خروج نہیں ہو سکتا بخلاف کلام کے کہ وہ بذاتِ خود منافی صلوٰۃ ہے۔ تکلم فی الصلوٰۃ کی مزید تحقیق "باب السہو فی السجدتین" کے ذیل میں آئے گی۔

قولہ لا غرار الخ۔ مرقاۃ الصعود میں ہے کہ غرار فی الصلوٰۃ کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ نماز میں رکوع و سجود تام نہ ہو دوسرے یہ کہ نمازی کو شک ہو کہ میں نے تین رکعتیں پڑھی ہیں یا چار اور وہ اکثر کو لیتا ہوا نماز سے اس حال میں فارغ ہو کہ اس کو اس کی بابت شک باقی رہے۔ غرار فی الصلوٰۃ کی تفسیر میں یہ دوسری صورت امام احمد سے بھی منقول ہے اور غرار فی التسلیم کی تفسیر ان کے یہاں یہ ہے کہ ایک شخص کسی کو سلام

کرے اور وہ اس کا جواب نہ دے[۱]۔ نہایہ میں ہے کہ غرار فی الصلوٰۃ کا مطلب نماز کے ارکان اور اس کی ہیئات میں نقصان کا ہونا ہے۔ بعض حضرات کے نزدیک اس کا مطلب نماز میں سو جانا اور اس کے ارکان سے غافل ہو جانا ہے۔

قولہ قال ابوداؤد الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ زیر بحث حدیث کو سفیان سے تین اشخاص نے روایت کیا ہے۔ اوّل عبدالرحمٰن بن مہدی یہ اس کو بلا شک و تردد مرفوع روایت کرتے ہیں، دوم معاویہ بن ہشام، ان کو اس کے مرفوع ہونے میں تردد ہے۔ سوم ابن فضیل یہ اس کو مرفوع روایت نہیں کرتے بلکہ حضرت ابوہریرہ پر موقوف کرتے ہیں۔ پھر ان کی روایت کے الفاظ عبدالرحمٰن بن مہدی کی روایت کے موافق ہیں یعنی "لا غرار فی صلوٰۃ ولا تسلیم، پس ابن فضیل ... الفاظ روایت میں عبدالرحمٰن بن مہدی کے موافق ہیں اور اس کے مرفوع ہونے میں مخالف، وخالف معاویۃ فی الشک ولفظ الحدیث۔

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

قد تم وکمل المجلد الاول من فلاح و بہبود فی حل قال ابوداؤد، والحمد للہ اولاً و آخراً ظاہراً و باطناً سرمداً، والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد و آلہ وصحبہ وسلم۔

محمد حنیف گنگوہی

۱۵ رجب یوم جمعہ ۱۳۹۰ھ

---

[۱] وفی البذل معنی قولہ لا تسلیم عند الامام احمد ان لا تسلم بصیغۃ المعلوم ای علی احد اذا کنت فی الصلوٰۃ ولا یسلم بصیغۃ المجہول علیک ای لا یسلم علیک احد اذا کنت فی الصلوٰۃ۔